ڈیٹوریل

واقعات و [illegible]

[illegible]

بی گزٹ کی ترقی کیلئے ایک نئی تحریک

پنجابی گزٹ کے ان صفحات میں کئی بار اس کا اعادہ کیا جا چکا ہے۔
ِ وہی پرچہ کامیاب ہو سکتا ہے۔ جس کی پشت پر ٹھوس معاونت
درعموماً ہر پرچہ کے اخراجات کی کفیل وہی جماعت اور وہی قوم
رتی ہے۔ جس کا وہ آرگن یا مبلغ ہوتا ہے۔ محض خریداران کے
ہوتے پر کسی پرچہ کا کامیاب ہونا یقیناً ایک معجزہ سے کم نہیں۔ پنجابی
کے اجراء سے اس وقت تک ہم بھی اسی کوشش میں سرگرداں
ے کہ پرچہ کے لئے قوم کے سامنے دست دراز نہ کریں۔ لیکن جب پرچہ
دست و حیات نیز ترقی و ارتقاء کا سوال ہمارے سامنے آیا تو مجبوراً
اصول کے پیش نظر کہ پرچہ کی خدمت صرف ہمارے لئے مخصوص
بلکہ تمام قوم کا ایک اخلاقی فرض ہے۔ ہم کو پرانی پالیسی کو بدلنا پڑا
فیصلہ کیا کہ قوم کے چند مخلص افراد سے معاونت کی درخواست کی
ے۔ جس کوشش کی بنیاد اخلاص اور للّٰہیت پر ہو وہ پروان بھی
تی ہے۔ باری تعالیٰ کا صد ہزار شکر ہے کہ اس نے ہماری آواز
مدا بصحرا ثابت نہ کیا اور جس غرض قوم سے اسکی معاونت چاہی اس نے
لبیک کہا چنانچہ تادم تحریر پنجابی گزٹ کو حسب ذیل حضرات
معاونت کا فخر حاصل ہو چکا ہے۔

(۱) جناب حاجی فضل الدین صاحب بیس والے۔

(۲) جناب حاجی محمد یٰسین صاحب سوت والے

(۳) جناب محمد شفیع صاحب کلکتہ والے

(۴) جناب حاجی عبدالکریم صاحب ملتان۔

ان حضرات کی کوئی تعریف و توصیف کرنی خود ان کی اہمیت کو کم کرنا ہے۔ چونکہ ان میں سے ہر شخص یکتا اخلاق، مجسمہ ہمدردی اور محب قوم ہے۔

آخر میں ہم ان حضرات سے معافی کے خواستگار ہیں جن کے نام تاکید منع کرنے کے باوجود شائع ہو گئے ہیں۔ کیونکہ جو کچھ بھی ہم نے لکھا ہے، اپنے دل کی مخلصانہ آواز سے متاثر ہو کر لکھا ہے۔

ہندوستان کی صنعت پر موجودہ جنگ کا اثر

بنی اسرائیل کی قوم کو خداوند رحیم نے ابھار [illegible]
علیہ السلام کو فرعون کے گھر پلوایا۔ چنانچہ اب وہی تاریخ ایک نئے قالب میں ہندوستان میں دہرائی جا رہی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ فرعون کے ہاں موسیٰ لاعلمی میں پلے۔ اور انگریز اپنی زندگی کے لئے ہندوستان کو شاہراہ ترقی پر ڈالنے کے لئے مجبور ہوا۔ آثار و قرائن بتاتے ہیں کہ وہ دن دور نہیں جب ہندوستان بھی ایک اہم صنعتی ملک شمار ہوگا اور امریکہ کی طرح ہندوستان کے گرد بھی مختلف اقوام چکر لگایا کریں گی۔
کون نہیں جانتا کہ ہندوستان کی طرح جب امریکہ بھی اپنے گلے میں انگریز کی طوق غلامی ڈالے ہوئے تھا تو ان کو بھی یہی تسلی دینے والے [illegible] جاتے تھے کہ تم کو خداوند رحیم نے اتنی زرخیز زمین اسلئے عطا کی ہے کہ تم

[illegible]	۲	پچھ ۹	پچھ [illegible]	[illegible] سعید	۱۰ سال	محمد حسین ابالہ والے	محمد کریا	محمد شفیع صاحب [illegible] والے	[illegible]	[illegible]
[illegible]	۳	پچھ ۱۱	پچھ ۱۱	محمد یونس	۲۳ سال	محمد حاجی [illegible]	گلی محمد ذکریا	محمد اسمٰعیل بیچی والے	سٹیشن محل	[illegible]
۴	۴	پچھ ۱۲	پچھ ۱۲	عبدالخالق	۲۰ سال	محمد عارفین		محلہ [illegible]	انیس الرحمن	کڑہ شیخ	[illegible]
۸	۵	پچھ ۱۳	پچھ ۱۳	سلطان احمد	۱۷ سال	حاجی محمد امین صاحب [illegible]	بیری والا باغ	حافظ عبدالرحمن مرحوم [illegible]	بیری والا باغ	۱۰۰
۹	۶	پچھ ۱۴	پچھ ۱۴	حافظ محمد یحییٰ جہاز [illegible]	۲۱ "	حافظ حمید اللہ جہاز [illegible]	کشن گنج	خان بہادر الحاج عبداللہ	نواب گنج	۱۰۰
[illegible]	۷	پچھ ۱۵	پچھ ۱۵	محمد صالحین	۲۱ "	شیخ محمد رفیع	احاطہ کالے صاحب	رحمت اللہ صاحب	[illegible] صاحب	۱۰۰
۴۱	۸	پچھ ۱۶	پچھ ۱۶	محمد شفیع ٹبلہ	۱۹ "	شیخ محمد عمر صاحب ٹبلہ	گلی ہنگا بیگ	شیخ محمد عثمان اللہ والے	سر [illegible]	[illegible]
۴۲	۹	پچھ ۱۸	پچھ ۱۸	رحمت الٰہی	۲۲ "	نور الٰہی کپڑے والے	سٹیشن محل	قمر الدین	نئی مسجد	
۴۳	۱۰	پچھ ۱۸	پچھ ۱۸	حافظ محمد یوسف	۲۱	حاجی انعام الٰہی بھولا والے	احاطہ کالے صاحب	شیخ حفیظ الرحمن مرحوم کالے صاحب	۱۰۰	[illegible]
۴۴	۱۱	پچھ ۱۹	پچھ ۱۹	محمد تقی	۱۸	شیخ تقیین الدین اللہ والے	گلی ہنگا بیگ	شیخ عبدالجبار کراچی [illegible]	۱۰۰	۵
۴۵	۱۲	پچھ ۲۱	پچھ ۲۱	خلیل الرحمن	۲۲	عبدالاحد گلاس والے	احاطہ کالے صاحب	محمد عمر صاحب ٹبلہ	[illegible]	۵۱۰
۴۶	۱۳	پچھ ۲۵	پچھ ۲۵	مشتاق احمد	۲۱	محمد اشفاق صاحب مرحوم [illegible]	بیری والا باغ	محمد عثمان انبالہ والے	بلیماران	۲
۴۷	۱۴	پچھ ۲۸	پچھ ۲۸	محمد فاروق	۱۹	انعام الٰہی اجمیر والے	کالے صاحب	محمد صالحین صاحب	گلی ہنگا بیگ	
۴۸	۱۵	پچھ ۲۸	پچھ ۲۸	محمد شفیع	۳۰	محمد ابراہیم کلکتہ والے	"	غیاث الدین	[illegible]	
۷۹	۱۶	پچھ ۲۸	پچھ ۲۸	محمد رفیع	۱۸	محمد ابراہیم کلکتہ والے	کالے صاحب	محمد ایوب صاحب	احاطہ کالے صاحب	
۸۰	۱۷	پچھ ۲	پچھ ۲	محمد احمد	۲۰	شیخ عبدالحق صاحب	"	محمد عثمان صاحب	بیری والا باغ	
۸۱	۱۸	پچھ ۳	پچھ ۳	محمد صالحین	۲۰	بھائی عبدالرحمن	کالے صاحب	عزیز الرحمن شیشے والے	احاطہ کالے صاحب	
۸۲	۱۹	پچھ ۵	پچھ ۵	محمد فاروق	۲۲	شمس الحق رنگ والے	بیری والا باغ	محمد رفیع کلکتہ والے	نواب گنج	
۸۳	۲۰	پچھ ۵	پچھ ۵	ذکر الرحمن	۳۱	حاجی عبدالرزاق انبالہ والے	کشن گنج	حاجی محمد شفیع	گلی [illegible]	
۸۴	۲۱	پچھ ۹	پچھ ۹	خلیل احمد	۱۹	حاجی عبدالرزاق انبالہ والے	کشن گنج	حاجی محمد [illegible] صاحب	اسلام گنج	
۸۵	۲۲	پچھ ۱۰	پچھ ۱۰	شجاع الدین	۱۸	احمد دین صاحب	کڑہ شیخ	محمد عمر صاحب بیلی والے	[illegible]	
۸۶	۲۳	پچھ ۱۲	پچھ ۱۲	محمد [illegible]	[illegible]	احمد دین صاحب	احاطہ کلارہ	محمد صالحین شیشے والے	بیری والا باغ	[illegible]
۸۷	۲۴	پچھ ۲۶	پچھ ۲۶	احمد [illegible] حاجی محمد اسمٰعیل شیشے والے		احاطہ کلکتہ والے	بہاف خانہ	محمد تقی سوت والے	[illegible]	[illegible]
۸۸				ادارہ اب تک	فہرست	نہ چھاپنے پر معذرت	خواہ ہے	آہستہ آہستہ اس قسم کا		
۸۹				قابل	نہ	برتنے کی پوری	کوشش	کی جائے گی۔		
۹۰										

اس میں خوب کاشت کرو۔ رہیں مصنوعات تو اس کے لئے تم فکر نہ کرو انگلستان تم کو تمام سامان مہیا کرے گا۔ لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ جب امریکہ زراعتی ملک سے صنعتی ملک بن گیا تو آج وہ انگلستان کی ضروریات کو پورا کر رہا ہے۔ اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ لڑائی کے آغاز سے ہندوستان میں بہت تیزی سے صنعتی ادارے کھولے جا رہے ہیں۔ وہ کام جو امن میں ایک صدی میں بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ برسوں اور مہینوں میں ہو رہا ہے۔ پرانی صنعتیں زندہ ہو گئیں ہر قسم کا فوجی اور غیر فوجی سامان نہ صرف ملکی ضروریات کے لئے بلکہ غیر ملکی امداد کے لئے بھی بکثرت تیار ہو رہا ہے۔ جن مصنوعات کے ماہر ہندوستان میں نہیں تھے وہ باہر سے بلائے جا رہے ہیں یا ہندوستانیوں کو دوسرے ملک میں ٹریننگ کے لئے بھیجا جا رہا ہے۔

لاکھوں انسانوں کے لئے روزگار کے ذرائع پیدا ہو گئے ہیں اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے بعد ہندوستان سے جو سامان باہر گیا اسکی تفصیل یہ ہے۔ رائفل کی گولیاں ایک کروڑ۔ بوٹ کے جوڑے کم و بیش ڈیڑھ لاکھ۔ کمبل نو لاکھ۔ خاکی ڑین ساٹھ لاکھ گز۔ سوتی دھاگہ آٹھ لاکھ گز۔ موزوں کے جوڑے پانچ لاکھ۔ اسکے علاوہ ٹینک، ہوائی جہاز، زرہ پوش موٹر وغیرہ بھی تیار کئے جا رہے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ ترقی یافتہ صنعتی ممالک کے مقابلہ میں ابھی ہندوستان کو کوئی درجہ حاصل نہیں۔ لیکن اگر یہی ریل و پیل رہی۔ اور ہندوستانیوں نے اپنی ہوشمندی اور بیداری کا ثبوت دیا تو ہندوستان بھی اپنا سر فخر سے اونچا کر سکے گا۔

ضرورت ہے کہ ہم بھی آگے بڑھیں اور اپنی آنے والی نسل کو غلامی کی زندگی سے بچا لیں۔ کیونکہ اقتصادی غلامی سیاسی غلامی سے کم نہیں ہے۔

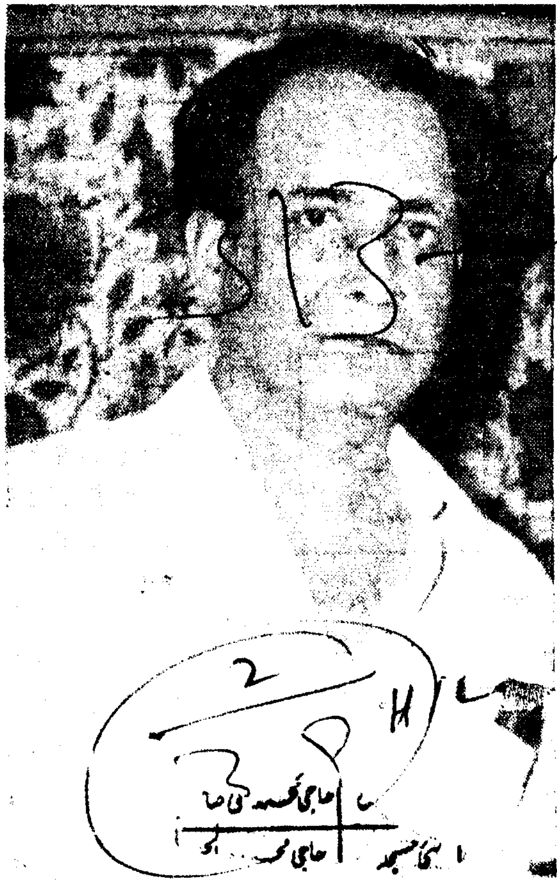
قوم کو تقسیم نہیں کیا جا سکتا

پنجابی پولیٹیکل لیگ کے علان التوا در سوم پر کراچی سے ہمیں ایک مضمون موصول ہوا تھا جس میں ایک فاضل دوست نے لیگ سے ہمدردی کرتے ہوئے یہ تجویز کی کہ قوم کو دو طبقوں میں تقسیم کر دیا جائے ایک وہ جو لیگ کے دستور کی پابندی کرے۔ دوسرا وہ جو آزاد ہو۔ اسی تجویز کی تحریک کرتے ہوئے موصوف نے لکھا ہے کہ قوم کی اصلاح کے لئے اس سے قبل بھی کئی بار چند جماعتیں کام کر چکی ہیں لیکن متمول طبقہ اپنے غریب اور متوسط بھائیوں کی پروا نہ کرتے ہوئے نہایت بے دردی سے اس تحریک کو کچل ڈالتا ہے اور اسکے بانیان کی تکالیف کا موجب ہوتا ہے۔ اپنے اسی مضمون میں آگے چلکر لکھتے ہیں کہ یہ لوگ ہمارے راستے میں سنگ گراں نہ ہوتے تو ہم ابتک بہت آگے نکل چکے ہوتے۔ وغیرہ وغیرہ۔

ہم صاحب موصوف کا لیگ سے ہمدردی کی بنا پر شکریہ ادا کرنے کے بعد عرض کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کی اس تجویز سے قوم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ آپ کو شاید یہ خیال نہیں آیا کہ تقسیم کے بعد لیگ اصلاح کس کی کرے گی۔ جو طبقہ اس کا مؤید ہوگا۔ وہ تو اصلاح شدہ پہلے ہی ہے اصلاح تو اسی کی کیجاتی ہے جو اصلاح کا محتاج ہو۔ ساتھ ہی اگر اسے عملی کسوٹی پر کسئے تو یہ تجویز محض بیکار ثابت ہوگی۔ آپ نے تو بڑا زور دار الفاظ میں تحریر فرما دیا کہ شادی بیاہ بھی ہر طبقہ اپنے طور پر کرے۔ اول تو یہی ناممکن ہے۔ ایک ہی گھر میں باپ بیٹے بہن کے خیالات متضاد ہیں۔ تقسیم کس کس کی اور کہاں کہاں ہو؟

ہاں آپ کی اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اگر نبی پیدا ہو جائے اور وہ اپنے پیروؤں کو لیکر کسی دوسری جگہ ہجرت کرے تو ٹھیک ہے ورنہ خدا حافظ ہے۔ ہم آپ سے اور تمام پر جوش نوجوانوں سے جو خواہشمند ہیں

شاعر



MEHANDRA NATH

ہیں کہ جذبات کی رو میں بہکر یک دم فیصلہ نکیا کریں۔ ہماری
ن بھی ہونی چاہیے کہ اس درخت کی ایک ایک شاخ پھلے اور
۔ آپ اس ہی کے پیرو ہیں کہ جس نے اپنے سابقہ نبیوں کی
ی میں قوم کی تکلیف سے گھبرا کر بددعا نہیں کی بلکہ آخردم تک
کی اصلاح کیلئے دعا اور کوشش فرماتے رہے۔

نشہ پلاکے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزہ تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

ختنہ کے موقع پر ڈھائی سومن لڈو

ہندوستان کے مسلمان شہریوں میں عموماً اور گاؤں والوں میں خصوصاً کیسی کیسی تباکن اور پر جہالت رسمیں پھیلی ہوئی ہیں۔ اور ان کی بدولت کیا کیا مصیبتیں برداشت کی جارہی ہیں۔ اسکی ایک تازہ مثال اخبارات میں شائع ہوئی ہے۔

پنجاب کے ایک زمیندار صاحب کا لڑکا جو انٹرنس میں تعلیم پاتا ہے۔ غیر ختنہ شدہ ہے۔ زمیندار صاحب سے لوگوں نے اس کے متعلق اعتراض کیا تو زمیندار صاحب نے جواب دیا کہ برادری اور رسوم نے مجبور کردیا ہے۔ دستور ہے کہ ختنہ کے موقع پر ڈھائی من لڈو برادری میں لازماً تقسیم کئے جائیں ۔۔۔ اور میری حالت یہ ہے کہ ابھی تک لڑکی کی شادی کے قرضے ہی سے سبکدوش نہیں ۔ اسے ادا کرلوں تو پھر اسکی فکر کرونگا۔

ظاہر ہے کہ اس قرضہ کی ادائیگی میں تین چار سال لگ جائینگے۔ اور پھر لڑکے کی شادی کی عمر ہوجائے گی۔ اندازہ کیجئے کہ دو چار اولادیں اور لڑکے کی ہوں تو والدین کو کن کن تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہوگا۔ جس قوم کے افراد کی تمام عمر شادی بیاہوں کے تفکرات اور ان کے قرضہ جات کے چکانے میں کٹ جائے۔ وہ یکسوئی نہ ہونے کی بنا پر کس

طرح دنیا میں ترقی کرسکتے ہیں۔ اور کس طرح غیروں کی غلامی سے چھٹکارا پاسکتے ہیں۔

مسلمانوں کو ان تمام مصائب سے نجات دلانے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ صوبہ کی کونسلوں اور مرکزی اسمبلی میں ہر صوبہ کے مسلمان وہاں کے احوال کے مطابق قانون بنوائیں۔ اور ان پر سختی سے عمل کرایا جائے۔

اسی تجویز کو میں پنجابی یوتھ لیگ کے سامنے بھی لاچکا ہوں۔ جس نے اس کو مشتہر کرنے کے لئے پنجابی گزٹ میں دیدیا تھا اور آل انڈیا پنجابی کانفرنس کے اجلاس تک کیلئے ملتوی کردیا تھا۔ تجویز مشتہر ہونے کے بعد کلکتہ کے تقریباً سو ڈیڑھ سو حضرات کے دستخطوں سے اس تجویز کی تائید آئی تھی۔ ازاں بعد آل انڈیا پنجابی کانفرنس نے بھی اسے منظوری دیدی تھی۔

ضرورت ہے کہ لیگ کے ارکان ممبران اسمبلی سے مل کر اسکے متعلق ضروری قدم اٹھائیں۔

عید الضحیٰ پر قبرستان کو نہ بھولئے

عید فطر سے قبل سکریٹری انجمن وکیل قوم پنجابیان کیطرف سے قوم کے نام ایک اپیل شائع کیگئی تھی جسمیں قبرستان شیدی پورہ کی توسیع شدہ اراضی کی چار دیواری بنوانے کیلئے امداد کی درخواست کیگئی تھی اسکے باوجود آپکو یہ سنکر افسوس ہوگا کہ عید کے دن قبرستان کے دروازے پر صرف مبلغ دوسو اکہتر روپے آٹھ آنے وصول ہوئے اگرچہ ضرورت اس سے بہت زیادہ کی ہے لیکن بقرعید بھی قریب ہی ہے۔ ہم آپ سے ان بزرگوں کے نام پر جو ہمیشہ کی نیند سوئے اس قبرستان میں پڑے ہیں درخواست کرتے ہیں کہ قبرستان کے دروازے پر حسب سابق منتظم کارکنان آپ سے امداد کی خواہش کرینگے۔

امید ہے کہ آپ زیادہ سے زیادہ حوصلہ افزا جواب دینگے۔

دس سال پہلے ۱۹۶۷ء میں ایشیا کے عظیم ادیب کرشن چندر کی زندگی میں

"شاعر" نے ۲۲۷ صفحات کا "کرشن چندر نمبر" پیش کیا تھا

اب کرشن چندر کی موت کے بعد ۱۹۷۷ء میں ایک اور

کرشن چندر نمبر

کرشن چندر کی بے پناہ مقبول و محبوب شخصیت اور فکر و فن پر مشاہیر اہلِ قلم کی تازہ ترین تحریریں

جذبات و تاثرات کی تھرتھراہٹیں اور فکر و نظر کے انمٹ نقوش

عقیدت کے نذرانے ——— عظمت کے گُل بُوٹے ——— محبت کے آنسو

مقالات و تاثرات

عصمت چغتائی
قرۃ العین حیدر
خواجہ احمد عباس
ڈاکٹر گیان چند
اعجاز صدیقی
خواجہ احمد فاروقی
ڈاکٹر محمد حسن
کنھیا لال کپور

آغا رشید مرزا
شفیقہ فرحت
پروفیسر ایم۔ جی جوشی
حسین شاہین
مناظر عاشق ہرگانوی

ڈاکٹر منظر اعظمی
کلام حیدری
ڈاکٹر ایس۔ ایس نشاط
عبدالقوی دسنوی
ڈاکٹر کے۔ ایل سنگل

ہندوستان کے

پچاس سے زیادہ سیاسی رہنماؤں، دانشوروں، ادیبوں اور شاعروں کے تعزیت نامے

پاکستان سے خطوط

فیض احمد فیض۔ سبطِ حسن
ابنِ انشا۔ اختر جمال۔ حامد حسن حامد

کرشن چندر کی آخری تحریر

"ایک لڑکی بگھارتی ہے دال"
(طنزیہ و مزاحیہ)

مالک رام آنند
تاجدار احتشام صدیقی
فیروز عابد
خورشید جہاں اشرف
حیدر کرمری

جیلانی بانو
غلام ربانی تاباں
کشمیری لال ذاکر
ڈاکٹر گوپی چند نارنگ
رام لعل
جوگندر پال
ڈاکٹر عنوان چشتی
سُہیل عظیم آبادی
پرکاش پنڈت
ڈاکٹر عظیم الشان صدیقی
یُوسف ناظم
خواجہ عبدالغفور
ڈاکٹر دھرم ویر بھارتی
سید ضمیر حسن دہلوی

نظمیں

پریم وار برٹنی
نصرت قریشی
علقمہ شبلی
ظہیر غازی پوری
رونق دکنی سیمابی
مہدی پرتاپگڈھی
خلش بڑودوی
ریاض گرانیاری
ملکہ خورشید
نعیم حمیدی
انس مسرور
خان محیط

کرشن چندر کی وفات پر لندن میں تعزیتی جلسہ

تفصیلی رپورٹ — از سوہن راہی (انگلستان)

۱۱۲ صفحات

قیمت
تین روپے پچاس پیسے

تیزی کے ساتھ طباعت کی منزل میں

مزاحیہ

کچھ اِدھر کی کچھ اُدھر کی

از جناب گھمس ٹاپو

خدا بھلا کرے مسلم لیگ اور پیسہ والے اخباروں کا کہ انہوں نے مسلمانوں میں عام سیاسی شعور پیدا کر دیا۔ کسی نہاری والے کے ہاں جائیے تو چمچہ کو دیگ میں ڈالتے ہوئے جرمنی اور روس کے تعلقات پر بحث کر رہا ہے۔ کسی نائی کے ہاں جائیے تو وہ استرے کی دھار لگاتے ہوئے درہ دانیال کی اہمیت پر زور دے رہا ہے۔ اور تو اور کسی بچہ سے سنئے تو وہ بھی بڑی شان سے کہیگا کہ ہمارے بمبار طیاروں نے ایسے زناٹے کا حملہ کیا کہ دشمن نے منہ کی کھائی۔ اور ہمارے سب جہاز صحیح سلامت واپس آگئے۔

خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ اب ذرا ہمارے ایک دوست کے حالات حاضرہ پر بے لاگ تنقید سنئے۔ ان کے متعلق اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ صاحب موصوف کی ایک بڑے بازار میں دکان ہے اور پیسہ والا اخبار بھی روزانہ پڑھتے ہیں۔ ہاں تو اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اے بھائی میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر جرمنی کا درہ دانیال پر قبضہ ہوگیا تو پھر سمجھ لو کہ انگریزوں کی شکست یقینی ہے"۔ اپنی رائے کو مزید تقویت دینے کے لئے آپ نے فرمایا۔

"کیوں بھائی میں غلط کہتا ہوں میاں درہ دانیال سے انگلستان دو تین میل تو رہ جاتا ہے۔ اور پھر آجکل جہاز بھی دو تین میل لمبے ہوتے ہیں۔"

مخاطب کے چہرے پر آپ نے جب مسکراہٹ دیکھی تو فوراً مزید دلائل پیش کرتے ہوئے فرمایا۔ "میاں اس میں کھیلنے کے میدان بھی ہوتے ہیں۔ ہوائی جہاز کے اترنے کی بھی جگہ ہوتی ہے۔ اب یہیں دیکھ لو دلی میں ہوائی جہاز کا میدان کتنا بڑا ہے"۔

نیم ملا خطرہ ایمان، نیم حکیم خطرۂ جان۔ نیم سیاستدان کو آپ بتائیے کیا لکھا جائے۔

آپ کو یہ سنکر یقینی خوشی ہوگی کہ جناب گھمس ٹاپو نے شیرز و مال کی دلالی کا کام شروع کر دیا ہے۔ اور اتنے بڑے پیمانہ پر کہ دنیا کی ہر کیٹ کے شیرز اور مال آپ خرید و فروخت کر سکتے ہیں نیچے آپ کی آگاہی کیلئے بازار کے بھاؤ درج کئے جاتے ہیں۔ لیکن یہ خیال رہے کہ بھاؤ آج کی ہی تاریخ کے ہیں کیونکہ مارکیٹ میں فلکچوایشن بہت زیادہ ہے اسلئے قیمت کی پابندی نہیں۔ مال بازار بھاؤ خرید کر بھیجا جائیگا۔

انگلستان کے آلو پہلے تمام دنیا میں نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ مگر تھوڑے دن ہوئے کہ ایک سیلاب کی وجہ سے اس کے کھیتوں کو بہت نقصان پہنچا اور آلو میں کیڑا پڑ گیا جس کی بنا پر کتنے ہی ملکوں نے کھانا چھوڑ دیا۔ اور قیمت گر گئی مگر اب اس میں ساکھ نک

جاری شدہ سنہ ۱۹۳۰ء

بانی علامہ سیماب اکبرآبادی (مرحوم)

اُردو کا اڑتالیس سالہ علمی ادبی اور تہذیبی ماہنامہ

شاعر
بمبئی

ادارۂ تحریر و مشاورت

ڈاکٹر محمد حسن

ڈاکٹر ظ۔ انصاری

آغا رشید مرزا

مُدیرِ اعلیٰ:- اعجاز صدیقی

مُدیرِ معاون:- یُونس اگاسکر

مہتمم:
ناظر نعمان صدیقی

جِلد - ۴۸

فون نمبر ۳۵۹۹۰۴

شمارہ - ۲ - ۱۹۷۷ء

بدلِ اشتراک

سالانہ ——— ۱۶ ——— روپے

معاونین سے ——— ۵۰ ——— روپے

عمر خریداری ——— ۲۵۰ ——— روپے

ممالکِ غیر سے ——— ۲½ ——— پونڈ

ترسیلِ زر کا پتہ

ماہنامہ "شاعر" قصر الادب، بمبئی ۴۰۰۰۰۸

خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ "شاعر" مکتبہ قصر الادب

پوسٹ بکس نمبر ۴۵۲۶ بمبئی ۴۰۰۰۰۸

ادویات ڈالکر ٹھیک کیا جارہا ہے۔ اور یہ چالان پہلے سے بہتر پہنچا۔ دو چار بار ایسا ہی اچھا مال ملا تو قیمت پھر ٹھکانے آن لگیگی۔

فرانس کے سنگترے۔ انگلستان میں جو سیلاب آیا تھا وہ اسی طرف سے آیا تھا۔ اسلئے سیلاب کا زیادہ ہونا یہاں قدرتی امر تھا۔ سنگترہ تو سنگترہ۔ سنگترہ کا درخت بھی باقی نہیں رہا۔ جب مارکیٹ میں مال ہی نہیں تو اسکی قیمت کیا۔ سنا جاتا ہے کہ کھیت ابھی اس قابل بھی نہیں کہ دس پانچ سال بیج ڈالا جاسکے۔ ہاں اسکی قلمیں دوسرے ملکوں میں پہنچائی گئی ہیں۔ جہاں کھٹے کے درخت کے ساتھ اس کا پیوند لگایا گیا ہے۔ دوکانداروں کا خیال ہے کہ اس پیوند سے سنگترہ تو نہیں غالباً ماٹا نکلے گا۔

اٹلی کے قالین۔ اٹلی کے قالین کا ایک بڑا کارخانہ "چپل چپاپ" کھلا تھا۔ اسکے پہلے کئی چالان دنیا کے ایسے ملکوں میں گئے جہاں دوسرا مال نہیں جاتا تھا اسلئے اچھے فائدے سے بکے۔ جسکی بنا پر قالین کے کارخانے کے شیرز کافی اونچے پہنچ گئے۔

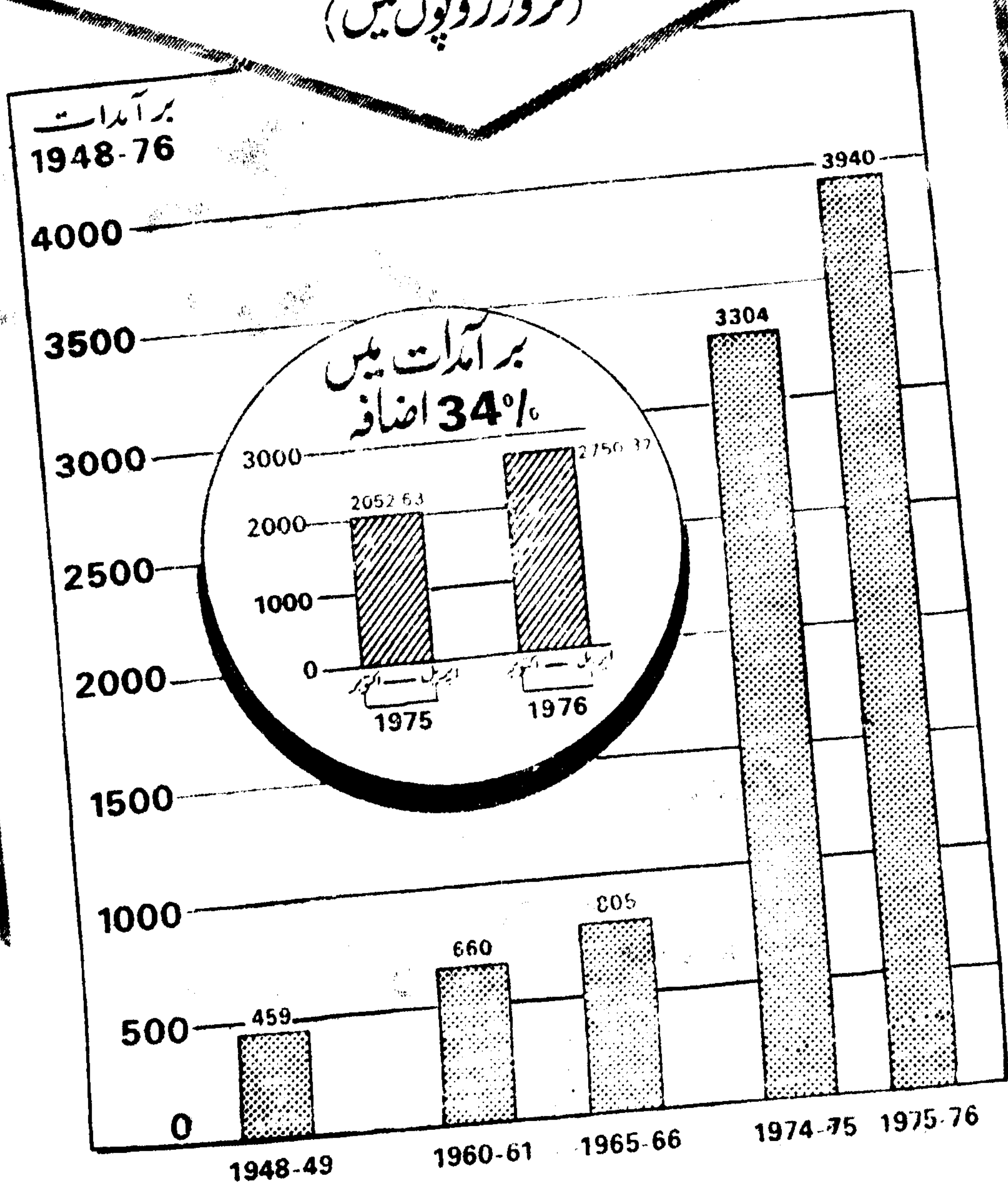
فرانس نے جب اسکے قالین کی تعریف سنی تو اس نے بھی ایک بڑا آرڈر دے دیا۔ مال آنے پر معلوم ہوا کہ قالین دراصل بنا جرمنی میں ہے۔ صرف چالان اٹلی سے ہوا ہے۔ مال کی کھپت یہاں بھی کافی ہوئی اور شیرز کی قیمت اور بھی بڑھ گئی۔

چنانچہ اسکے بعد ایک بڑا آرڈر یونان سے بھی موصول ہوا۔ اس کارخانے کو لالچ آیا کہ مال جرمنی میں بنوانے سے تین چوتھائی نفع تو وہاں نکل جاتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ہاں بنا کر بھیجا اور چھاپ وہی ڈالا۔ لیکن یونانی دوکاندار نے فوراً پہچان لیا کہ مال میں فرق ہے اور مال اٹھانے سے انکار کر دیا۔ چونکہ آرڈر بہت بڑا تھا۔ پیمنٹ نہ ہونے سے کارخانے کو بہت دھکا لگا۔ جسکی چٹی ابتک بھگت رہی ہے۔ خیال ہے کہ آربٹریشن کو بیچ میں ڈالا جائے گا۔ اور کارخانہ کو مال واپس لینا پڑے گا۔ اگر ایسا ہوا تو شیرز کی قیمت آدھی رہ جائے گی۔

ترکی تمباکو۔ ترکی تمباکو کی اسوقت ہر جگہ مانگ ہے۔ ہر ملک واہ بڑی سے بڑی قیمت دے کر صرف اپنے لئے مخصوص کرنا چاہتا ہے۔ ترکی پریشان ہے کہ کس کو دے۔ کس سے انکار کرے۔ جس کو نہ دے اسی سے برا۔ پہلا چالان جس ملک کو دیا تھا وہاں پیمنٹ نہیں ہوا۔ جسکی وجہ سے اتنا نقصان اٹھانا پڑا کہ فرم تقریباً دیوالیہ ہو گیا تھا لیکن ڈائرکٹران نے کام کو بہت جلد سنبھال لیا اور شیرز کی قیمت پھر اسی جگہ آگئی۔ نیا چالان اس نے خدا کے بھروسہ پہ دوسرے بیوپاری کو دیا ہے۔ حالانکہ آرڈر پہلے بیوپاری کا بھی تھا جو قیمت نقد دے رہا تھا لیکن مثل مشہور ہے کہ دودھ کا جلا چھاچھ کو پھونک پھونک کر پیتا ہے۔

بھارتی برآمدات کا نیا ریکارڈ

(کروڑ روپوں میں)



dayp 101774

شاعر۔ بمبئی۔

سیاسیاتِ عالم

دنیا کے سیاسی حالات پر ایک سرسری نظر

از جناب [illegible] محمد تقی صاحب آنریری [illegible] صدر پنجابی یونین [illegible]

جنگ عظیم کی ہولناک تباہکاریوں کے زخم ابھی .... مندمل نہیں ہونے پائے تھے اور دنیا اس بڑی لڑائی کے جانی و مالی نقصانات کو پورا کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ روس میں اشتراکیت نے عروج حاصل کر کے اپنے قدم باہر نکالے اور دنیا کے ہر ملک میں ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔ کوئی ملک ایسا نہیں رہا جہاں سرمایہ دار اور مزدور کی جنگ کا بیج نہ بو دیا گیا ہو۔ یعنی سرمایہ دار اور مزدور ایک دوسرے کو اپنا حریف نہ سمجھتے ہوں۔

بالشویکوں نے کروڑ روپیہ خرچ کر کے تمام یورپ اور ایشیا میں اپنی تحریک کا جال پھیلا دیا۔ ہر ملک میں خفیہ و ظاہرا ایجنسیاں قائم کر دیں اور زور شور کے ساتھ اشتراکیت کا پروپیگنڈا ہونے لگا۔ در نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہر ملک کے ارباب اقتدار و حکومت اشتراکیت کی روز افزوں ترقی اور روس کی زرعی و صنعتی اور فوجی تنظیم سے مرعوب ہونے لگے اور دنیا کے ہر ملک کے لئے "سرخ خطرہ" ایک خوفناک بھوت بن گیا۔

اسی اثنا میں اطالیہ میں فسطائیت اور جرمنی میں نازیت کی تحریکات پھلنے پھولنے لگیں۔

اطالیہ میں مسولینی اور جرمنی میں ہر ہٹلر برسر اقتدار آ گئے۔ گو ان دونوں تحریکات میں کوئی بنیادی اتحاد نہ تھا لیکن دونوں کمینڈروں میں اتحاد ہو گیا۔ دونوں نے اپنی قوموں کو ابھارنا شروع کیا۔ اور دونوں ملک ترقی کی منزلیں تیزی کے ساتھ طے کرنے لگے۔ لیکن ہر ہٹلر کے اقتدار حاصل کرنے کے بعد جرمنی نے جس تیزی کے ساتھ تجارتی، صنعتی اور فوجی تنظیم اور ترقی کی ہے تو کیا یورپ کا کوئی ملک بھی اس کو نہیں پہنچ سکا۔ لیکن اس ترقی کے ساتھ ساتھ ہوس ملک گیری نے بھی ترقی کی اور یہ ہوس ملک گیری ترقی کیوں نہ کرتی؟ جبکہ تحریکِ نازیت کی بنیاد ہی معاہدہ ورسلز کی مخالفت، یہودیوں کے ساتھ دشمنی اور ہوس ملک گیری جیسے ناپاک مقاصد پر رکھی گئی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر ہٹلر نے ۱۹۳۳ء میں اقتدار حاصل کرتے ہی خفیہ تیاریوں، سازشوں اور پروپیگنڈے سے یورپ میں ایک ہلچل ڈال دی۔

۱۹۳۵ء میں جرمنی نے رائے شماری کے ذریعہ سار کے علاقہ پر قبضہ حاصل کیا۔ ۱۹۳۶ء میں رائن لینڈ کے علاقہ کو مسلح کیا گیا۔ اور معاہدہ ورسلز کی تمام شرطیں ایک ایک کر کے توڑ دیں اور نہ صرف یہ بلکہ جو ملک ۱۹۱۴ء میں جرمنی میں شامل نہ تھا ان پر بھی قبضہ کی ٹھانی۔ لیکن یورپ باوجود جمعیۃ الاقوام کے وجود کے جرمنی کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ اسی کے ساتھ ہٹلر کے اشاروں پر اطالیہ نے افریقہ کے حبشیوں کو مہذب بنانے کے لئے حبشہ پر چڑھائی شروع کی اور حبشیوں جیسے نہتے اور غیر مسلح انسانوں پر بے پناہ بمباری کر کے حبشہ کو تباہ و برباد کر دیا۔

جمعیۃ الاقوام سب کچھ دیکھتی رہی اور اطالیہ کو کاغذی دھمکیاں دینے اور شہنشاہ حبش کو دلاسا دینے کے سوا کچھ نہ کر سکی۔ اور سارا حبشہ مسولینی کے پنجہ میں آ پھنس گیا۔ اور مسولینی، روما الکبریٰ کے خواب دیکھنے لگا۔

ایشیا میں جاپان نے دست ہوس دراز کیا اور بے گناہ چینیوں پر سخت مظالم شروع کر دی اور آہستہ آہستہ چین کے ایک بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا۔

دوسری طرف سرخ خطرہ کا ازالہ کرنے کے لئے جرمنی، اطالیہ اور جاپان تینوں ملکوں کے درمیان روس اور اشتراکیت کی مخالفت میں متحدہ کام کرنے کے لئے ایک معاہدہ ہو گیا۔

اپریل ۱۹۳۸ء میں جرمنی نے آسٹریلیا پر اچانک قبضہ کر کے اس کو جرمنی میں شامل کر لیا۔

ستمبر ۱۹۳۸ء میں میونخ کا وہ رسوائے زمانہ معاہدہ ہوا۔ جس کے نتیجہ میں جرمنی نے سڈٹن لینڈ پر قبضہ کر لیا۔

اور اس کے فوراً بعد ہنگری کو کچھ حصہ دے کر جرمنی نے سلوواکیہ پر قبضہ کر لیا۔ اور دنیا کے نقشہ سے زیکو سلوواکیہ کا نام حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا گیا۔

مارچ ۱۹۳۹ء میں جرمنی نے بوہیمیا اور مراویہ پر قبضہ کیا۔ اور اس کے بعد میمل کو لتھونیا سے واپس لے لیا۔ اس کے دو تین مہینہ بعد ہی ہر ہٹلر نے پولینڈ سے ڈینزگ کا مطالبہ کیا۔ اور اس مطالبہ کو پورا نہ ہونے کی وجہ سے یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو پولینڈ پر حملہ کر دیا۔

۳ ستمبر ۱۹۳۹ء کو فرانس اور انگلستان نے اپنے معاہدات کی بنا پر جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔

جنگ کے اعلان کے سلسلہ میں مسٹر چیمبرلین سابق وزیر اعظم برطانیہ نے ۳ ستمبر ۱۹۳۹ء کو دار العوام میں جو دردانگیز تقریر کی اس کا ایک ایک لفظ انگریزوں کی ان مصالحانہ، امن پسندانہ کوششوں اور دنیا کو اس جنگ سے محفوظ رکھنے کی جدوجہد کا آئینہ دار ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "یہ دن ہم سب کے لئے غمناک ہے لیکن جتنا بڑا الم میرے لئے ہے اتنا کسی اور کے لئے نہ ہوگا۔ وہ سب کچھ جس کے لئے میں جدوجہد کرتا رہا۔ وہ تمام چیزیں جن کی مجھے امید اور آرزو تھی۔ وہ تمام باتیں جن پر مجھے اپنی پبلک زندگی میں یقین اور بھروسہ تھا سب تباہ و برباد ہو گئیں"

اب دنیا کی دوسری جنگِ عظیم شروع ہو گئی۔ اور اس جنگ نے سیاسیات کے جتنے تصورات اور نظریے تھے......... جنگ کے جتنے ضابطے قاعدے اور اصول تھے سب کو بدل دیا۔

مدبرین عالم نے اس جنگ کے نشیب و فراز اور دنیا کے مختلف ممالک کی جارحانہ طاقت، مدافعانہ قوت کے متعلق جتنی توقعات قائم کر رکھی تھیں۔ وہ سب غلط ثابت ہوئیں۔

دنیا نے پولینڈ، ڈنمارک، ناروے، ہولینڈ، بلجیم اور فرانس سے جتنی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔ وہ سب ایک ایک کر کے نا امیدیوں میں بدل گئیں...... اور کیوں نہ بدلتیں....؟

کون جانتا تھا کہ ڈنمارک اور ناروے پر جرمنی اس آسانی کے ساتھ قبضہ کر لے گا۔

کسے خبر تھی کہ ہولینڈ، بلجیم اور لکسمبرگ پر بیک وقت حملہ ہوتے ہی ہولینڈ جیسی قدیم حکومت تاش کے پتوں کی طرح بیٹھ جائیگی۔ اور دو تین دن بھی نازی ظلم و استبداد کا مقابلہ نہ کر سکے گی۔

کون سمجھتا تھا کہ بلجیم کے وفادار جنہوں نے پچھلی جنگ عظیم میں قوم

کی بڑھتی ہوئی فوجوں کا منہ پھیر دیا تھا، اتنے جلدی فتح ہو جائینگے؟

آہ کون جانتا تھا کہ فرانس جیسی عظیم الشان شہنشاہیت اور اسکی کروڑوں روپیہ کے تعمیر کردہ فولادی قلعوں کی قطار "میجنو لائن" کو نازی اس تیزی کے ساتھ پاش پاش کر دینگے۔ اور نازیوں کی شیطانی طاقتوں کے دباؤ سے فرانس اور اتحادیوں کی فوجیں فلینڈرس کے میدان سے پیچھے ہٹکر فرانس کی فوری زوال کا باعث بنجائینگی۔

کس کو گمان تھا کہ پولینڈ جیسی طاقت جس نے پہلے روس کے چھکے چھڑا دئیے تھے صرف دو ہفتہ کے اندر نازیوں کی بے پناہ بمباری سے تباہ و برباد ہو جائیگی۔ اور روس "مرے کو مارے شاہ مدار" بننے کیلئے ۱۷ ستمبر کو اپنی مشینی فوجوں کی ایکسو ڈویژن پولینڈ میں دھکیل دیگا۔ اور نہ صرف یہ بلکہ جرمنی اور روس جیسی مخالف قوتیں متحد ہو کر چکی کے دو پاٹ بنجائینگی اور پولینڈ کو پیس کر رکھدینگی؟

چنانچہ ۱۸ ستمبر کو بیالسٹک کے مقام پر جرمنی اور روسی فوجیں ایک دوسرے سے مل گئیں اور پولینڈ کی حکومت رومانیہ کو بھاگ گئی۔

۲۰ ستمبر کو جنرل براؤچیٹش جرمن کمانڈر انچیف نے اپنی فوجوں کے نام ایک اعلان کیا جسمیں کہا کہ "پولیش فوج تباہ ہو گئی۔ اب پولینڈ کے خلاف فوجی کارروائیاں ختم ہو گئیں"۔ اسکے بعد جرمنی اور روس نے پولینڈ کے حصے بخرے کر لیے۔

کس کو خیال تھا کہ روس جیسا آزادی، مساوات اور انسانی ہمدردی کا علمبردار یورپ کی طاقتوں کو باہم برسرپیکار دیکھ کر بالٹک کی چھوٹی چھوٹی تین ریاستوں لتھونیا، اسٹونیا اور لٹویا پر ہاتھ صاف کر کے فلینڈ سے ناقابل برداشت مطالبات کریگا اور مطالبات کے پورا نہ ہونے کی صورت میں فلینڈ پر حملہ کر دیگا؟

۳۰ نومبر ۱۹۳۹ء کو روس نے فلینڈ پر اپنی پوری طاقت سے حملہ کیا۔ اور روسی فوجیں چار محاذ قائم کر کے آگے بڑھیں لیکن فلینڈ کے مٹھی بھر باشندوں نے روس جیسی عظیم طاقت کا جس بہادری کیساتھ مقابلہ کیا وہ دنیا کی تاریخ میں یادگار رہیگا۔

حقیقت یہ ہے کہ فلینڈ کی جنگ نے "سرخ خطرہ" کا سارا بھرم کھو دیا۔ اور روس کا جتنا رعب تھا وہ جاتا رہا۔ چار مہینہ تک فلینڈ کے باشندوں نے خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا اور بعض بعض جگہ روسی فوجوں کو اتنا نقصان پہنچایا کہ جسکی کوئی امید نہ تھی۔ آخر ۱۲ مارچ ۱۹۴۰ء کو فلینڈ باہر کی امداد نہ ملنے کی وجہ سے روس کے سامنے جھکنے پر مجبور ہوا۔ اور روس نے صلح کی جو شرطیں پیش کیں اگرچہ وہ پہلے مطالبات سے دوگنی چوگنی تھیں لیکن فلینڈ نے انھیں منظور کر لیا۔

ستمبر ۱۹۳۹ء سے اپریل ۱۹۴۰ء تک انگلستان اور فرانس جرمنی کیساتھ پانی اور ہوا میں برسرپیکار رہے۔ انگریزی ہوابازوں نے جرمنی کے بعض مقامات پر کامیاب حملے کیے لیکن زیادہ زور سمندری لڑائی پر رہا۔ جرمنی نے پہلے ڈبکنی کشتیوں کے ذریعے برطانوی بحری بیڑے کو تباہ کرنا چاہا اور شروع شروع میں اس کو کچھ کامیابی ہوئی اور اس نے اتحادیوں کے کئی جہاز ڈبو دئیے لیکن بہت جلد انگریزوں نے ایسے انتظامات کرلئے کہ انگریزی جہازوں کا ڈبکنی کشتیاں کچھ نہ بگاڑ سکیں۔ بلکہ جرمنی کو زیادہ نقصان پہنچا۔ اور جرمنی کے کئی جنگی جہاز شکست کھا کر خودکشی پر مجبور ہوئے۔ جب جرمنی کی ڈبکنی کشتیوں کی مہم بیکار ہو گئی تو جرمنی نے مقناطیسی سرنگیں بچھا دیں جس سے پہلے پہل بہت نقصان پہنچا۔ اتحادیوں اور غیر جانبدار ممالک کے بہت سے جہاز غرق ہو گئے لیکن انگریزوں نے ان سرنگوں کو صاف کر کے انکا انتظام بھی جلد کر لیا اور [illegible] کا خطرہ بھی بے اثر کر دیا گیا۔ اسکے بعد جرمنی نے ہوائی جہازوں کے ذریعہ برطانوی بحری بیڑے کو نقصان پہنچانا چاہا لیکن جرمنی کی یہ تمام کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔

(باقی آئندہ)

نغمۂ زندگی

لانگ فیلو کی نظم سام آف لائف

از جناب ڈاکٹر سعید احمد صاحب سعید بریلوی

نہ کہو مجھ سے کہ ہو زیست بس اک خواب کا نام ؛ کیونکہ جو غافل ہیں وہ مردہ ہیں تمام
اصل اشیا یہ نہیں جو نظر آتی ہیں تمھیں ؛ اسی باعث سے وہ بنتے ہیں شکارِ ابہام

روح کی منزلِ آخر نہیں زندانِ لحد ؛ روح جوہر ہے بھلا اس کو فنا سے کیا کام
خاک ہونا ہے تجھے خاک کا پتلا ہے تو ؛ تھا یہ فرمان حقیقت میں برائے اجسام

آفرینش سے ہماری نہیں مقصود کہ ہم ؛ خوگرِ رنج ہوں یا طالبِ عیش و آرام
بلکہ فطرت کا تقاضا ہے ترقی کرنا ؛ تا کہ ہر صبح سے بہتر ہمیں پائے ہر شام

توسنِ عمرِ رواں کام کا انبارِ گراں ؛ دارِ فانی نہیں اپنے لئے قلو جائے سلام
کوسِ رحلت کی صدا ہے یہ دھڑکنا دل کا ؛ چل بسے دنیا سے بس اب قریں ہے ہنگامِ قیام

عرصۂ رزم ہے جسے سب کہتے ہیں دنیا جس کو ؛ زندگی ہے فقط اس جنگ میں دو روزہ قیام
مردِ میدان بنو ہمت کرو خود آگے بڑھو ؛ لطف ہی کیا جو نکالے گئے مثلِ دوام

معتبر کچھ نہیں مستقبلِ امید فزا ؛ یادِ ماضی کو بھی چھوڑو کہ یہ سودا ہے خام
وقتِ موجود میں کچھ کام کرو کام کرو ؛ دل میں ہو جوش زباں پر ہو اللہ کا نام

قابلِ فخر بنا سکتے ہیں ہم اپنی حیات ؛ ہمیں تاریخ مشاہیر یہ دیتی ہے پیام
یہ بھی ممکن ہے کہ ہم چھوڑ کے جائیں پس مرگ ؛ اپنے کچھ نقشِ قدم زینتِ رنگِ ایام

تا کہ آئے جو مسافر کوئی بشکستہ جہاز ؛ بحرِ ہستی کے سفر میں جو رہا ہو ناکام
دیکھ کر لے نشاں اسکی بندھے پھر امید ؛ تا رہ موم ہو کے کرے پھر سفرِ زیست تمام

ہاں تو پھر آؤ اٹھیں اور ہوں مشغول بکار   خواہ تقدیر سے پھر کچھ بھی ہو اس کا انجام
کبھی تکمیلِ مقاصد پہ قناعت نہ کریں   محنت و صبر سے جاری ہی رہے سعیٔ دوام

آزادی کیلئے قربانی کی ضرورت ہے

از جناب شیخ محمد یحییٰ صاحب مینیجنگ ڈائرکٹر پنجابی کلاتھ ملز لمیٹڈ

ہم بڑے زور سے آزادی مانگ رہے ہیں۔ اور کبھی کبھی ہم کو یہ خواب بھی دکھائی دینے لگتے ہیں کہ بس وزیر اعظم صاحب برطانیہ نے حکم بھیجا کہ ہندوستان کو آزاد کر دیا گیا۔ لیکن آپ نے کبھی آزادی اور قوم کی بھلائی کے لئے کوئی قربانی بھی کی۔ اور آپ نے کبھی اس پر بھی غور کیا کہ آزاد ملک اپنی آزادی کو قائم رکھنے کے لئے کیا کیا قربانیاں کرتے ہیں اسکی ایک زندہ مثال ملاحظہ فرمائیے۔

آج کل برطانیہ والے اپنے جسم کا خون بطور چندہ دے رہے ہیں۔ جو ان کی فوجوں کی ضروریات پورا کر رہا ہے۔ اس کی مختصر تفصیل یہ ہے :-

دوران لڑائی میں عموماً زخمیوں کے جسم سے بہت زیادہ خون بہہ جاتا ہے اور اگر اس خون کی کمی کو فوراً نہ پورا کیا جائے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس لئے انگلینڈ میں ایک محکمہ زندہ خون حاصل کرنے کا بنا ہوا ہے۔ اس محکمہ نے ہر ضلع میں خون کے گودام بنائے ہوئے ہیں اور ہر ضلع سے تقریباً ۔۔۔۔ ۵۰ ہزار والنٹیروں نے اپنے نام اعزازی طور پر خون دینے والوں میں لکھوائے ہیں۔

جونہی کہیں حملہ ہوتا ہے اور خون کی ضرورت پڑتی ہے تو اس محکمہ کی لاریاں بازاروں اور محلوں میں پہنچ جاتی ہیں اور عوام سے خون مانگتی ہیں جسکے جواب میں ہزارہا افراد خوشی خوشی آکر اپنے خون کا چندہ دے جاتے ہیں۔ یہاں سے یہ خون بڑی بڑی ٹنکیوں میں مرکزی ادارہ کو پہنچایا جاتا ہے۔ جو اس خون کو ٹھیک ٹھاک کر کے بوتلوں میں بھرتے ہیں اور حسب ضرورت خشک کر کے ڈبوں میں بھر لیتے ہیں۔ اور وہ جس جگہ ضرورت ہوتی ہے پہنچ جاتا ہے۔

اسی سلسلہ میں ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا جس کا بیان دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

ایک جگہ خون کا چندہ کرنے والی لاریاں کچھ دات گئے پہنچیں اور پبلک کو اپنی آمد کی اطلاع بائسکوپ میں ہی بذریعہ فلم سلائڈ کر دی۔ جونہی عوام کو قومی ضرورت کا پتہ چلا۔ وہ بائسکوپ فوراً خالی ہو گیا اور باہر لاری پر خون کے چندہ کا بازار گرم ہو گیا۔

کیا ہم میں قربانی کا یہ جذبہ ایثار کی یہ سپرٹ اور قومی ہمدردی کی یہ تڑپ موجود ہے ؟ اگر نہیں ۔۔ تو پھر ہمیں آزادی مانگنے اور آزاد ہونے کا کیا حق ہے ؟ -

اور اگر ہم صحیح معنوں میں آزادی کے طلبگار ہیں تو ہمیں قربانی کا یہ جذبہ پیدا کرنا چاہیئے -

جیبیں خالی کرالینے والے

(از جناب ڈاکٹر سعید احمد صاحب سعید بریلوی)

دوکانداروں میں جہاں ایک فرقہ ایسا ہے کہ جو دن بھر مکھیاں مارنے کے سوا اور کچھ نہیں کیا کرتا وہاں ایک فرقہ ایسا بھی ہے جنکی دکان پر پہنچکر گاہک دوکان کی کرسیوں سے اسطرح چپک جاتا ہے جیسے مکھیاں شہد اور رال لگے ہوئے کاغذ پر، اور جبتک کہ اسکی اندر اور باہر کی سب جیبیں بالکل خالی نہیں ہو جاتیں۔ اسوقت تک اس کا پیچھا نہیں چھوٹتا ان دکانداروں کا اصول یہ ہوتا ہے کہ صبح کو سب سے پہلے دوکان کھولتے ہیں اور شام کو سب سے بعد میں بند کرتے ہیں اور دوکان کے کام کو اپنے لئے مصیبت نہیں خیال کرتے بلکہ ان کو جتنا کام کرنا پڑے اسیقدر انہیں لطف زیادہ آتا ہے۔ ان کے چہرہ پر ہر وقت تبسم موجود رہتا ہے اور غریب سے غریب گاہک سے بھی اسی طرح پیش آتے ہیں کہ گویا وہ بہت بڑا آدمی ہے۔ مستقل اور پرانے گاہکوں کو خوشدلی کے ساتھ سلام کرلینا اور انکی خیریت دریافت کرلینا ان کا شعار ہوتا ہے۔ خواہ وہ دوکان پر نہ بھی آئے ہوں اور سامنے سڑک پر گذر رہے ہوں۔ سادہ نئے گاہکوں کو۔ ایک ہی مرتبہ کی ملاقات میں مستقل اور پرانا بنا لینا ان کا روزمرہ کا مشغلہ ہے۔ جسمیں انھیں بہت لطف آتا ہے۔

آپ ان کی دوکان پر جاکر پچاس مختلف قسم کی چیزیں دیکھنے کیلئے منگوا لیجئے تو یقیناً وہ کی جگہ، اور ستر نکال کر دکھائینگے اور انکی انتہائی کوشش کے باوجود بھی اگر آپ بغیر کچھ خریدے ہوئے چلدئے تو بھی ان کے چہرے پر ایک شکن تک نہ پڑے گی۔ اور اسیقدر خندہ پیشانی کیساتھ آپ کو رخصت کرکے چیزوں کو اپنی جگہ رکھنے میں مصروف ہو جائینگے۔ انھیں آپکے چلے جانے کا ذرا بھی افسوس نہ ہوگا بلکہ انھیں رنج ہوگا تو اس بات کا کہ وہ کیوں آپ کو مطمئن نہ کرسکے۔

اپنے گاہکوں کو خوش کرنے اور انھیں اپنی دوکان کا مرید بنالینے کیلئے وہ اکثر پانی، پان، سگریٹ اور سوڈے کی بوتل سے بھی گاہکوں کی تواضع کرتے ہیں اور اس تھوڑے سے صرف کا اثر بہت ہی اچھا ہوتا ہے۔ ہر شخص پان کھانے اور سگریٹ پی لینے کے بعد اخلاقاً اس بات پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اگر قیمت میں اور مال کی نوعیت میں فرق نہیں ہے تو سب کی دکانیں چھوڑ کر انہی کی دوکان سے سودا خریدے۔ نفع کے متعلق بھی انکی یہ رائے اور اصول ہوتا ہے کہ کم منافع پر زیادہ مال فروخت کیا جائے اسطرح انکی دکان مشہور بھی جلد ہو جاتی ہے اور نکاسی بھی رہتی ہے جسکی وجہ سے انھیں اس بات کا بھی موقع ملتا رہتا ہے کہ ہمیشہ تازہ اور عمدہ مال اپنی دوکان پر رکھیں۔ اپنی دوکانوں کی صفائی کا انھیں حد سے زیادہ خیال رہتا ہے۔ اور ان کی دوکانیں ہمیشہ ایسی آراستہ اور پیراستہ رہتی ہیں اگر کچھ خریدنا نہ بھی ہو تو لوگ صرف دوکان کی آرائش ہی دیکھنے کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور اگر تھوڑی دیر کھڑے رہے تو پھر ہوشیار دوکاندار انھیں کسی نہ کسی چیز کے خریدنے پر مجبور کر ہی لیتا ہے۔ ان کی گفتگو بہت ہی شیریں اور خوش آئند ہوتی ہے

یہ ہیں وہ دوکاندار جو روزانہ صبح سے شام تک اپنے گاہکوں کی جیبیں خالی کرایا کرتے ہیں۔ اور جو فخر کے ساتھ سر اونچا کرکے یہ کہ سکتے ہیں کہ ہم تجارت میں کامیاب ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ تجارت کی کامیابی کا راز تاجر کی خوش خلقی اور دوکان کی آراستگی، تاجر کی مردم شناسی اور موقع شناسی اور محنت کے شوق میں پوشیدہ ہے۔ کوئی ایسا تاجر کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا جو محنت سے جی چرائے اور گاہک کو ناراض کرے۔

لوکل سیلف گورنمنٹ

مرسلہ جناب حافظ احسان الٰہی صاحب پنجابی اسلامیہ ہائی سکول دہلی

زمانہ قدیم میں ہندوستان میں دستور تھا کہ ہر ایک گاؤں و قصبہ میں ایک مقامی پنچایت ہوتی تھی جس کا کام اپنے گاؤں کی بہتری کے وسائل سوچنا اور چھوٹے چھوٹے تنازعوں کا فیصلہ کرنا ہوتا تھا جب انگریزوں کی عملداری شروع ہوئی اور نئے نئے قانون بننے لگے تو پنچائیتیں کمزور ہوگئیں کیونکہ یہ پنچایتیں کسی قانون کے ماتحت نہ تھیں۔ لیکن ۱۸۸۲ء میں جبکہ ہندوستان کی باگ ڈور لارڈ رپن کے ہاتھ میں آئی تو ہندوستان میں لوکل بورڈ ایکٹ و میونسپل ایکٹ پاس کئے گئے۔ ان کی رو سے ہندوستان میں میونسپل کمیٹیاں اور ڈسٹرکٹ بورڈ قائم کئے گئے۔ ان کے قیام کا مدعا یہ تھا کہ لوگوں میں اپنے اپنے علاقہ میں اپنے نمائندے منتخب کرکے انتظام سلطنت میں حصہ لینے کا شوق پیدا کیا جائے۔ ان کمیٹیوں و بورڈوں کو بہتری کے وسائل سوچنے اور ان پر عملدرآمد کرنے کا اختیار تو ہے۔ مگر لوگوں کے آپس کے تنازعات فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ پنجاب میں ۱۹۲۱ء میں پنجاب دیہی پنچایت ایکٹ پاس ہوا جسکی رو سے پنچایتوں کو چھوٹے چھوٹے دیوانی و فوجداری مقدمات کے سننے کا اختیار دیا گیا۔ چونکہ پنچایتوں، کمیٹیوں و بورڈوں کا دائرۂ اختیار محدود ہوتا ہے۔ اسلئے ان کو لوکل باڈیز یعنی مقامی مجالس کہا جاتا ہے۔ اور اس حکومت کو لوکل سیلف گورنمنٹ یا مقامی سوراج کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ مندرجہ ذیل نقشہ سے معلوم ہوگا کہ لوکل باڈیز کتنی قسم کی ہوتی ہیں:-

لوکل باڈیز
- شہری رقبہ جات
  - کارپوریشن
  - کنٹونمنٹ کمیٹی یا چھاؤنی کمیٹی
  - رقبہ شہر یا نوٹیفائڈ ایریا
  - سمال ٹاؤن کمیٹی
  - میونسپل کمیٹی
- دیہاتی رقبہ جات
  - پنچایت
  - لوکل بورڈ
  - ڈسٹرکٹ بورڈ

شہری رقبہ جات۔ یہ تمام کمیٹیاں خاص قانون کے ماتحت قائم ہوگئی ہیں۔ اور اپنا کاروبار اس قانون کے مطابق کرتی ہیں کنٹونمنٹ کمیٹیاں صرف چھاؤنیوں میں قائم کی جاتی ہیں اور کارپوریشن صرف پریذیڈنسی شہروں میں مثلاً کلکتہ، مدراس، بمبئی، رنگون اور کراچی میں بھی کارپوریشن ہے۔ ان کمیٹیوں کے انتظامات زیادہ وسیع ہوتے ہیں اور ان کے اراکین کے اختیارات بھی زیادہ ہوتے ہیں۔

آمدنی کے ذرائع حسب ذیل ہیں:-

(۱) محصول چنگی یا ٹرمینل ٹیکس یا ہاؤس ٹیکس۔

(۲) کوڑا کرکٹ کی فروخت۔
(۳) اڈوں کی نیلامی۔
(۴) تانگوں، گڈوں وغیرہ پر ٹیکس۔
(۵) متفرق آمدنی مثلاً سرکاری گرانٹ وغیرہ۔

کمیٹیوں کے فرائض:۔

(۱) اپنے علاقے میں تعلیم کی اشاعت کرنا (۲) ہسپتال قائم کرنا (۳) روشنی اور صفائی کا انتظام کرنا (۴) صاف ہوا و پانی کی بہم رسانی۔ (۵) سڑکوں کی مرمت وغیرہ۔

اسکے علاوہ بڑی بڑی کمیٹیوں میں فائر بریگیڈ یعنی آگ بجھانے کے انجن رکھے ہوئے ہوتے ہیں جب میونسپل حدود میں کسی جگہ آگ لگتی ہے تو فائر بریگیڈ والے اطلاع پہنچنے پر فوراً وہاں جاتے اور آگ بجھانے کے علاوہ مکان کے اندر سے بال بچے اور سامان بھی نکال لاتے ہیں۔

دیہاتی رقبہ جات:۔ پنجاب کے اندر ہر ایک ضلع میں ایک ڈسٹرکٹ بورڈ ہوتی ہے۔ جو پنجاب ڈسٹرکٹ بورڈ ایکٹ کے ماتحت قائم کی جاتی ہیں۔ مختلف گاؤں میں پنچایتیں بھی ہیں پہلے پہل تو یہ رواج تھا کہ ہر ایک ضلع میں ایک چھوٹی سی کمیٹی ہوتی تھی۔ جو صاحب ڈپٹی کمشنر کو مشورہ دیا کرتی تھی۔ لیکن جب سے لارڈ رپن نے مقامی مجالس کو قائم کیا۔ اسوقت سے ڈسٹرکٹ بورڈوں میں انتخاب کا طریقہ شروع ہو گیا۔ ان بورڈوں میں اکثریت غیر سرکاری ممبروں کی ہوتی ہے۔ جو عموماً ضلع کے ذیلدار یا متمول و بارسوخ زمیندار ہوتے ہیں۔ ان کے صدر عموماً ڈپٹی کمشنر ...... ہوتے ہیں۔ مگر پنجاب میں اب بورڈوں کو اختیار دیا گیا ہے کہ اگر وہ چاہیں تو غیر سرکاری صدر چن لیں چنانچہ گوجرانوالہ، گجرات و ملتان کے اضلاع میں اسوقت غیر سرکاری صدر ہیں۔

ذرائع آمدنی:۔ (۱) لوکل ریٹ یعنی سوا۔ گورنمنٹ مالیہ زمین کے ساتھ زمینداروں سے سوا وصول کرتی ہے جو ۲ر فی روپیہ کے حساب سے لی جاتی ہے۔ یہ رقم ڈسٹرکٹ بورڈ کے خزانہ میں جاتی ہے۔ (۲) اڈوں کی نیلامی (۳) تانگوں، یکوں اور ٹم ٹموں کا لائسنس (۴) حیثیت ٹیکس یا پروفیشنل ٹیکس (۵) درختوں کی فروخت۔ اسکے علاوہ ڈسٹرکٹ بورڈ کو گورنمنٹ ہر سال ایک معقول رقم بطور گرانٹ دیتی ہے۔

فرائض:۔ اپنے علاقہ میں لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کی اشاعت (۲) انسانوں اور حیوانوں کے لئے شفاخانے قائم کرنا (۳) سڑکوں اور پلوں کی مرمت و دیکھ بھال کرنا (۴) حفظان صحت کی تدابیر اختیار کرنا وغیرہ۔ ان فرائض کی ادائیگی کیلئے ڈسٹرکٹ بورڈ کو بہت ملازم رکھنے پڑتے ہیں جو تمام صاحب صدر کے ماتحت کام کرتے ہیں۔

دیہی پنچایتیں پنجاب میں بہت مفید کام کر رہی ہیں۔ انکے ممبران کو پنچ کہا جاتا ہے اور صدر کو سرپنچ۔ پنچ انتخاب کے ذریعہ منتخب ہوتے ہیں، اور سرکاری ممبر کوئی نہیں ہوتا۔ ان پنچایتوں کا کام یہ ہے کہ اپنے گاؤں میں صفائی کا انتظام کریں گلیاں اور نالیاں پختہ بنوائیں۔ روشنی اور پانی کا انتظام کریں اسکے علاوہ ان کو چھوٹے چھوٹے دیوانی و فوجداری مقدمات کے سننے کا بھی اختیار ہوتا ہے۔ ان کے فیصلوں کی کسی عدالت میں اپیل نہیں ہو سکتی۔ غرض جو ہے وہ یہ ہے کہ دیہاتی زمینداروں کو مقدمہ بازی کی لعنت سے بچایا جائے۔ پنچایت کو کسی جرم کی سزا میں ۵۰ روپے تک جرمانہ کرنے کا اختیار ہے لطیفہ یہ ہے کہ اس جرمانے کا روپیہ سرکار کے خزانہ میں نہیں جاتا بلکہ پنچایت کے فنڈ میں جمع ہوتا ہے اور گاؤں کی بہتری میں صرف ہوتا ہے۔ اگر کوئی مجرم جرمانے کی رقم ادا نکرے تو یہ جرمانہ بقایا مالیہ تصور کیا جاتا ہے اور افسران محکمہ کی معرفت وصول کیا جاتا ہے۔

تجارتی دنیا

صنعتی تجارتی اقتصادی خبریں

کالمین لیس ملز دہلی میں ہڑتال

کالمین لیس ملز لمیٹڈ دہلی جو ایک قومی کارخانہ ہے کاریگران نے ہڑتال کر دی۔ ہڑتالیوں کی تعداد تقریباً تین سو ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ مزدوری میں اضافہ کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ ہڑتال کو آج تیسرا روز ہے۔ ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا۔

بنکوں کے کاروبار کے متعلق قانون

معلوم ہوا ہے کہ ملک میں بنکوں کے عام کاروبار کے متعلق جو وسیع قانون بننے والا تھا۔ ملک کی موجودہ صورت کے پیش نظر اسے ملتوی کر دیا گیا ہے۔

بھائی کے قرضہ میں بہن کا مال قرق

سب جج عدالت دیوانی سیالکوٹ نے ایک مقدمہ میں فیصلہ کیا ہے کہ بھائی کے مقدمہ میں بہن کا مال قرق ہو سکتا ہے۔

پنجاب کی شہری جائداد پر ٹیکس

پنجاب آ[ئ]ین نے ۱۷ مخالف رائے کے مقابلہ میں ۱۴۷ رائے سے شہری جائداد پر ٹیکس کا مسودہ قانون پاس کر دیا۔ اس قانون کی رو سے بیس فیصدی ٹیکس بڑھایا گیا ہے۔ جیسا کہ اکثر اصحاب سمجھ رہے ہیں اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سو روپے ماہوار آمدنی کی جائیداد پر بیس روپے گورنمنٹ لے لیگی بلکہ اسکی مراد یہ کہ اگر پہلے قانون کی رو سے آپ کی جائداد کی آمدنی پر ایک سو روپے ٹیکس کے ہوئے تو اس میں بیس روپے کا اضافہ اس ٹیکس کے رو سے ہو جائے گا۔ یعنی یہ اضافہ ٹیکس پر ہے۔ آمدنی پر نہیں۔

لاکھ ڈھلنے کا سفوف بنانا

رانچی کے قریب نام کوم میں جو لاکھ کا ہندوستانی تحقیقاتی ادارہ ہے۔ وہاں کے تجربوں سے معلوم ہوا ہے کہ لاکھ ڈھلنے کے سفوف بنانے کا جو پہلا طریقہ تھا۔ اسکی نسبت اب بہت آسان طریقہ دریافت کیا گیا ہے جو سہل بھی ہے اور سستا بھی۔ نیز کاروبار کرنے والوں کے لئے کارآمد ہے۔

ایسٹرن گروپ کانفرنس سے خطرہ

انڈین چیمبر آف کامرس کلکتہ کی کمیٹی نے سر ظفر اللہ سے مل کر یہ خطرہ ظاہر کیا کہ کہیں ایسٹرن گروپ کانفرنس میں بحث کے نتیجے کے طور پر ہندوستان کو اپنی صنعتوں سے محروم نہ کر دیا جائے۔ اس کے جواب میں سر ظفر اللہ نے واضح کیا کہ روجر مشن اور ایسٹرن گروپ کانفرنس کے کام کے متعلق کوئی اندیشہ نہ کرنا چاہئے۔

چینی شیشہ بنانا

ہندوستانی صنعتی ادارہ تحقیقاتی کے ایک رسالہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چینی شیشہ (جو شیشہ کی چوڑیوں کو مرصع کرنے میں کام آتا ہے) بنانا بہت فائدہ مند ہے۔ خام اشیاء اسکی ہندوستان میں ہی مل جاتی ہیں۔ نیز موجودہ شیشہ کے کارخانوں میں جو ساز و سامان ہے وہ بھی اسکے لئے کافی ہے۔ لاگت کے متعلق یہ بتایا گیا ہے کہ یہ شیشہ بکری کی قیمت سے آدھی قیمت پر تیار ہو جاتا ہے

بنانے کا جو طریقہ ہے وہ بھی بہت آسان ہے۔ اسکی تفصیل آپ کے صوبہ کے انڈسٹری ڈیپارٹمنٹ سے مل سکتی ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ بنانے والے اس کو باہر سے آنے والے شیشہ کے مقابلہ میں کم قیمت پر فروخت کر رہے ہیں۔

کرگھوں پر کام کرنیوالے پارچہ بافوں کی دہلی میں کانفرنس

نئی دہلی۔ صوبائی حکومتوں کے نمائندوں، کپڑے کے کارخانوں کے مالکان کرگھوں پر کام کرنے والے پارچہ بافوں اور سوتی کپڑے کے معاملات سے تعلق رکھنے والوں کی کانفرنس نے طے کیا ہے کہ ایک کمیٹی بنائی جائے جو کہ کرگھوں پر کام کرنے والوں کی حرفت کے صحیح صحیح حالات معلوم کر کے یہ بتائے کہ آجکل اس کی حیثیت کیا ہے نیز اس پر بھی غور کیا گیا کہ کرگھوں پر تیار شدہ مال کے لئے معقول قیمت متعین کرنی چاہیئے۔

ہندوستان کی صنعت و حرفت

نئی دہلی۔ ابتدائے اکتوبر سے ابتک جنگی رسد کے سلسلہ میں بمبئی سے ۱۴۰۰ ٹن پارچہ جات جہازوں کے ذریعہ سے روانہ کئے جا چکے ہیں۔ اور مزید ۵۰۰ ٹن روانہ ہونے کے لئے وہاں موجود ہیں۔ جنگی پارچہ ساز کارخانوں نے اکتوبر کے مہینہ میں پندرہ لاکھ عدد پارچے تیار کئے۔ وارنش کی تیاری میں بھی ترقی ہو رہی ہے۔ اسکی تیاری کی رفتار شروع بارہ ہزار ٹن فی سال ہے۔ ریلوے کے کارخانوں میں ۲۵ پونڈ کے گولے آسانی سے تیار ہونے لگے ہیں۔ اور سن کی ملوں میں بم کے گولے بنانا شروع ہو گئے ہیں۔ گذشتہ دو ہفتوں میں جن چیزوں کی خصوصیت سے مانگ رہی وہ حسب ذیل ہیں:۔
معمولی کوئلہ اور پتھر کا کوئلہ مشرقی وسطی سوڈان فلسطین اور لبنان کیلئے پتھر۔ مشرق وسطے اور ہندوستان کے لئے کپڑا۔ آسٹریلیا کے لئے تاگا سوت اور بڑی کھالیں۔ ترکی کے لئے انجنیرنگ کا سامان ہندوستان کے لئے توپیں۔

کون کونسی ریلیں بند ہونگی

لڑائی کی وجہ سے گورنمنٹ نے مندرجہ ذیل ریلوں کو بند کرنیکا فیصلہ کیا ہے۔ لائل پور گوجرانوالا ریلوے۔ رائے پور۔ رکبی ریلوے۔ پانی پت براینچ لائن ریلوے۔ حیدرآباد اورنگ آباد ریلوے۔ بجنور لائن ریلوے وغیرہ

روس و چین میں تجارتی معاہدہ

روس و چین میں ایک نیا تجارتی سمجھوتہ ہوا ہے۔

لیموؤں سے سوڈیم سٹریٹ کی تیاری

ایک پنجابی فرم لیموؤں سے سوڈیم سٹریٹ تیار کر رہی ہے اس دوا کا امتحان کیا گیا ہے اور بائلنگ پوائنٹ کی جانچ پر یہ دوا پوری اتری ہے۔ ڈائرکٹر جنرل انڈین میڈیکل سروس نے تمام میڈیکل سٹوروں کو وقت ضرورت اس کمپنی سے دوا خریدنے کی ہدایت کر دی ہے۔

گھریلو صنعتوں کے لئے ایک لاکھ کی گرانٹ

نئی دہلی۔ سٹینڈنگ فائنس کمیٹی نے گھریلو صنعتوں کی ترقی کے لئے ایک لاکھ روپیہ کی گرانٹ دینا منظور کیا ہے۔

دہلی میں نمائش

دہلی میونسپل کمیٹی نے نمائش کی درخواست نامنظور کر دی۔

رنگوں کی درآمد پر پابندی

حکومت ہند کا ایک پریس نوٹ مظہر ہے کہ اس نے کول تار سے تیار شدہ رنگوں کی درآمد پر سرکاری کنٹرول بٹھانے کا فیصلہ کیا ہے۔ کیونکہ اسمیں ڈالر خرچ ہوتا ہے۔

ہائیڈروجن ہندوستان میں بنیگی

ایک نجی کمپنی نے ایسا کارخانہ کھولنے کا انتظام کیا ہے جسمیں چھ ماہ کے اندر اندر کاسٹک سوڈا۔ سیال کلورین۔ رنگ اڑانے کا سفوف اور ہائیڈروجن تیار ہونے لگیگی۔

تازہ ترین افسانہ

خاص پنجابی گزٹ کیلئے

کسوٹی

از جناب محمود علی صاحب نور دہلوی ممبر ارکان پنجابی گزٹ

جس وقت میری شادی ہوئی تو موضع شرف نگر میں ان کی ایک چھوٹی سی بساط خانہ کی دوکان تھی۔ گو مال و دولت کی ان کے پاس افراط نہ تھی۔ لیکن خدا نے قناعت کی سب سے بڑی دولت ان کو دے رکھی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ ہر وقت خوش و خرم رہتے تھے۔ اور ان کی آنکھوں میں ایک ایسی مسرت ناچتی رہتی تھی کہ جو لکھی تو کیا کروڑ پتیوں کو بھی میسر نہیں ہوتی۔

شادی کے بعد محبت و پیار کی زندگی میں ہم ایسے کھوئے کہ ہمیں احساس بھی نہ ہوا کہ دنیا میں تکلیف اور رنج بھی کوئی چیز ہے۔ ان کے دوکان جانے کے بعد میں گھر کے دھندوں میں لگ جاتی۔ جھاڑو بہارو دیتی۔ برتن دھوتی۔ کھانا پکاتی اور ہر کام میں مجھے عجیب مزا آتا تھا۔

غرض دن اسی طرح بسر ہو رہے تھے کہ مجھے کچھ امید ہو گئی۔ اور اس کی وجہ سے ہر وقت میری طبیعت گری گری رہنے لگی۔ بہتیرا جی کو سنبھالتی مگر سنبھلتا ہی نہ تھا۔ صبح سے شام تک منہ اوندھائے پڑی رہتی تھی۔ نہ پکانے کا ہوش تھا نہ کھانے کا۔ دن رات میں تھی اور کھٹیا۔ اور پھر مہینہ ڈیڑھ مہینے تک متلی اور چکروں کا ایسا زور رہا کہ آدھی رہ گئی۔ اور مختصر یہ ہے کہ آٹھ نو مہینے بڑی مشکل سے کٹے۔ اور وہ وقت آ پہنچا۔ مگر اب درد مارے ڈالتے تھے۔ لیکن آہ .... وہ بعد کی خوشی ......

دائی کو بلایا گیا۔ ایک دن اور ایک رات کی تکلیفیں برداشت کرنے کے بعد مشکل آسان ہوئی۔ اور خدا نے ایک بیٹا دیا۔ آہ مجھے وہ وقت ہمیشہ یاد رہیگا جب انہوں نے دائی کے ہاتھ سے بچہ کو لیکر بڑے شوق اور پیار کے ساتھ اس کا ننھا سا چہرہ دیکھ کر کہا تھا: "امینہ بچہ ماشاء اللہ بہت خوبصورت ہے۔ ہو بہو تمہاری شکل ہے۔"

ننھے کی صورت واقعی چاند سی صورت تھی اور میرا تو خیال یہ ہے۔ کہ ایسا خوبصورت بچہ میں نے آج تک دیکھا ہی نہیں۔ اب اسے آپ میری شیخی سمجھیں یا مامتا۔ بہر حال وہ اپنے باپ کی مکمل تصویر تھا۔ اور یہی نہیں کہ وہ خوبصورت تھا بلکہ ہونہار بھی ایسا تھا کہ ابھی اس کی عمر تین چار سال ہی کی تھی کہ وہ باپ کے ساتھ دوکان جانے لگا۔ اور وہ اکثر کہا کرتے تھے بیگم خدا نے چاہا تو رشید ایک دن بہت کامیاب دوکاندار ہوگا۔ مگر میری اور ان کی یہ مرضی نہیں تھی کہ ہم اس کو دوکان پر بٹھائیں میرا ارادہ تھا کہ رشید کو ڈاکٹر بنائیں۔ اور وہ کہتے تھے کہ خدا نے اس کو غیر معمولی دماغ عطا کیا ہے۔ اسلئے اس کو وکالت پڑھائیں گے۔

خیر چند دن بعد اس کو اسکول میں داخل کر دیا۔ اس کے اسکول میں داخل ہونے سے میں صبح سے شام تک اکیلی رہتی تھی۔ اور یہ تنہائی مجھے بہت بری معلوم ہوتی تھی۔ لیکن خدا کا کرنا کہ کچھ دن بعد خدا نے مجھے ایک بیٹی دیدی۔ اور میں اس کے خلیہ میں لگ گئی۔ اب وہ میرا اور بھی زیادہ خیال کرنے لگے اور گھر کے کام کاج کے لئے ایک ماما رکھ لی۔

(۲)

عیش کے دن گذرتے ہوئے معلوم نہیں ہوتے۔ پانچ چھ سال پھول کی طرح گزر گئے۔ اور میری صغریٰ پیروں چلنے اور خوب پٹر پٹر باتیں کرنے لگی۔ اس کی پیاری پیاری باتوں نے سب کو موہ لیا۔ میرا کنبہ بہت کم چاہتا تھا اور رشید تو اس پر دل و جان سے فدا تھا۔ جس وقت دونوں بہن بھائی ہاتھ میں ہاتھ ڈالے باہر سے آیا کرتے تھے تو میری خوشی کی انتہا نہیں رہتی تھی۔ وہ بھی بچوں کو دیکھ دیکھ کر جیتے تھے۔ اور زندگی بہت مزے سے گزر رہی تھی۔

آہ! اس وقت ہماری زندگی کا مطلع بالکل صاف تھا۔ اور خوشی کا سورج اپنی پوری تابانی کے ساتھ جلوہ گر تھا۔ کہ یکایک مصیبت کی ایک کالی گھٹا اٹھی۔ اور اس نے خوشی کے سورج اور اس کی چمکیلی کرنوں کو ڈھانک لیا۔

گرمیوں کے دن تھے اور دوپہر کا وقت۔ دونوں بچے دوکان گئے ہوئے تھے۔ میں ڈیوڑھی دھلوا رہی تھی کہ دور سے مجھے وہ آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ میرا دل ہولنے لگا کہ خدا خیر کرے یہ اس وقت خلاف معمول کیسے آرہے ہیں۔ جب وہ ذرا قریب آئے تو گھبرائے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ ایک دم میرے منہ سے زور سے نکلا "خیر تو ہے، کیا بات ہے"۔

"کہنے لگے "صغریٰ کے چوٹ لگ گئی ہے۔ ڈاکٹر کو بلایا ہے۔ خدا اچھا ٹھیک کردے"۔

میں نے پوچھا "ہوا کیا۔ کہاں چوٹ لگی، کہیں سے گر پڑی؟ اس کے ساتھ بھائی نہیں تھا"

کہنے لگے "یہی تو ہوا۔ رشید کی ذرا آنکھ بچی اور اس نے کھیلتے کھیلتے قینچی آنکھوں میں گھونپ لی"۔

یہ سنکر مجھے چکر سا آگیا۔ تھوڑی دیر میں بچی بھی آگئی۔ آنکھوں سے خون کی پھٹکیاں بہہ رہی تھیں۔ اور بے انتہا بلک رہی تھی۔ کسی کروٹ چین نہ آتا تھا۔ ڈاکٹر آئے کئی دن تک علاج ہوا۔ مگر

کسی طرح آنکھ قابو میں نہ آئی تھی۔ آخر ڈاکٹروں نے کہہ دیا کہ اب ہمارے بس کا کام نہیں ہے! سے "سونگے" بجاؤ۔ شاید ان اس کی آنکھ بچ جائے۔ سونگے ہوئے بھی کیا سوائے پریشان ہوا۔ مگر آنکھیں نہ بچیں نہ بچیں۔ ہاں اتنا ضرور فائدہ ہوا کہ تکلیف جاتی رہی۔

—— (۳) ——

مصیبت اکیلی نہیں آیا کرتی۔ صغریٰ کی آنکھیں گئیں۔ تکلیف اٹھائی سو یہ پانی کی طرح بہا۔ جو کچھ رکھا ڈھکا تھا۔ وہ ختم ہوا۔ پھر دوکان میں اتنا بڑا نقصان ہوا کہ مجبوراً دوکان اٹھانی پڑی۔ اب گزارہ کا بھی کوئی ذریعہ نہ رہا۔ دن رات یہی پریشانی تھی کہ گھر کا خرچ کس طرح چلے اور چھوٹے چھوٹے بچوں کی پرورش کیسے ہو۔

کچھ دن تو میرے گہنے پاتے اور کپڑے لتے سے جوں توں کرکے گزر گئے لیکن اس طرح کب تک گزارہ ہوسکتا تھا۔ آخر فاقوں پر فاقے ہونے لگے۔ ایک دن گھر میں نہ مٹھی بھر آٹا تھا اور نہ کوئی پیسہ کوڑی۔ دو وقت کا فاقہ تھا۔ سبھی نڈھال ہو رہے تھے۔ لیکن صغریٰ بچی کا تو بہت ہی برا حال تھا۔ وہ تو بھوک کے مارے بلبلا رہی تھی۔ بچی کے منہ میں صبح سے ایک کھیل کا دانہ اڑ کر نہیں گیا تھا۔

آہ! ایک تو وہ معصوم ناسمجھ بچی۔ دوسرے آنکھوں سے معذور پھر اس کا بھوک کے مارے بلبلانا اور بلبلاتے کھانا مانگنا غضب تھا۔

رشید ایک تو خود بھوکا دوسرے بہن کا مچلنا دیکھ دیکھ کر سراسیمہ ہوا جاتا تھا۔ میں بھی دوپٹہ کے آنچل سے آنسو پونچھتے پونچھتے تھک گئی تھی۔

سب کی یہ حالت دیکھکر ان سے بھی نہ رہا گیا۔ وہ بھی پھوٹ پڑے .... کہنے لگے "اینہ اب مجھ سے تمہاری اور بچوں کی یہ حالت نہیں دیکھی جاتی۔ چاہے مجھے نوکری ڈھونی پڑے مگر میں بچوں کے لئے کچھ کرونگا۔ مزدوری کوئی عیب نہیں ہے لو

عزت کو کب تک اوڑھیں بچھائیں گے ......؟ عزت جب تھی
تجارت تھی، نوکر چاکر تھے، پیسہ تھا .... جب
ت تھی .... اب دولت نہیں رہی تو عزت
ان رہی۔ ......۔ آجکل تو پیسہ کی عزت ہے۔ شرافت اور
ایمانداری کو کون پوچھتا ہے ......؟

اب وہ زمانہ ہوا جب شرافت کی پوچھ تھی۔ اور سفید پوش
قدر تھی اور آدمیت کی عزت تھی۔ اب دولت کی عزت ہے ......
دولت کی ......"

تھوڑی دیر وہ اسی قسم کی باتیں کرتے رہے اور میں بالکل خاموش
رہی۔ جب ان کا جوش ذرا کم ہوا تو میں نے پانی کا گھونٹ دیا۔ پانی پی کر
ذرا سکون ہوا تو کہنے لگے "میرا خیال ہے کہ ہمیں یہ مکان بیچ دینا
چاہئے۔"

میں نے کہا "پھر رہیں گے کہاں ......؟"

کہنے لگے "دریا کے کنارے ماموں کا جو باغ اجڑا پڑا ہے وہاں
ایک چھوٹی سی بارہ دری ہے۔ اس میں چلکر رہیں گے۔ خدا مسبب الاسباب
ہے۔ شاید اس طرح پھیر پڑے۔"

میں نے پوچھا "تمہارے ماموں باغ دیدیں گے؟"

انہوں نے جواب دیا "کل ہی وہ مجھ سے ملے تھے انہوں نے
ہی یہ صلاح دی تھی کہ تم باغ میں چلے جاؤ۔ اس کو ٹھیک ٹھاک کر لو۔
زمین زرخیز ہے۔ بہت جلد اچھی خاصی پیداوار ہو جائے گی اور تمہارا
اچھی طرح گذارہ ہونے لگے گا۔"

تھوڑی دیر تک بالکل خاموشی رہی۔ پھر انہوں نے مجھ سے
پوچھا "تمہارا کیا خیال ہے ......؟"

میں نے کہا "جس طرح آپ کی مرضی ہو .... میں
[illegible]

(۴)

ہماری دیہاتی زندگی شروع ہو گئی ....

گرمیاں بڑی اچھی گزریں۔ وہ دن بھر باغ میں محنت کرتے اور میں
بچوں کی دیکھ بھال کرتی۔ دونوں خوشی کے ساتھ روکھی پھیکی سوکھی کھا کر
خدا کا شکر کرتے اور بے فکر ہو کر پڑ جاتے۔ اب کسی بات کا غم نہ تھا۔
بچے بھی خوش تھے۔ رشید دن بھر بہن کا ہاتھ پکڑے بڑے بڑے
سایہ دار درختوں کی چھاؤں میں مرغیوں اور بکری کے بچوں کے ساتھ
کھیلتا پھرتا تھا۔

خدا کی مہربانی سے سب کی تندرستی بھی اچھی ہو رہی تھی اور خاص کر
رشید کی صحت تو ماشاءاللہ دن بدن بہتر ہوتی جاتی تھی۔ اور صحت کے
ساتھ اس کی سمجھ بھی دن دونی اور رات چوگنی ترقی کر رہی تھی۔ وہ
ہر وقت بہن کی خاطرداری، باپ کی خدمت، میری اطاعت میں لگا رہتا
تھا۔ میں اس کی یہ تندرستی اور فرمانبرداری دیکھ دیکھکر پھولی نہ سماتی تھی۔
مگر صغرا .... پیاری صغرا ..... کیسی معصوم۔ کتنی معذور ....
..... اور دیکھ بھال کی محتاج .... آہ جب اس کی کٹورا سی
آنکھیں گئی تھیں تو میں نے عہد کیا تھا کہ چاہے مجھے کتنی تکلیفیں اٹھانی
پڑیں مگر میں اس کو کبھی .... کسی طرح کی تکلیف نہ ہونے دوں گی۔

اس وقت سے ابتک میں ہر طرح اس کے دل کو ہاتھ میں لینے کی
مقدور بھر کوشش کرتی۔ اس مفلسی اور پریشانی کے زمانہ میں بھی جس
طرح بن پڑتا۔ اس کی بھاتی چیزیں پکاتی۔ اس کو گڑیاں منگا کر دیتی اس
کو کہانیاں سناتی ....

غرض ہر طرح اس کی دنیا کے اندھیرے کو دور کرنے کی کوشش کرتی

(۵)

ہمیں دیہاتی زندگی گذارتے ہوئے خاصا ڈیڑھ سال ہو گیا اور اب
خدا نے ہماری محنت کا صلہ اور صبر کا اجر دینا شروع کیا۔ باغ میں اتنی

پیداوار ہونے لگی کہ آٹھ دن کی ترکاری جمع کر کے وہ شہر لیجاتے اور پانچ چھ روپیہ میں بیچ آتے۔ لیکن ان کے شہر آنے جانے میں دو تین روز لگ جاتے اور یہ دو تین روز جس مشکل سے کٹتے میرا دل ہی جانتا ہے۔

بچوں سے پریشانی چھپانے کے لئے بظاہر بشاش رہا کرتی تھی۔ لیکن اندر سے میرا کلیجہ مارے ڈر کے بیٹھا جاتا تھا اور بعض وقت تو چوہوں کی سرسراہٹ یا پرندوں کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ سے میرا سارا بدن تھرا جاتا تھا۔ رات کے وقت تو حد سے زیادہ ڈر لگتا تھا۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے ساری رات میں شاید گھنٹہ دو گھنٹہ آنکھ لگتی ہو مگر کبھی میں ان سے اپنے اس ڈر اور پریشانی کا حال بیان نہیں کرتی محض اس خیال سے کہ وہ سنکر پریشان ہونگے۔ لیکن میری کوشش کے باوجود بھی یہ چیز ان سے نہ چھپ سکی۔

ہوا یہ کہ ایک دن وہ شہر گئے ہوئے تھے۔ کوئی تین چار بجے کا وقت تھا۔ میں بارہ دری کے آگے چارپائی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ نیچے بکری کے بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ صغرا نے پانی مانگا۔ میں ڈول لیکر کوئیں کی طرف چلی۔ ابھی دس بارہ قدم آگے بڑھی ہونگی کہ سامنے جھاڑیوں میں ایک چیتا نظر پڑا۔ چیتے کو دیکھتے ہی میرے ہوش حواس جاتے رہے۔ ڈول وہیں پھینک۔ گرتی پڑتی بچوں کی طرف بھاگی اور جلدی سے بچوں کو اٹھا کر کوٹھری میں گھس گئی اور کواڑ بند کرلئے۔

ادھر میں نے کواڑ بند کئے۔ اور ادھر بکری کے بچہ کی چیخ نکلی کواڑ کی جھریوں میں سے جھانک کر دیکھا تو ایک بکری کا بچہ پھٹا ہوا پڑا تھا۔ اور دوسرے بچہ کے پیچھے چیتا لپک رہا تھا۔

صغرا بچی کو تو کچھ معلوم ہی نہیں تھا مگر رشید بکری کے بچوں کا یہ حال دیکھکر رونے لگا۔ میں نے بہلا پھسلا کر اس کا دھیان کسی طرف لگادیا۔

شام ہوئی۔ رات ہوئی اور ساری آنکھوں آنکھوں میں کٹ گئی۔ خدا خدا کر کے صبح ہوئی اور میں نے شکرانے کے نفل پڑھے۔ دس گیارہ بجے وہ آگئے۔ رشید نے سارا ماجرا سنادیا۔ وہ کہنے لگے کہ اب میں تمہیں چھوڑ کر اکیلا نہیں جاؤنگا۔ چاہے ترکاری ٹھیک بکے یا نہ بکے۔ دال سے نہیں کھائینگے چٹنی سے کھالینگے۔

پانچ چھ روز ہوگئے۔ ترکاری خاصی جمع ہوگئی۔ میں نے کہا جاؤ شہر چلے جاؤ اور اس کو بیچ آؤ۔ مگر وہ راضی نہ ہوئے۔ میں نے بہتیرا سمجھایا۔ مگر وہ کہنے لگے کہ میں شہر نہیں جاؤنگا۔ جو پیسے گاؤں میں مل جائینگے اسی پر گزارہ کر لینگے۔

دو تین ہفتے انہوں نے ایسا ہی کیا۔ مگر گاؤں میں کیا پڑنا تھا دس بارہ روپے کے مال دو روپے ملتے تھے۔

میں نے آہستہ آہستہ ان کو پھر شہر جانے پر آمادہ کرنا شروع کیا اور کچھ دن بعد ان کو آمادہ کر ہی لیا۔ کیونکہ میں جانتی ہوں کہ مرد میں کام کرنے کا جذبہ پیدا کرنا عورت کا فرض ہے۔

میں سوچتی تھی کہ اگر میں نے ان کے جذبۂ عمل کو بیدار نہ کیا تو میں بیوی کے ایک فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کرونگی۔ اور اس کوتاہی کا جواب رب العزت کے سامنے میں کچھ نہ دے سکونگی۔

(۶)

ان کو شہر ترکاری بیچنے کے لئے جاتے ہوئے دو مہینہ کا عرصہ ہوگیا۔ اور کوئی بات ظہور میں نہیں آئی۔

مگر ایک مرتبہ آپ ہی آپ پھر کہنے لگے کہ میں شہر نہیں جاؤنگا۔"

میں نے پوچھا کیوں؟"

کہنے لگے یونہی۔"

جب میں نے زیادہ اصرار کیا تو کہنے لگے میری طبیعت نہیں چاہتی

ں کہتا ہے کہ تمہارے جانے کے بعد کوئی آفت آنے والی ہے میں نے کہا نہیں یہ تمہارا وہم ہے اور اب تو ہمیں بالکل ڈر نہیں لگتا۔"

میں نے ان کو یقین دلانے کے لئے رشید کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "رشید چاند اب تو ہمیں ڈر نہیں لگتا نا۔۔۔۔۔؟"

اس نے کہا۔ "نہیں اماں جان اب تو ہمیں ڈر نہیں لگتا" غرض ان کو کہہ سنکر جانے کیلئے آمادہ کر لیا۔

جاتے ہوئے کہنے لگے "طبیعت تو میری نہیں چاہ رہی۔ مگر تمہارے کہنے سے جا رہا ہوں۔ اچھا ذرا ہوشیاری سے رہنا۔ کوٹھی کے کواڑ بند رکھنا اور بچوں کو ادھر اُدھر نہ جانے دینا۔ خدا حافظ۔

میں ان کے جانے کے بعد حسب معمول کام میں لگ گئی۔ دوپہر ہوئی بچوں کو روٹی کھلائی۔ خود کھائی۔ پھر تھوڑی دیر کے لئے سب کو لٹا دیا اور آپ بھی ٹانگیں سیدھی کرنے کو لیٹ گئی۔ پھر اٹھی جھاڑو بہاڑو کی اور شام ہو گئی۔

بارہ دری کے باہر چارپائی ڈال کر بیٹھ گئی۔ بچے سامنے کھیلنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد پورب کی طرف سے ایک ہلکی سی گھٹا اٹھی اور آہستہ آہستہ اودے اودے بادلوں نے سارے آسمان کو گھیر لیا۔

طبیعت کو بڑی خوشی ہوئی۔ کیونکہ آدھا ساون گزر چکا تھا اور ابتک ایک چھینٹا بھی نہیں ہوا تھا۔ ہر طرف بارش کی مانگ تھی۔ باغبانی اور کھیتی کیاری کرنے والے گودیاں پھیلا پھیلا کر بارش کی دعائیں مانگ رہے تھے۔

ذرا سی دیر میں ہلکی ہلکی پھوار پڑنے لگی۔ شام کا ٹھنڈا ٹھنڈا وقت پیاری ہوا۔ برسات کی پہلی جھڑی۔ کلیوں کا نکھرنا۔ پھولوں کا جھومنا درختوں کا نہانا۔ آم کی ڈالی پر پپیہے کا پی کہاں پی کہاں کا شور مچانا۔ [illegible] چلنے کے لئے کافی سے زیادہ تھا مگر جوں جوں یہ لطف کا سماں جوبن پہ آتا جاتا تھا۔ خبر نہیں کیوں میرا دل تر و تازہ ہونے کے بجائے کملایا جاتا تھا۔

اب بارش ذرا تیز ہو گئی۔ میں بچوں کو اندر لے گئی۔

کھانے کا وقت ہو گیا۔ سب نے کھانا کھایا۔ اور پھر بچھونے کرکے ان کو بھی لٹا دیا اور آپ بھی لیٹ گئی۔۔۔۔ مگر گھڑی گھڑی کھڑکی سے دیکھتی کہ بارش کم ہوئی یا نہیں۔ آخر اس طرح آنکھ لگ گئی۔

رات کے دو بجے ہونگے کہ صغرا کے چلانے سے میری آنکھ کھل گئی۔ آنکھیں ملتی ہوئی جو دیکھتی ہوں تو وہ غریب ساری چوڑ اہو رہی ہے۔ اسکی کھٹولی پر چھت میں سے کافی۔ پانی ٹپک رہا تھا۔

میں نے اٹھکر کھٹولی پرے کی بچھونا بدلا۔ اس کو کپڑے بدلوا کے پھر سلا دیا۔ اور آپ بھی لیٹ گئی۔۔۔۔ بہتیری کروٹیں بدلیں مگر آنکھ نہ لگنی تھی۔ اس طرح کروٹیں بدلتے بدلتے صبح ہو گئی۔ بارش خوب تیزی کے ساتھ پڑ رہی تھی اور اب ہماری چھت بہت سی جگہ سے برسنے لگی۔ جہاں سے ٹپکنا شروع ہوتا وہیں اگالدان، کٹورے، بادیے، پتیلیاں رکھتے جاتے تھے۔ پہلے پہلے تو رشید نے اس کو خاصا کھیل سمجھا۔ جہاں ٹپکا لگا اور وہ برتن رکھنے کے لئے بھاگا۔ مگر کب تک تھوڑی دیر میں گھبرا گیا۔

(باقی آئندہ)

زمزمۂ تغزل

حضرت ابو الاثر حفیظ جالندھری

یا پردہ اٹھا دے رخِ جانانہ دکھا دے
یا ذوقِ نظر سے مجھے بیگانہ بنا دے

یا کر دے مجھے اپنی حقیقت سے خبردار
یا میری حقیقت کو بھی افسانہ بنا دے

دل عشق سے ڈرتا ہے مبادا یہ تباہی
بستے ہوئے اک شہر کو ویرانہ بنا دے

دیوانگیٔ عشق کے بعد آہی گیا ہوش
اور ہوش بھی وہ ہوش کہ دیوانہ بنا دے

کرتا ہے تصور ترا اس رنگ کی باتیں
سن لے کوئی اک حرف تو افسانہ بنا دے

آخر کوئی صورت تو بنے خانۂ دل کی
کعبہ نہیں بنتا ہے تو بتخانہ بنا دے

اب میری حماقت پہ تأسف ہے تو کیوں ہے
کیا میں نے کہا تھا مجھے فرزانہ بنا دے

قانونِ خرد کیا ہے تری پست خیالی
اے ہمتِ عالی مجھے دیوانہ بنا دے

ہم خونِ جگر پی کے چلے جائینگے ساقی
لے شیشۂ دل توڑ دے پیمانہ بنا دے

خدا کا نوشتہ

از جناب مظہر انصاری

خدا نے لکھدیا ہے ——— اس پھول پر جو ہوا کی خوشبو کو دلآویزی دیتی ہے

——— اس بادِ سحر پر جو پھولوں سے لدی ہوئی شاخ کو شوکے دیتی ہے۔

——— اس قطرۂ باراں پر جو سیپ کے سینے پر مچل کر موتی بنتا ہے۔

——— اس گوہر شبنم پر جو گھاس کی پتی پر بکھر کتا ہے۔

——— اس چادرِ آب پر جو شعاع کی جھلبل جھلبل سے چمکتی ہے۔

——— اس باسی ہار پر جو شبِ عشرت کی یادگار بننے کے لئے اپنی بہار کھوتا ہے۔

——— اس شعاعِ مہتاب پر جو غریب کی کٹیا اور امیر کے دو محلے کو یکساں نوازتی ہے۔

خدا نے ان سب پر لکھدیا ہے ——— خدا نے ان سب پر لکھدیا۔

یہی ——— کہ ———

——— اس دنیا میں کوئی شخص صرف اپنے لئے زندہ نہیں رہ سکتا۔

گونگی محبت

(از جناب خورشید علی صاحب رضوی علیگڈھ)

وہ کسی کے در پر گیا

"کیا چاہتا ہے" .... وہ خاموش رہا.......

"ارے بولتا کیوں نہیں... کچھ تو کہہ" .... وہ چپ ....

"بیچارہ گونگا ہے"........... کہہ کر ایک پیسہ جھولی میں ڈالدیا گیا

آہ! حسن اندھا........ اور محبت گونگی۔

معلومات عامہ

(دنیا میں مسلمانوں کی آبادی)

ایشیا

ترکی جدید	ایک کروڑ ۵۰ لاکھ
شام و لبنان	۲۳½ لاکھ (مجموعی تعداد)
شرق اردن	۳ لاکھ
فلسطین	۸ لاکھ (مطابق مردم شماری ۱۹۳۵ء)
عراق	۳۴ لاکھ
حجاز	۹۵ لاکھ
جزائر بحرین	تقریباً ایک لاکھ ۳۰ ہزار
راس آل خیمہ	" ۲۰ " "
قاطارہ	تقریباً ۳۰ ہزار
ایران	ایک کروڑ ۵۰ لاکھ ....
افغانستان	ایک کروڑ ....
ساترا	۱۵ ہزار ...
ہندوستان	تقریباً ۱۰ کروڑ

بورنیو برٹش (۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے مطابق کل آبادی ۲۷۰۲۲۳ تھی۔ اکثریت مسلمانوں کی ہے)

بورنیو	آخر ۱۹۳۴ء میں ۱۲۲۹۷۱ تھی
سراواک	تقریباً ایک لاکھ ۲۰ ہزار
لنکا	چھ لاکھ .....
بلوچستان	۸ لاکھ ۴۷ ہزار
نوآبادیات آسٹریلین (سنگاپور، پینانگ، ملایا، لبوان)	۷ لاکھ
ریاستہائے مالے	۶۹۹۳۱۸
سلانگور	۵۱۵۸۴
ہنگری سیمیلان	۲۴۰۱۸۶
جوہر	۳ لاکھ
ٹرینگانو	۳ ہزار پانچ سو

یورپ

برطانیہ	۳۰ ہزار
فرانس	۲ لاکھ
ہنگری	۳ ہزار نو سو
فن لینڈ	۳ ہزار
رومانیہ	(۲۶ ہزار ۱۹۳۴ء میں)
بلغاریہ	۶۹۰۲۹۶
یوگوسلاویہ	تقریباً ½ ۱۷ لاکھ
البانیہ	½ ۷ لاکھ
بلجیم	۵ ہزار ۱۹۲۹ء میں
ہالینڈ اور جرمنی	۶ ہزار
ہسپانیہ	۵ "
سائپرس	۳۳۸ (۱۹۳۱ء میں)
پولینڈ	تقریباً ½ ۱۳ ہزار

بزم خواتین

ایڈیٹری قلم سے

شذرات

شیشے کی مسجد!

دنیا روپیہ کمانے کے لئے کیا کیا ڈھنگ رچا رہی ہے اس کی […]ایک عجیب مثال بارہ دری میں نام نہاد شیشے کی مسجد ہے۔ اس […]یں کیا کیا جدت طرازی اور ڈھونگ بنائے گئے ہیں۔ اور کس کس طرح […]ے گھروں میں بیٹھنے والیوں، دنیا سے بے خبر بہنوں، بیواؤں کو دغا […] تا ہے۔ اسکے متعلق بہت سی روایتیں بیان کی جاتی ہیں چونکہ ہم کو بچشم خود اس کے دیکھنے کی سعادت نصیب نہیں ہوئی اسلئے ذمہ دارانہ طور پر اسکے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ یہ عام خیال ہے کہ قوم […]نا تقریباً دس ہزار روپیہ اس کی بھینٹ چڑھ چکا ہے۔ لیکن اپنی رسوائی اور بے عزتی کے سبب کوئی بہن بھی اپنے نقصان کا اقبال نہیں کرتیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس کے خلاف کوئی کارروائی کرنے میں قانونی طور پر رکاوٹیں پیش آ رہی ہیں اور حالات یہاں تک بدتر صورت اختیار کر چکے ہیں کہ خانہ نشین خواتین کو اس کی اصلیت کے متعلق تمام بہنوں کو آگاہ کرنے کے لئے گھروں سے نکلنا پڑا اور تقریباً ہر محلے میں اسکے خلاف خواتین کے بڑے بڑے جلسے ہوئے

ان تمام حالات سے متاثر ہو کر پنجابی یوتھ لیگ نے بھی اسکی تحقیق کے لئے ایک سب کمیٹی بنا دی ہے۔ جس نے اپنی رپورٹ لیگ […]یں بھیج دی۔ خیال ہے کہ غالباً لیگ اسکے خلاف کوئی سخت قدم اٹھائیگی۔

ہماری تمام بہنوں سے درخواست ہے کہ وہ خود بھی اور دوسری بہنوں کو بھی اس قسم کی چالبازیوں سے محفوظ رکھیں۔

آپ کے گھر کے دشمن

نہایت خوشی کا مقام ہے کہ ہماری بہنیں بھی اب اپنی اچھائی اور برائی کو اچھی طرح سمجھنے لگی ہیں جس کا ثبوت یہ ہے کہ اس دفعہ عید کے تہوار پر صرف ایک دو خلاف ورزیاں ہی لیگ کے سامنے آئیں۔ لیکن انتہائی خوشی تو اس وقت ہوگی جب خلاف ورزیاں قطعی ختم ہو جائیں۔ اس سلسلہ میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ صاحبہ معاملہ کو اکسانے والی اکثر اپنی بعض رشتہ دار ہی ہوتی ہیں جو دو چار مثالیں دیکر ترغیب دیتی ہیں کہ آپ کو وہ کام کرنا چاہئے جس سے آپ کو چند لمحے کی خوشی نصیب ہو کر خدانخواستہ تمام عمر کی تکلیف ہو۔ نہیں کہا جا سکتا کہ انکی نیت آپ کی بھلائی میں کہاں تک ہو۔ مگر اس سے کیسے انکار ہو سکتا ہے کہ جو کھلم کھلا نقصان کی ترغیب دے وہ دشمن ہی ہو سکتا ہے دوست نہیں۔ پس آپ کو ایسے دوست نما دشمن سے ہشیار رہنا چاہئے کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ انکی میٹھی میٹھی باتوں میں آ کر اپنا سب کچھ گنوائیں اور وہ تماشہ دیکھیں۔ جب کبھی کوئی اس قسم کی ترغیب دے آپ فوراً سمجھ جائیں کہ یہ وہی دوست نما دشمن ہے۔ خواہ آپ کا کیسا ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو۔

دن ٹھیرانے کی رسم

تمام بہنوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ دن ٹھیرانے کیلئے اب خواتین کے بجائے مرد جایا کریں گے جنکی تواضع صرف پان الائچی، دودھ وغیرہ سے کیجائیگی۔ کسی سے ہاں اگر اسکی خلاف ورزی کیگئی اور خواتین کے بجائے مرد گئے یا مردوں کی خاطر زیادہ فضول خرچی سے کیگئی تو لیگ کو مجبوراً کوئی سخت قدم اٹھانا پڑے گا۔ امید ہے کہ تمام بہنیں دستور العمل کی خوب پابندی کرینگی۔

بشنو حبابہ

سواری کونسی اچھی ہے؟

(از محترمہ رضیہ خاتون صاحبہ)

دیکھا جا رہا ہے کہ آجکل بہت سی بہنیں ڈولی چھوڑ کر رکشا تانگہ وغیرہ سواری کے لئے استعمال کر رہی ہیں۔ آیئے ہم اس پر غور کریں کہ سواری ہمارے لئے کونسی اچھی ہے۔ امید ہے کہ دوسری بہنیں بھی بڑے شوق سے اپنے خیالات کا اظہار بذریعہ پنجابی گزٹ کریگی۔

ڈولی ایک ایسی سواری ہے جس کو ہمارے بڑوں نے بہت کچھ سوچ سمجھ کر ہماری سواری کے لئے تجویز کیا ہے۔ ڈولی ہم کو ہمارے گھر کے دروازہ سے اٹھا کر ہماری منزل مقصود تک پہنچا دیتی ہے۔ ڈولی میں پردہ کا نہایت اچھا انتظام ہوتا ہے اور اس کے لئے جو کہار رکھے جاتے ہیں وہ اہل محلہ نہایت دیکھ بھال کر ضمانت پر رکھتے ہیں۔ اسلئے ان سے کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ ڈولیاں محلہ کے باہر ہی ہر وقت موجود رہتی ہیں ان کو رات کو جس وقت ہم چاہیں بے کھٹکے بلا سکتے ہیں۔ کسی وقت بھی ان کو آنے میں انکار نہیں ہوتا۔ کہار ایسے جانے پہچانے ہو جاتے ہیں کہ قوم کے ہر گھر کا پتہ انہیں معلوم ہے وہاں جا کر ٹکریں مارنا نہیں پڑتیں۔ اسکے مقابلہ میں تانگہ یا رکشا گھر کے دروازہ پر نہیں آ جاتا۔ اس کے لئے بازار میں پیدل گھسٹ کر آنا پڑتا ہے۔ پھر بھی ایسا ہوتا ہے کہ کافی دیر انتظار کرنا پڑے۔ ضروری نہیں کہ آتے ہی مل جائے۔ پھر چکا چکائی کے لئے کوئی موساتھ ہو ورنہ ایک غیر محرم سے بات کرنا پڑتی ہے۔ ڈولی کے کرایے تو بندھے ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہم کو جہاں جانا ہوتا ہے ڈولی کی طرح گھر پر جا کر نہیں اتارتا بلکہ شاہراہ پر ہی اتارتا ہے۔ جہاں سے پھر پیدل جانا پڑتا ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ تانگہ میں بیٹھی ہوئی برقعہ پوش خواتین کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتیں۔ معلوم ہوتا ہے گویا بت بیٹھے ہیں اور اگر تانگے میں پردہ ڈال کر بیٹھا جائے تو خاصا چلتا پھرتا جیلخانہ بنجاتا ہے۔ کیونکہ ہم کو ڈولی کی عادت پڑی ہوئی ہے۔ اسلئے تانگہ میں بیٹھنا بھی ہم لوگوں کے لئے ایک خاصی پریشانی ہوتی ہے۔ پیچھے بیٹھو تو معلوم ہوتا ہے کہ اب گرے۔ تمام راستے بسم اللہ مجریہا پڑھتے ہوئے چلو۔

تانگہ آگے سے اتنا اونچا کہ بیٹھنا دشوار۔ پھر تانگہ والا غیر محرم نزدیک۔ صرف یہی نہیں بلکہ کوئی موٹر پیچھے سے یا آگے سے آئے تو معلوم ہوتا ہے کہ اب تانگہ سے ٹکرائی۔ گویا تانگہ میں جانا نہیں خون سکھانا ہوتا ہے۔

پھر آجکل دنیا بہت خراب ہو رہی ہے۔ تانگہ والے رکشا والے سینکڑوں کی تعداد میں اچھے برے سب قسم کے ہوتے ہیں۔ ہم میں اتنی ہمت نہیں کہ کسی مشکل کے وقت کچھ حوصلہ کریں۔ اور راستے بھی نہیں معلوم کہ ہم کو لے جانے والا ٹھیک راستہ پر لے جا رہا ہے یا غلط۔ اسلئے کیوں اندھے بنو اور دو بلاؤ۔ اپنی ڈولی ہی ٹھیک۔

رہی رکشا جان تو خدا اس میں تو کسی کو نہ بٹھائے اول تو اس کے چلانے والے اناڑی جو آجکل ڈھوہا ہے۔ وہ کل رکشا چلانے

ہے کمیٹی کی طرف سے اس کے چلانے کا کوئی لائسنس نہیں
جاتا اور پھر رکشا بھی اتنی کمزور جیسے خالی ماچس۔ یہی وجہ ہے
آئے دن ایسے حادثے سننے میں آتے رہتے ہیں۔ اور بیچاری برقعہ
پوش خاتون کا تو بہت ہی برا حشر ہوتا ہے۔ بس اللہ میاں ہی سوائی
بچائے۔ غریب اپنے سر کے بل زمین پر آتی ہے۔ برقعہ نے ایسے
ہی سارے بدن کو قید کیا ہوا ہوتا ہے چھوٹی چھوٹی موریوں سے کیا دکھلے
اپنی آخری حد تک پہنچ جاتے ہیں۔ کوئی ایسی دکھوار سواری ہے تو چلو
کے۔ بس اللہ میاں جس سے ناراض ہوں وہی رکشا میں بیٹھے۔ ان سب کے
مقابلہ میں ڈولی میں آرام اور آسائش ہی آسائش ہے۔

بہنوں کی بھاجی

بہن رضیہ بیگم لکھتی ہیں کہ "دوسرے زنانہ پرچوں میں آپس کے تبادلہ خیال کا بڑا فائدہ ہوتا ہے مگر پنجابی گزٹ میں اس قسم کا عنوان کوئی نہیں ہے۔ جس سے ایک بہن دوسری بہن سے کچھ معلومات حاصل کر سکے"۔ آگے چلکر آپ نے چند باتیں لکھی ہیں اور خواہش کی ہے کہ ان کو پنجابی گزٹ میں شائع کر کے ناظرات پنجابی گزٹ سے درخواست کریں کہ وہ اس میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی لیں۔

سوالات یہ ہیں

(۱) میرے بچہ کے اکثر کنپھیڑ نکلتے رہتے ہیں۔ کسی بہن کو اسکی اچھی دوائی معلوم ہو تو لکھیں۔

(۲) جو بچہ روزانہ رات کو پیشاب کرے اس کا کیا علاج کرنا چاہئے۔

(۳) بچہ اکثر بچپن میں دوسروں پر ہاتھ اٹھانے لگتا ہے۔ ڈر ہوتا ہے کہ کہیں آگے چل کر اس کی یہ حرکتیں بڑھ نہ جائیں۔ آپ کی رائے میں کیا کرنا چاہئے۔

(۴) میں اپنے بچوں کو ایسے مکتب میں بٹھانا چاہتی ہوں جہاں بچوں کے لئے میلے کچیلے ٹاٹ نہ ہوں۔ استاد بچوں سے تو کے بجائے آپ کہکر بولتے ہوں۔ گالیاں اور مخرب اخلاق باتیں بچوں سے نہ بکتے ہوں۔ اور بچہ قرآن پاک کو پڑھنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی سمجھے کہ مجھے قرآن پاک کیوں پڑھنا ضروری ہے۔

(ہم بھی تمام بہنوں سے درخواست کرتے ہیں کہ بہن رضیہ بیگم کے سوالات کے جوابات عنایت کریں۔ جو جوابات قابل اشاعت ہونگے پنجابی گزٹ میں شائع کئے جائینگے۔)

عمدہ صحت کیلئے مناسب غذا کی ضرورت ہے

(از جناب لطیف الرحمٰن صاحب ادیب اے ایم ای طبی کالج دہلی)

بہت سے سمجھدار اور اعلیٰ تعلیمیافتہ لوگ تندرستی کو ایک صحیح غذا کے مابین جو مناسب طریقے سے تیار کی گئی ہو کوئی قریبی اور گہرا تعلق باور نہیں کرتے دراصل انسان کا جسم ایک کیمیاوی مرکب ہے اور اسکی تندرستی کا انحصار ان مناسب اجزا کے مناسب توازن پر موقوف ہے۔ جو غذا کے ذریعہ اُسے ہم پہنچاتے ہیں۔ اگر ہم اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیں اور غذا کا صحیح توازن قائم رکھنے پر قادر ہو جائیں کہ اچھی تندرستی کس طرح حاصل کی جاتی ہے اور اسے کس طرح پائیدار اور برقرار رکھا جا سکتا ہے۔ اگر ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہو جائینگے تو پھر بیماری ہمارے لئے کوئی ایسا راز نہیں رہیگی جس کیلئے ہمیں دوسروں سے مشورہ کرنے کی ضرورت پڑے کیونکہ بیماری اسیوقت پیدا ہوتی ہے جبکہ جسم کے بنیادی اجزا میں غذا کی خرابی کے باعث کسی قسم کا اختلال واقع ہو جائے بلکہ دیگر مستند ڈاکٹر جسنے ۱۲۵ سال کی عمر پائی اور پورے ایکسو سال تک مطب کیا۔ بیماریوں کے اسباب پر ایک آزاد تحقیقات کی تھی اور یہ معلوم کیا تھا کہ اگر کوئی بیماری لاحق ہو جائے تو اس سے کس طرح چھٹکارا حاصل کیا جائے۔

ڈاکٹر موصوف نے اپنی تحقیقات ختم کرنیکے بعد یہ رائے ظاہر کی تھی کہ دنیا میں صرف ایک ہی بیماری ہے اور وہ بیماری خون کی کثافت ہے اس کا صرف ایک ہی علاج ہے اور وہ خون کی صفائی ہے۔ جب اس ڈاکٹر کے پاس مریض آتے تھے تو وہ ہر مریض سے کہا کرتا تھا کہ بیشک میں تمکو اچھا کر دونگا۔ اعصاب سے اس ایسڈ کو خارج کر دو۔ جو وقتاً فوقتاً ان میں جمع ہوتا رہا ہے۔ اور خدا کیلئے اب اسمیں ... سے واقف ہے کہ جسم کے اندر خون

ہوا، پانی اور غذا سے بنتا ہے۔ ہوا ہم سانس کے ذریعہ اپنے جسم میں داخل کرتے ہیں۔ پانی پیتے ہیں اور غذا کھاتے ہیں اسلئے اچھا اور صاف خون پیدا کرنے کے لئے صاف ہوا۔ صاف پانی اور مناسب غذا کی ضرورت ہے۔ اچھی صحت کیلئے مناسب غذا کے علاوہ اور احتیاطوں کی بھی ضرورت ہے جو جسمانی نظام سے سمیت کو بالکل پاک کر دیں۔ خراب غذا استعمال کرنے سے جسم کے بعض حصوں میں زہریلے اجزا جمع ہو جاتے ہیں۔ ان اجزا کو جسم کے مختلف اعضا سے نکالکر باہر کر دینا چاہیے۔ اس کے لئے پانی کا علاج۔ ورزش جسمانی اور بدن کی مالش کرانا نہایت مفید ہے۔

میں سب سے پہلے مریض کے ہاضمے اور تندرستی کی طرف متوجہ ہوتا تھا اور پھر اسے ٹھیک اور مناسب غذا پہنچاتا۔ اس عمل سے اسکی تندرستی عود کر آتی۔ ہاضمے کی شکایت دور ہو جاتی۔ اور بیماری بالکل غائب ہو جاتی۔

یورپ میں جو لوگ تجربہ گاہوں میں غذا کے متعلق تجربات کر رہے ہیں ان کا بیان ہے کہ جس غذا میں پھل ترکاریاں دودھ، سبزیات وغیرہ ہوتے ہیں۔ وہ انسان کے لئے نہایت مفید غذا ہے۔ ایسی غذا میں تمام اجزا شامل ہوتے ہیں۔ جو جسم کو اچھی نشو و نما پہنچانے کے ضامن ہوتے ہیں۔ ہاضمہ کے نظم و نسق کو قائم رکھتے ہیں۔ اور جسم توانا رہتا ہے۔

بچوں کی غذا میں خصوصیت سے ایسی اشیاء کی ضرورت ہے۔ جو ان کے رگ و پٹھوں کی افزائش کا موجب ہو غذا ہڈیوں کو مضبوط کرے اور چستی و تندرستی پیدا کرنے کیلئے ...
[illegible]

صحتِ جسمانی

تنگدستی اگر نہ ہو غالبؔ تندرستی ہزار نعمت ہے

یہ امر مسلمہ ہے کہ صحت انسان کی زندگی کے لئے از حد ضروری ہے اور جسکی طرف عوام الناس بہت کم توجہ دیتے ہیں۔ اور اسکی قدر و قیمت کا احساس نہیں کرتے۔ حالانکہ اگر وہی لوگ اسکی اہمیت کو سمجھیں اور اسکے علم کا چشم بینا سے مطالعہ کریں تو ان کی جسمانی حالت اس قدر کمزور نہ ہو۔ جس قدر آجکل ہم سب دیکھ رہے ہیں اور اس لاپرواہی اور بے توجہی کا خمیازہ جو سوسائٹی .... اور ملک بھگت رہا ہے۔ عوام پر عیاں ہے۔

ماہرین طب انسان کے جسم کو ایک نہایت ہی پیچیدہ مشین تصور کرتے ہیں۔ جسکا پرزہ پرزہ بے بہا ہے اور اگر وہ ایک دفعہ بھی خراب ہو جائے یا بگڑ جائے۔ تو بڑی مشکل سے درست ہوتا ہے۔ مشہور مقولہ ہے کہ "جان ہے تو جہان ہے" صحت کے بغیر دنیا کی تمام چیزیں ناکارہ ہیں۔ تمام مناظر قدرت بے معنی ہیں جسمانی صحت نہ ہو تو تاجر اپنے کاروبار میں طالبعلم اپنی تعلیم میں عابد اپنی عبادت میں ہرگز ہرگز دل نہیں لگا سکتا غریب اپنی اور اپنے اہل و عیال کی شکم پروری نہیں کر سکتا۔ المختصر تندرستی کے بغیر علمی اخلاقی مجلسی اور اقتصادی ترقی ناممکن ہو جاتی ہے۔

تندرستی ہزار نعمت ہے۔ یہ وہ نعمت عظمیٰ ہے جس کے مقابلہ میں دنیا کی تمام نعمتیں ہیچ ہیں۔ **قدر صحت مریض سے پوچھو۔**

ہمیں باری تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکریہ ادا کرنا چاہئے جس نے کہ ہمیں تمام اعضائے جسمانی کے ساتھ ساتھ عقل جیسی ضروری چیز بھی عطا فرمائی ہے۔ پھر کیوں نہ اس بیش بہا عطیہ کو اپنے مصرف میں لایا جائے۔

ذیل کی چند مختصری ہدایات پر عمل کرنے سے ناظرین اپنی صحت میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہوتے ہوئے دیکھینگے۔

(۱) عمدہ سادہ تازہ اور مقوی غذاؤں کو کھاؤ۔ مقوی غذا سے مراد وہ غذا ہے۔ جسمیں پروٹین و ٹین (جوہر غذائی) نمک۔ طاقت بخش اجزاء وغیرہ موجود ہوں۔ مثلاً سرسبز ترکاریاں ڈال کے اور پکے میوہ جات وغیرہ کھانا خوب چبا چبا کر کھانا چاہئے۔ تاکہ لعاب دہن جو کہ غذا کے ہضم کرنے میں مدد دیتا ہے۔ کافی مقدار میں پیدا ہو ورنہ اسکے برعکس دانتوں کا تمام کام معدہ کو کرنا پڑتا ہے۔ اور اسطرح سے معدہ کمزور ہو جائے گا۔

(۲) صبح اور شام کے کھانا کھانے کے درمیان کم از کم چھ گھنٹہ کا وقفہ ضرور رہنا چاہئے۔ کیونکہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ غذا ہضم ہونے کیلئے تین سے پانچ گھنٹے تک درکار ہیں۔

(۳) کھانا کھاتے وقت اتنا پانی مت پیو جو معدے سے خارج شدہ رس کو تحلیل کر کے اسکی طاقت میں کمی کر دے اور غذا کو پتلا اور ناقابل ہضم بنا دے۔

(۴) کھانے میں پابندی وقت کا ضرور خیال رکھیں۔ بغیر بھوک یا بھوک سے زائد مت کھاؤ۔ ورنہ بدہضمی کے شکار بن جاؤ گے

(۵) پکے میوہ جات کا رس جسم کے زہر کو خارج کرتے ہیں۔ دماغ اور معدہ کو تقویت دیتے ہیں اور دل کو فرحت بخشتے

ہیں اسلئے سبزیات اور پھلوں کا استعمال صحت کے لئے ازحد مفید ہے۔

(۶) کھانے کو مکھیوں وغیرہ سے بچاؤ۔ کچے یا گلے سڑے پھلوں، مال مسالے، مٹھائی، تیل والی چیزوں، باسی اور گرد آلود اشیاء سے بالکل پرہیز کرو۔

(۷) کھانے سے پہلے ہاتھ منہ وغیرہ دھولو۔ کھانے کے بعد نمکین صاف پانی سے کلی کرو۔

(۸) معدہ کو بالکل خالی کبھی نہ رکھو۔

(۹) دودھ کا خوب استعمال کرو۔ کیونکہ یہ کمل غذا ہے اور دیگر اشیاء کی نسبت زود ہضم ہے۔ اسی لئے اس کا استعمال ازحد ضروری ہے۔ بچوں کے لئے دودھ خاص طور پر ایک قدرتی غذا ہے جو ان کے جسم کی پوری پرورش کرتا ہے۔ اس واسطے بچوں کیلئے دودھ سے بڑھکر کوئی غذا نہیں مگر رات کو سوتے وقت ٹھنڈا پانی پینا باعث ضرر صحت ہے۔

(۱۰) کھانا کھانے سے دو گھنٹے بعد سونا چاہئے۔ سونے سے قبل تمام تفکرات کو بالائے طاق رکھدو۔ چھ گھنٹے سے زیادہ سونا برا ہے۔ یعنی سردیوں میں پانچ بجے اور گرمیوں میں چار بجے اٹھنے کے پندرہ منٹ بعد ضروریات وغیرہ سے فارغ ہو کر نیم یا کیکر کی تازہ مسواک بغرض صحت دنداں کرو۔

(۱۱) دس پندرہ منٹ سے زیادہ مسواک نہیں کرنی چاہئے۔ ورنہ مسوڑوں کو نقصان پہنچے گا۔

(۱۲) سورج نکلنے سے پہلے بلاناغہ کسی کھلی جگہ پیدل سیر کو جاؤ اور رفتہ رفتہ رفتار میں بھی اضافہ کرتے رہو۔ اختتام پر فوراً ایسی جگہ چلے جاؤ جہاں سرسبز پودوں کی افراط ہو۔ ورزش کے بعد نہاتے وقت پانی قطعاً نہیں پینا چاہئے۔ اس سے جسم کمزور ہو جاتا ہے۔ البتہ ورزش اور نہانے کے بعد دودھ پینا مفید ہے۔ ہفتہ میں دو ایک مرتبہ جسم کی مالش کے لئے سرسوں کا تازہ تیل بہت مفید ہے۔

مجھے اپنی زندگی میں سب سے مفید سبق کیا ملا اور کیونکر ملا؟

(نوشتہ مسٹر حامد اللہ افسر بی اے)

امریکہ کے ایک رسالے نے اپنے ناظرین کے سامنے مندرجہ بالا مفہوم کا ایک سوال پیش کیا تھا اور تین سب سے بہتر جوابوں پر معقول انعامات کا اعلان کیا تھا جن تین جوابات پر انعامات دئے گئے وہ ذیل میں بالترتیب درج کئے جاتے ہیں۔ جواب بظاہر معمولی ہیں لیکن اگر غور کیا جائے تو نہایت اہم اور ضروری ہیں کم سے کم اس قسم کے سوالات سے اپنی کامیابی اور ناکامی کے اسباب اور اپنی زندگی کے مفید تجربوں پر غور کرنے کا موقع ملتا ہے۔

(۱) ہمت ہو تو آدمی سب کچھ کر سکتا ہے۔

میں ایک مذہبی مبلغ کی بیوی ہوں۔ لڑکیوں کے ایک مدرسہ میں تعلیم دیتی ہوں مجھ سے اکثر لوگوں نے درخواست کی کہ میں گرجا میں آکر کسی مذہبی موضوع پر تقریر کروں لیکن میں نے ہمیشہ انکار کیا۔ میں جھجکتی تھی، خیالات کی کمی نہ تھی۔ مطالعہ خاصا وسیع تھا۔ بہت سی مفید اور کارآمد باتیں بتانے کو جی چاہتا تھا اور اچھی طرح جانتی تھی کہ ان سے لوگوں کو فائدہ پہنچے گا مگر کیا کروں ہمت نہ پڑتی تھی۔

لیکن ان کا ذکر ہے کہ جس قصبے کے اسکول میں پڑھاتی تھی وہاں کے لوگوں نے میرے خاوند کو ایک مذہبی تقریر کے لئے مدعو کیا۔ لیکن ان کی طبیعت ناساز ہو گئی اور ڈاکٹر نے تقریر کی اجازت نہ دی۔ چنانچہ مجھے تنہا جلسہ میں جانا پڑا۔ میرے وہاں پہنچتے ہی صدر جلسہ نے کہا۔ بہت ہی اچھا ہوا کہ آپ تشریف لے آئیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے شوہر کی طبیعت علالت کی اطلاع پہلے سے نہ ملنے کی وجہ سے ہم جلسہ ملتوی نہ کر سکے اور نہ کسی اور مقرر کو تقریر کے لئے آمادہ کر سکے۔ آپ اپنے خاوند کی سب سے بہتر جانشین ثابت ہونگی۔ میں نے اعلان کر دیا ہے کہ اپنے خاوند کی جگہ آپ تقریر فرمائیں گی۔ میں نے کہا۔ میں اس جلسہ کے سامنے کس طرح تقریر کر سکونگی مجھے اس قسم کے جلسوں میں بولنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا۔ لیکن صدر صاحب نے میرے کسی عذر کو نہ مانا اور مجھے مجبوراً پلیٹ فارم پر آنا پڑا۔ میں گھبرا ضرور رہی تھی لیکن میں نے ہمت کر کے کچھ کہا اور مجھے خود تعجب ہے کہ چند ہی منٹ کے بعد خیالات کی رو اور حاضرین جلسہ کو مفید باتیں بتانے کی دھن میں میں گویا خود کو بالکل بھول گئی۔ تقریر کے خاتمہ پر تجربہ کار نقادوں نے جب میری تعریف کی تو میری ہمت بہت بڑھ گئی۔ اور میں یہ سوچتی ہوئی گھر گئی کہ اگر انسان اپنے اوپر بھروسہ رکھے اور ہمت سے کام لے تو وہ جو کام چاہے انجام دے سکتا ہے۔ اسکے بعد میں نے صدہا جلسوں میں تقریریں کی ہیں اور ان تقریروں کے معاوضہ میں اپنے خاندان کو پالا ہے۔ پس میں نے اپنے لئے جو چیز سب کو زیادہ کارآمد پائی ہے وہ ہمت ہے اور یہی وہ چیز ہے جو غیر ممکن کو ممکن کر دیتی ہے۔

(۲) اپنوں کیلئے ایثار کرنا اور تکلیفیں اٹھانا بھی عین راحت ہے

میں ایک غریب خاندان میں پیدا ہوئی۔ ہم سب بہن بھائی تین لڑکیاں اور سات لڑکے تھے، بڑا خاندان پھر اس پر غربت اور فلاکت بڑی مصیبت کی زندگی بسر ہوتی تھی۔ آمدنی محدود اخراجات زیادہ، کھانا کپڑا بچوں کی تعلیم و تربیت ان سب چیزوں پر کافی خرچ ہوتا تھا چنانچہ یہی سبب تھا کہ میرے ماں باپ نے کبھی خود اپنے آرام و آسائش کی طرف توجہ نہیں کی اور ہمیشہ نہایت ایثار سے کام لیا۔

یہ حالت دیکھکر میں نے اسی وقت سے ارادہ کر لیا تھا کہ اگر میری شادی ہوئی تو میں کوشش کرونگی کہ میرے بچے نہوں۔ چنانچہ شادی ہونے کے بعد میں نے اپنے خاوند سے بھی بچوں کے متعلق جو ... فیصلہ کیا تھا اسکا ذکر کردیا۔ اور اس نے بھی مجھ سے اتفاق کیا۔

میرے خاوند کا کاروبار بہت کامیاب ہوا۔ خدا کا دیا سب کچھ تھا۔ لیکن اسکے باوجود میں نے اپنے ارادہ میں تبدیلی نہ کی۔ میں متعدد کلبوں کی ممبر تھی اور اپنے نزدیک مجھے اتنی فرصت نہ تھی کہ بچوں کی پرورش کے لئے وقت نکال سکوں۔

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ میری بھابی علیل ہوئیں اور انھیں آپریشن کیلئے اسپتال میں جانا پڑا۔ انکے ایک نو مہینے کی بچی تھی۔ ماں کی علالت کے دوران میں وہ بچی میرے پاس رہی۔ میں کیا بتاؤں مجھ پر اس بچی نے کیا جادو کیا۔ یہ سمجھئے میری زندگی کو بالکل بدل دیا اسکی موجودگی نے میرے اندر ماں بننے کی خوابیدہ آرزو کو بیدار کردیا میرے خاوند کی بھی یہی حالت تھی۔ ان کا بس نہ چلتا تھا کہ کسطرح اسپر قربان ہوجائیں۔

جب بھابی کو آرام ہوگیا تو وہ بھی اپنی ماں کے پاس چلیگئی مگر اس ننھی سی جان کی رخصت کے بعد میرا گھر ویران سا ہوگیا۔ اور یہ ویرانی اسوقت تک رہی جب تک کہ خدا نے مجھے خود ایک بیٹا نہ دے دیا۔

میری اماں ابھی زندہ ہیں۔ گذشتہ موسم گرما میں جب وہ میرے ہاں آئیں اور کچھ بچوں کا ذکر ہوا تو میں نے اپنے اس خیال کا اظہار کیا کہ سببسے میں ایک مدت تک بچوں کی نعمت سے محروم رہی ہاں ہوں بیٹی۔ کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ اسوقت تک جو تم لوگوں کے لیے میں ایثار کرتی تھی اس سے مجھے کچھ تکلیف ہوتی تھی؟

میں نے جواب دیا "اماں! اسوقت بیشک میں یہی سمجھتی تھی۔ لیکن اب یہ حقیقت روشن ہوگئی۔ اب میں جانتی ہوں کہ جن لوگوں سے ہمیں محبت ہے ان کیلئے ایثار کرنا اور تکلیفیں اٹھانا حقیقی مسرت ہے۔ میں نسائیت کا ایک جدید نمونہ بننا چاہتی تھی۔ (جو حقیقی نسائیت کے منافی ہے) سو اب میں صحیح معنوں میں ایک "ماں" بننے کی آرزومند ہوں۔

(۳) دوسروں کو خوش کرنے میں بھی اپنی خوشی ہے

میں خودغرض اور خودپسند تھا۔ اپنی اس کمزوری کا حال مجھے اسوقت تک معلوم نہ ہوا جبتک کہ میں دو بچوں کا باپ نہوگیا۔ شادی کے بعد سے میں اپنے کاموں میں منہمک رہا جنکی وجہ سے مجھے گھر سے دور رہنا پڑتا تھا۔ اصل یہ ہے کہ مجھے اپنے گھربار اور بال بچوں سے زیادہ دلچسپی بھی نہ تھی۔ میرا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ میں خود اپنی ذات کیلئے شہرت عزت اور ناموری حاصل کردوں گویا یہ جذبۂ خودپسندی جسطرف مجھے آمادہ کرتا تھا اسطرف چلنا چاہتا تھا۔

مجھے ابتدا سے مطالعہ کا شوق تھا اور کچھ لکھتا بھی رہتا تھا اور اس شغل میں اتنا وقت صرف کرتا تھا کہ میری بیوی تنگ آجاتی تھی میرا خیال تھا کہ میری شخصیت کو اسقدر اہمیت حاصل ہے کہ میں وقت ضائع نہیں کرسکتا۔ اپنی یا دوسروں کی دلچسپی کیلئے میرے پاس وقت نہ تھا۔

اتفاق سے میں بیمار ہوگیا اور اسقدر بیمار ہوا کہ بچنے کی توقع نہ رہی اور موت ہر وقت آنکھوں کے سامنے نظر آنے لگی۔ بیماری کے دوران میں میری بیوی اور گھر کے اور لوگوں نے میری اسقدر خدمت کی کہ میں بیان نہیں کرسکتا اس حالت میں مجھے خیال آیا کہ ان لوگوں کا برتاؤ تو میرے ساتھ اس قدر مشفقانہ ہے لیکن خود میرا برتاؤ ان کے ساتھ نہایت برا ہے۔ سارے دن پڑا پڑا میں یہی سوچا کرتا تھا۔

پس میں نے ارادہ کرلیا کہ میں ..... اپنے طرز عمل کو بدل دونگا۔ اور صحت ہونے کے بعد سے ہر روز دو گھنٹے دوسروں کو خوش کرنے میں صرف کرنے لگا۔

اپنے اس طرز عمل سے خود مجھے جو مسرت حاصل ہوئی اس کا اندازہ مشکل ہے۔

رکشا والا

از جناب محمد امین صاحب شرقپوری

اس دردناک افسانہ میں حسن و عشق کے بجائے وہ واقعات اور جذبات موجود ہیں جنہیں ہندوستانیوں کی بے بسی کا صحیح مرقع کہا جا سکتا ہے۔

(ایڈیٹر)

موسم گرما جلتی ہوئی دھوپ میں گوپی کسی سرمایہ دار کی زندہ لاش شاہیں بڑے کھینچ کر لا رہا تھا۔ سانس پھول رہی تھی۔ عریاں بازو اور ٹانگوں کی رگیں پھول رہی تھیں۔ بلا دستار و برہنہ پاؤں سے لنگا ایک موٹی ہوئی گاڑھے کی پھٹی صدری پہنے ہوئے تھا۔ جس سے پسینہ کی بدبو پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی تھی۔ میل کی موٹی تہ جمی ہوئی تھی۔ پاؤں تارکول کی سڑک نے جلا کر سیاہ کر دئے تھے۔ پیا چھدے ہوئے تلووں پر بے حس چمڑی کا خول چڑھا ہوا تھا، سر کے بال دھوپ میں جھلس کر نشوونما کا جوہر کھو چکے تھے۔ آنکھیں سرخ تھیں۔ چھاتی پتھر کی طرح سخت، فولاد کی مانند سنگین، بوجھل رکشا کھینچ رہی تھی۔ ہاتھ پاؤں سن تھے۔ سڑک پر سناٹا تھا۔ کہیں کہیں چوراہوں پر پولیس مین چھاتے لگے، بازو پھیلائے کھڑے تھے۔ وہ ہانپتا ہوا رکشا کھینچ رہا تھا۔ کبھی کبھی اسکی زبان "آہ ہی" کے سوختہ نعرے لگا رہی تھی۔ بے زبان حیوانوں کی طرح جو تانگے اور ٹھیلوں کے آگے جتے ہوئے مخصوص آواز میں مالک کی بے رحمی اور کڑی محنت کا شکوہ کرتے ہیں۔ آج وہ بھی ایک بے زبان حیوان تھا جس کی زبان پر افلاس نے تالا ڈال دیا تھا۔ بڑھتی ہوئی غربت نے انسانی جامہ اتار کر حیوانی چولا پہنا دیا تھا۔ مگر وہ کس سے شکوہ کرے۔ پچھلے جنم کے برے کاموں کی سزا بھگتے یا سرمایہ داروں پر مظالم کا الزام دھرے۔ بیکاری اور افلاس کا ماتم کرے۔ غریبوں کے لئے دنیا اس قدر تنگ و تاریک ہو گئی ہے کہ انہیں پیٹ بھرنے کے لئے انسانیت سوز مظالم کا شکار ہونا پڑتا ہے۔

"ارے کیا ایسے دھیرے دھیرے چلے گا؟ یہاں گرمی سے دم گھٹ رہا ہے" سرمایہ دار بڑبڑا کر بولا۔ اسکی کرخت آواز گوپی کے دل پر چابک کی طرح پڑی۔ وہ تیزی سے قدم اٹھانے لگا۔ رکشا ہچکولے کھا رہی تھی۔ گوپی کی ٹانگیں لچک رہی تھیں۔ کمر کمان کی طرح دوہری ہو رہی تھی۔ پسینہ پانی کی طرح بہہ رہا تھا۔ بمشکل تمام رکشا کھینچتا ہوا چڑھائی سے نیچے اترا۔ سامنے گلی کی نکڑ پر شوخ پنہاری نل سے پانی بھر رہی تھی جو نیچے والا جامنوں کی ٹوکری سر پر دھرے "کالی کالی بے دانہ" کی رسیلی آواز لگا رہا تھا۔ برابر میں بوڑھا پنواڑی چھالیہ کاٹ رہا تھا۔ گاہے گاہے للچائی ہوئی نظریں پنہاری کا جائزہ لے رہی تھیں۔ جو ایک ہاتھ سے ساڑھی کا آنچل تھامے رکشا کو دیکھ رہی تھی۔

"ایک پیسہ کی لے لو مزہ آ جائے گا" جو لینے والا پاس سے گذرتے ہوئے بولا۔ نکڑ پر کھڑے ہو کر ایک نگاہ پنہاری پر ڈالی۔ پنہاری نے کاجل بھری آنکھیں مٹکا کر دیکھا۔

"بھیا پیسہ نہیں ہے آج" وہ بولی۔

"کل دے دینا۔ آج ادھار سہی"

"نہیں بھائی!" وہ کافر سراپا ٹھاٹھ آنکھ جھپک کر بولی۔ سرمگیں
سی تیکھی کسان رسیلی آنکھوں کے آگے [illegible]
گوپی نے کنکھیوں سے دیکھا۔ ایک غریب کو ان باتوں سے کیا مطلب۔ وہ
ہانپتا ہوا گلی میں داخل ہوا۔ لالہ جی کی ڈیوڑھی کے آگے رکا۔ لالہ جی مسکراتے
ہوئے چٹخارے۔ ایک چونی گوپی کے ہاتھ پر رکھ دی۔

"ٹھنڈا جل بھی مل جائے گا لالہ جی"۔ اس نے عاجزی سے کہا۔ لالہ
جی نے پلٹ کر دیکھا۔ ماتھے پر شکن نمودار ہوئی ناک سکیڑ کر بولے "یہاں پیاؤ
لگ رہی ہے کیا؟ وہ دیکھو نل!" کہتے ہوئے چلے گئے۔

"غریبوں کو بھاگوان کے گھر کا پانی بھی نصیب نہیں۔ ایشور تیری
لیلا ہی نرالی ہے"! اس نے افسردہ ہو کر کہا۔ رکشا کھینچ کر نل کے پاس آیا
گرم گرم پانی جلتے ہوئے ہاتھوں پر آگ کی طرح گرنے لگا۔ وہ غٹ غٹ پی
گیا تھا۔ اسکی پیاس بجھی یا نہیں۔ یہ وہ کیا جانے؟ دنیا جہاں کی نعمتیں مال
داروں کو میسر ہیں، غریب تو دکھ سہنے کے لئے جنم لیتا ہے۔ اس نے ایک
لمبی آہ بھری۔ رکشا لے کر سڑک پر آیا۔ سواری کی تلاش میں چاروں
طرف دیکھتا ہوا دھیرے دھیرے جا رہا تھا۔ سرمایہ داروں کو دعوت دے رہا
تھا کہ آؤ ایک مفلس، غربت کا ستایا ہوا، مشقت کا تھکا ماندہ تمہاری رکشا
کے لئے "رکشا" لئے کھڑا ہے۔ تمہارے نازک بدن جلتی ہوئی دھوپ کی تاب
نہیں لا سکتے۔ دھوپ تمہاری رعنائی کو مسخ کر دے گی۔ تمہاری خوبصورتی
کو زنگ لگ جائے گا۔ تمہارے پاؤں چار قدم کی مسافت طے نہیں کر سکتے۔
تمہیں پیدل چلتے دیکھ کر تمہارے حریف جو موٹروں میں اڑے اڑے پھرتے
ہیں تم پر آوازے کسیں گے۔ دولت تمہاری کم ظرفی پر ماتم کرے گی تمہاری
ظاہری ٹیپ ٹاپ، آب و تاب جاتی رہے گی۔ تمہارے پاس دولت ہے۔ تم
دنیا کو خرید سکتے ہو۔ تمہاری دولت انسانیت بھی خرید سکتی ہے۔ غلامی کا
پٹہ ڈال کر تم غریبوں سے حیوانوں کا کام لے سکتے ہو۔ مایا کی لکشمی کے
پجاریو! آؤ ایک غریب مزدور جس کے پاس دولت نہیں جس کی صورت دیکھ کر
تم قہقہے لگاتے ہو۔ اس جلتی ہوئی دھوپ میں چند پیسوں کے عوض نہیں
[illegible] مسل دیتے ہو۔ جان ہتھیلی پر رکھ کر جو لبے پر کھڑا ہے۔
جان کی بازی لگانے کے [illegible] تمہاری بربریت کا ماتم کرنے کے لئے تم سے
بھیک مانگنے کے لئے، غریبوں کا خون چوسنے والو۔ ایک غریب تمہاری
امارت کا جلوس نکالنے کے لئے رکشا سجا کر کھڑا ہے۔ تم اسکے اندر بصد
فخر و غرور سوار ہو کر بیٹھو گے۔ لوگ تمہیں دیکھ کر تمہاری دولتمندی کا کلمہ پڑھیں گے۔
تمہاری حکمت کو تقویت پہنچے گی۔ تاکہ تم دنیا میں دولت کی آڑ میں اور ظلم
ڈھا سکو۔ غریبوں کا مال دھن لوٹنے کے بعد ان کے تن من بھی چھین لو۔
ان کے فاقہ زدہ جسموں سے خون کی آخری بوند بھی چوس لو۔ سرمایہ داری
کے تیز اوزار سے انہیں موت کے گھاٹ اتار دو۔ دنیا کو ان کے منحوس
وجود سے پاک کر دو۔ اس کے بعد دنیا میں صرف تمہارا وجود ہو گا۔ لکشمی
کی راجدھانی میں تمہارا راج ہو گا" گوپی نے ایک مردہ ہنسی ہنستے ہوئے
ایک خوش پوش کو دیکھا۔ "گھنٹہ گھر چلو گے رکشا والے"؟ وہ بولا۔

"جی ہاں"! گوپی نے کہا۔

"کتنے پیسے لو گے؟"

"جو حضور دیجئے؟"

"پھر بھی؟"

"دو آنے"!

"دو آنے!" اس نے متعجب ہو کر کہا۔ "ظالم ہم روز پیسے خرچ
کرتے ہیں۔ تانگہ ایک آنہ میں جاتا ہے۔ اور تم دو آنے مانگتے ہو"

"جو جی میں آئے دے دینا"!

"ایک آنہ دیں گے چلتے ہو؟"

"جی حضور"!

"اچھا جلدی چلو"!

گوپی بے بسی سے قدم اٹھاتا رکشا کھینچے گھنٹہ گھر کی [illegible]

ن کر گئے۔ پورے بارہ آنے تھے۔ ایک اٹھنی شام ہی میں رکشا کے
۔۔۔کے پاس آیا اور کتنا کا کرایہ دے کر گھر پہنچا۔ غریبوں کے گھر ہی کہاں
۔۔۔تے ہیں۔ ایک تنگ و تاریک گلی میں شہر سے دور غریبوں کی بستی
۔۔۔ں ایک کوٹھری۔ ایک روپیہ ماہوار کرایہ کی اس کا ٹھکانہ تھی۔ جہاں وہ
بیوی بچوں کے ساتھ دکھی جیون کے دن کاٹ رہا تھا۔ بیوی ہاتھ
پہ ہاتھ دھرے بیٹھی ہوئی تھی۔ کوٹھری میں تاریکی کا راج تھا۔ دیا
ایک پیسے کے تیل کے لئے ترس رہی تھی۔ بچے ٹوٹی ہوئی کھٹیا پر
پڑے بلک رہے۔ باوا کی راہ دیکھ رہے تھے۔ گوپی ڈیبا لے کر
پکا ہوا بلا لایا۔ دھیمی روشنی کوٹھری میں چمکنے لگی۔ بیوی نے کھانا
نکال کر دیا۔ ایک سوکھی جلی روٹی۔ دو ہاتھوں میں سے چبا رہا تھا۔
جو دن بھر کی محنت کے بعد میسر ہوئی تھی۔ پانی کے گھونٹ ساگ سبزی
کا کام دے رہے تھے۔ بیوی محبت آمیز نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"تم کھا چکیں" وہ نوالہ چباتے ہوئے بولا۔

"نہیں تو۔"

"کھا لو پھر، اور کیا صبح کھاؤ گی؟"

بیوی بھی سوکھی روٹی کا ٹکڑا نکال کر کھانے لگی۔

"بھوری تو آج بھی کچھ ہاتھ نہیں آئی۔ وہ پوچھنے چلا آئے۔"

"کوئی اور دھندہ کر لو۔" بیوی نے کہا۔

"دھندہ" اس نے پانی کا گھونٹ پیتے ہوئے کہا۔ "پگلی! دھندہ
بھلا ہی کہاں ہے۔ جو دو گھنٹے کی محنت تو چار آنے ہے اور دھندہ کیا
ہوگا۔"

"آگ لگے اس دھرتی کو، پیٹ بھر کر کھانے کو بھی نہیں ملتا۔"
پالتی بولی۔

"ہاں آگ لگ جائے تو اچھا ہی ہو۔ اس جیون سے تو چھٹکارا
مل جائے گا۔"

"ہائے ایسی بُری بات منہ سے کہتے ہو۔" بیوی گوپی کے منہ پر ہاتھ
رکھ کر بولی۔

"اور کیا کہوں، دیکھو شریر کی کیا درگت ہو رہی ہے۔ پاؤں میں چھالے
پڑ گئے ہیں۔ ٹخنوں سے خون بہہ رہا ہے۔ جانے ابھی اور کیا ہوگا۔"

بیوی نے پاؤں کو بغور دیکھا، ہاتھ چھوئے۔ بدن سے آگ نکل رہی
تھی۔ رادھا کی آنکھوں سے آنسو امنڈ آئے۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی
"میں کل سے رکشا نہیں چلانے دوں گی۔"

"چلاؤں گا نہیں تو سوکھی روٹی بھی نہیں ملے گی۔"

"چکی اٹھا لینا۔"

"وہ کیا جیب بھر دے گی۔ چکی میں اور رکشا میں فرق ہی کیا ہے۔ اس سے
سامان ڈھوتے ہیں اور اس سے مانس۔"

"جان تو سکھی رہے گی۔"

"سکھ اب کہاں دھرا ہے۔ . . . سکھ غریبوں کی جھونپڑیوں میں
نہیں رہتا۔ وہ بھی سکھی کا ساتھی ہے۔ دکھی سے سب بھاگتے ہیں۔"

تھوڑی دیر کے لئے دونوں خاموش ہو گئے۔

"تم نے آج کیا کمایا" گوپی نے کہا۔

"چار پیسے کی پسائی ہاتھ آئی تھی۔ سو اس کا چون لے آئی۔"

"بہت ٹھیک" گوپی نے پانی کا لمبا گھونٹ پیتے ہوئے کہا۔ ایک انگڑائی
لیکر اٹھا۔ گلی میں کھٹیا ڈال کر لیٹ گیا۔ بخار سے بدن جل رہا تھا۔ ہاتھ پاؤں ٹوٹ
رہے تھے۔ وہ بے چینی سے کروٹیں بدل رہا تھا۔ تڑپتا اور کراہتے رات آنکھوں
میں بسر کی۔ صبح ہوئی دن نکلا۔ گوپی آنکھیں ملتا ہوا اٹھا۔ بخار بدستور تھا۔
مگر پیٹ کی آگ بخار کی آگ سے تیز تھی۔ بیوی پریشان حال پتی کی بے چینی
دیکھ رہی تھی۔ رات بھر سرہانے بیٹھی جاگتی رہی۔ آنکھوں سے نیند کا خمار
چھلک رہا تھا۔ سر چکرا رہا تھا۔ سر کے بال تیل میں نہ ہونے سے پریشان حال
کی پریشانی کا اظہار کر رہے تھے۔ جنہوں نے کبھی کنگھا چوٹی اور تیل کی صو

نہیں دیکھی۔ پیٹ بھر چکے تھے بے بسی کا رونا رو رہے تھے۔ وہ رو بھی تھی مشکل کی نیند لینے والو۔ رات بھر گھوڑے بیچ کر سونے والو! غریب بستیاں تمہارے قدموں کے نیچے تمہاری بدبودار نالیوں کی آغوش میں رات تارے گن کر بسر کر رہی ہیں۔ مصائب میں گھرے ہوئے جیون تمہاری سنگدلی کا ماتم کر رہے ہیں۔ تمہارے ہاں دولت کھنک رہی ہے مایا کا ایک قطرہ بھوکے پیاسوں کے منہ میں ڈال دو۔ بچے کھچے ٹکڑے جنہیں تم نالیوں میں ڈال دیتے ہو۔ ان بھوکوں کو دیدو۔ جو ایک لقمہ کے لئے ترس رہے ہیں۔ تمہارے گھروں میں اناج نالیوں میں سڑ رہا ہے۔ وہ تمہاری فرعونیت کا شکوہ کر رہا ہے۔ بس جو روا ان غریبوں کی جھولی میں ڈال دو۔ ان کے پیٹ کی آگ بجھ جائے گی۔ تمہیں پن ہوگا۔ مایا کے نشہ میں جھومنے والو! ایک فاقہ مست مزدور تمہارے محل کے نیچے بخار کی شدت سے تڑپ رہا ہے۔ گرتے پڑتے کو تھام لو۔ تمہارا ایک معمولی سہارا ایک جاں بلب ہستی کو موت کے منہ سے بچا لیگا۔ مگر دولت کے پجاری نے بیمار گوپی کو ترچھی نظر سے دیکھا۔ سانس روک کر نکل گیا۔ گوپی بیوی کی صورت بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک جست لگا کر اٹھا۔ دبے پاؤں نکل گیا۔

بیوی کی روتی ہوئی آنکھیں پتی کا تعاقب کر رہی تھیں۔ وہ ارد گرد منتیں کر رہی تھی کہ آج تمہارا جی اچھا نہیں ہے۔ کام پر نہ جاؤ۔ تھوڑی دیر آرام کر لو۔ گوپی بھی سمجھ رہا تھا کہ آج اس کا... مگر وہ جسم مشقت کا بار نہیں اٹھا سکے گا۔ مگر کرے نہیں تو کھائے کہاں سے۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا رکشا لیکر چلا۔

رکشا کھینچتے کھینچتے بارہ بج گئے۔ زمین پر آگ کے انگارے لوٹ رہے تھے۔ وہ ایک پیڑ کے نیچے کھڑا سواری کی راہ دیکھ رہا تھا۔ "چاندنی چوک۔ صدر" کی آوازیں لگا رہا تھا۔

"پندرہ منٹ میں لے چلو تو چلیں" ایک نے کہا۔

"بابو جی دس منٹ لوں گا"۔ گوپی نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔

بابو جی بیٹھ گئے۔ گوپی نے کمزور ہاتھوں سے رکشا کو سنبھالا۔ اس نے پورا زور لگا کر رکشا کھینچا۔ مگر معلوم ہوتا تھا کہ پہیوں کو کسی نے مضبوطی سے پکڑ لیا ہے۔ سورج کی تمازت بیمار جسم کو جھلسا رہی تھی۔ دفعتاً دل میں سنسناہٹ ہونے لگی۔ ہاتھ پاؤں سن ہو گئے۔ زبان خشک ہو گئی۔

گوپی لڑکھڑیاں کھاتا ہوا دھڑام سے منہ کے بل گرا۔ رکشا الٹ گئی۔ بابو جی اچھل کر سڑک پر گرے۔ عینک اور ٹوپی سنبھالتے ہوئے رکشا والے کے پاس آئے۔ گوپی بے ہوش پڑا تھا۔ سڑک سنسان تھی۔ لوگ رک کر راہ چلتے مسافر گوپی کے گرد کھڑے تھے۔ کسی نے کہا "اسے لو لگ گئی ہے"۔ کوئی بولا "رکشا کا بوجھ نہیں سنبھال سکا"۔ شہر کا باپ موٹر میں بڑا جمعان پاس سے گذر گیا۔ اس نے یہ بھی نہ دیکھا کہ آج اس کے شہر کا ایک "غریب" بچہ موت سے ہمکنار ہو رہا ہے جبکہ جلتی ہوئی سڑک پر جھلس رہا ہے۔ مگر وہ تو سرمایہ داروں کا باپ ہے۔ غریبوں کا کوئی باپ نہیں ہوتا۔ جج انصاف کی مسند سے اٹھکر جا رہا تھا۔ انصاف کے دیوتا کی موٹر پوں پوں کرتی ہجوم کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔ اس کا انصاف تو عدالت ہی تک ہے سڑکوں پر نہیں۔

"جانے بیچارہ کون ہے اس کا اتہ پتہ بھی معلوم نہیں"۔ ایک مسافر آہ بھر کر کہا۔

"اسے ہسپتال لیجانا چاہئے"۔ دوسرا بولا۔

"ارے یہ تو مر گیا" آنکھیں بے حس ہیں نبض بند ہو گئی ہے۔ مردہ لاش کو آخری منزل پر پہنچانے والی کمیٹی کو اطلاع دینی چاہئے" ایک نے کہا۔

شام کو اس کی لاش شمشان میں جل رہی تھی۔ جلتی چتا کی آگ سرد ہو گئی۔ ایک غریب کے وجود سے دنیا پاک ہو گئی۔

جانے رو رو کر کیا بیت رہی ہوگی۔ وہ پتی کی راہ دیکھ رہی ہوگی۔ دو ننھے بچے گلی کے نکڑ پر کھڑے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر باپ کو ڈھونڈتے۔ مگر انہیں کیا معلوم کہ پتنی کا پتی، دو بچوں کا باپ رکشا چلانے والا اس دنیا سے ہمیشہ کے لئے چل بسا.......... بلکتے ہوئے بچے چھوڑ کر،

روتی ہوئی استری چھوڑ کر......!!

میری کہانی

از جناب محمد یونس صاحب ہاشمی

میں اپنے والدین کی اکلوتی اور آخری لڑکی ہوں۔ سب بھائی بہنوں کے بچپن ہی میں فوت ہونے کے بعد میری پرورش جس ناز سے ہوئی ہوگی وہ تو آپ جانتے ہی ہیں۔ میری ہر خواہش خواہ وہ بجا ہو یا بے جا پوری کی گئی۔ اشارتاً بھی مجھ سے کچھ نہ کہا جاتا تھا۔۔ ابا جان میری خود سری کو دیکھ کر میرے مستقبل کو اچھا کرنے کے لئے اما جان کو ہدایت کرتے تھے۔ لیکن اماں یہ کہہ کر ٹال دیا کرتی تھیں کہ ایک ہی تو بچی ہے۔

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میری شرارت اور بد مزاجی سے گھر کا ہر شخص نالاں ہو گیا۔ مگر اماں جان کے خوف سے کوئی شخص کچھ زباں پر نہ لاتا تھا۔

اسی لاڈ کی وجہ سے میں علم سے بھی بے بہرہ رہی یہاں تک کہ وہ زمانہ آگیا کہ مجھ کو دوسرے سیانی کہنے لگے چنانچہ میری شادی کر دی گئی۔ چلتے وقت پڑوس کی کچھ جاہل اور ناعاقبت اندیش لڑکیوں نے میرے کان میں یہ پھونکا کہ عورت کے پاس شوہر پر حاکم رہنے کے لئے تین ہتھیار ہیں۔ پہلا غصہ، دوسرا غرور، تیسرا آنسو۔ ان الفاظ نے میرے لئے سونے پہ سہاگہ کا کام کیا۔

میں سسرال آئی اور اپنی بد مزاجی سے جس کو میں اپنی عقلمندی تصور کرتی تھی۔ شوہر پر حکمراں بننے کی کوشش کرنے لگی ان کے والد اور والدہ کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔ لے دے کے صرف ایک بہن تھی۔ لیکن وہ بھی اپنے گھر کی۔

شروع شروع میں میرے ہر ناز بے جا کی بسر و چشم تعمیل ہوتی تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ وہ کم ہونے لگی۔ بھلا میرا دماغ اس کا کہاں عادی تھا۔ اس کے نتائج برے ثابت ہونے لگے۔ میں نے ترک غذا اور اشکباری کا حربہ استعمال کرنا چاہا۔ چند دنوں تک مجھ کو اس میں کامیابی ضرور ہوئی۔ مگر آخر یہ بھی بے سود ثابت ہوا۔

مختصر یہ کہ ایک دن وہ بھی آگیا کہ کھانا وغیرہ تو در کنار رات کو سونا بھی مردانہ میں ہونے لگا۔ اس سے مجھ کو اور صدمہ ہوا اور میں میکہ چلی گئی۔ لیکن والد صاحب نے بیچ میں پڑ کر مجھ کو پھر اپنے گھر بسنے پر مجبور کیا اور قصوروار مجھے ہی ٹھہرایا۔

میں نے یہ دیکھ کر کہ میکہ کی طرف سے میری منشا کے مطابق داد نہیں ملتی۔ اب دوسرا پہلو اختیار کیا۔ وہ مجھکو پیازی رنگ کے سوٹ میں دیکھنا زیادہ پسند کرتے تھے۔ پیازی رنگ کی ہر چیز جب میں نے پہننی چھوڑ دی وہ چاہتے تھے کہ اپنے دفتر جانے سے پہلے چائے پی لیا کریں میں نے صبح اٹھنا چھوڑ دیا۔ اسلئے مجبوراً ان کو بازار میں چائے پینی۔۔۔۔ پڑتی۔ غرض کہ ہر طرح پریشان کا الٹ کیا۔ اگر کبھی شکایت کرتے تو میں اشکباری کا حملہ کر کے ان کو شکست دینے کی کوشش کرتی۔

اب رفتہ رفتہ یہ صورت ہونے لگی کہ دفتر سے آکر سیدھے
باہر نکل جاتے۔ اور گیارہ بارہ بجے گھر میں گھستے۔ لیٹ رہو
جاتے تھے۔ گھر پر نحوست کے بادل چھانے لگے۔ مزاج چڑچڑا
ہو گیا تھا۔

کیا اس سے مجھکو مسرت ہوتی تھی؟ ہرگز نہیں! ان حالات
سے میری صحت پر بھی اثر ہوا۔ دن بھر بخار سا رہتا اور غذا کی بھی
خواہش نہیں ہوتی تھی۔ لیکن واہ رے نادانی پھر بھی اپنی غلطی کو
محسوس نہیں کیا۔ اور سارے گھر کا بوجھ انہیں کے کاندھوں پڑاتی
رہی۔

ایک روز بارش ہو رہی تھی وہ رات کے بارہ بجے گھر میں داخل
ہوئے نوکر نے اطلاع دی کہ بھیگے ہوئے ہیں۔ میں نے کچھ پرواہ نہ کی صبح
دیر تک وہ اپنے کمرے سے باہر نہیں آئے۔ نوکر کی زبانی علم ہوا کہ
بخار ہو گیا ہے۔

میں ایک اندرونی جذبہ کی بنا پر ان کے کمرے کی طرف چلی۔
مگر جتنا فاصلہ کم ہوتا جاتا تھا میری خودداری میرے پاؤں پر طاقتور
ہوتی جاتی تھی۔ بہر صورت کمرے تک پہنچی۔ اور جھانک کر دیکھا وہ سو
رہے تھے۔ غالباً بخار کی زیادتی کی وجہ سے غافل تھے۔ میری نند کا لڑکا
آیا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ رات سے بخار ہے۔ وہ فوراً گھبرائی
ہوئی آئیں۔ اور مجھ پر بے طرح کے سوالوں کی بوچھاڑ ڈالدی میری
معلومات ہی کیا تھی جو ان کو کسی طرح کا تسلی بخش جواب دیتی ...
چنانچہ مجھ پر ایک تعجب خیز نظر ڈالتی ہوئی کمرے کی طرف بڑھیں۔
نمونیہ کا اثر تھا ڈاکٹر کو بلایا اور علاج جاری ہوا۔ مگر میری خودداری
نے حال تک پوچھنے سے مجھ کو باز رکھا۔

اس عرصہ میں میری نند دن بھی اپنا زیادہ وقت میرے
ہاں ہی بسر کرتے تھے میاں بیوی کی پرخلوص اور محبت بھری باتیں
سنکر مجھے رشک ہوتا تھا۔ کاش میرے گھر میں بھی ایسا ہی ہوتا۔
مگر پھر بھی اپنی غلطی نظر نہ آتی۔ ان کو بخار مکمل پانچ روز تک رہا۔ اور میں
نے اس عرصہ میں ان کے کمرہ کی جانب قدم نہیں بڑھایا۔ بخار اترنے
کے تیسرے روز رسمی طور پر میں ان کے کمرہ کی طرف بڑھی۔

میں نے اپنی نند کو اپنا نام لیتے سنا کیونکہ ذکر میرا تھا اسلئے خاموشی
کے ساتھ سننے لگی۔ اللہ کے فضل سے یہ عادت بھی مجھ میں تھی کہ پیش نظر
کی باتوں کو باشوق چھپ چھپ کر سننے کی کوشش کرتی تھی۔ میں نے یہ
سنا۔

"آخر کیا بات ہے تم دونوں میں مصالحت کیوں نہیں ہوتی؟"

"میں کیا بتلاؤں اپنے ہر امکان سے ان کے شکوک کو رفع کرنے
اور ان کو منانے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن مزاج جیسا تھا ویسا ہی ہے۔
اب سوائے تقدیر پر الزام دینے کے اور کر ہی کیا سکتا ہوں۔"

"مگر یہ صورت آخر کب تک رہیگی؟"

"جب تک ان کی عادتوں میں تبدیلی نہیں ہوگی۔"

"لیکن اس کا انجام؟"

"میری ہولناک تباہی۔"

(یہ سنتے ہی میرے پیر تلے کی زمین نکل گئی۔ جی چاہا کہ اندر جاکر ان کے
قدموں پر سر رکھدوں۔ لیکن خودداری نے پھر روک لیا۔)

"یہ کیا کہہ رہے ہو۔ خدا نہ کرے۔"

"پھر اسکے سوا اور کیا ہوگا جب انسان کو گھر میں دوزخ کا منظر
دکھائی دے تو سوائے اسکے کہ گھر کے شعلوں کو باہر رہ کر بجھایا جائے اس کو
تباہی نہیں کہتے تو اور کیا کہتے ہیں؟"

"تو پھر اس خیال سے باپ دادا کا خوب نام روشن کروگے۔"

"تو آخر تم بتاؤ کہ میں کیا کروں؟"

"نیکی اور سچائی پر قائم رہو۔"

"آخر کب تک؟"

"جب تک تم ہو۔"

"مگر۔"

"تم مرد ہو اور مرد کی یہ شایانِ شان نہیں ہے کہ وہ گھر سے چھپکر بھاگے۔ ذرا سوچو سمجھو اور غور کرو کہ اگر کسی دوسرے کا یہ واقعہ تم سنو تو ہنسکر ضرور کہوگے کہ پاگل تھا۔"

"لیکن اگر کوئی پھول کا جواب پتھر سے دے تو پھر؟"

"اس کو سہو اور اتنا سہو کہ تمہارا بال بال غصہ کو سمجھنے کی کوشش نہ کرے۔ تم مرد ہو، ہمت رکھو اور استقلال پیدا کرو۔ پھر دیکھوگے کہ ہمیشہ نیکی اور سچائی ہی کی فتح ہوتی ہے۔"

"میں تیار ہوں۔"

"خدا تمہیں سلامت رکھے۔"

یہ باتیں سنکر میری آنکھوں میں آنسو آگئے، اور میں بقیہ بات کے سننے کی تاب نہ لاکر اپنے کمرے میں لوٹ آئی۔

اس کے دوسرے روز بارش ہو رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ بلی دوڑی کھڑی ہے۔ میں اسکی طرف جھپٹی انگنائی میں کیچڑ تھا۔ میں اپنے آپ کو سنبھال نہ سکی اور دھڑام سے زمین پر گر پڑی۔ سر پھٹ گیا۔ شام کو اس کے بخار بھی ہو گیا۔ اور پھر پرہیز نہ کرنے کی وجہ سے نمونیہ کا حملہ ہو گیا۔ مجھے حالات میں ہوش کہاں! لیکن جب بھی آنکھ کھلی ان کو اپنی چارپائی کی پٹی کے قریب بچھی ہوئی کرسی پر بیٹھا ہوا پایا۔ ان کی اس تیمارداری نے مجھے اور بھی بہت شرمسار کیا۔ اور میری صحت کے ساتھ ساتھ میری فطرت اور مزاج میں بھی تبدیلی ہونے لگی۔ مجھے اس وقت انصاف کی نظر میں اپنی غلطیاں صاف نظر آنے لگیں۔

ایک روز میرے سرتاج دفتری کام کی وجہ سے دوپہر گئے ہوئے تھے کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ معلوم ہوا کہ سیٹھ کندن لال قرض کا تقاضا اور روپیہ لینے آئے ہیں اور وہ بھی دو ہزار۔ میرے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔ ان کی بغیر اجازت قرضہ کے عوض زیور رکھوانے میں نے مناسب نہ سمجھا۔ مگر خدا میں آمادہ تھی، کیونکہ یہ قرض میری تیمارداری میں اٹھا تھا۔ اس لحاظ سے اس کی ادائیگی مجھ پر تھی۔ مجبوری میں نے والد صاحب سے روپے منگوائے، اور قرض ادا کیا۔

چار روز کے بعد وہ دورے پر سے واپس آئے۔ میں نے آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ سے ٹوپی لی اور اچکن اتارنے میں ان کی مدد کرنے لگی۔

میری اس خلاف توقع عادت کو دیکھکر مسکرائے، مگر بر ساتی آم سمجھکر چپ ہو رہے۔ میں نے منہ ہاتھ دھونے کے لئے ان کو صابن لاکر دیا۔ وہ میری صورت کو بغور دیکھتے ہوئے سیدھے غسلخانے کی طرف چلے۔ واپس آکر کرسی پر بیٹھے۔ ان کو چائے بنا کر دی۔ چائے پیتے ہوئے کہنے لگے کہ آج یہ خلاف توقع گنگا الٹی کیوں بہنے لگی؟ مجھے بے اختیار ہنسی آگئی۔ چائے پی رہے تھے کہ حسب معمول یار دوست آگئے اور جاتے ہوئے اوپر کی طرف دیکھکر کہنے لگے۔ اللہ میاں

میں ایک فرض شناس بیوی کی حیثیت سے ان کی خدمت کرنے لگی۔ آٹھویں روز جب حسب عادت یار دوست آئے تو نوکر سے کہلوا کر خود بھیجا کہ باہر گئے ہوئے ہیں اور جلد آنے کی امید نہیں ہے۔ اس روز سے ہماری زندگی مثل آئینہ کے ہے کہ جو دیکھتا ہے حسد کرتا ہے۔

یہ ہے میری کل سرگذشت۔ آخر میں خدا سے دعا کرتی ہوں کہ جو بہنیں میری ماضی کی طرح زندگی بسر کر رہی ہوں ان کو نیک سمجھ دے۔

"آپکی ایک بہن"

خواتین کیلئے خبریں

مسز نائیڈو جو ایک مشہور کانگریسی کارکن اور شاعرہ ہیں کو گورنمنٹ نے انکی صحت کا خیال رکھتے ہوئے جیل سے رہا کر دیا۔ یاد رہے کہ آپ فوج میں بھرتی ہونے کے خلاف نعرے لگانے پر گرفتار ہوئی تھیں۔ مسز نائیڈو نے دوبارہ جیل جانا چاہا مگر گاندھی جی نے اجازت نہیں دی۔

دہلی کی عدالت میں ایک مقدمہ ہو رہا ہے جس میں بتلایا گیا ہے کہ کسطرح دو تین آدمی ایک چودہ سالہ لڑکے کو بہکا کر لے گئے اور اس سے خط لکھوایا کہ چار سو روپے فلاں جگہ لے آؤ تب ہم اس لڑکے کو چھوڑ دینگے۔ لڑکے کا چچا روپیہ لیکر انکی بتائی ہوئی جگہ پر پہنچا اور لڑکے کو چھڑا کر لایا۔

کراچی میونسپل کارپوریشن نے ایک اعلان شائع کیا ہے کہ عمارت کے ہر مالک کو اپنی عمارت کا احاطہ زینہ و گندگاہ کو ہر وقت صاف رکھنا ہوگا۔ اور کوڑا کرکٹ پھینکنے کے لئے ایک جگہ بنانی ہوگی۔ خلاف ورزی پر پانچ روپے جرمانہ ہو سکے گا۔

سیالکوٹ:۔ ایک عیسائی عورت جو ریل کے زنانہ ڈبہ میں اکیلی سفر کر رہی تھی۔ اس کے ڈبہ میں ریل کا گارڈ آ گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے چند ناجائز حرکتیں کرنا چاہیں۔ عورت نے دوسرے سٹیشن پر پولیس کو بلایا جس نے گارڈ کو گرفتار کر لیا۔

لیڈی ہارڈنگ ہسپتال دہلی میں ایک مسلم خاتون کو شناخت نہ ہونے کیوجہ سے مرنے کے بعد جلا دیا گیا۔

پندرہ روپے میں ڈیڑھ سو روپے:۔ شیشے کی مسجد کی طرح دنیا میں اللہ کی بستیوں طریقے سے بھولے آدمیوں کو لوٹا جاتا ہے خبر آئی ہے کہ ایک بدمعاش سادھو کا بھیس بدل کر کہیں گیا۔ اس کے ایک ساتھی نے غریب آدمی کے پاس جا کر کہا کہ ایک سادھو پندرہ روپیہ میں ڈیڑھ سو روپے بنا دیتا ہے۔ اس نے بہکانے میں آکر پندرہ روپے دیدئے۔ سادھو نے اسکو کہیں کام پر بھیجدیا۔ اور پھر خود غائب ہو گئے۔

ہوا باز ترک خاتون:۔ مشہور ہوا باز ترک خاتون صبیحہ خانم نے ہوائی جہاز میں بیٹھکر ترکی سرحدوں کا معاینہ کیا اور ترکی کی قلعہ بندیوں کو دیکھکر محظوظ ہوئیں۔

عورتوں کو مساوی حقوق:۔ بمبئی میں ایک کمیٹی عورتوں کے حقوق پر رپورٹ کرنے کے لئے قائم کی گئی تھی۔ رپورٹ میں انہوں نے بتایا کہ اقتصادی نظام رائے دہی اور سرکاری ملازمتوں میں عورتوں کو برابر کے حقوق دئے جائیں۔

بوڑھوں کی شادی پر پابندی:۔ ریاست بھرتپور نے ایک قانون بنایا ہے۔ جسکی رو سے ۴۵ سال کی عمر سے زائد شخص ۱۸ سال سے کم (بشرطیکہ وہ بیوہ نہ ہو) عمر کی لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا۔ اور کسی لڑکے کی شادی ۱۴ برس سے کم میں نہیں ہو سکتی۔

ساٹھ سالہ بڈھے سے زبردستی شادی:۔ اسلام تو اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ شادی کرنے سے قبل لڑکا اور لڑکی سے اسکی رضامندی لی جائے۔ لیکن جن مذہبوں میں یہ بات نہیں ہے۔ وہاں بڑی تکلیف ہے۔ خبر آئی ہے کہ گوجرانوالہ میں ایک بڈھا جسکی ۱۹ سالہ لڑکی کی شادی ۶۰ سالہ بڈھے سے کرنا چاہتا تھا لڑکی نے بازاروں میں اشتہار لگوا دئے کہ میرا باپ مجھ پر بہت ظلم کرتا ہے چنانچہ لوگوں نے اسکے باپ کو ایسا کرنے سے منع کیا لیکن اسکا باپ کہتا ہے کہیں تو کرنی

پیاری بچیاں

ننھی مخلوق

مدیر مضمون کی کرسی

عزیز بچو! اور بچیو!

آج میری تم لوگوں سے پہلی ملاقات ہے۔ خدا کرے اس
ات کے نتیجے اچھے ہوں۔ تمہارے اس رسالہ (پنجابی گزٹ) کے تین
ے کئے گئے ہیں۔ ایک جو برادران قوم سے متعلق ہے۔ دوسرا جس کا
ہماری ماں اور بہنوں سے۔ تیسرا جو تمہارے لئے مخصوص ہے۔ ان مختلف
دں کے مضامین کی ترتیب کا کام مختلف لوگوں کے سپرد ہوا ہے اور اس
م میں تمہاری خدمت کا کام میرے حصہ میں آیا ہے۔
ا مختصر سے تعارف کے بعد آج کی صحبت میں تم کو چند مفید باتیں بتاتا
ں اور امید کرتا ہوں کہ تم لوگ اس پر عمل کروگے۔ ہماری قوم کی
ں کا دارومدار گویا ایک بڑی حد تک برادران قوم کی کوشش پر
۔ لیکن اس حقیقت سے انکار ناممکن ہے کہ ایک زمانہ وہ آنیوالا ہے
ب قوم کو تمہاری ضرورت ہوگی۔ اسلئے تمہارا فرض ہے کہ تم صحیح
ذں میں تعلیمیافتہ ہونے کی کوشش کرو۔ میرے نزدیک صحیح معنوں
ں تعلیم یافتہ ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ تم کو اپنی کورس کی کتابیں
یاد ہوں بلکہ حقیقی تعلیم وہ ہے جو نہ صرف تمہاری معلومات میں
ضافہ کرے بلکہ اسکے ساتھ ساتھ تم کو زندگی کے ان فرائض کو پورا
کرنے کی قوت دے جن کا بجالانا تمہارے لئے ضروری ہے۔ رہا تمہارا
اخبار پنجابی گزٹ سو یہ تمہارا آئینہ ہے۔ تم ترقی کروگے تو اسکی ترقی ضروری
ہے۔ انشاء اللہ آئندہ صحبت میں تمہیں بتاؤنگا کہ اخبارات کے فوائد
کیا ہیں اور تم بچوں کو اخبار سے کیا فائدہ اٹھا سکتے ہو۔

موجودہ پرچہ کے لئے کچھ بچوں نے اپنے مضامین بھیجے ہیں
استعداد کے مطابق تقریباً تمام مضامین توقعات سے بڑھ کر ہیں۔
نیز موزونیت اور ذوق صحیح کے لحاظ سے بھی بعض مضامین قابل تعریف
ہیں۔

محمد عبداللہ خیری متعلم پنجابی اسلامیہ ہائی اسکول کے دو مضامین
میں سے ایک جو ہنری فورڈ سے متعلق ہے۔ نہایت عمدہ ہے ضرورت
ہے کہ ایسے لوگوں کی زندگی کے حالات ہمارے بچوں کو معلوم ہوتے
رہیں اور دوسرا مضمون جو ایک اصلاحی نظم ہے۔ کافی سبق
آموز ہے۔ اس سلسلہ میں ایک اور نظم کا ذکر بھی ضروری سمجھتا
ہوں۔ جس کا عنوان ہے "بھائی جان کا سہرا" یہ نظم سعیدہ
بیگم نے غالباً خود لکھی ہے۔ اس نظم کو دیکھ کر نہ صرف اس بچی کی شاعرانہ
صلاحیت کا پتہ چلتا ہے۔ بلکہ اس فطری محبت کا اندازہ بھی ہوتا
ہے۔ جو ایک بہن کو اپنے بھائی سے ہونی بھی چاہئے۔ قابل مبارکباد
ہیں۔ ایسے خوش نصیب بھائی بہن قابل ستائش ہیں۔ اس بچی
کے والدین جو اپنے اندر ایسے جذبات رکھتی ہیں۔۔۔۔۔۔۔
۔۔۔۔ عزیزہ امۃ الحسین بنت محمد صالحین صاحب کی کہانی
بعنوان "مولا کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں" کے ہمراہ اسی
مضمون سے متعلق کہانی میں بھی لکھ رہا ہوں۔ جو غالباً تم کو
پسند آئے گا۔

معلومات

موٹر کا موجد ہنری فورڈ

(از جناب محمد عبد اللہ خیری معلم پنجابی اسلامیہ ہائی سکول دہلی)

انسان کی اعلیٰ صلاحیتوں کا اندازہ اس کے غور و مطالعہ اور اس کے استقلال و محنت سے کیا جاتا ہے۔ ہنری فورڈ کی کامیابیاں اور ترقیاں آج عالم آشکارا ہیں۔ ۱۸۶۳ء میں شہر ڈٹرایٹ (امریکہ) میں پیدا ہوا۔ ان کا باپ ایک معمولی کسان تھا۔ ہنری فورڈ کی طبیعت لکھنے پڑھنے کی جانب زیادہ مائل نہ تھی مگر ان کا کوئی وقت اشیار کی غور و فکر سے خالی نہ ہوتا۔ چنانچہ وہ اکثر لوہاروں کی دوکان پر چلے جاتے اور نہایت خاموشی سے ان کے کاموں کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ ذہانت اور جستجو کا مادہ ابتدا ہی سے ان کی طبیعت میں بہت زیادہ تھا۔

چنانچہ ان کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک دن وہ اپنے والد کے ساتھ کہیں جا رہے تھے۔ اسوقت ان کی عمر بارہ برس تھی۔ یکایک ان نظر ایک انجن پر پڑی جو بالیوں سے اناج نکالنے والی کل کو چلا رہا تھا۔ اس انجن کو انہوں نے بڑی حیرت سے دیکھا۔ اتفاق سے وہ انجن چلتے چلتے رُک گیا۔ ہنری فورڈ کو یہ موقع غنیمت معلوم ہوا۔ وہ فوراً اپنی گاڑی سے اتر کر اس انجن کے پاس پہنچے اور اسکے کل پرزوں کو بغور دیکھنے میں مشغول ہو گئے۔ اس اثنار میں انجن چلانے والے سے سینکڑوں سوالات کر ڈالے اور پھر جب گھر پہنچے تو ایک مشین بنانے کا خیال ان کے دماغ میں بڑی تیزی سے دوڑ رہا تھا۔ چنانچہ انھوں نے اپنے ہی ہاتھوں سے بہت سے اوزار بنائے اور پھر یکے بعد دیگرے ان سے کئی نمونے مشین کے تیار کئے۔ ان کا خود بیان ہے کہ جس دن میں نے وہ انجن سڑک پر چلتے ہوئے دیکھا۔ اس وقت سے آج تک میری کوششیں یہی رہی ہیں کہ ایسی مشین تیار کی جائے جو عام سڑکوں پر بآسانی سفر کر سکے۔

ہنری فورڈ کی یہی افتادِ طبیعت تھی۔ جس کے باعث ان کی ماں لڑکپن ہی میں ان کو پیار سے "پیدائشی دستکار" کہتی تھیں۔

مشین بنانے کے سلسلہ میں سب سے پہلے انھیں گھڑیوں کی مشین بنانے کا خیال پیدا ہوا۔ مگر تجربات نے بہت جلد یہ ثابت کر دیا کہ گھڑی سازی کے کام میں زیادہ نفع نہیں ہے۔ اسلئے موٹر گاڑیاں بنانے کا انہوں نے مصمم ارادہ کر لیا۔

چنانچہ سب سے پہلے انہوں نے جو موٹر تیار کی وہ ایک بائیسکل کے مشابہ تھی۔ مگر عیب یہ تھا کہ اسمیں آواز بہت تھی۔ لوگوں نے اس پر ان کا مضحکہ اڑانا شروع کر دیا۔ جسطرح عموماً ہر نئے کام کا اڑایا جاتا ہے۔ اس زمانہ میں ہنری فورڈ ایک شخص کے کارخانہ میں نو پاؤنڈ ماہوار پر انجینئری کا کام کرتے تھے۔ اسی اثنار میں انہوں نے ایک ایسی موٹر گاڑی تیار کی جو دوسری گاڑیوں کے مقابلہ میں بہتر ثابت ہوئی۔

اب ہنری فورڈ نے ایک شخص سے چند ہزار روپیہ قرض لیکر موٹروں کا کارخانہ جاری کیا اور اس درجہ کامیابی ہوئی کہ بیس برس میں ساٹھ لاکھ موٹریں فروخت ہو گئیں۔ ایک مرتبہ جب

لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ ان کے کارخانہ کا منافع ایک سال میں ایک کروڑ ساٹھ لاکھ پونڈ ہے۔ اور یہ کاروبار جس رفتار سے چل رہا ہے اس سے اندازہ کیا جاتا ہے کہ غالباً دو لاکھ پونڈ روزانہ آمدنی ہو جائے گی۔ ان کی موجودہ دولت کا اندازہ پندرہ کروڑ پونڈ یعنی دو ارب سات کروڑ روپیہ کیا جاتا ہے۔ اور اب وہی ہنری فورڈ جس کا مکان کسی زمانہ میں ایک مفلوک الحال دیہاتی کسان کا مکان تھا۔ اور جس کی دوکان ایک معمولی لوہے کی دوکان تھی۔ آج ایک فلک بوس عمارت اور ایک عظیم الشان کارخانہ کا مالک ہے۔

مولا کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے

(مرسلہ امۃ الحسین بنت محمد صالحین صاحب گنگی والے)

روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت خضر علیہ السلام کا کسی دریا پر گذر ہوا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ چند لڑکے دریا میں نہا دھو رہے ہیں اور آپس میں خوش فعلیاں کر رہے ہیں۔ مگر ایک لڑکا دریا کے کنارے بیٹھا ہے۔ نزدیک جا کر حضرت خضر علیہ السلام نے لڑکے کو دیکھا تو اس کو نابینا پایا

لڑکے کی مجبوری اور بے بسی دیکھکر جناب خضر علیہ السلام کو رنج ہوا۔ فوراً جناب باری میں سربسجود ہو گئے۔ حق تعالےٰ سے دعا کی کہ اے خداوند عالم اگر تو نے اس نابینا لڑکے کو بھی اور بچوں کی طرح آنکھیں عنایت کی ہوتیں تو یہ بھی دریا میں اوروں کی طرح نہاتا دھوتا اور خوش ہوتا۔

ابھی حضرت خضر نے سجدہ سے سر بھی نہ اٹھایا تھا کہ نابینا لڑکے کی بینائی عود کر آئی۔

لڑکا فوراً دریا میں کود گیا۔ اور ایک لڑکے کی کمر پر چڑھ گیا۔ اور دوسرے لڑکے کی ٹانگیں پکڑ کر دور تک کھینچا کیا۔ تیسرے لڑکے کی گردن پکڑ کر دریا میں غوطہ دیا۔ غرض تمام لڑکوں کو دریا میں ڈبو دیا۔

حضرت خضر علیہ السلام دور کھڑے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ ان کی زبان سے بے ساختہ یہ کلمات نکلے:۔

"خدا کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے"

لطیفہ

بیگم صاحبہ (اپنی ملازمہ کریمن کو حکم دیتے ہوئے) بازار سے جا کر بیگن لے آؤ۔

کریمن:۔ بیگم صاحبہ بیگن کیسے ہوتے ہیں

بیگم:۔ سارے اودے، ٹوپی سبز ہوتی ہے۔

کریمن بازار گئی اور وہاں ایک سیاہ آدمی کو دیکھا جو سبز ٹوپی اوڑھے اور اودا کوٹ پہنے ہوئے تھا۔ دوڑ کر اس کے پاس گئی اور بولی کہ ہماری بیگم صاحبہ تم کو بلاتی ہیں۔ غرض بہت اصرار کرنے پر مجبور کیا اور دروازہ پر کھڑا کر کے اندر گئی اور کہنے لگی۔ بیگم صاحبہ بیگن آ گئے۔

بیگم:۔ کہاں ہیں؟

کریمن:۔ دروازے پر کھڑے ہیں۔

اصلاحی نظم

ادنیٰ چیز کو کبھی حقیر نہ سمجھنا چاہئے

(از جناب محمد عبداللہ صاحب جعفری)

بعض لوگوں کی یہ خاصیت ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ چھوٹی چیزوں کو نظر انداز کر دیا کرتے ہیں۔ اور اگر ان کو کسی کام کی ابتدا میں کوئی چھوٹی موٹی مشکل در پیش آتی ہے تو وہ یہ کہہ کر اسے نظر انداز کر دیتے ہیں کہ ایسی ادنیٰ مشکلات ہر کام کے شروع میں پیش آہی جایا کرتی ہیں۔ اسی خرابی کی وجہ سے ان کو اپنے کام میں ناکامیابی ہوتی ہے۔ میرے خیال میں ابتدا میں آنے والی مشکل کو آگے آنے والی مشکلات کا پیش خیمہ سمجھنا چاہئے جیسا کہ ان اشعار سے ظاہر ہے:-

چھوٹی سی کیل گر گئی گھوڑے کے نعل سے
وہ نعل لڑکھڑا کے لب سنگ رہ گیا

جب نعل گر گیا تو وہ گھوڑا نہ چل سکا
زخمی وہ ہو کے مثل خر لنگ رہ گیا

گھوڑا نہ چل سکا تو ہوا عاجز اب سوار
میدانِ جنگ سے کئی فرسنگ رہ گیا

میدانِ کارزار میں پہنچا نہ جب سوار
سر ہوتے ہوتے معرکۂ جنگ رہ گیا

اس جنگ میں جو شاہ کو حاصل ہوئی شکست
باقی نہ اس کا تاج نہ اورنگ رہ گیا

ایک کیل کے نہ ہونے سے ایک سلطنت گئی
چھوٹی حقیر کیل سے میں دنگ رہ گیا۔

ایک کہانی

از جناب محمد صالحین صاحب

کسی شہر میں ایک بزرگ رہتے تھے۔ بہت نیک اور اللہ والے بزرگ تھے۔ ہر مصیبت کے وقت وہ اپنے دل کو یہ کہہ کر تسلی دیا کرتے تھے کہ مولا کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ ممکن ہے کہ اس میں بھی کوئی بھلائی ہو۔

ایک دن ان کے مریدوں میں سے ایک روتا ہوا ان کے پاس آیا۔ کہنے لگا یا حضرت میری بیوی سخت بیمار ہے۔ اس کو نمونیہ ہوگیا ہے۔ حالت بہت خطرناک ہے۔ خدا سے دعا کیجئے کہ وہ میرے بچوں پر رحم کرے۔ اور میری بیوی کو تندرستی عطا کرے۔

آپ نے فرمایا کہ بھائی خدا کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ کیا عجب ہے کہ اس میں بھی تمہارے لئے کوئی بہتری ہو۔ … …… بہرحال میں تمہارے لئے دعا کروں گا۔

وہ شخص چلا گیا۔ دوسرے دن زار و قطار روتا ہوا چلا آتا ہے اور کہتا ہے کہ حضرت میری بیوی کا انتقال ہوگیا۔

آپ نے فرمایا۔ بھائی صبر کرو۔ ضرور اس میں خدا کی کوئی حکمت ہے۔

یہ سنکر مرید کو سخت طیش آیا اور اپنے دل میں کہنے لگا میری تو بیوی مر گئی۔ اور یہ کہتے ہیں کوئی حکمت ہے۔ اچھا آج میں انھیں حکمت دکھاؤں گا۔

یہ سوچ کر وہ واپس چلا گیا۔ اور ایک موٹا سا ڈنڈا لیکر پیر صاحب کی گزرگاہ پر بیٹھ گیا۔ پیر صاحب کا دستور تھا کہ وہ روز بلاناغہ شام کو چہل قدمی کے لئے مکان سے باہر نکلا کرتے تھے۔ اتفاق کی بات کہ اس روز ان کے پیروں میں شیشہ کا ٹکڑا چبھ گیا۔ جسکی وجہ سے ان کا پیر زخمی ہوگیا۔ اور وہ اس روز ٹہلنے نہ جاسکے۔ اس دن مرید انتظار کرکے چلا گیا۔ دوسرے دن پھر وقت مقررہ پر رہگذر پر جا بیٹھا۔ اسلئے دل میں خیال کیا کہ کل نہیں آئے تو آج تو ضرور ہی آئینگے۔

ادھر پیر صاحب کا پیر پک گیا اور وہ چہل قدمی کے لئے بھی نہ جاسکے۔ آخر تیسرے چوتھے روز وہ پیر صاحب کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ آپ چار پانچ دن سے ٹہلنے کیوں نہیں جاتے۔

انہوں نے جواب دیا کہ بھائی میرے پیر میں شیشہ چبھ گیا۔ اور وہ پک گیا ہے۔ میں چلنے پھرنے سے معذور ہوں معلوم ہوتا ہے کہ اسمیں بھی خدا کی کوئی حکمت ہے۔

یہ سنکر مرید پیروں میں گر گیا اور بولا کہ حضور سچ فرماتے ہیں۔ مولا کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ اسکے بعد سارا قصہ سنایا اور بتایا کہ اگر ان دنوں میں آپ باہر تشریف لے آتے تو میں ضرور آپکو جان سے مار ڈالتا۔

بھائی جان کا سہرا

(از محترمہ سعیدہ بیگم بنت محمد اسمٰعیل صاحب اللہ والے بارہ دری نواب وزیر)

سنیئے بھائی جان کا سہرا ہے یہ نرالی شان کا سہرا
سہرا ان کے سر پہ بندھا ہے کتنا اچھا یہ لگتا ہے!
پھول ہیں اس کے پیارے پیارے جیسے ہیں رنگین ستارے
عیش کی ساعت آئے گی اب دل کی کلی کھل جائے گی اب
آئینگی بھابھی جان ہماری اچھی اچھی پیاری پیاری
کرتی ہے یہ دعا سعیدہ بھائی کی اپنے راحت دیدہ
بھابھی اور ہمارے بھائی اور ان دونوں کے شیدائی
شاد رہیں مسرور رہیں سب رنج و غم سے دور رہیں سب

لطیفہ

کرایہ دار: جناب اس مکان کی کڑیوں سے تو آواز آتی رہتی ہے اور ڈر لگتا ہے۔
مکاندار: — ڈرنے کی کیا بات ہے کڑیاں تو تسبیح پڑھتی ہیں۔
کرایہ دار: — یہی تو ڈر ہے کہ کہیں تسبیح پڑھتے پڑھتے سجدہ میں نہ گر پڑیں۔

نیا معمہ

بچو! اس دفعہ ہم تمہارے لئے ایک بہت ہی دلچسپ علمی معمہ رکھتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوسکے گا کہ کس بچہ کو سب سے زیادہ معلومات ہے۔

مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات لکھئے:-

(۱) پنجابی سکول کی بنیاد کس نے رکھی اور بلڈنگ فنڈ میں سب سے زیادہ روپیہ کس نے دیا۔

(۲) فتحپوری میں جیون بخش ہال کس نے بنوایا۔

(۳) حضرت فاطمہؓ کو جہیز میں کیا دیا گیا۔

(۴) پائجامہ ٹخنے سے اونچا کیوں پہننا چاہئے۔

(۵) دہلی میں مسلمانوں کا کپڑے کا کارخانہ کونسا ہے۔

(۶) دہلی میں ہوزری کا سب سے بڑا کارخانہ کونسا ہے۔

(۷) پاکستان کا کیا مطلب ہے (مختصر الفاظ میں)

(۸) وضو کرنے سے کیا جسمانی فائدہ ہے (مختصر الفاظ میں)

(۹) قربانی سے کیا فائدہ ہے۔ (ثواب کے علاوہ)

(۱۰) کسی شئے کو پاک کرنے کے لئے تین دفعہ دھونا کیوں ضروری ہے۔

اس معمہ کے جوابات لکھکر علیحدہ رکھ لئے گئے ہیں۔ ۲۰ ؍ جنوری تک بچوں کو اس کے جوابات بھیجدینے چاہئیں۔ جنکے جوابات کاغذ پر لکھے ہوئے سب سے زیادہ صحیح ہونگے ان کو بذریعہ پنجابی کلاتھ سپلائی ایک قمیص کا کپڑا از نانہ یا مردانہ پیش کیا جائیگا۔ ایک سے زیادہ صحیح ہونے کی صورت میں فیصلہ بذریعہ قرعہ ہوگا۔ حسب

انعام

گذشتہ معموں کی طرح اس دفعہ بھی بچوں نے ہمارے علمی معموں میں خوب دلچسپی لی اور سب نے بڑا سے بڑا لفظ بھیجنے کی کوشش کی۔ لیکن اول نمبر جیتنے کا سہرا میاں محمد ادریس الٰہ والے، میاں محمد الیاس اللہ والے طالبعلم کیمبرج سکول دہلی سعیدہ بیگم کے سر بندھا۔ آپ کا بھیجا ہوا لفظ "سمندری گھوڑا" گیارہ لفظوں پر مشتمل ہے۔ کیونکہ ماشاء اللہ یہ بھائی بہن ہیں اسلئے معمہ کے شرائط کے بموجب قرعہ سے فیصلہ کرنا کچھ مناسب معلوم نہ ہوا۔ اسلئے انعام سب کو مساوی حیثیت سے تقسیم کردیا جائیگا۔

جن بچوں نے اسکے جوابات بھیجے نومبر دسمبر کے پرچہ میں ان کے نام شائع ہوچکے ہیں۔ انکے علاوہ مندرجہ ذیل بچوں نے بھی جوابات بھیجے:-

(۱) میاں محمد ساجد مرادآبادی ولد محمد ذاکر صاحب۔

(۲) محمد خورشید ولد محمد شریف صاحب متعلم جامعہ قاسمیہ مرادآباد۔

(۳) میاں الیاس احمد ولد محمد احمد صاحب کلکتہ والے گلی ہینگا بیگ دہلی

(۴) مہر الٰہی شمسی ولد حاجی نور الٰہی صاحب شمسی مرادآباد۔

(۵) صالحہ خاتون ولد جناب جلال الدین صاحب جوہری گنج دہلی۔

حسب سابق نام سب شائع کئے جائینگے۔

دستور العمل تیار ہے

جیسا کہ آپ کو علم ہے کہ قوم پنجابیان نے اپنے جلسہ عام منعقدہ ۲۹ ستمبر ۱۹۴۰ء میں سابقہ دستور العمل متعلق مراسم پیدائش۔ منگنی۔ شادی اور موت پر از سر نو غور و خوض کرکے بعد ترمیمات تنسیخات اور اضافات ایک نیا دستور العمل قوم کے لیے منظور کیا تھا جو ۲۴ ستمبر ۱۹۴۰ء سے قوم میں نافذ ہے۔ یہ دستور العمل اکتوبر ۱۹۴۰ء کے پنجابی گزٹ میں شائع ہو چکا ہے۔ اب حسب سابق کتابی صورت میں بھی شائع کیا گیا ہے۔ اور حسب ذیل حضرات سے مل سکتا ہے۔

(۱) احاطہ کالے صاحب۔ دوائی ٹولہ۔ محمد صالحین صاحب
(۲) ″ محمد نقی صاحب کشتی والے
(۳) طیاران حویلی حسام الدین حیدر۔ انیس الرحمن صاحب ولد شیخ جمیل الرحمن صاحب متولی عیدگاہ
(۴) بازار طیاران۔ محمد یوسف صاحب کٹھوریہ۔
(۵) چاندنی چوک۔ محمد عمر صاحب لیس والے۔
(۶) ″ فتحپوری۔ ذکر الرحمن صاحب ناول والے۔
(۷) پھاٹک حبش خاں فضل مبین احمد صاحب گوٹہ والے۔
(۸) ″ گلی ہینگا بیگ حاجی عبد المتین صاحب ابا والے
(۹) ″ رنگ محل محمد صدیق صاحب کراچی والے۔
(۱۰) ″ چمروں واڑہ حاجی قمر الاسلام صاحب چاندنہ
(۱۱) ″ بارہ دری نواب وزیر محمد یوسف صاحب کپڑے والے
(۱۲) صدر بازار۔ حاجی محمد شیخ محمد خلیل صاحبان سوت والے
(۱۳) ″ سرائے حافظ بنہ۔ عبد الستار صاحب عزت۔
(۱۴) ″ حاجی محمد یسین صاحب سوت والے۔
(۱۵) کشن گنج۔ حاجی محمد رفیع صاحب کپڑے والے
(۱۶) شیش محل۔ ″ عبد الغنی صاحب چادر والے۔
(۱۷) ″ حافظ انوار الحق صاحب حقی۔
(۱۸) نواب والا باغ۔ محمد رفیع صاحب کالیہ
(۱۹) ″ حافظ ارشاد احمد صاحب کٹھوریہ
(۲۰) بیری والا باغ۔ عبد الستار صاحب عزت
(۲۱) بارہ۔ محمد یوسف صاحب فیروزی پاپچی اچھے جی
(۲۲) پاپچی اچھے جی۔ محمد نواب صاحب چوتھائی۔
(۲۳) احاطہ کدارہ نواب محمد عتیق صاحب

نیز بزرگان و برادران قوم سے درخواست ہے کہ جدید دستور العمل کی ایک ایک کاپی حاصل کرکے حسب سابق ہر گھر میں موجود رکھئے اور بر وقت ضرورت اس پر پورے پورے طور سے عمل کرکے نہ صرف گناہ، اسراف، تکلیف اور پریشانی سے بچئے بلکہ قوم کی موجودہ اور آئندہ نسلوں کو سرخرو اور سر بلند ہونے کا موقع دیجئے۔

فضل مبین احمد جنرل سکریٹری پنجابی یوتھ لیگ دہلی

پنجابی دُنیا

انتخاب ثالثان

سالانہ جلسہ عام قوم پنجابیان منعقدہ ۲۹ ستمبر ۱۹۴۰ء کے فیصلہ کے بموجب ہر علاقہ میں برادران قوم کے جلسہ عام میں (جس کا اعلان ہر علاقہ میں کرادیا گیا تھا) حسب ذیل حضرات سال رواں کے لئے باتفاق رائے ثالث منتخب کئے گئے۔

(۱) علاقہ ۱ بلی ماران ۔ احاطہ کالے صاحب وغیرہ کے لئے :-

(۱) جناب شیخ عبدالوہاب صاحب ۔ بلیماران ۔ ثالث ۱

(۲) جناب شیخ چودھری محمد یعقوب صاحب ۔ ثالث ۲

(۳) جناب شیخ حافظ احسان الٰہی صاحب دوائی والے ۔ احاطہ کدارہ ۔ ثالث ۳

(۲) علاقہ ۲ پھاٹک حبش خاں ۔ سول لائنز وغیرہ کے لئے :-

(۱) جناب شیخ حاجی عبدالکریم صاحب ملتانی ۔ گلی ہینگا بیگ ۔ ثالث ۱

(۲) جناب شیخ حافظ محمد یوسف صاحب چمڑہ والے ۔ رنگ محل ۔ ثالث ۲

(۳) جناب شیخ محمد امین صاحب انڈہ والے ۔ بارہ دری نواب وزیر ثالث ۳

(۳) علاقہ ۳ و ۳ الف ۔ کشن گنج ۔ شیش محل ۔ برف خانہ وغیرہ اور محلہ اسلام گنج ۔ نواب والا باغ ۔ کرشنا پل ۔ رنڈولا باغ وغیرہ کے لئے :-

(۱) جناب شیخ حاجی جمال الدین صاحب چوتھائی ۔ کشن گنج ۔ ثالث ۱

(۲) جناب شیخ حاجی محمد الدین صاحب انبالہ والے کشن گنج ۔ ثالث ۲

(۳) جناب شیخ حافظ ثناء اللہ صاحب سوت والے ۔ نواب والا باغ ۔ ثالث ۳

(۴) علاقہ ۴ باڑہ ہندوراؤ ۔ باغیچی اچھے جی ۔ کوٹھی میم ۔ بیری والا باغ وغیرہ کے لئے :-

(۱) جناب شیخ سراج الدین صاحب چمڑہ والے ۔ باغیچی اچھے جی ۔ ثالث ۱

(۲) جناب شیخ حاجی فضل الدین صاحب پیس والے ۔ باغیچی خورد ۔ ثالث ۲

(۳) جناب شیخ محمد یحییٰ صاحب سوت والے ۔ بیری والا باغ ۔ ثالث ۳ ۔

فضل مبین احمد
جنرل سیکرٹری

جلسہ مجلس منتظمہ پنجابی یوتھ لیگ دہلی

پنجابی یوتھ لیگ کی مجلس منتظمہ کا جلسہ بتاریخ ۲۲ بروز ہفتہ بوقت ۸ بجے شب زیر صدارت محمد نقی صاحب نور بمقام بڈن کلب منعقد ہوا۔ جسمیں مندرجہ ذیل حضرات نے شرکت فرمائی۔

(۱) محمد نقی صاحب نور (۲) صبغت اللہ صاحب بنارس والے۔ (۳) حاجی محمد رفیع صاحب کپڑے والے (۴) ممتاز الدین صاحب چوغتائی (۵) محمد رفیع صاحب کالیہ (۶) محمد صالحین صاحب (۷) محمد یوسف صاحب کپڑے والے (۸) انوار الحق صاحب حقی (۹) محمد یوسف صاحب شبلہ (۱۰) محمد عمر صاحب لیس والے (۱۱) فضل مبین احمد۔

بعد تلاوت کلام پاک حسب ذیل کارروائی شروع کیگئی۔

(۱) کارروائی جلسہ گذشتہ منعقدہ ہوا کی تصدیق کیگئی۔

(۲) کارروائی شعبہ اصلاح رسوم منعقدہ ہوا برائے سماعت پیش ہوئی اور قرار پایا کہ بعد تصدیق شعبہ ہذا پھر پیش ہو۔

(۳) خط آمدہ انجمن ترقی قوم پنجابیان بجواب مطالبہ اخراجات از لیگ پر غور پیش ہوا۔ اور طے پایا کہ انجمن کو جواب تحریر کیا جائے۔ گوشوارہ ماہ اکتوبر منظور شدہ لیگ کی نقل خط کے ہمراہ شامل کی جائے دوسرے اخراجات ضروری متعلقہ دفتر بھی بڑھائے جائیں۔ تاوان فنڈ کی باقی تحریر کیجائے۔ سامان ضبط شدہ بھی لکھا جائے اور مبلغ ساٹھ روپے بابت قرضہ کے جو انجمن نے نامنظور کئے ہیں۔ اس کی بابت دوبارہ تحریر کیا جائے کہ دوبارہ غور فرمائیں چونکہ یہ قرضہ جلسہ عام کی بابت ہے۔ اسلئے اس کا ادا کرنا نہایت ضروری ہے۔ دیگر انجمن ترقی قوم پنجابیان مزید وضاحت کے لئے لیگ بنا کے نمائندہ کو بلا سکتی ہے۔

(۴) تجویز منجانب شیخ حاجی محمد رفیع صاحب کپڑے والے بابت تقرری سب کمیٹی برائے تحقیق حالات خیمہ والی مسجد بمقام بلو ماری نواب زیر پیش ہوئی اور قرار پایا کہ تین افراد پر مشتمل ایک سب کمیٹی مقرر کیجائے جو برائے تحقیقات ہو۔ محمد رفیع صاحب کپڑے والے فضل مبین احمد۔ نواب قمر الاسلام صاحب چیلنہ اور اس سب کمیٹی کے کنوینر حاجی محمد رفیع صاحب کپڑے والے منتخب کئے گئے۔

(۵) تجویز منجانب حافظ انوار الحق صاحب حقی برائے انعقاد اجلاس مجلس منتظمہ ہر یوم جمعرات کو پیش ہوئی اور بکثرت آراء منظور کیگئی۔

(۶) تجویز منجانب حافظ انوار الحق صاحب حقی کہ آئندہ ہر وہ اعلان جو پنجابی یوتھ لیگ کیطرف سے کیا جائے اس پر شتہر یا علن کے نیچے صرف سکریٹری پنجابی یوتھ لیگ دہلی ہونا چاہیئے۔ تجویز پیش ہوئی کافی بحث و مباحثہ کے بعد مجوزنے اپنی تجویز واپس لینا چاہی لیکن تجویز مسترد کیگئی۔

(۷) تجویز منجانب حافظ انوار الحق صاحب حقی آئندہ سالانہ چندہ مجلس عاملہ ایک روپیہ کی بجائے صرف چار آنے کر دیا جائے پیش ہوئی اور متفقہ طور پر منظور ہوئی۔

(۸) رپورٹ سیکریٹری بابت تبادلہ خیال آئندہ کیلئے ملتوی کیگئی۔

(۹) استعفے جناب شیخ محمد اقبال صاحب کا متعلق پیش ہوا اور آئندہ کے لئے ملتوی کیا گیا۔ مزید براں طے ہوا کہ ان کو بقایا ادا کرنے کے لئے تحریر کیا جائے۔

(۱۰) علاقہ پھاٹک حبش خاں کے ثالثان کا انتخاب کا معاملہ پیش کیا گیا اور قرار پایا کہ نواب قمر الاسلام صاحب چاندنی محمد یوسف صاحب کپڑے والے۔ فضل مبین احمد جلد از جلد علاقہ ھذا کے ثالثان کے انتخاب کی کارروائی کر کے آئندہ جلسہ میں اپنی رپورٹ پیش کریں۔

(۱۱) انتخاب ثالثان علاقہ باڑہ ہندو راؤ وغیرہ کا معاملہ پیش ہوا اور قرار پایا کہ مندرجہ ذیل اصحاب جلد از جلد اس انتخاب کی کارروائی کریں۔ عبد الغفار صاحب عزت۔ محمد یوسف صاحب ٹھلہ۔ محمد رفیع صاحب کالیہ۔ محمد نواب صاحب چوتھائی۔ فضل مبین احمد۔

(۱۲) سب کمیٹی برائے مردم شماری قوم پنجابیان۔ کنوینر محمد نقی صاحب کو نامزد منتخب کر لئے گئے۔

جلسہ بخیر و خوبی ۱۱ بجے شب ختم ہوا۔

شادیاں

نمبر شمار	تاریخ اندراج	بیٹے کے والد کا پتہ مع نام: نام نوشہ	عمر	ولدیت	سکونت	بیٹی کے والد کا نام و پتہ: عروس کے والد کا نام	سکونت	تعداد مہر	بیٹی والے	بیٹے والے
۱۰۰	۲۲ جون	محمد الیاس	۲۰ سال	حاجی شمس الاسلام	پھوٹا دروازہ کلاں	حافظ محمد یوسف	کشن گنج	اکتیس سو روپے	۵ر	وعدہ
۱۰۱	۲۲ جون	شجاع الرحمن عرف نواب	۲۰ "	انیس الرحمن شوربے والے	حویلی حسام الدین حیدر	محمد عثمان صاحب	بلیماران	اکتیس سو روپے	عہ ر	"
۱۰۲	۲۶ جون	ولی الدین	۱۸ "	محمود دین گھڑی والے	"	حاجی انیس الرحمن شوربے والے	"	اکتالیس سو	عہ ر	للعہ ر
۱۰۳	۲۳ جون	شیخ سمیع الدین	۲۱ "	معز الدین عرف موتی	گلی ہینگا بیگ	ناصر الدین	لاہور والے	اکیاون سو	وعدہ	للعہ ر
۱۰۴	۳ جولائی	محمد نقی	۲۲ "	محمد اشفاق تیل والے	نیا محلہ نواب والا باغ	عبد اللہ چمڑے والے	احاطہ کدارہ	گیارہ سو	دینے سے انکار	۸ ر
۱۰۶	۳۰ جون	عبد الستار	۳۰ "	عبد الغنی چمڑے والے	بلیماران	محمد عمر کلکتہ والے	گلی ہینگا بیگ	اکتیس سو	وعدہ	وعدہ
۱۰۷	۱ جولائی	محی الدین	۳۵ "	محمد اسمٰعیل پانی پت والے	کشن گنج	محمد رفیع چمڑے والے	بلیماران	گیارہ سو	وعدہ	عہ ر
۱۰۸	۲ جولائی	محمد احمد	۲۸ "	محمد جان بگی والے	باڑہ ہندو راؤ	محمد ابراہیم شیشہ والے	پنجابی پھاٹک جی	پانچسو روپے	عیض سے انکار	۵ر
۱۰۹	۱۱ جولائی	محمد صدیق	۲۴ "	محمد عمر کلکتہ والے	"	اسلام الدین گوٹے والے	گلی راجگان الی	چودہ سو روپے	عہ ر	عہ ر
۱۱۰	۳۳ جولائی	آفتاب احمد	۳۰ "	محمد یعقوب ٹاٹ والے	کشن گنج	مشتاق احمد اللہ والے	بارہ دری شیر افگن	اکیاون سو	۵ر	للعہ ر
۱۱۱	۲۶ جولائی	فخر الدین	۲۱ "	سراج الدین سرمہ والے	باڑہ ہندو راؤ	شمس الدین اسمٰعیل الدین	کشن گنج	گیارہ سو	وعدہ	۵ر
۱۱۲	۲۵ جولائی	محمد عاقل	۲۱ "	محمد مستقیم موتی والے	میم والی کوٹھی	قیام الدین چھتہ	بلیماران	ایک ہزار	عہ ر	عہ ر
۱۱۳	۲۶ جولائی	محمد امین چاندنہ	۲۸ "	محمد صدیق چاندنہ	گلی ہینگا بیگ	رحیم بخش جاندہ گھر والے	بیری والا باغ	اکیس سو روپے	عہ ر	للعہ ر
۱۱۴	۳۰ جولائی	محمد یوسف	۲۱ "	فضل الرحمن	بیری والا باغ	حافظ عبد الرحمن مرحوم	"	پانچسو روپے	عہ ر	عہ ر
۱۱۵	[illegible]	الطاف احمد	۲۳ "	محمد یوسف نشان والے	"	محمد شفیق کراچی والے	"	گیارہ سو روپے	عہ ر	للعہ ر

عیدُ الضحےٰ

کے موقعہ پر پرانی رسوم کے بموجب بہو کے لیے زیورات پارچہ جات قربانی کیلئے جانور وغیرہ اسی قسم کی سینکڑوں فضول رسمیں کی جاتی تھیں۔ لیکن اب ہر فرد قوم ان فضول رسوم کے نقصان دہ نتائج سے بخوبی واقف ہوگیا ہے۔ لہذا تمام برادران قوم سے التماس ہے کہ مصرفانہ رسموں سے بچیں اور اس موقعہ پر کسی قسم کا کوئی لین دین ایسا نہ کریں جو قوم کے دستور العمل کیخلاف ہو۔ ذیل میں آپکی آگاہی کیلئے نقل ریزولیوشن ع ۱ دفعہ ۱۳ دفعہ ۱۵ منظور شدہ سالانہ جلسہ عام قوم پنجابیان منعقدہ ۹، ۱۰ ستمبر ۱۹۳۷ء درج کیجاتی ہیں۔ امید ہے کہ آپ قوم کے فیصلہ کی خلاف ورزی نہیں کرینگے۔

ریزولیوشن ع ۱ دوران منگنی میں عیدین کے موقعہ پر زیادہ سے زیادہ چودہ ۱۴ سیر تک مٹھائی اور دو خوان مروجہ ترکاری اور پانچ سیر مہندی بھیجی جاسکتی ہے نیز زیادہ سے زیادہ گیارہ روپے تک طرفین سے عیدی کے بھیجے جاسکتے ہیں۔

ریزولیوشن ع ۱۳ اس دستور العمل کے علاوہ کوئی نئی یا پرانی رسم ادا نہیں کیجا سکتی اس دستور العمل میں جو چیزیں مقرر کی گئی ہیں وہ زیادہ سے زیادہ کی ہیں جو صاحبان ان میں جسقدر کمی کرینگے وہ اسی قدر قوم کے شکریہ کے مستحق ہونگے۔

ریزولیوشن ع ۱۵ اس دستور العمل کی تعمیل ہر فرد قوم پر لازم ہے۔

خادم قوم۔ فضل مبین احمد۔ جنرل سیکرٹری پنجابی یوتھ لیگ، دہلی۔

شعبہ اصلاح رسوم کے اجلاس

بتاریخ ۲۸/۱۲ ۳۰ بروز بدھ بوقت ۱/۲ ۹ بجے شب پنجابی یوتھ لیگ کے شعبۂ اصلاح رسوم کا جلسہ زیر صدارت انوار الحق حقی بمقام مہدیان لب منعقد ہوا۔

مندرجہ ذیل حضرات شریک ہوئے

(۱) انوار الحق صاحب حقی (۲) محمد یوسف صاحب کتھوریہ (۳) صبغۃ اللہ صاحب (۴) محمد نقی صاحب کشتی والے (۵) محمد نعمی صاحب نوراؔ (۶) محمد عمر صاحب لیس والے (۷) فضل مبین احمد۔

بعد تلاوتِ کلام پاک حسب ذیل کارروائی طے ہوئی۔

(۱) صاحب صدر کی اجازت سے مندرجہ ذیل تجویزیں منظور کی گئیں۔ ہر علاقہ میں فوری معاملات کا بموجب طریقہ کار فیصلہ کرنے اور اس پر عملدرآمد کرنے کے لئے ایک علاقہ انچارج اور ایک نائب انچارج چھ ماہ کے لئے منتخب کیا جائے۔

علاقہ کے انچارج اور اسکی غیر موجودگی میں نائب انچارج کے فرائض حسب ذیل ہونگے۔

(۱) ایسی خلاف ورزی جس کا وقتی طور پر علم ہو جائے تحقیقات کے بعد اس کا انسداد کرنا۔

(۲) جو اشیاء خلاف ورزی گرفت میں آجائیں ان کی ضبطی کا فیصلہ کرنا۔

(۳) اپنے فیصلے سے صاحب معاملہ و ثالث علاقہ کو مطلع کرنا۔

(۴) بوقت فیصلہ ثالث صاحب خلاف ورزی کے متعلق اپنی بائے بحیثیت نمائندہ لیگ پیش کرنا۔

(۵) ثالث صاحب کے فیصلہ پر عمل کرنا۔

(۶) اگر ثالثان علاقہ مقررہ وقت میں فیصلہ نہ کرسکیں تو اپنے فیصلہ پر عمل درآمد کرنا۔

(۷) ضبط شدہ اشیاء معہ اپنی مکمل رپورٹ فوراً دفتر لیگ میں بھیجنا۔

(۸) حسب ضرورت اپنی امداد کے لئے ممبران لیگ کو طلب کرنا۔

نیز قرار پایا کہ علاقے بجائے چار کے پانچ حسب ذیل طریقہ سے کئے جائیں۔

علاقہ ۱ بلیماران، احاطہ کالے صاحب وغیرہ۔

علاقہ ۲ پھاٹک حبشخاں۔ سول لائین وغیرہ۔

علاقہ ۳ کشن گنج۔ شیش محل۔ برف خانہ وغیرہ۔

علاقہ ۳ الف۔ کرشنا مل۔ اسلام گنج۔ نواب والا باغ۔ رنڈی والا باغ وغیرہ۔

علاقہ ۴ بارہ ہندوراؤ۔ باغیچی اچھے جی۔ بیری والا باغ وغیرہ۔

(۲) مندرجہ ذیل حضرات متفقہ طور پر آئندہ چھ ماہ کے لئے علاقہ انچارج و نائب انچارج منتخب ہوئے:۔

علاقہ ۱ انچارج محمد یوسف صاحب کتھوریہ۔ نائب انچارج محمد نقی صاحب کشتی والے۔

علاقہ ۲ انچارج نواب قمر الاسلام صاحب چاندنہ۔ نائب انچارج حاجی عبدالمتین صاحب انبالہ والے۔

علاقہ ۳ انچارج حاجی محمد شفیع صاحب کپڑے والے۔ نائب انچارج حافظ انوار الحق صاحب حقی۔

علاقہ ۳ الف۔ انچارج محمد رفیع صاحب کالیہ۔ نائب انچارج حافظ

محمد فضل احمد صاحب کٹھوریہ میر ٹھی۔

علاقہ عسکا پکار کے انچارج عبد الستار صاحب عزت۔ نائب انچارج کا انتخاب ملتوی کیا گیا۔

صاحب صدر کی اجازت سے محمد تقی صاحب نے بتائید محمد یوسف صاحب کٹھوریہ تجویز پیش کی کہ تمام سابقہ معاملات خلافت ورزی بمطابق فیصلہ جلسہ عام قوم پنجابیان منعقدہ ۲۹ سکریٹری صاحبان جلد از جلد مقرر شدہ ثالثان کی خدمت میں بھیجدیں اور ان سے درخواست کی جائے کہ وہ جہاں تک جلد ممکن ہو معاملات ھذا کا فیصلہ کر کے لیگ کو مطلع کریں تاکہ لیگ ان پر مناسب کارروائی کرسکے۔ بالاتفاق رائے منظور کیگئی۔

اسکے بعد جلسہ بخیرو خوبی ۱۰ بجے شب ختم ہوا۔

بتاریخ ۱ بروز اتوار بوقت ۸ بجے شب بمقام رنگ محل بمکان محمد صدیق صاحب کراچی والے شعبۂ اصلاح رسوم کا ملتوی شدہ جلسہ زیر صدارت انیس الرحمٰن صاحب منعقد ہوا۔ حسب ذیل حضرات نے شرکت جلسہ فرمائی۔

(۱) محمد صدیق صاحب کراچی والے (۲) حاجی قمر الاسلام صاحب چاندنہ (۳) فضل مبین احمد۔ (۴) انیس الرحمٰن صاحب (۵) حاجی عبد المتین صاحب انبالہ والے (۶) حاجی محمد رفیع صاحب کپڑے والے (۷) محمد عمر صاحب لیس والے۔

بعد تلاوت کلام پاک حسب ذیل کارروائی شروع کیگئی۔

(۱) گذشتہ کارروائی جلسہ منعقدہ ۲۲ کی تصدیق کیگئی۔

(۲) مندرجہ ذیل خلاف ورزیوں پر غور کیا گیا۔

(الف) معاملہ شیخ عبد الستار صاحب و حاجی عزیز الدین صاحب گھڑی والے پیش ہوکر قرار پایا کہ حلف نامے حاصل کر کے معاملہ داخل دفتر کیا جائے۔

(ب) معاملہ شیخ محمد رفیع صاحب چاولہ و شیخ عبد الخالق صاحب الشدہ والے پیش ہوا اور قرار پایا کہ ان سے ملکر حلف نامے تحریر کرائے جائیں تاکہ معاملہ داخل دفتر کردیا جائے۔

(ج) معاملہ شیخ محمد شفیع صاحب پتیل والے و شیخ محمد رفیع صاحب بمبئی والے پیش ہوا اور قرار پایا کہ دوبارہ ان کو خط لکھا جائے اور ایک مرتبہ اور موقعہ دیا جائے کہ وہ صحیح حالات سے لیگ کو مطلع کریں۔ نیز گھڑی کے لین دین کے متعلق بھی تحریر کردیا جائے۔

(د) معاملہ شیخ فضل الرحمٰن صاحب کشمیری والے و عبد الستار صاحب لالٹین والے پیش ہوا اور آئندہ کیلئے ملتوی کیا گیا۔

(۳) معاملہ حاجی نصیر الدین صاحب اللہ والے پیش ہوا کہ بموجب فیصلہ ثالث صاحب جہاں تک مبلغ اکیس روپے بطور تاوان وصول ہوچکا ہے لہذا مثل داخل دفتر کیگئی۔

(۴) قرار پایا کہ مندرجہ ذیل تجویز شعبہ ہذا کی طرف سے لیگ ھذا کی مجلس منتظمہ میں پیش کیجائے۔

تجویز

تشریح طلب دفعات دستور العمل مجوزہ قوم کو تمام ثالثان علاقہ جات کے ایک جلسہ میں پیش کر کے ان کی وضاحت کرائی جائے۔ جلسہ میں سیکریٹری صدر و نواب قمر الاسلام صاحب بحیثیت نمائندگان لیگ شریک ہوں۔

(۵) علاقہ عسکا بارہ ہندو راؤ وغیرہ کے نائب انچارج کیلئے محمد نواب صاحب جو بتحالی متفقہ طور پر منتخب کئے گئے۔

اسکے بعد جلسہ بخیرو خوبی ۱۰ بجے شب ختم ہوا۔

فضل مبین احمد

پیدائش

نمبر شمار	تاریخ اندراج	تاریخ پیدائش	نام بچہ	باپ کا نام معہ ولدیت	بچہ کے نانا کا نام	گلی یا محلہ	علاقہ نمبر مکان
۱۳۲	۱۰ [illegible]	۱۰ [illegible]	ستارہ بیگم	محمد فاروق ولد محمد سعید [illegible] والے	حاجی حمید اللہ سوت والے	کشن گنج	[illegible]
۱۳۳	۱۱ [illegible]	۱ [illegible]	محمد زکی	محمد رفیع ولد محمد عارف گلاس [illegible]	خان بہادر ایس ایم عبداللہ	نواب گنج	[illegible]
۱۳۴	۴ [illegible]	۱۵ [illegible]	نصرت جہاں بیگم	شفیق احمد [illegible]	مقبول الٰہی بریلی والے۔	[illegible]	۶
۱۳۵	۱۴ [illegible]	۱۴ [illegible]	۔	محمد خلیل الرحمٰن ولد [illegible] فضل الرحمٰن [illegible]	محمد اشفاق گھڑی والے	[illegible]	[illegible]
۱۳۶	۱۰ [illegible]	۱۰ [illegible]	[illegible]	[illegible] ولد حاجی انعام الٰہی مرحوم	ضیاء الحق کلکتہ والے	[illegible]	[illegible]
۱۳۷	۱۹ [illegible]	۱۹ [illegible]	اقبال احمد	حاجی محمد احمد کلکتہ والے ولد محمد شفیع [illegible] والے	محمد اسمٰعیل	حویلی حسام الدین [illegible]	۶۶
۱۳۸	۳۰ [illegible]	۱۴ [illegible]	سلیم احمد	جمیل الرحمٰن [illegible] والے ولد محمد ابراہیم	شیخ نور الٰہی چمڑے والے	احاطہ [illegible] صاحب	۵
۱۳۹	۲۱ [illegible]	۲۱ [illegible]	نسیمہ خاتون	عبدالخالق ولد عبدالوہاب	کرم الٰہی [illegible] والے	کوچہ محمد شفیع	[illegible]
۱۴۰	[illegible]	۲۹ [illegible]	نفیسہ بیگم	شجاع الدین [illegible] والے ولد محمد امین [illegible] والے	محمد عثمان چاندنہ۔	بلیماران	[illegible]
۱۴۱	۲۶ [illegible]	۲۶ [illegible]	لڑکی	محمد شفیع ولد نثار احمد سرمہ والے	شیخ محمد حسن	[illegible]	[illegible]
۱۴۲	[illegible]	۲۱ [illegible]	فضل الدین	فصیح الدین ولد قمر الدین رنگ والے	محبوب الٰہی [illegible] والے	نواب گنج	[illegible]
۱۴۳	۲۹ [illegible]	۔	خلیق الستار	عبدالجبار دری والے ولد عبدالوہاب	محمد ایوب	۔	۔
۱۴۴	[illegible]	۳۰ [illegible]	سلطانہ بیگم	عبدالستار ولد محمد جان	احمد الٰہی [illegible] والے	باڑہ ہندو راؤ	[illegible]
۱۴۵	۱ [illegible]	۱ [illegible]	شمیم احمد	محمد رفیع ولد محمد [illegible] بمبئی والے	محمد یٰسین رانی کھیت والے	بلیماران	[illegible]
۱۴۶	۲ [illegible]	۱۴ [illegible]	محمد فاضل	احمد دین ولد [illegible] برتن والے	کریم الدین	کوٹھی بیگم	[illegible]
۱۴۷	۴ [illegible]	۴ [illegible]	محمد یونس	محمد یوسف ولد محمد شفیع چاندنہ	محمد اسمٰعیل [illegible] والے	بلیماران	[illegible]
۱۴۸	۴ [illegible]	۱۵ [illegible]	میمونہ [illegible]	عبدالغفار ولد عبدالغنی [illegible]	محمد صدیق موتی والے	نواب گنج	[illegible]
۱۴۹	۵ [illegible]	[illegible]	لڑکی	عبد[illegible] [illegible] والے	عبدالستار	بلیماران	[illegible]
۱۵۰	[illegible]	[illegible]	[illegible] بیگم	محمد سعید ولد عبدالوہاب	سراج الدین [illegible] والے	[illegible]	[illegible]
۱۵۱	۷ [illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible] کلکتہ والے	[illegible] والے۔	کشن گنج	[illegible]
۱۵۲	[illegible]	[illegible]	[illegible]	عبدالوہاب [illegible] والے	محمد یوسف [illegible] والے	سول لائن	۔

۱۵۳	۹	۹	عائشہ بی	محمد احمد ولد [illegible] محمد امین	محمد امین	حویلی حسام الدین	[illegible]
۱۵۴	۱۰	۱۰	محمد یعقوب	محمد سعید ولد محمد اسحاق	اللہ دیا برشش والے	پیل بخش نیا محلہ	[illegible]
۱۵۵	۷	۱۱	حمیدہ خاتون	محمد صدیق بجلی والے ولد محمد حنیف	حاجی ضیاء الدین	باڑہ ہندراؤ	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	اجلال الرحمٰن	حفیظ الرحمٰن ولد فضل الرحمٰن	عزیز الرحمٰن باڑی	پھاٹک حبش خاں	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	شمیم بانو	محمد [illegible] ولد محمد اسمٰعیل	اللہ دیا برشش والے	احاطہ کالے صاحب	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	محمد ذکریا	عبدالسلام ولد حاجی بخش الٰہی چمڑے والے	محمد اسحٰق جھلانے	گلی چنگا بیگ	[illegible]
۱۵۹	۱۵	"	محمد فیروز	محمد امین باڑی ولد نور الٰہی	ولی حسن گوٹہ والے	احاطہ کالے صاحب	[illegible]
۱۶۰	۱۶	۱۶	رشیدہ خاتون	ممتاز الدین ولد ضیاء الدین گوٹہ والے	عبدالخالق کراچی والے	سیم کی کوٹھی	[illegible]
[illegible]	[illegible]	۱۶	چمن آرا بیگم	عبدالرحمٰن ولد حاجی عبدالسلام	عبدالسلام بی اے	کوٹ لین	[illegible]
۱۶۲	[illegible]	۱۹	لڑکا	بابو عرف محمد یونس ولد رحیم بخش پاپڑ والے	برکت اللہ کوٹ والے	باپچی اچھا جی	[illegible]
۱۶۳	۲۰	۲۰	سراج الحق	محمد اسرار الحق ولد محمد عمر [illegible] والے	محمد یونس صابن والے	"	"
۱۶۴	"	"	محمد سمیع	محمد رفیع ولد عبدالغفار باڑی	ریاض الرحمٰن	باڑہ ہندراؤ	"
۱۶۵	۲۱	۲۱	رئیسہ بیگم	ضیاء الحق ولد شمس الحق چشمے والے	غیاث الدین	بلی ماران	[illegible]
۱۶۶	[illegible]	۲۲	نور احمد	محمد تقی ولد عبدالحق	حاجی محمد عمر ماما	"	"
۱۶۷	۲۳	۲۳	عبدالرحمٰن	محمد صدیق ولد محمد شفیع [illegible] والے	منشی عبدالجبار	احاطہ کالے صاحب	"
۱۶۸	۲۴	۲۴	فردوس بیگم	محمد یوسف [illegible] والے ولد محمد ابراہیم	شمس الصالحین کلکتہ والے	"	[illegible]
۱۶۹	۲۵	۲۵	محمد مدنی	محمد یعقوب ولد حیون بخش	محمد اسحٰق سوت والے	باڑہ ہندراؤ	[illegible]
۱۷۰	۲۶	۲۶	سلطان احمد	محمد یوسف ولد نور حسین	محمد یعقوب کھلونے والے	شیش محل	"
۱۷۱	[illegible]	۲۷	لڑکی	فضل احمد ولد محمد اسحٰق	محمد شفیع کلکتہ والے	پیل بخش نیا محلہ	[illegible]
۱۷۲	" "	" "	شمیم احمد	جمیل الرحمٰن ولد محبوب الٰہی	نور الٰہی تولیہ والے	احاطہ کالے صاحب	[illegible]
۱۷۳	۲۹	۲۹	حمیدہ خاتون	محمد یوسف ولد رحیم بخش سریہ والے	عبدالحق منیجر	[illegible]	[illegible]
۱۷۴	۳۰	۳۰	اقبال بیگم	محمد عثمان ولد کریم الدین	محمد عمر	[illegible]	"
۱۷۵	۳۱	۳۱	زکی احمد	محمد عثمان ولد محمد [illegible] والے	کریم الدین	[illegible]	"
[illegible]	۱	۱	[illegible] خاتون	محمد [illegible] ولد محمد عثمان [illegible]	حاجی محمد [illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	لڑکی	[illegible]	[illegible] والے	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	احسان کریم	[illegible] ولد کریم الٰہی	محمد اسمٰعیل [illegible]	[illegible]	[illegible]

واقعات [illegible]

اقتصادی جنگ

دنیا میں اس وقت اس آگ اور خون کی ہولناک جنگ کیساتھ ساتھ ایک اقتصادی جنگ بھی زور و شور کے ساتھ لڑی جا رہی ہے۔ ایک مسلّمہ امر ہے کہ موجودہ جنگ عظیم کے فیصلہ میں اقتصادی جنگ کے نتیجہ کا سب سے بڑا ہاتھ ہوگا۔ جو ملک اقتصادی جنگ ہار جائے گا اس کو ہار مان لینی پڑیگی بلکہ صدیوں کے لئے اس کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا جائے گا یہی وجہ ہے کہ موجودہ جنگ میں مخالفین ایک دوسرے کی اقتصادی تباہی کی طرف سب سے زیادہ توجہ دے رہے ہیں۔

بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اس صحبت میں ہم اقتصادی جنگ کے نشیب و فراز پر ایک سرسری نظر ڈالیں۔ اور اپنے ناظرین کو بتائیں کہ اس اقتصادی جنگ کی ابتک کیا صورت رہی۔

جنگ کے شروع ہوتے ہی برطانیہ نے اپنے سمندری اقتدار سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور جرمنی کی ناکہ بندی کر کے اس کی درآمدی تجارت کو ایکدم آدھا کر دیا۔ چونکہ جرمنی کے پاس اتنا طاقتور بحری بیڑا نہیں تھا کہ وہ برطانیہ کے زبردست بحری بیڑے کا مقابلہ کر کے اپنا بحری راستہ کھلا رکھتا۔ اسلئے جرمنی نے برطانیہ کے تجارتی جہازوں پر [illegible] شروع کئے۔ پہلے تو جرمنی کشتیوں سے پھر [illegible] سرنگوں [illegible] سے اپنے [illegible] حاصل کرنا چاہا۔ مگر برطانیہ [illegible]

[illegible]

عظیم ۱۹۱۴ء کے نقصانات کے مقابلہ میں صرف [illegible] تھا۔ البتہ اس کے بعد نقصانات میں قدرے اضافہ ہوتا گیا۔

جنگ کے ابتدا میں برطانیہ کی تجارت پر کوئی [illegible] پار کی مارکیٹوں کے علاوہ یورپ کی تمام بازاراس کے لئے کھلے [illegible] تھے۔ مگر جوں جوں جنگ بڑھتی گئی برطانیہ کی یورپین تجارت میں [illegible] پیدا ہوتی گئیں۔ اور فرانس کی شکست کے بعد تو یورپ کی منڈیاں [illegible] برطانیہ کے لئے بند ہو گئیں اور جرمنی کی ناکہ بندی نے برطانیہ کے [illegible] کے زمانہ کی درآمد کی ۵۰ فیصدی کم کر دیا۔ جرمنی کی ناکہ بندی سے [illegible] ذیل چیزوں کی فراہمی پر خاص اثر پڑا تھا۔

فرانس اور سویڈن کا خام لوہا، سپین کا تیل، [illegible] لکڑی وغیرہ۔ ڈنمارک اور ناروے وغیرہ سے [illegible] کی چیزیں بند ہو گئیں۔

برطانیہ یہ چیزیں اب امریکہ اور اپنی سلطنت سے حاصل کر رہا ہے۔

جرمنی کو جنگ کی ضروری چیزوں میں سے کوئلہ۔ [illegible] الومنیم اور زنک وغیرہ کے حاصل کرنے میں کافی آسانیاں حاصل [illegible] مگر ابھی اسکے پاس تیل، ٹین تانبہ۔ [illegible] وغیرہ کے [illegible] بہت کم ہیں۔ اور جرمنی میں ان چیزوں کی بہت [illegible]

برطانیہ کی ناکہ بندی سے [illegible]

کی نسبت [illegible]

کے [illegible]

[illegible]

[illegible] نقصانات بڑی حد تک [illegible] وقت [illegible]

[illegible] کے تجارتی جہاز حاصل ہو جیسے پر [illegible]

[illegible] کی پیداوار کو جنگ کسی طرح تباہ نہ کر سکے۔

[illegible] کے کاشتکاروں کی حالت زار

[illegible] تعداد اور کھانڈ کی صنعت کے سب سے بڑے مرکز صوبہ بہار [illegible]

[illegible] صوبوں میں پچاسیوں میل گزشتہ چند سالوں میں

[illegible] صوبوں کے کاشتکاروں کو بھی [illegible] پہنچا اور نقصان

[illegible] پیدا کرنے لیکن اس سال کاشتکار اور مالکان [illegible]

[illegible] بہت کسان کاشتکاروں کی حالت تو بہت قابل رحم ہے۔

[illegible] کی کئی وجوہ ہیں۔ سب سے پہلی وجہ یہ ہے کہ پچھلی فصل کی تقریباً

[illegible] ابھی تک اسٹاک میں موجود ہے جسکی وجہ سے کارخانہ دار

زیادہ مقدار [illegible] اپنے اوپر اور زیادہ بوجھ لینا نہیں چاہتے۔

[illegible] اس سال ایکھ کی کاشت پچھلے سالوں کی نسبت بہت [illegible]

[illegible] مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ صرف یو پی میں گزشتہ

سال [illegible] لاکھ ایکڑ کا اضافہ ہو گیا۔ تیسری وجہ یہ ہے

[illegible] اتنی ایکھ ہو گئی کہ اسکی کھپت سردست ناممکن نظر

[illegible] کی حکومتیں باہم [illegible] اسکیمیں بنا رہی ہیں۔

[illegible] کاشتکاروں ان مشکلات سے نجات

[illegible] حکومتوں نے باہمی تعاون سے ایک اسکیم

[illegible] مقدار [illegible]

[illegible]

[illegible] سے زیادہ تو مگر [illegible] کی طرف [illegible]

میں [illegible] کے [illegible] اسٹاک کو [illegible]

تعداد میں کولھوں کی ضرورت ہے اور موجودہ [illegible] جگہ [illegible]

میں تمام کارخانے مصروف ہیں لئے کولھو حاصل ہونے مشکل ہیں [illegible]

کولھو کی قیمتوں میں بھی زبردست اضافہ ہو گیا ہے۔ حکومتیں کوشش [illegible]

ہیں کہ کولھو مہیا ہونے والے بڑی تعداد میں کولھو مہیا کریں اور جو کسان [illegible]

نہیں خرید سکتے انکو کرایہ پر دلوائے جائیں لیکن مشکل یہ ہے [illegible]

اسٹاک کو برسات کے موسم میں محفوظ رکھنا مشکل ہے [illegible]

بہت برا [illegible] اسوقت بھی گڑ کا بھاؤ بہت نیچا ہے۔

حکومت کے سامنے یہ بھی اسکیم رکھی گئی ہے کہ حکومت کارخانہ والوں کو ہدایت کرے

کہ وہ ایکھ کا تمام اسٹاک اپنے ہاتھ میں لیکر اس کو پکی کھانڈ میں تبدیل کر دیں۔

لیکن اس اسکیم میں سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ اگر اتنی بڑی مقدار میں پکی کھانڈ بنایا

ہو گئی تو سفید کھانڈ اور گڑ دونوں کے نرخوں پر [illegible]

کسطرح سنبھل سکیگا۔ حکومت یو پی نے حال ہی میں ایک [illegible]

جسمیں یہ تجویز کیا گیا ہے کہ جن کاشتکاروں کی ایکھ فصل کے آخر تک [illegible]

حکومت انکو معاوضہ دیگی۔ لیکن جو معاوضہ تجویز کیا گیا ہے وہ [illegible]

کر سکیگا۔ اس سال بھر کی محنت کا [illegible] جو ان غریبوں نے فصل کی

دیکھ بھال اور آبیاری میں کی ہے مگر سب سے زیادہ [illegible]

ان کاشتکاروں سے [illegible] یا نہیں ہے۔ ہمارا خیال ہے [illegible]

کاشتکاروں [illegible] کارخانوں [illegible] زیادہ تعداد ہو [illegible]

ان مشکلات سے نجات [illegible]

کا [illegible]

کچھ اِدھر کی کچھ اُدھر کی

از جناب گمشدہ صاحب

ایک لطیفہ سنا کرتے تھے کہ کسی خریدار نے ایک سودا بیچنے والے سے چکاچکائی کے دوران میں کہا کہ بھئی اپنا بوجھ ہلکا کرو۔ کیوں اٹھائے اٹھائے پھرتا ہے۔ اس پر سودے والے نے کہا کہ آپ اپنی جیب کا بوجھ ہلکا کر دیجئے۔ یہ تو صرف ایک لطیفہ تھا۔ جس پر عمل کسی نے نہیں کیا۔ لیکن واہ رے زمانہ، تمام نہ ہونے والی باتیں سامنے آرہی ہیں۔ اڑن کھٹولے کی کہانی سنتے سنتے ہوائی جہاز سامنے آگئے۔ اڑنے والے دیو اور پریوں کے قصے پڑھتے پڑھتے انسان چھتری لگا کر فضا میں تیرنے لگا۔ علم غیب کے جھگڑے میں ریڈیو صاحب تشریف لے آئے۔ جیب کا بوجھ اور سر کا وزن کس طرح ہلکا کرایا جا رہا ہے وہ بھی سن لیجئے۔

~~~~~~

انگریز غریب اسی فکر میں گھلے جا رہے تھے کہ دنیا میں تہذیب پھیلائیں۔ اسی مقصد کے لئے گروہ چھوٹے سے جزیرے سے نکلے اور امریکہ، نیوزی لینڈ، آسٹریلیا، کینیڈا، جنوبی افریقہ، سنگاپور، ملایا، ہانگ کانگ، شنگھائی، مشرق [illegible] مصر، فلسطین، عدن، ہندوستان، برما، آئرلینڈ میں جا کر وہاں کے لوگوں کو نئی تہذیب و تمدن سے آگاہ کیا اور کر رہے ہیں۔ لیکن یہ جاہ و حرص کی دنیا کسی کو نہیں دیکھ سکتی۔ اپنے کو بڑا بنانے [illegible] دوسری [illegible]

[illegible]

یورپ میں بہت چھوٹی چھوٹی حسینیں قائم ہیں [illegible] سرحدوں کا اندیشہ ہے اور ان کا نتیجہ پکا ڈکرانے میں اکثر [illegible] مرتے ہیں جیسا گذشتہ جنگ عظیم کے وقت ہوا۔ لہٰذا گذشتہ [illegible] صلوات آئندہ را احتیاط۔ یورپ میں خصوصاً اور دنیا میں عموماً [illegible] رکھنے کیلئے میں ایک نیا نظام بنانا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ ان [illegible] گڑھ کی بھیلیوں کو ختم کر دیا جائے تاکہ نہ ہوں اور نہ بندر بانٹیں۔ چنانچہ یہ کہتے کہتے وہ ہوا کی طرح اٹھا اور رائن لینڈ، آسٹریا، [illegible] پولینڈ، ہالینڈ، بلجیم، لکسمبرگ، ڈنمارک، ناروے اور فرانس [illegible] اہم علاقوں پر قبضہ کر لیا۔

ان تمام نعمتوں کے باوجود ابھی اس کی دوزخ کی آگ [illegible] "مزید" کا شور کر رہی ہے۔

~~~~~~

ایک ان کے چھوٹے بھائی بھی ہیں جو ذرا جلدی [illegible] بنا پر کچھ سست واقع ہوئے ہیں۔ اپنے بڑے بھائی کو [illegible] کہتے سنا تو اس بچہ کی طرح جو بغیر سوچے سمجھے [illegible] یہ بھی اپنے پوپلے منہ سے بول "مزید" کہنے لگے [illegible] روس پہاڑ کا خوشنما خواب دیکھنے [illegible] تک کھچی ہوئی ہو۔

بڑے بھائی کی بات [illegible]

کھانے۔ اب جب کچھ پیٹ میں گیا تو دور کی سوجھی اور برابر کے رکھے ہوئے سیچ سے ان جیسی کیک اٹھے ہوئے تھے، ہاتھ ڈالدئے اور پکڑے گئے۔ اور انکا نیا نظام تو ختم ہوا۔

یادش بخیر وہی جاپان دیوی بھی نئے نظام کے خواب دیکھ رہی ہیں اور اول خویشں بعدہٗ درویش کے بقول پہلے اپنی ہم جنس قوم چین کو ہی نئی تہذیب کا سبق پڑھانا شروع کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کو بہت رنج ہے کہ تمام مشرقی ایشیا میں جہالت طاری ہے۔ اور وہ کوشش کر رہی ہیں کہ چین کو بہت جلد فارغ التحصیل کی سند دے کر تمام مشرقی ایشیا میں جبری تعلیم اور تعلیم بالغاں کا سلسلہ شروع کرینگی۔ اللہ ان کو ان کے نیک ارادوں . . . . میں کامیاب کرے۔

بہرحال مطلب یہ ہوا کہ اگر آپ کو کسی حلوائی کی دکان کی مٹھائی کھانا ہو اور آپ کی جیب میں پیسے نہ ہوں تو آپ اس کی دکان میں نقب لگائیے اور نہ کواڑوں کی جوڑیاں اتاریے بلکہ اس سے یوں کہیے کہ جناب آپ کی دکان میں اتنی مٹھاس ہے جس پر ہر وقت مکھیوں کے بیٹھنے کا خطرہ ہے۔ مکھیاں ان پر جراثیم چھوڑ جائینگی اور جب مخلوق خدا ان کو کھائے گی تو شہر میں وبا پھیلیگی۔ لہٰذا مخلوق خدا کو اس وبا سے بچانے کے لئے میں اپنی جان قربان کر سکتا ہوں۔

یہ کہہ کر بے تکلف مٹھائی کھانا شروع کر دیجئے۔ مٹھائی کھانے کے بعد اس حلوائی کو مجبور کیجئے کہ وہ آپ کا شکریہ ادا کرے۔ کیونکہ اگر آپ مٹھائی نہ کھاتے تو شہر میں وبا پھیلتی۔ ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ تفتیش کرتا اور جب یہ پتہ چلتا کہ اس بیماری کے جراثیم حلوائی کی دکان سے گئے ہیں تو وہ گرفتار کر کے پھانسی پر لٹکا دیتے۔

ان سب باتوں پر اتنا ہی غور و فکر کرنے کے بعد جس کی وہ مستحق تھیں۔ میرے دل میں معاً یہ خیال پیدا ہوا کہ آخر ہم کیوں نیا نظام نہ بنائیں۔ ان سب لوگوں نے جن کا اوپر ذکر آچکا ہے ایک نہایت محدود نظام بنایا ہے۔ ہم کو ایک ایسا عالمگیر نظام بنانا چاہیے جو تمام جہان کے لئے "رحمت" ہو۔ چنانچہ ہمارا نیا نظام یہ ہوگا۔

دنیا میں جھگڑے زر۔ زن۔ زمین پر ہوتے ہیں۔ اگر لوگوں کے پاس یہ چیزیں نہ ہوں تو تمام جھگڑے خود بخود ختم ہو جائینگے۔ لہٰذا دنیا کی آسائش اور بے فکری کے لئے یہ تمام جھگڑے میں اپنے نازک کاندھوں پر لینے کو تیار ہوں۔ یہ تمام چیزیں میرے پاس آنے کے بعد دنیا میں امن ہی امن ہوگا۔ اور میں امن کا دیوتا . . .

قطعات !!

درد نہیں۔ الم نہیں۔ یاس نہیں۔ گلا نہیں!
گردشِ روزگار سے قلبِ حزیں میں کیا نہیں
میری بساط سے سوا مجھ کو ملیں یہ نعمتیں
قسمتِ حق شناس سے اب مجھے کچھ گلا نہیں

شمعِ ہستی جس پہ نازاں تھی وہ پروانہ ہوئیں
ہوشیاری جس کا حصہ تھی وہ دیوانہ ہوئیں
مٹ چکی جسکی عبارت اڑ چکے جسکے حروف
سرگذشتِ زندگی کا اب وہ افسانہ ہوئیں

پروفیسر اکبر حیدری مرحوم

دنیا کے سیاسی نشیب و فراز

سیاسیات عالم

اور جنگی کارروائیوں پر ایک سرسری نظر

از محمد شفیع نور صدر پنجابی یوتھ لیگ [redacted]

ڈنمارک اور ناروے

۹ راپریل ۱۹۴۰ء کو جرمنی نے اپنے دو شمالی پڑوسیوں پر اچانک حملہ کر دیا

ڈنمارک نے محض احتجاج کے بعد اسی دن ہتھیار ڈال دئے اور ڈنمارک پر جرمنی کا قبضہ ہوگیا۔

ناروے کو بھی اگرچہ اچانک گھبرا گیا تھا لیکن اس نے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ جرمنی اور ناروے کی فوجوں میں جنگ شروع ہوگئی۔

جرمنی کا یہ حملہ اپنے وقت اور موقع کے لحاظ سے بالکل بروقت تھا۔ چونکہ ۸ راپریل سنہ ء کو اتحادیوں نے جرمنی کی ناکہ بندی کو اور زیادہ سخت کرنے کے لئے ناروے کے پانی میں کئی اہم مقامات پر سرنگیں بچھائیں اور اسکے دوسرے دن جرمنی نے ڈنمارک، ناروے پر اپنی فوجیں اتار دیں جرمنی کا یہ اچانک حملہ نہ صرف پہلے سے سوچا سمجھا ہوا تھا بلکہ اتحادیوں کی ناکہ بندی کی کوشش سے پہلے ہی اس حملہ کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں یہی وجہ ہے کہ بیک وقت اوسلو، کرسچین سنڈ، سٹوینگر، برگن، ٹرنڈہیم اور ناروک پر جرمنوں فوجی جہازوں کے ذریعہ حملہ آور ایک دم اترے اور بہت سے اہم ناکوں پر پہنچ گئے۔

پہلے چند دن تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ اتحادیوں کا سمندر پر کنٹرول جرمنی کی مزید کمک اور تازہ دم فوجوں کو ناروے میں اترنے سے روک دیگا۔

چنانچہ ناروک کے مقام پر ایک زبردست بحری لڑائی ہوئی جسمیں اتحادیوں کو کامیابی ہوئی اور جرمنی کے تقریباً ایک درجن تباہکن جہاز اور کشتیاں ڈبو دی گئیں۔ اس کے علاوہ اتحادیوں نے جرمن کے بالٹیکی ساحل کے قریب بارودی سرنگیں بچھا دیں جنکی وجہ سے نازی حملہ کا سلسلہ انتظام درہم برہم ہوگیا۔ تاہم اتحادی جرمنی فوجوں کے بہاؤ کو نہ روک سکے۔ اور پانی اور ہوا کے ذریعہ جرمنی فوجیں تیزی کے ساتھ ناروے میں اترتی رہیں اور ایک پندرہواڑہ کے اندر ۸۵۰۰۰ (پچاسی ہزار) آدمی ناروے میں جمع ہوگئے۔

ایک ہفتہ کے بعد ٹرنڈہیم کے جنوبی اور شمالی علاقوں میں اتحادی فوجیں بھی اتر گئیں۔ اور انہوں نے یہ کوشش کی کہ اوسلو سے جو جرمنی فوجیں ریلوے لائن کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ ان کو روک دیں اور ٹرنڈہیم میں نہ گھسنے دیں۔

اتحادی فوجیں سپی ہمبر اور نومباس کی طرف بڑھ سکتی تھیں۔ لیکن جنوبی ناروے پر دوبارہ قبضہ کرنے کی کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ اور اسکی وجہ یہ تھی کہ اتحادی فوجوں کے پاس نہ تو کوئی ہوائی اڈا تھا اور نہ ہوائی طاقت کی مدافعت کیلئے کوئی معقول انتظام تھا۔ جرمنی فوجوں کی برق رفتار پیشقدمی اور متواتر ہوائی حملوں سے اتحادی فوجوں کی حالت دن بدن خراب کر دی اور ناروے میں اترنے کے پندرہ دن کے اندر اتحادی فوجوں نے واپس ہونے کا فیصلہ کر لیا۔

انگلستان سے فوجوں کے واپس ہونے میں تو کوئی دقت نہ ہو سکی لیکن نمسوس سے واپسی میں تین تباہ کن جہاز غرق ہوگئے۔ ناروک میں ابھی لڑائی باقی تھی کہ ہٹلر نے اعلان کر دیا کہ "ناروے کی مہم ہم نے جیت لی"۔

تاہم اتحادی فوجیوں نے ناروے کو نہیں چھوڑا۔ نصف اپریل تک اتحادی فوجیں ناروک میں رکی رہیں۔ اور ۱۵ مئی کو بجردک پر اور اتحادی فوجیں اتریں اور فرانسیسی ٹینکوں کی امداد سے آگے بڑھیں۔ اور خام لوہے کی بندرگاہ پر خشکی اور پانی سے زبردست بمباری کی گئی۔

۲۸ مئی کو تین ہزار جرمنی فوج پسپا ہو گئی اور اتحادیوں نے شہر پر دوبارہ قبضہ کر لیں۔

۹ جون کو دوسرے محاذ پر لڑائی کے دباؤ کی وجہ سے شمالی ناروے سے بھی اتحادی فوجیں واپس آ گئیں۔ ناروے کی حکومت نے ملک کو چھوڑ دیا۔ اور ناروے کی جنگ نازیوں کی مکمل فتح پر ختم ہو گئی۔

نازی کامیابی کا سب سے زیادہ انحصار اسکی خفیہ تیاریوں پر ہے۔ جو کہ انہوں نے جنگ سے بہت پہلے کر رکھی تھیں۔

مگر جرمنی کے ناروے پر قبضہ ہو جانے کے باوجود بھی اتحادیوں کو کافی فائدہ پہنچا۔ اور ناروے کے تجارتی جہازوں کا سارا بیڑہ اتحادیوں کے ہاتھ آ گیا۔

بلجیم - ہولینڈ اور لکسمبرگ

ناروے کی جنگ کو فتح کرنے کے بعد ہٹلر نے مغرب میں فوجی کارروائیاں پورے زور کے ساتھ شروع کر دیں اور ۱۰ مئی کو جرمنی کی مشینی فوجوں نے ایک دم بلجیم، ہولینڈ اور لکسمبرگ پر ہلہ بول دیا۔ اور بہت جلد ان تینوں ملکوں پر چھا گئیں۔ اس حملہ میں وہی داؤ پیچ استعمال کئے گئے، جو پولینڈ میں استعمال کئے گئے تھے۔ لیکن نسبتاً بہت بڑے پیمانہ پر حملہ کیا گیا تھا۔

سب سے آگے زبردست مسلح ٹینک اور فولادی گاڑیاں اس کے ساتھ ساتھ جھپٹ کر حملہ کرنے والے ہوائی جہاز دشمن کی فوجوں پر اور سلسلہ رسل و رسائل پر بے پناہ بمباری کرتے جاتے تھے۔ اسکے علاوہ ہزاروں پیراشوٹ فوجی ہوائی جہازوں کے ذریعہ دشمن کی فوجی صفوں کے پیچھے اتار دئے گئے، جنہوں نے دشمن کی فوجوں میں ابتری پھیلا دی اور بہت سے اہم مقامات پر قبضہ کر لیا۔

ٹینکوں نے پہلے تو اپنے لئے ایک خط پیدا کیا اور آگے بڑھ کر سارے میں پھیل گئے۔

اس حملہ کے پہلے ہفتہ میں جرمنوں نے جو جنگی کارروائیاں کیں انکی اسطرح توضیح کی جا سکتی ہے۔

(۱) ہولینڈ کو بلجیم سے علیحدہ کرنے کے لئے ماسٹرشٹ کے علاقہ میں میوس کے مرکز اور البرٹ کینل پر مسلح فوجوں کی بہت بڑی تعداد کے ذریعہ ایک زبردست حملہ کیا گیا۔

(۲) ہولینڈ کی میسل اور ماس والی مدافعتی لائن کے ٹکڑے کئے اور البرٹ کینل کی طرف بڑھ کر پانی کی مدافعتی لائن کو پلٹ دیا۔

(۳) فرانس کی مدافعتی قلعہ بندی یعنی میجنو لائن کے بڑھے ہوئے حصہ میں میوس کو پار کر کے سیڈان کے پاس ایک خلا پیدا کر دیا۔ تاکہ بلجیم کی فوجیں اتحادی فوجوں سے علیحدہ ہو جائیں اور "انگلش چینل" کی بندرگاہوں کی طرف بڑھنا آسان ہو جائے۔

ہولینڈ کی شکست

جرمنی فوجوں کی گرفت اتنی سخت اور ظالمانہ تھی کہ صرف پانچ دن میں ہولینڈ کی فوج کا ایک چوتھائی حصہ یعنی ایک لاکھ آدمی تباہ و برباد

ہو گئے۔ اور ہولینڈ کی مزاحمت کا خاتمہ ہوگیا۔ بہت سے ڈچ شہر روٹرڈم وغیرہ بمباری سے نیست و نابود کر دئے گئے۔ ہوائی جہازوں سے اترنیوالے فوجیوں اور پانچویں دستے کے جاسوسوں نے ملک میں ہلچل ڈالکر ڈچ فوجوں کی توجہ کو لڑائی کے اصلی مورچوں سے ہٹا دیا۔

روٹرڈم پانچ دن متواتر ہوائی فوج کے آدمیوں کے ہاتھ میں رہا اور جب تک جرمن کی بڑھتی ہوئی فوجیں وہاں تک نہ پہنچ گئیں یہ ہوائی فوجی روٹرڈم میں محصور رہے۔

بلجیم کی جنگ

بلجیم کی مدافعتی لائن کو چھیدنے میں جرمن بہت جلدی کامیاب ہو گئے۔ اور انہوں نے دریائے ڈیل کے ساتھ بڑھکر فرانس کی فوجوں سے مقابلہ شروع کر دیا۔

سینٹ ٹرونڈ کے قریب ساسٹریج اور لودین کے درمیان ایک زبردست معرکہ ہوا۔

ساسٹریج کے پاس حملہ آوروں نے جو خلا پیدا کر لیا تھا اسمیں سے فوجیں برابر آتی رہیں اور مدافعت کرنے والوں کے پشت کے پیچھے پھیلتی رہیں اسیطرح بہت جلد جرمنی فوجوں نے بلجیم کی قلعہ بندیوں درہم برہم کر دیا۔

۱۶ر مئی کو اتحادی فوجوں نے مشرقی بلجیم سے واپسی کا فیصلہ کر لیا اور مغرب کی طرف پیچھے ہٹتی گئیں۔

۱۷ر مئی کو جرمنی برسلز میں داخل ہوگیا۔

فرانسیسی مدافعتی لائن کے شگاف کی تیزی کے ساتھ وسعت نے اتحادیوں کے کامیاب جوابی حملہ کا رنگ پھیکا کر دیا۔ چینل کی بندرگاہوں کی طرف جرمن کی پیشقدمی بہت تیزی کے ساتھ جاری رہی اور ۱۹ر مئی کو حملہ آوروں نے سامبر اور اوسے کو پار کر کے لی کیٹو اور سینٹ کوینٹن پر قبضہ کر لیا۔ ۲۰ر مئی کو انہوں آمی لیکر اور اسے اوبیت تک پہنچ گئے اور اسی دن

مغرب میں جرمن مشینی فوجیں پیرونوں کے مضافات تک پہنچ گئیں۔

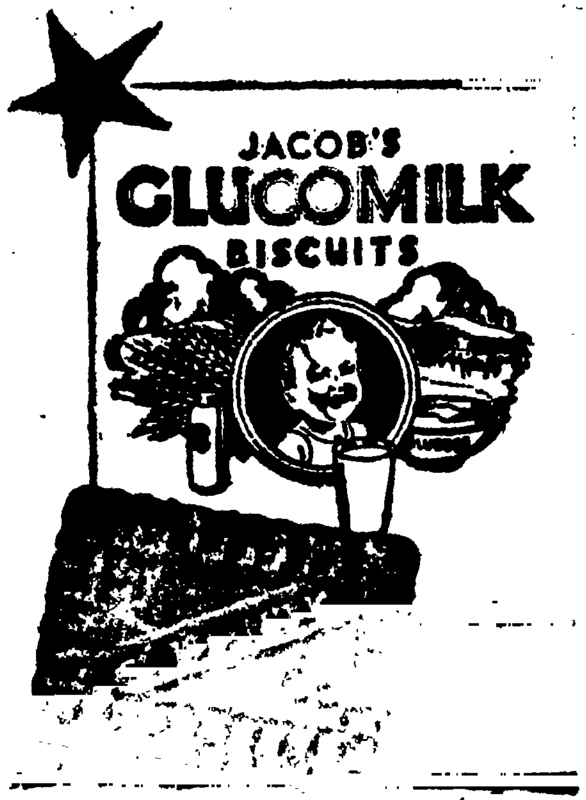
۱۴ر مئی کو جرمن ہائی کمانڈ نے فخریہ اعلان کیاکہ "تاریخ عالم کے سب سے بڑے جارحانہ اقدام کی پہلی عملی کامیابی"۔ فرانس کی نویں فوج کو شکست کر کے اسکے سپہ سالار کو مع اسکے اسٹاف کے گرفتار کر لیا گیا۔ جرمنی ہراول فوج نے اراس۔ ابیس اور ابیل لے لیا۔ برطانیہ، فرانس اور بلجیم کی فوجیں ساحل کی طرف پیچھے ہٹ رہی ہیں۔

۲۲ر مئی کو برطانوی فوجوں نے بلون کو کامیابی کے ساتھ خالی کر دیا اور جرمنی فوجیں بلون پہنچ گئیں۔

جنوب کیطرف جرمنی نے ۴۰ میل چوڑی مورچہ بندی کر کے فرانسیسی فوجوں کو اتحادیوں کی فوج سے فلنڈرز میں جرمن فوجیں شیڈٹ قلعہ بندیوں کی قطار کو پار کر کے پسپی مغربی ساحل تک پہنچ چکیں۔ اتحادیوں کے ہاتھ سے ۲۵ر مئی کو گینٹ نکل گیا اور اب انکے پاس اسکے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اپنی شمالی فوجوں کو موت کے پنجہ سے نکال لیں۔

بلجیم کی شکست۔ ۲۸ر مئی ۱۹۴۰ء کو جبکہ اتحادی فوجیں باوجود حالت خراب ہونیکے نہایت جوانمردی اور بہادری کیساتھ دشمن کی فوجوں سے پورے زور شور سے لڑ رہی تھیں کہ بلجیم کی فوجوں نے شاہ لیوپولڈ کے حکم سے ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کر لیا۔ بلجیم کی فوجیں شمال میں اتحادی فوجوں کے بایاں بازو کی حیثیت رکھتی تھیں انکے ہتھیار ڈالنے سے فلنڈرز میں برطانوی اور فرانسیسی فوج کو زبردست دھکا لگا اور جرمنی مشینی فوجیں تیزی کیساتھ ساحلی علاقوں تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئیں۔ اگرچہ برطانوی فوجیں مردانہ وار ایک ایک انچ زمین کے لئے لڑتی رہیں، لیکن انہوں نے اپنا حلقہ مختصر کر کے پیچھے ہٹتی رہیں اور ڈنکرک کے پاس رکیں۔

شاہی ہوائی فوج نے شروع سے آخر تک اتحادی فوجوں کی شجاعانہ امداد کی اور دشمن کو اپنے ناپاک مقاصد میں پورے طور پر کامیاب نہونے دیا۔



عرصہ سے کوششیں ہو رہی تھیں کہ بچوں اور ناتوانوں کیلئے ایسی غذا تجویز کیجائے جو نہ صرف طاقت دینے والی ہو بلکہ اسکے تمام اجزا نہایت اعلیٰ ہوں اور ہر مزاج کیلئے یکساں طور پر موزوں ہو چنانچہ آئرلینڈ کے مشہور بسکٹ بنانے والے **جیکب اینڈ کو نے گلوکوملک بسکٹ** ایجاد کئے جنسے یہ ضرورت پوری ہوگئی۔ ان کو "گلوکوز" گائے کے تازہ دودھ، خالص شہد، نفیس ترین مکھن اور اعلیٰ قسم کے جو وغیرہ جیسے زندگی بخش اجزا سے تیار کیا گیا ہے تمام ڈاکٹر انکی پرزور سفارش کرتے ہیں۔ تمام اچھے دوکاندار فروخت کرتے ہیں۔ آج ہی منگوائیے۔

ایجنٹ:۔ ایس جے اینڈ جی فضل الٰہی۔ کراچی۔

حسین دھوکا

ٹیگور کا حسین ترین افسانہ

از جناب پروفیسر عشرت رحمانی صاحب ایم او ایل

کانتی چندرا ابھی جوان ہی تھا مگر بیوی کے مرنے کے بعد اس نے ارادہ کیا کہ دوسری شادی نہیں کروں گا۔ اس کا زیادہ وقت گھر سے باہر جنگلوں میں شکار کے لئے گذرتا۔ وہ موٹا تازہ تندرست اور طاقتور جوان تھا۔ وہ معمولی قسم کے کپڑے پہنتا اور اس کے ساتھ ہر وقت ہر لنگہ پہلوان لکھن لال اور خانصاحب گویئے اور اسی قسم کے کچھ اور لوگ رہتے تھے۔ گویا تمام آوارہ اور بے کار لوگ اس کے پاس جمع رہتے۔

ایک روز کانتی ندی پر شکار کھیلنے گیا۔ اسکے ساتھ کچھ دوست بھی تھے۔ یہ سب کشتی میں سوار تھے۔ اور نوکروں کی ایک پلٹن بھی ان کے ساتھ کشتیوں میں تھی اور سارا گھاٹ ان کی کشتیوں سے بھر گیا تھا۔ گاؤں کی عورتوں کو گھاٹ پر نہانا بھی دشوار ہوگیا۔ دن بھر بندوقوں کی آوازوں سے جنگل گونجتا رہا۔ اور ندی میں ایک طوفان مچا رہا۔ رات بھر گانے بجانے ہوتے رہے۔ کئی روز تک یہی ہوا۔ اس شور و پکار سے گاؤں بھر کی نیندیں حرام ہوگئیں۔

اسی درمیان میں ایک دن کانتی صبح کو کشتی پر بیٹھا اپنی بندوق صاف کر رہا تھا۔ اسکے کان میں ایک بطخ کی آواز آئی۔ اس نے منہ اٹھا کر دیکھا تو سامنے ایک گاؤں کی لڑکی ندی کے کنارے دکھائی دی اور دو سفید بطخیں اس کے سینے سے لگی ہوئی تھیں۔ اسوقت چاروں طرف ندی میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ لڑکی نے بطخوں کو پانی میں چھوڑ دیا اور انھیں گھورنے لگی۔ وہ اس وقت شکاریوں کو دیکھ کر گھبرا گئی۔ بطخوں کے چلے جانے کا ڈر نہ تھا۔ وہ شکاریوں سے ڈر رہی تھی۔

لڑکی بہت خوبصورت تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حسن کی دیوی آگئی ہے۔ اس کے چہرے سے عمر کا پتہ چلانا تو ذرا مشکل تھا۔ یوں وہ قد سے جوان عورت معلوم ہوتی تھی۔ مگر چہرہ کا بھولا پن بتاتا تھا کہ بہت کمسن ہے وہ بالکل بے خبر کھڑی تھی۔

کانتی نے تھوڑی دیر کے لئے بندوق صاف کرنا بند کردی۔ وہ اسوقت اس جگہ ایسی خوبصورت لڑکی کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ وہ حیران تھا کہ یہ دیوی کہاں سے آگئی ہے۔ سماں بہت سہانا تھا۔ ٹھنڈی اور بھینی بھینی ہوا چل رہی تھی۔ اور سامنے اس لڑکی کا بھولا بھالا چہرہ ایسا دکھائی دے رہا تھا۔ جیسے ایک خوبصورت تصویر۔

تھوڑی دیر میں لڑکی نے اپنی بطخوں کو اٹھا کر سینہ سے لگایا۔ انہوں نے "قائیں قائیں" شروع کردی اور لڑکی چلتی ہوئی اور دور سامنے کے جھونپڑوں میں غائب ہوگئی۔ کانتی نے چاروں طرف دیکھا کہ لڑکی ایک دم کیوں گھبرا کر چل گئی۔ تو سامنے کشتی پر اس کا نوکر خالی بندوق اسکی طرف دکھاتا نظر آیا۔ جس پر وہ پُرغضب ہوگیا۔ اور جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے بندوق چھین کر اس کے تھپڑ رسید کیا۔

کانتی پھر اپنی بندوق صاف کرنے لگا۔ لیکن اسکی نظریں اسی طرف جمی ہوئی تھیں۔ جہاں سے بطخوں والی لڑکی کو غائب ہوتے جھاڑیوں میں دیکھا تھا۔ آخر نہ رہا گیا اور تھوڑی دیر میں چلدیا چلتے چلتے وہ ایک جھونپڑی پر

پہنچا۔ جو بہت صاف ستھری تھی۔ اس جھونپڑی کے ایک طرف ستھری سی گلنے کی ساربنی ہوئی تھی۔ اور دوسرے کنارے پر ایک قسم کے پھولوں کی جھاڑی تھی۔ وہاں پہنچکر اس نے دیکھا کہ وہی لڑکی جس کو اس نے صبح ندی پر دیکھا تھا۔ جھاڑی کے پیچھے بیٹھی ہوئی ہے اور ایک زخمی قمری اس کے ہاتھ میں ہے۔ جسے دیکھ دیکھ کر بسور رہی ہے اور پانی کے بھیگے ہوئے کپڑے سے اسکی پیلی چونچ کھول کھول کر منہ میں پانی ڈال رہی ہے۔ ایک بھوری بلی لگ سینے بچے لڑکی کے گھٹنوں پر رکھے بڑے شوق سے قمری کو تاک رہی ہے اور جب وہ بلی بڑھتے بڑھتے قمری کے قریب منہ لاتی ہے تو لڑکی اس کو دوڑ کر ہٹا دیتی ہے۔ کانتی یہ سب نقشہ دیکھ کر چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔ قریب کی سار میں گلنے جگالی کر رہی تھی اور دم ہلاتی جاتی تھی۔

ہر دا ہوا لہک کر بانسی میں شور پیدا کر رہی تھی۔ اور لڑکی خاموش جانور کے سیوا میں تھی۔ کانتی بندوق ہاتھ میں لئے اسکے قریب پہنچا۔ بندوق کی وجہ سے اس کو اپنا چور معلوم ہو رہا تھا۔ یا ایسا خونی جسکے ہاتھ اب تک خون میں رنگے ہوئے تھے۔ وہ اس الزام کو سر سے اتارنا چاہتا تھا۔ اور لڑکی کو بتانا چاہتا تھا کہ قمری کو اس نے نہیں مارا ہے۔ مگر اسکی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیسے بات شروع کرے۔ وہ اسی سوچ میں تھا کہ اندر سے آواز آئی۔ "سودھا"۔....

لڑکی اٹھ بیٹھی۔ "سودھا"..... آواز پھر آئی اور وہ قمری کو ہاتھ میں لئے دوڑتی ہوئی چلی گئی۔

کانتی نے اپنے دل میں کہا۔۔ "سودھا"۔۔ کیسا بھلا نام ہے

کانتی ایک کشتی پر لوٹ آیا۔ بندوق اپنے نوکر کو دی اور پھر اس جھونپڑی پر پہنچا۔ اب وہ دروازہ پر گیا۔ وہاں اس نے ایک ادھیڑ عمر کے برہمن کو دیکھا۔ جسکی ڈاڑھی منڈی ہوئی تھی۔ اور ایک کرسی پر بیٹھا کتاب دیکھ رہا تھا۔ کانتی نے اسکی صورت دیکھی۔ اس لڑکی کی صورت سے بہت کچھ ملتی جلتی تھی۔ کانتی نے اس کو سلام کیا اور کہا "پیاسا ہوں۔ تھوڑا سا پانی پینا چاہتا ہوں"۔

اس شخص نے کانتی کو بڑی آؤ بھگت سے بٹھایا۔ اور خود سے جا کر ایک طشتری میں شکر اور ایک صراحی میں پانی لایا۔

کانتی جب شربت پی چکا تو اس شخص نے اس سے پوچھا کہ "کہاں سے آ رہے ہیں اور کون ہیں؟"

کانتی نے اس کو اپنا نام، پتہ اور اپنے باپ کا نام بتایا۔ اور کہ "میرے لائق کوئی خدمت ہو تو فرمایئے۔ میں اسے اپنی خوش نصیبی سمجھونگا"

"نابن برزجی (اس شخص کا نام) نے جواب دیا "جی نہیں۔ مجھے کسی کام کی فی الحال حاجت نہیں۔ ہاں ایک فکر ضرور ہے۔ جو ہر وقت پریشان کرتی رہتی ہے۔"

کانتی نے پوچھا۔ "وہ کیا ہے؟"

اس نے کہا۔ "سودھا" میری لڑکی ہے اور اسکی شادی کی فکر مجھے ہر وقت ہے۔ مگر کہیں کوئی اچھا بر اس کے لئے نہیں ملتا"

(یہاں سودھا کا نام سنکر کانتی کو اس لڑکی کا بھولا بھالا چہرہ یاد آ گیا۔ اور وہ مسکرا دیا) برزجی کہتے رہے "اسکی شادی ہو جائے تو میرے سر سے بڑا بوجھ ہلکا ہو جائے اور مجھے اطمینان ہو جائے۔ یہاں کوئی انتظام اچھا نہیں ہوا۔ اور میں باہر ڈھونڈنے جا نہیں سکتا"

کانتی نے کہا "اگر یہ بات ہے تو آپ میرے پاس کسی وقت کشتی پر آیئے۔ وہاں کوئی کارآمد بات بتاؤنگا" اور ادھر ادھر کی باتوں کے بعد کانتی کشتی پر چلا گیا۔"

دوسرے روز برزجی اسکے پاس کشتی پر گیا۔ کانتی نے بڑے ادب سے سلام کیا۔ اور کچھ بات چیت کے بعد اس نے کہا "میری آرزو ہے کہ مجھے آپ اپنی غلامی میں قبول کر لیں۔ یعنی اپنا داماد بنا لیں۔"

بنرجی نے یہ سنکر کان کھڑے کئے۔ وہ کانتی کے خاندان کو اچھی طرح جانتے تھے۔ انھیں پتہ تھا۔ کہ کانتی خاندانی برہمن ہے۔ اور بڑا لدار بھی۔ کچھ دیر چپ رہکر انہوں نے کہا: "سودھا کے ساتھ تم شادی کرنا چاہتے ہو؟"

کانتی نے کہا: "جی ہاں اگر آپ منظور فرمائیں۔"

اس نے پھر پوچھا: "میری لڑکی سودھا کے ساتھ تم شادی کرنا چاہتے ہو نا؟"

کانتی نے جواب دیا۔ "جی ہاں!"۔ ۔ ۔ ۔ ۔

بنرجی نے کہا: "مگر تم نے اسے پہلے کبھی دیکھا بھی ہے یا اس سے کبھی بات چیت کی ہے؟"

کانتی نے سوچا کہ اس وقت انجان بنجانا مناسب ہے اور کہا "نہیں دیکھنے کی کیا حاجت ہے۔ رسم کے وقت ہی دیکھ سکتا ہوں۔"

بنرجی دبی آواز میں بولے: "میری سودھا۔ ۔ ۔ ۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ بہت ہوشیار لڑکی ہے۔ اور گھر کا سارا کام کاج اچھی طرح جانتی ہے۔ اور تم اگر اس کو اچھی طرح رکھوگے تو میں دعوے سے کہتا ہوں کہ کبھی کوئی شکایت اسکی طرف سے تمہیں نہ ہوگی۔"

یہ میری دعا ہے۔

بنرجی نے ایک پکا مکان مانگا اور اس میں برات ٹھہرانے کی تیاری شروع ہوگئی۔ ماگھ کا مہینہ شادی کے لئے مقرر ہوا۔

شادی کا دن آپہنچا۔ کانتی دولہا بنا۔ ہاتھی پر سوار ہوا اور بجتے ہوئے باجوں کے جلوس اور براتیوں کے مجمع میں دلہن کے مکان پر پہنچا۔ ۔ ۔ ۔ رسمیں شروع ہوگئیں۔

جب منہ دکھائی کی رسم ہوئی۔ کانتی نے دلہن کے چہرے سے کپڑا اٹھایا۔ صندل اور طرح طرح کی خوشبوؤں کی لپٹوں اور رنگ رنگ کے لباسوں اور زیوروں میں لدی ہوئی لڑکی اسکی پہچان میں نہیں آئی۔ اسکا دل مرجھا گیا۔ اس نے سوچا۔ یہ تو کوئی اور عورت ہے۔ وہ چپ چاپ رہ گیا۔ اس نے سوچا کہ بوڑھے نے میرے ساتھ دھوکہ کیا۔ جو لڑکی دکھائی تھی اسکے ساتھ شادی نہیں کی۔ کسی دوسری عورت کے ساتھ مجھے پھانس دیا۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد اس نے جب غور کیا تو خود ہی دل میں قائل بھی ہوا۔ کہ یہ خیال غلط ہے۔ کیونکہ بنرجی نے مجھے پہلے کسی عورت کو بھی نہیں دکھایا تھا اور انہوں نے نام ہی بتایا تھا۔ ساری غلطی میری ہے۔ کہ میں نے پہلے ہی ساری باتیں معلوم نہیں کیں۔

یہ سوچ کر وہ خاموش ہوگیا کہ کسی کے سامنے کہنے سننے سے دنیا ہنسے گی اور کوئی نتیجہ نہیں ہوگا۔ جو کچھ ہونا تھا ہوچکا۔ وہ دل ہی دل میں غصہ کو پیتا رہا۔ اور رسمیں ہوتی رہیں۔

وہ چپ بیٹھا تھا کہ تھوڑی دیر میں اسے معلوم ہوا کہ دلہن جو اس کے پاس بیٹھی تھی کچھ کسمسائی اور ساتھ ہی کچھ پاؤں کی آہٹ سی ہوئی کہ جیسے کوئی آتا جاتا ہے۔ اور برابر کے کمرے میں جو عورتیں جمع تھیں ان میں سے آواز آئی۔ "دھت! دیوانی کہیں کی"! اس نے منہ اٹھا کر دیکھا تو وہی لڑکی سامنے تھی جو اس نے ندی کے کنارے دیکھی تھی۔ وہ آکر ان دونوں دولہا دلہن کے پاس چپکی بیٹھ گئی اور ان کے منہ جھانکنے لگی۔ اتنے میں ایک نوکرانی آئی اور اس کو زبردستی گود میں اٹھاکر باہر لے جانے لگی۔ اس پر کانتی نے کہا: "بیٹھی رہنے دو"

اور اس لڑکی سے پوچھنے لگا: "تمہارا کیا نام ہے؟"

اس لڑکی نے کچھ جواب نہیں دیا۔ کمرے میں تمام عورتوں میں کانا پھوسی ہونے لگی۔

کانتی نے پھر اس سے پوچھا: "وہ تمہاری بطخیں اب کتنی بڑی ہوگئی ہیں؟"

لڑکی اس پر بھی اسی طرح چپ بیٹھی رہی۔ جیسے پہلے تھی مگر کانتی چپ نہیں ہوا۔

اس نے اسکی زخمی قمری کو پوچھا "وہ اب کیسی ہے؟ . . . ؟"
لیکن کوئی جواب نہ پایا۔ کمرے سے شمشموں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

آخر کانتی کو معلوم ہو گیا کہ لڑکی بہری اور گونگی ہے۔ اس کے ساتھی اور ہجولی فقط بے زبان جانور ہیں۔ اور کوئی بات نہیں . . .

یہ ایک اتفاق تھا جو کانتی کے سامنے اس روز کسی نے گھر میں سودھا کو پکارا اور وہ اس آواز پر اٹھ کر چلی گئی۔ کانتی دھوکہ میں رہا اور اس گونگی لڑکی کا نام اس نے "سودھا" جان لیا۔

کانتی اپنی اس غلطی اور سمجھ کے دھوکہ پر دل ہی دل میں افسوس کرتا رہا۔ اور جو کچھ ہو چکا تھا اسے چپ چاپ صبر کے ساتھ برداشت کرنے کو تیار ہونا پڑا۔ اس نے روشنی میں پھر اپنی بیاہتا بیوی کی صورت غور سے دیکھی اور دل میں کہا: "پرماتما بزرجی کی دعا پوری ہو!"

(ڈاکٹر ٹیگور کی بنگالی کہانی سے براہ راست ترجمہ)

لختِ جگر :- حضرت جگر مرادآبادی کا تازہ کلام

دل میں کسی کے راہ کیے جا رہا ہوں میں
کتنا حسین گناہ کیے جا رہا ہوں میں

فردِ عمل سیاہ کیے جا رہا ہوں میں
رحمت کو بے پناہ کیے جا رہا ہوں میں

ایسی بھی ایک نگاہ کیے جا رہا ہوں میں
ذروں کو مہر و ماہ کیے جا رہا ہوں میں

گلشن پرست ہوں مجھے گل ہی نہیں عزیز
کانٹوں سے بھی نباہ کیے جا رہا ہوں میں

تنقیدِ حسن مصلحتِ خاص عشق ہے
یہ جرم گاہ گاہ کیے جا رہا ہوں میں

اٹھتی نہیں ہے آنکھ مگر اسکے روبرو
نادیدہ اک نگاہ کیے جا رہا ہوں میں

مجھ سے لگے ہیں عشق کی عظمت کو چار چاند
خود حسن کو گواہ کیے جا رہا ہوں میں

گیس کی تاریخ

دورحاضرہ کی لڑائیوں میں دوسرے آلات حرب کے ساتھ گیس کا نام بھی اکثر آتا رہتا ہے۔ جنگی اصطلاح میں "گیس" ایک سیال یا ٹھوس کیمیاوی مادہ کو کہتے ہیں جو توپ کے گولے اور بم کی طرح دشمن کی فوج یا شہری آبادی کو ہلاک کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

گیس کی تاریخ

دوران جنگ میں گیس کا استعمال کوئی نئی چیز نہیں بلکہ کہا جاتا ہے کہ چار سو تئیس (۴۲۳) برس قبل مسیح یورپ کے ملک اسپارٹا والوں نے اسے اپنی جنگ میں استعمال کیا تھا البتہ آج کل وہ جس صورت سے کام میں لائی جاسکتی ہے۔ اس کا سب سے پہلا نمونہ گذشتہ جنگ عظیم میں پیش کیا گیا تھا۔ پچھلی لڑائی میں برطانیہ کو معلوم تھا کہ اگر کوئی ملک گیس کی لڑائی شروع کردے تو اسکے اثرات بہت ہلاکت انگیز ثابت ہونگے۔ مگر چونکہ سنہ ۱۹۰۰ء کے میثاق ہیگ میں تقریباً ہر ملک نے وعدہ کیا تھا کہ ہم جنگ میں گیس کا استعمال نہیں کرینگے۔ اسلئے برطانیہ کو یقین تھا کہ جرمنی اس عہد کی خلاف ورزی نہیں کرےگا۔ لیکن سنہ ۱۹۱۵ء کے اوائل میں جنگ یپرس کے موقع پر جرمن فوج نے یکایک اتحادی افواج پر گیس کا حملہ کر دیا۔ چونکہ یہ حملہ بالکل غیر متوقع تھا۔ اسلئے اتحادیوں کو کچھ نقصان بھی ہوا۔ لیکن جلد ہی اس کا تدارک کر لیا گیا۔

گیس بننے کے شرائط

جنگ عظیم کے بعد سے ہر ملک نے گیس اور اسی قسم کے دیگر کیمیاوی آلات حرب میں ترقی دینا شروع کی۔ لیکن اسوقت تک کوئی ایسی نئی جنگ کی گیس تیار نہیں ہوئی ہے۔ جو پچھلی لڑائی میں استعمال نہ ہو چکی ہو۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ سائنس کے دارالتجربہ میں بیٹھکر کوئی گیس بنا لینا اور بات ہے۔ اور میدان جنگ میں کام آنے والی گیس کی تیاری دوسری چیز ہے۔ چونکہ مؤخرالذکر قسم کی گیس بنانے کے لئے شرطیں درکار ہیں۔ مثلاً

اسے سستی ہونا چاہئے۔

کافی مقدار میں آسانی سے تیار ہو سکے۔

اسکے استعمال سے کوئی دقت نہ ہو۔

ہوا سے زیادہ وزنی ہو۔

ان شرائط کی وجہ سے جنگی گیس تیار کر لینا آسان کام نہیں ہے اور اسی وجہ سے کوئی جدید جنگی گیس ابھی تیار نہیں ہوئی ہے۔

گیس کے حملہ کا اثر

"گیس" ایک نہایت خاموش اور غیر مرئی حربہ ہے۔ بم یا توپ کے گولے کی طرح "گیس" کے حملہ میں آواز نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ چیتے کی طرح کام کرتی ہے۔ گیس کو دور سے کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ ہاں جب اس کا مادہ قریب پہنچتا ہے۔ تو اس کا پتہ چلتا ہے۔

چونکہ "گیس" میں نہ کوئی آواز ہوتی ہے نہ وہ دکھائی پڑتی ہے اسلئے اس کا حملہ نہایت مؤثر ہوتا ہے۔ "گیس" میں ایک خاص بات یہ بھی ہوتی ہے کہ اس کا اثر صرف ان ہی لوگوں تک محدود نہیں ہوتا جن پر حملہ کیا گیا ہو بلکہ جس جگہ "گیس" "پھینکی گئی ہو" اسکے چاروں طرف میلوں رہنے والے باشندوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔ گیس ان مقامات

میں بھی اپنا اثر دکھا سکتی ہے۔ جہاں بم کے گولے نہ پہنچ سکتے ہوں۔ ایسے یہ کہنا صحیح ہوگا کہ گیس۔ بم اور گولہ سے زیادہ ہلاکت انگیز اور نقصان رساں ہے۔ گیس کے حملہ کا سب سے بڑا اثر شہروں کی قوت برداشت پر پڑتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ محافظ گیس نقاب وغیرہ پہننے سے گیس کے مضر اثرات سے ایک بڑی حد تک بچاؤ ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر کسی مقام پر گیس کے حملہ کا ہر وقت خدشہ لگا ہے اور اسی خدشہ کی بدولت آدمی ہر وقت اس قسم کے نقاب پہنے رہیں تو یہ طریقہ انتہائی تکلیف دہ اور پریشان کن ثابت ہوگا۔ اور نتیجہ یہ ہوگا کہ شہری آبادی جنگ سے سخت پریشان ہو جائے گی۔

گیس کی خامیاں

گیس کے فوائد اوپر بیان کر دئے گئے ہیں۔ لیکن فوائد کے ساتھ اسمیں کئی خامیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ اول تو گیس کا استعمال موقع بے موقع ہر وقت نہیں کیا جا سکتا! اسکے استعمال کے لئے ضرورت ہے کہ ہوا موافق ہو تاکہ جسطرف گیس پھینکنا مقصود ہو اسی طرف وہ جا سکے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس سمت گیس کو پھینکنا ہے۔ ہوا اسکے مخالف چل رہی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گیس استعمال کرنے کے لئے اسوقت تک انتظار کرنا پڑتا ہے جب تک ہوا موافق نہ ہو جائے۔ دوسرے ہتھیاروں کے لئے ہوا کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا۔ اسکے معنی یہ نہیں کہ گیس کا نمبر دوسرے ہتھیاروں کے بعد آتا ہے۔

اسکے علاوہ گیس کے نقاب اور اسی قسم کے دوسرے آلے انسان کو گیس کی تمام ہلاکت آفرینیوں سے بہت کافی محفوظ رکھ سکتے ہیں جس شہر میں .... لوگوں کے پاس کثرت سے نقاب وغیرہ ہیں انھیں گیس سے زیادہ خطرہ نہیں ہو سکتا۔ اور اسی وجہ سے برطانیہ کے ہر حصہ میں اور احتیاط کے لئے بمبئی اور کلکتہ میں کثرت سے ایسے نقابوں وغیرہ کا انتظام کر دیا گیا ہے۔

گیس کی قسمیں

گیس دو قسموں کی ہوتی ہے۔ ایک مہلک۔ دوسری غیر مہلک۔ مہلک گیس سے انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ یہ گیس جسم کے اندر سرایت کر جاتی ہے۔ اور کچھ دیر بعد آدمی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اسکے علاوہ وہ جلد ہی فضا میں منتشر ہو کر ہوا میں مل جاتی ہے۔ اور پھر اس کا کوئی نشان نہیں رہتا۔ لیکن مہلک گیس جب تک کثرت سے استعمال نہ کی جائے اس کا اثر نہیں ہوتا۔ اس قسم کی گیس میں ایک طرح کی بو بھی پائی جاتی ہے۔ جس سے اس کا پتہ بھی چل جاتا ہے۔

غیر مہلک گیس سے انسان مرتا نہیں بلکہ اسے صرف عارضی تکلیف ہوتی ہے۔ البتہ غیر معمولی حالات میں آدمی بھی مر جاتا ہے۔ غیر مہلک گیسوں میں سے بعض ایسی ہوتی ہیں جن سے چھینکیں آنا شروع ہو جاتی ہیں۔ بعض سے آنسو نکلنے لگتے ہیں اور بعض آبلے ڈال دیتی ہیں۔ آبلہ ڈالنے والی گیس کی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک سرسوں کی گیس دوسری لوئی گیس۔

مہلک اور غیر مہلک کے علاوہ گیس کی دو قسمیں اور بھی کی جا سکتی ہیں۔ ایک وہ جو پائیدار اثر رکھتی ہوں اور دوسری وہ جو ناپائیدار اثر کرتی ہوں۔ موخر الذکر گیس جب چھوڑی جاتی ہے تو تھوڑی دیر کے بعد ہی اس کا اثر زائل ہو جاتا ہے اور پھر اس سے کوئی خطرہ نہیں رہتا۔ پائیدار گیسوں کا اثر کافی عرصہ تک قائم رہتا ہے۔ بلکہ سرسوں کی گیس تو کئی ہفتوں تک مضرت رساں رہتی ہے۔ اور جنگ میں اس گیس کے استعمال کا زیادہ امکان ہے۔

سرسوں کی گیس

سرسوں کی گیس تیل کی طرح ایک رقیق مادہ ہوتی ہے۔ جس سے آدمی یا جانور کے بدن پر آبلے یا زخم پڑ جاتے ہیں۔ جو کئی ہفتوں کے بعد اچھے ہوتے ہیں۔ اگر یہ گیس آنکھوں میں پڑ جائے تو بصارت جاتی رہتی ہے۔ سرسوں کی گیس بھاپ کی طرح بھی ہوتی ہے اور اس بھاپ سے بھی اتنا ہی نقصان ہوتا ہے جتنا رقیق گیس سے۔ اگر یہ بھاپ پیٹ میں چلی جائے یا کوئی ایسی غذا کھالی جائے جس میں اس کا اثر ہو تو انسان اکثر مر جاتا ہے۔ کھال پر اسکا اثر تھوڑی

دیر کے بعد معلوم ہوتا ہے۔ یعنی اگر جسم کے کسی حصہ پر تھوڑی سی گیس پڑجائے تو پہلے پتہ نہیں چلتا۔ لیکن دس ہی منٹ کے اندر اندر وہ جسم کے اندر سرایت کرجاتی ہے اور چند گھنٹوں کے بعد کھال پر آبلہ پڑ جاتا ہے۔ اگر کوئی آدمی کسی ایسی چیز کو چھوئے یا کسی زمین پر کھڑا ہو جائے۔ جہاں سرسوں کی گیس پڑی ہو تو بھی اسکے جسم پر اثر ہو جاتا ہے۔ سانس لینے والی نلکی سے انسان گیس کی بھاپ سے تو بچ سکتا ہے لیکن اگر جسم کے کسی بالائی حصہ پر اس کا اثر ہو جائے تو یہ نلکی بیکار ہے

"لوئی گیس" بھی آبلہ ڈالنے والی گیس کی ایک قسم ہے۔ اس گیس کا نام اسکے موجد "لوئی" کے نام پر پڑا ہے۔ اسکا اثر بھی سرسوں کی گیس کیطرح ہوتا ہے۔

یہ دونوں گیسیں بہت خطرناک ہیں اور ان سے بچنے کیلئے بہت تدبیریں اختیار کرنی پڑتی ہیں جس خطہ میں یہ گیسیں گرائی جاتی ہیں اس خطہ کو جبتک پوری طرح انکے جراثیم سے پاک نہیں کیا جاتا۔ وہ ہمیشہ خطرناک بنا رہتا ہے۔ یہ گیسیں سستی بھی ہوتی ہیں اور کثرت سے تیار بھی کی جاسکتی ہیں۔ علاوہ بریں وہ کافی مضبوط بھی ہوتی ہیں اور دیرپا بھی۔ ہوا پہنچانے والی نلکی انکے سامنے بیکار ہے اور ان سے بچنے کے لئے خاص لباس پہننے کی ضرورت ہے۔

امریکہ کی گیس

گذشتہ جنگ عظیم کے آخری ایام میں امریکہ نے بھی کئی قسم کی خاص گیسیں تیار کی تھیں۔ ان میں سے ایک "میتھل" گیس بھی تھی یہ گیس جرمنی کی سرسوں گیس سے ستر گنی زیادہ مہلک تھی۔ اگر اس گیس کا ایک قطرہ ہاتھ پر گر جاتا۔ تو چند گھنٹوں کے اندر موت واقع ہو جاتی۔ لیکن یہ گیس جنگ میں استعمال نہیں کیگئی نہ تھی کہ صلح کا اعلان ہوگیا اور حکومت امریکہ نے اس گیس کا سارا ذخیرہ سمندر میں پھنکوا دیا۔

"لوئی" گیس بھی امریکہ میں تیار کیگئی تھی۔

ہندوستان اور گیس کی جنگ

لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ان تمام ہلاکت آفریں اختراعات کے باوجود گذشتہ جنگ میں دوسرے ہتھیاروں سے جانوں کا جتنا نقصان ہوا اتنا گیس سے نہیں ہوا۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ گیس سے بچنے کے اگر معقول انتظامات کرلئے جائیں تو اس سے کوئی خاص نقصان پہنچنے کا زیادہ اندیشہ نہیں ہے۔ اس معاملہ میں ہندوستان کو دوسرے ملکوں کے مقابلہ میں اور بھی کم خطرہ ہے۔ کیونکہ اس ملک کی آب و ہوا گیس کے حملہ کے موافق نہیں ہے اور اسکی امید نہیں پائی جاتی کہ اگر گیس کی لڑائی شروع ہو جائے تو ہندوستان کو بھی اس خطرہ کا سامنا کرنا پڑے گا۔

گیس کے استعمال اور اس سے بچنے کے طریقے

جنگ میں حسب ذیل تین طریقوں سے گیس استعمال کیجاسکتی ہے

(۱) نلکی یا کسی پھینکنے والے یا گیس نکالنے والے آلہ سے۔

(۲) توپ سے (۳) ہوائی جہاز سے۔

جرمنی نے اپنا سب سے پہلا گیس کا حملہ نلکی ہی سے کیا تھا۔ ان نلکیوں کو رات کے وقت اتحادی فوج کے سامنے رکھدیا گیا تھا۔ اور جب ہوا موافق ہوئی تو گیس چھوڑدی گئی تھی۔ یہ طریقہ اچھا اور سستا ہے اس سے ایک تو کافی گیس چھوڑی جاسکتی ہے۔ دوسرے حملہ نہایت خاموشی سے اور وسیع پیمانہ پر ہوسکتا ہے تیسرے چونکہ نلکیاں ہر ملک میں کافی تعداد میں ہوا کرتی ہیں۔ اسلئے انکے فراہم کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔ لیکن اسمیں ایک سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ جب تک ہوا سازگار نہ ہو گیس چھوڑی نہیں جاسکتی۔ اسطرح بعض مرتبہ گیس کی نلکیاں کئی کئی روز تک بغیر استعمال پڑی رہ سکتی ہیں۔ اس کا ہر ممکن خطرہ ہے۔ اگر دشمن نے اس دوران میں اپنی بمباری کردی تو نلکیاں پھٹ جائینگی۔ اور ان سے گیس نکل پڑیگی جو بہت ممکن ہے کہ خود اپنے ہی علاقہ میں پھیلکر اپنوں ہی کا موجب تباہی ہوں۔ اسکے علاوہ نلکیوں

کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے میں بھی بہت دقت ہوتی ہے۔ انہی وجوہ کے باعث جنگ ہی میں نلکیوں کا استعمال تھوڑے دن کے بعد ترک کر دیا گیا تھا۔

نلکیوں کے بعد پھینکنے والے آلوں سے کام لیا گیا۔ ان پھینکنے والے آلوں کی ایک قسم بندوق کی طرح ہوتی ہے۔ انکی نلی میں گیس کے چھوٹے گولے رکھدیے جاتے ہیں۔ یہ گولے جب داغے جاتے ہیں تو نلی سے نکلکر پھٹ جاتے ہیں اور ان سے گیس نکل پڑتی ہے۔ ان آلوں میں اس چیز کا انتظار نہیں کرنا پڑتا کہ ہوا موافق ہو تو حملہ کیا جائے۔ دوسرے ان آلوں سے ہر طرف نشانہ باندھا جاسکتا ہے۔

پھینکنے والے آلے کی ایک اور قسم ہے جسکی مار پہلے والے سے زیادہ دور تک ہوتی ہے۔ گولہ زیادہ تیزی سے جاتا ہے اور نشانہ بھی عمدہ بیٹھتا ہے مگر اس آلہ کے گولے میں گیس کا مادہ پہلے والے آلے کے گولے کے مقابلہ میں کم ہوتا ہے۔

گیس نکالنے والے آلے

گیس نکالنے والے آلے کو آدمی ہاتھ سے اٹھاسکتا ہے اور دست بدست جنگ میں کام آتا ہے۔ اس آلہ میں جب گرمائی پہنچائی جاتی ہے تو اسمیں سے گیس نکلنا شروع ہو جاتی ہے۔

توپ کے گولوں میں ہر قسم کی خصوصاً آبلہ ڈالنے والی گیس بھری جاسکتی ہے۔ اسکی مار بہت دور تک ہوتی ہے اور ہر سمت سے نشانہ باندھا جاسکتا ہے مگر اس قسم کے گولوں کے لئے بہت ضروری ہے کہ وہ مضبوط ہوں۔ تاکہ قبل از وقت پھٹ نہ جائیں اسلئے ان میں زیادہ گیس بھری نہیں جاتی اسی وجہ سے حملہ کو مؤثر بنانے کے لئے ان کا کثرت سے استعمال کرنا پڑتا ہے۔ ان گولوں سے ان شہروں پر جو سمندر کے ساحل پر واقع ہیں آسانی سے حملہ کیا جاسکتا ہے۔

ہوائی جہاز سے دو طریقوں سے حملہ کیا جاسکتا ہے ایک تو گیس کے بموں سے دوسرے گیس برسانے والی ٹینکوں سے

گیس کے بم میں بھی ہر طرح کی گیس خصوصاً آبلہ ڈالنے والی گیس بھری جاسکتی ہے۔ ان بموں میں گیس کی کافی مقدار ہوتی ہے اور انہیں معمولی بموں کی طرح پھینکا جاسکتا ہے۔

گیس برسانے والی ٹینکوں میں گیس بھری رہتی ہے اور ان ٹینکوں کو ہوائی جہاز پر رکھ دیا جاتا ہے۔ جب ان ٹینکوں کا منہ کھولا جاتا ہے تو اسمیں سے بارش کے قطروں کی طرح گیس برسنے لگتی ہے۔

گیس سے حفاظت کرنیوالے آلے

جسطرح ہر زہر کا تریاق موجود ہوتا ہے۔ اسی طرح گیس کے حملہ سے بچنے کے لئے بھی کئی چیزیں تیار کر لی گئی ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ اہم سانس لینے والے آلے ہیں۔ ان آلوں کی تین خاص قسمیں ہیں۔ یہ آلے اس طرح کے ہوتے ہیں کہ آدمی انھیں سر پر اوڑھ لیتا ہے اور اس سے ناک اور منہ بند ہو جاتے ہیں۔ اور آلے ہی کی ایک نلی کے ذریعہ سانس بھی لی جاسکتی ہے۔

سانس لینے والے نقابوں کے علاوہ آنکھ بچانے والی نقاب ہوتی ہے جسے پہن کر انسان برسنے والے گیس سے آنکھ کو محفوظ رکھ سکتا ہے۔ ایک تیل ہوتا ہے جسے بدن پر مل لینے سے گیس کے جراثیم دور ہو سکتے ہیں۔ جو جسم پر گر گئے ہوں۔ ایک طرح کا محافظ گیس لباس پہن کر شہر کو بھی گیس کے جراثیم سے پاک کیا جاسکتا ہے یا اور دوسرے کام بھی کئے جا سکتے ہیں۔ ایک گیس شناس آلہ بھی ہوتا ہے جس سے آبلہ ڈالنے والی گیس کی موجودگی کا پتہ چل سکتا ہے۔ اور ایک صاف کرنیوالا پاؤڈر ہوتا ہے۔ جس سے اس قسم کی گیس کے اثر کو زائل کیا جاسکتا ہے۔

ان تمام آلوں کی بدولت شہری آبادی گیس کے حملہ سے بہت حد تک محفوظ رہ سکتی ہے۔



آج تیرا دل ہی کافر، کل مسلماں تھا تو کیا
اب گماں آباد ہے، کل شہر ایماں تھا تو کیا

آج تیرے دل میں بھی اسکی جھلک باقی نہیں
کل ترے چہرے سے نورِ حق نمایاں تھا تو کیا

آج چشم جہل کا حسرت بھرا آنسو ہے تو
کل ترا دل گوہر دریائے عرفاں تھا تو کیا

آج تجھ کو اپنے گھر کا راستہ ملتا نہیں
کل اگر تو رہنمائے نوع انساں تھا تو کیا

آج تو یکسر رہین منت اغیار ہے
کل ہر اک گردن پہ تیرا بارِ احساں تھا تو کیا

آج تیرے حامیوں کے دل پہ ہے شکوہ تر
کل مخالف بھی اگر تیرا ثنا خواں تھا تو کیا !

آج تیرا بار اٹھانے سے زمیں بیزار ہے
کل جو دورِ چرخ تیرے زیرِ فرماں تھا تو کیا

آج تو دوش ہوا پہ ہے ترا مشت غبار
کل ترے قبضہ میں گر تختِ سلیماں تھا تو کیا

آج تجھ کو دیکھتا ہوں میں غلاموں کا غلام
کل جو ہفت اقلیم میں تو شاہ شاہاں تھا تو کیا

آج دنیا میں ترا جینا بھی مشکل ہو گیا
کل تجھے حق کیلئے مرنا بھی آساں تھا تو کیا

آج صحرا میں پریشاں ہیں ترے نالے اسد
کل جو تو صحنِ گلستاں میں غزلخواں تھا تو کیا

امارت

از جناب شیخ محمد یوسف صاحب

سن تو سہی ہے تیرا جہاں میں فسانہ کیا
کہتی ہے خلق خدا تجھ کو غائبانہ کیا

مفکرین عالم کا خیال ہے کہ مفلسی دنیا کی بدترین لعنت ہے۔ ممکن ہے یہ نظریہ دنیا اور اہل دنیا کے لئے ماسوا ہماری قوم کے درست ہو۔ یہاں تو وہی مثل صادق آتی ہے کہ "ہم اپنے بات الٹی یار الٹا"۔ چنانچہ ہمارے ہاں اگر کوئی بدترین لعنت ہے تو وہ امارت، وہ امارت جس کے لئے دنیا کا ہر فرد دلبشر شب و روز رنج و محن برداشت کرتا ہے۔ وہ امارت جو بیشتر دنیا والوں کے دل میں صرف آرزو بنکر رہ گئی ہے یہانتک کہ اوائل جوانی سے اواخر زندگی تک کی لگاتار محنت و کوشش کے باوجو جب رخت آخرت باندھا جاتا ہے تو وہی چند پھوٹی کوڑیاں اور باقی رہے نام خدا کا کیوں؟ اسلئے کہ دنیا کی آبادی کا بیشتر حصہ غربا پر مشتمل ہے۔ نہ معلوم خدا کے کتنے بندے ایسے ہیں جنہیں دن بھر کی جانفشانی اور سخت محنت کے بعد بھی پیٹ بھر کھانا نصیب نہیں ہوتا اور طلوع آفتاب کے پہلے ہی ان کے دل و دماغ پر روز اول کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے۔ ننھے ننھے بچوں کا بلبلانا۔ بیوی کا نیم برہنہ لباس، کرایہ دار کا سخت تقاضا اور مالک کا خوف۔

تمام خطرات ہی اس تن نیم جاں کو کہ شاید جس کو مہینہ بھر کامل آرام کی ضرورت ہے۔ دوبارہ کام پر لا کھڑا کرتے ہیں۔ یقین مانیے اس غریب کی حالت جس قدر دگرگوں ہوتی ہے وہی خوب جانتا ہے۔ چونکہ بقول کسی کے "جس تن بیتے وہی جانے" اور پھر تمام دن کی لگاتار محنت و تکلیف کے بعد جب وہ گھر واپس لوٹتا ہے۔ تو معلوم ہے کہ اسکی جیب میں چاندی کے کتنے ٹکڑے ہوتے ہیں؟ بہ مشکل چند گالیاں طعنوں کے کچھ زخم اور حسرت بھرا دل۔

گھر وہ گھر جسے لوگ دنیا کی جنت کہتے ہیں۔ جسے دنیا کے پرستار امن و آشتی کا کامل نمونہ بتاتے ہیں۔ اس گھر میں جب وہ واپس آتا ہے تو دیکھتا ہے کہ اس مفروضہ جنت میں حقیقی خوشی و انبساط کے بجائے مفلسی کی دیوی کی پوجا ہو رہی ہے۔ راستہ بھر وہ اسی خیال میں مستغرق رہا کہ بیوی کو کیا جواب دے گا؟ بچوں کو کیسے سمجھائے گا؟ مالک مکان کو مطمئن کرنے کا کیا ذریعہ ہو سکتا ہے؟ پیسے نہیں ملے! یہ تو میں کل ہی کہہ چکا ہوں۔ مالک موجود نہ تھا! بھلا مکاندار اسے کیسے تسلیم کرے گا۔ اور گردھاری لال محلہ کا بنیا........ اس نے تو کل محلہ میں قدم رکھتے ہی سخت تقاضا کیا تھا۔ اب وہ کیوں مزید قرض دینے لگا۔ خدایا تو نے مجھے اس دنیا میں پیدا ہی کیوں کیا تھا؟ آخر یہ سب کچھ کس گناہ کی پاداش میں بھگتنا پڑ رہا ہے۔ اپنے پیٹ پر کوئی پتھر پر پتھر باندھے لیکن ان معصوموں کو کوئی کیا جواب دے؟

یہ ہے ایک نادار کی زندگی کا ہلکا سا مرقع۔ یقیناً ہر شخص ایسی زندگی سے پناہ مانگے گا۔ مگر آپ کو معلوم ہے کہ دنیا میں ایسے بھی لوگ ہیں۔ جنہوں نے دنیا میں ہر ایک کو ایسا ہی بنانے کا تہیہ کر لیا ہے وہ چاہتے ہیں کہ قوم کا ہر کس و ناکس (خدا نخواستہ) ایسی ہی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جائے شاید آپ کو تعجب ہوگا کہ آپ کی قوم جو سب سے

زیادہ زکوٰۃ ادا کرتی ہے ہزاروں نماز نفل پڑھتی ہے اور جس کا ہر فرد زندگی میں ایک بار حج بیت اللہ کا شوق رکھتا ہے۔ اس میں ایسا بھی کوئی شقی القلب موجود ہو سکتا ہے۔

ہاں ہاں ایک نہیں ہزار گننے۔ کیا بتاؤں یہ محسن کون ہیں؟ رسومات کے موجد اور ان کے پجاری۔ رسم و رواج کو فخریہ اور علی الاعلان گنانے والے۔ نت نئی رسوم کے ادا کرنے والے۔ آپ کی قوم کے وہ بد نصیب امیر و رئیس جن پر آپ کو بڑا ناز ہے۔ جو قوم کے ستون قائم تصور کئے جاتے ہیں۔ ان کی شادی، منگنی اور عقیقہ کے وہ فریضے جو بصد عجز و احترام ادا کئے جاتے ہیں۔ جن میں اگلے پچھلے حسرت و ارمان نکالے جاتے ہیں۔ بھاری بھاری زیور، شاندار ضیافتیں اور پر تکلف مجلسیں جو شاید ان ہی کے کسی ہم قوم کی نظر میں باغِ ارم، جنتِ شداد اور بہشت خداوندی سے کسی طرح کم نہیں۔

کل قوم کے کسی اوسط درجہ کے فرد کا یہ موقع آتا ہے معلوم ہے۔ اسکی بیوی (جو مذکرہ بالا صاحب کے ہاں مدعو تھی) کیا کہتی ہے؟ حاجی صاحب کی طرح قوم کی دعوت کرونگی۔ سونے کے اگر نہ سہی تو ملمع کے ہی۔ اتنے زیور ضرور ہوں۔ لیگ! ادھنہ۔ یہ بہانہ مردوں کے ہاتھ خوب لگ گیا ہے۔ قوم میں کیا نہیں ہو رہا ہے۔ خود لیگ کے ممبروں کے ہاں ہاتھی غرق ہو جاتے ہیں اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔ سب کچھ چھپے چوری ہو رہا ہے۔ اور ہو گا۔ دیکھنا کسی دو نوالے کھا لینے سان نہیں تھے۔ اب خدا خدا کر کے یہ وقت آیا ہے تو ہماری ناک بھی نی نہ ہو۔ اللہ سلامت رکھے میری آنکھوں کے تو یہی دو (بچے) ہیں۔ ان سے بھی ارمان نہ نکلے تو اور کونسا وقت آئے گا۔

مرد ہزار سمجھاتا ہے۔ مگر مجبور ہے۔ خود غور کرتا ہے تو اپنے دوسروں کا شرمندۂ احسان پاتا ہے۔ کرتا ہے۔ . . . سب کچھ رتا ہے۔ سال بھر بعد دکان ختم۔ نوکری نایاب۔ مزدوری بس کی نہیں۔ آئندہ کی گزران خدا بہتر جانتا ہے۔

یہی نہیں کہ متوسط درجہ کے لوگ تباہ و برباد ہو جاتے ہیں، بلکہ دو تین شادیوں کے بعد حاجی صاحب بھی اسی دائرے میں آ جاتے ہیں وہی حاجی صاحب جو کل کاروبار میں سب سے زیادہ کھرے تھے اور وقت سے پہلے روپیہ دینے والے تھے۔ آج سو سو روپیہ کے لئے دکانداروں کو دسیوں پھیرے کرواتے ہیں۔ نتیجتاً کاروبار درہم برہم پڑ جاتا ہے۔

یہ ہے وہ قابل قدر امارت، یہی ہے وہ روپیہ پیسہ جس کے لئے ایک دنیا جہاں سرگرداں و پریشان ہے۔

امارت ایک ایسا خوشنما درخت ہے۔ جس میں فضول خرچی کی نازک ٹہنیاں دوسروں کو قعرِ ذلت میں گرانے والی کونپلیں نمود و نمائش کے حسین پھول اور ذلت و خواری، شرمندگی، قرض کے نفرت انگیز ثمر لگے ہوئے ہیں۔

بلا شبہ روپیہ بذاتِ خود کوئی بری شے نہیں ہے مگر اسکے استعمال کرنے والوں میں نقص ہے۔ کیا دنیا کی ایجادیں اور سکونِ قلب و طمانیت روح کا باعث یہی امارت ہے۔ اس روپیہ سے ایک نیک دل تعلیم گاہوں کا اجرا کرتا ہے۔ اور اس دولت کو خرابی شراب خانہ کی نذر کر دیتا ہے۔ یہی پیسہ کسی پابند رسوم کی جیب میں جا کر اس کے لئے فاقہ مستی، قرض اور ناداری کا سبب بنتا ہے۔

اے رسوم قبیحہ کے ادا کرنے والو! ڈرو اس وقت جب خدائے قہار ان پر گرفت کو سخت کرے۔

صنعت و حرفت

ہوزری

از جناب شیخ محمد یوسف صاحب کھوکھر، مالک نیشنل ہوزری مل ۔ دہلی

دنیا بھر میں کپڑا چار طرح سے بنا جاتا ہے۔ اول تانے اور بانے سے جسے انگریزی میں ویونگ کہتے ہیں۔ دوسرے صرف تانے سے جسے انگریزی میں وارپ نٹنگ کہا جاتا ہے۔ تیسرے صرف پریس کے ذریعہ جسے عام طور پر نمدہ کہتے ہیں۔ چوتھے صرف بانے سے جسے انگریزی میں نٹنگ کہا جاتا ہے۔ اور یہ چوتھی قسم ہوزری مشینوں پر تیار کی جاتی ہے۔ آج میں ان ہوزری پہننے والوں کو جو پہنتے وقت کبھی نہیں سوچتے کہ آخر اس کو بنانے والی مشین کسطرح وجود میں آئی ہوگی۔ نیز ان کو جو معلومات کا شوق رکھتے ہیں یہ بتاؤں گا کہ ہوزری مشین کب، کس نے، کیوں اور کسطرح ایجاد کی۔

آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ عورتیں صرف دو سلائی سے موزہ مفلر سوئٹر وغیرہ بنتی رہتی ہیں۔ یہ طریقہ بہت پرانا ہے۔ ۱۵۸۹ء میں انگلینڈ میں رواج تھا کہ جب کسی کی شادی ہوتی تو لڑکی میں اور باتوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھا جاتا تھا کہ یہ کتنی دیر میں کتنا اور کیسا موزہ بنتی ہے۔ چنانچہ اس زمانہ میں وہاں کی اکثر عورتیں بننے میں کم و بیش ماہر ہوتی تھیں اور اس تیزی سے موزہ بن لیا کرتی تھیں کہ دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی تھی۔ اکثر عورتوں کے مقابلے بھی ہوا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے بعض عورتوں کو بننے کا جنون ہو گیا تھا۔ اور وہ دن رات صرف اسلئے بنتی رہا کرتی تھیں کہ کسی طرح ریکارڈ مات کر دیں۔ اسی زمانہ میں انگلینڈ کے ایک مدبر مسٹر ولیم لی کی شادی قرار پائی۔ مسٹر ولیم لی چونکہ ایک اچھے گھرانے کے رکن تھے اسلئے ان کو بیوی بھی اچھی ملی۔ اور اچھائیوں کے علاوہ اسمیں ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ بننے میں سب اول تھی اور اس کا یہ شوق بڑھتے بڑھتے مرض بن گیا تھا۔ چنانچہ شادی ہو جانے کے بعد بھی اس کا یہ مرض نہ چھوٹا۔ اگرچہ مسٹر ولیم لی نے بہت کوشش کی یہ اسکی عادت چھوٹ جائے۔ مگر تمام کوششیں بیکار گئیں۔ اور ع

"مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"

بالآخر ہار کر مسٹر ولیم لی نے اسے سمجھانا چھوڑ دیا اور اپنا خالی وقت سوچ بچار میں گذارنے لگے۔ مگر چونکہ ان کو اپنی بیوی سے بہت محبت تھی اسلئے وہ جب کبھی سوچتے تھے تو انھیں اپنی بیوی اور ساتھ ہی اس کا بننا یاد آ جاتا چنانچہ آپ کی توجہ اس بات پر مبذول ہو گئی کہ کسطرح وہ اپنی بیوی سے بننے کی لت چھڑائیں یا کم از کم کر دیں۔ سوچتے سوچتے خیال آیا کہ اگر میں کوئی ایسی ترکیب کروں جس سے میری بیوی بہت کم وقت میں بہت زیادہ کپڑا بننے لگے۔ تو یقیناً اپنی عادت کو کم کر دیگی۔ چنانچہ اسی دن سے انہوں نے سوچنا شروع کر دیا۔ اور کچھ عرصہ بعد ہوزری مشین بنا ڈالی۔ یہ مشین انہوں نے بجائے لوہے کے لکڑی کی بنائی تھی۔ اور اسمیں سوئیاں بھی بجائے آجکل کی سوئیوں کے لکڑی کی ڈالی تھیں۔ جو سپرنگ دار سوئی کہلاتی تھی۔ جب اس مشین پر موزہ تیار ہو گیا تو انہوں نے اپنی بیوی کو پہلے موزہ پھر مشین دکھلائی۔ جسے دیکھکر انکی بیوی بہت خوش ہوئیں۔ اور اسطرح صرف ترپاہٹ سے مسٹر ولیم لی ایک موجد بنگئے۔ اور دنیا کو ایک نئی چیز ملگئی چونکہ یہ ایجاد بالکل نئی تھی اسلئے لوگوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا

اسے روز بروز ترقی دینے لگے۔ چنانچہ مسٹر ولنٹ برلے آئی۔ این ہیرنج اور ہری سن وہ مشہور ہستیاں ہیں جنہوں نے اس دستکاری کو زمین سے اٹھایا اور آسمان تک پہنچا دیا۔ اور پورے چالیس برس بعد ان لوگوں کے اشاروں پر یہ دستکاری غیر ممالک میں جانی شروع ہوئی۔

ہندوستان میں ہوزری کی بنیاد

ہندوستان کے سرمایہ داروں نے ۱۹۲۰ء کے لگ بھگ ہوزری کی مشینیں ہندوستان میں منگوائیں مگر بیکار کیونکہ کوئی ہندوستانی بھی اس کو چلانا نہ جانتا تھا۔ مگر ۱۹۲۴ء میں لدھیانہ کے ایک فرد مسٹر حسام الدین نے ہوزری کی معلومات حاصل کرنے کے لئے ممالک غیر مثلاً اٹلی، سوئٹزرلینڈ، جرمنی اور انگلینڈ کا سفر کیا۔ اور وہاں سے اسکی مکمل ٹریننگ لیکر ہندوستان آئے اور یہاں کی بیکار مشینوں کو برسرکار کیا۔ نئی چیز کی ہمیشہ شہرت ہوتی ہے۔ ایسا ہی ان کے ساتھ ہوا۔ اس نئی دستکاری کا چرچا ہو گیا۔ اور اسی شہرت سے متاثر ہو کر سر ولیم ہیلے صاحب بی۔ اے گورنر پنجاب نے آپ کے کارخانہ کا معاینہ کیا۔ اور خواہش ظاہر کی اس دستکاری کو پنجاب میں پھیلا دیا جائے۔ چنانچہ سر ولیم ہیلے ہی کی کوششوں سے گورنمنٹ نے لدھیانہ میں ایک ہوزری انسٹیٹیوٹ کھولا۔ اور ۱۹۲۶ء کے آخر میں اسکی رسم افتتاح بھی گورنر صاحب بہادر کے ہاتھوں ہوئی۔ اور یہاں کے پرنسپل ماسٹر حسام الدین اور میکینک ٹیچر مسٹر نور محمد مقرر ہوئے۔

۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۳ء یعنی پورے سات سال تک گورنمنٹ کا یہ سکول عام پبلک کو فائدہ پہنچاتا رہا۔ اور اس سے نہ صرف سرمایہ داروں نے بلکہ ان لوگوں نے بھی فائدہ حاصل کیا جو لوہار کا کام کیا کرتے تھے جس کارخانہ کو ضرورت ہوتی رہی یہ اسکول اپنا میکینک ٹیچر بھیجکر اسکی مدد کرتا رہا جب یہ ہوزری کا کام بہت سے لوگوں کو بخوبی آ گیا تو انہوں نے مشین بنانے کی طرف توجہ دینی شروع کی۔ اور اس کوشش میں سب سے پہلے لاہور کے ایک مستری مسٹر علی محمد مرحوم کو کامیابی ہوئی۔ جنہوں نے بہت تھوڑے عرصہ میں بڑی بڑی مشینیں تیار کر دیں لیکن انہوں نے بھی معلومات کا بیشتر حصہ اسی اسکول سے حاصل کیا تھا۔ انکو دیکھ دیکھکر اور لوگوں کو بھی شوق پیدا ہوا کہ مشین بنائیں اور کچھ دنوں بعد گھر گھر مشین بننے لگی مگر یہ دور چند ہی دن بعد ختم ہو گیا۔ اور کوئی بھی اس کام کو اتنا نہ بڑھا سکا کہ جس سے دوسرے ملکوں کا مقابلہ کیا جاتا۔ ۱۹۳۳ء میں یہ سکول ایک سال کے لئے بند کر دیا گیا۔ اور لوگوں نے بھی اسکی کچھ پرواہ نہ کی کیونکہ وہ اس سے بہت کچھ سیکھ چکے تھے۔ اسکے بند ہونے کے بعد یہاں کے میکینک ٹیچر مسٹر نور محمد نے ہوزری مشین بنانے کا ایک بہت بڑا کارخانہ کھولا جسکا نام انڈین ہوزری مشین میکرز رکھا گیا۔ اور اسمیں بڑی بڑی مشینیں تیار کرا کے نہ صرف دوسرے ممالک کا مقابلہ کیا بلکہ ہندوستانی دماغ نے بھی اسمیں بہت سی ایجادیں کیں اور ان ایجادوں کا نتیجہ ہے کہ آجکل ایک ایک آدمی کئی کئی مشینوں پر بخوبی اکیلا کام کر سکتا ہے۔ آجکل کی بہترین مشینری اپنے میں کئی خصوصیات رکھتی ہیں۔ ایک یہ کہ اگر دھاگہ ٹوٹ جائے یا دھاگہ ختم ہو جائے یا دھاگہ خراب ہو جائے یا اور کوئی ایسی خرابی ہو جانے پر جس سے کپڑے کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو صرف خود بخود رک جاتی ہیں بلکہ اپنے چلانے والے کو گھنٹی دیکر مطلع کر دیتی ہیں۔ جب سے ہندوستان میں ہوزری مشینیں بننی شروع ہوئی ہیں وہ بہت سستی بھی ہیں چنانچہ جو مشین ۱۹۳۰ء میں پانچ ہزار کی آتی تھی وہ اب ڈیڑھ یا تین سو میں مل جاتی ہے۔ گورنمنٹ ہوزری انسٹیٹیوٹ کے میکینک ماسٹر کا کارخانہ آجکل بہت بڑا ہو گیا ہے اسکے دیکھنے کیلئے نہ صرف پنڈت جواہر لال نہرو بلکہ کئی گورنمنٹ کے افسر بھی مثلاً چودھری نصیر احمد صاحب آئی سی ایس ڈپٹی کمشنر لدھیانہ، آنریبل میاں عبدالحی صاحب وزیر تعلیم صوبہ پنجاب وغیرہ تشریف لائے۔ اور اسے پسند کیا۔ گورنمنٹ عالیہ نے بھی آپکو پنجاب کے تمام انڈسٹریل سکولوں کا ٹیکنیکل ایڈوائزر مقرر کر دیا۔ اب اس کارخانہ کی بنی ہوئی مشینیں نہ صرف ہندوستان بلکہ باہر مثلاً مصر لنکا افریقہ وغیرہ میں کام آتی ہیں۔ غرض اس طرح ہوزری مشینری کا کام دن بدن ترقی کر گیا۔ یہانتک کہ اب ہندوستانی ضروریات کیلئے اسی فیصدی ہوزری کی مشینوں پر ہندوستانی آدمی اور ہندوستانی روپیہ سے تیار ہو جاتی ہے

غیر ممالک سے ہندوستان کی تجارت

ہندوستان کی اس آمدنی میں جو بیرونی ممالک کو مال برآمد کرنے سے ہوئی جنگ کے پہلے سال کے دوران میں چالیس کروڑ روپیہ کا اضافہ ہوا۔ یعنی یکم ستمبر ۱۹۳۸ء سے لیکر ۳۱ اگست ۱۹۳۹ء تک ہندوستان کو برآمدی تجارت سے مجموعی طور پر ۱۶۲۳۶۵۴۵۲۵ روپیہ کی آمدنی ہوئی تھی۔ اس کے مقابلہ میں ۴۰-۱۹۳۹ء کی اسی مدت میں ہندوستان کی برآمدی تجارت کی آمدنی بڑھکر ۲۱۳۱۱۶۵۶۴۳ روپیہ ہو گئی۔

ہندوستان کی برآمدی تجارت کی تقسیم کے سلسلہ میں یہ بات خاص اہمیت رکھتی ہے کہ سلطنتِ برطانیہ کے ملکوں نے ہندوستان سے اشیائے خام اور بنی ہوئی چیزیں بہت زیادہ مقدار میں طلب کیں۔

عدن اور اس کے علاقوں کے سوا سلطنت برطانیہ کے تمام ممالک نے ہندوستان کی برآمدی تجارت میں اپنا حصہ بڑھا دیا۔ ہندوستان کو سلطنتِ برطانیہ کے ممالک کو مال برآمد کرنے سے جو آمدنی ہوئی۔ اس میں ۳۶ کروڑ روپے کا اضافہ ہوا۔ یعنی ۳۹-۱۹۳۸ء میں ہندوستان کو برآمدی تجارت سے ۳۳۰۶۱۲۳۰۰ روپیہ کی آمدنی ہوئی تھی۔ یہ آمدنی ۴۰-۳۹ء میں بڑھکر ۱۹۳۰۶۹۴۴۱۲ روپیہ ہو گئی۔ برطانیہ نے جو ہندوستان کا سب سے بڑا گاہک ہے تقریباً ۲۲ کروڑ روپے کا زائد ہندوستانی مال خریدا۔

جن ممالک کی خریداری سے ہندوستان کی برآمدی تجارت میں اضافہ ہوا۔ ان میں سے بعض ملکوں کے نمایاں اضافوں کی تفصیل ذیل میں درج کیجاتی ہے۔

برطانیہ: جنگ کے پہلے سال میں برطانیہ نے ہندوستان سے ۷۶۴۳۳۳۹۰۰۷ روپے کا مال خریدا۔ اسکے مقابلہ میں ۳۹-۱۹۳۸ء کی اسی مدت میں اس نے ۵۵۳۱۲۵۲۷۰ کا مال خرید اتھا۔

برما: ۳۹-۱۹۳۸ء میں برما نے ۱۰۷۰۳۸۵۸۵ روپے کا ہندوستانی مال خریدا تھا مگر جنگ کے سال میں ۱۲۹۷۰۲۹۹۴ روپے کا مال خریدا۔

جنوبی افریقہ: ۳۹-۱۹۳۸ء میں جنوبی افریقہ نے ۱۵۲۱۴۹۱۰ روپے کا ہندوستانی مال خریدا تھا۔ مگر جنگ کے پہلے سال میں ۳۷۳۱۳۵۵ روپے کا مال خریدا۔

کناڈا: ۳۹-۱۹۳۸ء میں ۳۵۷۵۲۴۴۲ روپے کا اور جنگ کے پہلے سال میں ۱۶۵۱۸۹۵۱۳۸ روپے کا مال خریدا۔

آسٹریلیا: ۳۹-۱۹۳۸ء میں ۱۵۷۴۱۷۹۳ روپے اور جنگ کے پہلے سال میں ۹۹۵۷۲۸۹۹ روپے کا مال خریدا۔

سیلون: ۳۹-۱۹۳۸ء میں ۵۱۷۰۳۸۷۰ کا اور جنگ کے پہلے سال میں ۸۸۸۷۰۹۹ روپے مال خریدا۔

ہانگ کانگ: ۳۱۱۰۹۹۰ روپے کے مقابلہ میں ۹۹۸۸۳۴۲ روپے کا مال خریدا۔

اسٹریٹس سیٹلمنٹ: ۲۱۱۱۷۴۸۶ روپے کے مقابلہ میں ۱۹۶۴۷۵۹۳ کا مال خریدا۔

ماریشس اور اسکے ماتحت علاقوں میں ہندوستانی مال کی خریداری کی قیمت ۷۱۶۳۰۰ سے بڑھکر ۳۱۰۱۸۳ روپے ہو گئی۔ علاوہ بریں جنجبار، زنجبار اور پیما میں

۰۰،۳۵۰،۱۵ روپے سے بڑھکر ۱۰،۷۴۵۶ روپے۔ کینیا کی نوآبادی میں ۳،۰۹۱۲،۰۰ روپے سے بڑھکر ۳،۱۵۷،۰۸۰ روپے۔ برطانی جزائر غرب الہند میں ۹۱،۰۹،۵ روپے سے بڑھکر ۴،۰۴،۶۱۶ روپے۔ نیوزی لینڈ میں ۳۲،۰۲،۵۱۹ روپے سے بڑھکر ۳،۰۹،۰۹۰،۰۸ روپے اور دوسرے برطانی مقبوضات میں ۸،۴۳،۵۱۴۲ روپے سے بڑھکر ۱۰،۲۱۴،۶۶۵،۳ روپے ہوگئی۔

ذیل کے نقشے کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ سلطنت برطانیہ کے ملکوں میں ہندوستانی مال کی کس مہینے میں کتنی خریداری ہوئی۔

ستمبر سنہ ۱۹۳۹ء	۹۲۷۷۲۶۵۹	روپے
اکتوبر "	۸۱۵۱۵۶۲۱	"
نومبر "	۹۱۶۰۷۵۵۰	"
دسمبر "	۱۰۷۲۱۶۷۲۹	"
جنوری سنہ ۱۹۴۰ء	۱۴۰۵۷۰۳۷۳	"
فروری "	۱۳۷۹۹۰۵۲۷	"
مارچ "	۱۰۷۵۰۲۰۰۱	"
اپریل "	۱۰۹۲۰۷۶۲۶	"
مئی "	۹۸۸۴۴۶۳۸	"
جون "	۱۰۳۷۰۸۹۴۲	"
جولائی "	۸۳۶۴۴۰۱۰	"
اگست "	۹۰۱۴۴۹۹۴	"

غیر برطانی ملکوں کے ساتھ تجارت

اگرچہ یورپ کی جنگ کے سبب ہندوستان کی خاص چیزوں کی عمومی بیرونی نکاسی میں اوسطاً ۲۲ فیصدی کی کمی ہوگئی اور برآمدی تجارت سے ہندوستان کو مجموعی طور پر جو آمدنی ہوئی اسمیں اٹھارہ فیصدی کے حساب سے کمی واقع ہوگئی۔ لیکن اسکے باوجود غیر ملکی خریداری پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض غیر برطانی ملکوں میں بھی ہندوستانی مال زیادہ خریدا گیا۔

مثلاً امریکہ ہندوستانی برآمدی تجارت کا جو حصہ حاصل کرتا ہے اسمیں تین کروڑ روپے کا اضافہ ہوگیا یعنی اسکی خریداری سنہ ۱۹۳۹-۴۰ء میں ۱۰۴۱۱۹۰۱ روپے کی تھی جو بڑھکر ۲۲،۷۵۴۴۳۹۲۸۰ روپے کی ہوگئی۔ چنانچہ ہندوستانی مال کی خریداری کے لحاظ سے اب امریکہ کا تیسرا نمبر ہے۔ امریکہ میں ہندوستان سے جو مال جاتا ہے۔ اس کا تین چوتھائی حصہ خام جوٹ۔ چمڑوں۔ کھالوں اور خام اون پر مشتمل ہوتا ہے۔ امریکہ نے ۹ کروڑ روپے کا ہندوستانی خام اون اور اونی مصنوعات خریدی ہیں۔

جنوبی امریکہ میں ہندوستانی مال کی برآمد میں دو کروڑ روپے سے زیادہ کا اضافہ ہوا یعنی ۱۱۸۱۵ ۴۴ ۴ روپے کے بجائے ۶۴۸۵۸۳ ۹۹۰ کا مال خریدا۔

مصر نے ہندوستان سے بڑی مقدار میں سامان خریدا وہاں ہندوستانی مال کی کھپت سنہ ۱۹۳۸-۳۹ء میں ۱۶۸۱۶ ۳۲۲۸ روپے تھی لیکن جنگ کے پہلے سال میں ۹،۷۷۶۴ ۲۴۴ روپیہ ہوگئی۔ اسی طرح سوئٹزرلینڈ نے اپنی خریداری کو سات گنا زیادہ کر دیا اور سماترا، بورنیو اور جاوا میں ہندوستانی مال کی کھپت تقریباً دوگنی ہوگئی۔ دوسرے نمایاں اضافات حسب ذیل ہیں۔

ہسپانیہ:- سنہ ۱۹۳۸ء میں ۵۰۶ ۹۱۸ ۲ روپیہ کا ہندوستانی مال خریدا گیا تھا۔ اسکے مقابلہ میں جنگ کے پہلے سال میں ۶،۳۶،۴۰۲،۷۰ کا خریدا گیا۔

یوروپی ترکی:- ہندوستانی مال کی خریداری کی قیمت ۱۴۳۴۶۹۹ روپے سے بڑھکر ۲۰۲ ۱۵۹ روپے ہوگئی۔

عرب:- ۹۴۹ ۱۰۱۶۰ روپے سے بڑھکر ۴۶۵ ۱۰۵۲۰ روپے ہوگئی۔

عراق:- ۵۰۲۱۹۱۹ روپے سے بڑھکر ۲۵۵ ۴۶۹۰ روپے ہوگئی۔

ایران:- ۲۲۵۸۵۶۶ روپے سے بڑھکر ۴۱۲ ۹۹۷۷ روپے ہوگئی۔

تھائی لینڈ:- ۹۴۳ ۵۴۸۰۰ روپے سے بڑھکر ۱۱۰۳ ۸۲۲۷ روپے ہوگئی۔

پرتگالی مشرقی افریقہ:- ۳۲۲۴۸۰۰ روپیہ سے بڑھکر ۱۰۳۳۶۸۰ روپیہ ہوگئی۔

جزائر غرب الہند:- ۲۴۰۷۶۱۸ روپے سے بڑھکر ۱۳۱۸۶۳۳۳ روپے ہوگئی۔

کن ہندوستانی اشیاء کا فائدہ ہوا؟

جن ہندوستانی چیزوں کی خریداری بیرونی ممالک میں بڑھی ان میں حسب ذیل قابل ذکر ہیں :-

جوٹ :- جوٹ کی مصنوعات۔ سوتی دھاگے اور ان کی مصنوعات ربڑ کی چیزیں۔ کاغذ، پیسٹ بورڈ۔ اسٹیشنری۔ لوہا۔ فولاد اور ان کی مصنوعات۔ دوسری دھاتیں اور ان کی مصنوعات۔ چمڑے اور کھالیں۔ کچا اور کمایا ہوا چمڑا۔ شیشہ اور مٹی کے برتن۔ رنگ۔ چھریاں اور چاقو وغیرہ۔ لوہے کے برتن۔ آلات اور اوزار (ان میں بجلی کے اوزار اور آلات شامل نہیں ہیں۔) کیمیاوی اشیاء۔ دوائیں۔ زری اور کارچوب کا کام اور دوسرے دھاگے اور بنے ہوئے پارچہ جات۔ کوئلہ۔ پھل اور ترکاریاں تنکر گوند۔ لاکھ۔ خام آہنی۔ لوہے کے ٹکڑے اور فولاد۔ بناسپتی۔ معدنی اور حیوانی تیل۔ خام اور غیر صاف ربڑ۔ اون اور کپڑے بننے کی دوسری چیزیں۔

ہندوستانی مال بیرونی ممالک میں سب سے زیادہ نومبر اور دسمبر ۱۹۳۹ء اور جنوری اور اپریل ۱۹۴۰ء میں بھیجا گیا۔ نومبر ۱۹۳۸ء کے مقابلہ میں نومبر ۱۹۳۹ء میں ہندوستانی برآمدی تجارت میں ایک کروڑ ۵۴ لاکھ روپے کا دسمبر ۱۹۳۸ء کے مقابلہ میں دسمبر ۱۹۳۹ء میں ۵،۴۰۰۰۰ روپے کا اور جنوری ۱۹۳۹ء کے مقابلہ میں جنوری ۱۹۴۰ء میں۔

۱،۳۰۰۰۰ روپے کا (جو سب سے بڑا اضافہ ہے) اور اپریل ۱۹۳۹ء کے مقابلہ میں ۶۱۹۰۰۰۰ روپیہ کا اضافہ ہوا۔

نئی منڈیوں کی تلاش

براعظم یورپ میں ہندوستانی پیداوار کی اکثر منڈیاں عارضی طور پر بند ہوتے ہی محکمہ تجارت حکومت ہند نے اس کے بدلے میں نئی منڈیاں معلوم کرنے اور برآمدی تجارت کے باقی ماندہ ذخائر کی فروخت سے تعلق رکھنے والے مسائل پر غور کرنے کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

اس موضوع کے بعض مسائل کا ذکر برآمدی مشاورتی کونسل میں بھی کیا گیا اور مختلف انجمنوں اور ان حلقوں سے دلچسپی رکھنے والی دوسری جماعتوں سے کہا گیا کہ وہ اپنی تجاویز پیش کریں اس سلسلہ میں آسٹریلیا میں ایک تجارتی کمشنر بھی مقرر کیا گیا ہے۔

اگست میں حکومت ہند نے دولت مشترکہ۔ آسٹریلیا نیوزی لینڈ۔ جنوبی افریقہ۔ برما۔ ملایا۔ ہانگ کانگ۔ سیلون اور افریقہ کے ان علاقوں کی حکومتوں کو جن کی نمایندگی مشرقی افریقہ کے گورنروں کی کانفرنس میں ہوئی تھی دعوت دی تھی کہ وہ مشرقی جماعتی کانفرنس میں جس کا افتتاح ۲۵ اکتوبر کو دہلی میں ہوا شرکت کریں۔

اگرچہ اس کانفرنس کے پیش نظر صرف جنگی سامان کی فراہمی کے مسائل تھے۔ لیکن یہ امید کی گئی کہ ان ممالک کے نمایندے محکمہ تجارت کے ساتھ ان مسائل کے متعلق گفتگو کریں گے کہ ان کے ممالک کیا کیا اور کتنی کتنی چیزیں پیدا کر سکتے ہیں۔ خصوصاً صنعتی چیزوں اور سابق وسائل فراہمی کے منقطع ہو جانے کے بعد کتنی ضرورتوں کا اضافہ ہوا۔ یہ بھی امید کی گئی کہ اس تبادلہ خیالات سے متعلقہ حکومتوں کو حسب ذیل امور کے متعلق اپنی پالیسی وضع کرنے میں مدد ملے گی۔

اپنی برآمدی تجارت کے قیود وایکسپورٹ ریسٹرکشن) اور درآمدی تجارت کی نگرانی کی آئندہ ترقیات کے متعلق اندازہ لگانا اور بعد میں دو طرفہ بنیاد پر تجارتی گفت وشنید کرنا۔

(مرکزی اطلاعات)

تجارتی صنعتی اقتصادی خبریں

محکمہ سپلائی کی خریداریاں

ایک لاکھ آٹھ ہزار سے زائد ٹھیکے دئے گئے

چھتیس کروڑ روپیہ کے سامان کی خرید

شہری اور فوجی مقاصد کیلئے مجموعی طور پر محکمۂ سپلائی کے زیر تحت خریداری کے دونوں شعبوں نے مختلف سامان کی فراہمی کے جو آرڈر دئے ان سب کی مجموعی قیمت آغاز جنگ سے لیکر آخر ستمبر تک تقریباً ساڑھے چھپن کروڑ روپیہ ہوتی ہے۔

برطانیہ۔ سلطنت برطانیہ کے ممالک۔ بعض غیر برطانوی ممالک مثلاً عراق اور مصر نیز خود ہندوستان کی دفاعی فوجوں کیلئے محکمۂ سپلائی نے جنگ کے چودہ مہینوں میں ایک لاکھ آٹھ ہزار ٹھیکے دئے۔

جن چیزوں کی فرمائشیں کیگئی ہیں ان میں یہ چیزیں بھی شامل ہیں۔ ایروپلین ہینگرس۔ برقی مشینیں۔ عکس ریزی کے آلات۔ اسپتال کا فرنیچر۔ بوٹ اور شو۔ عمارتی لکڑی۔ سامان خورد و نوش، بیڑیاں، چکنا ہونوالا تیل۔ برش۔ ایسڈ اور دوسرے تیز کیمیاوی اجزاء۔ سگریٹ۔ تمباکو۔ بہت سی قسموں کے کپڑے۔ انجینرنگ کا سامان اور صابون۔

انڈین اسٹورس ڈپارٹمنٹ اور کنٹریکٹس ڈائرکٹریٹ نے یکم ستمبر ۱۹۳۹ء سے ۳۱ اگست ۱۹۴۰ء تک مختلف حکام کی طرف سے جنگ کے مقاصد کیلئے (ان میں شہری ضروریات شامل نہیں ہیں) جو ذخائر خریدے ہیں انکی قیمت ۳۰ کروڑ روپیہ سے زیادہ ہے۔ اس رقم میں سے ۲۵ کروڑ ۳۰ لاکھ روپیہ کا سامان انڈین اسٹورس ڈپارٹمنٹ نے خریدا۔

انڈین اسٹورس ڈپارٹمنٹ نے جو سامان خریدا اسکی مجموعی قیمتیں ملک وار ذیل میں درج کی جاتی ہیں:۔

ملک	روپیہ
ہندوستان	۱۱۲۱۳۱۵۶۸
ملک معظم کی حکومت	۱۲۹۰۹۴۱۹۹
سیلون	۱۲۳۶۸۰
برما	۳۱۸۴۰
آسٹریلیا	۲۷۶۴۲۹۴
عدن	۱۱۵۶۹۳
مصر	۳۷۴۵۴۰۰
فرانس	۷۴۸۹۷۱
مشرقی افریقہ	۱۲۹۶۷۱
نیوزی لینڈ	۵۶۴۶۳۵
جنوبی افریقہ	۱۸۷۶۸۶۱
عراق	۳۳۶۲۶۰
جزائر فجی	۸۶۰۲

کنٹریکٹس ڈائرکٹریٹ نے جنگ کے پہلے سال میں جو کاروبار کیا۔ اس کی رقم ۱۰۳۶۰۰۰۰ روپیہ ہوتی ہے۔ ڈائرکٹریٹ نے دوسری چیزوں کے علاوہ حسب ذیل چیزیں دفاعی فوجوں کے آدمیوں کیلئے ۔۔۔ ۲۴۹۰۰۰ روپیہ کا سامان خورد و نوش۔ ایک کروڑ ۵۴ ہزار روپیہ کے بوٹ اور شو وغیرہ۔ ۴۰ لاکھ روپیہ سے زائد کا سگریٹ اور تمباکو۔ ۱۹ لاکھ ۳۰ ہزار روپیہ کا چمڑا۔ ۱۰ لاکھ ۵۰ ہزار روپیہ کے خیموں کے بانس

کے ڈنڈے۔ ۱۱ لاکھ ۴۳ ہزار روپیہ کے برش وغیرہ اور دس لاکھ روپیہ کی بیڑیاں وغیرہ خریدیں۔ ڈائرکٹریٹ نے چمڑا پکانے کا سامان، مشینی تیل، اور پیٹرول، دھاتیں، کوئلہ، کوک اور متفرق چیزیں بھی خریدیں۔

دوائیں اور کیمیاوی سامان

ڈائرکٹر جنرل انڈین میڈیکل سروس نے یکم ستمبر ۱۹۳۹ء سے ۳۱ اگست ۱۹۴۰ء تک جو سامان خریدا۔ اسکی مجموعی قیمت ۲۴ لاکھ ۹۴ ہزار روپیہ تھی اسمیں سرکاری میڈیکل ڈپوؤں نے ۱۴ لاکھ روپیہ سے زیادہ کی قیمت کا اپنا بنایا ہوا سامان بڑھا دیا۔ ڈائرکٹر جنرل نے باہر سے اسی مدت میں جو سامان خریدا اسکی مجموعی قیمت تقریباً ۱۹ لاکھ روپیہ تھی۔ انڈین اسٹورس ڈپارٹمنٹ نے ۹۴ ہزار روپیہ کا کیمیاوی سامان بھی خریدا۔

جوٹ کی حرفت ہندوستان کی خاص حرفتوں میں سے ہے جنگ کے پہلے سال میں جوٹ کی چیزیں نمایاں طور پر زیادہ برآمد کی گئیں چنانچہ برطانیہ اور سلطنت برطانیہ کے ملکوں میں ہندوستان سے ۲۰ کروڑ ریت کی بوریاں بھیجی گئیں۔ ۰ کروڑ ۳۰ لاکھ گز جوٹ کا کپڑا جو لپیٹنے کے کام میں آتا ہے، فروخت ہوا۔ ریت کی بوریوں، کاٹن جوٹ، یونین کنویس۔ اور جوٹ کی دوسری پیداواروں کیلئے ۹ کروڑ ۵۹ لاکھ روپیہ سے زیادہ کے آرڈر موصول ہوئے جنمیں سے ۳ کروڑ ۹۰ لاکھ روپیہ کے آرڈروں کی تعمیل کر دی گئی۔

کپڑا ہندوستان کی دوسری اہم حرفت ہے۔ کپڑوں کے لئے ۱۱ کروڑ ۵۹ لاکھ روپیہ کے آرڈر موصول ہوئے جنمیں سے ۱۱ کروڑ ۲۴ لاکھ روپیہ کا کپڑا بھیجا گیا۔ ۰۰،۴۰،۰۰،۳۲ گز زین۔ ۵۰،۴۱،۳۱،۰۰،۲ گز شیپ اور ویبنگ۔ ۰۰،۳۰،۰۰،۱ گز خوک کپڑا اور ۵۰ لاکھ گز نقلی لینو سکلا تھ فروخت ہوا۔

ہندوستانی خیموں کی بہت مانگ رہی۔ انکی فروخت سے ہندوستان کو ۳ کروڑ ۷۰ لاکھ روپیہ کی آمدنی ہوئی۔ ۲۰ لاکھ سے زیادہ کمبل خریدے

گئے۔ ۹۰ لاکھ گز سیلولر شرٹنگ اور ۹۰ لاکھ گز سوتی دھاگا خریدا گیا اور ۴۰ لاکھ گز سے زیادہ کنویس یونین خریدی گئی۔

انجینیری کا سامان اور عمارتی لکڑی

ہندوستان کو انجینیری کے سامان کیلئے بھی بڑی تعداد میں آرڈر موصول ہوئے اس سامان میں یہ چیزیں بھی شامل ہیں:-

ٹیلیفون لائن کا سامان چھوٹی کوٹھریاں بنانے کیلئے فولادی چادریں تعمیر کا سامان، پانی کے حوض، پل باندھنے کا سامان، ریلوں کے ڈبے، بجلی کے تار اور پنکھے۔

انڈین اسٹورس ڈپارٹمنٹ نے ۲۰ لاکھ گز سے زیادہ بجلی کے تار۔ ۵۶۰۰۰ ۵۴۳ روپیہ کی کوٹھریاں بنانے کیلئے فولادی چادریں ۰۰،۴۰،۲۷ روپیہ کے نرم فولادی پتر اور چادریں ۲۵ لاکھ ۱۶ ہزار روپیہ کی اسٹیل سکشنز۔ ۱۷ لاکھ ۱۲ ہزار کا پرمانٹ وے کا سامان۔ ۱۳ لاکھ ۵۲ ہزار روپیہ کے ہوائی جہازوں کے ہینگرس (طیاروں کے اڈے) خریدے۔ کنٹریکٹس ڈائرکٹریٹ نے فولادی کیس اور پھٹنے والے گولوں نیز انکی تیاری کیلئے فولاد پر ۷۰ لاکھ ۴۳ ہزار روپیہ اور خاردار تاروں پر گیارہ لاکھ روپیہ صرف کیا۔

جنگ کے پہلے چودہ مہینوں میں محکمہ سپلائی کو عمارتی لکڑی کے ۵۰۰،۳۲،۶ روپے کے آرڈر موصول ہوئے جنمیں سے اس نے ۰۰،۲۷،۴۰،۱ روپیہ کا مال بھیجا۔ صرف سمندر پار ملکوں سے ۵۰۰،۱۷،۲۱ روپیہ کے آرڈر آئے جنمیں سے ۱۵ اکتوبر ۱۹۴۰ء تک ۰۰،۶۰،۹۹ روپیہ کے آرڈروں کی تعمیل کی گئی۔

فیکٹریوں کی پیداوار بڑھانیکی کوشش

کام کے اوقات کی پابندی اٹھا دی گئی

چونکہ اسکی اشد ضرورت محسوس کی گئی کہ سرکاری اور غیر سرکاری دونوں قسم کی فیکٹریوں میں جہاں سامان جنگ بن رہا ہے۔ روزانہ زیادہ سامان تیار ہو۔ اسوجہ سے محکمہ لیبر نے صوبجاتی حکومتوں اور انتظامی اداروں سے درخواست

ہے کہ وہ چند مخصوص فیکٹریوں کو "انڈین فیکٹریز ایکٹ" کی دفعات ۳۴-۳۶ اور ۴۲ سے جو بالغوں کے روزانہ کام کے مقررہ اوقات اور ہفتہ وار آرام سے متعلق ہیں، مستثنیٰ کر دیں۔ چنانچہ کئی صوبجاتی حکومتوں نے اس مشورہ پر عمل کیا ہے۔

کلکتہ کے "کنٹرولر آف جوٹ پرچیز" کی خواہش کے مطابق بنگال بہار اور سندھ اس کی تمام سن کی ملیں اس قید سے مستثنیٰ کر دی گئی ہیں۔

دوسرے ادارے جن کو اس قید سے مستثنیٰ کیا گیا ہے حسب ذیل ہیں۔ ایک کیبل کمپنی، گورنمنٹ آف انڈیا پریس اور بہت سی فوجی ڈیریاں اور گھاس کے فارم۔

لاکھ اور جنگی ضروریات

رانچی میں نیا معمل

لندن لاک ریسرچ لیبوریٹری میں لاکھ کے ممکنہ نئے استعمالات حاصل کرنا، کی ضروریات کے سلسلہ میں بہت سی باتیں پوچھی گئی ہیں۔ (اس معمل کو انڈین لاک سس کمیٹی سے مالی امداد دی جاتی ہے) چنانچہ ضروری تحقیق کی گئی، اور قابل اطمینان نسخے تجویز کئے گئے۔

لاکھ کے نئے استعمالات کے سلسلے میں ان مسائل پر تحقیقات کی گئی، سڑکوں پر نشان ڈالنے کے رنگ۔ گیس سے اثر نہ لینے والے رنگ۔ چمکدار اور شفاف رنگ۔ لاکھ اور مٹی کے تیل والے رنگ۔ جلد جم جانیوالی سیمنٹ اور ...نی تیل نیز پیٹرول رکھنے کے ڈبوں کے لئے جلد سوکھ جانے والی وارنش۔ ...کھ اور صاف شدہ لاکھ۔ بجلی کی صنعتوں میں جوڑنے اور چپکانے کے ...ر پر کام میں آنے والی لاکھ۔ اور صاف شدہ لاکھ کے استعمال کا تجربہ ...کیا جس سے تسلی بخش نتیجے نکلے۔

...اور لاکھ کی مصنوعات کا استعمال دریافت کرنے کیلئے انڈین لاک ریسرچ ...ٹ کے کیمیاوی شعبہ میں ایک جدید اور زمانہ حال کے مطابق معمل بنایا گیا ہے۔

ڈبوں میں بند ترکاریاں اور خشک پھل

ہندوستانی پیداوار کی ترقی

ہندوستان کے زرعی اقتصادیات پر جنگ کا ایک اثر یہ ہوا ہے کہ فوج کو خشک پھل اور ڈبوں میں بند ترکاریاں بھیجنے کی ضرورت کے پیش نظر ترکاریوں اور پھلوں کی کاشت اور انھیں ڈبوں میں بند کرنے کی حرفت کو بڑی تقویت پہنچی ہے۔

شاہی زرعی تحقیقاتی کونسل کے مشاورتی بورڈ نے نومبر ۱۹۴۰ء کے اجلاس میں متفقہ طور پر سفارش کی اس شدید ضرورت کے پورا کرنے کے لئے علاوہ از جلد تحقیقات کرنے والے مقرر ہوں۔ مشاورتی بورڈ نے یہ سفارش بھی کی کہ جسقدر جلد ہو سکے کونسل کی مجلس منتظمہ اس مقصد کیلئے روپیہ کا انتظام کرے۔

عملہ کا کام یہ ہوگا کہ اہم تجربوں کے ذریعہ تحقیقات کرے پھلوں اور ترکاریوں سے تیار کئے ہوئے مال کا معیار قائم کرنے میں مدد دے۔ تجارتی پیمانہ پر مال تیار کرنے کے بہترین طریقے تجویز کرے اور فیکٹریوں کو ایسا مال تیار کرنے میں مدد پہنچائے جو معیار کے مطابق ہو۔ اور جس سے فوج اور محکمہ حفظانِ صحت کے حکام کی ضروریات پوری ہو سکیں۔

فروٹ کیننگ کمیٹی جو اس سے پہلے کے اجلاس میں اس تجویز کو منظور کر چکی تھی کہ مختلف خطوں اور مرکزوں میں پھلوں پر تحقیقات کرنے کیلئے ادارے قائم کئے جائیں دوبارہ منعقد ہوئی اور اس کمیٹی نے تحقیقات کے پروگرام پر غور کیا۔ مگر مشاورتی بورڈ اس نتیجہ پر پہنچا کہ جنگی مقاصد کیلئے ٹین میں بند کرکے مال بھیجنے کی تدابیر پر جلد عمل کرنا ضروری ہے اسلئے جسقدر عملے کی ضرورت ہے فوراً ہی رکھ لیا جائے اور سردست اس عملے کو لائلپور جیسے مقام پر متعین کیا جائے جہاں تحقیقات کی سہولتیں پہلے سے موجود ہیں۔ بحث کے دوران میں یہ معلوم ہوا کہ ہندوستان میں ۸ فیکٹریاں ٹین کے ڈبوں میں مال بند کرنیکا کام کر رہی ہیں ان میں سے چھ یا سات فیکٹریاں اہم ہیں۔

بزم خواتین

شذرات

ایڈیٹر کے قلم سے

آپ گھر بیٹھے بھی کما سکتی ہیں

بد قسمتی سے قوم میں ایسی ماؤں اور بہنوں کی کمی نہیں ہے۔ جو گردش زمانہ کے ہاتھوں نہ جانے کسطرح اپنی گذر اوقات کر رہی ہیں۔ بعض کی ظاہرداری کسی کے سامنے دست دراز کرنے سے روکتی ہے۔ اور بعض اپنی مجبوریوں کے سبب اس منزل کو بھی طے کر چکی ہیں۔ انجمن وکیل قوم پنجابیان نے بیشک تقریباً سو ڈیڑھ سو خواتین کے وظائف مقرر کر رکھے ہیں۔ اور بعض کو سلائی کے لئے مشین بھی دلا رکھی ہے۔ لیکن انجمن بھی بہرحال اتنا ہی کر سکتی ہے۔ جتنا کہ اسکے پاس ہوتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ خواتین گھر میں بیٹھے بیٹھے کچھ ایسے کام کریں جن سے کم از کم پانچ چھ آنے روزانہ کما سکیں۔

میرے خیال میں ایک سوت کھولنے کا کام ہی ایسا ہے جسکے ذریعہ سے اتنی یا اس سے زیادہ کی مزدوری روزانہ ہو سکتی ہے۔ قوم کے کتنے ہی سوت، ہوزری، نواڑ، بتی اور کرشیکار خانوں کی مالک ہے۔ آپ کو ہر کارخانے سے سوت کھولنے کے لئے دستیاب ہو سکتا ہے۔ اگر آپ کو سوت ملنے میں کچھ دقت ہو تو مجھ کو لکھیں۔ میں اس کا بندوبست کر دونگا۔

ملازم کی ضمانت

اکثر دیکھا گیا ہے کہ ملازم گھروں میں سے قیمتی اشیا لیکر ایسے رفو چکر ہوتے ہیں کہ پھر ان کا کھوج نہیں ملتا۔ جسکی وجہ سے بہت نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ آپ اسکا سدباب ایسے کر سکتی ہیں کہ ملازم کو رکھتے وقت پولیس سے فارم منگوا کر ان کا پورا پتہ اسمیں بھر لیں اور وہ پولیس کو دیدیں۔

پولیس اس کے چال چلن کا پورا پتہ لگائے گی۔ اگر وہ مشتبہ ہوگا۔ آپ کو اطلاع دیدی گئی۔ دیگر یہ فارم اسوقت بھی بہت کام دیتے ہیں جبکہ خدانہ خواستہ کوئی حادثہ واقع ہو جائے۔ پولیس کو اس کا پتہ لگانے میں بہت آسانی ہو جاتی ہے۔ اگر آپ تھانے سے یہ فارم نہ منگوا سکیں تو ایک کارڈ لکھ دیجئے۔ سپاہی خود آپ کے گھر آکر یہ فارم بھر دے گا۔

تصحیح

ماہ جنوری کے شذرات میں جہاں دن ٹھیرانے کی رسم کا ذکر ہے۔ اس طرح لکھا گیا ہے کہ " اگر اس کی خلاف ورزی کیگئی اور خواتین کے بجائے مرد گئے "۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بجائے اسکے اس طرح صحیح ہے " اگر اسکی خلاف ورزی کیگئی اور مرد کے بجائے خواتین گئیں "

قوم کے بنائے ہوئے دستور العمل پر خود بھی عمل کیجئے اور دوسری بہنوں کو بھی اس پر عمل کرنے کی ترغیب دلائیے تاکہ قوم کی موجودہ پریشانیوں سے نجات ملے۔

بدگمانی

از محترمہ شفیق بانو صاحبہ نجیب آبادی

اتنی بڑی یہ دنیا ہے اور اس میں بسنے والے کروڑوں کی تعداد میں ہیں۔ ظاہر ہے کہ خیالات میں ایک دوسرے سے سب مختلف ہیں۔ یہ بات تو ناممکن ہے کہ ساری دنیا کے خیالات ایک ہی مرکز پر آجائیں۔ مرد اور عورت یہ دونوں ہستیاں بھی اسی دنیا کے رہنے والے انسان ہیں پھر میں یا کوئی یہ بات کیسے سوچ سکتا ہے کہ ان دونوں میں اختلاف نہ ہوگا۔۔۔

جس کو دیکھو یہی راگ الاپ رہا ہے کہ شادی سے پہلے "خیال" ہونا یا معلوم کرلینا ضروری ہے۔ یہ کسی کو خبر نہیں کہ ہر ایک خواہ مرد ہو یا عورت۔۔ اسکی دو زندگیاں ہوتی ہیں۔۔۔ ایک گھر کے اندر اور دوسری گھر کے باہر۔۔۔۔

پبلک یا خاندان کے لوگ صرف باہر کی زندگی سے واقف ہوتے ہیں۔ عورت کو شادی کے بعد بدگمانی سے کافی نقصان پہنچتا ہے۔ گھر کی بربادی کی بنا واقعہ یہ ہے کہ بدگمانیوں سے پڑتی ہے۔ مثلاً ایک بہن کو دیکھا کہ شوہر کا کوٹ پکڑے دریافت کررہی ہیں۔ "واللہ بتاؤ کہاں جارہے ہو؟"

"میں ذرا بازار جارہا ہوں"۔

"اچھا یہ بتاؤ کہ کیوں جارہے ہو اور کیا کام ہے؟"

میاں جل بھن کر کباب ہوگئے۔ اور دامن جھٹک یہ جا وہ جا غائب۔

شام کو جب گھر میں واپس آئے تو "جنگ مہابھارت" کا نقشہ درپیش۔ خوب کہا سنی ہوئی۔۔۔۔ فیصلہ قسمی ہوئی۔۔ تب جاکر کہیں بات ختم ہوئی۔ لیکن یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ صلح صرف عارضی تھی۔ دل میں سے تو ایک دوسرے کی وقعت اٹھ گئی۔

اکثر بہنیں اگر سینما سے واپسی پر ذرا دیر ہوجائے یا باہر دوستوں میں شوہر باتوں میں لگ جائے یا کہیں مشاعرہ میں دو گھنٹہ کے لئے کہہ کر جائے اور اتفاقیہ واپسی میں دیر ہو تو بس سمجھ لو کہ قیامت کبریٰ آگئی اور عذاب ثواب ہاتھوں ہاتھ ملیگا۔ بیوی کی بدگمانیوں کے جواب میں بیچارہ وکیل اپنے پیشہ کو بھول جاتا ہے۔ مقرر جادو بیانی سے رام نہیں کرسکتا۔ فوج کا جرنیل اپنی حکومت نہیں چلا سکتا۔ بیوی کی صرف ایک آواز ہوتی ہے۔ "اچھا تو مجھے سمجھاؤ کہ آخر اتنی رات گئے تک کہاں رہے؟ کس کے ہاں رہے تھے؟" ظاہر ہے کہ اگر شوہر بے قصور ہے تو اسے کتنا رنج ہوگا۔۔۔

پھر دوسری بات یہ ہے کہ بیوی کی ایسی فضول بدگمانیوں سے شوہر نیک نہیں ہوسکتا۔ اور اگر نیک ہے تو وہ بدمعاش نہیں بن سکتا۔ یورپ میں جہاں عورتیں دوش بدوش کام کرتی ہیں وہاں تو یہ قیود باقی نہیں رہ سکتیں۔ تو بھلا ہندوستانی پردہ نشین بہنیں کہا تک شوہروں کی نگرانی کرسکینگی؟ برخلاف اسکے اگر عورتیں اوچھے چھوٹے خیال سے الگ اچھے خیالات قائم رکھیں تو یقیناً شوہر کے دل میں اتنا تو احساس باقی رہیگا کہ "میری بیوی کہیں ناخوش نہ ہو۔۔۔۔" جب ہر دم گھر میں گھستے ہی ناتمت ہونے لگی تو نیک سے نیک بدمعاش ہوجائیگا۔ نفسیاتی اصول ہے کہ اگر کسی کے جذبات کا احترام کیا جائے تو وہ انتہائی ظالم، مکار، دغاباز، فریبی بدمعاش ہوجاتا ہے! اور اگر کسی برے سے برے انسان پر بھروسہ کرکے اسکو یقین دلائے کہ ہم اسے اچھا سمجھتے ہیں" تو آپکو ضرور یہ تجربہ ہوگا کہ اس کا دل فوراً اچھائی کیطرف مائل ہوجائیگا یہاں تک تو میری ہندوستانی بہنیں اندھیر کرتی ہیں کہ شوہر اگر اپنی رشتہ ار عورتوں سے اخلاق سے ذرا متوجہ ہوکر گفتگو کرلے تو سر ہوجاتی ہیں۔ اور انھیں اسوقت تک صبر نہیں آتا جبتک یہ قصہ ہر آئے گئے سے ہر طرح لگاکر نہ کہی جائے حالانکہ واقعہ صرف اتنا تھا کہ شوہر نے رشتہ داری کے لحاظ سے گھر آئی ہوئی مہمان سے تھوڑی دیر دنیا والوں کی طرح باتیں کرلیں اور اتفاق سے بیوی سے اجازت لینی یاد نہ رہی۔

اس قسم کی ادنی ادنی باتوں پر بدگمانیوں سے پوری زندگی برباد ہوکر رہ جاتی ہے۔ اور گھر صحیح معنوں میں مجرموں کا جیل خانہ بنجاتا ہے۔

چیچک

از جناب سید محمد احسن صاحب طبیب سرکاری [illegible]

چیچک کو عام طور پر ایک میعادی مرض خیال کیا جاتا ہے۔ اکثر لوگ اس کا کوئی خاص علاج نہیں کراتے ہیں جہلا اس کو دیوی کا پرتو سمجھ کر گنڈے تعویذ کراتے ہیں۔ اور تعلیم یافتہ طبقہ کے بھی کم لوگ اسکے شافی علاج کے قائل ہیں۔ چونکہ اسکے ٹیکہ کی بانی ایک ہندو عورت سیتلا نامی بتائی جاتی ہے۔ جس نے عمل تلقیح ٹیکہ میں بڑی کامیابی حاصل کی تھی۔ اسلئے لوگوں نے اسکو مادر مہربان کے نام سے بچوں کا محافظ جانا اور ماتا (ماں) کے نام سے اس کو ایک دیوی قرار دے دیا جسکی ابتک پوجا کرتے ہیں۔ اور اس خیال کے اس قدر حامی ہیں کہ جب تک ماتا گھر میں رہتی ہے۔ گوشت مچھلی کا گھر میں لانا اسکی دلشکنی کا باعث خیال کرتے ہیں چنانچہ چیچک اگر وقت پر ڈھل جاتی ہے تو خوشی کیساتھ ماتا دیوی کا گھر سے چلا جانا خیال کیا جاتا ہے۔ اور اگر ڈھلنے میں غیر معمولی وقفہ ہو جاتا ہے یا چیچک میں کوئی خرابی پیدا ہو جاتی ہے تو وہ "ماتا" کی ناراضی اور ضد پر محمول کیا جاتا ہے۔ اور عوام کا یہ بھی خیال ہے کہ جب ماتا گھر میں داخل ہوتی ہے تو پہلے گھر والوں میں سے کسی کو اسکی آمد کا خواب نظر آتا ہے اور جس رات کو ماتا ڈھلتی ہے تو کسی عورت کا گھر سے چلا جانا خواب میں معلوم ہوتا ہے۔ بس ان باطل عقیدوں اور بے سر و پا اصولوں سے مرض چیچک کا صحیح اور فی الوقت علاج نہ ہونے سے بہت سے شاملات پیدا ہو کر ایسے برے نتائج پیدا ہوتے ہیں جو مدت العمر اصلاح پذیر نہیں ہوتے۔ چنانچہ اکثر مریضوں کی آنکھوں میں چیچک کے زخم رہ جاتے ہیں۔ اور پھلی پڑ جاتی ہے۔ بعض بچوں کی ناک کا بانسہ سڑ جاتا ہے۔ بعض کے زخم خراب ہو کر ناسور بنجاتے ہیں۔ بعض مریض عدم تدابیر کے سبب بہرے، گونگے، فالج زدہ نظر آتے ہیں۔ بہت سے مریض بحالت مرض خناق، نمونیا، سرسام ام الصبیان وغیرہ میں مبتلا ہو کر راہی ملک عدم ہو جاتے ہیں۔ لہذا اس مرض میں علاج کی جانب سے غفلت کرنا بچوں کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ وقتی اور بہتر تدابیر نہ ہونے سے سخت نقصان پہنچتا ہے۔ اور سینکڑوں عزیز جانیں توہم پرستی کے دیوتا کی بھینٹ چڑھکر والدین کو داغ مفارقت دیجاتی ہیں۔ بس جس وقت اس مرض کی وبا عام طور پر پھیلی ہوئی ہو اور ابتدائی بخار شروع ہو تو فوراً ہی کسی قابل طبیب سے مشورہ لینا چاہیئے۔ اور قبل از ظہور حفظ ماتقدم کی تدابیر پر عمل کرنا مناسب ہے۔

چیچک کی تعریف

اطبا کے نزدیک چیچک ایک شدید وبائی بخار ہے جسمیں بدن پر خاص قسم کے دانے بھی نکلتے ہیں چنانچہ جس بستی اور جس گھر میں یہ مرض پھیلتا ہے وہاں کے اکثر لوگ اسکی چھوت و وبائیت سے مبتلائے مرض ہو جاتے ہیں۔

اسباب

خون میں جوش و تعفن کا پیدا ہونا۔ چیچک کی چھوت لگنا۔ ہوا میں عفونت کا پیدا ہونا۔ تغیر موسم گرما۔ طبیعت کا فضلات کو خارج جلد کیطرف بسبیل بحران دفع کرنا۔ گرمی میں رہنا اور گرم اشیا رکھانا۔ بدن میں اخلاط فاسد کا موجود ہونا۔

علامات بروز چیچک

بخار آنے سے پہلے اعضا میں گرانی اور ماندگی پیدا ہوتی ہے، یا ۱۲ دن کے بعد لرزہ دیکر بخار چڑھتا ہے۔ قے، درد پشت اور درد کمر، درد سر، گرانی بدن، ناک کا کھجلانا اور آنکھوں سے اور ناک سے پانی بہنا۔ دانہ نکلنے کے قریب رونگٹے کھڑے ہونا رخساروں کا تمتمانا۔ نیند میں ڈرنا اور چونکنا۔ اعضا میں تشنج پایا جا

منہ میں خشکی، ہذیان، بیہوشی، اعضا کا پھڑکنا، کانپنا۔ غذا سے نفرت، بخار ۱۰۴ سے ۱۰۶ تک ہونا۔ سانس میں تنگی۔ یہ سب اسکے کلی واکثری علامات ہیں جو بعض مریضان میں ان میں کی اکثر اور بعض میں اختلاف مادہ کے مطابق کمتر ظاہر ہوتی ہیں۔

بخار کے عموماً تیسرے چوتھے دن جب بخار کم ہوجاتا ہے تو دانے بدن پر ظاہر ہوتے ہیں جو پہلے پیشانی اور رخسارہ پر یا پشت یا دست پر۔ بعدہٗ ایک دو دن میں تمام جسم پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اور جب دانوں میں پیپ پڑ جاتی ہے۔ تو بخار تیز ہوکر بتدریج اتر جاتا ہے۔ عموماً ۱۱ دن سے ۱۴ دن کے اندر ڈھل جاتی ہے۔ اسکے بعد مہینہ بھر تک کھرنڈ اترتے رہتے ہیں۔ مگر خسرہ میں تیسرے چوتھے دن پھنسیاں نمودار ہوکر دسویں دن تک بخار اتر جاتا ہے۔

علامات ردیہ

دانے بے انتظامی سے دیر میں ظاہر ہوں یا نکلکر بیٹھ جائیں، بخار دن بدن شدت اختیار کرے۔ بے چینی، ہذیان، غنودگی زیادہ ہو، چہرہ بھنچ جائے۔ سانس بہت جلد جلد چلے۔ بجائے پیپ کے دانوں میں خون ہو یا دانے سیاہ پڑ جاویں۔ بار بار ام الصبیان کے دورے پڑیں۔ گلا بند ہوجائے۔ غیر معمولی دست جاری ہوں۔ تو یہ چیچک کے بگڑنے کی علامات ہیں۔

ٹیکہ اور تدابیر حفظ ما تقدم

ٹیکہ اس مرض کے حملہ کو روکنے کے لئے ایک تجربہ شدہ علاج ہے۔ قدیم زمانہ میں مادہ چیچک سے ٹیکہ لگانا ہندوستان اور چین میں بکثرت رائج تھا۔ اب اس زمانہ موجودہ میں ٹیکہ نے اس مرض کے انسداد میں جس کامیابی سے ترقی حاصل کی ہے۔ وہ اظہر من الشمس ہے۔ چنانچہ ٹیکہ سے اسوقت دنیا کا بچہ بچہ واقف ہو چکا ہے۔ بلکہ چیچک کا ٹیکہ ہی درحقیقت وہ بنیادی پتھر ہے۔ جسپر عام ٹیکے کے علاج کا عظیم الشان قصر تعمیر ہوا ہے۔ اور دن بدن اسکی ہمہ گیری اسقدر بڑھ رہی ہے کہ کوئی تعجب نہیں کہ چند سال کے بعد دنیا میں دوا کا بذریعہ دہن استعمال بالکل متروک ہوجائیگا۔

ٹیکہ لگانے سے یا تو چیچک بالکل نہیں نکلتی ہے یا نکلتی ہے تو بہت کم اور خفیف ہوتی ہے۔ اسکے استعمال کے بعد بچہ کو چیچک کے ماحول میں رہنے اور چیچک زدہ مقامات پر جانے میں کوئی خطرہ باقی نہیں رہتا۔ ٹیکہ میں چیچک کا مواد مناسب مقدار میں داخل جسم کیا جاتا ہے۔ جس سے بدن میں قوت مدافعت پیدا ہوجاتی ہے۔ یعنی سیرم (محلول چیچک) کو بدن میں پیوست کرنے سے خون میں ایسے تریاقی مواد پیدا ہوجاتے ہیں۔ جو چیچک کے حملہ کو روک سکیں اور چیچک نہ نکلنے پائے۔

چھ ہفتے سے تین ماہ کے بچہ کو جو تندرست ہو بخار و معدہ اور آنتوں وغیرہ کی بیماریوں میں مبتلا نہ ہو۔ اسوقت ٹیکہ لگانا بہتر ہے۔ لیکن جب چیچک وبائی طور پر پھیلی ہو تو پھر کسی عمر کا لحاظ نہ رکھیں۔ مگر ایک سال ٹیکہ کامیاب نہ لگا تو دوسرے سال پھر دوبارہ ٹیکہ لگا سکتے ہیں۔ ماہ چیت میں چیچک کے شروع ہونے سے پہلے تحفظ کی غرض سے بچوں کے پس گوش و گدی پر جونکیں لگا دیں اور طبیب کی رائے سے پچھنے لگا کر مناسب مقدار میں خون نکالیں جسم کو فضولات سے فصد و مسہل کے ذریعہ صاف کریں۔ چیچک کے ایام میں بچوں کو ٹھنڈی اور مقوی دل دوائیں جیسے شربت ریباس اور شربت انار شیریں سکنجبین سادہ شربت نیلوفر، شربت کیوڑہ شربت گل لالہ، عرق کیوڑہ عرق نیلوفر عرق کیوڑہ عرق گلاب عرق بید مشک پلاتے رہیں۔ شربت کیوڑہ اور شربت گل لالہ اس مرض میں عجیب الاثر ہیں چنانچہ کیوڑہ کی لکڑی کے برادہ کو پانی میں جوش دیکر صاف کرکے شکر ڈالکر قوام بنالیں۔ اور بچوں کو یہ شربت روزانہ صبح و شام پلاتے رہیں۔ پس اگر چیچک سے پہلے اس کا استعمال شروع کرینگے تو چیچک نہیں نکلیگی اور اگر بخار کی حالت میں دینگے تو پھر دانے نہیں نکلینگے، بخار ہی اتر جائیگا اور جب دانوں کی حالت میں دینگے تو جیسے دانے نکلے ہیں دبی رہجاتے ہیں۔ دوسرے دانے نہیں نکلتے ہیں اور بچہ صحیح و تندرست اس سے نجات پاتا ہے۔ یہی تاثیرات شربت گل لالہ کی ہیں بلکہ اس سے زیادہ مفید و مؤثر ہے۔ پھل اور غذا میں سرد و خشک صفرا و خون کی بجھانے والی دیں۔ جیسے فالسہ، جامن، آلو بخارا، خرفہ

پالک کا ساگ، لوکی وغیرہ۔ رودراج کا دانہ جس کی ہندو لوگ مالا بناتے ہیں۔ تھوڑا سا قدرے پانی میں گھسکر بچہ کو تین یا چار دن تک پلادیں تو چیچک آسانی کے ساتھ بہت کم نکلتی ہے۔ یا نکلتی ہی نہیں ہے اسی طرح گھوڑی کا دودھ جس نے پہلی بار بچہ دیا ہو اسی دن دودھ کو سایہ میں خشک کرکے چنے کے برابر گولیاں بنالیں اور ایک ایک گولی ۴/۵ دن تک روزانہ بچہ کو کھلائیں۔ تو یہ ٹیکہ کے اثرات کا قائم مقام ہے۔ یا نوزائیدہ گھوڑی کا دودھ تھوڑا تھوڑا روزانہ بچوں کو ایک ہفتہ تک پلائیں اس سے بھی چیچک قطعاً نہیں نکلتی ہے یا نکلتی ہے تو خطرناک صورت اختیار نہیں کرتی ہے۔ اگر شیرخوار بچہ ہو تو اسکی ماں کو ایک ہفتہ تک ۴ تولہ مغز نارجیل روزانہ کھلاویں لیکن بچہ بڑا ہو تو ۲/۳ تولہ بچہ کو بھی کھلاویں اسکے استعمال سے چیچک بہت کم نکلتی ہے۔ تین چار دن تک ایام چیچک میں ہری منڈی روزانہ بچہ کو نگلوادیا کریں تو اس سے بھی چیچک کا انسداد ہو جاتا ہے۔ سفیدی بیضہ مرغ چیچک نکلنے سے پہلے بچہ کو دو چار دن تک پلائیں تو اس سے بھی چیچک نہیں نکلتی ہے یا نکلتی ہے تو خفیف و بلا ایذا۔ نکل جاتی ہے۔ ایام چیچک میں اونٹ کا دودھ ۳ یا ۴ ماشہ یا زیادہ حسب عمر جوان و بچوں کو ۳ روز تک پلادیں اس سے بھی چیچک نہیں نکلتی ہے۔ یا کم نکلتی ہے۔

سات عدد مروارید ناسفتہ بچوں کو کھلانے سے چیچک نہیں نکلتی ہے۔ جوان آدمیوں کے لئے نصف ماشہ پسے موتی نگلوادئے جاویں۔

خوش خطہ اور معتدل ہو۔ اور صاف ستھرے مکان میں بود و باش اختیار کریں۔ گندگی اور کچرے کوڑے سے مکانات کو صاف رکھیں۔ ٹھنڈے خوشبودار بخور گھروں میں روزانہ سلگاتے رہیں۔ تازہ پانی سے بچوں کو روزانہ غسل دیتے رہیں۔ گرم ہوا دھوپ گرمی، گرم غذاؤں، دواؤں، گوشت شراب مٹھائی، خرما شہد، انگور، خربزہ، انجیر و دیگر مولدات خون و تیز چیزوں سے بچوں کو پرہیز کرائیں۔ سرکہ در و دیوار پر چھڑکیں اور سونگھیں اور کھاتے رہیں۔ عطر خس، عطر گل، عطر گلاب، عطر برگ حنا کپڑوں و بستروں پر ملتے رہیں۔

ضروری علاج بحالت چیچک

جب چیچک نکل آوے تو عناب ۳ دانہ، عرق گاؤزبان ۳ تولہ، عرق مکو ۳ تولہ میں پیس کر صاف کرکے قدرے شکر ملاکر خاکسی ۲ ماشہ چھڑک کر پلادیں۔ ابتدا سے لیکر دانہ بھرنے کے بعد تک ذیل کا نسخہ پلاتے رہیں۔ اس سے ہر حالت میں نفع ہوتا ہے۔

تخم کیوڑہ ۲ ماشہ، عناب ۲ دانہ برگ شاہترہ ایک ماشہ خاکسی ۲ ماشہ جوش دیکر صاف کرکے شربت گل لالہ ۲ ماشہ ملاکر صبح و شام پلاتے رہیں۔ اگر دانہ کم ابھریں اور رفع قبض و تفتیح مسام کی ضرورت ہو تو نسخہ بالا میں منقیٰ ۵ دانہ انجیر زرد ایک عدد کا اضافہ کردیں۔ اگر کھانسی ہو تو برگ شاہترہ کاٹ کر گل بنفشہ اصل السوس کا اضافہ کردیں۔ ابتدائے مرض میں عرق عناب قرع انبیق سے نکالکر مریض کو صبح و شام بطور دوا کے پلادیں۔ یہ بالخاصیت اس مرض میں عظیم النفع ہے۔ میرے مطب میں ابتدائے مرض سے دانہ نکلنے تک ذیل کا نسخہ دیا جاتا ہے۔ جو ہمیشہ مفید پڑتا ہے اور دانے اچھی طرح نکلتے ہیں۔ تفتیح مسامات ہوکر بخار بتدریج ہلکا ہو جاتا ہے۔ اعضائے رئیسہ کو تقویت پہنچتی ہے۔ روزانہ اجابت بھی ہو جاتی ہے۔

نسخہ: ۔ خمیرہ مروارید ایک ماشہ ہمراہ خاکسی ۲ ماشہ عناب دو دانہ منقیٰ ۵ دانہ اصل السوس مقشر ایک ماشہ پانی میں جوش دیکر صاف کریں اور دن میں ۳ مرتبہ پلادیں۔ چیچک نکلنے میں جب سوزش و کرب و بے چینی اور خفقان عارض ہو تو زہر مہرہ خطائی، مروارید ناسفتہ نصف ماشہ سودہ۔ ورق نقرہ کلاں یک۔ شربت عناب ایک تولہ۔ شربت کیوڑہ ایکتولہ عرق بید مشک ۲ تولہ میں حل کرکے خاکسی ۲ ماشہ چھڑک کر پلادیں۔ تفتیح مسام و خروج چیچک کے لئے خاکسی بدن اور بستر پر چھڑکیں۔ طاقت بحال رکھنے اور تقویت اعضائے رئیسہ کیلئے خمیرۂ مروارید دو دو ماشہ صبح و شام بچہ کو کھلاتے رہیں۔ بحالت

گھبراہٹ و وحشت کرب عرق بید مشک یا عرق صندل میں کپڑا تر کر کے سینہ و دل پر رکھیں۔ جب دانے خشک کرنا منظور ہوں تو خاکستر یا چکر شتی مریض کے بستر پر بچھا دیں۔ اور اگر دانوں میں خارش ہو تو برگ گز (جھاؤ) و ہوج پیتر یا منڈی کی بن پر دھونی دیں۔ ہاتھوں پر تھیلیاں باندھیں۔ تاکہ بچہ کھجلا نہ سکے اگر زخم ہو تو عفونت پیدا ہو جائے تو مدرسے کا فور روغن دیوار میں حل کر کے لگائیں۔ یا مرہم کافوریا روغن گل زخموں پر ملیں یا سپید کاشغری یا نشاستہ چھڑکیں۔ مریض کی آنکھوں کو تازہ پانی سے چند بار دھلاتے رہیں بلکہ سرمہ لگا دیں۔ ناک کی خشکی اور خراش دور کرنے کے لئے روغن گل نتھنوں میں لگائیں۔ ڈھلنے کے بعد دیولی (دکھرنڈ) اکھڑنے کے لئے تل کا تیل اور قدرے پانی ہاتھوں میں چپڑ کر بدن پر ملیں۔ دانے خراب ہو کر دب جاویں تو کر بجو کی پتی بستر پر بچھا کر بچہ کو اس پر لٹا دیں۔

ضروری احتیاطیں بحالت مرض

مریض کو ہلکا کپڑا اڑھائے رکھیں۔ ٹھنڈی ہوا سے بچائیں۔ بہت ٹھنڈا پانی اور برف کا پانی نہ پلا دیں۔ پنکھے سے ہوا نہ کریں۔ بہت سرد مقام اور سیل میں مریض کو نہ رہنے دیں۔ مریض کے کمرہ میں معتدل تازہ ہوا آنے دیں اور ٹھنڈی خوشبویات جیسے برادہ صندل گلاب، کافور، وغیرہ سلگا کر ہوا کو صاف کرتے ہیں۔ قدرے سونا (طلا) نیلے کپڑے میں باندھ کر بچے کے گلے میں لٹکائیں۔ اندھیرے کمرے میں شور و غل سے بچا کر مریض کو لٹا دیں۔ جھاؤ کی لکڑی کے پانی میں کپڑا رنگ کر بچہ کو پہنا دیں۔ زیادہ بات چیت نہ کریں اور نقل و حرکت کی تکلیف نہ پہنچا دیں۔ سکون کے ساتھ لیٹا رہنے دیں۔

مریضان چیچک کی غذا و پانی

مسور یا مونگ کی دال پکا کر اس کا پانی۔ دودھ اور نشاستہ ہوا، فرنی، آش جو، قدرے میٹھی روٹی، رو سے کا بسکٹ، مونگ و مسور کی کھچڑی بھنے ہوئے چنے، پھلولی، شیر برنج، چاول شکر میں پکے ہوئے، پیپرمنٹ کی مٹھائی کی ٹکیاں، منقٰے، تازہ و صاف سادہ پانی پلا دیں یا بجائے پانی کے عناب کا عرق یا نیلوفر کا عرق۔ یا گاؤزبان کا عرق پلا دیں۔ یا پانی کو ابال کر صاف و سرد کر کے پلا دیں۔

بہنوں کو چاہئے کہ ان ہدایتوں پر خاطر خواہ عمل کرتی رہیں

اموات

نمبر شمار	تاریخ	نام میت	ولدیت	نام محلہ	عمر متوفی	کیا مرض ہوا
۴	۱۲ دسمبر	اقبال احمد	محمد عثمان جالندھر والے	نواب گنج	۱۱ ماہ	نمونیہ
۵	۱۵ دسمبر	محمد عاشق	شہاب الدین نیلام والے	رنڈی والا باغ	۶۰ سال	فالج
۶	”	حمیدہ خاتون	محمد عمر کوئیلے والے	چھوٹا چرواڑہ	۲ یوم	نمونیہ
۷	۲۱ دسمبر	منیجہ بی زوجہ منشی عبدالغنی	شیخ حبیب بخش	احاطہ کالیصاحب	۵۰ سال	فالج
۸	”	محمد یوسف	عبدالغفار کپڑے والے	بارہ دری نواب وزیر	۲ ماہ	حکم ربی
۹	۲۸ دسمبر	مسماۃ آمنہ بی زوجہ عزیز الرحمن	حاجی فضل الٰہی	طوطا میدہ	۵۰ سال	دیا بیطیس
۱۰	”	فخر النساء	حافظ سبزیانی والے	رنڈی والا باغ	” ”	بخار
۱۱	۲۹ دسمبر	تاج الملوک	محمد یامین کلکتہ والے	کشن گنج	۳ ”	نمونیہ
۱	۲ جنوری	عبدالمعبود	عبدالباسط مغلسرائے والے	برف خانہ	۵۰ ”	پیاس
۲	۱۲ جنوری	سلیم میاں	صفات پنجابی چھتری والے	بلماران	۱۵ یوم	بخار
۳	”	فضل الدین	محمد یونس دودھ والے	کڑہ شفیع	۱۲ سال	”
۴	۱۵ جنوری	محمد سلیم	محمد یسین برف والے	احاطہ کدارہ	۳ یوم	”
۵	”	کرم الٰہی بٹن والے	حبیب بخش	بیری والا باغ	۶۰ سال	”
۶	”	زوجہ عبدالسلام ابنار والے	ضیاء الحسن کلکتہ والے	نواب گنج	۲۵ ”	”
۷	۱۶ جنوری	بیوہ حافظ شہاب الدین	فضل الٰہی اجمیر والے	کشن گنج	۶۰ ”	”
۸	۱۹ جنوری	اللہ رکھی	عطاء اللہ لاہور والے	نیا محلہ	۲ یوم	”
۹	۲۰ جنوری	امینہ خاتون	محمد ابراہیم چاول والے	حویلی حسام الدین	۳ ”	[illegible]
۱۰	۲۳ جنوری	عبدالخالق	محمد یحییٰ بٹن والے	بھوجی اچھا جی	۷ ماہ	بخار

ہمارا اخلاق

(از محترمہ مسز برلاس صاحبہ)

ہر کس و ناکس کی زبان پر اخلاق کا پٹنا ہے۔ کسی محفل میں چند بہنیں جمع ہوئیں اور انہوں نے اخلاق کی کہانی شروع کر دی مگر صد ہزار افسوس کہ وہ خود ہی اس کے برعکس چلتی ہیں۔ بھلا یہ کونسا انصاف ہے کہ خود اخلاق سے اتنی گہری ہمدردی رکھیں اور پھر خود ہی اس کے خلاف عملدرآمد کریں۔ مثل مشہور ہے "ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور" اس کے ماننے میں کسی ذی ہوش کو ہرگز تامل نہ ہوگا کہ اخلاق انسان کے لئے بہت بڑی صفت ہے۔ مانا کہ ایک بہن زیور علم سے مالامال ہے اور دولت کی بھی مالک ہے، لیکن اگر وہ اخلاق سے کوسوں دور ہے تو بادی النظر میں اس کی کچھ قدر و قیمت نہیں۔ اخلاق کے اصول ہر ایک پر یکساں لازم ہیں۔ یہ نہیں کہ امیر کے لئے کچھ اور غریب کے لئے کچھ۔ اخلاق کا زرین اصول یہ ہے کہ ؎

"ہر چہ بر خود نہ پسندی بر دیگراں ہم مپسند"

مگر کتنی بہنیں جو اس پر عمل کرتی ہیں۔ عام طور سے تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ کسی کے پاس دولت ہوئی، خواہ زر کی، خواہ علم کی اور خواہ حسن کی۔ یا اس کا شوہر کسی رتبہ پر فائز ہوا بس اس کا دماغ آسمان پر چڑھ گیا۔ سب اس کے بے مول غلام ہیں۔ اگر اس کی خوشامد نہ کریں تو معزور ہیں۔ پھر بمصداق ؎

"پیراں نمی پرند مریداں می پرانند"

کچھ بہنیں ایسی ہیں جو ان کے جا و بے جا خوشامد کرنے میں اپنی عزت سمجھتی ہیں۔

میں جو کچھ بھی اپنے خیالات حوالۂ قلم کر رہی ہوں وہ اپنے مشاہدے سے لکھ رہی ہوں۔ اکثر جلسوں، پارٹیوں اور دیگر محفلوں میں دیکھا گیا ہے کہ ہماری مسلمان بہنیں سب سے پہلے پوشاک کا جائزہ لیتی ہیں۔ جو بہن قیمتی زیورات، بھاری ساڑھی پہنے نظر آئیں بس اسی کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو گئیں۔ اور لگیں اس سے ملاقات کی سبیل ڈھونڈنے۔ اگر اتفاق سے کسی جاننے والی بہن نے ان کے شوہر کے ڈیڑھ گز لمبے نام کے ساتھ تعارف کرا دیا تو کیا کہنا، ورنہ خود بھی ان بہن سے بات چیت کرنے میں کوئی تامل نہیں۔ اور کیوں ہو؟ ان کی پوشاک میں خود ہی زبردست کشش ہے۔ غرضیکہ ان سے مصافحہ کرنے کھڑی بھی ہوئیں اور باتیں شروع کر دیں۔ حالانکہ ان سے قطعی ناواقف ہیں۔ مگر ناممکن تھا کہ ان کے لباس اور زیور کی بھڑک ان کو چپکا بیٹھنے دیتی۔

الغرض تھوڑی دیر میں خاصی رسائی حاصل ہو گئی۔ دوسری بہنوں سے ان کے اخلاق و اوصاف میں تعریف کے پل باندھ دیئے۔

میں حیران ہوں کہ ایسی بہنوں کا ضمیر کس خمیر کا بنا ہوا ہے۔ جھوٹی خوشامد اور شوروے پن سے کونسی عزت حاصل ہو گئی۔ بعض بہنوں میں یہ عادت نہایت خراب ہے کہ جس قدر امیر آدمی ان کے خیالات میں ہوں گے انھیں بلا تکلف اپنا رشتہ دار ظاہر کریں گی۔ اور غریب جو درحقیقت ان کے قریبی رشتہ دار ہیں ان کا نام بھی نہ لیں گی۔ متمول بہن کے خاندان کا کچھ لحاظ نہیں۔ علمی لیاقت سے

کچھ سروکار نہیں۔ ان کا لباس اور زیورات ان کے تمام عیوب کو ڈھانکنے کے لئے کافی ہیں۔ آہ! یہ دولت کی پرستش ہے۔ انسان کی کچھ قدر نہیں۔

معمولی لباس والی بہن کے ساتھ جو برتاؤ ہوتا ہے وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ خاندان سے اعلیٰ ہیں بلکہ دہلی کی ناک ہیں، سینہ میں علم کا خزانہ دفن ہے، اخلاق حسنہ اور اوصاف حمیدہ سے مزین ہیں۔ مگر ان کی وقعت کہاں۔ غریب کے پاس نہ رہنے کو کوٹھی ہے نہ سواری کو موٹر۔ نہ فوق البھڑک لباس ہے اور نہ آنکھ میں چکاچوند پیدا کرنے والے زیورات ہیں۔ البتہ دولت لازوال کی ضرور مالک ہیں۔

مگر ہر شخص اس کی کب قدر کرتا ہے، عوام الناس دولت کے عاشق ہیں۔ باوجود ان تمام اوصاف کے اور مدت کی دوستی کے ممکن نہیں کہ ہماری معزز بہن ان بہن سے آنکھ تو ملا لیں۔ غریب برابر پہلو میں بیٹھی ہے اور ضرور ان بہن کے اخلاق کے اظہار اپنے دل میں لگا رہی ہے۔ مگر وہ شان نواز بہن دولت کی پجاری ان سے بات چیت کرنا اور انھیں قریب بٹھانا کسر شان سمجھتی ہیں۔ خصوصاً جبکہ ان کو اتنا بڑا رسوخ حاصل ہو گیا ہے کہ قیمتی ساڑھی والی بہن ان سے بات چیت کرنے لگی ہے۔ وہ تو دل ہی دل میں دعا مانگ رہی ہے کہ خدا کرے یہ اٹھ کر دوسری طرف چلی جائے۔ کیا اس کا نام اخلاق ہے؟ کیا اس کو آپ اور میں اور صاحبان انصاف اخلاق کہیں گے؟

نہیں ہرگز نہیں! یہ دولت کی پرستش ہے۔ جو نہایت زبوں طریقے سے کی جا رہی ہے۔ ہمارے پیغمبر صاحب (جن کے نام پر میں قربان ہو جاؤں) ہمیشہ غریب آدمیوں سے دوستی رکھتے تھے۔

ہمیں چاہئے کہ آپ کے اسوۂ حسنہ کی تقلید کریں۔ کتابوں میں آپ کے اخلاق کا مطالعہ کریں۔ اور نیک اوصاف حاصل کریں۔

دولت کے غرور اور شریوں کی خوشامد سے غریبوں کی تذلیل کے نئے نئے طریقے جاری ہو رہے ہیں۔ جو اسلام میں ہمیشہ مذموم مانے گئے ہیں۔ ہمارے یہاں دولت کی کمی زیادتی نے سوسائٹی میں کبھی ایسے تفرقے نہیں ڈالے۔ جواب دیکھے جا رہے ہیں۔ دولت کا یہ امتیاز مغرب سے آیا ہے۔ مگر صرف عیب کی صورت میں جلوہ گر ہو رہا ہے۔ وہاں دولت کے ساتھ کچھ فرائض بھی ہوتے ہیں۔ جن کا احساس یہاں کے دولتمند بہت کم بلکہ شاذ و نادر کرتے ہیں۔ مغرب میں تمام قومی کام ملک کے دولتمند چلاتے ہیں۔ بڑی بڑی یونیورسٹیاں اور ہسپتال ان کے روپے سے چل رہے ہیں۔ دیگر چھوٹے موٹے کام تو بے شمار ہیں۔ جن کا بار صرف دولتمندوں کے کندھوں پر ہے۔

ہمارے یہاں یہ فیاضیاں عنقا ہیں۔ مگر دولت کے نشہ میں مغرب کی تقلید نمائشی ضرور ہے۔ دولت کے تمام حقوق لینے کے لئے نہایت دلیر۔ مگر فرائض کی انجام دہی میں غایت درجہ سست۔

میں ایسی بداخلاقیوں کی صرف دو مثالیں دوں گی۔ اکثر محفلوں میں یہ ہوا کرتا ہے کہ معزز مہمانوں کے لئے صدر کے قریب چند نشستیں مخصوص ہوتی ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی تخصیص نہیں ہوتی۔ مگر بعض محفلوں میں دو قسم کی نشستوں کا انتظام ہونے لگا ہے۔ امیر بہنیں کرسیوں پر ڈٹی رہتی ہیں اور غریب بہنیں فرش پر بٹھائی جاتی ہیں۔

حال ہی میں مجھے ایک محفل میں شرکت کا موقع ملا۔ اس محفل میں صاحب محفل کی فراخ دلی سے پہلے ہی سے دونوں انتظام تھے۔ کرسیاں کافی نہ تھیں۔ بہنیں کثرت سے جمع ہوئیں۔ امیر بہنیں کرسیوں پر بیٹھنے لگیں۔ حتیٰ کہ سب امیر بہنیں کرسیوں پر بیٹھی نظر آئیں۔ بھلا وہ فرش پر کس طرح بیٹھ سکتی تھیں۔

افسوس! کوئی امیر بہن خلاف اور بہتر کا بھی فرش پر نہیں بیٹھی۔ دفعتاً اس خیال نے میرے دل میں چٹکیاں لیں اور پاس بیٹھنے والی بہنوں کو توجہ دلائی کہ خدارا یہ کیا بداخلاقی ہے کہ کھاتی پیتی بہنیں کرسیوں

پرونق افروز ہیں۔ اور غریب بہنوں کا مجمع فرش پر ہے۔ انہیں اور فرش پر بیٹھے۔

الغرض میرے کہنے سننے سے کچھ بہنوں کو غیرت آئی اور کئی بہنیں اتر کر نیچے بیٹھیں۔ یہ تفریق صاحب انتظام کی تھی۔ اول ہی سے ایک قسم کا انتظام رکھا تھا۔ خدا تعالےٰ نے امیر غریب دونوں کے لئے موت اور پیدائش ایک ہی طریقہ سے رکھی ہے۔ اور اسکے نزدیک سب بندے برابر ہیں بلکہ بھائی بھائی ہیں۔ اگر یہی تفریق جاری رہی تو وہ دن دور نہیں کہ امیر لوگ مسجدوں میں اپنے لئے چوکیوں کا مطالبہ کرنے لگینگے کہ فرش پر نماز پڑھنے والے غریبوں سے ممتاز ہوجائیں۔

اس سے بڑھ کر بدتمیزی کھانے میں تفریق کی ہے۔ الگ الگ دسترخوانوں پر بٹھا کر کھانا کھلانے کی تو ایک حد تک حمایت کیجا سکتی ہے۔ مگر یہ کہاں سے جائز ہوا۔ کہ غریب مہمانوں کو گھٹیا کھانا دیا جائے۔ اور امیر مہمانوں کو پرتکلف۔ مہمان مہمان سب برابر ہیں۔ ہر شخص کو ایک آنکھ سے دیکھنا چاہیئے۔ یہ نہایت شرم کی بات ہے کہ غریب مہمانوں کو اسطرح ذلیل کیا جائے۔ اس سے بڑھکر اور کیا بداخلاقی اور بدتمیزی ہوگی؟

میزبان کو امیر بہنوں کو پرتکلف دعوت دینی ہے تو اسکے اور طریقے ہیں، دوسرے روز انتظام کیا جا سکتا ہے۔ ان کو چاہیئے کہ پارٹی دیجائے چاہئے ڈنر کوئی اعتراض نہیں کرے گا۔ مگر ایک ہی روز ایک ہی وقت دو قسم کے دسترخوان بچھانے تو بڑی بے غیرتی کی بات ہے۔

میرے دل کو درحقیقت سخت تکلیف پہنچتی ہے، جب بہنوں کا ایسا بیجا برتاؤ دیکھتی ہوں اور بداخلاقی کا یہ نتیجہ مل رہا ہے کہ غریب بہنوں کے دل سے امیروں کی وقعت اٹھتی جا رہی ہے۔ اگر یہ بے وقعتی نفرت سے بدل گئی تو انجام خراب ہوگا۔ مجھے اکثر قومی کاموں میں حصہ لینا پڑا ہے اور غریب بہنوں نے بعض مواقع پر صاف کہہ دیا ہے کہ امیر بہنیں تو ہم سے بات چیت کرنا بھی کسرِ شان سمجھتی ہیں۔ پھر ہم سے امداد کی توقع کیسی؟ اور یہ بالکل سچ ہے۔

ہم کو مناسب ہے کہ بہترین تعلیم حاصل کریں اور ایسا زبردست اخلاق پیدا کریں کہ ہرگز کسی کی دل شکنی روا نہ رکھیں۔ اور بڑا پن ترک کر دیں۔ تعلیم کے ساتھ تربیت بہت ضروری ہے۔ بغیر تربیت کے تعلیم ادھوری ہے۔ دل آزاری گناہ کبیرا ہے۔ اخلاق سے جو محبت دوسروں کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے وہ مرنے کے بعد بھی بہترین یادگار بنجاتی ہے۔

بحث و مباحثہ

سواری کونسی اچھی ہے

(از محترمہ عابدہ خاتون)

ماہ جنوری کے پرچہ میں بہن رضیہ خاتون کا مضمون "سواری کونسی اچھی ہے؟" چھپا ہے۔ جس میں فاضل بہن نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ڈولی خواتین کے لئے سب سے اچھی۔ آرام دہ، باپردہ۔ غرض ہر طرح کی آرام دہ سواری ہے۔

میں اس تجویز کی سخت مخالفت کرتے ہوئے یہ تجویز پیش کرتی ہوں کہ پیدل چلنا سب سے اچھا ہے۔ لائق بہن نے اپنی تجویز کی تائید میں جو جو ثبوت پیش کئے ہیں۔ میں ان میں سے ہر ایک کو لیتی ہوں۔

آپ نے شروع میں کہا ہے کہ "ڈولی ایک ایسی سواری ہے جس کو ہمارے بڑوں نے بہت کچھ سوچ سمجھ کر تجویز کیا ہے"۔ میں اسکے جواب میں صرف اتنا عرض کرنا چاہتی ہوں کہ ہمارے بڑوں نے یہ رسمیں بھی تو بہت کچھ سوچ سمجھ کر بنائی تھیں۔ جو آج اپنی موت آپ مر رہی ہیں۔ ڈولی کا رواج دراصل شاہی خاندان کی عیاشانہ ذہنیت کی پیداوار ہے۔ میرے خیال میں تو یہ ایک ایسا تکبر، نخوت اور مردم آزاری کا نمونہ ہے۔ جس کو خداوند رحیم کبھی برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کا ایک بندہ دوسرے بندے کو تمام اعضاء صحیح سلامت ہونے کے باوجود محض چند پیسوں کے لئے اپنے کاندھے پر اٹھائے پھرے۔ اس نے دو ٹانگیں چلنے کے لئے اسی لئے عنایت کی ہیں کہ ان سے چلا جائے اگر خواتین کو اپنے کام کاج کے لئے بازار یا کسی دوسرے گھر جانا برا ہوتا تو اللہ میاں ان کو ٹانگیں ہی نہ دیتا۔ اس کی دی ہوئی نعمت کو مفلوج کر دینا ناشکری نہیں تو کیا کہا جا سکتا ہے۔ اللہ پاک نے سواری کے لئے جانور بنائے ہیں۔ قرآن پاک میں بھی یہی ذکر ہے کہ ہم نے تمہاری سواری کے لئے مویشی پیدا کئے۔

یہ کہیں نہیں لکھا کہ غریب آدمی امیروں کی سواری کے لئے بنائے ہیں۔ چنانچہ حضور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خواتین پیدل یا اونٹوں پر جایا کرتی تھیں۔ آدمی کی سواری کسی نے نہیں لی۔ بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا تو یہ حال تھا کہ آپ جب سفر کو جاتے تو آدھے راستہ غلام کو اونٹ پر بٹھاتے اور آدھے راستے خدا کو امیر سے غریب اور غریب سے امیر کرتے دیر نہیں لگتی۔ فرض خدانخواستہ اگر ہم اپنے آپ کو وہی تصور کریں تو رونگٹے کھڑے ہو جائینگے۔ یا نہیں۔

رہا یہ سوال کہ عورتوں سے زیادہ چلا نہیں جاتا فضول ہے اگر ہم شروع سے چلنے کی عادت ڈالیں تو ہم مردوں کے مقابلہ میں برابر چل سکتی ہیں۔ اس کی مثال موجود ہے کہ انگریز اور ہندو عورتیں بغیر تھکن محسوس کئے کس طرح دور نکل جاتی ہیں۔

اس سے میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم کو پردہ ختم کر دینا چاہیے بلکہ ہم نقاب ڈالکر بھی بآسانی چل پھر سکتے ہیں یا سمیں شک نہیں کہ خدا کے بنائے ہوئے قانون کے جو خلاف چلتا ہے۔ تکلیف اٹھاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو نہ چلنے پھرنے کی وجہ

ہماری ٹانگیں بے کار ہو جاتی ہیں۔ اور جس کا اثر ہمارے ہاضمہ اور صحت پر پڑتا ہے۔ اگر ہم کو ایک محلہ سے دوسرے محلہ میں جانا ہو اور ڈولی کے بجائے ہم پیدل جائیں تو نہ صرف یہ کہ ہمارے پیسے بچیں بلکہ ہماری صحت بھی اچھی ہو جائے۔ ہم اتنے نزدل بھی نہ رہیں۔ وقت بے وقت کو ہم کو محتاجی بھی نہ رہے۔ اور اپنے بچوں اور مردوں کی دیکھ بھال بھی اچھی طرح سے کر سکیں،

میری بہن نے اپنے مضمون میں رکشا، تانگہ وغیرہ کی برائی بتائی ہے۔ میرے خیال میں تو جو کچھ برائیاں انہوں نے رکشا اور تانگہ میں بتائی ہیں اس سے زیادہ برائیاں ڈولی میں ہیں۔ انہوں نے بند تانگہ کو جیلخانہ بتایا ہے۔ کیا ڈولی اس سے کم جیلخانہ ہے۔

انہوں نے کہا ہے کہ آج کل تانگہ اور رکشا والے اچھے بُرے سبھی قسم کے ہوتے ہیں۔ میں پوچھتی ہوں اور اگر کہار کی نیت خراب ہو جائے تو وہ کیا بگاڑ سکتی ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ بل سوا بنا ہل۔ اللہ پاک سب کی محتاجی سے بچائے۔

ہائے۔ ہائے۔ ہائے اللہ۔

"بہن کیا ہوا۔ کیسی طبیعت ہے؟"

"کیا بتاؤں کچھ نہ پوچھو۔"

"آخر کچھ بتلاؤ تو سہی۔ کیا بات ہے؟"

"کیا بتاؤں۔ مجھ سے تو بولا بھی نہیں جاتا۔"

"بہن آخر معلوم تو ہو۔ کچھ منہ سے بولتی تو ہو نہیں سوائے ہائے ہائے کے اور کچھ بھی کہو گی۔"

اری سن۔ "آج ۲ دن سے سر میں اتنا سخت درد ہے کہ توبہ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سر بس اب پھٹ جائیگا۔ احمد کے باپ صبح دوائی بھی دے گئے تھے۔ مگر کچھ اثر نہیں۔ بس اب تو سن لیا۔"

"واہ بہن یہ بھی ایک ہی رہی۔ مفت میں ۲ دن سے پریشان ہو رہی ہو آخر کسی سے مشورہ ہی کر لو تو کیا حرج ہے پڑوس میں رہتی ہوں کس کام آؤنگی۔ ایک دفعہ میرے بھی ایسا ہی درد ہوا تھا کیا بتلاؤں میں تو یہ سمجھی کہ تو گولی کیا تھی جادو تھا جادو۔ ٹھہرو ابھی اگر درد نہ جاتا ہے تو میرا ذمہ۔ میں ابھی لاتی ہوں۔۔۔ لو یہ ایک گولی پانی کے ساتھ نگل جاؤ پھر تھوڑی دیر کے بعد بھی اگر کچھ درد ہو تو کہنا۔"

"نا بہن تو نہ کھاؤنگی۔ نہ معلوم کیسی گولی ہے۔"

"بہن تم کھاؤ تو سہی۔" (کھانے کے تھوڑی دیر بعد) "اری بتلاؤ سہی یہ کونسی گولی ہے مجھے تو ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ جیسے اس نے کو نیند کیلئے تھپکی دیتی ہو"

"بہن ٹھہر جاؤ جب بالکل آرام آجائیگا تب بتلاؤنگی۔" (تھوڑی دیر کے بعد) "اب تو میرے بالکل درد نہیں ہے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کہ ہوا ہی نہ تھا۔"

"سنو بہن یہ اس گولی کا نام ہے "اسپرو"۔ یہ ایک آنہ کی ۲ گولیوں کا لفافہ ملتا ہے بازار میں سے جہاں سے جی چاہے منگوا لو ایسی اچھی گولیاں ہیں کہ تعریف فضول ہے کیونکہ تم کو اب خود معلوم ہو گیا کہ یہ کیسا جادو اثر رکھتی ہیں۔ اگر زیادہ تکلیف ہو تو ایک کی بجائے ۲ اسپرو گولی تک کھائی جا سکتی ہیں اور ایک خوبی یہ ہے صرف سر کے درد کو فائدہ نہیں بلکہ اور جگہ بھی کام میں لائی جا سکتی ہیں مثلاً گٹھیا کا درد ہو، نزلہ ہو، ملیریا بخار یا اور کسی قسم کا بخار ہو۔"

"بہن میں نام بھول گئی۔ کیا بھلا نام ہے ذرا پھر بتلانا۔ میں احمد کے باپ سے کہونگی کہ وہ ۲ اسپرو لفافے خرید کر لا دیں۔"

"بہن اس کو "اسپرو" کہتے ہیں یعنی "اسپرو"، "اسپرو"، "اسپرو"۔

"اسپرو" درد اور بخار کو دور کرتی ہے اور ہر جگہ ملتی ہے۔

بہنوں کی بھاجی

گزشتہ پرچہ میں بہن رضیہ بیگم کی طرف سے چند سوالات دیکھے جو انہوں نے ناظرات پنجابی گزٹ سے پوچھوائے ہیں۔ میں ان میں سے چند کے متعلق لکھتی ہوں۔

(۱) بچے کے کنپیڑ نکلتے ہوں تو زیرہ اور کالا دانہ یا سیپی گھسکر لگا دی جائے۔ پہلی چیز سے بچے کو کچھ تکلیف ہوتی ہے۔ دوسری چیز سے زیادہ فائدہ مند ہے۔

(۲) بچہ کا پیشاب روکنے کے لئے تلوں کی گزک وغیرہ کھلایا کرتے ہیں۔

(۳) تیسرا سوال آپ نے بچے کے ہاتھ اٹھانے کی عادت کے متعلق لکھا ہے۔

میرے ساتھ اسکی کافی دلچسپ چیز سامنے آئی۔ وہ یہ کہ اتفاق سے میرا بچہ سب کو یہ کہتا تھا "مارونگا مارونگا" بلکہ بجائے اسکے کہ اس کو مارتے یا دھمکاتے۔ اسکے چھوٹے بڑے بہن بھائیوں سے کہہ دیا کہ جب یہ مارونگا کہے تو ان کو "ماروخاں" کہہ کر آواز دیا کرو۔

چنانچہ جب کبھی اس قسم کا واقعہ ہوتا ہم سب اس کو ماروخاں کہا کرتے۔ وہ شرمندہ ہو جاتا۔ کیونکہ وہ دوسرے بچوں میں اپنی توہین ہوتی ہوئی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اسلئے رفتہ رفتہ اس کی یہ عادت چھوٹ گئی۔

میں سمجھتی ہوں کہ سب بچوں میں اسی قسم کی عادت ہوتی ہے۔

(۴) مکتب کے متعلق مجھے ذاتی طور پر کچھ تجربہ نہیں ہاں سنا ہے کہ مدرسہ شمسادیہ نہ ہی نواب والا باغ "جس کا اجرا ابھی ہوا ہے اسمیں یہ اوصاف ہیں۔

پنجابی کلاتھ میل کا فیصلہ

قوم کے چند لڑکوں کو کام سکھایا جائیگا

پنجابی کلاتھ میل لمیٹڈ نے فیصلہ کیا ہے کہ چند لڑکوں کو جنکی عمر تقریباً سولہ سال ہو۔ کام سکھایا جائے۔ کام سیکھنے کے دوران میں چھ روپے ماہانہ وظیفہ دیا جائے گا۔ کام سیکھنے کے بعد حسب لیاقت تنخواہ ہوگی۔

قوم کے غریب۔ لاوارث اور یتیم لڑکوں کو ترجیح دیجائے گی۔

بچے بچیاں

ننھی مخلوق

مدیر معاون کی قلم سے

عزیز بچو! اور بچیو!!

دولت نعمت بھی ہے اور لعنت بھی۔ یہ ایک طرف انسان کو... فضول خرچ کاہل اور عیاش بناتی ہے تو دوسری طرف اس کو عزت، مسرت اور قناعت کے اعلیٰ مقام تک پہنچا دیتی ہے۔ روپیہ اگر کسی کو غداری پر آمادہ کر سکتا ہے تو اس کے برعکس ایک نوجوان کے دل میں آزادی کا جذبہ بھی پیدا کرتا ہے۔ اسکی وجہ سے اگر ایک انسان کاہل اور نکما بن سکتا ہے تو اسی کی بچت اُسے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں مدد بھی دے سکتی ہے۔ روپیہ آدمی کے اندر بے غرضی اور مستعدی کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ دولت انسان کے واسطے بری بھی ہے اور نہایت ضروری بھی۔ لوگ اس کو برا بھی کہتے ہیں لیکن اس کے حصول کے لئے کوشش بھی کرتے ہیں۔

اس پرچہ میں جتنے مضامین بچوں کے لئے شائع ہو رہے ہیں سب دولت ہی سے متعلق ہیں۔ محمد سعید صاحب سنگا پور والوں کا افسانہ "نابکار دولت" اگرچہ بڑا ہے۔ لیکن اس کو ایک ہی اشاعت میں شائع کر دیا جاتا ہے کیونکہ یہ افسانہ دلچسپ ہونے کے باوجود سبق آموز بھی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو دولت واقعی کسی کام نہ آسکے وہ بیکار ہے۔ میں ادارہ کی طرف سے اپنے دوست محمد سعید صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے ایسا مفید افسانہ ہمارے پرچہ کے لئے بھیجا۔ اور امید کرتا ہوں کہ آئندہ بھی اپنے ننھے بھائی بہنوں کے لئے اس قسم کے افسانے روانہ کرتے رہیں گے۔

محمد صالحین صاحب ریشم والوں کا مضمون "دولت اور عزت" مختصر ہوتے ہوئے بھی بے حد مفید ہے۔ اس مضمون کا ایک ایک جملہ ہمارے لئے ایک سبق مہیا کرتا ہے۔ تم کو چاہئے کہ اس مضمون کو بار بار پڑھو۔ اور اس پر عمل کرو۔ اگر ہر لڑکے اور لڑکی کی سیرت میں ہم روپیہ پس انداز کرنے کا جوہر اور انکساری کا مادہ پیدا کر سکیں تو ہماری قوم میں کام کے آدمیوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہو جائے۔

"فضول خرچ لڑکا" بے حد دلچسپ نظم ہے۔ محمد الیاس صاحب ڈبائی والوں نے اس نظم کے ذریعہ تم کو یہ بتایا ہے کہ اگر تم فضول اور غیر ضروری اخراجات پر روپیہ صرف کرنے کے عادی ہو جاؤ گے تو تمہارا روپیہ غائب ہو جائے گا اور تمہیں معلوم بھی نہیں ہوگا کہ کہاں گیا۔

میں بھی اسی اشاعت میں اسی مضمون کی ایک نتیجہ خیز کہانی دے رہا ہوں۔ امید ہے کہ اس سے بھی تم اچھا نتیجہ اخذ کرو گے میں اس کہانی سے تم کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگر تم محنت اور دیانت کو اپنا دائمی رفیق بناؤ گے اور اپنے خاص منافع سے ایک پیسہ کم خرچ کرو گے تو تمہاری جیب کبھی خالی نہ رہے گی۔ تمہارے قرض خواہ کبھی تمہاری توہین نہ کریں گے۔ افلاس اور ناداری کا بھوت تمہارے سر پر کبھی سوار نہ ہوگا۔ تمہارے بچے کبھی فاقہ کشی کے عذاب میں مبتلا نہیں ہوں گے۔

طفلِ شیر خوار

میں نے چاقو تجھ سے چھینا ہے تو چلاتا ہے تو
مہربان ہوں میں، مجھے نامہرباں سمجھا ہے تو؟
پھر پڑا روئے گا اے نووارِدِ اقلیمِ غم
چبھ نہ جائے دیکھنا! باریک ہے نوکِ قلم

آہ! کیوں دکھ دینے والی شے سے تجھ کو پیار ہے
کھیل اس کاغذ کے ٹکڑے سے یہ بے آزار ہے

گیند ہے تیری کہاں؟ چینی کی بلی ہے کدھر؟
وہ ذرا سا جانور ٹوٹا ہوا ہے جس کا سر
تیرا آئینہ تھا آزادِ غبارِ آرزو
آنکھ کھلتے ہی چمک اٹھا شرارِ آرزو
ہاتھ کی جنبش میں، طرزِ دید میں پوشیدہ ہے
تیری صورت آرزو بھی تیری نوزائیدہ ہے

زندگانی ہی تیری آزادِ قیدِ امتیاز !!!
تیری آنکھوں پر ہویدا ہے مگر قدرت کا راز

جب کسی شے پر بگڑ کر مجھ سے چلاتا ہے تو
کیا تماشا ہے ردی کاغذ سے من جاتا ہے تو
آہ! اس عادت میں ہم آہنگ ہوں میں بھی ترا
تو تلون آشنا، میں بھی تلون آشنا
عارضی لذت کا شیدائی ہوں چلاتا ہوں میں
جلد آجاتا ہے غصہ، جلد من جاتا ہوں میں
میری آنکھوں کو لبھا لیتا ہے حسنِ ظاہری
کم نہیں کچھ تیری نادانی سے نادانی مری!

تیری صورت گاہ گریاں گاہ خنداں میں بھی ہوں
دیکھنے کو نوجواں ہوں طفلِ ناداں میں بھی ہوں

(اقبال)

عزیز ابھی پانچ ہی برس کا تھا کہ اس کی ماں کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔

اس کا باپ تیس روپے ماہوار پر ایک ریلوے آفس میں ملازم تھا۔ ماں کے مرنے کے بعد باپ بیٹے ایک چھوٹے سے مکان میں رہنے لگے۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد جب کہ عزیز کی عمر آٹھ برس کی تھی۔ اسکے باپ نے ایک اسکول میں تعلیم دلانے کے لیے بٹھا دیا۔ رفتہ رفتہ زمانے کیساتھ عزیز نے بھی ترقی کی وہ ابھی آٹھویں ہی جماعت میں تھا کہ اسکے والد کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔ اسکول کے ایک ماسٹر نے کوشش کر کے اس کا وظیفہ مقرر کرا دیا جس سے اسکی بسر اوقات ہونے لگی۔

لڑکا چونکہ ذہین اور ہوشیار تھا۔ اسلئے اس نے دو ہی سال میں میٹرک پاس کر لیا۔ اور بہت اچھے نمبروں سے وہ میٹرک میں پاس ہوا اب وہ اس دفتر میں جس میں کہ اس کے والد ملازم تھے گیا۔ اور ریلوے آفس کے بڑے صاحب سے ملکر اپنے والد کی جگہ تیس روپے ماہوار پر ملازم ہو گیا دنیا میں اسوقت سوائے اس کے باپ کے دوست کے اور کوئی نہ تھا۔ جب عزیز کی عمر ۲۴ برس کی ہوئی تو اسکے باپ کے دوست نے یہ سوچ کر کہ کہیں یہ آوارہ نہ ہو جائے اسکی شادی ایک شریف گھرانے کی لڑکی سعیدہ سے کرا دی۔

سعیدہ نہایت نازک اندام اور خوبصورت لڑکی تھی۔ عزیز کو اس سے بے حد محبت تھی عزیز کا چھوٹا سا گھر سعیدہ کی دانشمندانہ کوششوں اور کفایت شعاری کا نمونہ تھا۔ تھوڑے سے پیسوں میں دسترخوان کو خوبصورت اور خوشگوار بنانا سعیدہ کی فطرت میں داخل تھا۔ عزیز ہمیشہ اپنی بیوی سے خوش رہتا کیونکہ وہ ہمیشہ اسکے ہر رنج و غم میں اسکا ساتھ دیتی۔ عزیز کی آمدنی اتنی تھی کہ اس کا گذارہ آرام سے ہو جاتا تھا۔ اور بعض اوقات ایک آدھ فضول خرچی کی بھی کفیل ہو جاتی۔ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو اس کو تنخواہ ملتی تھی چونکہ اسکی بیوی سعیدہ گھرداری کے اصولوں میں طاق تھی اسلئے وہ کل تنخواہ اس کے ہاتھ میں دیدیتا تھا۔ اور صرف چند ضروری اخراجات مثلاً بڑا ٹرام ٹکٹ وغیرہ کے لئے اپنی جیب میں رکھ لیتا۔ ایک ایک پیسہ کا ان لوگوں کو خیال کرنا پڑتا۔ لیکن دونوں میاں بیوی نوعمر اور قانع تھے۔ اسلئے خوش و خرم زندگی بسر ہوتی تھی۔ شادی کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ان کے ہاں ایک دختر نیک اختر تولد ہوئی۔ اس چھوٹی سی جان نے انکی خوشی کو دن دونی اور رات چوگنی کر دی۔ البتہ آمدنی میں پہلی مرتبہ رخنہ پڑنا شروع ہو گیا۔ کیونکہ اخراجات ایسے نپے تلے تھے کہ ان پر اور کسی قسم کا بار نہیں ڈالا جا سکتا تھا۔ اور آمدنی میں کسی قسم کا اضافہ نہیں ہوا۔ سعیدہ چونکہ ایک سریع الحس اور نازک مزاج عورت تھی۔ اب اس پر تفکرات کے بادلوں نے امڈ کر اور رہی سہی روشنی کو اندھیرے میں تبدیل کرنا شروع کر دیا۔ وہ دن بدن لاغر ہونی شروع ہو گئی۔ ڈاکٹر نے اچھی خوراک بہت سا دودھ۔ گھی، انڈے اور تازہ ترکاری کھانے کو بتائی تھی۔ لیکن ان کو بھلا یہ کب میسر آ سکتی تھی ان کی بچی بھی بہت نازک پیدا ہوئی تھی۔ وہ ماں سے زیادہ سوتی تھی۔ اکثر بخار میں مبتلا رہتی تھی۔ آخر وہ اس ننھی سی جان نے

تین سال تک ان دونوں میاں بیوی کا ساتھ دیا اور پھر رخصت ہوگئی۔

ڈاکٹر نے اسکے انتقال کے بعد عزیز کو مشورہ دیا کہ اس کو اپنی بچی کا صد درجہ خیال رکھنا چاہئے۔ اگر اس کو کسی ایسے پہاڑی مقام پر لیجائے جہاں سرسبز جنگل اور ہر قسم کا آرام موجود ہو اور سب سے مقدم اچھی خوراک ملے تو اسکی صحت کی امید کی جا سکتی ہے۔

عزیز کے پاس کوئی آمدنی کا سلسلہ نہ تھا۔ سب طرف سے ناامیدی کی بھیانک شکل نظر آتی تھی۔ اس نے اپنے کئی دوستوں سے کچھ روپیہ قرض مانگا۔ مگر جہاں گیا وہاں سے اس کو سوائے ناامیدی کے اور کچھ نظر نہ آیا۔ جس چیز میں آمدنی کی کوئی صورت نظر آتی تھی اسکی طرف دوڑتا دل میں ٹھان لی تھی کہ ایسی انمول اور پھر کبھی لوٹ کر نہ آنے والی زندگی کے لئے کسی نہ کسی طرح روپیہ پیدا کرے۔ کیونکہ اس کی حفاظت اس کا اہم ترین فرض تھا۔ عزیز کا خیال تھا کہ اگر اس کا دل کمزور نہ ہوتا تو وہ اپنی بیوی کے لئے چوری کرتا۔ اور ڈاکہ ڈالتا۔ آخرکار اسکی بیوی کے انتقال سے وہ ٹمٹماتی ہوئی روشنی جو اسکی زندگی کا سہارا تھی اسکی آنکھوں کے سامنے سے غائب ہوگئی۔ اسکے دل پر ناامیدی کے بادل چھاگئے۔ اور ایسا خبط الحواس ہوگیا کہ اسکو اپنی زندگی کا . . .

. . . . احساس بھی جاتا رہا۔

اسکی بیوی کے انتقال کو ایک ہی ہفتہ گذرا تھا کہ ایک روز جبکہ وہ دفتر جانے کے لئے تیار ہی بیٹھا تھا کہ کچہری سے اسکے نام ایک سمن آیا۔ پڑھنے سے معلوم ہوا کہ اس کو ایک ورثہ ملنے والا ہے۔ یہ ایک ایسا واقعہ تھا کہ جو اکثر کہانیوں میں پڑھنے میں آتا ہے یا اخباروں میں شاذونادر پڑھنے میں آیا ہے۔

اسکے ایک بہت دور کے دولتمند رشتہ دار جن سے وہ واقف تک بھی نہ تھا کسی غیر ملک میں بہت کچھ دولت چھوڑ کر بغیر وصیت نامہ کے انتقال کر گئے۔ ان کا کوئی قریبی وارث نہ تھا۔ کچہری اور حکموں کی تفتیش نے عرصہ دراز کے بعد اس کا عزیز زندہ وارث کا پتہ نکالا اور بغیر کسی وقت کے ورثہ عزیز کو مل گیا۔

عزیز کو رہ رہ کر خیال آرہا تھا کہ یہی روپیہ جو میری بیوی کے مرنے کے آٹھ دن بعد مجھکو ملا۔ اسی روپیہ کا ایک قلیل حصہ دو ماہ قبل میری بچی، بیوی اور مجھکو خوش قسمت بنا سکتا تھا۔

کچھ دنوں بعد جبکہ وہ بنک میں اپنے ورثہ کا روپیہ بنک لینے گیا۔ تو اس کا سر چکرا رہا تھا۔ اور اس کو ہلکی ہلکی بخار کی سی حالت ہو رہی تھی۔ چنانچہ جب وہ روپیہ جو کہ نوٹوں کی صورت میں اس کو بنک سے ملا تھا لیکر گھر پہنچا تو اس کو ان کاغذ کے ٹکڑوں سے سخت نفرت ہو رہی تھی۔ گھر پہنچکر اس نے لاپرواہی سے انکو میز پر پھینک دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد اس نے پھر سوچنا شروع کیا۔ کہ جب میری بیوی اور بچے ہی نہ رہے تو یہ دولت میرے کس کام کی۔ یہ سوچ کر وہ فوراً اپنی چارپائی سے اٹھا۔ اور ان نوٹوں کو اپنی کوٹ کی جیب میں رکھا۔ اور دریا کی طرف چلدیا۔ جوں جوں وہ فاصلہ طے کرتا گیا اس کو ان کاغذ کے نوٹوں سے سخت نفرت ہوتی گئی۔ جب وہ دریا پر پہنچا تو اس نے ان تمام کو نکال کر پوری طاقت سے دریا میں پھینکدیا۔ نوٹ تھوڑی دیر پانی کے اوپر تیرنے کے بعد نیچے بیٹھ گئے۔

نوٹوں کو دریا میں پھینکنے کے بعد اس کو کچھ سکون سا ہونے لگا۔ اس نے اپنے دل میں خیال کیا تمام عمر میں اس نے آج یہ سب سے پہلا انصاف کا کام کیا ہے۔

دوسرے دن سے وہ پھر اپنے دفتر جانے لگا۔ اور اس دولت کے خیال کو ہمیشہ کے لئے دل سے بھلا دیا۔

دولت اور غرور

ازجناب محمد صالحین صاحب ریشم والے حویلی حسام الدین حیدر دہلی

پیارے بھائیو اور بہنو!

ایمان کی دشمن دولت ہے اور دولت کا دوست غرور اور غرور کا نتیجہ بربادی ہوتا ہے۔ دولت مند ہونا اتنا برا نہیں جتنا مغرور ہونا برا ہے۔ البتہ وہ لوگ قابل تعریف ہیں جو دولت مند ہونے کے باوجود بھی غرور نہیں کرتے۔ اور وہ لوگ قابل نفرت ہیں جو دولت کے نشہ میں اندھے ہوکر مغرور ہوجاتے ہیں۔ اور اپنے کو ہر ایک پر ظاہر کرتے ہیں کہ میں دنیا کا بڑا آدمی ہوں۔ دنیا کا بڑا آدمی وہی ہوسکتا ہے جو بجائے اس کے کہ خود اپنی تعریف کرے لوگ اس کو بھلا آدمی کہیں اور اسکی عزت دل و جان سے کریں۔ جو شخص لائق ہوتا ہے وہ خود بخود لوگوں کی نظروں میں چڑھ جاتا ہے۔

صداقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے

کہ خوشبو آ نہیں سکتی کبھی کاغذ کے پھولوں سے !!

اگر تم چاہتے ہو کہ دنیا تم کو عزت کی نگاہ سے دیکھے تو غرور ہرگز نہ کرنا۔ اگر تمہارے والدین امیر ہیں تو تم ان کی دولت پر غرور نہ کرنا۔ "دولت ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے" آج یہاں اور کل وہاں۔

تم نے قارون کا قصہ ضرور سنا ہوگا۔ کہا جاتا ہے کہ قارون کی کنجیاں چالیس اونٹوں پر لد کر آتی تھیں۔ اس سے اندازہ کرسکتے ہو کہ اسکے پاس کتنی دولت تھی۔ مگر افسوس نہ قارون رہا اور نہ اسکی دولت۔

یہ اسکے غرور کا نتیجہ تھا۔ اس نے غرور کرکے اپنے آپ اپنی بربادی کے سامان مہیا کئے۔ دنیا چند روزہ ہے۔ غرور سے بچتے رہو۔ اور دنیا میں وہ کام کرجاؤ جو کہ دوسروں کے لئے بھی فائدہ مند ہو۔ اور تم خود بھی اس سے فائدہ .... اٹھاؤ.......

ہمیشہ کیلئے رہنا نہیں اس دار فانی میں

کچھ اچھے کام کرلو چار دن کی زندگانی ہیں

فضول خرچ لڑکا

از جناب محمد الیاس صاحب ولد محمد اسمٰعیل صاحب دوائی والے کلکتہ

گیا کوئی دولت بہت چھوڑ کر ! ملا بعد اس کے وہ بیٹے کو زر !
ملی بس کہ دولت اسے مفت کی نہ پرواہ اڑانے میں کچھ اس نے کی
مزے زندگی کے اڑانے لگا وہ کھانے لگا اور کھلانے لگا
لگیں ہونے یاروں کی مہمانیاں ہوئی دور ان کی پریشانیاں !
بزرگوں نے دیکھا جو یہ اس کا حال کہا سب نے اس سے کہ کچھ ہے خیال
ملی تجھ کو دولت ہے کیا اس لئے کہ جس طرح جی چاہے بس پھینک دے
یہ ہے باپ نے جمع کی اس لئے کہ آرام سے عمر تیری کٹے
ملا ہے جو تجھ کو قریبوں کو دے ! جب ان سے بچے تو غریبوں کو دے
نہیں تجھ سے کہتے کہ رکھ چھوڑ مال ! مگر کچھ تو آئندہ کا کر خیال
یہ سب مال جب خرچ ہو جائے گا کوئی دوست تیرا نہ کام آئے گا
نہ یہ بات تو بھول جانا کہیں ! "برے وقت کا کوئی ساتھی نہیں"

کہانی

(از مدیر معاون)

ایک لڑکا جس کا باپ کافی آسودہ حال تھا۔ طباعت کا فن سیکھنا چاہتا تھا۔ باپ نے اس شرط پر بیٹے کو کام سیکھنے کی اجازت دی کہ وہ بدستور گھر میں رہا کرے۔ لیکن گھر کا کرایہ اسے خود اپنی قلیل آمدنی میں سے ادا کرنا پڑے گا۔

لڑکے کو باپ کا حکم سخت ناگوار گذرا۔ کیونکہ اسکی آمدنی اتنی کم تھی کہ اگر وہ مکان کا کرایہ ادا کرے تو اس کے پاس اس کے ذاتی اخراجات کے لئے کچھ نہ بچتا تھا۔ لیکن

"قہر درویش برجان درویش"

مجبوراً اس کو یہ حکم ماننا پڑا۔ مگر جب وہ بڑا ہوا اور اس نے اپنا کاروبار شروع کیا تو ایک دن اسکے باپ نے اس کو بلایا اور کہا:-

"بیٹا یہ ہے تمہارا وہ روپیہ جو میں تم سے مکان کے کرایہ کی بابت وصول کرتا رہا۔ اس روپیہ میں اپنی طرف سے میں کچھ روپے کا اضافہ کر دوں گا۔ کہ تم اپنے کاروبار کو آرام و اطمینان کیساتھ چلا سکو۔"

شکر گذار نوجوان پر باپ کی مآل اندیشی کا راز آخر آشکارا ہو گیا۔

اس کے دوست اور ساتھی جو اپنی آمدنی کو بے دریغ خرچ کر دیا کرتے تھے، قرض کی مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ لیکن نوجوان اپنے باپ کی سچی ہمدردی اور خیر خواہی کی بدولت کاروبار کو محنت اور دیانت سے انجام دیتا رہا۔ اور چند سال کے اندر ایک نہایت کامیاب اور فارغ البال پبلشر بن گیا۔

یہ ایک ایسا سبق ہے جس سے آئندہ نسل کے نوجوان فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ جو لوگ چھوٹی چھوٹی رقموں کو پس انداز کرتے ہیں وہی آگے چل کر بہت بڑی دولت کے مالک بن جاتے ہیں۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

"نہ ضائع کرو نہ محتاج ہو"

لطیفے

چھوٹا بچہ:- "میرے پاؤں کے جوتے نے کاٹ کھایا"

دوسرا بچہ:- "تم بھی تو شریر ہو۔ خواہ مخواہ کیوں کسی کے منہ میں پاؤں ڈالتے ہو۔ تمہارے منہ میں کوئی انگلی ڈالے تو کیا تم نہ کاٹو گے؟"

ننھی لڑکی:- "ابا کیا تمہارے دانت نہیں؟"

دادا:- "نہیں بیٹی۔ دس سال ہوئے کہ میرے تمام دانت گر چکے ہیں۔"

لڑکی:- "تو پھر اس میں کچھ نقصان کی بات نہیں کہ میں اپنی مٹھائی تمہارے حوالے کروں اور خود کھیلنے .... چلی جاؤں!!"

معمہ کا حل

(۱) پنجابی اسکول کے سنگ بنیاد کی رسم ادا نہیں ہوئی اس کا افتتاح مولانا عبدالحق صاحب نے کیا اور بلڈنگ فنڈ میں سب سے زیادہ مدد بیہ جناب محمد ابراہیم صاحب جاپان والوں نے دیا۔

(۲) فیکٹوری میں جیون بخش ہال محمد ابراہیم صاحب جوتے جاپان والوں نے بنوایا۔

(۳) حضرت فاطمہ کو جہیز میں ایک چکی، کچھ مٹی کے برتن، ایک مشکیزہ چمڑے کا تکیہ دیا۔

(۴) ٹخنے سے نیچا پاجامہ پہننے سے وہ تمام جراثیم جو سڑک پر ہوتے ہیں ٹخنوں کے طفیل بدن میں سرایت کر جاتے ہیں۔

(۵) دلی میں مسلمانوں کا کپڑے کا کارخانہ پنجابی کلاتھ میل ہے۔

(۶) دہلی میں ہوزری کا سب سے بڑا کارخانہ ہوزری نٹنگ ملز لمٹیڈ ہے۔

(۷) پاکستان کا یہ مطلب ہے کہ جن صوبوں میں مسلمانوں کی زیادہ آبادی ہے وہاں ان کو حکومت کرنے کا پورا اختیار دیا جائے۔

(۸) انسان کے جو اعضا کھلے رہتے ہیں ان پر خلا میں اڑتے ہوئے جراثیم بیٹھ جاتے ہیں۔ نیز خاک کے ذرات مسامات کو بند کر دیتے ہیں۔ یہ دونوں چیزیں صحت کے لئے مضر ہیں۔ وضو کرنے سے مسامات کھل جاتے ہیں اور جراثیم فنا ہو جاتے ہیں۔

(۹) قربانی سے بہادری پیدا ہوتی ہے اور اپنی محبوب چیز کو قربان کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

(۱۰) تجربات بتاتے ہیں کہ کسی چیز کو تین دفعہ دھونے سے ہر قسم کی زہریلی چیز کا اثر بالکل جاتا رہتا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان سوالات کے حل میں بچوں کو کافی دقت ہوئی۔ صرف چند بچوں نے جوابات بھیجے جو یہ ہیں:۔

رشید احمد صاحب معرفت محمد کامل صاحب ۶۰ کولوٹولہ۔ کلکتہ۔

محمد خورشید ولد محمد شریف صاحب شمسی متعلم جامعہ قاسمیہ مرادآباد

محمد الیاس صاحب، محمد ادریس صاحب، سعیدہ خاتون صاحبہ۔ بارہ دری نواب وزیر۔ دہلی۔

گو حل بالکل صحیح تو کسی بچے نے نہیں بھیجا۔ مگر زیادہ سے زیادہ صحیح جو کہا جا سکتا ہے وہ میاں محمد ادریس، محمد الیاس اور سعیدہ خاتون صاحبہ کا ہے۔

انعام کے حقدار بموجب شرائط ان میں سے میاں محمد الیاس صاحب ہوئے ہیں۔ جن کو پنجابی کلاتھ میل کا بنا ہوا ایک قمیص کا ایڈیٹر کی طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نیا معمہ

بتائیے کہ وہ کیا چیز ہے جو آپ کی اپنی ہے۔ مگر آپ خود اسے استعمال نہیں کرتے۔ حالانکہ ایک بھنگی سے لیکر بادشاہ تک جو چاہے بغیر دشوار کے استعمال کر سکتا ہے۔

صحیح حل بھیجنے والے کو ایڈیٹر کی طرف سے پنجابی کلاتھ میل کا تیار کردہ زنانہ یا مردانہ قمیص کا ٹکڑا پیش کیا جائیگا۔ زیادہ صحیح حل ہونے کی صورت میں بذریعہ قرعہ اندازی ہوگا۔ جوابات ۲۰ تاریخ تک آجانے چاہئیں۔

ایڈیٹر کے قلم سے

شذرات

پنجابی برادری

ریاست جیپور کی برادری کیلئے لمحہ فکریہ

جس طرح ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں، منڈیوں، اور چھاؤنیوں میں قوم کی کم وبیش آبادی ہے۔ اسی طرح ریاست جے پور میں بھی قوم کی مختصر سی آبادی ہے۔

معتبر ذرائع سے یہ معلوم ہو کر ہمیں بہت رنج ہوا کہ اتنی مختصر سی آبادی ہونے کے باوجود یہاں پارٹی بندی کا بازار نہایت گرم ہے۔ اور کوئی اصلاحی تحریک پارٹی بازی کی بناء پر پروان نہیں چڑھتی۔

اگر چند مخلص لوگ کوئی مفید تحریک اٹھاتے ہیں تو دوسری پارٹی کے لوگ تجویز کی اچھائی اور برائی پر سنجیدگی سے غور کرنے کے بجائے محض اس بنا پر اسے مسترد کر دیتے ہیں کہ وہ تجویز ایسے لوگوں کی طرف سے پیش کی گئی ہے جو بدقسمتی سے دوسری پارٹی میں گنے جاتے ہیں۔

دونوں پارٹیوں کا یہی حال ہے کسی کو اچھائی یا برائی نہیں دکھائی دے سکتی۔ ان تمام حالات کو دیکھتے ہوئے کوئی عقلمند افسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ درحقیقت یہ تمام کمزوریاں غلامانہ ذہنیت کی پیداوار ہوتی ہیں۔ اور جس جگہ غلامی در غلامی ہو وہاں کا اللہ ہی مالک ہے ....

ہم جناب منشی ظہور محمد صاحب، وکیل سررشتہ اور سیٹھ محمد اسلام صاحب جنرل مرچنٹ و میونسپل کمشنر سے اس خدا کا واسطہ دے کر جس نے اپنے پیارے پیغمبر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم کو یہ راہ ہدایت بتائی ہے کہ اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑو۔ اور نفاق سے بچو۔ یہ تمہیں ذلیل کر دے گی۔ مودبانہ درخواست کرتے ہیں کہ اپنے رسوخ واثر کو کام میں لاکر قوم کو نفاق سے بچائیے۔

کیا ہم امید رکھیں کہ آپ میں سے ہر صاحب نام و نہاد وقار کو ٹھوکر مار کر قوم میں اتفاق و اتحاد کا جذبہ پیدا کرنے کے کام میں پہل کرینگے۔ کیونکہ اسی میں ہم سب کے لئے بھلائی ہے۔

خوشخبری

ناظرین پنجابی گزٹ کو یہ پڑھکر انتہائی مسرت ہوگی کہ پرچہ کو جناب فخرالدین صاحب جاپان والے رئیس اعظم کی سرپرستی کا فخر حاصل ہوگیا ہے۔ آپ ایسے ہمدرد قوم کی سرپرستی پر ادارہ جتنا بھی ناز کرے کم ہے۔ ...... آپ نے بکمال ہمدردی مبلغ ایک سو روپیہ (۱۰۰) عنایت فرمائے ہیں۔

امید ہے کہ آپ مستقل طور پر سرپرستی فرماکر پرچہ کو سرفرازی کا موقع دیتے رہینگے۔

پنجابی گزٹ ساری قوم کی ایک آواز ہے کیا آپ اسکی تقویت کیلئے کچھہ کوشش کرینگے ؟

کارروائی جلسہ سالانہ جمعیۃ قوم پنجابیان دہلی مقیم کلکتہ

جلسہ کی کارروائی کا آغاز کلام پاک کی تلاوت سے کیا گیا اور حافظ محمد یوسف صاحب نے نہایت خضوع وخشوع الحانی کے ساتھ ایک رکوع کی تلاوت کی۔ تلاوت کے بعد قوم کے ہونہار شاعر شیخ محمد رفیق صاحب آب نے ایک معرکۃ الآرا نظم زیر عنوان "پیام عمل" پڑھی جس کا حاضرین پر بہت اچھا اثر ہوا۔ نظم کے بعد جناب صدر نے ایک زبردست تقریر کے ذریعہ قوم کو اپنی اقتصادی حالت استوار کرنے اور موجودہ وقت سے استفادہ حاصل کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ آپ نے اپنی دوران تقریر میں سب سے اول شیخ محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم کی وفات حسرت آیات پر اظہار تاسف کیا۔ اور دعائے مغفرت مانگی۔ اقتصادی ترقی کے بارے میں صاحب موصوف نے اکابرین قوم کو اپنے لائحہ عمل میں ایک مکمل انقلاب پیدا کرنے اور ایک ٹریڈ ایسوسی ایشن بنانے کی طرف ترغیب دلائی۔ اور اپیل کی کہ ہم کو بھی ایسے وقت میں جبکہ دیگر اقوام ترقی کے دور میں ہم سے کہیں آگے نکل چلی جا رہی ہیں۔ لکیر کے فقیر بنے رہنا زیب نہیں دیتا۔

جناب صدر کے خطبہ کے بعد شیخ محمد سعید صاحب معتمد جمعیت نے اپنی رپورٹ پیش کرتے ہوئے جمعیۃ کے سالہائے سابق کی کارگذاریوں پر روشنی ڈالی اور برادران قوم کو جمعیۃ کے ساتھ مزید دلچسپی لینے کی دعوت دی۔ جملہ حساب آمد و خرچ بابت مرکز، شعبۂ امداد و اعانت و شعبۂ امداد قطعی جلسہ کے آگے پیش کئے گئے۔

رپورٹ کے بعد شیخ محمد سعید صاحب نے مندرجہ ذیل ۳ تجاویز جلسہ کے آگے پیش کیں جو جمعیۃ کی مجلس شوریٰ نے جلسہ عام میں پیش کرنے کے لئے پاس کی تھیں۔

(الف) تخفیف فیس ممبری موجودہ۔ موجودہ قواعد کی رو سے جمعیت اپنے ممبران سے مبلغ کس ماہواری وصول کرتی ہے۔ ممبران کی تعداد بڑھانے کی خاطر مجلس شوریٰ نے تجویز کیا کہ آئندہ چندہ ممبری ایک روپیہ فی سال مقرر کیا جاوے۔ مزید براں جمعیۃ کی ماہواری آمدنی برقرار رکھنے کے لئے ہر فرم سے پانچ روپیہ فی سال علاوہ فیس ممبری کے وصول کئے جاویں۔ فرم سے مراد ہر وہ دکان و دفتر کا مالک ہے جو کارپوریشن کو ٹریڈ ٹیکس ادا کرتا ہے۔

(ب) اضافہ عہدہ معاون معتمد جمعیۃ کے موجودہ قوانین کی رو سے جمعیۃ ایک معتمد اور ایک معاون معتمد کا تقرر کرتی ہے۔ تقسیم کار کی سہولت اور کام کی وجہ سے مجلس شوریٰ کی تجویز ہے کہ آئندہ سے ایک مزید معاون معتمد کا عہدہ بڑھا دیا جائے۔

(ج) تخفیف کورم اجلاس ہائے مجلس شوریٰ... جمعیۃ کی مجلس شوریٰ کے اراکین کی تعداد ستائیس ہے۔ اور کورم نو افراد کا ہے۔ لیکن چونکہ ان ستائیس افراد میں سے آٹھ دس افراد کلکتہ میں موجود نہیں رہتے اور بقیہ میں سے بھی بعض کی غیر حاضری ضروری ہوتی ہے۔ اس وجہ سے مجلس شوریٰ کی تجویز ہے کہ آئندہ سے کورم سات افراد کا مقرر کیا جائے۔ تاکہ کام میں ہرج واقع نہ ہو۔

ہر سہ تجاویز کی شیخ حاجی ممتاز الدین صاحب ملک نے تائید کی اور بالاتفاق پاس ہوئیں۔

تقریر سب سے پہلے شیخ سعید احمد صاحب کی تھی۔ آپ نے اپنی دوران تقریر میں ارشاد فرمایا کہ بغیر اتفاق و اتحاد کے ترقی ناممکن ہے اور اتحاد و اتفاق اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جبکہ ہم خدا کے مقرر کردہ قوانین کے تحت میں اپنی اصلاح کی کوشش کریں۔ کوئی نئی تجویز، لائحہ عمل یا پروگرام جو اپنے بحیثیت مسلمان ہونے کے قوانین سے مطابقت نہیں کرتا کبھی کامیاب

[illegible]	[illegible] والے	[illegible]	[illegible]	۲۲سال	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	
گڑھ [illegible]	شفیع الرحمٰن	محلہ [illegible]	۲۰سال محمد عارفین		حسیب الرزاق	پیچھ ۱۲	پیچھ ۱۲	۳	
بیرکاوالا باغ	حافظ عبدالرحمٰن مرحوم [illegible]	بیرکاوالا باغ	۱۸سال حاجی محمد امین صاحب		سلطان احمد	پیچھ ۱۳	پیچھ ۳	۵	[illegible]
[illegible] گنج	[illegible] عبداللہ	گلشن گنج	حافظ حمید [illegible]	۲۲	حافظ محمد یحییٰ [illegible]	۱۴	[illegible]	[illegible]	
[illegible]	رحمت اللہ صاحب	اما کالعیاب	شیخ محمد رفیع	۲۱	محمد صالحین	پیچھ ۱۵	پیچھ ۱۵	۷	[illegible]
[illegible]	شیخ محمد عثمان اللہ والے	گلی ہیگابیگ	شیخ محمد عمر صاحب ٹبلہ	۱۹	محمد شفیع ٹبلہ	پیچھ ۱۶	پیچھ ۱۶	۸	[illegible]
نئی مسجد	قمر الدین	سٹیشن محل	نوراللہ کپڑے والے	۲۲	رحمت الٰہی	پیچھ ۱۸	پیچھ ۱۸	۹	[illegible]
۱۰۰	شیخ حفیظ الرحمٰن مرحوم کالعیاب	اما کالعیاب	حاجی انعام الٰہی سہرہ والے	۲۱	حافظ محمد یوسف	پیچھ ۱۰	پیچھ ۱۰	[illegible]	[illegible]
[illegible]	شیخ عبدالجبار کراچی [illegible]	گلی ہیگابیگ	شیخ تقی الدین اللہ والے	۱۸	محمد تقی	پیچھ ۱۰	پیچھ ۹	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	عبدالا[illegible] الٰہی والے	[illegible]	خلیل الرحمٰن	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	محمد عثمان انبالہ والے	بیرکاوالا باغ	محمد اشفاق صاحب [illegible]	۲۱	مشتاق احمد	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
گلی ہیگابیگ	محمد صالحین صاحب	کالعیاب	انعام الٰہی اجمیر والے	۱۹	محمد فاروق	پیچھ ۲۸	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	غیاث الدین	"	محمد ابراہیم کلکتہ والے	۳۰	محمد شفیع	پیچھ ۲۸	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible] صاحب	[illegible]	محمد ابراہیم [illegible]	۱۵	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
برکاوالا باغ	محمد عثمان صاحب	"	شیخ عبدالحق صاحب	۲۰	محمد احمد	پیچھ ۲	۲	[illegible]	۸۰
[illegible]	عزیز الرحمٰن شیشے والے	کالعیاب	بھائی عبدالرحمٰن	۲۰	محمد صالحین	پیچھ ۳	پیچھ ۳	[illegible]	۸۱
[illegible]	محمد [illegible] کلکتہ والے	بیرکاوالا باغ	[illegible]	۲۲	محمد فاروق	پیچھ ۵	[illegible]	[illegible]	۸۳
[illegible]	حاجی محمد [illegible]	گلشن گنج	حاجی عبدالرزاق انبالہ والے	۳۱	ذکر الرحمٰن	پیچھ ۵	پیچھ ۵	[illegible]	۸۴
[illegible]	حاجی محمد [illegible] صاحب	گلشن گنج	حاجی عبدالرزاق انبالہ والے	۱۹	خلیل احمد	پیچھ ۹	پیچھ ۹	[illegible]	۸۵
[illegible]	محمد عمر صاحب [illegible]	[illegible]	احمد دین صاحب	۱۸	شجاع الدین	[illegible]	[illegible]	[illegible]	۸۶
[illegible]	محمد [illegible] شیشے والے	[illegible]	احمد دین صاحب		محمد [illegible]	پیچھ ۱۲	پیچھ ۱۲	[illegible]	
[illegible]	محمد تقی سوت والے	[illegible]	[illegible] کلکتہ والے		احمد [illegible]	پیچھ ۲۴	پیچھ ۲۴	۲۴	۸۷
	آپ [illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	ادارہ [illegible]				۸۸
	[illegible] کھا جائے گی۔	کوششیں	برتنے کی پیری	[illegible]	[illegible]				۸۹
									۹۰

کے اقدام سے ایک گونہ خوشی حاصل ہوئی کہ ہمارے نوجوان ادیبوں میں تحریر و تقریر کا شوق آئندہ کی بہتری کا پیش خیمہ ہے

تقاریر ختم ہونے کے بعد چونکہ کسی اور صاحب نے کچھ بولنے یا تجویز پیش کرنے کی خواہش نہیں کی۔ اسلئے جناب صدر نے اراکین مجلس شورٰے کی نتیجہ پیش کرنے کے لئے معتمد جمعیۃ کو طلب کیا۔

جمعیت کے قوانین کی رو سے جلسہ عام میں بیس اراکین مجلس شورٰے کا کثرت رائے سے انتخاب کیا جاتا ہے۔ امیدواروں کو انعقاد جلسہ سے ماقبل اپنا نام پیش کرنا ضروری ہے۔ جملہ امیدواروں کی فہرست کا قرطاس ہر ممبر کی خدمت میں روانہ کر دینا چاہیئے۔ اور جلسہ عام میں ہر ممبر جمعیۃ کو بیس افراد کے حق میں رائے دہندگی کا اختیار ہے۔

امسال بیس نشستوں کے لئے ۲۰ ہی درخواستیں موصول ہوئیں اسوجہ سے مقابلہ یا ووٹنگ کی نوبت نہیں آئی اور مندرجہ ذیل افراد کے علاوہ اور کوئی درخواست برائے رکنیت مجلس شورٰے موصول نہیں ہوئی تھی۔ اسوجہ سے سال آئندہ کے لئے ان ۲۰ حضرات کو مجلس شورٰے کا رکن منتخب کیا گیا۔

بارہ بجے شب بعد شکریہ جناب صدر جلسہ ختم ہوا۔

شادیاں

نمبر شمار	تاریخ اندراج	بیٹے کے والد کا پتہ معہ نام: نام نوشہ	عمر	ولدیت	سکونت	بیٹی کے والد کا نام معہ پتہ: عروس والد کا نام	سکونت	تعداد مہر	بیٹی والے	بیٹے والے
۱۱۶	۲ جون	محبوب الٰہی	۴۰ سال	رحم الٰہی	اللہ دیا گنج	محمد ظفر برتن والے	بلاران	سات سو روپے	دینے سے انکار	۵ر
۱۱۷	۹ جون	محمد رفیق	۱۸ ر	محمد یاسین نبی والے	بیری والا باغ	محمد تقی انبار والے	کشن گنج	دو ہزار پانسو	عہ ر	عہ ر
۱۱۸	ر	محمد ثناء اللہ	۲۱ ر	برکت اللہ بیل والے	چمرواڑہ	محمد یعقوب پنساری مرحوم	بارہ دری	گیارہ سو	۸ر	۸ر
۱۱۹	۱۰ جون	عبدالمتین	۲۰ ر	محمد دین چینی والے	شیش محل	محمد تقی تبلہ	بیری والا باغ	چودہ سو	عہ ر	عہ ر
۱۲۰	۱۹ جون	حافظ محبوب الٰہی	۳۰ ر		مراد آباد	احمد دین اللہ والے	کشن گنج	اکیس سو	عہ ر	وعدہ
۱۲۱	۲۲ جون	محمد الیاس	۱۹ ر	محمد صدیق ناٹ والے	کشن گنج	احمد دین سید والے	نواب والا باغ	پندرہ سو	عہ ر	عہ ر
۱۲۲	۲۳ جون	محمد رفیع	۱۹ ر	محمد شفیع لالی والے	ر	محمد یوسف پنیر والے	رنڈیوالا باغ	سات سو	عہ ر	عہ ر
۱۲۳	۲۴ جون	فضل الٰہی بکس والے	۳۵ ر	فیض بخش	اچھی اچھے جی	محمد عمر گوٹ والے	باڑہ ہندو راؤ	سات سو	وعدہ	وعدہ
۱۲۴	۲۹ جون	محمد شفیع	۲۰ ر	محمد رفیع گھوڑے والے	کالے صاحب	نورالدین التدوالے	بارہ دری	پچیس سو	عہ ر	عہ ر
۱۲۵	۳۱ جون	محمد اسمٰعیل	۳۰ ر	محمد عثمان گھی والے مرحوم	کچا باغ	اللہ دیا برتن والے	نیا محلہ	گیارہ سو	عہ ر	عہ ر
۱۲۶	ر	احمد دین برتن والے	۴۰ ر	لطیف بخش مرحوم	کوٹھی میم	لطیف الرحمٰن	کالے صاحب	ایک ہزار	۸ر	۸ر
۱۲۷	۱۲ [illegible]	محمد سعید	۱۹ ر	فضل عظیم بین والے	باڑہ ہندو راؤ	محمد یوسف پھل والے	ہاپوڑ	گیارہ سو	عہ ر	[illegible]

کارروائی مجلس منتظمہ پنجابی یوتھ لیگ دہلی

پنجابی یوتھ لیگ کی مجلس منتظمہ کا جلسہ بتاریخ ۲۳ ۱۱/۴۴ بروز ہفتہ بوقت ۸½ بجے شب زیر صدارت محمد نقی صاحب بمقام ہیڈن کلب منعقد ہوا جسمیں مندرجہ ذیل حضرات نے شرکت کی۔
(۱) محمد نقی صاحب نور (۲) صبغۃ اللہ صاحب بنارس والے (۳) حاجی محمد رفیع صاحب کپڑے والے (۴) مستار الدین صاحب جو تھائی کا (۵) محمد رفیع صاحب کالیہ (۶) محمد صالحین صاحب (۷) محمد یوسف صاحب کپڑے والے (۸) انوار الحق صاحب حقی۔ (۹) محمد یوسف صاحب بٹلہ (۱۰) محمد عمر صاحب لیس والے (۱۱) فضل مبین احمد۔
بعد تلاوت کلام پاک حسب ذیل کارروائی شروع کیگئی۔
(۱) کارروائی جلسہ گذشتہ منعقدہ ۱۱/۴۴ ۱۴ کی تصدیق کیگئی۔
(۲) کارروائی جلسہ شعبۂ اصلاح رسوم منعقدہ ۱۲/۴۴ ۱۴ برائے سماعت پیش ہوئی اور قرار پایا کہ بعد تصدیق شعبۂ ہذا پھر پیش ہو۔
(۳) خط آمدہ انجمن وکیل قوم پنجابیان بجواب مطالبہ اخراجات لیگ غور کے لئے پیش ہوا۔ اور طے پایا کہ انجمن کو جواب تحریر کیا جائے۔ گوشوارہ ماہ اکتوبر ۱۹۴۴ء منظور شدہ لیگ کی نقل خط کے ہمراہ شامل تحریر کیجائے اور دوسرے اخراجات ضروری متعلقہ دفتر بھی بڑھا دی جاویں۔ تا وان فنڈ کے باقی تحریر کیجاوے۔ سامان ضبط شدہ بھی لکھا جائے۔ اور مبلغ سا ٹھ روپے بابت قرضہ کے جو انجمن نے نامنظور کیا ہے مکرر لکھا جائے۔ دوبارہ غور فرما دیں۔ چونکہ یہ قرضہ جلسہ عام کی بابت ہے اسکا ادا کرنا ضروری ہے۔ دیگر انجمن وکیل قوم پنجابیان مزید وضاحت کے لئے لیگ ہذا کے نمائندہ کو بلا سکتی ہے۔

(۴) تجویز منجانب شیخ حاجی محمد رفیع صاحب کپڑے والے بابت تقرری سب کمیٹی برائے تحقیق حالات شیشہ والی مسجد بمقام بارہ دری نواب وزیر پیش ہوئی اور قرار پایا کہ تین افراد پر مشتمل ایک سب کمیٹی مقرر کی جاوے جو تحقیقات کرے محمد رفیع صاحب کپڑے والے، فضل مبین احمد، نواب قمر الاسلام صاحب چاندنہ اور اس سب کمیٹی کے کنوینیر شیخ حاجی محمد رفیع صاحب کپڑے والے منتخب کیے گئے۔
(۵) تجویز منجانب حافظ انوار الحق صاحب حقی برائے انعقاد اجلاس مجلس منتظمہ ہر یوم جمعرات کو پیش ہوئی اور بکثرت آراء منظور کیگئی۔
(۶) تجویز منجانب حافظ انوار الحق صاحب حقی (آئندہ ہر وہ اعلان جو پنجابی یوتھ لیگ کی طرف سے کیا جائے اس پر مشتہر یا معلن کے نیچے صرف سکریٹری پنجابی یوتھ لیگ دہلی نہ ہونا چاہئے۔ تجویز پیش ہوئی اور بہت دیر تک بحث مباحثہ کے بعد مجوز نے اپنی تجویز واپس لینی چاہی لیکن تجویز مسترد کیگئی۔
(۷) تجویز منجانب حافظ انوار الحق صاحب حقی۔ آئندہ سالانہ چندہ مجلس عاملہ ایکروپیہ کی بجائے صرف چار آنہ کردیا جائے پیش ہوئی اور متفقہ طور پر منظور ہوئی۔
(۸) رپورٹ سکریٹری بابت تبادلہ چارج آئندہ کیلئے ملتوی کیگئی۔
(۹) استعفے جناب محمد عثمان صاحب جو تھائی پیش ہوا اور آئندہ کیلئے ملتوی کیا گیا۔ مزید برآں طے ہوا کہ انکو بقایا ادا کرنے کیلئے تحریر کیا جائے۔
(۱۰) علاقہ پھاٹک حبش خاں کے انتخاب ممبران کا معاملہ پیش کیا گیا اور

قرار پایا کہ نواب قمر الاسلام چاندنہ و محمد یوسف صاحب کپڑے والے اور فضل مبین احمد جلد از جلد علاقہ ہذا کے ثالثان کا انتخاب کی کارروائی کرکے آئندہ جلسہ میں اپنی رپورٹ پیش کریں۔

(۱۱) انتخاب ثالثان علاقہ بارہ ہندو راؤ وغیرہ کا معاملہ پیش ہوا اور قرار پایا کہ مندرجہ ذیل اصحاب جلد از جلد اس انتخاب کی کارروائی کریں۔ عبدالستار صاحب عزت، محمد یوسف صاحب شیدا، محمد رفیع صاحب کالیہ، محمد نواب صاحب چوتھائی۔ فضل مبین احمد۔

(۱۲) سب کمیٹی برائے مردم شماری قوم پنجابیان کے کنوینیر محمد نقی صاحب نور متفقہ منظور ہوئے۔

جلسہ بخیر و خوبی ۱۱ بجے شب ختم ہوا۔

بتاریخ ۱۲/۱۲ بروز جمعرات ½۸ بجے شب پنجابی یوتھ لیگ کی مجلس منتظمہ کا جلسہ زیر صدارت محمد نقی صاحب نور بمقام ینگ مین کلب منعقد ہوا جسمیں مندرجہ ذیل حضرات شریک ہوئے۔

فضل مبین احمد، حاجی عبدالمتین صاحب انبالہ والے، محمد نقی صاحب نور، محمد احمد صاحب، محمد عمر صاحب لیس والے، محمد شفیع صاحب گھڑی والے، حافظ انوار الحق صاحب حقی۔ محمد یوسف صاحب کپڑے والے۔ ممتاز الدین صاحب چوتھائی، صبغۃ اللہ صاحب بنارس والے، محمد یوسف صاحب کھتوریہ، محمد یوسف صاحب شیدا۔

بعد تلاوت کلام پاک حسب ذیل کارروائی شروع کیگئی۔

(۱) سابقہ جلسہ مورخہ ۲۲/۱۲ کی کارروائی کی تصدیق کیگئی۔

(۲) کارروائی جلسہ شعبہ اصلاح رسوم مورخہ ۱۴/۱۲ کی سماعت ہوئی۔

(۳) فارم درخواست رکنیت لیگ پیش ہوئے۔ اور سال رواں کیلئے محمد عثمان صاحب ولد محمد نقی صاحب مرحوم و حافظ نثار احمد صاحب ولد حاجی محمد ابراہیم صاحب مرحوم جاپان والے مجلس عاملہ کے رکن منتخب کئے گئے۔

(۴) مندرجہ ذیل حضرات موجودہ مجلس منتظمہ کے رکن متفقہ طور سے منتخب کئے گئے۔ محمد عثمان صاحب، حافظ نثار احمد صاحب جاپان والے۔

(۵) تجویز منجانب شعبہ اصلاح رسوم بابت دستور العمل مجوزہ قوم کے بعض دفعات کی تشریح کرانے کیلئے پیش ہوئی اور طے پایا کہ سکریٹری جلد از جلد علاقوں کے انچارج و نائب انچارج صاحبان کا ایک جلسہ طلب کریں جسمیں اراکین مجلس منتظمہ بھی شرکت کرسکتے ہیں۔ تاکہ تشریح طلب دفعات کو طے کرلیا جائے۔ بعدہٗ ان دفعات کو ثالثان علاقہ جات کے جلسہ میں پیش کرکے انکی تشریح کرائی جائے۔

(۶) تجویز منجانب جنرل سکریٹری "علاقوں کے انچارج و نائب انچارج شعبہ اصلاح رسوم کے لازمی رکن قرار دیے جائیں" پیش ہوئی اور قرار پایا کہ سکریٹری آئندہ جلسہ میں شعبہ ہذا کے متعلق منظور شدہ دستور کی روشنی میں تجویز ہذا پیش کریں۔

(۷) گوشوارہ آمد و خرچ ماہ نومبر ۱۹۴۲ء خازن لیگ نے پیش کیا۔ جو کہ منظور کیا گیا۔

(۸) مندرجہ ذیل تجاویز منظور شدہ جلسہ مجلس ہذا منعقدہ ۲۲/۱۲/۲۲ برائے خواندگی دوئم پیش کیگئیں اور متفقہ طور پر منظور کیگئیں۔

(الف) مجلس منتظمہ کے اجلاس ہر جمعرات کو منعقد ہوا کریں۔

(ب) مجلس عاملہ کا سالانہ چندہ ایک روپیہ کی بجائے صرف چار آنہ سالانہ کردیا جائے

(۹) طے پایا کہ اراکین اگر سکریٹری سے کوئی سوال کرنا چاہیں تو اپنا سوال تحریری اتوار سے پیشتر دفتر لیگ میں بھیجدیں تاکہ ہونے والے جلسہ میں جواب دیا جاسکے۔

اس کے بعد جلسہ بخیر و خوبی ½۱۰ بجے شب ختم ہوا۔

بتاریخ ۱۲/۴۰ ۱۲ بروز جمعرات بوقت ½ ۸ بجے شب پنجابی یوتھ لیگ کی مجلس منتظمہ کا جلسہ زیر صدارت محمد نقی صاحب نور بمقام بیڈن کلب منعقد ہوا جسمیں مندرجہ ذیل حضرات شریک ہوئے۔

فضل مبین احمد، محمد احمد صاحب، صبغۃ اللہ صاحب بزاز والے، محمد نقی صاحب نور، حاجی محمد شفیع صاحب کپڑے والے، محمد سعید صاحب چمڑے والے، محمد نقی صاحب کشتی والے۔

بعد تلاوت کلام پاک حسب ذیل کارروائی شروع کیگئی۔

(۱) سابقہ جلسہ منعقدہ ۱۲/۴۰ کی کارروائی کی تصدیق آئندہ جلسہ کیلئے ملتوی کیگئی۔

(۲) کارروائی شعبہ اصلاح رسوم مورخہ یکم دسمبر ۱۹۴۰ء کی سماعت کیگئی۔

(۳) مندرجہ ذیل تجویز (منظور شدہ جلسہ مجلس ہذا منعقدہ ۱۱/۴۰ ۲۳ منظور شدہ برائے خواندگی دوئم جلسہ منعقد ۱۲/۴۰ ۵) برائے خواندگی سوئم پیش کیگئی اور متفقہ طور سے منظور کیگئی۔

"مجلس عاملہ کا سالانہ چندہ ایک روپیہ کی بجائے صرف چار آنہ سالانہ کر دیا جائے"۔

(۴) مندرجہ ذیل تجویز (منظور شدہ جلسہ مجلس ہذا منعقدہ ۱۱/۴۰ ۲۳ منظور شدہ برائے خواندگی دوئم جلسہ منعقدہ ۱۲/۴۰ ۵) برائے خواندگی سوئم پیش کیگئی۔ طے پایا کہ آئندہ جلسہ کے لئے ملتوی کیجائے۔ مجلس منتظمہ کے اجلاس ہر جمعرات کو منعقد ہوا کریں۔

(۵) تجاویز ملتوی شدہ آئندہ جلسہ کیلئے ملتوی کیگئیں۔

(۶) مندرجہ ذیل تجویز بہ اتفاق آرا منظور کیگئی۔ "پنجابی یوتھ لیگ کی مجلس منتظمہ کا یہ جلسہ طے کرتا ہے کہ گرینڈلے بنک میں لیگ ہذا کا جو حساب ہے اسکے متعلق کل اختیارات برائے برآمدگی رقومات شیخ محمد نقی صاحب نور صدر لیگ ہذا، فضل مبین احمد جنرل سکریٹری لیگ ہذا و شیخ محمد یوسف صاحب کپڑے والے خازن لیگ ہذا کو دیئے گئے۔

نیز قرار پایا کہ برآمدگی کیلئے ہر چیک پر مذکورہ بالا تینوں اصحاب کے دستخط ہونے لازمی ہیں۔ نیز گرینڈلے بنک کا مطبوعہ فارم پر کرکے بنک ہذا کو بھیجدیا جائے۔

(۷) انتخاب نائنان علاقہ ۱۹۴۱ء کی رپورٹ سکریٹری نے پیش کی۔

(۸) مبلغ ۵۰ روپے جو کہ خازن صاحب انجمن وکیل قوم پنجابیان کو ۲۴ نومبر ۱۹۴۰ء کو دئے گئے تھے۔ اسکی رسید پیش ہوئی اور طے پایا کہ انجمن ہذا کو تحریر کیا جائے کہ ان تمام رقومات کی رسید جو کہ لیگ ہذا انجمن مذکورہ بالا کو ادا کرے۔ بنام پنجابی یوتھ لیگ ہونی چاہئے۔

رکنیت کے خانہ میں ان لوگوں کا نام لکھا جائے جنسے لیگ نے رقم وصول کی ہو۔

طے پایا کہ

(۹) کچی رسیدیں تیار کرائی جائیں جن پر تحریر ہو۔ یہ رسید کچی ہے۔ تین روز میں پکی رسید خازن لیگ سے حاصل کرلیں۔ بصورت دیگر لیگ اس رقم کی ذمہ دار نہ ہوگی۔

اور انھیں بوقت ضرورت کام میں لایا جاوے۔ اور وصول کنندہ وقت مقررہ میں وصول شدہ رقم خازن لیگ کو ادا کرکے پکی رسید تیار کرالے۔

اسکے بعد جلسہ بخیر و خوبی ½ ۱۰ بجے شب ختم ہوا۔

پیدائش

نمبر شمار	تاریخ اندراج	تاریخ پیدائش	نام بچہ	باپ کا نام معہ ولدیت	بچہ کے نانا کا نام	گلی یا محلہ	علاقہ نمبر مکان
۱۷۹	۴ ۱۱/۵۱	۴ ۱۱/۵۱	احمد دین	محمد اشفاق ولد کریم بخش	رحیم الٰہی اللہ والے	باڑہ ہندوراؤ	نمبر ۱۳
۱۸۰	۵ ۱۱/۵۱	۵ ۱۱/۵۱	لڑکا	محمد اشفاق ولد کرم الٰہی	سراج الدین کلکتہ والے	بیری والا باغ	״
۱۸۱	۶ ۱۱/۵۱	۳ ۱۱/۵۱	اقبال احمد	محمد یونس ولد انعام اللہ گھڑی والے	عبدالرحمٰن لاہور والے	بلیماران	نمبر ۶
۱۸۲	۷ ۱۱/۵۱	۵ ۱۱/۵۱	جمیلہ بانو	محمد عثمان ولد نور الٰہی صندوق والے	قمر الدین رنگ والے	محلہ نواب گنج	ع ۱۲
۱۸۳	۸ ۱۱/۵۱	״	لڑکا	محمد عمر ولد محمد یونس صابن والے	محمد عمر بکس والے	گڈر ا کا گھیر	ع ۱۳
۱۸۴	۹ ۱۱/۵۱	۲۱ ۱۱/۵۱	یٰسین احمد	حافظ عبدالجلیل ولد حاجی عبدالمجید [illegible] والے	محمد [illegible] دین چھتری والے	نیا محلہ پل بنگش	ع ۱۲
۱۸۵	۱۰ ۱۱/۵۱	۱۰ ۱۱/۵۱	لڑکی	انیس الرحمٰن ولد ذکر الرحمٰن وکیل	عبدالوہاب کپڑے والے	کالے صاحب	ع ۶
۱۸۶	۱۱ ۱۱/۵۱	۱۱ ۱۱/۵۱	لڑکا	محمد دین ولد محمد اسحٰق دوائی والے	محمد دین انبالہ والے	گلی چابک سواران	״
۱۸۷	۱۳ ۱۱/۵۱	۱۳ ۱۱/۵۱	لبیب احمد	حبیب احمد ولد مشتاق احمد بنارس والے	محمد ابراہیم کپڑے والے	باغیچی اچھے جی	ع ۱۳
۱۸۸	۱۱ ۱۱/۵۱	۱۱ ۱۱/۵۱	لڑکا	محمد یوسف ولد احسان الٰہی	انعام الٰہی سکھر والے	کشن گنج	״
۱۸۹	۱۴ ۱۱/۵۱	۱۴ ۱۱/۵۱	لڑکی	رفیع الدین ولد انعام اللہ پیتل والے	محمد شفیع انبالے والے	بلیماران	ع ۶
۱۹۰	۱۵ ۱۱/۵۱	۱۵ ۱۱/۵۱	محمد احمد	محمد اشفاق ولد محمد قاسم شاہدرہ والے	رحمان الٰہی قلعہ والے	باڑہ ہندوراؤ باغیچی اچھے جی	ع ۱۳
۱۹۱	۱۶ ۱۱/۵۱	۱۶ ۱۱/۵۱	لڑکا	محمد رفیع ولد محمد اشفاق دوائی والے	ضیاء الحق دری والے	کشن گنج	״
۱۹۲	۱۷ ۱۱/۵۱	۱۷ ۱۱/۵۱	لڑکی	محمد یوسف ولد عطاء [illegible]	نور احمد ملتانی	نواب گنج	ع ۱۲
۱۹۳	۱۸ ۱۱/۵۱	۱۸ ۱۱/۵۱	״	نواب محمد امین ولد حاجی محمد [illegible]	فضل احمد باغیچی	گلی [illegible] پھاٹک [illegible]	ع ۳
۱۹۴	۱۹ ۱۱/۵۱	۱۹ ۱۱/۵۱	سلطان احمد	مشتاق احمد ولد فضل عظیم	محمد یوسف انبالہ والے	حویلی حسام الدین	ع ۶
۱۹۵	۲۰ ۱۱/۵۱	۲۰ ۱۱/۵۱	لڑکی	محمد طاہر ولد مولوی محمد [illegible] والے	احسان الٰہی	باڑہ ہندوراؤ بغیچہ احمد دین	ع ۱۲
۱۹۶	۲۱ ۱۱/۵۱	۶ ۱۱/۵۱	نعیمہ خاتون	محمد فاروق ولد محمد حمد	محمد فاروق کلکتہ والے	فیاض گنج	״
۱۹۷	۲۲ نومبر	۲۳ ستمبر	لڑکا	محمد یوسف ولد محمد فاروق	محمد رفیع دوائی والے	کشن گنج	״
۱۹۸	۲۳ ۱۱/۵۱	۲۳ ۱۱/۵۱	صالحہ خاتون	محمد یونس ولد محمد صدیق	فضل حق شکر والے	شیش محل	۶
۱۹۹	۲۴ ۱۱/۵۱	۱ ۱۱/۵۱	محمد عارفین	محمد امین ولد محمد یعقوب		گلی [illegible]	۶

جلد ۴ ماہ مارچ سنہ ۱۹۴۱ء نمبر ۸

ایڈیٹوریل نوٹ

واقعات و افکار

از ادارہ

مردم شماری

وقت کی سب سے اہم ضرورت

امریکہ۔ انگلستان اور ان تمام ممالک میں جہاں موجودہ جمہوری طرز حکومت رائج ہونے کی وجہ سے سروں کو توڑنے کے بجائے گنا جاتا ہے۔ مردم شماری کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

ملتوں قوموں اور برادریوں کے شہری، سیاسی، اقتصادی تمدنی اور مذہبی حقوق کی کمی بیشی اور ان کے حصول کا دارومدار محض اقلیت اور اکثریت کی بنا پر کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا کے تمام ممالک میں اکثریت اور اقلیت کا مسئلہ سیاسی زندگی میں سب سے اہم مسئلہ سمجھا جاتا ہے۔

ہندوستان میں بھی اکثریت اور اقلیت کے مسئلہ نے جو اہمیت حاصل کر رکھی ہے وہ لکھے پڑھے اور سیاسی شعور رکھنے والے حضرات سے پوشیدہ نہیں۔

ہندوستان میں ہر دس سال بعد مردم شماری ہوا کرتی ہے اور آجکل مردم شماری کی تیاریاں بڑے زور شور سے ہو رہی ہیں۔ ابتدائی کام پورا ہو چکا ہے۔ ۲۰ ر ۲۸ فروری اور یکم مارچ کو دم شماری کی تکمیل ہو جائے گی۔

[illegible] شماری کے نتائج کا ہندوستانی قوموں کے مستقبل پر بڑا اثر پڑے گا۔ اسلئے تمام قومیں اپنی فلاح بہبود کے پیش نظر مردم شماری کے کام میں بڑی دلچسپی کا اظہار کر رہی ہے۔ خصوصاً برادران وطن تو ۔۔۔ اپنی تنظیمی قوتیں پورے طور پر صرف کر رہے ہیں۔ لیکن افسوس کہ ہم مسلمان جس طرح اور تمام تعمیری کاموں سے غافل رہتے ہیں۔ مردم شماری کے کام سے بھی غافل ہیں۔ محض ایک دو بیانات اخبارات میں دیدینے اور دو چار تقریریں کر دینے سے یہ کام نہیں چل سکتا۔

ضرورت ہے کہ اسوقت تمام قومی رہبر اور کارکن اپنی پوری توجہات وقت کی اس سب سے اہم ضرورت کی طرف مبذول کریں۔ اور پوری سرگرمی کے ساتھ اس کام میں عملی حصہ لیں۔ سب سے پہلے ان غلط افواہوں اور غلط فہمیوں کا ازالہ کریں جو مسلمانوں کے سیاسی حریفوں نے ان پڑھ مسلمانوں میں مردم شماری کے متعلق پھیلا رکھی ہیں اور گھر گھر جا کر مسلمان مردوں اور عورتوں کو بتائیں کہ مردم شماری ہر دس سال کے بعد ہوا کرتی ہے اور یہ کسی فوجی ضرورت کے لئے نہیں کی جا رہی ہے۔ بلکہ اس کا تعلق قوموں کی سیاسی شہری اور تمدنی اور مذہبی حقوق سے بہت زیادہ ہے۔ اسلئے اپنے بچوں نوکروں اور گھر والوں کی تعداد صحیح طور پر پوری پوری لکھوا دیں۔ اور پوری تعداد بتانے اور لکھوانے میں کسی طرح کا ہرج نہیں ہے۔

اس کے علاوہ دو تین باتیں اور بتانی ضروری ہیں۔ اور یہ کہ مذہب کے خانہ میں مسلمان اور زبان کے خانہ میں اردو لکھوائیں چونکہ تعداد۔ مذہب۔ قوم اور زبان پر مردم شماری کا انحصار ہے کیا مسلم رہبر اور کارکن صحیح معنوں میں عملی جدوجہد کرینگے؟

مردم شماری اور قوم پنجابیان

قوم پنجابیان کی مردم شماری کا مسئلہ پنجابی یوتھ لیگ کے سامنے کئی مرتبہ آچکا ہے اور اس سلسلہ میں کئی تجویزیں مختلف اوقات میں پیش ہو چکی ہیں۔ لیکن پنجابی یوتھ لیگ کو دوسری قومی مصروفیات سے اتنی مہلت نہ مل سکی جسکی وجہ ہے کہ یہ کام ابتک تشنۂ تکمیل رہا۔

چنانچہ قوم کے گذشتہ سالانہ جلسہ عام میں بھی ایک تجویز قوم پنجابیان کی مردم شماری کے متعلق پیش کیگئی تھی اور جس کو جلسۂ عام میں باتفاق رائے منظور کیا تھا۔ اس تجویز میں انجمن وکیل قوم اور پنجابی یوتھ لیگ دونوں سے اپیل کی تھی کہ وہ اشتراک عمل کے ساتھ اس عظیم الشان کام کو پایۂ تکمیل کو پہنچائیں۔ دو تین ہفتہ ہوئے کہ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے پنجابی یوتھ لیگ نے ایک سب کمیٹی بنائی ہے۔ کنوینیر راقم الحروف کو بنایا گیا تھا۔

اب معلوم ہوا ہے کہ انجمن وکیل قوم نے بھی اس مسئلہ پر اپنی توجہ مبذول کی ہے اور اس کام کیلئے ایک سب کمیٹی بنائی گئی ہے۔ جسکے کنوینیر شیخ عبدالمتین صدیقی صاحب کو مقرر کیا گیا ہے۔ یہ سب کمیٹی عنقریب اپنا کام شروع کر دیگی۔

ہمیں امید ہے کہ قوم کی یہ دونوں مقتدر جماعتیں یعنی انجمن وکیل قوم اور پنجابی یوتھ لیگ اس عظیم الشان کام کو پایۂ تکمیل کو پہنچا کر قوم کی ایک بڑی خدمت انجام دیگی۔

ی تجارتیں

یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ ہم تجارت کی ایسی محدود لائنوں کا کام کر رہے ہیں جسمیں ترقی تمہیں شاندار ہی دکھائی دیتی ہے اول تو متعدد کانوں سے نکل کر کارخانوں میں آگئی ہے۔ اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ دکانداری میں بھی جو نئی نئی لائنیں پیدا ہوئی ہیں اسکو بھی ہم محو حیرت بنے تکا کرتے ہیں۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر ہمارے بزرگ موجودہ دو چار لائنیں اور انکا لگا بندھا طریقہ کار ہمیں ورثہ نہ دے جاتے تو شاید ہم یہ بھی نہ کر سکتے تھے۔ موٹر کی ضروریات۔ ریڈیو، بجلی، غلہ۔ سونا چاندی، گھی، تیل۔ کوئلہ، جوتے، ہلڈنگ میٹریل۔ غرض اسی قسم کی دیگر انسانی لازمی ضروریات کی انڈسٹری تو کجا دوکانداری بھی ہمنے اختیار نہیں کی۔ ٹرانسپورٹ سے ہمکو کوئی دلچسپی نہیں حالانکہ روزانہ ایک نئی ٹرانسپورٹ کمپنی کا بورڈ لٹکا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ سٹورز ڈپارٹمنٹ سے لاکھوں روپے کے ٹھیکے نکل چکے اور نکل رہے ہیں۔ ہم میں سے کتنوں نے اس سے فائدہ اٹھایا یا اٹھا رہے ہیں؟ ہندوستان کے پڑوسی ممالک مثلاً افغانستان، ایران، عراق، مصر، برما، چین، تبت۔ جنوبی افریقہ کو ہندوستان کا مختلف مال برآمد کرنا اور وہاں سے دوسرے مال ہندوستان میں درآمد کرنا شاید اس بیوپار سے بہت لوگوں کے کان بھی آشنا نہ ہونگے۔ یہ ضرور ہے کہ ہر نئی نئی تجارت کے لئے ہمت۔ استقلال کی بہت ضرورت ہے۔ اور ناتجربہ کاری کی بنا پر آغاز میں نقصانات کے اندیشے بھی ہیں لیکن یہ سب چیزیں ہمکو برداشت کرنی ہونگی۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ پست حوصلے اور محدود خیالات ہمکو موجودہ تجارت سے بھی رفتہ رفتہ ناآشنا کر دینگے۔

ڈیزل انجن میں معدنی تیل کے بجائے ہندوستانی بیجوں کا تیل

انڈسٹریل ریسرچ بورڈ نے ایک رسالہ شائع کیا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تمام معمولی ہندوستانی بیج مثلاً مونگ پھلی، بنولہ اور سرسوں کے تیل قابل اطمینان طور پر ڈیزل انجن میں معدنی ڈیزل آئل کے بجائے ایندھن کی طرح استعمال ہو سکتے ہیں۔ گورنمنٹ ٹیسٹ ہاؤس علی پور کلکتہ میں اس موضوع پر تین سال تک بیحد کام ہوا ہے

اس کے نتائج بھی خوشگوار ہیں۔ ڈیزل آئل کے بدل کی۔ اسلئے ضرورت محسوس ہوئی کہ دنیا میں پٹرولیم کے ذخیرے محدود ہیں اور لڑائی نے اسکی درآمد پر بھی بہت اثر کیا ہے نیز ہندوستان میں بھی اس تیل کے بڑے بڑے ذخیرے موجود نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کسی وقت یہ تیل زمانہ۔۔۔ جنگ میں نہ مل سکے پلاٹے تو اتنا گراں کہ انڈسٹری اور ٹرانسپورٹ پر اس کا برا اثر پڑے۔ اسلئے اگر کوئی وقت ایسا ہو تو ڈیزل آئل کے بجائے ہندوستانی بیج کا تیل بآسانی کام میں لیا جا سکتا ہے۔ اب جبکہ کساد بازاری اور برآمد کی مشکلات کی وجہ سے ہندوستانی بیجوں کا تیل باہر کی منڈیوں میں بھی کم جا رہا ہے۔ جسکی وجہ سے تیل کا بھاؤ گر گیا ہے۔ ڈیزل آئل کے بجائے یہ تیل ایک نعم البدل ثابت ہوگا۔ اور بڑے پیمانہ پر تیل تیار کرنے کی صنعت بھی ایک بہت فائدہ مند تجارت ہو سکیگی۔

ساگون سے سب سے زیادہ آمدنی

دنیا میں جہاں اور بہت سی تجارتیں ہیں وہاں جنگلات کا ٹھیکہ یا جنگلات میں لکڑی پیدا کرنے کی تجارت بھی ایک منافع بخش تجارت ہے۔ آپ کسی نئی لائن میں جائیں گورنمنٹ کا متعلقہ محکمہ آپ کو ہر امکانی امداد دینے کا ذمہ دار ہے۔ چنانچہ محکمہ جنگلات دہرہ دون نے جو رسالہ حال میں مرتب کیا ہے۔ اس میں ساگون کی لکڑی کی پیداوار کے متعلق ایسی معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں جو لکڑی کے تاجروں اور جنگلات سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے مفید ہیں۔ گزشتہ ۲۵ برس کے دوران میں تمام ہندوستان اور برما کی ساگون کی کاشت میں جو ترقی ہوئی ہے اسکے اعداد و شمار جمع کئے جاتے ہیں۔ اس رسالہ میں جو اعداد و شمار درج کئے گئے ہیں انہیں اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی کاشت اور خراب سے خراب زمین کی کاشت کی تفصیل بھی درج ہو۔ اس رسالہ میں اس قسم کی تشریحیں اور معلومات درج ہے کہ کس کس طرح کی زمینوں میں کس کس قسم کے درخت پیدا ہو سکتے ہیں۔ ایک ایکڑ زمین پر کتنے درخت لگانا چاہئیں ان درختوں کی اونچائی اور ان کے تنوں کا گھیر کتنا ہونا چاہئے۔ اگر ان درختوں کو انکی مختلف عمروں میں کاٹا جائے تو اس سے کتنی عمارتی اور کتنی جلانیوالی لکڑی حاصل ہو سکتی ہے۔ اسکی کاشت میں سالانہ کتنا اضافہ ہو رہا ہے۔

ہندوستان میں جو عمارتی لکڑیاں بہت زیادہ استعمال میں آتی ہیں اور کفایت کے لحاظ سے بہتر سمجھی جاتی ہیں ان میں ساگون کی لکڑی سب سے زیادہ مقبول ہے۔

چونکہ دوسری عمارتی لکڑیوں کے مقابلہ میں ساگون کی لکڑی سب سے زیادہ قیمت میں بکتی ہے۔ اس وجہ سے اور درختوں کی بہ نسبت ساگون کے درخت کی کاشت زیادہ کی جا رہی ہے۔

اندازہ لگایا گیا ہے کہ ساگون کے موجودہ جنگل تقریباً ۳۰۰ مربع میل کے رقبہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس رقبہ میں تقریباً ۱۰ مربع میل سالانہ کا اضافہ ہو رہا ہے۔

قوم کے بنائے ہوئے دستور العمل پر خود بھی عمل کیجئے اور دوسرے بھائیوں کو بھی اس پر عمل کرنے کی ترغیب دلایئے تاکہ قوم کو موجودہ پریشانیوں سے نجات ملسکے

پھلجھڑی کچھ دھڑی

(از جناب گھس ٹاپو صاحب)

ہندوستان کو مکمل صوبجاتی آزادی ملگئی۔ ہر صوبہ اپنے سیاہ و سفید کا مالک ہوگیا۔ تھوڑے عرصے امن و آشتی سے گذارنے کے بعد دو صوبے جہاں مکمل اہنسا کا راج ہے اور جن کے وزرا، چیف آف دی جنرل سٹاف۔ یہانتک کہ ہر فوجی سپاہی دارِدھاے اہنسا کا فارغ التحصیل ہے۔ کسی معاملہ پر آخر انسان ہی تو ہیں ٹھن جاتی ہے۔ ملک کے کرتا دھرتا لوگوں نے بہت بیچ بچاؤ کرنے کی کوشش کی۔ اہنسا کے دیوتا کا واسطہ بھی دیا گیا۔ مگر کسی کی ایک نہ چلی۔ اور نوبت بایجا رسید کہ طرفین نے اپنی افواج قاہرہ کو مارچ کرنے کا حکم دے دیا۔

دونوں افواج کی ترتیب اسطرح ہے کہ سب سے آگے سکول کے بچے اپنے معصوم لہجہ میں فوج کو جوش و خروش دلانے کے لئے گا رہے ہیں۔ کیا گا رہے ہیں؟ سب تو سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ ہاں یہ سمجھ میں ضرور آرہا ہے ؎

توکہاں گیا اے اہنسا کے دیوتا ہمیں چھوڑ کر۔ توکہاں گیا، توکہاں گیا۔

اسکے پیچھے دیوی فوج کھدر کی ساڑھیاں پہنے ہوئے نہایت خوش الحان آواز سے گا رہی ہیں۔ پہلے کمانڈر کہتی ہے۔ ؎

ہم چرخے کے ہیں اور چرخہ ہمارا

اس کے بعد دیوی فوج جن کے پاس ٹھیلوں پر رکھے ہوئے بہت بڑے بڑے چرخے ہیں ان کا پہیہ گھماکر کورس کرتی ہیں۔ ؎

چل رے چرخے بول چرخ چوں۔ چوں، چوں، چوں،.... چوں، چوں، چوں.........

سب سے پیچھے مردوں کی فوج اہنسا کے جدید ترین اسلحہ جات سے مسلح ہے۔ سپہ سالار ایک بیل ٹھیلہ پر کھڑا کہہ رہا ہے۔ "اے بھارت ماتا کے سپوتو"..... باقی سب کہتے ہیں "آگے بڑھا قدم آگے بڑھا قدم".........

اسی اثنا میں لاؤڈ اسپیکر سے آواز آتی ہے۔ جیکارا۔ سب اپنے گیتوں کو ختم کرکے نہایت بلند آواز سے چیختے ہیں۔ "بندے ماترم"

بھئے اب دونوں کی افواج بالکل آمنے سامنے آگئیں اور حملہ ہوا چاہتا ہے۔ لیکن یہ حملہ تیر و تفنگ سے نہیں ہے۔ بلکہ عدم تشدد کے اصولوں پر بنائے ہوئے فوجی قوانین

کے ماتحت ہوگا۔ جیسے ہی دو ہراول دستے نے اپنا کام شروع کردیا
تمام فوج خاموش ہوگئی۔ صرف دونوں طرف کی بچہ فوج
گا رہی ہے۔ جیت ہار اس پر ہوگی کہ زیادہ دیر تک بغیر
کھائے پیئے کون گاتا ہے۔ ایک دن تک دونوں افواج جم کر
مقابلہ کرتی رہیں۔ دوسرے روز شام کے وقت ایک طرف
کی بچہ کی فوج نے پیٹھ دکھا دی۔ یعنی گانا بند کردیا۔ دوسری
طرف سے جیکارے بلند ہوئے اور بچوں کو کاندھوں پر اٹھایا
گیا۔ سنگترے کا عرق بکری کے دودھ میں چوہارے ڈالکر
خاطر داری کی گئی۔

جیسے اب دیوی فوج کا مقابلہ ہے جیت ہار اس مسئلہ
پر ہے کہ کس کی فوج لگاتار چرخے کاتتی رہے اور زیادہ سوت
کاتے۔ بڑے زوروں سے چرخوں کے گھیر گھومنے شروع ہوئے۔
ایک دن دو دن پانچ سات دس بارہ دن تک چرخے متواتر
دونوں اطراف کے چلتے رہے۔ یہ اشعار بطور رجزیہ اشعار
کے برابر گائے جارہے تھے۔

چرخے کے ہم ہیں چرخہ ہمارا۔ چل رے چرخے چرخ
چوں .... چوں، چوں، چوں .... چوں، چوں،
چوں، جاری رہے۔

آخر کار جس طرف کے پٹے ہارے تھے اس طرف کی
دیوی فوج جیت گئی۔ اب اسطرف سے جیکارے بلند ہوئے۔
گلوں میں گیندے کے پھولوں کے ہار ڈالے گئے۔
مرد فوجوں نے ہاتھ جوڑ کر پرنام کئے۔

اب آخری مقابلہ ہے۔ اور افواج قاہرہ کے سپہ
سالار نے اعلان کیا کہ میری فوج لاٹھیاں کھاسکتی ہے۔ لیکن بھاگے گی
نہیں چنانچہ دس آدمی باہر نکلے۔ پانچ کے ہاتھ میں لاٹھیاں تھیں اور
پانچ ننگے۔ لاٹھی والوں نے ننگوں کو مارنا شروع کیا۔

پہلے انہوں نے ہاتھ جوڑے۔ پھر ٹوپی اتار کر پیروں پر ڈالی۔
اس پر بھی مار پڑتی رہی تو مارنے والوں کے پیروں پر سر رکھدئے۔
جیکارے بلند ہوئے۔ دوسری طرف کے سپہ سالار نے اعلان کیا۔
میری فوج بھوک برت رکھ سکتی ہے۔ پانچ آدمی باہر نکلے اور تپشیا کر کے
بیٹھ گئے۔ دو مہینہ تک بغیر کھائے گزارہ کیا اور جب حالت نزع میں
ہوتے تو ان کو بیل ٹھیلوں میں ڈالکر واپس بھیجدیا گیا۔ اب پھر پہلی
فوج کا نمبر آیا۔ سپہ سالار نے اعلان کیا کہ میں نے اہنسا کا ایک نیا
طریقہ دریافت کیا ہے۔

ملاحظہ کیجئے کہ میری فوج دشمن کے ظلم کے سامنے کیا کرے گی۔
پانچ آدمی ہاتھوں میں تکلے لئے ہوئے باہر آئے۔ پانچوں نے تکلہ
اپنی آنکھ میں چبھو لیا۔ آنکھ سے خون کا فوارہ جاری ہوگیا۔

پھر دوسری طرف کے سپہ سالار نے کہا۔ میری فوج اس
سے بھی زیادہ بہادر ہے۔ آنکھ میں تکلا مار لینا کوئی بڑی بات نہیں
ہے۔ زور سے چلایا "بھارت ماتا کے سپوتو باہر نکلو۔ تمہارا نام
ہمیشہ روشن رہیگا۔ پانچ آدمی ہاتھ میں چھریاں لئے ہوئے
باہر نکلے اور اپنی گردنوں پر پھیر دیں۔ مقابل کی فوج یہ دردناک
منظر نہ دیکھ سکی۔ اور اسکے پاؤں اکھڑ گئے۔ فاتح فوج مفتوح کے علاقہ
میں داخل ہوئی تو تمام لوگ مسجدوں میں گرے ہوئے تھے۔

سیاسیاتِ عالم

از جناب حافظ محمد تقی صاحب نور دہلوی

جنگ فرانس

ڈنکرک پر جرمنی قبضہ کے صرف چند گھنٹے بعد یعنی ۵ر جون کی صبح کو سویرے ہٹلر نے اپنی زبردست مشینی فوجوں کو اتحادی فوجوں کے نئے محاذ سوموا در ایشن کی طرف بڑھایا۔ اور دو ہزار جرمنی فولادی گاڑیوں کو دو دو سو اور تین تین سو کے دستوں میں میدان کارزار میں جھونک دیا۔ پہلے دن خاص طور پر پیرونول کے علاقوں میں حملے کئے گئے۔ اور جرمنی فوجیں سوموا در ایشن ایکو کنیسل کیطرف بڑھیں۔ اور ان فوجوں کا دباؤ اتنا سخت تھا کہ ویگان لائن کی مشہور مورچہ بندیاں بہت جلد تتر بتر ہونے لگیں۔ اور جرمنی فوجوں نے سوموکو پار کر لیا۔ اور ۷ر جون کو جرمن ہائی کمانڈ نے دعویٰ کیا کہ ویگان لائن کو ہر محاذ پر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔

دن بدن جارحانہ کارروائیاں تیز تر ہوتی گئیں۔ اور ۸ر جون کو جرمنی فوجوں نے اموارز کے درمیان ساٹھ میل کے محاذ پر زبردست حملے کئے اور شام ہونے تک وہ امین کے جنوب میں بیس میل آگے بیر بؤیل تک پہنچ گئیں۔ ۹ر جون کو گھمسان کی لڑائی کے بعد ایشن کو پار کر لیا گیا۔

باوجود اسکے کہ جرمنی فوجوں کو زمین اور ہوا میں زبردست نقصانات پہنچے۔ لیکن اتحادی فوجوں کی حالت خراب ہوتی گئی ۱۰ر جون کو جبکہ جرمنی کی جارحانہ کارروائیوں نے فرانس کو موت کے خطرہ میں مبتلا کر دیا تھا اطالیہ نے پشت پر سے حملہ کر دیا۔ اگرچہ اطالیہ نے کوئی زوردار لڑائی نہیں لڑی مگر اطالیہ کے اعلانِ جنگ نے فرانس کی ان فوجوں کو جو اطالیہ کی سرحد کے قریب جمع تھیں تتر بتر کر دیا۔

اسی دن فوجیں شیمپین کو پار کر کے پیرس کی طرف بڑھنے میں کامیاب ہو گئیں۔ اب لڑائی کا زور بہت بڑھ گیا۔ اگرچہ اتحادی فوجیں ایک ایک انچ زمین کے لئے مردانہ وار لڑ رہی تھیں مگر وہ اتنی تھک گئی تھیں کہ لڑائی کا دباؤ جھیلنے کے قابل نہ رہیں۔

پیرس کی اطاعت

۱۲ر جون کو ریہیم میں جرمنی قبضہ ہو گیا۔ ۱۳ر جون کو میرنے پار کر لیا۔ اب جرمنوں نے پیرس کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اسکے علاوہ میوس اور سمندر کے درمیان فوجوں کی ایکسو ڈویژن اور چار ہزار ٹینکس جنگ کے میدان میں دھکیل دئے گئے۔ پہلے تو رینالڈ گورنمنٹ نے پیرس کی مدافعت کا خیال کیا۔ مگر بعد میں دارالخلافہ کی تباہی کے خیال سے ۱۳ر جون کو یہ فیصلہ کیا گیا کہ پیرس "کھلا شہر" ہے اور جو فوجیں پیرس کی مدافعت کے لئے پہنچی ہوئی تھیں وہ پیرس کے جنوب کی طرف پیچھے ہٹ گئیں۔

۱۴ر جون کو جرمن ہائی کمانڈ نے اعلان کیا کہ جرمنی فوجیں فاتحانہ حیثیت سے پیرس .... میں داخل ہو گئیں۔

فرانس کی شکست

پیرس کے انخلا اور بوری لائن کی پسپائی سے بھی فرانس کی تباہ حال فوج کو کوئی مدد نہیں ملی۔ جرمنی فوجیں برابر بڑھتی گئیں فرانس کی فوجیں تیزی کیساتھ پیچھے ہٹ رہی تھیں اور جرمنی فوجیں انکا پیچھا کر رہی تھیں اور کئی مقامات پر تو جرمنی فوجوں نے فرانسیسی فوجوں کو گرفتار کرلیا۔ اب جرمنی فوجیں اس تیزی کیساتھ آگے بڑھ رہی تھیں کہ ۴۰ گھنٹہ کے اندر ایکسو میل آگے بڑھ گئیں۔

اسکے بعد جرمنوں نے اتحادی فوجوں کے بائیں جانب حملوں کا زور کم کرکے اپنا پورا دباؤ اور پوری طاقت میجنو لائن کو پلٹنے کے لئے مشرق کیطرف پھیر دی۔ اسکے علاوہ اور جرمنی فوجیں میدانِ جنگ میں پہنچ گئیں۔ اس وقت میدانِ جنگ میں جتنی جرمنی فوجیں تھیں انکا اندازہ ایکسو پچاس ڈویژن کیا گیا تھا۔

۱۶ جون کو جرمنوں نے میجنو لائن کی کئی قلع بندیوں کو لیلیا۔ جسمیں وردن کی زبردست چوکی شامل تھی پناہ گزینوں کا مسئلہ بلجیم اور شمالی فرانس سے بھی زیادہ نازک ہوگیا اور باوجود انتہائی کوشش کے سڑکیں خالی نہ ہو سکیں اور عوام کا ہجوم غفیر سڑکوں پر موجود تھا۔

عارضی صلح

اگرچہ وزیر اعظم رینانڈ لڑائی کو جاری رکھنے کے حامی تھے لیکن وزارت کی اکثریت نے یہ فیصلہ کیا کہ فرانسیسی فوجیں اب جرمنی حملوں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہیں ۱۶ جون کی رات کو ایم رینانڈ مستعفی ہوگئے۔ اور مارشل پیتان نے نئی حکومت بنائی اور جرمنی سے صلح کی درخواست کردی ۲۲ جون کو عارضی صلحنامہ پر دستخط ہوگئے جسکے ذریعہ عملی طور پر تمام شمالی اور مغربی فرانس حملہ آوروں کے قبضہ میں دیدیا گیا۔

.... اس صلحنامہ کی شرائط کے موجب فرانس کا بہت بڑا حصہ تمام چینل پورٹ اور فرانس کا اٹلانٹک ساحل اور بہت سے ذرخیز صنعتی مراکز جرمن کے قبضہ میں آگئے۔

فرانسیسی فوج کا بہت بڑا حصہ غیر مسلح کردیا گیا۔ اور سامان جنگ کے بہت بڑے ذخیرے جرمنی کے ہاتھ آئے۔

جرمنی کی فرانس سے صلح ہونے کے بعد مشرق قریب اور افریقہ میں برطانیہ کی پوزیشن پر بڑا اثر پڑا۔ اور اگر برطانیہ فرانسیسی بحری بیڑے کو جرمن کے ہاتھوں میں جانیسے روکنے کی فوری کوشش نکرتا تو برطانیہ کی پوزیشن پر اور زیادہ برا اثر پڑتا۔ مسٹر چرچل کی حکومت کے فوری اقدام نے جرمنی کو اپنے ناپاک ارادوں میں کامیاب نہونے دیا۔ اور فرانسیسی بیڑے کا بڑا حصہ یا تو برطانیہ کے ہاتھ آگیا یا غرق کردیا گیا۔

جرمنی سے صلح ہونے کے بعد اطالیہ کے ساتھ بھی فرانس نے اسی قسم کے صلح نامہ پر دستخط کردئے۔

شکست کے اسباب

فرانس کی اس غیر متوقع فوری شکست کے اسباب میں سب سے بڑا سبب فرانسیسی ہائی کمانڈ کی ناقابلیت ہے کہ اس نے باوجود پولینڈ کا افسوسناک حشر سامنے ہوتے ہوئے بھی جرمنی کی فوجی طاقت تنظیم اور جنگ کی نئی چالوں کی اہمیت کو پورے طور پر نہ سمجھا اور اپنی قدیم وضع کی توپ خانوں کی لڑائی پر ہی بھروسہ رکھتے رہے۔ حالانکہ موجودہ جنگ میں یہ چیز ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ بمبار ہوائی جہاز، ٹینک اور فوجوں کے جم غفیر اور انکا اشتراک عمل نازی فوجی کارروائیوں کی سب سے پہلی چیز ہے اسکے جواب میں ایک زبردست جوابی حملہ ہوسکتا تھا جسکے لئے اتحادی پہلے سے تیار نہ تھے اسکے علاوہ معتبر ذرائع سے یہ پتہ چلا ہے کہ لیڈروں کی آپس کی پھوٹ نظم و ضبط کی کمی اور فوجوں کیساتھ سخت غداری کی وجہ سے انکو یہ دن دیکھنا پڑا۔

عنوان

از جناب پروفیسر اکبر حیدری مرحوم

ایک شاعر۔ اک مغنی۔ اک مصور۔ اک ادیب
بارگاہِ حسن میں پہنچے بصد عجز و نیاز

اور ان سب سے جدا اک عاشقِ حرماں نصیب
جلوہ گاہِ ناز میں پہنچا بصد سوز و گداز

شاعرِ جادو بیاں نے حسن کی تعریف کی
اور وہ اک غیر فانی شعر کہہ کر رہ گیا

شعر تھا یا عشق کے جذبات کی آواز تھی
جو نہ کہنا چاہیے تھا حسن سے یہ کہہ گیا

اب مغنی نے دکھایا اپنے نغمہ کا کمال!
سوز سے لبریز گویا اک صدائے ساز تھی

دم بخود بیٹھی رہی خود داریٔ حسن و جمال
درد میں ڈوبی ہوئی دلسوز اک آواز تھی

اب مصور نے بنائی ایک تصویرِ حسیں
جس میں خط و خال کی رعنائیاں تھیں جلوہ گر

حسن نے دیکھی جوانی کی یہ تفسیر حسیں
اور اس پر بھی ہوا اپنی جوانی کا اثر

اب ادیب نکتہ رس نے بے تکلف لکھ دیا
سرگذشتِ عشق کا افسانہ عنواں طلب

یہ فسانہ درحقیقت سحر تھا اعجاز تھا
ہو گئے مسحور جس کو سن کے اربابِ ادب

حسن لیکن اپنے احساسات سے بیگانہ تھا
عشق کے جذبات بزمِ ناز میں تاراج تھے

شعر تھا نغمہ تھا وہ تصویر تھی افسانہ تھا
حسن کی نظروں میں سب عنوان کے محتاج تھے

یک بیک کچھ سوچ کر اس عاشقِ ناشاد نے
دونوں ہاتھوں سے کلیجہ تھام کر "اک آہ" کی!

عشق کے جذبات کی اس مختصر فریاد نے
آہ دنیا ہی بدل دی حسن حق آگاہ کی!

آہ کا عنوان تھا اور داستانِ حسن و عشق!
اس سے بڑھ کر کون ہوتا ترجمانِ حسن و عشق

ہندوستانی حرفت اور جنگ

دبابے طیارے ۔ اور جہاز

جیسے جیسے جنگ بڑھتی جارہی ہے ہندوستان کے کارخانوں اور کشاپوں سے خام اشیاء اور تیار سامان زیادہ سے زیادہ مقدار میں آرہا ہے۔ یہ جدوجہد اب اس نقطہ پر آ پہنچ گئی ہے کہ بہت جلد ہندوستان اپنی حفاظت کا سارا سامان خود بہم پہنچانے کے قابل ہو جائے گا

جب جنگ چھڑی تو ہندوستان کے پاس جنگی خدمات کیلئے صرف آدمیوں کی زبردست تعداد اور خام سامان کی افراط تھی۔ آنریبل سر محمد ظفر اللہ خاں سپلائی ممبر نے اپنی سمندر پار نشر ہونے والی تقریر میں کہا "آدمیوں اور خام سامان کی افراط کی یہ حالت ہے کہ انہیں لیجانے کے لئے جہاز مہیا کرنا مشکل ہے۔" اب ہندوستان نے اغراض جنگ کے لئے بنا بنایا سامان فراہم کرنا بھی شروع کردیا ہے۔

ہندوستان نے اپنے تھوڑے سے مگر منظم آلات حرب کے کارخانوں میں پہلے سے تیار ہونے والے سامان کی مقدار ہی میں ترقی نہیں کی ہے بلکہ قبل از جنگ تدبیروں اور تیاریوں کی بدولت نئے قسم کے سامان کو تیزی اور کامیابی سے تیار کرنے میں بھی بہت ترقی کی ہے۔

شہری حرفت سازی کو جنگی حرفت سازی میں کامیابی سے تبدیل کرکے سامان کی مقدار میں دن بدن زیادہ سے زیادہ اضافہ ہوتا جاتا ہے اور آئے دن نئے نئے قسم کا سامان جو پہلے سمندر پار سے آتا تھا بکثرت، ہندوستان میں بنتا جاتا ہے۔ گولہ بارود اور فوجی لباس وغیرہ تو ہندوستان میں خود اسکی ضروریات سے کہیں زیادہ تیار ہوتا ہے ملک معظم کی حکومت کی ضروریات اور بڑھتی ہوئی مانگ نے ہندوستانی سامان حرب کے کارخانوں کو پورے زور و شور سے نہ صرف حرفت کے کام بلکہ ہندوستان کو وسیع تر حرفتی پیداوار کا پروگرام بنانے میں بھی بڑی مدد دی ہے۔

گولہ بارود سمندر پار بھیجا گیا!

جنگ شروع ہونے سے ابتک بندوقوں اور رائفلوں وغیرہ کے کارتوسوں کے .... اراؤنڈ اور توپوں وغیرہ کے کارتوسوں کے ..... ۴ راؤنڈ سمندر پار بھیجے گئے۔ اسکے علاوہ پھٹنے والے مادے کی بہت بڑی مقدار اور ۱۰ ٹن بے دخانی بارود نیز ..... ۲۵ ٹن دھماکے سے پھٹنے والی بارود بھیجی جاچکی ہے۔ ریل گاڑی بنانے کا ایک کارخانہ دبابے اور مسلح گاڑیاں تیار کر رہا ہے۔ گاڑیوں کو مسلح کرنے میں جو دشواریاں تھیں ان میں سے بہت سی دور کی جاچکی ہیں۔

زرہ بکتر کی چادریں بھی جو ہندوستان میں اب سے پہلے کبھی نہیں کی گئیں بہت تجربوں کے بعد اب تیار کی جانے لگی ہیں۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں ماہانہ سینکڑوں ٹن چادریں بنائی جانے لگیں گی۔

ماہرین نے ایک خاص قسم کی مسلح موٹر گاڑی منتخب کی ہے جو کافی تعداد میں باہر روانہ کی جارہی ہیں۔ انتظام کیا گیا ہے کہ ایک سال کے اندر ہی اندر ... ۳۰ مسلح جنگی موٹریں خود ہندوستان کی ضرورت کے لئے تیار ہو جائیں۔ اس اسکیم پر بہت جلد عمل کیا جانے لگے گا۔

دبابہ شکن رائفلوں کی مشق کرنے کے لئے کارتوس تیار کرنے کے انتظامات بھی کئے گئے ہیں۔ ہوائی جہاز سے اترنے کی کمل چھتریاں تیار کرنے کے مسئلہ پر غور ہو رہا ہے۔ نہ انگلیں مشین گنیں۔ چھوٹے

کے کارتوس اور چھ انچی دہانے کی توپوں کے گولے وغیرہ ہندوستانی کارخانے بکثرت تیار کر رہے ہیں۔

فولاد کی پیداوار میں اضافہ

۱۹۱۳ء میں فولاد اور لوہے کی پیداوار کی کل مقدار ۲۶۰،۰۰۰ ٹن تھی۔ ۱۹۳۹ء میں یہ مقدار اتنی بڑھی کہ کچا لوہا ۱،۴۳۰،۰۰۰ ٹن اور تیار شدہ فولاد ۱،۰۶۶،۰۰۰ ٹن تک پہنچ گیا۔ یہ ترقی جنگ کی مانگ کی وجہ سے ہوئی اور اب تو ۱۹۴۲ء میں پکے لوہے کی مقدار میں ۳۰۰،۰۰۰ ٹن کا اور تیار شدہ فولاد کی مقدار میں ۱۰۰،۰۰۰ ٹن کا اضافہ ہو گیا ہے۔

لوہے کا صرف ایک ہی کارخانہ تعمیری سامان پٹڑیوں، قلعی دار چادروں اور گولے بنانے کیلئے ایک مخصوص قسم کی کئی ٹن سلاخوں کے علاوہ فوج کے لئے مختلف قسم کے ماہانہ ۵۰۰۰ اوزار تیار کر رہا ہے۔ ہندوستانی فوج کے لئے فولادی خود تیار کرنے کیلئے ایک خاص قسم کی فولادی چادریں تیار کرنے میں ترقی ہو رہی ہے۔ ایسا فولاد جس سے زرہ توڑ گولیاں اور ... بنائے جاتے ہیں نیز مشین گنوں کی کمانیوں اور نالیوں اور ... گنوں کیلئے بہت سخت قسم کا فولاد بھی تیار کیا جا رہا ہے۔

... کئے جانے والے دیگر سامان میں بجلی کے تار مختلف قسم کے دوسرے تار ... تار کی ڈوریاں بھی شامل ہیں یہ چیزیں مشرق غربیہ اور ہندوستان ... فوج اور شاہی ہوائی بیڑہ، نیز آلات حرب کے کارخانوں کے لئے بنائی جاتی ... تاروں کی کیلیں۔ سلاخیں وغیرہ فوج اور آلات حرب کے کارخانوں ... دوسری ضروری چیزیں، نیز فولاد کے کارخانوں کے بیلچے جو پہلے محض ... یورپ سے آتے تھے اور ایک خاص طرح کی ٹین کی چادریں بھی ... بنائی جا رہی ہیں۔

... میں یہ بیان کیا گیا کہ فولاد کی حرفت اپنی انتہائی ممکنہ قوت سے کام ... جا رہی ہے اور راستے آرڈروں کی تعمیل کرنی ہے کہ اس میں کمی نہ ہونے پائے۔ ... اس حرفت کو اتنی ترقی دی گئی کہ وہ خاص قسم کے سوا ہندوستان ... فوج کی تمام ضروریات پوری کر کے مفاد عام کے لئے بھی بہت کچھ باہر بھیج سکتی ہے۔ فولادی عمارتوں اور انجینئری کی ضروریات کے فولادی سامان کے علاوہ بیسیوں قسم کے اسلحہ اور گولہ بارود شہری حرفت اور سرکاری کارخانوں میں بن رہے ہیں۔

ہندوستان کو حال ہی میں ۳۹۰۰۰۰ روپیہ کی قیمت کے چھوٹے چھوٹے بحری جہاز بنانے کا آرڈر ملا تھا اور ہندوستان کے جہاز ساز کارخانوں میں طاقتور اور مکمل مسلح جہاز تعمیر کئے جا رہے ہیں۔ بندر کے کنارے کی ہر موزوں جگہ پر جہاں جہازوں کا ڈھانچہ آ سکتا ہے کام ہو رہا ہے۔

ہندوستان میں طیارہ سازی کی اسکیم بھی نظر انداز نہیں کی گئی بلکہ حکومت تو یہ چاہتی ہے کہ جیسے ہی ضروری سامان اور مناسب جگہ فراہم ہو جائے۔ ویسے ہی طیارہ سازی شروع کر دی جائے۔ طیاروں کے پیٹرول کے ذخیرہ سے بڑھانے اور ہوائی جہاز کو "چکنانے کا تیل" بنانا شروع کر دیا گیا ہے۔

فوجی لباس کی تیاری

فوجی لباس تیار کرنے کی رفتار بہت حیرت انگیز ہے۔ اسلحہ جات کی طرح سپاہیوں کیلئے لباس اور وردیاں بھی ضروری ہیں۔ ہم نے ۱۲۰۰۰۰ سے زائد جوڑ جوتے، ۱۵۰۰۰۰ کمبل، ...... اگر سے زیادہ خاکی ... ۱۲۰۰۰۰ سوتی قمیصیں اور ۱۵۰۰۰۰ جوڑ موزے سمندر پار بھیجے ہیں۔

فوجی وردی اور لباس کی حرفت قبل جنگ کی مقدار سے ۱۰ گنی ہو گئی ہے۔ اور مقصود یہ ہے کہ اس سے دوگنی سے بھی زیادہ ہو جائے۔

میسور اور ٹراونکور میں گیس سے دفاع کے سامان کے لئے جلے ہوئے ناریل کے چھلکے تیار ہو رہے ہیں۔ مرہم پٹی کے سامان کیلئے پٹیاں، چھاننے کے کپڑے، سپاہیوں کے باندھنے کی پٹیاں، پھر دانیاں، ابریشم، تیزاب اور دیگر دواؤں کے علاوہ صابون، کوئلہ، پتھر کا کوئلہ، سمنٹ، سمنٹ کی چادریں، سگریٹ، کھانے پینے کی چیزیں، ... چائے، شکر، سوتی اور اونی کپڑے، سن اور سوت ملا کر بنائے ہوئے کپڑے، گرم، پولو، تاگا اور کپڑوں اور انجینئری کے متعلق دوسری بہت سی چیزیں پہلے

بھی فراہم کر دیتی ہیں۔

بجلی کے پنکھے، ٹیلیفون کے متعلق ضروری چیزیں۔ ٹوٹ کی فولادی جھونپڑیاں، گٹھیں باندھنے کا تار۔ فولادی کڑیاں۔ نرم فولادی چادریں فولادی کنگھیاں، سلاخیں۔ زمین برابر کرنے اور سڑک بنانے کی چیزیں ہند سے مصر بھیجی گئی ہیں۔

سلطنت برطانیہ کے ممالک ہندوستان کی بنی ہوئی خاکی قمیصیں، پیٹریاں، جوڑ ملانے کے فولادی ٹکڑے۔ فولادی پناہ گاہیں، خیمے، فوجی چھاؤنی کا ساز و سامان، کپڑے اور انجینئری کا سامان استعمال کر رہے ہیں۔

بنگال اور بہار کی حکومتوں سے کہا گیا ہے کہ وہ سن کی کاشت کیلئے ۴ لاکھ روپے کی اسکیم تیار کریں۔ ہندوستانی فوجوں کو سمندر پار کی اشیاء سے بے نیاز کرنے کی خاطر ڈبوں میں چیزیں بند کر کے محفوظ کرنے کی تفتیش اور جانچ کی اسکیم بہت جلد شروع کی جانے والی ہے۔ فی الوقت یہ اسکیم صرف دودھ، پنیر اور مچھلیوں کو ڈبوں میں محفوظ کرنے تک محدود رہیگی۔

المونیم بنانے کی ایک کمپنی کا ایک کارخانہ دسمبر ۱۹۴۳ء میں کھولا جائیگا۔ باہر سے آنیوالے المونیم کو پگھلانے کا ایک کارخانہ ۱۹۴۳ء کے موسم سرما تک کھل جائے گا۔ حکومت نے رنگ دور کرنے کا پوڈر بنانے والا ایک کارخانہ کھولنے کی منظوری دیدی ہے۔ دھات کی ٹھوکریں اور ایڑیاں جو جوتے بنانے کے کام آتی ہیں۔ اب وہ بھی یہیں تیار ہوتی ہیں۔

ایک نئے قسم کا کپڑا

کہتے ہیں "ضرورت ایجاد کی ماں ہے" ضرورت پڑنے پر چیزوں کے بدل بھی تلاش کرنے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر بعض ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے سن کے کپڑے کی جگہ کرنج اور سوت و جوٹ ملا کر بنایا ہوا کپڑا استعمال کیا جا رہا ہے۔ سوت اور جوٹ کا ملا ہوا ...... ۳ گز کپڑا سلطنت برطانیہ کو بھیجا جا چکا ہے۔ یہ ایک بالکل نئے قسم کا کپڑا ہے اسکی ایجاد اور اسکے بنانے کا سہرا ہندوستان کے سر ہے اور محکمہ دفاع کی خواہش اور تسلی

کی امداد سے تیار کیا گیا ہے۔

حکومت میسور نے ناریل کے چھلکے کے بٹن بنائے ہیں۔ دیسی طریقہ سے خاکی کپڑا رنگنے کے رنگ تیار کرنے کے تجربے کرنے میں صنعت سازوں کی ہمت افزائی کیجا رہی ہے۔ اسیطرح شیشہ کا بدل مہیا کرنے کے امکانات بھی ہیں۔ رستے اور رسیاں بٹنے کے لئے بھی بدل تلاش کیا جا رہا ہے۔ اس غرض کے لئے مونیلا کے سن پر تجربہ ہو رہا ہے۔ پارافین کی جگہ اب طبی کاموں میں خاص طرح سے صاف کیا ہوا تیل استعمال ہو رہا ہے۔

مقامی کانوں سے سرمہ کافی تعداد میں فراہم ہو رہا ہے بعض کمپنیوں کو اسکے صاف کرنے کے کارخانے کھولنے کو کہا گیا ہے۔ اور وہ دن دور نہیں کہ تمام ہندوستانی ضروریات دیسی مصنوعات سے پوری ہو سکیں۔ بمبئی کی ایک فرم نے تو سرمہ بنانے میں بہت کچھ ترقی کر لی ہے۔

کوئلہ سے بنزین

اس ملک میں ایک ایسا کارخانہ موجود ہے۔ جہاں گلیسرین اور رنگ اڑانے کا پوڈر بنایا جاتا ہے۔ ایک دوسرے کارخانہ میں نائٹرک ایسڈ اور کیمیاوی امونیا بنتا ہے۔ ٹاٹا نگر میں ایک بہت بڑا کارخانہ کھولا جا رہا ہے جسمیں کوئلہ سے بنزین وغیرہ بنایا جائے گا۔

مدراس۔ بمبئی اور کلکتہ میں ...... ۴۳ گز پیٹنے کے کام میں آنیوالا "ٹین روک" کاغذ تیار ہو رہا ہے۔

گذشتہ سالوں میں بجلی کا سامان بنانے کی بڑی کوشش کی گئی تھی۔ اسوقت ہندوستانی کارخانے جو کچھ تیار کر رہے ہیں اسکی مختصر فہرست یہ ہے:-

بجلی کے موٹر، ہوائی حملوں سے خبردار کرنیوالی سیٹیاں، بیٹریاں، لیمپ، پنکھے، بجلی کے ہیٹر، بلب اور جراحی کے آلات۔ ربڑ کے بٹن ڈبوں میں بند کی ہوئی اشیاء، ٹائر، ٹیوب، گرم پانی کی بوتلیں۔ کی اور بہت سی مصنوعات، ٹائپ رائٹر، آگ بجھانے کے آلات

کی مشین۔ چمڑے کی کاٹھیاں۔ چاقو۔ دستانے وغیرہ وغیرہ۔

کپڑے کے ہندوستانی کارخانے اسوقت ۴۴ قسم کے کپڑے بنا رہے ہیں۔ ذیل میں اغراضِ جنگ میں کام آنے والے کپڑے کی ضروری اشیاء کی فہرست درج کی جاتی ہے۔ یہ سب ہندوستان سے فراہم کی جا رہی ہیں۔ روئی ڈرل۔ ٹمیس کے نقاب کی سوتی تھیلیاں "پن روک" سوتی کرمچ، پلنگ کی چادریں، قمیص کا کپڑا۔ پانی کے کپڑے کی بوتلیں۔ سوت اور جوٹ کا ملا ہوا کپڑا۔ قمیص کا خاکی کپڑا۔ سوت اور جوٹ کی ملی ہوئی کرمچ۔ خاص قسم کی بڑی ہوئی کرمچ۔ شاہی ہوائی بیڑے کیلئے نیلے رنگ کی زین۔ ہوابازوں کے لئے ہلکے نیلے رنگ کی قمیصوں کا کپڑا۔ وغیرہ۔

اونی کپڑے کی حرفت

اونی کپڑوں کی حرفت کو بھی ترقی دیگئی اور بھورے رنگ کی غلافین اور بھیڑ کساون کا کپڑا وغیرہ بنایا جا رہا ہے۔

۱۹۳۱ء میں پورٹلینڈ سیمنٹ بہت کم بنائی جاتی تھی مگر اب ۱۰۰۰۰۰ ٹن سالانہ سے زیادہ بنتی ہے۔ اون کی پوری صنعت اسوقت وردیاں اور کمبل بنانے میں مصروف ہے۔ تیل پیدا کرنے والے بڑے بڑے ملکوں میں ہندوستان کا بھی شمار ہوتا ہے اور ان بیجوں سے سامانِ جنگ کی ضروری اشیاء مختلف قسم کے تیل اور چربیاں بنائی جاتی ہیں۔

جنگ سے قبل ہندوستان سالانہ ۸۰۰۰۰۰۰ پونڈ ربڑ باہر بھیجتا تھا اس برآمد میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ ہر سال ۱۰۰۰۰۰ ٹن سے زیادہ مینگنیز باہر بھیجا جاتا ہے۔ اور تمام دنیا میں ہندوستان کی چائے استعمال ہوتی ہے۔ اسی طرح ہندوستان میں کھالیں، لاکھ، ناریل کا ریشہ اور ابرق بھی بکثرت پیدا ہوتی ہے۔ لکڑی اور دوسری جنگل کی چیزیں بھی یہاں بافراط ملتی ہیں۔

مشرقِ وسطیٰ سے جنگی اغراض کے لئے لکڑی فراہم کرنے کے بہت سے آرڈر مل چکے ہیں۔ چنانچہ آرہ کشی کے کارخانے اس کام میں مصروف ہیں۔ کھانے پینے کی چیزوں میں چائے کے علاوہ جوار اور سور بھی حکومتِ برطانیہ کو فراہم کی جا رہی ہے۔

ہندوستان میں درآمد شدہ اشیاء سے وارنش اور دھن بھی بنایا جا رہا ہے۔ برطانوی وزارت رسل و رسائل کو سڑک پر بچھائے جانے والے تارکول کی متعدد قسمیں مہیا کی جا رہی ہیں۔ مٹی کے برتن۔ جرثقیل کے آلات اور مشینوں کے سیدھے سادھے معمولی آلات۔ سلفرک ایسڈ وغیرہ بھی بنایا جاتا ہے۔ جن کارخانوں کے متعلق جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی طے کر لیا گیا تھا۔ وہ ریل گاڑی کے ساز و سامان، خاردار تار۔ زمین پر بچھائی جانے والی فولادی چادریں، کاغذ، گلیسرین، ہریکین لالٹینیں۔ اور زراعتی آلات تیار کر رہی ہیں۔

مختلف قسم کی معدنیاتی اشیاء اور چالیس قسم کی دھاتیں ہندوستان فراہم کر رہا ہے۔ ان میں سب سے اہم فولاد۔ کوئلہ، کچا لوہا، کچی دھات۔ سونا۔ ابرق۔ پٹرولیم۔ نمک اور تانبا ہیں۔ ان میں سے ہر چیز کی سالانہ قیمت چالیس لاکھ روپیہ ہے۔

ان چیزوں کے بعد شورہ۔ کرومائیٹ۔ جپسم۔ میگنی سائیٹ۔ کھریا۔ مونازائیٹ۔ اور ابرق کی اہمیت ہے۔

سب سے آخر میں مختلف قسم کے ہیرے۔ سفیدے کے طور پر استعمال ہونے والی مٹی، لوہیا مٹی، ایلمنائیٹ، اسبسٹوس، چاندی، پنسل کا سرمہ کچا جست۔ ایک قسم کی سرخ قلمی دھات۔ آپاٹائٹ، منوٹائیٹ، زبرجد۔ یاقوت وغیرہ ہیں۔

ان دو فہرستوں میں درج کی ہوئی معدنیاتی پیداوار کی سالانہ قیمت ۱۰۰۰ روپیہ سے ۱۵۰۰۰ روپیہ تک ہوتی ہے۔

تجارتی سامان کے لئے جنگی خطرہ کا بیمہ

حکومت کی ترمیم شدہ اسکیم

مال کی آزادانہ نقل و حرکت کے بارے میں اطمینان حاصل ہونے کی غرض سے جس پر سارے ملک میں اجناس کی قیمتوں کا دارو مدار ہے حکومت ہند نے سامان تجارت کے لئے خطرات جنگ کے بیمہ کی ایک ترمیم شدہ اسکیم تیار کی ہے جسکی نمایاں خصوصیات یہ ہیں:-

ملک بھر میں (ہندوستانی ریاستوں کو چھوڑکر) جملہ سامان فروخت کرنیوالوں کے لئے عام جبر اور بیس ہزار یا اس سے زائد مالیت کے سامان کے لئے ہر سو روپیہ پر دو پیسے ماہوار کی قسط۔ اس اسکیم پر جسکے متعلق اگست میں ایک ہنگامی قانون نافذ ہوا تھا یکم اکتوبر ۱۹۴۱ء سے عملدرآمد شروع ہوگیا ہے۔ اور یکم نومبر سے تمام ملک میں جبری بیمہ کا نفاذ ہوگیا۔

بیمہ کا کام ان بیمہ کمپنیوں کے ذریعہ سے لیا جائے گا۔ جو آگ کے بیمہ کا کام کرتی ہیں اور آٹھ مقررہ انجمنوں میں سے کسی ایک کی رکن ہیں۔ بمبئی ان متعلقہ کمپنیوں کے ناموں کو سرکاری خزانوں اور بڑے بڑے ڈاکخانوں میں چسپاں کرنے کے انتظامات کرلئے گئے ہیں۔ ان بیمہ کمپنیوں نے سرکاری ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا منظور کر لیا ہے اور یہ حکومت کی جانب سے اس اسکیم کو چلائینگی۔ انھیں حکومت سے انتظام کا پورا خرچ ملجائے گا۔

گذشتہ اکتوبر میں بعض تجارتی اداروں نے حکومت ہند کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ سامان تجارت کے لئے خطرات کا بیمہ ہونا چاہئے جہاں خطرات جنگ سے دشمن کی کاروائیاں مثلاً بمباری، سخت گولہ باری اور اسی طرح کے دوسرے مادی نقصانات جو جوابی کاروائی کے سلسلے میں پیش آتے ہیں۔ مراد ہیں۔

اسوقت حکومت کے خیال میں کوئی فوری یا سخت خطرہ درپیش نہ تھا۔ مگر بعد میں جب اٹلی جنگ میں شریک ہوگیا تو قریب قریب تمام بڑے بڑے تجارتی مرکزوں میں کسی حد تک بے چینی پیدا ہوگئی۔ لہٰذا حکومت ہند ور دیا جائیگا کہ وہ سامان تجارت کے لئے خطرات جنگ کے بیمہ کے مسئلہ پر غور کرے۔

گو حکومت اسوقت بھی مطمئن تھی کہ بمباری یا دشمن کی کسی اور کاروائی سے کوئی فوری خطرہ ہے۔ تاہم بہت سے ایسے نفسیاتی اسباب تھے جن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس پر زور دیا گیا تھا کہ اندرون ملک کے تاجروں کو اس بات کا سخت خطرہ محسوس ہو رہا ہے کہ سامان تجارت ان مرکزوں سے جہاں وہ پیدا کیا جاتا ہے ان دوسرے مرکزوں تک جہاں نکاسی کی سہولتیں ہیں آزادانہ طور پر نقل و حرکت نہیں کر رہا ہے۔ نیز یہ کہ بیمہ کی اسکیم کسی حد تک قیمتوں میں استقلال پیدا کریگی۔

تجارتی اداروں سے مشورہ

آنریبل دیوان بہادر سر راما سوامی مدالیار وزیر تجارت نے مسٹر ایچ، سی۔ پرائر۔ ایڈیشنل سکریٹری محکمہ تجارت حکومت ہند اور مسٹر جے، ایچ، ٹامس سپرنٹنڈنٹ آف انشورنس سے درخواست کی کہ وہ بمبئی جاکر تجارتی اداروں سے دریافت کریں کہ ان کو کیا خطرات لاحق ہیں اور اسکی بھی تحقیقات کریں کہ خرید و فروخت کے اداروں کو کن امور کا خوف محسوس ہو رہا ہے نیز ممکن ہو تو متعلقہ مفادات کے

مشورے سے خطرات جنگ کے بیمہ کی ایک اسکیم کا خاکہ تیار کریں۔

مسٹر پرائر اور مسٹر تھامس اوائل جولائی میں بمبئی میں تھے۔ انہوں نے مختلف اداروں سے مشورہ کرنے کے بعد بیمہ کی ایک اسکیم کے ذریعہ ۲۰ ہزار یا اس سے زائد مالیت کے اس سامان کے لئے جبری بیمہ تجویز کیا گیا ہے جس کا آگ کا بیمہ ہو چکا ہے اور اجناس کے ان ذخیروں کیلئے جن کا آگ کا بیمہ نہیں ہوا۔ یا جن کا بیمہ ۲۰ ہزار سے کم مالیت پر ہوا ہے اختیاری بیمہ تجویز کیا گیا ہے۔ تین مہینے کی مدت کے لئے قسط کی شرح ہر سو روپیہ پر ۲ آنہ ماہوار مقرر کی گئی ہے۔

اسکیم پر نظر ثانی

اس اسکیم پر بہت کچھ نکتہ چینی ہوئی۔ کہا گیا کہ پریمیم بہت زیادہ ہے۔ مگر اس معاملہ میں حکومت نے ماہرین کے مشوروں پر عمل کیا ہے۔ جنکی یہ رائے ہے کہ پریمیم کی مجوزہ شرح یعنی ہر سو روپیہ پر دو آنہ کے بغیر اسکیم کامیاب طریقہ پر نہیں چل سکتی۔ ظاہر ہے کہ اس مسئلہ پر کاروباری نقطۂ خیال سے غور کرنا ضروری تھا۔ مگر یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ اصل کس قدر خطرہ درپیش ہوگا۔ اور حکومت کے پاس پہلے سے کوئی اعداد و شمار بھی موجود نہ تھے۔

اس اسکیم کو جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے آگ کے بیمہ سے ملحق کر دیا گیا تھا۔ آگ کا بیمہ کرنے والی کمپنیوں نے یہ کہا کہ چونکہ قسط بہت زیادہ تھی اس لئے آگ کا بیمہ کرانے والوں کے لئے یہ راستہ کھلا ہوا تھا کہ وہ آگ کے بیمہ کو چھوڑ کر خطرات جنگ کے اس جبری بیمہ سے بھی گلو خلاصی حاصل کر لیں۔ چنانچہ اس بات پر زور دیا گیا کہ اس طرح آگ کا بیمہ کرنے والی کمپنیوں کا کاروبار بھی بہت کم ہو جائے گا۔ اور حکومت کو بھی کچھ زیادہ فائدہ نہ ہوگا۔

اس بنا پر تمام اسکیم پر از سر نو غور کیا گیا اور ایک ایسی جبری اسکیم تیار کی گئی جس کا آگ کے بیمہ سے کوئی تعلق نہیں رکھا گیا۔

نئی اسکیمیں

اس اسکیم میں ان تمام لوگوں کے لئے بیمہ لازمی قرار دیا گیا ہے۔ جنکے پاس ہندوستان کے کسی ضلع یا پریسیڈنسی ٹاؤن میں ۲۰ ہزار روپیہ سے زیادہ کا مال فروخت کے لئے موجود ہے۔ جن لوگوں کے پاس ۲۰ ہزار روپیہ سے کم کا مال ہے اگر وہ چاہیں تو وہ بھی ایک کم سے کم قسط ادا کر کے ان کا بیمہ کرا سکتے ہیں۔ پریمیم کی شرح تین ماہ کے لئے ڈیڑھ آنے ماہوار مقرر کی گئی ہے۔ یہ سالانہ بیمہ نہیں۔ اس کا سبب ایک حد تک یہ ہے کہ جن چیزوں کو بیمہ میں شامل کیا گیا ہے۔ انکی قیمت وقتاً فوقتاً بدلتی رہتی ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ پہلے سے لمبی مدت کے لئے خطرہ کی نوعیت یا کلیمز (مطالبات بیمہ) کی وسعت کا اندازہ لگانا ممکن نہیں۔

آرڈیننس کے ماتحت جو قواعد بنائے گئے ہیں ان میں جنگی خطرات کی تشریح کر دی گئی ہے۔ وسیع الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس بیمہ کے ذریعہ سے ان تمام نقصانات کی تلافی کی جائے گی۔ جو دشمن سے پہنچے یا دشمن کا مقابلہ کرنے میں پہنچے۔

اس اسکیم کے ماتحت ان تمام چیزوں کا بیمہ ہو سکتا ہے جو فروخت کے لئے پیش کی جائیں۔ لیکن ان چند چیزوں کا بیمہ نہیں ہو سکتا جنہیں ناقابل بیمہ قرار دیدیا گیا ہے۔

قسط میں فرق

بعض چیزیں بیمہ کے سامان میں سے خارج کر دی گئی ہیں۔ یہ وہ چیزیں ہیں جنہیں دشمن کے حملہ سے نمایاں طور پر نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ مثلاً اگنے والی فصلیں۔ دھاتیں، لوہا، کچا لوہا، مینگنیز، اینٹیں، سیمنٹ، چونا، سونا، چاندی۔ پلٹینم وغیرہ اور آرٹ کی چیزیں جنہیں تہ خانوں میں محفوظ کیا جا سکتا ہے۔ آرڈیننس کے ماتحت حکام کو دوسری چیزوں کو بیمہ سے مستثنےٰ کرنے کا اختیار بھی دیا گیا ہے۔ یہ بیمہ ان چیزوں سے تعلق رکھتا ہے جو زمین یا دریا وغیرہ پر ہوں۔ لیکن اسکا اطلاق اس

سامان پر نہیں ہوتا جو سمندر پر ہو۔

ملک میں اسطرح کی تقسیم ممکن نہیں کہ فلاں علاقوں پر دشمن کے حملوں کا خطرہ ہے اور فلاں علاقے ان سے محفوظ ہیں۔ بین الاقوامی صورت حالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ دشمن کے اقدامات کا صرف بمبئی کے تاجروں پر ہی اثر نہیں پڑ سکتا۔ بلکہ ان سب علاقوں کی حالت مخدوش ہو سکتی ہے۔ جہاں سے مال اور خام چیزیں فروخت کے بڑے مرکزوں میں جاتی ہیں اور اسطرح قیمتیں بہت گر سکتی ہیں۔

حکومت پر یہ بات واضح تھی کہ خطرات جنگ سے ملک کے تمام حصوں کو سامنا ہے اس لئے خطرات کے مقابلہ کے مصارف ان سب پر پڑنے چاہئیں۔ تمام پیداواری علاقوں میں خطرے کو مساوی طور پر انصاف کے ساتھ تقسیم کرنا پڑا۔ کیونکہ اگر اندرون ملک کی بہ نسبت بمبئی میں بیمہ کی قسط زیادہ وصول کی جاتی ہے تو لوگ اس بندرگاہ میں سامان بھیجنے سے گریز کرتے اور اسکا اثر تمام اندرونی منڈیوں پر پڑتا۔

بعض چیزوں کو دوسری چیزوں کی بہ نسبت آگ سے زیادہ نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اور آگ کے بیمہ میں بعض چیزوں کی قسط دوسری چیزوں کی قسط سے زیادہ ہے۔ حکومت نے اس مسئلہ پر احتیاط کے ساتھ غور کیا کہ خطرات جنگ کے بیمہ کی صورت میں حالات اسی قسم کے ہیں۔ لیکن دوسرے ملکوں کے تجربوں کی روشنی میں اور ماہرین کے مشورے پر حکومت نے فیصلہ کیا کہ تمام چیزوں کے لئے بیمہ کی قسط کی شرح ایک جیسی ہونی چاہئے۔

آگ کے بیمے کی کمپنیوں نے جو ایک چیز کے بیمہ کی قسط کم اور دوسری کی زیادہ رکھی ہے تو انہوں نے زیادہ تر یہ بات ملحوظ رکھی ہے کہ کونسی چیزیں ایسی ہیں جو بذات خود جلنے کی زیادہ صلاحیت رکھتی ہیں۔ اور کن چیزوں میں یہ صلاحیت کم ہے۔

مثلاً گیہوں اور چاول کے مقابلہ میں روئی زیادہ صلاحیت رکھتی ہے۔ لیکن بمباری کے سلسلے میں اس قسم کا امتیاز پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس صورت میں روئی کے گودام کو بھی اتنا نقصان پہنچے گا جتنا کہ گیہوں یا چاول کے ذخیروں کو۔ اگر عمارت میں آگ لگے گی تو آگ بجھنے سے پہلے اس کا تمام غلہ برباد ہو جائے گا۔ انگلستان کا تجربہ یہی ظاہر کرتا ہے۔

اگرچہ یہ اسکیم آگ کے بیمہ سے مختلف ہے لیکن اسپر عملدرآمد زیادہ تر آگ کے بیمہ کی ایجنسیوں کے ذریعہ سے ہوگا۔

اسکی پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ کمپنیاں بعض چیزوں کا معاینہ کرنے اور قیمت کے جانچنے کے بعد ان کا بیمہ کر چکی ہیں۔ لہذا یہ بات زیادہ آسان ہوگی کہ یہ کمپنیاں اپنی قسطوں کے ساتھ خطرات جنگ کے بیمہ کی قسطیں بھی وصول کر لیں۔ انگلستان میں آگ کی بیمہ کمپنیوں نے حب وطن کی وجہ سے کہہ دیا ہے کہ ہم اپنی خدمات کے لئے کوئی معاوضہ نہیں لینگے۔ اور صرف وہ رقم لینگے جو خطرات جنگ کے بیمے کے کام کے سلسلے میں ہمیں یقیناً خرچ کرنی پڑے گی۔

ہندوستان میں بیمہ کی تمام متعلقہ انجمنوں نے طے کر لیا ہے کہ وہ خطرات جنگ کے بیمہ کے کام کے لئے کوئی معاوضہ نہ لینگی۔

لائبریری روڈ کے بعد لائبریری پوسٹ آفس

پل محلہ کشن گنج کے قریب ۱۰ فروری سے ایک ڈاکخانہ کا قیام عمل میں آیا ہے اور اس کا نام محکمۂ ڈاک نے علاقہ کے ہر دلعزیز ادارہ کی مناسبت سے "نیشنل پبلک لائبریری پوسٹ آفس" رکھا ہے۔

یہ ڈاکخانہ روزانہ بارہ بجے سے چار بجے تک کھلا رہتا ہے۔ یہاں سے لفافے، پوسٹ کارڈ اور ٹکٹ وغیرہ ملنے کے علاوہ رجسٹری خطوط رجسٹری پارسل اور منی آرڈر بھی لگائے جا سکتے ہیں۔

خیال رہے کہ اس سے پہلے دہلی میونسپل کمیٹی اس سڑک کا نام "لائبریری روڈ" منظور کر چکی ہے۔ جس پر لائبریری قائم ہے۔

انوار الحق حقی سکریٹری سوشل سروس سبھائی دہلی

نماز اور ترجمہ قرآن مجید

(مولانا نیاز فتحپوری اڈیٹر "نگار" لکھنو)

ہر چند میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ "مذہبیات" میں الجھوں، کیونکہ یہ میرا موضوع نہیں۔ لیکن اس خیال سے کہ مجھے خود کچھ نہیں کہنا ہے بلکہ دوسرے کا نظریہ پیش کرنا ہے میں نے ہمت کی۔ حال ہی میں "پنجابی گزٹ" میں ایک دلچسپ و اہم موضوع پر یہ بحث چھڑی کہ "آیا نماز یا خطبہ وغیرہ مادری زبان میں ہونا چاہئے یا نہیں"۔ اس موضوع پر متعدد حضرات نے تکلیف سے اپنے اپنے خیالات کا اظہار بذریعہ "گزٹ" فرمایا تھا۔ آج میں اسی موضوع پر حضرت نیاز فتحپوری کا نظریہ پیش کرنے کی جرأت کرتا ہوں، جو انہوں نے میرے استفسار پر مرحمت فرمایا۔

ادبی دنیا میں مولانا نیاز فتحپوری کی شخصیت اس قدر چھا چکی ہے کہ اب مزید طور پر ان کو ناظرین "پنجابی گزٹ" سے متعارف کرانا محض مضمون کو طول دینا ہوگا۔ تاہم اسقدر کہدینے میں کچھ مضایقہ نہیں کہ مولانا کا شمار ان چند لوگوں میں سے ہے جن کا مسلک "صاف گوئی" اور "بیدلی" سے اظہار خیال کرنا ہے۔ مولانا نے حسب ذیل جواب عنایت فرمایا۔ "م۔ احمد۔"

آپ نے اس استفسار کے ذریعہ مجھے ایسے مسئلہ پر اظہار [...]ل کی دعوت دی ہے جو حد درجہ نازک و اہم ہے اور جس پر گفتگو [...]نے کے لئے نہ صرف مذہبی بلکہ بعض اجتماعی، عمرانی، سیاسی و اخلاقی [...]ائل کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

نماز میں اصل قرآنی الفاظ کے بجائے ان کا ترجمہ پڑھنے کا [...]ل نیا نہیں ہے بلکہ اب سے بہت قبل جب اسلامی سلطنت [...] عرب سے گذر کر سرزمین عجم تک پہنچ گئی تھی اور عربی زبان نہ [...]ہ سکنے والے لوگ جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے [...] یہ سوال زیر بحث آیا تھا۔ اور باوجود اسکے کہ بعض فقہا "نماز [...]ں کلام مجید کا ترجمہ پڑھنے کے مؤید تھے۔ لیکن آخر کار فیصلہ یہی ہوا کہ اصل قرآنی الفاظ کا پڑھنا ضروری ہے خواہ ان کا مفہوم سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

ایک بار سرسید مرحوم سے کسی شخص نے سوال کیا کہ "اگر بجائے سورۂ فاتحہ کے اسکا ترجمہ اردو میں پڑھ لیا جائے تو کیا آپ کے نزدیک اسمیں کوئی نقصان ہے؟"

سرسید نے جواب دیا کہ "نقصان تو کچھ نہیں ہے۔ مگر نماز نہ ہوگی"۔

اسمیں شک نہیں کہ بظاہر یہ امر نہایت عجیب و غریب معلوم ہوتا ہے کہ عبادت میں ایک شخص ان الفاظ کے ادا کرنے پر مجبور کیا جائے جنکے مفہوم سے وہ قطعی ناواقف ہے۔ لیکن آپ اس سے گذر کر اور ط

غائر مطالعہ سے کام لیں۔ ممکن ہے کہ بعض باتیں معلوم ہوں۔

سب سے پہلے اس امر پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ عبادت کس چیز کا نام ہے اور اسکی غایت کیا ہو سکتی ہے۔ غالباً اس سے آپ کو کیا کسی کو انکار نہ ہوگا کہ عبادت سے مراد صرف اپنے اندر کیفیت عبودیت کا طاری کرنا ہے اور اسکی غایت یہ ہے کہ نوع انسان کے اندر باہمی لطف و محبت، رافت و الفت، ہمدردی و رواداری کا جذبہ پرورش پائے اور وہ ایک پر امن شہری ہونے کی حیثیت سے نظام تمدن میں ایک عضو مفید کی حیثیت اختیار کرے۔ جب یہ امر متحقق ہو چکا تو آیئے غور کریں کہ عبادت سے یہ مقصد کیونکر تکمیل کے ساتھ حاصل ہو سکتا ہے تکمیل سے صرف کیفیت عبودیت ہی کی تکمیل نہیں بلکہ افراد کی کثرت بھی مراد ہے۔ یعنی "کیف و کم" دونوں حیثیت سے ہم کو اس پر غور کرنا چاہیئے۔ کیونکہ مذہب "کیفیت" کے لحاظ سے کامیاب ہوا اور "کمیت" کے لحاظ سے ناکام رہا تو دنیائے عمل و کارگاہ تمدن میں وہ ہمارے لئے بےکار چیز ثابت ہوگا۔ بہرحال میرے نزدیک مذہب یا عبادت کا حقیقی نصب العین یہی ہونا چاہیئے کہ وہ زیادہ سے زیادہ افراد کو متاثر کرے۔ بلکہ نوع انسان کے تمام افراد کو وہ ایک مرکز پر لاکر جمع کر دے۔

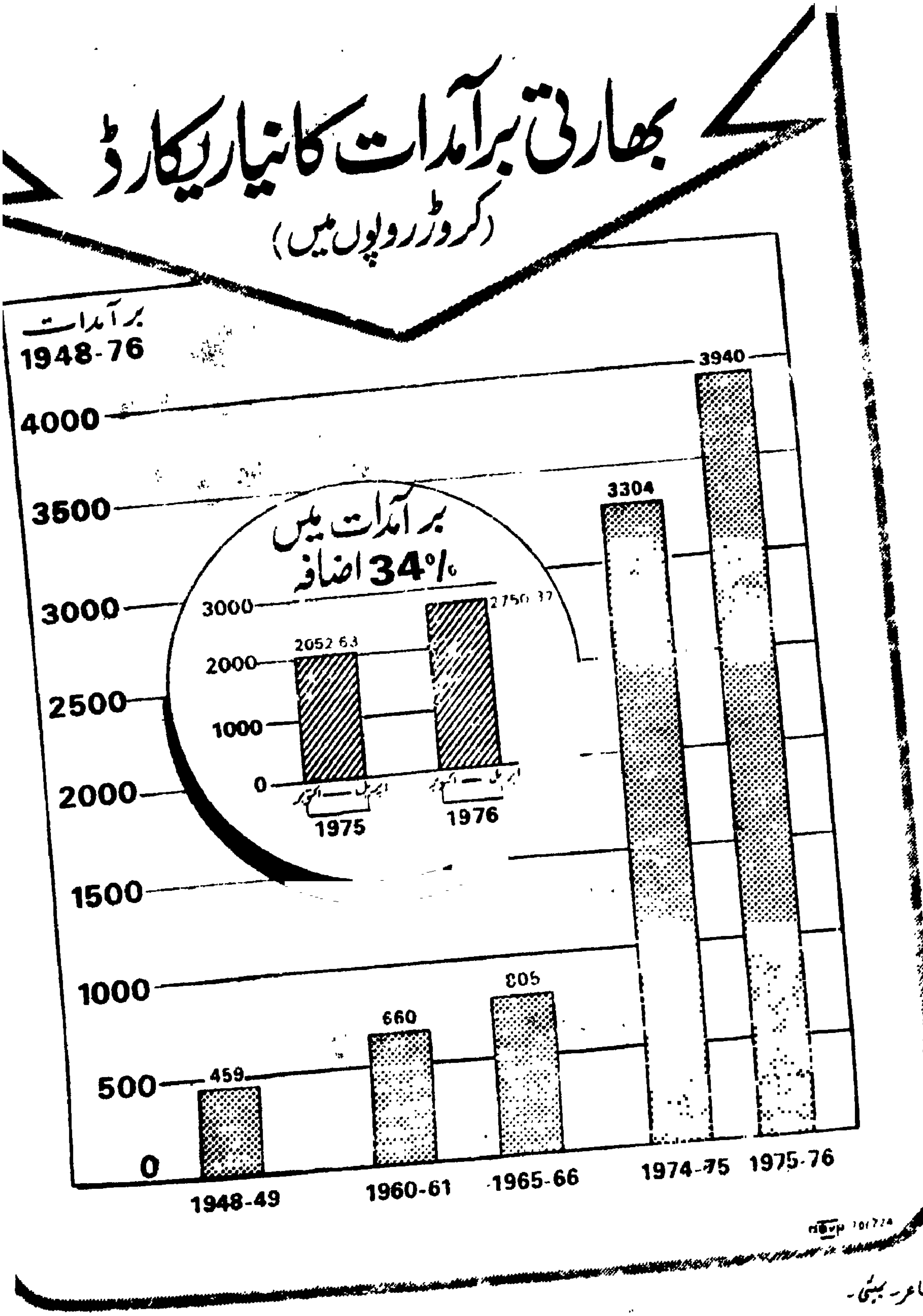
یہاں تک تو عبادت کا مفہوم اور اسکی غایت کا ذکر ہوا جس سے غالباً آپ کو بھی انکار نہ ہوگا۔ اب آیئے اسی کے ساتھ تھوڑا سا نفسیاتی مطالعہ بھی کریں کیونکہ بغیر اسکے ہم تحصیل مقصود کی راہ متعین نہیں کر سکتے۔ یہ حقیقت غالباً آپ سے بھی مخفی نہ ہوگی کہ اجتماعیت کا سب سے بڑا راز افراد میں کسی غرض مشترک کا پیدا کرنا اور امیال و عواطف کو کسی ایک مرکز سے وابستہ کر دینا ہے۔ یعنی جبتک ہم افراد کو کسی خیال کی طرف مائل نہ کر دیں "اجتماعیت" کا حصول ممکن نہیں۔ لیکن جسطرح اسکے لیے افراد کا "ہم خیال" ہونا ضروری ہے بالکل اسی طرح "ہم خیال" رہنے کے لیے "حرکات و افعال" کی ہم آہنگی بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اگر افراد خیال کے لحاظ سے تو باہمدگر متفق ہوں اور افعال ان کے مختلف ہوں تو "اجتماعیت" کا پیدا ہونا ممکن نہیں۔

پھر عبادت میں اگر کوئی صورت ہم آہنگی کی نہ پیدا کی جاتی تو ظاہر ہے کہ اسلام میں وہ اجتماعیت نہ پیدا ہو سکتی۔ جو اس کا مقصود تھا۔ اور اسی ہم آہنگی قائم رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ کسی ایک ہی زبان میں اس کو ادا بھی کیا جائے خواہ پڑھنے والا اس کو سمجھ بھی سکتا ہو یا نہ سمجھ سکتا ہو۔

اگرچہ اس امر کی اجازت دیدی جائے کہ ہر شخص کلام مجید کا ترجمہ نماز میں پڑھ سکتا ہے تو اسکے یہ معنی ہونگے کہ ہمنے اس مرکز کو جو اصل الفاظ قرآنی کے احترام سے متعلق ہے۔ اور جو ذریعہ ہے تمام دنیا کے مسلمانوں کو ایک رشتہ سے وابستہ کر دینے کا ضعیف و کمزور کر دیا۔

ساری دنیا کو چھوڑئے ایک ہندوستان ہی کو لے لیجئے کہ اس اجازت کے بعد صورت کیا پیدا ہوگی۔ میں اردو میں عبادت کرونگا آپ پنجابی میں۔ بنگال کا رہنے والا اسے بنگالی میں ادا کرے گا۔ تو گجرات کا باشندہ گجراتی میں۔ الغرض ایک عجیب قسم کا انتشار و افتراق پیدا ہو جائے گا۔ تو اجتماعیت کے لئے سخت مضرت رساں ہے۔ پھر اسکا نتیجہ صرف یہی نہیں ہوگا کہ عبادت کے لحاظ سے مسلمانوں کی اجتماعیت درہم برہم ہو جائے گی بلکہ ملی و قومی حیثیت سے اس کو سخت نقصان پہونچے گا۔ کیونکہ اسطرح رفتہ رفتہ قرآن کی اہمیت بالکل محو ہو جائیگی۔ اور ہمارا مرکز اصل جسپر اس وقت بھی تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ نگاہوں سے اوجھل ہو جائے گا۔

اسوقت تو یہ حالت ہے کہ اگر میں دنیا کے کسی گوشہ میں پہنچ جاؤں اور وہاں کسی جگہ کھڑے ہو کر قرآن مجید کی کوئی آیت باآواز بلند پڑھنے لگوں تو وہاں کے تمام مسلمانوں کو معلوم ہو جائیگا کہ میں انھیں


بھارتی برآمدات کا نیا ریکارڈ
(کروڑ روپوں میں)
برآمدات
1948-76
4000
3500
3000
2500
2000
1500
1000
500
0
459
660
805
3304
3940
1948-49
1960-61
1965-66
1974-75
1975-76
برآمدات میں
34% اضافہ
3000
2000
1000
0
2052.63
2750.37
اپریل — اکتوبر
اپریل — اکتوبر
1975
1976

شاعر۔ بمبئی۔

اسی سلسلہ میں ایک امر اور قابل گذارش ہے اور وہ یہ کہ ان تمام مصالح و مباحث کا تعلق نماز کی صرف اس حقیقی ہیئت سے ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رائج کی تھی۔ یعنی "نماز با جماعت" لیکن اگر کوئی شخص تنہا گھر میں بیٹھکر نماز ادا کر رہا ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کہ وہ نماز میں کس زبان کو اختیار کرے۔ اور میرے نزدیک تو وہ سرے سے نماز ہی نہیں ہے۔ . . . . انفرادی حیثیت سے وہ ایک ذاتی فعل عبادت کی حیثیت ضرور رکھتی ہے۔ لیکن اس کا تعلق چونکہ صرف اس کی ذات سے ہے اسلئے اگر وہ نماز کے بجائے کسی اور طریقہ سے اظہار عبودیت کرے تو بھی کوئی مضایقہ نہیں۔ نماز نام ہے صرف اسی طریقہ کا جو عہد نبوی میں رائج تھا اور جسمیں اجتماعیت و عسکریت کی پوری شان نمایاں تھی۔ اور اسی حالت میں میرے نزدیک آیات قرآنی کا پڑھنا ضروری ہے۔ ورنہ یوں تنہائی میں تو ایک شخص حافظ، سعدی، جامی اور مولانا روم کے کلام سے بھی ایک کیفیت تاثر پیدا کر سکتا ہے۔ نماز ہی کی کیا ضرورت ہے۔

نیاز

رازِ بےخودی

(از جناب قاضی نذر السلام صاحب)

عشق حقیقی کی تلخ شراب پی کر میں ہمہ تن مدہوش ہو گیا ہوں۔

اس طرف دیکھو۔ میرا محبوب بھی دیر و حرم کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ کر چلا آرہا ہے۔

میں قدرت کی رنگینیوں اور لطافتوں سے بہرہ اندوز ہونے کی بجائے صوم وصلوٰۃ کا "پابند" ہونا نہیں چاہتا۔

میری رگ حمیت یہ کبھی بھی گوارا نہیں کرتی کہ میں جنت کو حاصل کرنے کی غرض سے شداد کی منت وسماجت کروں اور اس کا ممنون احسان ہوں۔

جسطرح قیس کو عشق لیلیٰ میں خود رفتہ رہنے کے صلہ میں "مجنوں" کا خطاب ملا اور فرہاد کو شیریں کے عشق کی بدولت شہرت حاصل ہوئی۔ اسی طرح میں بھی "بےخودی" کے بحر عمیق میں غوطہ زن رہکر خدا کو پانا چاہتا ہوں۔

(اصل بنگالی سے)

میم صاحب

ادب ظریف کا دلفریب شاہکار

مولانا وحید احمد صاحب مرحوم

پہلے پیلی و شیریں اور دمینتی کا زمانہ تھا اب میم صاحب کا دور دورہ ہے۔ حسن برقع پوش بے پوشش ہو گیا۔ اب حسن خود فروشی کی گرم بازاری ہے۔ خود نمائی پہلے عیب تھی اب عین تہذیب ہے۔ عرف عام میں ماہوشان یورپ کو میم صاحب کہتے ہیں۔ مگر اصطلاح خاص میں ہر حسن خود نما کو اسی نام سے معنون کیا جاتا ہے۔

جیتے کا نام گاڑی ہے۔ یورپ کا سکہ رواں ہے۔ ہر ملک اور خصوصاً ہندوستان یورپ کا شاگرد ہے اور شاگرد پر استاد کی تقلید واجب۔ تقلید کے لئے تحقیق کی ضرورت نہیں۔ لہذا تقلید کی جاتی ہے اور نقل راچہ عقل کے مطابق جب یہ حالت ہے تو عجب نہیں۔ کہ ہندوستان بھر کی وہ ہستی جس کا نام عورت ہے میم صاحب ہونے کا دعویٰ کرے عظمتِ استاد اور وجوب تقلید عورتوں کو میم صاحب بننے پر مجبور کرتی ہیں۔ ورنہ یہ دیویاں اپنے پرانے مندر کو سہل چھوڑنے والی نہ تھیں۔

ہر ملکے وہر رسمے بالکل صحیح ہے۔ ضروریات کا، گرد و پیش کا، آب و ہوا کا، اور مذاق طبیعت کا لحاظ رکھکر ہر ملک اپنے اپنے رسوم و آداب مقرر کرتا ہے۔ دوسرے ملک کو ان پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اعتراض کرنے سے غالباً نقطہ نظر کی تصحیح و تطبیق مراد ہوتی ہے۔ ورنہ اعتراض ہی نہ کیا جائے۔ تجربہ شاہد ہے کہ اختلاف دور کرنے کی کوشش ہمیشہ رائیگاں جاتی ہے۔ اور ہمیشہ رائیگاں جائے گی۔ اسلئے مختلف نقاطِ نظر نہ منطبق ہوئے ہیں۔ اور نہ ہونگے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ صحیح النظر آدمی کی نگاہ ہمیشہ سیدھی یعنی چہرے کی سطح سے زاویہ قائمہ بناتی ہوئی جاتی ہے۔ مگر احول کی نگاہ ٹیڑھی یعنی چہرے کی سطح سے زاویہ منفرجہ یا زاویہ حادہ بناتی ہوئی جاتی ہے۔ اب اقلیدس کا ابجد خوان بھی بتائیگا کہ ایک ہی سطح پر زاویہ قائمہ بنانے والا خط اور زاویہ منفرجہ یا زاویہ حادہ بنانے والا خط اگر دونوں بڑھائے جاویں تو کبھی آپسمیں نہیں مل سکتے۔ اسلئے مختلف نقاطِ نظر کبھی منطبق نہیں ہو سکتے۔ اور یہی ثابت کرنا تھا۔

جو لوگ اہل الرائے سمجھے جاتے ہیں ان کے نزدیک میم صاحب تین قسم کی ہوتی ہیں۔ ۱۔ حقیقی ۲۔ مجازی ۳۔ قیاسی۔ خطہ یورپ کی عورت کا پہلے پہل نام میم صاحب رکھا گیا۔ وہی حقیقی میم صاحب ہے۔ خود نمائی اسکے آداب میں داخل ہے آزادی اسکی ضرب المثل ہے۔ یورپ (معہ امریکہ) تو اس کا مولد و منشا ہی ہے۔ دنیا کے جس حصہ پر وہ موجود ہوتی ہے وہاں کوئی کام دینی ہو یا دنیوی بغیر اسکی جسمانی، روحانی یا اخلاقی مدد کے چل نہیں سکتا۔ گھر اس سے پرنور، جلسے اس سے معمور۔ سلطنت وہ کرے۔ کارخانے وہ چلائے۔ طبابت وہ کرے، خطابت وہ کرے، معلمی وہ کرے، مزدوری وہ کرے۔ غرض وہ سب کچھ کرتی ہے اور کر سکتی ہے۔ وہ صاحب ہی کا نہیں بلکہ دنیا کا "نصف خوب تر" ہے۔

غالباً یہ بات تعجب سے نہیں سنی جائے گی کہ حقیقی میم صاحب باعصمت بھی ہوتی ہے۔ عورت ہر زمانہ میں اور ہر ملک میں بذاتِ خود "ترغیب" مانی گئی ہے۔ "ترغیب" کا لشکر حسن جب صف آرا

ہو تو ضبط و پرہیز کو شکست کھا کر باقاعدہ پسپا ہونا چاہیئے۔ لیکن کہتے ہیں کہ حقیقی میم صاحب پھر بھی اپنی اور فریق ثانی کی عصمت قائم رکھنے میں کامیاب ہوتی ہے۔ ایشیائی ساخت کا دماغ اس بات کو قبول کرنے کے لئے غالباً اس قدر مستعد ہے۔ جس قدر یورپین نوآبادیاں ہندستانیوں کو قبول کرنے کے لئے مگر مجھے نہ اسکے متعلق کچھ شک ہے اور نہ کچھ تعجب۔ عادات اثر بدل دیتی ہے۔ ہندی عورتیں جو غیر مرد کے نام سے ناآشنا ہوتی ہیں۔ محض آواز سنکر مشتعل ہو سکتی ہیں۔ مگر حقیقی میم صاحب کے جذبات غیر مرد کا کمر میں ہاتھ ڈالکر ناچنا بھی مطلق ہیجان نہیں پیدا کر سکتا۔ ہندوستان اور یورپ کا معیار عصمت ضرور مختلف ہے۔ لیکن اس اختلافِ معیار پر ہمیں اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔

مجازی میم صاحب

حقیقی میم صاحب کا سیاہ چربہ ہے۔ خود نام بتا رہا ہے کہ آخر الذکر حقیقت ہے تو اول الذکر مجاز۔ وہ "مسز مسیح چرن" بننے اور گھروں یا سوسی کا سایہ پہننے پر اتنا فخر کرتی ہے جتنا حقیقی میم صاحب "لیڈی جان بل" ہونے اور سلک گاؤن پہننے پر فخر کر سکتی ہے۔ مجازی میم صاحب گرجے میں اسی خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت کرتی ہے جتنی حقیقی میم صاحب۔ وہ حقیقی میم صاحب سے شراب زیادہ پی سکتی ہے۔ اپنے خانساماں پر زیادہ سے زیادہ ناراض ہو سکتی ہے۔ اور کپڑا بیچنے والوں، ترکاری اور گھاس بیچنے والوں کو حد سے زیادہ مرعوب کر سکتی ہے۔ خواہ وہ اس بات کا پورا یقین نہ دلا سکے کہ وہ انگریزی جانتی ہے۔ مگر اس امر کے یقین دلانے میں یقینی کامیاب ہوتی ہے کہ وہ اردو نہیں جانتی کیونکہ وہ حصول اصطلاع کو توطن یورپ کی صداقت نامے کے ہم مرتبہ سمجھتی ہے۔ لہٰذا اپنے ہم وطن اور ہم رنگ ہندستانیوں کو "نیٹو" "نگر" اور کالا آدمی کہنے میں ذرا بھی نہیں جھجکتی۔ اور نہایت سچائی سے یقین رکھتی ہے کہ گڑگانوں، میسور آباد اور حسین گنج وغیرہ یورپ ہی کے قصبات و قریات ہیں۔ مجازی میم صاحب اپنا مذہب، اپنا نام اپنا لباس اور اپنا طرز ماند و بود بدلنے میں کامیاب ہے۔ مگر رنگ کے معاملہ میں مجبور و معذور ہے، اسے یورپ اور امریکہ کے سائنسدانوں سے شکایت ہے کہ انہوں نے ایسا صابن اب تک کیوں نہیں بنایا جو سنگ موسیٰ کو سنگ مرمر بنا سکے۔ اس سے زیادہ حقیقی اور مجازی میم صاحبان کے متعلق نہ کہنے کی گنجائش ہے اور نہ سننے کی ضرورت۔

قیاسی میم صاحب

کی تعریف و تعریف کا جملہ ابتدائی یہ ہے کہ وہ میم صاحب کہلائے جانے کی مستحق اسلئے ہے کہ اسکا خاوند اتفاق آرا نہیں تو کثرت آرا سے "صاحب" تسلیم کیا جا چکا ہے۔ ہندوستانی عورت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ عضو معطل ہے۔ کسی کام میں اس کا دخل نہیں اور بجز بچہ کی مشین ہونے کے اور کسی کام کی نہیں۔ عام ہندوستانی عورت کے متعلق ممکن ہے کہ یہ رائے صحیح ہو۔ لیکن قیاسی میم صاحب کے متعلق یقیناً صحیح نہیں ہے۔ اگرچہ وہ ابھی تک ہمہ کار اور ہر جا حاضر ہونے میں حقیقی میم صاحب کے دوشا دوش نہیں تاہم وہ اپنے صاحب کے بنگلہ میں جسے وہ استحقاقاً اپنا بنگلہ سمجھتی ہے۔ نادر شاہ اور رنجیت سنگھ ہے۔ پردہ پارٹیوں اور آل انڈیا لیڈیز کانفرنس کے جلسوں میں اسکی شرکت اس امر کا ثبوت ہے کہ وہ عضو معطل نہیں۔ گھوڑے اور گاڑی کی خریداری میں رائے دینا۔ کوٹھی کا انتخاب، اس کے کمروں کا سجانا۔ باغ کی درستی کے متعلق مالی کو ہدایات دینا اس بات کا کافی سے زیادہ ثبوت ہے کہ ہر کام میں اس کا دخل ہے۔ رہا بچہ جننے کی مشین ہونا اسکی نسبت اگر تازہ ترین مردم شماری کے کاغذات پر ہماری دسترس ہو تو ہم تحریری ثبوت پیش کر سکتے ہیں۔

کہ قیاسی میم صاحب سب کچھ سہی مگر بچہ جننے کی مشین نہیں ہوسکتی۔ اور اگر بنیادی امور میں کسی چیز سے اسے نفرت ہے تو اسی سے کہ وہ کسی بچہ کی ماں کہلائے۔ اور دودھ پلانے جیسا حسن ربا کام اسکے سپرد کیا جائے۔ مثل اور امور کے اس امر میں بھی اس کا حساب اس سے متفق الرائے ہے کہ موجودہ زمانہ کے فرانسیسیوں اور اسلام سے پہلے کے عربوں کے خیالات کے مطابق ہر شریف آدمی کو اپنی آمدنی اور خرچ کے اندازہ کو پیش نظر رکھکر بچے پیدا کرنا چاہئیں۔ قیاسی میم صاحب پان کھاتی ہے۔ مگر مسی نہیں لگاتی۔ بلاؤز، موزے اور بوٹ پہنتی ہے مگر سایہ اور ٹوپ استعمال نہیں کرتی۔ بوال کاڑھنا، موزے اور لبس بننا جانتی ہے۔ مگر کرتہ، پاجامہ سینا اور اچکن بیونتنا نہیں جانتی۔ کیک، پڈنگ اور بسکٹ بنا سکتی ہے۔ مگر دال روٹی نہیں پکا سکتی۔ چھری کانٹے سے کھاتی ہے مگر میز پر بیٹھنے سے پہلے ہاتھ ضرور دھولیتی ہے۔ قالین، چاندنی اور گاؤتکیوں سے نفرت کرتی ہے۔ "صوفا" "آرام کرسی" اور "سٹول" سے محبت رکھتی ہے۔ چھوٹی بچی کی ناک چھدوانے پردہ قطعاً رضامند نہیں ہے۔ لیکن محض بندوں کے لئے کان چھدوانے میں کوئی حرج نہیں۔ سمجھتی "اَٹو دی روز" "چیری بلاسم" "پھول نانا" سے اسے رغبت ہے۔ لیکن حنا اور موتیا اسے پسند نہیں۔ صاحب کی سوسائٹی میں اسکی واقفیت ملکی اور قومی امور کے متعلق جتنی بڑھتی جاتی ہے۔ مذہبی اور اخلاقی واقفیت اتنی ہی گھٹتی جاتی ہے۔ "راہ نجات" روایت بسم اللہ اور نور نامہ جس قدر اسے یاد تھا۔ وہ سب بھول گئی مگر مسدس حالی، نظم صفی اور اقبال کا ترانہ حرف بحرف ازبر ہے۔ جسے وہ لحن کے ساتھ سنا سکتی ہے۔ وہ نہ ڈھول بجا سکتی ہے نہ سہرے سہاگ اور ملنے گیت گا سکتی ہے۔ مگر ہارمونیم کی معیت میں داغ امیر اور بیدم کی غزلیں گا سکتی ہے۔ وہ پردہ ضرور کرتی ہے۔ مگر پردہ کے متعلق اسکے خیالات فقہی احکام کے ماتحت نہیں خانساماں، چپراسی، سائیس، آیا، جمعدار، بہشتی، سقے اور مالی کا شمار نامحرموں میں نہیں ہے۔ دورے میں راہگیر بشرطیکہ گاؤں کے رہنے والے ہوں نامحرم نہیں ہیں۔ پہاڑ پر اور بڑے شہروں میں انگریز اور اجنبی ہندوستانی خواہ وہ کسی طبقہ اور درجے کے ہوں نامحرم نہیں ہیں۔ صاحب کے مخصوص ترین احباب جنکی میم صاحب سے اسکار سم ہے۔ نامحرم نہیں ہیں۔ ریل کے سفر میں پلیٹ فارم پر آنے جانے والے مسافر نامحرم نہیں ہیں۔ قیاسی میم صاحب گاڑی پر سوار ہوتی ہے تو کھڑکی بند نہیں کرتی بلکہ چلمن چھوڑ دیتی ہے۔ برقعہ پہنتی ہے تو چہرے پر جالی کا نقاب ڈالتی ہے۔ برقعہ کو بوٹ اور پاؤں کے زیور سے اونچا رکھتی ہے۔

وہ ملکی قومی اور نسوانی معاملات پر مضمون لکھتی۔ اور زیادہ تر مردانہ پرچوں اور کمتر زنانہ پرچوں میں چھپواتی ہیں۔ اگرچہ اسکے دشمن دبی زبان سے کہتے ہیں کہ ان مضامین کی صرفی و نحوی خوبیوں اور غلطیوں کے ذمہ دار "صاحب" ہیں۔ لیکن چپراسی قسم کھا سکتا ہے کہ خود میم صاحب نے اپنے ہاتھ سے مضمون کا پیکٹ اسے ڈاک میں ڈالنے کو دیا ہے۔ قیاسی میم صاحب جس قدر ان مجامع میں کامیاب ہوتی ہے جنمیں غیر تعلیم یافتہ مستورات ہوں۔۔۔۔ اس قدر ان جلسوں میں نہیں ہوتی جنمیں حقیقی میم صاحب بھی موجود ہوں۔ چونکہ ہندوستان کی آئندہ سود و بہبود کا دار و مدار محض قیاسی میم صاحب کی۔۔۔ ۔۔۔ ترقی پر منحصر ہے۔ لہذا ملک کی نجات اسوقت سمجھنی چاہئے جب قیاسی میم صاحب ہر اعتبار سے حقیقی میم صاحب کے دوش بدوش اور قدم بقدم چلنے لگے۔

دونوں ہاتھوں سے تھامئے سایہ
میم صاحب "زنانہ نازک" ہے

بہ سلسلہ ماضی نمبر ۳

خونی کہانی

از جناب م احمد رضا صاحب لکھنوی

گذشتہ دو قسطوں میں جنگ عظیم کے اسباب اور اسکی تباہ کاریاں نیز وارسلیز کا صلحنامہ اور اسکے شرائط کا حال تقریباً نہایت واضح طور پر بتایا جا چکا ہے۔ آیئے اب دیکھیں کہ اس صلحنامہ کے بعد یورپ کی سیاست نے کون کون سے پلٹے کھائے۔

وارسلیز کے صلحنامہ نے یورپ کی سیاست کا نقشہ بدل کر دنیا کی سیاست . . . . میں انقلاب پیدا کر دیا۔ آسٹریا ہنگری کی بڑی سلطنت سات حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ جرمنی بالکل بے دست و پا ہوگیا۔ روس پہلے ہی زاریوں کو نکال کر اپنے یہاں اشتراکی نظام قائم کر چکا تھا۔ اب اتحادیوں کی کامیابی اسی میں تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح نئی حکومتوں کو اپنے قابو میں رکھیں۔ ان نئی حکومتوں میں اکثر ایسی تھیں جنکے لئے آزاد زندگی بسر کرنا مشکل تھا کیونکہ اتحادیوں نے جان بوجھ کر وہ تدبیریں کی تھیں جنکے قائم ہو جانے پر یہ حکومتیں ہمیشہ ان کے زیر اثر رہیں۔ چنانچہ آسٹریا کی آمدنی ہرگز اتنی نہ تھی کہ ملک کی ضروریات کیلئے کافی ہو۔ یہی وجہ ہوئی کہ آسٹریا کی نئی حکومت کو اپنی بقا کی خاطر ۱۹۲۲ء میں اتحادیوں سے ایک بڑی رقم لینی پڑی۔ اور ایک بیرونی حاکم اس غرض سے رکھنا پڑا کہ وہ انکی مالیات کی دیکھ بھال کرے۔ ہنگری کو بھی اپنے ملک کی مسلسل بدامنی اور خانہ جنگی کو دور کرنے کی غرض سے اتحادیوں سے مدد لینی پڑی۔ رومانیہ کے ملک میں تو ضرور اضافہ ہوگیا۔ مگر دوسری اقوام کا یعنی بلغاریہ قوم کا اس حکومت میں شامل ہو جانا رومانیہ کے حق میں اچھا نہ ہوا۔ اور اسطرح اقلیتوں کا مسئلہ مستقل طور پر نہائی تباہ کن بن گیا۔ البتہ نئی حکومتوں میں چیکوسلواکیا ایسی سلطنت تھی جو ان مصیبتوں سے پاک تھی۔ اور اقتصادی اعتبار سے اپنی تمام ضروریات پوری کر سکتی۔

جرمنی کی حالت سب سے بدتر تھی۔ ایک طرف تو اتحادیوں نے اسے پیس ڈالا تھا۔ اور دوسری طرف ملک کی سیاسی پارٹیوں کے اختلاف نے اسکی رہی سہی امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا جسطرح روس کی سوشلسٹ پارٹی میں دو گروہ بن گئے تھے۔ اسی طرح سے جرمنی کی سوشل ڈیماکریٹک پارٹی دو گروہوں میں منقسم ہوگئی۔ داہنا بازو چاہتا تھا کہ عام الیکشن کے ذریعہ ملک کے نمائندے چنے جائیں۔ اور یہ منتخب شدہ جماعت ریپبلک یعنی جمہوریت کا دستور العمل تیار کرے۔ کمیونسٹ گروہ کا خیال تھا کہ بغیر الیکشن کے حکومت پر پورا قبضہ کر کے ہر جگہ "سوویٹ حکومت" قائم کر دی جائے۔ یہ اختلاف روس کی طرح یہاں بھی بڑھا مگر روس کے برخلاف جرمنی میں داہنے بازو کو کامیابی ہوئی اور عام الیکشن کے ذریعہ دستور العمل تیار کرنے کے لئے نمائندے ویمر کے مقام پر جمع ہوئے۔ یہ اسمبلی ایسے حالات میں جمع ہوئی جنمیں کسی مناسب دستور العمل کی تیاری کی کوئی امید نہ ہو سکتی تھی۔ اگرچہ

کمیونسٹ پارٹی کو دبا لیا گیا تھا۔ لیکن پھر بھی جگہ جگہ بغاوتیں ہو رہی تھیں۔ لیکن ان تمام دشواریوں کے باوجود دستور العمل مکمل ہو گیا۔ جو اگست ۱۹۱۹ء میں نافذ ہوا۔ اور جرمنی کی حکومت بادشاہت سے بدل کر جمہوری ہو گئی۔

اس نئی جمہوری حکومت کو بے شمار دقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ جنمیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ وارسیلز کے صلحنامہ کی دفعات پر قائم رہنا اور خاص طور پر تاوانِ جنگ کی ادائیگی تھا۔ صلحنامہ پر جرمنی نے خوشی سے رضامندی ظاہر نہ کی تھی۔ اسلئے وہاں کا ہر باشندہ اس صلحنامہ کے خلاف تھا اور چاہتا تھا کہ جلد سے جلد ہر ممکن طریقہ سے صلحنامہ پر نظرثانی کی جائے۔ سوال صرف اسقدر تھا کہ آیا صلحنامہ میں ترمیم اسکی دفعات کو ٹھکرانے سے ہو سکتی ہے۔ یا ان پر عمل کرکے اتحادیوں کو راضی کرنے سے۔

یہ مسئلہ اسوقت صاف طور پر سامنے آگیا جب تاوان جنگ کا سوال پیش ہوا جو ۱۹۲۱ء تک چھ ارب ساٹھ کروڑ پونڈ تک پہنچ چکا تھا۔ ایک جماعت نے اسکی ادائیگی سے صاف انکار کرنا مناسب سمجھا۔ اور دوسری نے ادائیگی کی تدبیریں سوچنی شروع کیں۔ شمالی سائلیشیا کا بہترین ضلع جرمنی کے ہاتھوں سے پہلے ہی نکل کر پولینڈ کے پاس پہنچ چکا تھا۔ اور جرمن حکومت پہلے ظاہر کر چکی تھی کہ تاوان کی ادائیگی کی امید اسی وقت ہو سکتی ہے۔ جب سائلیشیا جرمنی کو واپس دیدیا جائے۔ لیکن فرانس کے نئے وزیر اعظم موسیو پوانکار کوئی ایسی تجویز منظور کرنے پر تیار نہ ہوئے جس سے جرمنی کی مشکلات میں کمی ہوتی نظر آئے۔ چنانچہ جرمنی کی اقتصادی حالت خراب ہوتی گئی۔ یہانتک کہ حالات بے حد زبوں ہو گئے۔ اور تاوان کی قسط ادا نہ ہو سکی۔

پوانکار نے اعلان کیا کہ جرمنی نے قسط ادا کرنے میں دیر کی ہے لہذا رہر کے علاقہ کا محاصرہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ وہاں جرمنی کے حکام کے بجائے فرانسیسی حکام مقرر کر دئے گئے۔ اور تاوان وصول کرنے کی کوشش کیگئی۔ مگر جرمنوں نے تو لوہا اور کوئلہ بطور قسط نہ ادا کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ لہذا انہوں نے ہڑتال کر دی اور کانوں کے مالکوں نے بھی فرانسیسیوں اور بلجیم والوں کو ایک تولہ کوئلہ یا لوہا دینے سے انکار کر دیا۔

تمام ملک میں اس ہڑتال سے ہیجان پیدا ہو گیا اور اقتصادی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی۔ چنانچہ جرمنوں نے یہ محسوس کیا کہ فرانسیسی قوت کے مقابلہ میں نہ زبانی احتجاج کام آسکتا ہے اور نہ دستیہ گری۔ بلکہ بہتری اسی میں ہے کہ کسی نہ کسی طرح اسوقت صلحنامہ کے شرائط کو پورا کر لیا جائے۔ تاکہ انگلستان اور دوسرے آزاد ممالک کی ہمدردیاں حاصل ہو جائیں۔

دوسری طرف فرانس کی حکومت نے محسوس کیا کہ اسکی سخت کارروائی سے انگلستان اور امریکہ کی ہمدردیاں فرانس سے کم ہوتی جاتی ہیں۔ چنانچہ جرمنی اور فرانس میں اسطرح سمجھوتہ ہوا کہ جرمنی کے نئے چانسلر اسٹریسمین نے رہر کے مزدوروں کو کانوں میں کام کرنے کیلئے واپس بلوا لیا۔ اور جرمنی کیلئے نیا اقتصادی پروگرام تیار کرکے نافذ کیا۔

اتحادی اپنے مقام پر دیکھ چکے تھے کہ سختی سے تاوان وصول کرنیکا نتیجہ بجز اسکے کچھ نہیں ہوگا کہ جرمنی کی اقتصادی حالت بالکل خراب ہو جائے گی۔ اور تاوان کی ادائیگی کا کوئی امکان باقی نہ رہیگا۔ لہذا اتحادیوں نے اپنی پالیسی بدلی۔ اور ۱۹۲۴ء میں امریکہ کے بڑے مہاجن ڈاؤس کی صدارت میں ایک کمیٹی بٹھائی گئی۔ جسکی رائے یہ ہوئی کہ جرمنی اسوقت تک تاوان ادا کرنے کے قابل نہیں ہو سکتا جب تک کہ ملکی صنعت اور تجارت کی حالت درست نہ ہو۔ لہذا تجویز کیا گیا کہ جرمن حکومت ہر سال اپنی آمدنی کا کچھ حصہ تاوان جنگ میں ادا کرے۔ اور حکومت کی آمدنی بڑھانے کیلئے اتحادی حکومتیں جرمنی کو قرضہ دیں۔ جس سے وہ اپنی ملکی صنعت کو ترقی دے سکے۔

جرمنی نے کمیٹی کی تجاویز منظور کر لیں۔ اور قرضے ابنا ملنے لگے۔

اور تاوان کی قسطیں ادا ہونے لگیں۔ لہذا فرانس کی سختی میں کمی آئی۔ اسٹرس مین جرمنی کے نئے چانسلر نے ایک کانفرنس کی تحریک کی۔ جسکے نتیجہ میں اتحادیوں اور جرمنی کے نمایندے لوکارنو کے مقام پر جمع ہوئے۔ اور جرمنی کی تاریخ میں نیا دور شروع ہوا۔ یعنی لوکارنو کا عہدنامہ عمل میں آیا۔ جسکی رو سے:-

(۱) جرمنی اور فرانس نے اس سرحد کو تسلیم کر لیا۔ جو وارسیلز کے صلحنامہ نے قائم کی تھی یعنی جرمنی نے السیس لورین سے دست برداری دی۔ اور فرانس نے رہائن لینڈ کے متعلق اپنی تجاویز واپس لیں۔ انگلستان نے وعدہ کیا کہ اگر رہائن کی سرحد پر جرمنی حملہ کریگا تو انگلستان فرانس کی مدد کرے گا۔ اور اگر فرانس جرمنی پر حملہ کرے گا تو انگلستان فرانس کے خلاف لڑے گا۔

لوکارنو کا عہدنامہ وہ تاریخی چیز ہے جسکے بعد جرمنی کی سیاست کا نیا دور شروع ہوا۔ اس سے پہلے جرمنی لیگ کا ممبر نہ تھا۔ اسکے بعد وہ بھی ایک مستقل ممبر بنایا گیا۔ جرمنی خوشی کے ساتھ تاوان دینے پر تیار ہو گیا۔ اور السیس لورین پر فرانس کا قبضہ تسلیم کر لیا۔ اس سے زیادہ اتحادیوں کو اور کسی بات کی ضرورت بھی نہ تھی۔ انہوں نے اسکے صلہ میں ۱۹۳۰ء تک رفتہ رفتہ رہائن سے اپنی فوجیں ہٹا لیں۔ ۱۹۲۷ء میں اس کمیشن کو واپس بلا لیا۔ جو جرمنی کی فوجی ترقی کو روکنے کے لئے قائم کیا گیا تھا اور بالآخر ۱۹۳۰ء میں جرمنی مالیات پر سے بیرونی نگرانی بھی ہٹا دی۔

ان تمام باتوں پر نظر کرنے سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جرمنی اور فرانس کے تعلقات خوشگوار ہوتے جا رہے تھے اور جرمنی ترقی کے زینہ پر بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ لیکن حقیقتاً یہ دور جرمنی کے لئے انتہائی خطرناک صورت پیدا کر رہا تھا۔ دوسرے ملکوں کی دولت پر بھروسہ کر کے قرضہ پر اپنی قومی نشونما کا انحصار کرو نیا کسی قوم یا ملک کے لئے بہتر نہیں ہو سکتا۔ جرمنی اسوقت ہر ملک سے قرض لینا اپنے لئے ثواب سمجھ رہا تھا امریکہ کے مہاجن جنکے پاس منوں روپیہ بھرا پڑا تھا اور جس کو وہ کسی کام میں نہ لگا سکتے تھے، خواہشمند تھے کہ کسی صورت سے اسے کہیں نہ کہیں کام میں لائیں۔ جرمنی قرض کر لینے کو ہر وقت تیار تھا۔ چنانچہ جرمن میونسپلٹیوں نے لاتعداد روپیہ قرض لیا۔ اور اپنے شہروں کی درستی میں صرف کیا قرض دینے والوں نے یہ نہ سوچا کہ آخر اس روپیہ کی ادائے گی کی کیا صورت ہو گی۔ یہانتک کہ وہ دور آ گیا جب تمام دنیا میں اقتصادی بدنظمی پھیلی۔ جس کا اثر ہر مقروض ملک پر بہت زیادہ ہوا۔ جرمنی سب سے زیادہ مقروض تھا اسلئے وہاں حالات بے حد نازک ہو گئے۔

ویمر ریپبلک نے آزادی کا جو نقشہ قائم کر رکھا تھا اس پر عمل ہوتا رہا۔ ہر جماعت کو آزادی تھی کہ اپنے خیال کے مطابق ترقی کرے۔ سیاسی گروہ اپنی اپنی جگہ مضبوط ہوتے چلے جا رہے تھے۔ ایک نئی سیاسی جماعت نیشنل سوشلسٹ پارٹی کے نام سے وارسیلز کے صلحنامہ کی مخالفت کر رہی تھی۔ نازی گروہ کے ممبروں کی تعداد جو ۱۹۱۹ء میں صرف سات تھی اب ایک لاکھ اسی ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ یہ جماعت تاوان جنگ کی ادائے گی کے خلاف آزادی سے مخالفت کر رہی تھی۔ اسکی وجہ سے جمہوری حکومت کا لوگوں پر اثر اٹھتا جاتا تھا۔ مختلف جماعتیں فوجی طاقت بڑھا رہی تھیں۔ نازی نظام یعنی نیشنل سوشلسٹ نظام دراصل فوجی نظام تھا۔ جسکا مقصد جلد از جلد حکومت ہاتھ میں لیکر صلحنامہ وارسیلز کو خاک میں ملانا تھا۔

جرمنی طرح طرح کے تجربے کر چکا تھا۔ مگر اسکی مالی حالت روز بروز زبوں ہوتی جاتی تھی۔ ویمر کا دستور العمل اسکی حالت کچھ بہتر نہ کر سکا۔ لہذا اب ملک والے اس جمہوریت کو خیرباد کہنا چاہتے تھے۔ جس نے ان کو دوسری اقوام کے سامنے ذلیل کیا جس نے ان کو آزادی

تو دی گئی قیادت سے محروم کر دیا۔ مگر سوال یہ باقی تھا کہ ملک کی تمام
جماعتوں میں کونسی اس قابل ہے جو ان کو ان دشواریوں سے نجات
دلا سکے۔ ملک میں اسوقت تین خاص جماعتیں تھیں۔ یعنی پہلی
کمیونسٹ، دوسری نیشنلسٹ اور تیسرے نیشنل سوشلسٹ۔

پہلی جماعت کے اصول اس ملک کے باشندوں کو ہرگز
پسند نہ آسکتے تھے۔ کمیونسٹ بین الاقوامی حکومت کے قائل تھے۔
اور بین الاقوامی حکومت جرمنی کے لئے یوں قابلِ قبول نہ ہوسکتی
تھی کہ ایک طرف تو وہ دوسرے ملکوں کے ہاتھوں اپنی حکومت کے
ٹکڑے ٹکڑے ہوتے دیکھ چکی تھی۔ اور دوسری طرف انہی کے ہاتھوں
ان کو اقتصادی نقصان پہونچا تھا۔ دوسری بات جو اس جماعت
کی ناپسندیدگی کا باعث تھی وہ یہ تھی کہ کمیونسٹ پارٹی کا مقصد محض
مزدوروں کی حکومت قائم کرنا تھا جو درمیانی اور اونچے طبقہ کیلئے
قابل قبول نہ تھا۔

اسکے برخلاف نیشنلسٹ جماعت دولتمند طبقہ کی حکومت چاہتی
تھی۔ اسلئے عوام اسکی طرف مائل نہ ہو سکتے تھے۔

اب رہی تیسری یعنی نیشنل سوشلسٹ پارٹی۔ یہی وہ پارٹی
تھی جس سے امید ہوسکتی تھی کہ وہ ویمر ریپبلک اور صلح نامہ وارسلیز
سے جرمنوں کو نجات دلائیگی۔ چنانچہ یہی وہ پارٹی ہے جو آج جرمنی
پر حکمراں ہے اور اسی کے قائد اعظم کا نام اڈولف ہٹلر ہے۔

ہر ہٹلر ۱۸۸۹ء میں برنو کے مقام پر پیدا ہوا۔ بارہ
سال کی عمر میں یتیم ہو کر ویانا گیا۔ اور کچھ عرصہ معماروں کے ساتھ
کام کرکے پیٹ پالتا رہا۔ ویانا کے مزدور ہٹلر کو اچھی نظر سے نہ
دیکھتے تھے۔ لہذا کچھ مدت کے بعد وہ میونک چلا گیا۔ ویانا میں
اس نے شاہی خاندان کی شان وشوکت کا گہرا مطالعہ کیا۔ اور جیسا
کہ وہ اپنی خود نوشت سوانح عمری میں لکھتا ہے۔ اسکے دل میں
بچپن ہی سے قومیت کے جذبات پائے جاتے تھے۔ وہ میونک ہی
میں تھا کہ جنگ عظیم شروع ہو گئی۔ اور وہ بھرتی ہو کر لڑائی پر گیا۔ وہاں
کارپول کے عہدہ ہی تک پہنچا تھا کہ بری طرح زخمی ہو گیا۔ لڑائی
ختم ہوئی اور ہٹلر میونخ کو واپس آیا۔ ملک کی حالت ابتر تھی۔
اس نے اس ابتری سے فائدہ اٹھایا۔ اور ایک سیاسی جماعت قائم
کی جو نیشنل سوشلسٹ پارٹی کے نام سے مشہور ہوئی۔ اسکے خاص
خاص مقاصد یہ تھے۔ وارسلیز کے صلحنامہ کو مسترد کیا جائے۔ یہودیوں
سے ملک پاک کیا جائے۔ کمیونزم کو ختم کیا جائے وغیرہ۔ ہر ہٹلر نے نیشنل
سوشلسٹ کے تمام اصول اور مکمل فلسفہ اور اپنی پارٹی کا پروگرام
سنہ ۱۹۲۲ء میں اپنی کتاب "میری جدوجہد" میں شائع کر دیا تھا۔

ہر ہٹلر کی تحریک کو وسط پروشیا میں بہت کامیابی ہوئی۔
سنہ ۱۹۲۴ء کے الکشن میں اسکی پارٹی نے ۳۲ جگہیں ریشتاگ یعنی عوام
کی اسمبلی میں حاصل کیں۔ سنہ ۱۹۳۰ء کے الکشن میں ان لوگوں کو ۱۰۷ جگہیں
ملگئیں۔ ۳۰ جنوری سنہ ۱۹۳۳ء کو ہر ہٹلر جرمنی کا چانسلر ہو گیا۔ اور دنیا میں
ایک نیا دور شروع ہوا۔ جرمنی وہ جرمنی نہ رہا جو وارسلیز کے وقت تھا۔
اور جرمن وہ جرمن نہ رہے جنہوں نے اس صلحنامہ پر دستخط کئے تھے۔ ہر ہٹلر نے
ملک کے گوشہ گوشہ میں نئی روح پھونکدی۔

جرمنی کا بچہ بچہ نازی اصولوں کا حامی بنایا جانے لگا۔ عزت نفس
کے جذبہ کو اتنی ترقی ہوئی کہ وہ خود سے آگے بڑھکر رعونت اور فرعونیت کے
درجہ تک پہنچ گیا۔ آرین قوم دنیا کی بہترین قوم قرار دیگئی۔ سامی نسل کی
طرف سے ایسی نفرت پیدا کیگئی کہ یہودی کی زندگی جرمنی میں دشوار ہی
نہیں بلکہ رفتہ رفتہ ناممکن ہو گئی۔ اور وارسلیز کا صلحنامہ تھوڑے ہی
دنوں میں ردی کا کاغذ بن گیا۔ اور اسطرح ہر ہٹلر نے اپنی بنائی ہوئی
اسکیم پر یکے بعد دیگرے عمل کرنا شروع کر دیا۔

(باقی باقی)

شذرات

بزم خواتین

کچھ آپ پر بھی حق ہے

یہ آپ کو معلوم ہے کہ پنجابی گزٹ کسی خاص منفعت کے لیے نہیں بلکہ قوم کی اصلاح کے لئے نکالا گیا ہے۔ ہمارا کام یہ تھا کہ قوم کے عام افراد۔ بہنوں اور بچوں کے خیالات اور اپنی رائے کو یکجا کر کے آپکے سامنے پیش کریں اور آپ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں اس میں آپ کو ہماری مدد کرنا چاہیے۔ آپ اگر خود پنجابی گزٹ کی خریدار ہیں تو ادارہ ممنون ہے۔ لیکن معاف کیجئیگا آپکی ذمہ داری یہاں ختم نہیں ہوتی۔ جس قوم کے ہم افراد ہیں آپ بھی اسی زنجیر کی ایک کڑی ہیں۔ قوم کے فائدہ میں آپ کا اور ہمارا یکساں فائدہ اور نقصان میں برابر کا نقصان ہے۔ قوم کی مائیں۔ بہنیں، بچیاں اگر جاہل، خود پسند، مذہب کی روح سے بے بہرہ ہیں تو اس کا حرف صرف ہم پر نہیں آپ پر بھی آتا ہے۔ آپنے اس جہالت کو مٹانے کی کیا کوشش کی۔ اگر نہیں کی تو کیوں۔ اس چیز کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ جبتک آپ اور ہم اپنے اپنے طور پر قوم کی اصلاح نہ کرینگے اصلاح ناممکن ہے۔ آپ اگر اپنے اوپر کچھ ذمہ داری سمجھتی ہیں تو اپنے حلقۂ اثر و رسوخ میں پنجابی گزٹ کے خریدار بنائیے۔ اپنی سہیلیوں سے اس کو پڑھنے کی تلقین کیجئے۔ اسلئے نہیں کہ پنجابی گزٹ کو اس سے کچھ مالی فائدہ ہوگا بلکہ اسلئے کہ پنجابی گزٹ پڑھکر انھیں اپنی اہمیت کا احساس ہوگا۔

گھونگٹ۔ مایوں۔

شادی بیاہ کی تقریبات میں گھونگٹ۔ مایوں اور اسی قسم

ایڈیٹر کے قلم سے

کی دو ایک رسمیں ایسی لغو اور لچر ہوتی ہیں۔ جبکا نہ کوئی مذہبی جُز ہے اور نہ اخلاق کی کسوٹی پر پوری اترتی ہیں۔ گھونگٹ اور مایوں دونوں میں ایک بے کس غریب لڑکی کو اتنا نظر بند کر دینا کہ سانس لینا بھی دو بھر ہو جائے۔ زمانہ جاہلیت و رامائن میں ممکن ہے اچھی نظروں سے دیکھا جاتا ہو۔ مگر اسلام اور بیسویں صدی تو ایک لمحہ کے لئے بھی اس کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اس سے زیادہ جہالت اور اندھیر کیا ہوگا۔ کہ لڑکی اپنے باپ اور قریب ترین عزیز و اقارب سے روپوش ہو کر تین چار یوم تک ایک سی حالت میں بیٹھی رہے۔ اس سے بڑھکر سانحہ وہ ہوتا ہے جب وہ غریب تختہ مشق سسرال میں موسم گرما میں زیور اور کپڑوں سے لدی ہوئی دوپٹہ کی بند چہار دیواری میں گردن جھکائے نشست کو تبدیل کئے بغیر عورتوں کے غول میں دس بارہ گھنٹے متواتر بیٹھی رہتی ہے۔ اور چوں تک نہیں کرتی۔

آخر میں پوچھتا ہوں کہ ایسی رسمیں جن سے اتنا ظلم، دیوانگی اور بربریت ٹپکتی ہو۔ انجام دینے سے فائدہ؟ اگر لڑکی اپنے گھر یا سسرال میں ایک انسان کی طرح جس کو کھلی ہوا میں رہنے اور چلنے پھرنے کا حق خداوند تعالےٰ نے دیا ہے۔ رہے تو کیا غضب ہو جائے۔ یہ رسمیں اب اتنی دقیانوسی ہو گئی ہیں کہ اگر اسکا ذکر کسی یوروپین عورت یا بیرون ہند کسی جگہ ہو تو شاید اس پر یقین بھی نہ کیا جائے۔ اور اس کو الف لیلہ کا ایک قصہ سمجھ کر ٹال دیا جائے۔ مجھے خداوند تعالےٰ سے امید ہے کہ وہ بہنیں جو علم کی روشنی سے فیضیاب ہو کر نکل رہی ہیں۔ اپنی اہمیت کو سمجھیں گی اور شادی پر کوئی ایسی رسم انجام دینے کے لئے تیار نہ ہونگی جسکی وجہ سے

ان پر ناگہانی آفات ڈھائی جائیں۔

ناشتہ

قوم نے جو دستور العمل بنایا ہوا ہے۔ اسمیں ناشتہ کے متعلق جو دن ٹھیرانے کی رسم یا منگنی پر ہوتا ہے۔ اکثر بہنوں کو غلط فہمی ہے۔ اسلئے ضرورت ہے کہ اس کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔

دن ٹھہرانے کی رسم میں جو مرد آئیں ان کی خاطر تواضع صرف دودھ، شربت، پان۔ الائچی سے کی جا سکتی ہے۔

اور منگنی کے لئے جو عورتیں آئیں ان کو دودھ، شربت، پکوڑی کباب، یا دہی بڑا۔ ایک مٹھاس اور پان الائچی دیا جاسکتا ہے۔ اکثر جگہ غلط فہمی کی بنا پر جو ناشتہ منگنی میں عورتوں کو دیا جانا مقرر ہے وہی مردوں کو دن ٹھہرانے پر دیدیا جاتا ہے۔ حالانکہ دونوں وقت کے ناشتے علیحدہ علیحدہ ہیں۔ منگنی کے ناشتہ میں یہ ایک غلط فہمی ہوتی ہے کہ کباب اور دہی بڑے دونوں رکھے جاتے ہیں حالانکہ اسمیں صاف لکھا ہوا ہے کہ خواہ کباب ہوں یا دہی بڑے دونوں چیزیں نہیں ہو سکتیں۔ اگر کباب ہوں تو دہی بڑوں کی ضرورت نہیں اور اگر دہی بڑے ہوں تو [illegible]

آؤ دلہن دیکھیں

(از محترمہ ممتاز بیگم صاحبہ)

"بہن کل دلہن دیکھنے چلینگے۔ رشیدہ کو بھی لانا اور شمیمہ کو بھی۔"

"آپا ہم بھی چلینگے۔"

"ہاں ہاں تم بھی چلنا۔"

"یوسف میاں کیلئے نیلوفر ہی پسند رہی" پاس بیٹھی ہوئی نائن نے پوچھا۔ "ہاں اسکی بھی تم بہت تعریف کر رہی ہو اور لالہ رخ کے لئے آپا۔ عائشہ کے لئے خالہ بہت زور دے رہی ہیں سب جگہ چلینگے۔"

دوسرے ہی دن یہ سب نیلوفر کے ہاں جا دھمکتی ہیں۔ نیلوفر کی والدہ صحن میں چارپائی پر بیٹھی ہیں۔ پاس ہی نیلوفر۔ اس نے جب چند اجنبی عورتوں کو آتے ہوئے دیکھا تو کوٹھری میں چلیگئی نہ جانے اسے کیوں شرم آئی ہوگی۔ ہوشیار ہو چلی تھی۔ حالانکہ اسکے والدین اس بات کے مخالف تھے کہ لڑکی اسطرح چھپے۔ لیکن اسکی شرم کو کیا کرتے۔ نیلوفر کو جب جاتے ہوئے دیکھا تو نائن اسکے پیچھے دوڑی نائن کے پیچھے پیچھے دوسری خواتین بھی۔ اپنے آپ کو اسطرح بے بس دیکھکر نیلوفر گھبرا کر اسی جگہ بیٹھ گئی اور اپنا منہ دوپٹہ سے چھپا لیا۔ اب باقاعدہ دھینگا مشتی ہو چلی تھی۔ دوسری خواتین اسکا منہ پر رکھا ہوا ہاتھ اٹھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ اور نائن اس قسم کے الفاظ رٹ رہی تھی۔ "بیٹی دکھا دے اپنا منہ، تو کوئی اندھی ہے، کانی ہے، کچھ اور عیب ہے۔ ماشاء اللہ اتنی خوبصورت ہے۔ دیکھتے ہی سب لٹو ہو جائینگے۔"

اس تمام جد و جہد میں اتنی دیر...... بھی نہیں لگی کہ نیلوفر کی ماں اس ناگہانی آفت کا سبب دریافت کرتیں۔ جب وہ یہاں تک پہنچیں تو گویا خریدار اپنے سودے کو چند اچٹتی ہوئی نظروں سے دیکھ چکے تھے۔

نیلوفر کی ماں نے جب اپنی بچی کے ہاتھ اور گالوں پر ناخن کے نشان اور اس میں سے خون رستا ہوا دیکھا تو وہ غصہ کے مارے کانپنے لگی۔ عورت سنجیدہ اور بردبار تھی۔ گھر آئے ہوئے مہمانوں سے کچھ کہنا تہذیب کے خلاف سمجھا۔ خون کا سا گھونٹ پیکر خاموش ہوگئی۔

تمام عورتیں اپنا سودا پسند کرنے کے لئے دوسری جگہ روانہ ہوئیں۔ اور دونوں جگہ کم و بیش یہی عمل رہا۔ راستے میں ان کی کوئی میل جول والی بھی ملتی۔ پوچھتی۔ بہن آج کہاں پھر رہی ہو۔ اور جب اسے یہ معلوم ہوتا کہ دلہن دیکھنے آئی ہوئی ہیں تو وہ بھی اپنے کسی عزیز کا نام تجویز کر دیتی۔ چنانچہ لگے ہاتھوں یہ وہاں بھی نکا مارتی جاتیں۔ اسطرح کچھ حیثیتا سا وقت ہوگیا۔ اور آخر باقی ہوس اپنے دل میں لیکر مجبوراً اپنے گھروں کو سدھاریں۔ گھر جاکر سب کا یہی مشورہ رہا کہ نیلوفر کے لئے آدمی بھیجا جائے۔

اب ادھر کی سنئے۔ رات کو جب نیلوفر کے والد آئے تو ان سے سارا ماجرا کہا گیا۔ ان کو بھی قوم کی جہالت پر بہت افسوس ہوا۔ پہلے تو لڑکی ہی کو کہا کہ اس کو بھاگنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ چھپنے چھپانے کا طریقہ بھی نہایت خراب ہے۔ اس کو چاہئے تھا کہ آنے والے لوگوں سے اچھی طرح بولے۔ انکی خاطر تواضع کرے۔ اس لئے نہیں کہ وہ اس کو دیکھنے آئی ہیں۔ بلکہ اسلئے کہ یہ انسانی فرض ہے کہ گھر آئے مہمان سے اخلاق سے پیش آنا چاہئے۔ کسے باشد۔

پھر ان عورتوں پر بھی خوب برسے کہ آخر یہ کہاں کی شرافت تھی کہ اس طرح اس کو گھیر کر زبردستی اسکی شکل دیکھنا اور ایسے خلاف تہذیب الفاظ کہنا کہ تو اندھی نہیں ہے۔ کالی نہیں ہے۔ سب لٹو ہوجائینگے۔ اگرچہ لڑکی نے بیوقوفی کی تھی مگر عورتوں کا تو کمینہ، چھچھورا پن نہیں تو کیا ہے۔ اپنی ذات انہوں نے شروع ہی میں بتادی ہے۔ اسکے یہ معنی ہوئے کہ شادی کے بعد اگر لڑکی میں خدانخواستہ کسی طرح کا عیب ہوجائے تو پھر وہ اس سے نباہ نہ کریں گے۔

تف ہے ایسی جگہ منگنی کرنے پر۔ اگر لڑکی شرم کی وجہ سے چلی بھی گئی تھی تو پھر کسی وقت موقعہ بے موقع آکر دیکھا جا سکتا ہے اکٹھا نہیں ایک ایک کرکے۔

میں نے کہہ دیا ہے کہ اگر وہاں سے آدمی بھی آئے تو صاف صاف کہہ دینا کہ ہم شریف انسان ہیں۔ گائے بکری نہیں ہیں یا گاجر مولی نہیں ہیں۔ ہم اپنا واسطہ بھی شریف انسانوں سے رکھینگے۔ کوئی اور گھر دیکھیں۔

نیلوفر کی والدہ بھی اس بدتہذیبی سے بہت متاثر تھی۔ چنانچہ انہوں نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا۔ اور جب آدمی آیا تو انہی الفاظ کے ساتھ ان کو جواب دیدیا گیا۔

عورتوں کو لڑکی بہت پسند آئی تھی۔ بہت اصرار کیا۔ اپنے کئے پر ندامت بھی کی۔ لیکن نیلوفر کے والد کا ایک ہی جواب تھا۔ اور وہ یہ کہ "اپنی قوم میں یہی دستور ہے کہ دوران منگنی میں بیٹی والے کی بہت منت، خوشامد کی جاتی ہے اور شادی کے بعد اس میں تمام عیب نکل آتے ہیں۔ یہی حال ان کا بھی ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ مجھے اس نے ان کی چھچھوری عادت سے پہلے ہی آگاہ کر دیا۔ ورنہ معلوم نہیں میری بچی کو کن کن تیروں کا شکار ہونا پڑتا۔

بحث و مباحثہ

اونچی ایڑی کے جوتے

(از محترمہ بیگم سعید صاحب)

بغیر سوچے سمجھے یورپ والوں کی ہر بات کی تقلید کرنا غالباً ہمارا ہی شیوہ ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ اگر یورپ کی عورتیں ناک کٹوانا شروع کر دیں تو غالباً ہم اسکی تعریف کے ایک سو ایک پہلو نکال کر ناک کٹوانے پر بھی آمادہ ہو جائینگے۔

اونچی ایڑی کے جوتوں کو ہی لیجئے سمجھ میں نہیں آتا کہ اس میں کیا فائدہ پوشیدہ ہے۔ لڑکوں کو تو بانسوں پر چلتا دیکھا ہے وہ تماشہ کرتے ہیں۔ لیکن اونچی ایڑی کا جوتا پہنکر لڑکیاں بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بانسوں پر چل رہی ہیں۔ بعض تو جوتوں کی ایڑیاں اتنی اور اس قدر اونچی رکھواتی ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی گڑیا کو لکڑی کی ٹانگوں پر کھڑا کر دیا ہے۔ اور جنکے ٹخنے مڑ جانے کا ہر دم خطرہ ہے۔

جو بہنیں اونچی ایڑی کا جوتا پہنتی ہیں۔ وہ خود ایمان سے بتائیں کہ انہوں نے اپنے پاؤں کو کس حد تک بیکار کر لیا ہے۔ اور اب جنکی درستی کی بھی کوئی امید نہیں۔ چینی عورتوں کو سب نام دھرتے ہیں کہ وہ اتنا سا جوتا پہنتی ہیں کہ ان کا پاؤں بھی چھوٹا رہ جاتا ہے۔ اور چلنے پھرنے سے عاجز ہو جاتی ...... ہیں لیکن اونچی ایڑی کے جوتوں سے بھی تو پاؤں نسبتاً بیکار ہو جاتے ہیں۔ اس پر کوئی آواز نہیں اٹھاتا کیونکہ یہ حکومت وقت کا لباس ہے۔ اگر آج چینیوں کی حکومت ہندوستان میں ہو جائے تو ہمکو چھوٹا جوتا پہنتے ہوئے بھی خوشی ہوگی اور تو اور چھوٹی لڑکیاں بھی بڑوں کے دیکھا دیکھی یہی چاہتی ہیں کہ وہ بھی اونچی ایڑی کا جوتا پہنیں اور چھوٹی سی ہی عمر میں اپنا پاؤں بیکار کر لیں۔

بہنوں کی بہاجی

۱) میں بہنوں سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ دیمک سے اگر کسی چیز کو روکنا ہو تو کیا کیا جائے۔ "آپ کی ایک بہن"

۲) میں اپنے بچوں کو چند ورزش کی کتابیں دینا چاہتی ہوں۔ اگر کسی بہن کو اچھی کتابوں کا علم ہو تو لکھیں "زبیدہ"

۳) میری بچی کو پائیریا ہے جو آجکل عام ہو گیا ہے اگر کسی بہن کو اچھی دوا معلوم ہو تو لکھیں "ایک بہن"

۴) قبض کے لئے کونسی دوائی مفید ہے۔ "سلطانہ خاتون"

۵) خارش کے لئے کوئی مؤثر دوائی چاہئے۔ "زاہدہ"

صحت و تندرستی

بچوں کے لئے ماں کا دودھ

(از محترمہ ریحانہ صاحبہ)

دنیا میں جتنی بھی غذائیں ایسی ہیں جو بچوں کو دیجا سکیں اور جتنی بھی غذائیں اس وقت تک مختلف ماہرین فن نے بچوں کیلئے تیار کی ہیں ان میں ایک بھی ایسی نہیں ہے جو ماں کے دودھ کا مقابلہ کر سکے۔

ڈاکٹر آئیورو ینڈرول ہوس نے اسے اچھی طرح ثابت کر دیا تھا۔ اب سویڈن کے ایک ڈاکٹر جینس وارڈ نے اس دائے کی تصدیق کی ہے اور اس پر اتنا اضافہ کیا ہے کہ قدرت نے جو غذا بچوں کے لئے مقرر کر دی ہے اس میں کچھ ترمیم یا اس سے بہتر کوئی چیز بنانے کی جسارت کرنا سخت گستاخی ہے۔ اور اس کا نتیجہ مضرت ہے۔ خصوصیت کے ساتھ انہوں نے متعدد تجربوں کے بعد معلوم کیا ہے کہ ماں کی چھاتی سے دودھ پینے والے بچوں کو غذا میں سنگترے کے رس کا اضافہ نہ صرف غیر ضروری بلکہ نقصان دہ ہے۔

اس بات کا پہلے بھی کوئی ثبوت نہ تھا کہ نارنگی کے رس کا بچے کے وزن پر کوئی مفید اثر پڑتا ہے۔ اب یہ دیکھا گیا ہے کہ اس سے بچے کا پاخانہ بے قاعدگی سے آنے لگتا ہے اور کئی کئی مرتبہ آتا ہے۔ اور بعض اوقات دستوں کی کیفیت بدہضمی کے دستوں کی سی ہوتی ہے۔

لیموں اور ٹماٹر کے رس سے بھی اسی قسم کے تجربے کئے گئے اور بالکل اسی قسم کے نتائج برآمد ہوئے۔ بعض بچوں کے جسم پر اس فالتو غذا کے اثر سے مختلف قسم کے دانے ظاہر ہو گئے۔ بعض بچوں پر یہ اثر ہوا کہ ان کے منہ کا مزہ ہی بگڑ گیا۔ اور انہوں نے ماں کا دودھ ہی پینا چھوڑ دیا۔ کچھ بچوں کے حلق خراب ہو گئے۔ اور گلے آ گئے۔

اگر حیاتین کی بڑی مقدار بچے کے جسم میں پہنچانا مقصود ہے تو اس کے لئے بہترین طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ ماں کو ایسی غذائیں دی جائیں جنمیں حیاتین کی زیادتی ہو۔ اس طرح قدرتی طریقے پر ماں کے دودھ کے ساتھ وہ بچے کے جسم میں پہنچ جائیگے۔

لطیفہ

مسافر:- اس کمرے کی کھڑکیاں بہت چھوٹی ہیں۔ ضرورت مند کے لئے ناکافی ہونگی۔

ہوٹل کا منیجر:- بیشک جناب۔ مگر میں ایسے ضرورتمندوں سے کامل ایک ماہ کا کرایہ پیشگی وصول کر لیا کرتا ہوں۔

ماں اور بچہ کی جُدائی

(از جناب کوثر صاحب چاندپوری)

(۱)

ماں بے چین تھی۔ اس کا دل اور آہ دل جو محض محبت و شفقت کا گہوارہ ہوتا ہے۔ جذبات الم سے لبریز تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے جن کا ہر قطرہ ایک طوفان محبت اور سیلاب الفت تھا۔ اسلئے کہ اس کا خوبصورت بچہ جو غنچۂ ناشگفتہ کی طرح پھول بننے کے لئے بیتاب تھا۔ اس سے جدا ہو رہا تھا۔

بچہ جو ماں کی آغوشِ محبت میں پرورش الفت مادری کے شیریں چشموں سے ہر لذت لطف و حلاوت سمیٹ رہا تھا۔ بالکل اس سے بے خبر تھا کہ اب وہ ایک نئی دنیا میں جانے والا ہے جہاں کی تاریک راتوں میں وہ ماں کی محبت بھری گود تلاش کرے گا مگر وہ اسے نہ ملیگی۔ ہر چند اسکے نیچے نرم و گرم گدے بچھائے جائینگے لیکن وہ اس کیلئے آغوش مادر کی اس مخصوص حرارت کو مہیا نہ کر سکینگے جسکی دل کو تلاش اور اسکے بدن کی قوتِ نشو و نما کیلئے ضرورت ہے۔

(۲)

رات کی خاموش فضا میں بچہ ماں کے پاس پلنگ پر سو رہا تھا اور کائنات کا ذرہ ذرہ اسکے اس سکون آمیز خواب شیریں پر رشک کر رہا تھا۔ دفعتہً ماں اٹھ کر بیٹھ گئی۔ یہ وہ رات تھی جس کی صبح کو اس کا اکلوتا بیٹا تحصیل علم کے لئے اس سے جدا ہو رہا تھا۔ ماں نے بچہ کو گود میں لیکر پیار کرنا شروع کیا۔ ماں کو اس سے سیری نہ ہوئی اور دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ آنکھیں پر آب ہو گئیں۔ اور اسی حال میں اس نے بچہ کو گود میں لیکر اسکے رخسار پر متعدد بوسے دئے۔ اس نے دیکھا کہ زمین و آسمان اس کی محبت کو دیکھ رہے ہیں۔ آسمان کے تارے اس ممتا کی ماری ماں پر کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ ماں چونک گئی اور بچہ کو پلنگ پر لٹا دیا۔

(۳)

بچہ جانے کیلئے تیار تھا۔ ماں نے عمدہ عمدہ کپڑے پہنائے۔ جوتہ صاف کرکے پہنایا۔ ٹوپی کو بار بار برش سے صاف کرکے سر پر رکھا اور پھر جوشِ محبت کی بیخودی میں سینہ سے لگا کر اپنی غیر فانی محبت کے نقوش بچہ کے سینہ پر مرتسم کئے۔

گھڑی نے آٹھ بجائے۔ بچہ باپ کے ساتھ گھر سے باہر نکلا۔ ماں نے قطرات اشک کی مسلسل بارش میں بچہ کیلئے دعائے خیر کے ترانے گائے اور بچہ کوٹ کی آستین سے آنسو پونچھتا اور دل کی آواز سے ماں کو الوداع کہتا ہوا روانہ ہو گیا۔

ماں کی آنکھوں سے آنسو بدستور جاری تھے۔ ہر چند یہ آنسو دیکھنے میں پانی کے سفید قطروں سے مشابہ تھے لیکن کوئی ماہر سائنس انکا تجربہ کرکے دیکھتا تو ہر قطرہ ماں کے دل سے نکلی ہوئی بیشمار دعاؤں کا ایک عظیم الشان دفتر تھا جسکی ہر کتاب اور کتاب کے ہر ورق پر جلی حروف میں لکھا تھا۔

میری آنکھوں کے تارے بادل کی ٹھنڈک! خدا تجھے ہر بلا سے محفوظ رکھے تو لکھ پڑھ کر اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب پر فائز ہو۔ مطمئن سے مطمئن اور پر لطف سے پر لطف زندگی تجھے نصیب ہو!!

گھسیارا شہزادہ

پیش کردہ رضیہ بیگم صاحبہ جماعت چہارم لیڈی ارون اسکول دہلی

جہاں آباد میں رہتا تھا طالب ایک گھسیارا — مصیبت میں بسر کرتا تھا اپنی عمر بےچارا
ضعیف العمر تھا چہرے پہ آثار شرافت تھے — نقوش ظاہری سب آئینہ دار وجاہت تھے
کچھ ایسا تنگدستی کی بدولت زار رہتا تھا — زمانے کی نگاہوں میں ذلیل و خوار رہتا تھا
نہال زندگی محروم لطف زندگانی تھا — سہے تھے ظلم کچھ ایسے کہ اس کا خون پانی تھا

زباں محو فغاں آنکھوں میں تھا اشکوں کا اک طوفاں
شکن ماتھے کی تھی تفسیر جور گردش دوراں!

کئی دن گھاس بکتی ہی نہ تھی آفت رسیدہ کی — گذرتی تھی یونہی فاقوں میں اس غم آفریدہ کی
جو مشکل سے کبھی دو تین آنے گھاس کے ملتے — تو فاقے ٹوٹتے تھے اسکے ننھے ننھے بچوں کے
یہ حسرت تھی کبھی تو اپنے بچوں کو وہ خوش دیکھے — مگر سامان عشرت کے مہیا ہو نہ سکتے تھے
شرافت کا دکھایا مفلسی میں بھی کمال اس نے — غیور ایسا کہ پھیلایا نہیں دست سوال اس نے

ملا روز ازل مقسوم وہ آفت زدہ اس کو
کہ رکھا زندگی بھر مشکلوں میں مبتلا اس کو

کسی نے رحم کھا کر کوٹھری رہنے کو اک دی تھی — کہ جسمیں دن کو بھی رہتی تھی شب کی جیسی تاریکی
مگر وہ کوٹھری زینت محل کا ایک حصہ تھی — کہ جس سے یاد تازہ ہوتی تھی سلطان دلی کی

وہی زینت محل آرام گاہ خسرو با ذل ! بہادر شاہ کا خلوتکدہ قصر بانگاہ بادل
کہ سنگ وخشت جس کے محرم اسرار شاہی تھے وہاں کی خاک کے ذرّے تھے یا گلزار شاہی تھے
ستارے جسکی شانِ دلبری پر جان دیتے تھے مہ و خورشید جس کے حسن پر ایمان دیتے تھے
حسینوں کی ادائیں جسکے آگے ہیچ ہوتی تھیں دوشالے تان کر شہزادیاں جس گھر میں سوتی تھیں

وہی ایوان شاہی آجکل برباد و ویراں تھا
کہ جو عہدِ بہادر شاہ میں رشک گلستاں تھا

مگر زینت محل میں خوش نہ رہتا تھا وہ دکھیارا کیا کرتا تھا صرف اشکباری خونِ دل سارا
تصور میں کوئی نظارہ کچھہ ایسا سمایا تھا زمانے بھر سے جس نے اس کو بیگانہ بنایا تھا

سکوں مفقود تھا دل میں خیالات پریشاں تھے
درودیوار اسکے واسطے وحشت کا ساماں تھے

بہت کوشش کرتا رہا بد بخت گھیارا ہوا پیدا نہ اس کے درد کا لیکن کوئی چارا !
انہی آلام سے گھبرا کے اک دن خودکشی کر لی خود اپنی آہ سے خاموش شمع زندگی کر لی
خبر اہل محلہ میں یہ بجلی کی طرح پھیلی ہوئیں فکریں پھر اس بیکس کی میت دفن کرنیکی
سرہانے میت آکے اہل دردنے دیکھا ! پڑا تھا ایک کاغذ جس پہ یہ مضمون لکھا تھا

" بہادر شاہ کا نورِ نظر آرام جاں میں تھا
مگر اہل جہاں کے واسطے بارِ گراں ہی تھا

(طالب فارسی)

لکچرر بیوی

از جناب محمد یونس صاحب ماپئتی

"آؤ بحث کریں۔"

"ایں۔"

"آؤ بحث کریں۔"

"بحث کریں کیا بحث کریں؟"

"عورتوں کی تعلیم پر۔"

"پھر وہی منطق سوجھی تم کو بحث مباحثہ کے سوا اور بھی کچھ آتا ہے یا نہیں۔"

"تم تو ابھی سے الجھنے لگتے ہو کیا بحث کرنے میں کوئی نقصان ہوتا ہے۔"

"تو پھر فائدہ کیا ہوتا ہے۔"

"معلومات بڑھتی ہے۔ اختلافات دور ہوتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔"

"اچھا بھئی میں ہارا اور تم جیتیں۔ آخر چاہتی کیا ہو۔"

"آؤ بحث کریں۔"

"تو پھر شروع کرو۔"

"میں کہتی ہوں کہ عورتوں کو تعلیم دلانی ضروری ہے۔"

"اور میں کہتا ہوں کہ عورتوں کو تعلیم کی ضرورت نہیں۔"

"کیا اسلئے کہ وہ تم مردوں کی میٹھی میٹھی باتوں میں آکر تمہارے کہے ہوئے اشاروں پر ناچنے لگیں۔"

"اور کیا عورتوں کو تعلیم اسلئے دلائی جائے کہ وہ اپنی بے تکی باتوں سے مردوں کے کان کھائیں۔ جسکی ایک زندہ مثال میرے سامنے ہے یعنی تم! کیا سمجھیں۔

"میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے جو تم مجھ کو بدنام کر رہے ہو۔"

"بہرحال آگے چلئے۔"

"ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ عورتوں کو تعلیم دلوانا ان کے والدین کا فرض ہے۔"

"وجہ۔"

"اسلئے کہ وہ بھی حق رکھتی ہیں کہ وہ کسی سے کچھ کہہ سکیں۔ کسی کی بات کا کچھ جواب دے سکیں۔ اب دیکھو کل ہی کی بات ہے۔ بہن فہیما آئی تھیں اپنے شوہر کا خط پڑھوانے کے لئے۔ اب تم ہی سوچو کہ اگر وہ پڑھی ہوئی ہوتی تو کیا ان کو اپنے خانگی معاملات کو کسی پر ظاہر کرنے کی ضرورت تھی۔

"مانتے ہیں! لیکن کیا عورتوں کو تعلیم اسلئے دلائی جائے کہ وہ اپنی خاندانی شرم و حیا کو بالائے طاق رکھکر غیر مردوں سے ملنا اپنی سوسائٹی کا اہم ترین فرض سمجھیں، کلب جوائنٹ کریں۔ پکنک میں شریک ہوں۔ تم جس یورپ کی تقلید کر رہی ہو۔ جانتی ہو کہ وہاں ایک منٹ میں ایک طلاق دیجاتی ہے۔ یعنی ایک مہینہ میں تقریباً ۵۰۰۰۴ طلاقیں دیجاتی ہیں۔ کیا تم اس سے یہ سمجھتی ہو کہ اس سے وہاں کے لوگ خوش ہوتے ہونگے! ہرگز نہیں! پس ان حالات سے یہی ماننا پڑتا ہے کہ ان خانگی جھگڑوں کی وجہ صرف ایک ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہاں کی لڑکیاں تعلیم یافتہ گنی جاتی ہیں!"

"مانتی ہوں اور تم کو بھی یہ ضرور ماننا پڑے گا کہ ہر اچھی چیز میں ایک نہ ایک نقص ضرور ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ لوگ

ہی حالت دیکھیں کہ اگر آپ میں سے اسّی مرد ایسے ہوں گے جو اپنے آپ کو مرد کہلانے کے مستحق ہونگے تو یقینی طور پر بیس ایسے ہوں گے جو کہ ...."

"ہاں ہاں کہو' یہ بھی کہہ ڈالو - آج ہم مردوں کی برائیوں میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھو"

"بہرصورت میرا مطلب یہی تھا کہ اگر عورت تعلیم یافتہ ہوگی تو شوہر کے کاروباری کام میں ہاتھ بٹا سکتی ہے۔ اگر کبھی میاں "سیاسی" "مذہبی یا معاشرتی پہلو پر گفتگو کرنا چاہے تو اسکے سوال کا جواب دے سکیگی۔ اسکے سوال کو بغور سن سکیگی۔ اب دوسرے رخ پر آیئے۔ اگر لڑکی ان پڑھ ہے اور میاں نے کبھی جنگ کی خبریں سنانی شروع کیں تو سوائے اس کے کہ بیوی حیرت کے لہجہ میں میاں سے پوچھے کہ یہ موئے چرچل اور ہٹلر کون ہوئے؟ سو کہنے کا میرا اصل مقصد یہی ہے کہ آج کل کے زمانہ میں ہر ایک لڑکی کو تعلیم کی سخت ضرورت ہے اور جو والدین اپنی لڑکیوں کو تعلیم سے محروم رکھتے ہیں وہ ان کے ساتھ بہت بڑا ظلم کرتے ہیں"۔

(بیوی نے اپنی تقریر ختم کی تو میاں کو کرسی کے سہارے سویا ہوا دیکھا)

کیا سو گئے؟"

"کیا؟"

"میں نے کہا کہ کیا سو گئے؟"

"نہیں تو ادھ ہاں کیا گھر میں کوئی بلی گھس آئی تھی۔ بڑی دیر سے شور سنائی دے رہا تھا۔ تم دروازہ کی کنڈی بھی لگا کر نہیں سوتیں"۔

"تم کو ابتک میری باتوں سے نفرت تھی اب مجھ سے بھی ہونے لگی۔ کبھی بلی بنا دیا کبھی کچھ بنا دیا۔ اگر ایسی ہی نفرت ہے تو گھر سے نکال کیوں نہیں دیتے۔ تاکہ قصہ پاک ہو جائے"۔

"پھر ہوا کیا ہے"

"جیسے کچھ ہوا ہی نہیں.......... ہاتھ پیر انگارہ بھی رکھو اور پوچھو بھی کہ کہیں جلا.......... تو نہیں!......... خوب! آخر میں پوچھتی ہوں کہ تم کو ان جلی کٹی باتوں میں کچھ لطف آتا ہے.......... آدمی ایک دفعہ کہہ دے ان روز روز کے جھگڑوں سے کچھ فائدہ؟........"

"جب مجھ سے نفرت .... ہی ہے تو میرے یہاں رہنے سے فائدہ .... میں جا رہی..... ہوں"

"کہاں چلیں؟"

"میکہ......"

"خدا حافظ...."

ختم شد

تربیت

از جناب نثار احمد صاحب جیون

تربیت کے بغیر انسان سنگ مرمر کے اس سنگ ناتراشیدہ ٹکڑے کی مانند ہے جو کسی غلیظ جگہ پڑا ہو۔ جب تک سنگ تراش اس کو کاٹ چھانٹ کر ایک خوبصورت شکل میں تبدیل نہ کرے۔ اسوقت تک آپ پتھر کی خوبصورتی اور اسکے جوہر نہیں دیکھ سکتے۔ اسی طرح ایک بچہ جب تک کہ اسکی تربیت خاص اصولوں کے ماتحت کافی غور و پرداخت کے ساتھ نہ ہو، قوم اور ملک کے لئے فائدہ مند ثابت نہیں ہو سکتا۔

وہ ایک انسان ہوگا مگر درندہ سے بدتر کہ وہ باوجود دل و دماغ رکھنے کے اسکی زندگی کا نصب العین سوائے اسکے اور کچھ نہ ہوگا کہ وہ عام جانوروں کی طرح کھائے پئے۔ جوں توں زندگی بسر کرے۔ اور اجل موعودہ کے آنے پر گمنامی کی قبر میں جا سوئے۔

میرے خیال میں تربیت ہی کی بدولت ایک انسان عام جانوروں سے ممتاز ہوتا ہے۔ پس ماں باپ کے "مقدس عہدے" پر فائز ہونیسے پہلے ہر انسان کا "بحیثیت انسان" ہونے کے یہ فرض ہونا چاہئے کہ وہ تربیت کے اصول و قوانین کا مکمل علم حاصل کرے۔

زمانۂ تربیت

بچے کی تربیت اسی وقت سے شروع کر دینی چاہئے جبکہ اس کے جسم کی عمارت زیر تعمیر ہو۔ نپولین کی ماں کہتی ہے کہ "جسوقت نپولین میرے پیٹ میں تھا۔ اس وقت میں جنگ اور فتح کی داستانوں کا مطالعہ کرتی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ نپولین ایک بہادر سپاہی اور فاتح اعظم ثابت ہوا"۔

اسیطرح انگلستان کے ایک بہت بڑے شاعر "ہومر" کی ماں کہتی ہے کہ "جس وقت ہومر میرے پیٹ میں تھا۔ اسوقت میں شاعروں کے عمدہ کلام کا مطالعہ کرتی تھی۔ جسکے نتیجہ کے طور پر میں کہہ سکتی ہوں کہ ہومر میرے پیٹ سے شاعر پیدا ہوا اور اسکے شاعر بنانے میں صرف میرا ہاتھ تھا"۔

اسی طرح آپ کو سینکڑوں مثالیں ملینگی، جنسے یہی ثابت ہوگا کہ بچہ کی تربیت اسکے پیدا ہونے سے پہلے ہی شروع کر دینی چاہئے۔ اور اگر اسکی تربیت زمانۂ حمل میں کیگئی اور اچھی طرح کیگئی تو سمجھ لیجئے کہ آپ نے تین چوتھائی فرض ادا کر دیا۔ (تمام چیزوں کا نہیں صرف تربیت کا) اور ایک چوتھائی تربیت باقی رہی جو اس کے پیدا ہونے کے بعد سے شروع ہوتی ہے۔ مگر میں فی الحال تربیت کے اسی حصے سے بحث کرونگا کیونکہ اسوقت کی ذراسی بھی لغزش بچے کی زندگی تباہ کر دینے کے لئے کافی ہے۔

اقسام تربیت!

اصل میں تربیت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک اخلاقی، دوسری جسمانی۔ دونوں تربیتیں ساتھ ہی ساتھ شروع ہونی چاہئیں۔

میں سردست مضمون کو مختصر کرنے کی خاطر بچے کی اخلاقی تربیت پر طائرانہ نظر ڈالونگا۔

نمونہ

بچہ عمل سے بہت جلد اثر قبول کر لیتا ہے۔ پس آپ کو چاہئے کہ بچوں کے سامنے کوئی ایسی ناشایستہ حرکت نہ کریں کہ اس کو دیکھکر

بچہ خود ویسا کرنے لگے تو آپ کو برا معلوم ہو اور آپ کے سر پر غصے کا بھوت سوار ہو جائے بچے کے دماغ کو قدرت نے کچھ اس طور سے بنایا ہے کہ جب وہ کوئی عمل اپنے سامنے ہوتا ہوا دیکھتا ہے تو خواہ وہ عمل اس کے لئے مفید ہو یا مضر اسکے دماغ میں منقش ہو جاتا ہے۔ اور جب کبھی اس کو کوئی سہارا ملتا ہے تو وہ نقوش ابھر آتے ہیں اور پھر وہ انکو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرتا ہے۔

آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ جب بچہ ہوشیار اور چلنے پھرنے کے قابل ہو جاتا ہے تو گھر کے اور لوگوں کو نماز پڑھتا دیکھکر خود بھی رکوع وسجود کرنے لگتا ہے۔ اس کو دیکھکر آپ کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ لیکن آپ کو یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ نماز کی خوبیوں کی وجہ سے ایسا نہیں کر رہا ہے۔ بلکہ وہ تو محض ایک نمونہ کی پیروی کر رہا ہے۔ اور بس ....!

پس آپ کو چاہئے کہ آپ اس کے لئے ایک بہتر نمونہ بنئے۔ تاکہ وہ اسکے مطابق عمل کرے۔

جس طرح بچہ عمل سے اثر لیتا ہے اسی طرح گفتگو سے بھی اثر پذیر ہوتا ہے۔ اسلئے اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا لڑکا عالم و فاضل بنے۔ تو اسکے سامنے ہمیشہ علم وفضل والوں کا تذکرہ کیجئے۔ اور اس قسم کی باتیں کیجئے کہ جس سے اس کے دل پر علوم وفنون کی عظمت کا سکہ بیٹھ جائے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا لڑکا ایک ہونہار اور بہادر لڑکا بنے تو آپ کو چاہئے کہ اس کے سامنے بزدلی کی باتیں نہ کریں۔ اور ایسی باتوں سے یہ نہ کہیں کہ "وہ آیا ہوّا" اور "وہ آیا بچا کا باپ" اور "وہ آئی میاں کی بھینس" بلکہ اسکی بجائے آپ ایسی باتیں کریں جس سے وہ بہادر ہونہار بنے۔ نہ کہ اس کے دل پر منحوس ڈر پہلے ہی سے نہ کہ لے۔

جو جو عادتیں آپ کو ناپسند ہوں اور آپ یہ چاہتے ہوں کہ وہ عادتیں آپ کے بچوں میں نہ پیدا ہوں تو آپ کو چاہئے کہ ان عادتوں کو ان کے سامنے قطعاً ظاہر نہ ہونے دیں۔ اسی طرح آپ جس قسم کی ان میں خصوصیات پیدا کرنا چاہتے ہوں، ویسا ہی ان کے سامنے عمل پیش کریں۔ اور ان کے لئے نمونہ بنیں۔

بچہ جب تک کسی مدرسہ یا مکتب میں نہ بیٹھے اسوقت تک اسکی تربیت کا بوجھ صرف والدین پر ہوتا ہے۔ مگر جسوقت کہ وہ تعلیمی دنیا میں داخل ہوتا ہے۔ اسوقت اسکی تربیت والدین اور استاد دونوں کے ذمہ ہوتی ہے اور وہی وقت ہوتا ہے کہ بچوں کو بری باتوں سے بچائیں اور ان میں اچھی عادتیں پیدا کریں۔

تعلیم کا زمانہ!

بعض والدین یہ خیال کرتے ہیں کہ بچے کو سکول میں داخل کرکے ہم اسکی تمام ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوگئے۔ یہ خیال بجائے خود غلط ہونے کے ایک حد تک خطرناک بھی ہے۔ اسلئے بچے کو مکتب میں بٹھانے کے بعد اس امر کا خاص خیال رکھنا چاہئے کہ وہ باہر سے کوئی بری بات یا عادت سیکھکر نہ آئے۔ اگر ایسا ہو جائے تو آپ کو اسکے دور کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

جب لڑکا بڑا ہو جائے اور بھول اور کانٹے میں تمیز کرنے لگے تو آپ کو اسکے رجحان طبع کا خاص خیال رکھنا چاہئے۔ جسطرف اسکی طبیعت کا میلان ہو اسی طرف اس کو ڈالنا چاہئے۔ یہ نہیں ہونا چاہئے کہ آپ کے فرزند کا رجحان تو علم کی طرف ہے اور آپ اس کو دکانداری یا سوداگری میں لگا دیں۔ ورنہ آپ کو یاد رکھنا چاہئے کہ وہ ایسی صورت میں ایک کامیاب سوداگر کبھی نہیں بن سکتا۔ اسکے برعکس اگر آپ کا فرزند علم سے کوئی لگاؤ نہیں رکھتا اور آپ کی مار پیٹ سے وہ پڑھ رہا ہے تو وہ علم اسکے لئے کوئی فائدہ مند ثابت نہیں ہو سکتا بلکہ اس سے وہ اپنی عمر کا قیمتی حصہ ضائع کر رہا ہے۔ ایسی حالت میں آپ کو چاہئے کہ اس کو ایسے کام میں لگائیں جسطرف کہ اس کا میلان ہو۔

آجکل کے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو والدین بننے کا تو بڑا شوق ہوتا ہے۔ مگر بچوں کی تربیت کا وہ بالکل خیال نہیں رکھتے۔

لاڈ پیار میں بچوں کو خراب کر دیتے ہیں۔

اگر آج انکی تربیت خاص توجہ سے کی جائے اور ان کے فطری جذبات و رجحانات کا خیال رکھا جائے تو انھیں میں سے وہ لوگ پیدا ہوں جو ہمارا قوم اور ملک کے لئے مسیح ثابت ہوں۔

بعض عورتوں کا خیال ہے کہ بچوں کی تربیت کا زیادہ تر بار مردوں پر ہے مگر یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ زیادہ تر بچے ماں کی صحبت میں رہتے ہیں۔ اور ماں کے پاس جو عورتیں آتی ہیں ان کے عادات و خصائل بچے دیکھتے ہیں اور ان سے اثر لیتے ہیں۔

لڑکیوں کی تعلیم

بعضوں کا خیال ہے کہ بچیوں کو تعلیم نہیں دینی چاہیے کیونکہ اس سے ان کے مزاج میں آزادی پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے کہ ان کے کیریکٹر کے بگڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

لیکن میرا خیال ہے کہ تعلیم ان پر بھی ایسی ہی فرض ہے جیسی کہ لڑکوں پر۔ اس سے میرا یہ مطلب نہیں کہ آپ ان کو مکمل بنائیں یا ایم "اے۔ بی" اے وغیرہ کرائیں۔ بلکہ ان کو مادری زبان میں اتنی تعلیم دیں کہ وہ ضروریات زندگی کی تکمیل اور امور خانہ داری کی نگہداشت بہترین طریقہ پر کر سکیں۔ اور تربیت کے فرائض باحسن وجوہ سرانجام دے سکیں کہ قصر انسانی کی تعمیر اسی پر منحصر ہے۔

اس موضوع کے کئی ایک پہلو ابھی تشنۂ بحث و تحقیق ہیں۔ اگر ناظرین نے خواہش ظاہر کی تو شاید "تربیت" کے تمام گوشوں پر تفصیلی روشنی ڈال سکوں گا۔

نگار۔ جیون

بچوں کی دنیا

چاند

مرسلہ جناب مسعود افضل صاحب بل بنگش نواب گنج دہلی

رات کے وقت آسمان پر روشن چاند اور چمکتے ہوئے ستارے خوب سجتے ہیں۔ چاند ستاروں کے بیچ میں پریوں کی ملکہ معلوم ہوتا ہے۔ یہ ہمیں رات کے وقت روشنی پہنچاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح سورج دن کو۔ اس کی ٹھنڈی اور خوشگوار روشنی چاندنی کہلاتی ہے۔ چاندنی اتنی تیز نہیں ہوتی جتنی کہ دھوپ۔ لیکن ہوتی ہے خوشگوار۔

سورج ایک جلتی ہوئی گیند ہے۔ جس کے اندر خود اپنی روشنی موجود ہے۔ مگر چاند جو ایک ٹھنڈی گیند ہے اپنی روشنی سورج سے حاصل کرتا ہے۔ یہ زمین کے بہت ہی نزدیک ہے اور سورج اور زمین دونوں سے چھوٹا ہے۔

جس زمانہ میں چاند بہت روشن اور گول ہوتا ہے۔ اس وقت اسے بدر کہتے ہیں۔ پھر یہ روز بروز چھوٹا ہوتا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ نظروں سے غائب ہو جاتا ہے۔ ایک یا دو دن کے بعد پھر ظاہر ہوتا ہے۔ اس وقت اسے ہلال کہتے ہیں پھر روز بروز یہ بڑھنا شروع ہوتا ہے.......... پندرہ دن کے عرصہ میں یہ پھر بدر ہو جاتا ہے۔ اس طرح ہر چار ہفتہ کے بعد ہم نیا چاند دیکھتے ہیں۔

چاند و جزر کا سبب بھی ہوتا ہے۔ مسلمان اپنی تقویم (یعنی مہینوں اور برسوں کا حساب) اسی سے متعین کرتے ہیں۔

ستارے جو آسمان پر چمکتے ہیں یہ بھی بہت بڑی بڑی گیندیں ہیں۔ اتنے چھوٹے اس لیے معلوم ہوتے ہیں کہ یہ ہم سے بہت دور ہیں۔

رات کے وقت آسمان تاروں سے بھرا رہتا ہے لیکن دن کے وقت یہ ہم کو نظر نہیں آتے۔ کیونکہ ان کے مقابلہ میں سورج کی روشنی بہت تیز ہوتی ہے۔

اکثر لوگ خیال کرتے ہیں کہ قسمت کا تعلق ستاروں سے ہے یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ میرے خیال میں ہمارے اعمال ہماری قسمتیں ہیں۔

آقا۔ (خادم سے) "ڈاک خانہ سے دو پیسہ والا ٹکٹ جلد لاؤ.."

خادم:۔ "اچھا حضور"

خادم:۔ (ڈاکخانہ کے بابو سے) "بابو صاحب دو پیسہ والے ٹکٹ کی قیمت کیا ہوگی؟"

بابو:۔ (ازراہ تمسخر) "ایک آنہ"

خادم:۔ (خوشامد سے) "نہیں بابو جی تین پیسے لے لو"

نماز کی محبت

(از محترمہ سعیدہ بیگم بنت محمد اسمٰعیل صاحب اللہ والے دہلی)

کسی کا لگتا سبق پہ جی ہے   کسی کا اس کھیل کی خوشی ہے
کسی کے دل میں کوئی ٹھنی ہو   غرض کہ ہر اک کو دھن بنی ہو

مجھے محبت نماز کی ہے

نماز جس دن سے پڑھ رہی ہوں   میں پاک ہستی میں آگئی ہوں
خوشی سی اک دل میں دیکھتی ہوں   الٰہی غافل نہ میں پھر کبھی ہوں

مجھے محبت نماز کی ہے

ہو شام کا وقت یا سویرا   ہو چاندنی یا کہ گھپ اندھیرا
ہو یا مصیبت نے مجھکو گھیرا   کبھی نہ کم ہوگا شوق میرا

مجھے محبت نماز کی ہے

ہو گرچہ آندھی نے زور باندھا   ہو چھایا مطلع پہ کو اندھیرا
نماز چھوڑونگی میں نہ حاشا   سبب اگر مجھ سے پوچھا اس کا

مجھے محبت نماز کی ہے

برس رہی ہی گھٹا ستم کی
گرج کے دیتا ہے ابر دھمکی
وہ رعد کڑکا وہ بجلی چمکی
نہ میں نے پھر بھی نماز کم کی

مجھے محبت نماز کی ہے

جو اتفاقاً سفر میں جاؤں
وضو سے ہرگز نہ جی چراؤں
نہ ٹھہرنے سے میں ہچکچاؤں
مصلاّ پردے میں جھٹ بچھاؤں

مجھے محبت نماز کی ہے

اگر ہو مجھکو مرض کی شدت
بڑھے یہانتک میری نقاہت
کہ بیٹھنے کی بھی ہو نہ طاقت
نماز پڑھتی ہوں پھر بھی حضرت

مجھے محبت نماز کی ہے

جو نہی موذن اذاں پکارے
میں چھوڑ دیتی ہوں دھندے سارے
نماز پڑھتی ہوں جا کنارے
مجھے نہیں کام ہیں پیارے

مجھے محبت نماز کی ہے

عید کا تحفہ

از جناب محمد یامین صاحب طاہر دہلوی

رشید اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا کچھ کتابیں درست کر رہا تھا کہ زاہد نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا:-

زاہد:- رشید تم ہر وقت کتابوں ہی میں پھنسے رہتے ہو۔۔۔ کچھ اور کام بھی ہے یا نہیں؟۔

رشید:- فرمایئے۔ کیا مطلب ہے؟

زاہد:- بھئی آج چاندرات ہے۔ دوستوں کو عید کارڈ بھیجنا ہے یا نہیں؟۔

رشید:- میاں چھوڑو بھی ان باتوں کو۔ ہر رسم اپنے وقت پر ہی اچھی معلوم ہوتی ہے۔ یہ بیسویں صدی ہے ہمکو زمانہ کے ساتھ چلنا چاہیئے۔

زاہد:- آپ کا اس سے مطلب کیا ہے؟۔

رشید:- یہی کہ اب عید کارڈ کا بھیجنا بند کیا جائے۔

زاہد:- پھر عید کے موقع پر کیا بھیجا جائے؟

رشید:- بھئی پہلے ہمیں یہ بتاؤ کہ کارڈ بھیجنے سے دراصل مقصد کیا ہوتا ہے؟

زاہد:- یہی کہ دوست کو یاد کرنے کا ایک ذریعہ ہوتا ہے۔

رشید:- اگر دوست کو عید کارڈ بھیجکر سال میں ایک دفعہ یاد کرنے کی بجائے کوئی ایسی چیز تم کو بتادیں کہ جب تک تمہارے دوست کے پاس وہ رہے جب تک وہ تم کو یاد کرتا رہے۔ تو یہ اچھا ہے یا نہیں

زاہد:- بہت اچھا ہے۔

رشید:- اپنے سوال کا جواب سنو۔ دوست کو تمام سال یاد کرنے کا ایک ذریعہ یہ ہے کہ بجائے عید کارڈ کے اس کو کتابیں بھیجی جائیں۔

زاہد:- واہ بھئی یہ بھی ایک ہی کہی کہ کتابیں بھیجدو۔ اس سے دوست کی یاد تمام سال کیسے رہ سکتی ہے۔

رشید:- تمام سال نہیں بلکہ جب تک اسکے پاس وہ کتاب ہے تمہاری یاد رہیگی کہ میرے دوست نے عید الفطر عید کے موقعہ۔۔۔۔ پر یہ ناول یا یہ ڈکشنری بھیجی تھی۔ وہ اس کو اچھی طرح حفاظت رکھے گا۔ لیکن کارڈ سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا اسلئے اس کو حفاظت سے نہیں رکھا جاتا۔

زاہد:- ہاں بھئی اب میں سمجھا۔ ہم لوگ بڑی بیوقوفی کرتے ہیں۔ ہمیں عید الفطر و عید الضحٰی ہی نہیں بلکہ کسی کی سالگرہ یا کسی کے پاس ہونے پر یا کسی اور خوشی کے موقع پر ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس سے ایک ہی فائدہ نہیں ہوتا کہ دوست کی یاد رہتی ہے۔ بلکہ اس سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ہماری زبان اور ہمارا ادب زندہ رہتا ہے۔ اور انکی زندگی ہماری زندگی ہے۔ واقعی ہم سخت غلطی کرتے ہیں۔ اب میں اپنے دوستوں کو کتابیں بھیجونگا اور ہر ایک کو اسکا مشورہ دونگا۔

معمہ کا حل

گذشتہ ماہ کے پرچے میں جو معمہ شائع کیا گیا تھا اس سے بچوں نے بہت دلچسپی لی۔ سوائے دو کے باقی سب بچوں نے جواب صحیح بھیجا۔ بموجب شرائط اس دفعہ انعام دوبارہ میاں محمد الیاس صاحب الله والے ولد جناب محمد اسمٰعیل صاحب الله والوں کو ملا۔ یاد رہے کہ گذشتہ مہینہ بھی آپ کو انعام ملا تھا۔ مندرجہ ذیل بچوں نے صحیح جوابات بھیجے :-

(۱) اہلیہ نواب محمد سلیم صاحب لکھنو۔ (۲) کے بیگم دختر جناب عبدالعزیز صاحب چوڑی والے۔ کلکتہ والے۔ (۳) عبدالمتین ولد جناب عبدالخالق صاحب الله والے دہلی (۴) عبدالجبار معرفت جناب محمد ابراہیم صاحب اینڈ سنز دہلی (۵) محمد صاحب ولد جناب محمد اسمٰعیل صاحب الله والے دہلی۔ (۶) آمنہ بیگم بنت جناب فضل حق صاحب شملوی دہلی (۷) عبدالجبار ولد جناب عبدالخالق صاحب الله والے دہلی۔ (۸) حافظ محمد عزیز الحق صاحب شمسی معرفت حافظ انوار الحق صاحب شمسی آگرہ (۹) محمد مشتاق احمد معرفت جناب محمد اسمٰعیل صاحب اینڈ سنز کلکتہ (۱۰) محمد الیاس صاحب ولد جناب محمد اسمٰعیل صاحب الله والے دہلی (۱۱) محمد عثمان صاحب شبلہ کلکتہ (۱۲) محمد رفیع صاحب طالب علم پنجابی سکول دہلی (۱۳) ممتاز بیگم معرفت جناب الیس نصیر الدین صاحب میرٹھ (۱۴) امۃ الحسین بنت جناب محمد صالحین صاحب کنگھی والے دہلی۔ (۱۵) الیس محمد عثمان صاحب ولد جناب علاؤ الدین صاحب میرٹھ (۱۶) سعیدہ بیگم صاحبہ بنت جناب محمد اسمٰعیل صاحب الله والے دہلی (۱۷) بلقیس بیگم معرفت جانسن سٹور میرٹھ (۱۸) محمد سعید صاحب معرفت جناب محمد ابراہیم صاحب اینڈ سنز دہلی (۱۹) نواب احمد صاحب میرٹھ (۲۰) ظفر الہٰی صاحب کانپور۔

غلط جوابات ان بچوں نے بھیجے ہیں :-

(۱) محمد صالحین صاحب ریشم والے۔ دہلی (۲) ضیف الله صاحب ولد جناب منشی کفایت الله صاحب

محترمہ بہن سعیدہ بیگم صاحبہ اور محمد صالحین صاحب ریشم والوں نے اپنی طرف سے معمہ شائع کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ لیکن معموں کے جوابات نہیں بھیجے۔ کیونکہ اسکی تمام ذمہ داری ہم پر آتی ہے۔ اسلئے جب تک معموں کے جوابات نہیں آئینگے۔ ہم شائع کرنے سے مجبور ہیں۔

نیا معمہ

(۱) مردم شماری سے کیا فائدہ ہے؟ (جواب مختصر)

(۲) مذہب نے سود لینے اور دینے کو کیوں حرام کیا ہے (جواب مختصر)

(۳) ہندوستان کے مسلمان تمام دنیا کے مسلمانوں سے کیوں اتنی محبت کرتے ہیں۔

(۴) سنتوں میں الحمد کے بعد سورت پڑھنی چاہئے یا نہیں۔

(۵) جاپان اور امریکہ میں کیوں کھینچا تانی ہو رہی ہے؟ (جواب مختصر)

(۶) امریکہ کا بادشاہ کون ہے؟

(۷) جاپان کا ڈکٹیٹر کون ہے؟۔

(۸) بادشاہ اور ڈکٹیٹر میں کیا فرق ہے؟ (جواب مختصر)

(۹) نام ہی اور روزنامچہ میں کیا لکھا جاتا ہے؟

(۱۰) بعض دکانوں یا کارخانوں کے نام کے ساتھ لمیٹڈ جاتا ہے۔ اسکا کیا مطلب ہے؟

جس بچے کے جوابات زیادہ سے زیادہ صحیح ہونگے اسکو اڈیٹر کی طرف سے پنجابی کلاتھ میل کا تیار کردہ ایک زنانہ یا مردانی قمیص کا کپڑا پیش کیا جائے گا۔

تین باپ

از جناب محمد ادریس ولد محمد اسمٰعیل صاحب اللہ والے بارہ دری نواب وزیر۔ دہلی

دین کے سردار وہ پیارے نبی ‌ ‌ جن کی باتیں ہیں صداقت سے بھری
سن ذرا کیا بات فرماتے ہیں آپ ‌ ‌ ساری دنیا میں ترے ہیں تین باپ
ایک والد دوسرا استاد ہے ‌ ‌ تیسرا وہ جس کا تو داماد ہے!
مہربانی تجھ پہ کرتے ہیں سبھی ‌ ‌ بھولنا احسان ان کا مت کبھی!
پیٹھ پیچھے لے ادب سے ان کا نام ‌ ‌ سامنے آئیں تو کر ان کو سلام
ان کی عزت فرض سے بڑھکر سمجھ ‌ ‌ ان کی خدمت قرض سے بڑھکر سمجھ
مرتبہ پہچان ان کا اے عزیز ‌ ‌ اس طرح کہلائے گا تو باتمیز
ہاں مگر ان سب میں افضل ہو وہی ‌ ‌ جسنے محنت سے تجھے تعلیم دی

گدگدیاں

(شوخ چشم کی قلم سے)

بانو:۔ خالہ اماں! تم اپنے چہرہ پر غازہ کیوں لگاتی ہو؟
خالہ:۔ تاکہ میں خوبصورت معلوم ہوں۔
بانو:۔ پھر تم خوبصورت کیوں نہیں معلوم ہوتیں؟

خریدار:۔ (دیہاتی دوکاندار سے) آپ کے ہاں اونٹ کے بالوں کا برش ہے؟
دوکاندار:۔ جی نہیں۔ یہاں گردونواح میں اونٹ نہیں پلتا۔

دلدار:۔ اگر ایسی نظروں سے دیکھو گی تو میں فوراً تمہیں پیار کروں گا۔
دلبر:۔ مگر ناہے تو کر چکو زیادہ دیر تک اس حالت کو قائم نہیں رکھ سکتی۔

ایک سٹر کلری کے چور مولیوں کے کھیت میں پہنچے اور مولیاں زور تور کر تھیلے میں بھرنے لگے۔ اتنے میں کھیت والا آپہنچا۔ پوچھا "حضرت یہ کیا کرتے ہو؟"
چور نے برجستہ کہا۔ بھائی آندھی بڑے زور سے آئی میں بھی میں اڑ کر اس کھیت میں آپڑا۔ چاہتا تھا کہ مولیوں کے پودوں کو پکڑ پکڑ کر آندھی سے محفوظ ہو جاؤں گا۔ لیکن جس پودے کو پکڑا وہی اکھڑ گیا۔ اسطرح یہ بہت سی مولیاں اکھڑ گئیں۔
کھیت والے نے پوچھا۔ حضرت یہ تو بتایئے کہ یہ تھیلا کہاں سے آیا۔
چور نے کہا:۔ یہی میں سوچ رہا ہوں کہ یہ تھیلا کہاں سے آیا۔

ڈاکٹر:۔ دیکھو میم صاحبہ کو دوائی پلاتے وقت ہلا کر پلانا۔ (دوائی ہلانا)
خانساماں:۔ (دوائی پیتے وقت) میم صاحبہ۔ ٹھہریے ٹھہریے۔ ایک بات یاد آئی۔ یہ کہکر زور سے دوڑا اور دوائی پینے سے پیشتر میم صاحبہ کو اسقدر جھنجھوڑا کہ وہ بے ساختہ چیخنے لگیں۔

ایک شخص نے اخبار کے دفتر میں آکر یہ شکایت کی کہ تمہارے اخبار میں میرے مرنے کی خبر درج ہوئی ہے وہ غلط ہے لہذا تردید کیجئے۔
اخبار کے ایڈیٹر نے کہا:۔ ہمارے یہاں کسی خبر کی تردید کرنے کا قاعدہ نہیں ہے۔ لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ کل آپکو پیدائش کے خانہ میں دکھا دیا جائے۔

مہمان:۔ کیا تمہارا باپ گھر میں ہے؟
چھوٹی لڑکی:۔ مہربانی فرما کر اپنا نام بتایئے۔
مہمان:۔ ان سے کہدو کہ تمہارا پرانا دوست مسٹر لال تم سے ملنے آیا ہے۔
چھوٹی لڑکی:۔ وہ گھر میں نہیں ہیں۔ کیونکہ میں نے بارہا انھیں اماں سے کہتے ہوئے سنا ہے کہ جب کوئی لال آئے تو کہہ دیا کرو کہ میں گھر پر نہیں ہوں۔

پرتھوی راج اور سنجوگتا

سالہا سال پہلے کا ذکر ہے کہ راجستان میں ایک نوجوان راجپوت شہزادہ رہتا تھا۔ جس کا نام پرتھوی راج تھا وہ بہت بہادر اور خوبصورت جوان تھا۔ اور بہت سی لڑائیاں جیت چکا تھا۔

راجستان میں ایک دوسرا راجہ جے چند بھی تھا۔ اسکی ایک نہایت خوبصورت لڑکی تھی۔۔۔۔۔۔ جس کا نام سنجوگتا تھا۔ وہ جتنی خوبصورت تھی اتنی نیک بھی تھی اور بہت سے شہزادے اس سے شادی کرنے کے خواہشمند تھے۔ پرتھوی راج کی دایا نہایت عقلمند عورت تھی۔ وہ سنجوگتا کے پاس گئی۔ اور اس کو پرتھوی راج کی بہادری کے کارنامے سنائے۔

راجہ جے چند پرتھوی راج کو پسند نہیں کرتا تھا اسلئے وہ اپنی لڑکی کی شادی اسکے ساتھ کرنا نہیں چاہتا تھا۔

ایک دن جے چند نے سنجوگتا کا سویمبر (انتخاب شوہر کی رسم) منعقد کیا۔ اس موقع پر شہزادی کو اپنے خاوند کا انتخاب کرنا تھا۔ اس کے پاس ایک کنٹھا تھا جو اُسے اپنے پسند کئے ہوئے شہزادے کے گلے .... میں ڈالنا تھا۔

اس موقعہ پر جے چند نے تمام راجاؤں اور شہزادوں کو جمع کیا۔ لیکن پرتھوی راج کو نہیں بلایا۔ بلکہ اس مذاق اڑانے کے لئے دروازے کے چوکیدار کی جگہ اس کا بُت کھڑا کر دیا۔

سویمبر کا دن آیا۔ سینکڑوں شہزادے اور راجہ مختلف ملکوں سے شہزادی کے حاصل کرنے کی امید میں جمع ہوئے اور پرتھوی راج کا بت دروازے پر دیکھکر خوب ہنسے۔

آخر کار شہزادی کمرے میں آئی۔ سنجوگتا اپنے ہاتھوں میں پھولوں کا کنٹھا لئے ہوئے چلی۔ وہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلی گئی۔ اور دروازے پر کھڑے ہوئے بت کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالدیا۔

باہر پرتھوی راج چھپا ہوا سب تماشہ دیکھ رہا تھا۔ اس نے فوراً سنجوگتا کو گود میں اٹھالیا اور گھوڑے پر بٹھا کر دہلی کی طرف روانہ ہوگیا۔ جے چند دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔

محمد افضل - دہلی

مالکہ:- (فقیر سے) میں تم کو یہ کوٹ یقیناً دے دیتی لیکن یہ بڑا ہے اور تمہارے جسم پر ڈھیلا ہے۔

فقیر:- بیگم صاحبہ! آپ چند روز مجھے اپنے ہاں مہمان رکھ لیجئیگا۔ پھر یہ کوٹ میرے جسم پر بالکل ٹھیک آئے گا۔

محمد ادریس

پنجابی دنیا

شذرات

ایڈیٹر کے قلم سے

جیپور کی برادری میں صلح و آشتی کا دور دورہ

گذشتہ ماہ پنجابی گزٹ میں انہی صفحات پر ریاست جیپور کی برادری کے اختلافات کے متعلق ایک نوٹ لکھا گیا تھا جس میں دونوں پارٹیوں کے باوقار لوگوں سے اختلافات دور کرنے کی درمندانہ درخواست کی گئی تھی

ناظرین پنجابی گزٹ کو یہ جان کر انتہائی مسرت ہوگی کہ جناب ایس، ایم، اسلام صاحب سوداگر جنرل مرچنٹس اور جناب منشی ظہور محمد صاحب سابق میونسپل کمشنر وکیل محکمہ عالیہ چیف کورٹ جیپور کے دلوں میں خداوند رحیم نے مصالحت کی بنا ڈالی اور ان دونوں بزرگوں نے جھوٹے وقار کو خیرباد کہہ کر سچا وقار حاصل کیا۔ متذکرہ بالا اصحاب نے فرداً فرداً اطلاع دی ہے کہ قوم کے اختلافات دور کرا دئے گئے۔ اور خانہ فضا میں بیٹھ کر گذشتہ رنجشوں کو خیرباد کہا گیا اور آئندہ کے لئے صلح صفائی کی گئی۔ نیز دونوں بزرگوں نے پنجابی گزٹ کی طرف سے اس تحریک کے اٹھائے جانے پر اور اس کا سہرا بانی تحریک کے سر باندھنے کی کوشش کر کے اس غریب کو ایسے گڑھے میں ڈالنے کی کوشش کی ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے راندہ درگاہ ہو جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب خداوند کریم کسی قوم پر اپنی مہربانی فرماتا ہے تو اس کے لئے چند وسائل پیدا کر دیتا ہے۔ میری دعا ہے کہ وہ آپ کی مصالحت اور محبت میں استقلال دے۔ قوم کے امراء غریبوں کی بھلائی میں اپنی بھلائی تصور کریں۔ اور غریبوں کے دل میں یہ رشک پیدا ہو کہ خدا ہمکو بھی نیک مزدوری دے کر مالدار کر دے۔ نہ کہ امراء بھی ہم جیسے ہو جائیں۔ اور دونوں ملکر ایک ایسی عمارت تعمیر کریں جسمیں اینٹ اور چونے کی علیحدگی ظاہر نہ ہو۔ آمین

آنولہ پنجابی لیگ کی قابلقدر کوششیں

اسوقت جو سب سے بڑی قومی خدمت کی جا سکتی ہے وہ قوم میں انڈسٹری قائم کر کے بیکار لوگوں کو برسر کار لگانا ہے۔ آپ کو یہ سنکر یقیناً مسرت ہوگی کہ آنولہ پنجابی لیگ نے اس سلسلہ میں ایک ٹھوس پروگرام بنایا ہے اور اس پر عمل شروع ہو گیا ہے۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں بھائی مقصود احمد صاحب اور سکریٹری صاحب پنجابی لیگ دلی تشریف لائے تھے۔ یہاں ان کا قیام دو روز رہا۔ اس دوران میں انہوں نے سوت ۔۔ پچک کے گوٹے کی انڈسٹری کے متعلق ضروری معلومات اور سامان فراہم کرنے کے لئے ضروری ہدایات لیں۔ معلوم ہوا ہے کہ پنجابی لیگ آنولہ اس صنعت کو فی الحال چھوٹے پیمانہ پر لمیٹڈ قسم کی صورت سے اس کے حصے فروخت کر کے شروع کرنا چاہتی ہے۔ خداوند کریم انکی کوششوں کا اجر دے۔ اور کامیاب کرے۔ اور جلد وہ دن آئیں کہ آنولہ کو ہم ایک دوسرا دیال باغ دیکھیں۔

کانپور میں سرسراہٹ

معلوم ہوا ہے کہ کانپور کی برادری کے نوجوان اپنے ہاں لیگ بنانا چاہتے ہیں جو قوم میں سے رسوم قبیحہ کی کلی انسداد کے لئے کوشش کریگی۔ تجویز نہایت مناسب ہے۔ لیکن اس کے لئے استقلال کی ضرورت ہے۔ اگر کانپور برادری کے نوجوان اپنے میں ذرا بھی لغزش دیکھیں تو

برائے خدا رسوم قبیحہ کی اصلاح کے بجائے کوئی دوسرا پروگرام اپنے لئے تجویز کریں۔ ایسا نہ ہو کہ مراد آباد۔ آگرہ کی طرح اس تحریک کا بیڑہ اٹھا کر معلق چھوڑ دیں اور آنے والی نسل کی بھی ہمت پست کر دیں۔ اگر آپ نے استقلال سے کام کیا تو کامیابی یقینی ہے۔ دلی کی مثال سے آپ بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

آہ حاجی عبدالغنی صاحب چل بسے

حاجی عبدالغنی صاحب مرحوم کراچی والوں کا تعارف قوم سے اور خصوصاً حاجیوں سے کرانا گویا انکی شخصی اہمیت کو کم کرنا ہے آپ ایسے شخص تھے جو اپنی زندگی کیلئے ایک مخصوص خدمت اپنا فرض منصبی بنا لیتے ہیں اور اسی خدمت میں اتنے مستغرق ہو جاتے ہیں گویا اسی میں فنا ہو جاتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ جو خدمت آپ کرتے تھے وہ قلم سے نہیں لکھی جا سکتی۔ اس کا اندازہ صرف اس کو ہو سکتا ہے جو دس دن متواتر ایک قید خانہ میں رہ کر جسمیں نیچے پانی اور اوپر آسمان ہو آیا ہو۔ اور خشکی پر قدم رکھکر اس کو ایسا رفیق ملجائے کہ اسکی تمام مصیبتیں اپنے کاندھوں پر لیکر اس کو آزاد کر دے۔ اس کے علاوہ حاجی صاحب کا اخلاق و سخاوت زبان زد عام ہو چکا تھا۔ ایسے شخص کے اچانک انتقال پر حاجیوں کو جتنی تکالیف ہونگی وہی جان سکتے ہیں۔ اس حادثہ جانکاہ پر جو تمام مسلمانوں کے لئے صدمہ کا باعث ہوا ہے۔ ہم ان کے اہل و عیال اور خصوصاً بھائی محمد عبداللہ صاحب سے دلی ہمدردی رکھتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ ان کو بھی اتنی ہمت، استطاعت اور ہردلعزیزی عطا فرمائے جو وہ اپنے والد بزرگوار کیطرح اس اہم خدمت کو انجام دے سکیں۔ خداوند تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین۔

(بقیہ صفحہ)

صاحب گوٹہ والے معہ خطوط موصولہ پیش ہوئی اور قرار پایا کہ صدیق صاحب کالیہ و اسلام الدین صاحب گوٹہ والے سے بیان تحریری لیا جائے کہ اشیار خلاف ورزی واپس ہو چکی ہیں۔ نیز ہر دو خلاف ورزیوں کی مد میں گیارہ گیارہ روپے بطور تاوان وصول کئے جائیں اور اسلام الدین صاحب گوٹہ والوں سے بھی حلفیہ تحریری بیان لیا جائے۔ نیز ہر دو خلاف ورزیوں پر پانچ پانچ روپے بطور تاوان وصول کیا جائے۔

(۳) معاملات خلاف ورزی حاجی عبدالرزاق صاحب و محمد شفیع صاحب اللہ والے و حاجی نصیر الدین صاحب اللہ والے و فضل الٰہی صاحب گلاس ویر والے۔ نور احمد صاحب اللہ والے و محمد اشفاق صاحب اللہ والے پیش ہوا اور خطوط موصولہ آئندہ کیلئے ملتوی کئے گئے۔

(۴) دیگر معاملات بھی آئندہ کیلئے ملتوی کئے گئے۔

اسکے بعد جلسہ بخیر و خوبی ۹ ½ بجے شب ختم ہوا۔

شعبہ اصلاح رسوم کا جلسہ ۱/۱۲ کو ہونا قرار پایا تھا۔ لیکن کورم پورا نہ ہونے کیوجہ سے ملتوی کیا گیا۔

شعبہ اصلاح رسوم کا جلسہ ملتوی شدہ ۱/۱۲ ۱ کو ہونا قرار پایا تھا لیکن بارش ہونے کے سبب سے ممبران نہیں آئے مجبوراً جلسہ ملتوی کرنا پڑا۔

شعبہ اصلاح رسوم کا ملتوی شدہ جلسہ ۱۴ جنوری ۱۹۵۹ء کو ہونا قرار پایا تھا۔ لیکن کورم پورا نہ ہونے کی وجہ سے ملتوی کیا گیا۔ نیز شعبہ ہذا کا ملتوی شدہ جلسہ بتاریخ ۲۸ کو ہونا قرار پایا تھا لیکن کورم پورا نہ ہونے کی وجہ سے مجبوراً ملتوی کرنا پڑا۔

کارروائی مجلس منتظمہ پنجابی یوتھ لیگ۔ دہلی

بتاریخ ۱۲/۴۰ ۲۰ بروز ہفتہ بوقت ۱/۲ ۸ بجے شب پنجابی یوتھ لیگ کی مجلس منتظمہ کا جلسہ زیر صدارت جناب محمد سعید صاحب چمڑہ والے بمقام بیڈن کلب منعقد ہوا۔ جسمیں مندرجہ ذیل حضرات شریک ہوئے۔

(۱) انیس الرحمٰن صاحب (۲) محمد احمد صاحب بیمہ والے (۳) محمد یوسف صاحب کپڑے والے (۴) فضل مبین احمد صاحب (۵) محمد سعید صاحب چمڑہ والے (۶) محمد تقی صاحب کشتی والے (۷) انوار الحق صاحب حقی (۸) محمد یوسف صاحب کٹھوریہ (۹) شجاع الدین صاحب پیتل والے (۱۰) محمد رفیع صاحب کپڑے والے۔

بعد تلاوتِ کلام پاک حسب ذیل کارروائی طے کیگئی۔

(۱) سابقہ اجلاس منعقدہ ۱۲/۴۰ ۵ و ۱۲/۴۰ ۱۲ کی کارروائیاں تصدیق کی گئیں۔

(۲) مندرجہ ذیل تجویز (منظور شدہ جلسہ مجلس ہذا منعقدہ ۱۱/۴۰ ۲۳ و منظور شدہ برائے خواندگی دویم جلسہ منعقدہ ۱۲/۴۰ ۵) برائے خواندگی سویم پیش کیگئی اور بہ ترمیم ہذا اکثرت آرا سے منظور کیگئی۔ مجلس منتظمہ کے اجلاس کم از کم ہر جمعرات کو منعقد ہوا کریں۔

(۳) تجویز منجانب جنرل سکریٹری صاحب کہ انچارج و نائب انچارج صاحبان شعبہ اصلاح رسوم کے لازمی رکن قرار دئے جائیں پیش ہوئی اور متفقہ طے پایا کہ انوار الحق صاحب حقی کی مندرجہ ذیل ترمیم پر آئندہ عملدرآمد کیا جائے کہ کنوینر شعبہ اصلاح رسوم کو حق ہوگا کہ معاملات متعلقہ کے علاوہ انچارج و نائب انچارج کو جلسہ میں مدعو کرے نیز انچارج صاحبان موصوف کو مکمل حق رائے دہی حاصل ہوگا۔

(۴) تجویز منجانب انیس الرحمٰن صاحب پنجابی یوتھ لیگ کی مجلس منتظمہ کا یہ جلسہ لیگ ہذا کے دستور اساسی پر غور کرنے کے لئے ایک سب کمیٹی بناتا ہے جو اسپر غور کرنے کے بعد اپنی سفارشات کے ساتھ جلد از جلد مجلس ہذا کے جلسہ میں پیش کرے۔ تجویز مذکورہ باتفاق آرا منظور ہوئی۔ نیز بکثرت آرا قرار پایا کہ سب کمیٹی کے مندرجہ ذیل ۵ حضرات رکن ہونگے جنہیں دیگر ممبران مجلس منتظمہ سے امداد لینے کا حق حاصل ہوگا۔

(۱) انیس الرحمٰن صاحب (۲) محمد تقی صاحب تونسوی (۳) محمد احمد صاحب (۴) انوار الحق صاحب (۵) نواب قمر الاسلام صاحب چاندنہ

(۵) تجویز منجانب محمد یوسف صاحب کٹھوریہ کہ شیخ محمد اسمٰعیل صاحب سے مبلغ ۶۰ روپے وصول کئے جاویں۔ پیش ہوئی اور متفقہ قرار پایا کہ سکریٹری صاحب معہ اپنی رپورٹ و متعلقہ کاغذات آئندہ پیش کریں۔

(۶) محمد نعمان صاحب چوتھائی کا استعفےٰ پیش ہوا اور سکریٹری صاحب نے بتایا کہ ممبر مذکور نے اپنا استعفےٰ واپس کئے جانے کی درخواست کی ہے۔ استعفےٰ واپس کیا جائے۔

(۷) نور احمد صاحب بنڈ کا استعفےٰ پیش ہوا اور قرار پایا کہ افسوس کیساتھ منظور کیا جائے۔ نیز اُن پر جو رقم لیگ کی واجب ہے وہ برابر کرلیجائے۔

(۸) باجازت صاحب صدر تجویز منجانب اخبار بورڈ پیش ہوئی اور متفقہ طے پایا کہ مبلغ پندرہ روپے ماہوار ماہ دسمبر ۱۹۴۰ء سے پنجابی گزٹ کو ادا کئے جائیں۔

بتاریخ ۲۴/۱/۴۴ بروز جمعرات بوقت ۸½ بجے شب جلسہ منتظمہ کمیٹی پنجابی یوتھ لیگ بمقام قطب روڈ در دفتر انجمن وکیل قوم پنجابیان زیر صدارت جناب حاجی محمد رفیع صاحب کپڑے والے منعقد ہوا۔ حسب ذیل حضرات نے شرکت جلسہ فرمائی۔

(۱) حافظ ارشاد احمد صاحب کٹھور یلم (۲) حافظ انوار الحق صاحب حقی۔ (۳) محمد صالحین صاحب (۴) حاجی محمد رفیع صاحب کپڑے والے (۵) محمد رفیع صاحب کالیہ۔ (۶) شجاع الدین صاحب پیتل والے۔

بعد تلاوت کلام پاک حسب ذیل کارروائی شروع کی گئی۔

(۱) سابقہ کارروائی مورخہ ۲۸-۱۲-۴۳ کی تصدیق کی گئی۔

(۲) دیگر امور باجازت صاحب صدر

(الف) شعبہ اصلاح رسوم کی خالی ایک جگہ کو پر کرنے کیلئے جناب حافظ ارشاد احمد صاحب کٹھوریہ کا نام پیش ہوا۔ جو متفقہ طور پر منظور کیا گیا۔

(ب) حافظ انوار الحق صاحب حقی نے تجویز پیش کی انچارج و نائب انچارج کو بیاب وقت اطلاع نہ دیجائے۔ پیش ہو کر قرار پایا کہ آئندہ جلسہ میں پیش ہو۔

(ج) حافظ انوار الحق صاحب حقی نے تجویز پیش کی کہ خزانچی صاحب سے درخواست کی جائے کہ منظور شدہ جلسوں کے ماتحت ہر ماہ کے پہلے اجلاس میں گوشوارہ بھیجنے کی سختی سے پابندی کریں۔

(د) محمد رفیع صاحب کالیہ نے تجویز کیا کہ اس جماعت کا ہر رکن پنجابی گزٹ کا خریدار بنے اور یہ جلسہ اخبار بورڈ سے درخواست کرتا ہے کہ وہ ممبران سے آدھا چندہ وصول کرے۔ پیش ہو کر قرار پایا کہ تجویز ایجنڈے میں چڑھا کر آئندہ جلسہ میں پیش ہو۔

(ر) تجویز شجاع الدین صاحب پیتل والے نے پیش کی کہ ..... ممتاز الدین صاحب چوغتائی نے حلف نامہ پر ابتک دستخط نہیں کئے پیش ہو کر قرار پایا کہ آئندہ جلسہ میں دفتر تمام ایسے ممبران کا نام پیش کرے جن کا حلفنامہ یا چندہ وصول نہ ہوا ہو۔

کارروائیاں شعبۂ اصلاح رسوم

بتاریخ ۲۳/۱/۴۴ بروز اتوار بوقت ۸½ بجے شب بمقام رنگ محل بر مکان محمد صدیق صاحب کراچی والے ملتوی شدہ جلسہ شعبہ اصلاح رسوم زیر صدارت جناب انیس الرحمٰن صاحب منعقد ہوا۔ حسب ذیل حضرات نے شرکت جلسہ فرمائی۔

(۱) محمد صدیق صاحب کراچی والے (۲) فضل مبین احمد صاحب (۳) انیس الرحمٰن صاحب (۴) قمر الاسلام صاحب چاندنہ (۵) عبد المتین صاحب انبالہ والے (۶) حاجی محمد رفیع صاحب کپڑے والے (۷) محمد عمر صاحب لیس والے۔ بعد تلاوت کلام پاک حسب ذیل کارروائی شروع کی گئی۔

(۱) گذشتہ کارروائی جلسہ منعقدہ ۱۴/۱/۴۴ کی تصدیق کی گئی۔

(۲) خلاف ورزیاں مندرجہ ذیل پر غور کیا گیا۔

(الف) معاملہ شیخ عبد الستار صاحب گھڑی والے و حاجی نور الدین صاحب گھڑی والے پیش ہو کر قرار پایا کہ حلفنامہ لیکر معاملہ داخل دفتر کیا جاوے۔

(ب) معاملہ شیخ محمد رفیع صاحب چانولہ و شیخ عبد الخالق صاحب اسٹو والے پیش ہوا اور قرار پایا کہ ان سے ملکر حلفنامہ تحریر کرایا جائے اگر حلفنامہ لکھا دیں تو معاملہ داخل دفتر کیا جاوے۔

(ج) معاملہ شیخ محمد شفیع صاحب پیتل والے و محمد رفیع صاحب کیمٹی والے پیش ہوئی اور قرار پایا کہ ان کے خطوں کا جواب لکھا جاوے اور اسمیں گھڑی کے لین دین کی بابت بھی لکھا دے۔

(د) معاملہ شیخ فضل الرحمٰن صاحب کشمیر والے و شیخ عبد الستار صاحب لائٹین والے پیش ہوا اور آئندہ کیلئے ملتوی کیا گیا۔

(۳) معاملہ حاجی نصیر الدین صاحب اللہ والے پیش ہوا کہ بموجب فیصلہ ثالث صاحب حلقہ نمبر ۲ پھاٹک حبش خاں مبلغ اکیس ۲۱ روپیہ زرتاوان وصول ہو چکا ہے۔ لہذا مسل داخل دفتر کیگئی۔

(۴) قرار پایا کہ مندرجہ ذیل تجویز شعبہ ہذا کی طرف سے لیگ ہذا کی مجلس منتظمہ میں پیش کیجائے۔

تجویز:۔ تشریح طلب دفعات دستور العمل مجوزہ قوم کو تمام ناظمان علاقہ جات کے ایک جلسہ میں پیش کرکے ان کی ان سے وضاحت کرائی جائے۔ جلسہ میں صدر، سکریٹری و نواب قمر الاسلام صاحب چاندنہ بحیثیت نمائندہ لیگ شریک ہوں۔

(۵) علاقہ نمبر ۴ بارہ ہندو راؤ وغیرہ کے نائب انچارج کیلئے محمد نواب صاحب چوتھائی منتخب کئے گئے۔

اسکے بعد جلسہ بخیر و خوبی ½۱۰ بجے شب ختم ہوا۔

بتاریخ ۲۹/۱۱ بروز جمعرات بوقت ½۸ بجے شب پنجابی یوتھ لیگ کے شعبہ اصلاح رسوم کا جلسہ زیر صدارت محمد نقی صاحب نور بمقام بیڈن کلب منعقد ہوا جسمیں مندرجہ ذیل حضرات نے شرکت کی۔

۱۔ محمد نقی صاحب نور ۲۔ صبغۃ اللہ صاحب بنارس والے ۳۔ محمد یوسف صاحب کٹھوریہ ۴۔ محمد رفیع صاحب کالیہ ۵۔ محمد نقی صاحب کشتی والے ۶۔ انوار الحق صاحب جنتی ۷۔ حاجی قمر الاسلام صاحب چاندنہ ۸۔ فضل مبین احمد صاحب۔

بعد تلاوت کلام پاک حسب ذیل کارروائی کیگئی۔

(۱) سابقہ کارروائی کی تصدیق کیگئی۔

(۲) رپورٹ پیش کیگئی کہ حاجی نور الدین صاحب گھڑیوالوں نے اپنے داماد محمد شفیع صاحب گھڑیوالوں کو عیدی کے چودہ ۱۴ روپے بھیجے ہیں۔ قرار پایا کہ طرفین کو تحقیقاتی چٹھی بھیجی جائے۔ اسکے بعد دوسرے جلسے میں پیش ہو۔

(۳) رپورٹ پیش کیگئی کہ محمد رفیع صاحب پیتل والوں نے عید کے موقعہ پر محمد رفیع صاحب بمبئی والوں کے ہاں ایک بند ڈبیہ میں چند اشرفیاں بھیجیں۔ اپنی بہو کی عیدی میں۔ قرار پایا کہ تحقیقاتی چٹھی بھیجی جاوے۔

(۴) رپورٹ پیش ہوئی کہ محمد یوسف صاحب بمبئی والوں نے اپنی بہنوں کو مبلغ ساٹھ روپے اور طلائی زیور دو دو ڈھلائی بھی دیا۔ جبکہ ان کے ہاں فرزند ۲۹/۱۱ کو پیدا ہوا ہے۔ طے ہوا کہ تحقیقاتی چٹھی طرفین کو لکھی جاوے۔

(۵) قرار پایا کہ آئندہ سے تمام مجوزہ اطلاعات خلاف ورزیوں پر سکریٹری طرفین کو تحقیقاتی چٹھی روانہ کردیں۔ بعدہٗ وہ معاملات جلسہ میں پیش کئے جاویں۔

اسکے بعد جلسہ بخیر و خوبی ½۹ بجے شب ختم ہوا۔

پنجابی یوتھ لیگ کے شعبہ اصلاح رسوم کا جلسہ بتاریخ ۱۱/۱۲ بوقت ½۸ بجے شب زیر صدارت حاجی محمد رفیع صاحب کپڑے والے بمکان حاجی محمد رفیع صاحب کپڑے والے منعقد ہوا۔ جسمیں مندرجہ ذیل حضرات شریک ہوئے۔

۱۔ حاجی محمد رفیع صاحب کپڑے والے۔ ۲۔ محمد نقی صاحب نور ۳۔ محمد نقی صاحب کشتی والے ۴۔ فضل مبین احمد صاحب ۵ محمد یوسف صاحب کٹھوریہ۔

بعد تلاوت کلام پاک حسب ذیل کارروائی طے ہوئی۔

(۱) کارروائی سابقہ جلسہ مورخہ یکم دسمبر ۱۹۴۰ء کی تصدیق کیگئی۔

(۲) معاملہ خلاف ورزی شیخ محمد صدیق صاحب کالیہ و محمد اسلام الدین

(بقیہ صفحہ   پر)

پیدائش

نمبر شمار	تاریخ اندراج	تاریخ پیدائش	نام بچہ	باپ کا نام معہ ولدیت	بچہ کے نانا کا نام	گلی یا محلہ	علاقہ نمبر مکان
۲۰۰	۲۵ ۱۱/۴۰	۲۵ ۱۱/۴۰	رئیسہ بیگم	فضل الٰہی ولد کرم الٰہی	خیر اللہ	باڑہ ہندو راؤ کی گلی	نمبر ۱۳
۲۰۱	۲۹ ۱۱/۴۰	۲۹ ۱۱/۴۰	محمد یامین	محمد شفیع ولد حاجی محمد رفیع شیشے والے	حاجی محمد عابد چھتری والے	چھتہ حاجی مولا بخش احاطہ کالے صاحب	نمبر ۶
۲۰۲	۲۷ ۱۱/۴۰	۲۰ ۱۱/۴۰	محمد	محمد عثمان ولد حاجی محمد عثمان چوبھائی	ظہور احمد گھڑی والے	کشن گنج	ع ۱۳
۲۰۳	۲۸ ۱۱/۴۰	۲۸ ۱۱/۴۰	لڑکا	محمد نقی ولد بخش الٰہی تار والے	محمد یامین شاہدرہ والے	نوا بگنج	ع ۱۲
۲۰۴	۲۹ ۱۱/۴۰	۲۹ ۱۱/۴۰	محمد یوسف	محمد صدیق ولد محی الدین کٹھورتہ	شمس العارفین	کشن گنج	ع ۱۲
۲۰۵	۳۰ ۱۱/۴۰	۳۰ ۱۱/۴۰	محمد زکی	محمد رفیع ولد محمد عمر گلٹ والے	شمس العارفین گلاس ویر مرچنٹ	باڑہ ہندو راؤ	〃
۲۰۶	۱ ۱۲/۴۰	۱ ۱۲/۴۰	محمد سمیع	حاجی محمد الیاس ولد فضل عظیم	حاجی محمد جان پیٹھے والے	باغیچی اچھے جی	〃
۲۰۷	۲ ۱۲/۴۰	۲ ۱۲/۴۰	جمیل احمد	محمد یونس ولد محمد یعقوب۔	حاجی زین العابدین	باڑہ ہندو راؤ چھتہ نواب صاحب	〃
۲۰۸	۳ ۱۲/۴۰	۳ ۱۲/۴۰	فصیح الدین	شجاع الدین ولد حاجی بشیر الدین سوت والے	محمد یعقوب مرحوم	نئی مسجد متصل پل بنگش نوا بگنج	ع ۱۲
۲۰۹	۴ ۱۲/۴۰	۴ ۱۲/۴۰	ماہ طلعت بیگم	حاجی محمد بلال ولد محمد صدیق لوہے والے	حاجی محمد رفیع برتن والے	گلی ہنگا بیگ پھاٹک حبش خاں	ع ۳
۲۱۰	۵ ۱۲/۴۰	۵ ۱۲/۴۰	چمن آرا بیگم	محمد نور الدین ولد وزیر الدین چوبھائی	محمد اسمٰعیل	باڑہ ہندو راؤ کوٹھی میم	ع ۱۳
۲۱۱	۷ ۱۲/۴۰	۷ ۱۲/۴۰	شمسہ خاتون	محمد ادریس ولد عبد الکریم ہوٹل والے	حاجی محمد عابد چھتری والے	گلی پینہ والی بلیماران	ع ۹
۲۱۲	۸ ۱۲/۴۰	۸ ۱۲/۴۰	فاطمہ بی	نور الحق پٹنہ والے	حاجی وحید الدین دفتری	بارہ دری نواب بنگش	ع ۳
۲۱۳	۹ ۱۲/۴۰	۹ ۱۲/۴۰	صالحہ خاتون	محمد عثمان ولد نور احمد گھڑی والے	محمد اسحٰق دوائی والے	گلی چابک سواران	ع ۶
۲۱۴	۱۰ ۱۲/۴۰	۸ ۱۲/۴۰	محمد عثمان	محمد عمر ولد محمد شفیع بیپاری	کرم الٰہی بخش بکس والے	گلی رنگ والی	ع ۲
۲۱۵	۱۱ ۱۲/۴۰	۵ ۱۲/۴۰	لڑکا	عبد الحمید ولد عبد الرشید کشتی والے	عبد الحق دوائی والے۔	باڑہ ہندو راؤ	۱۳۰
۲۱۶	۱۲ ۱۲/۴۰	۷ ۱۲/۴۰	نسیمہ خاتون	ریاض الدین ولد شمس الدین	عبد الحمید صابن والے۔	نیا محلہ	ع ۱۲
۲۱۷	۱۳ ۱۲/۴۰	۱۶ ۱۱/۴۰	محمد عبد المالک	حافظ محمد احمد ولد حاجی شمس الحق	نور الٰہی	گلی چابک سواران	ع ۶
۲۱۸	۱۴ ۱۲/۴۰		لڑکا	جمیل الرحمن ولد عزیز الرحمن کپڑے والے	عبد الرزاق کپڑے والے	بلیماران	۷
۲۱۹	۱۵ ۱۲/۴۰	۱۴ ۱۲/۴۰	محمد خاتون	محمد اسمٰعیل ولد سراج الدین انڈے والے	محمد رفیع لالی والے	نیا محلہ پل بنگش	ع ۱۲
۲۲۰	۱۶ ۱۲/۴۰	۱۶ ۱۲/۴۰	لڑکی	محمد ادریس ولد محمد رفیع کپڑے والے	حاجی محمد رفیع شیشے والے	احاطہ کالے صاحب	ع ۶
۲۲۱	۱۷ ۱۲/۴۰	〃	〃	ریاض الدین ولد سراج الدین	عبد الوہاب انار والے۔	نیا محلہ پل بنگش	ع ۱۲

نمبر شمار	تاریخ اندراج	تاریخ پیدائش	نام بچہ	باپ کا نام معہ ولدیت	بچے کے نانا کا نام	گلی یا محلہ	علاقہ نمبر مکان
۲۲۲	۱۸ ۱۲/۶۰	۱۸ ۱۲/۶۰	شہزادہ گلفام	حاجی محمد فاروق ولد محمد اسحق	عبد الخالق اشرفی والے	بیریوالا باغ	۱۳/ع
۲۲۳	۱۹ ۱۲/۶۰	۱۹ ۱۲/۶۰	خلیل الرحمٰن	محمد صدیق ولد رکن الدین اللہ والے	محمد امین نواز مرحوم	بیماران حویلی حسام الدین	۶/ع
۲۲۴	۲۰ ۱۲/۶۰	″	لڑکی	جمیل الرحمٰن ولد عبد الغنی مرحوم	محمد افضل کلکتہ والے	″	″
۲۲۵	″	۲۰ ۱۲/۶۰	آفتاب احمد	محمد صالحین ولد رحیم بخش	مقبول الٰہی سوت والے	بیریوالا باغ	۱۳/ع
۲۲۶	۲۲ ۱۲/۶۰	۲۲ ۱۲/۶۰	محمد عثمان	محمد یوسف ولد شمس الحق	عبد الکریم	بیریوالا باغ	″
۲۲۷	۲۳ ۱۲/۶۰	۲۳ ۱۲/۶۰	اخلاق بیگم	حبیب الرحمٰن ولد منشی کرم الٰہی	محمد اسمٰعیل آفتاب الدین	″	″
۲۲۸	۲۴ ۱۲/۶۰	۲۴ ۱۲/۶۰	مختار الدین	الدین ولد فخر الدین	عبد الرزاق فیروزپور والے	نوا بگنج	۱۲/ع
۲۲۹	۲۵ ۱۲/۶۰	۲۵ ۱۲/۶۰	محمد انیس	محمد دین ولد علاؤ الدین	•	بیریوالا باغ	۱۳/ع
۲۳۰	۲۶ ۱۲/۶۰	۲۶ ۱۲/۶۰	فیروز احمد	محمد جان ولد محمد اسحق	انوار احمد	پل بنگش	۱۲/ع
۲۳۱	۲۷ ۱۲/۶۰	۲۷ ۱۲/۶۰	زرینہ خاتون	محمد سعید ولد محمد اسمٰعیل	سراج الدین	باغیچی اچھے جی	″
۲۳۲	۲۸ ۱۲/۶۰	۲۸ ۱۲/۶۰	لڑکی	محمد عمر ولد اللہ دیا	محمد اسمٰعیل	گدارہ کا گھیر	″
۲۳۳	۲۹ ۱۲/۶۰	۲۲ ۱۲/۶۰	صالحہ خاتون	عزیز الٰہی ولد مقبول الٰہی	ماموں سعید	احاطہ کالے صاحب	۶/ع
۲۳۴	۳۰ ۱۲/۶۰	۳۰ ۱۲/۶۰	محمد انیس	محمد احمد ولد حاجی محمد رفیع الدین اللہ والے	حاجی محمد شفیع کلکتہ والے	بارہ دری نواب بنگش	۲/ع
۲۳۵	۳۱ ۱۲/۶۰	۳۱ ۱۲/۶۰	شمسہ بیگم	محمد عثمان ولد محمد رفیع اللہ والے	محمد یوسف ولد محمد ابراہیم باڑی	″	″
۲۳۶	۱ ۱/۶۱	۱ ۱/۶۱	لڑکی	عبد الغفار ولد محمد نقی شملہ والے	خلیل الرحمٰن	دھوبی کرہ	″
۲۳۷	۲ ۱/۶۱	۲ ۱/۶۱	سعیدہ بیگم	رفیع احمد ولد محمد اشفاق قلفی والے	عبد الحمید صابن والے	نیا محلہ پل بنگش	۱۳/ع

نیشنل پبلک لائبریری دہلی میں اردو ہفتہ

سات یوم تک دلچسپ مجالس

بدستور سابق امسال بھی انجمن ضیاء الادب دہلی کے زیر اہتمام ۱۵ مارچ سے ۲۲ مارچ تک اردو ہفتہ منایا جائیگا۔ پروگرام سب کمیٹی نے ایک نہایت ہی دلچسپ اوقات نامہ مرتب کیا ہے۔ جو مندرجہ ذیل سات نشستوں پر مشتمل ہے:- مباحثہ بہ موضوع: "اس ایوان کی رائے میں سائنس دنیا کی تخریب کا باعث ہے"۔ ایک طریفانہ مشاعرہ اور ایک سنجیدہ مشاعرہ۔ لطیفہ کانفرنس محفل حزب الامثال۔ مقابلہ بیت گوئی۔ مقالات بعنوان "اردو کی موجودہ رفتار اور اردو کی مختصر تاریخ اور حالات جنگ۔ گپ شپ کا خاص پروگرام۔ مفصل پروگرام ۸ مارچ تک شائع ہو جائے گا۔ جو سکریٹری نیشنل پبلک لائبریری سے طلب کیا جا سکتا ہے۔

انوار الحق حقی۔ ناظم اعزازی انجمن ضیاء الادب دہلی

شادیاں

نمبر شمار	تاریخ اندراج	بیٹے کے والد کا پتہ معہ نام: نام نوشہ	عمر	ولدیت	سکونت	بیٹی کے والد کا نام معہ پتہ: عروس کے والد کا نام	سکونت	تعداد مہر	بھتی دانے	پیٹھ دلے
۱	۱۲	محمد سعید	۱۹ سال	فضل عظیم ٹین والے	بارہ ہندوراؤ	محمد ایوب باڑہ والے	بلیماران	گیارہ سو روپے	عہ/	عہ/
۲	″	شمس العارفین	۲۵ ″	محمد رفیع بھولا	گلی چابک سواران	محمد ادریس بنی والے	بیاموں بخش	گیارہ سو	عہ/	عمر
۳	۱۶	محمد تقی	۱۸ ″	شمس العارفین بمبئی والے	گلی رنگ والی	محمد عثمان ٹوپی والے	بلیماران	اکیس سو	عہ/	وعدہ
۴	۱۸	محمد ذوالقرنین	۲۰ ″	کریم الدین کباڑیا	پکی گلی	عبد العزیز	علیگڈھ والے	سولہ سو	۰	۵/
۵	۱۳	محمد عثمان	۲۵ ″	محمد صدیق ٹکٹ والے	کشن گنج	عطاء الرحمٰن ٹین والے	کشن گنج	اکیس سو	۸/	۸/
۶	۱۴	نور احمد	۲۲ ″	نور الحق بیلے	بارہ دری	معز الدین عرف منی	پھوٹا دروازہ	پانچ ہزار ایک سو	عہ/	عہ/
۷	۲۶	محمد الدین	۲۴ ″	معز الدین	پھوٹا دروازہ	عطاء الرحمٰن وکیل	بلیماران	پانچ ہزار ایک سو	عہ/	عہ/
۸	″	عبد الستار	۲۱ ″	حاجی عبد الرزاق ٹھیکیدار	بیری والا باغ	حاجی عبد المجید صاحب	شیش محل	اکیس سو	عہ	عہ/
۹	″	حافظ فرید الدین احمد	۳۲ ″	خان بہادر وحید الدین	کشمیری دروازہ	محمد عمر میرٹھ والے	میرٹھ صدر بازار	پندرہ سو	۰	عہ/
۱۰	۲۸	محمد تقی	۲۱ ″	عبد الصمد کشتی والے	کابیصاحب	ممتاز الدین عرف کبو والے	بلیماران	تین ہزار تین سو	عہ/	عہ/
۱۱	۲۹	محمد یوسف	۱۸ ″	عبد الخالق پیتل والے	نواب والا باغ	محمد حسین کلکتہ والے	نیا محلہ	ایک ہزار	۸/	عہ/

اموات

نمبر شمار	تاریخ دفن	نام میت	ولدیت	نام محلہ	عمر	کیا مرض ہوا
۱۱	۲۸	بحر دراز الدین	ریاض الدین کلکتہ والے	گھنڈر	۷ سال	چوٹ
۱۲	۳۱	لڑکی مری ہوئی	عبد الرشید سنگاپوری	نیا محلہ احاطہ کابیصاحب	۰	۰
۱	۳	لڑکا مرا ہوا	منشی محمد یعقوب آٹے والے	″	۰	
۲	۴	نعیمہ	انیس الرحمٰن دوا والے	″	۲ یوم	بخار
۳	۶	مولوی محمد عثمان علی امام مسجد	قاری رحیم بخش مرحوم	نواب گنج	۰۰ سال	فالج
۴	۷	لڑکی مری ہوئی	عزیز الرحمٰن ٹوپی والے	ٹوکا صاحب	۰	-
۵	۱۲	فاطمہ بی والدہ محمد اسمٰعیل	نیاز احمد دانی کمیٹی والے	بیری والا باغ	۹۵ سال	فالج
۶	۱۴	سید حاجی محمد ادریس امام مسجد بلیماران	سید محمد یوسف علی	بلیماران	۴۲ ″	بخار

پنجابی گزٹ

جلد ۴ — نمبر ۹

واقعات و افکار

از ایڈیٹر

دہلی پولیٹکنیکل ہائی سکول

صنعت و حرفت سے ہم کیوں دور رہے ؟ تجارت کی ان محدود بیڑیوں کو ہم نے کیوں نہیں توڑا ؟ ان چیزوں پر افسوس کرنے کا یہ وقت نہیں ہے۔ اگر زمانہ کی ٹھوکروں نے خواب غفلت سے کچھ بھی بیدار کردیا ہے۔ اگر ہم کو اپنی زندگی و بقا کا کچھ بھی احساس ہے تو اس وقت جبکہ گورنمنٹ خود صنعت و حرفت کی سرپرستی کرنے پر مجبور ہوئی ہے۔ ہم کو وقت سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ اسوقت قدم آگے بڑھانا گذشتہ بہت سی کوتاہیوں کا بدل ہو سکتا ہے۔ لیکن اس وقت کی پست خوردہ ذہنیت کی تلافی ناممکن ہی نہیں بلکہ قطعی ناممکن ہے۔

صنعت و حرفت میں جانے کے لئے ہمارے نوجوانوں کو ٹیکنیکل تعلیم حاصل کرنی چاہیئے۔ گو تعلیم حاصل کرنے کے لئے وہاں جانا چاہیئے جہاں لیسے پائے لیکن اس کا معقول انتظام شہر میں ہونے کے باوجود اس سے فائدہ نہ اٹھانا ایک بڑی غلطی ہوگی۔

آپ کو یہ معلوم ہو کر یقیناً مسرت ہوگی کہ گورنمنٹ ہائی سکول دہلی کو ٹیکنیکل سکول میں تبدیل کردیا گیا ہے۔ اس سکول میں صنعت و حرفت کی بہت سی لائنیں کھولی جائینگی۔ آپ کی معلومات کے لئے پراس پیکٹس مختصر شائع کیا جارہا ہے۔ پراس پیکٹس کے پڑھنے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ اس میں غریب مسلمانوں کے ساتھ خاص رعایت رکھی گئی ہے۔ اسمیں تعلیم پاکر صرف یہی نہیں کہ ہمارا رجحان صنعت و حرفت کی طرف زیادہ مائل ہوگا۔ بلکہ جیسا کہ قاعدہ ہے کہ گورنمنٹ پہلے اس کے فارغ التحصیل طلبار کو زیادہ سے زیادہ مواقع ہم پہنچائے گی۔ تاکہ دوسرے طلبار کی ہمت افزائی ہو۔ اسلئے بہتر ہے زیادہ سے زیادہ تعداد میں اس سکول میں داخل ہو کر ٹریننگ لیں۔

ممبران صنعتی سب کمیٹی انجمن وکیل قوم پنجابیان توجہ فرمائیں

انجمن وکیل قوم پنجابیان نے پنجابی سکول میں صنعتی کلاس کھولنے کیلئے جو سب کمیٹی بنائی تھی معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ اس نے اپنی رپورٹ تیار کرلی ہے۔ جو عنقریب منتظمہ کمیٹی میں پیش کردی جائے گی۔ تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ اس سب کمیٹی نے سکول میں الکٹرک کا کام شروع کرنے کی سفارش کی ہے۔ الکٹرک صنعتی اداروں کے لئے بیشک ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہے مگر ہم کو یہ دیکھنا پڑے گا کہ کیا الکٹرک کی ٹریننگ لے کر ہماری بیماری کا علاج ہو سکتا ہے الا یہ کہ اچھے الکٹریشن پیدا ہو جائیں۔ جو بازاروں میں اس سے قبل ہی آواز لگاتے پھرتے ہیں۔ میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ سب کمیٹی کے کئے ہوئے کام پر پانی پھیروں۔ بلکہ میری رائے میں یہ بنیاد ہی غلط ہے کہ سکول میں انڈسٹریل کلاس کھولی جائے۔ یہ ظاہر ہے کہ سکول میں ہم فی الحال کوئی بڑی انڈسٹریل کلاس نہیں کھول سکتے۔ جو ہمارے لئے فائدہ مند ثابت ہو سکے۔ اور اس محدود سرمایہ سے جو بھی صنعتی جماعت کھولی جائے گی وہ منہ چڑانے کے مترادف ہوگی اور نہ ہمکو اس سے کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ سوائے اس کے کہ اس رقم کا جمع خرچ برابر ہو جائے۔ قوم کو ملوث تمام صنعتی لائنوں کے ماہرین کی ضرورت ہے۔ اور بغیر ماہرین پیدا کئے ہماری صنعتوں کو فروغ نہیں ہو سکتا۔ لہذا ہمکو ایسا طریقہ اختیار

کرنے کی ضرورت ہے جس سے کہ اصل مقصد بھی حاصل ہوجائے اور زیادہ رقم کی بھی ضرورت نہ ہو۔ یہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ ہمارے پاس جو سرمایہ ہے اس کو محفوظ صورت میں تبدیل کرکے اس کی آمدنی سے قوم کے ہنرمند اور قابل نوجوانوں کو ہندوستان کے مختلف انسٹی ٹیوشنس میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیجا جائے۔

یہ فارغ التحصیل طلبا نہ صرف عوام کے لئے بلکہ کل مسلمانوں کے لئے ایک نعمت ثابت ہونگے اور یہ کام اتنے قلیل سرمایہ سے ہوجائے گا۔ جو پنجابی سکول میں لاکھوں روپے کے پلانٹ لگانے سے میسر نہیں آسکتا۔ اور اگر ڈیڑھ اینٹ کی مسجد علیحدہ ہی چنی ہو تو اس کا علاج کچھ نہیں۔

شوگر ٹیکنالوجی انسٹی ٹیوٹ

ہماری کوشش یہ ہے کہ قوم میں یہ احساس پیدا کیا جائے کہ وہ اپنے بچوں کو مختلف صنعتی تعلیم دلائے۔ جس کے نتیجہ میں ہماری آنے والی نسل ایک صنعتی دل و دماغ کی مالک ہو۔

اسوقت مسلمان اس لائن میں کتنے پیچھے ہیں اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ حال میں انڈین سٹوڈنٹ پارٹمنٹ میں چند آسامیاں ٹیکسٹائل اکزامنرو سپروائزرز کے لئے نکلیں جن کو تناسب مذہب پر کیا جانا تھا۔ آپ کو یہ سنکر تعجب ہوگا کہ پانچ مخصوص مسلم اسامیوں میں سے صرف ایک اسامی پر ہو سکی۔ بقیہ مجبوراً دوسری اقوام کو غالباً دینی پڑینگی۔

ہم وقتاً فوقتاً مختلف انسٹی ٹیوٹ کا ذکر کرتے رہینگے تاکہ آپ کو جس لائن سے دلچسپی ہو اس سے مستفید ہوسکیں۔ اسی سلسلہ میں شوگر ٹیکنالوجی انسٹی ٹیوٹ کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ یہ کوئی چھپی ہوئی چیز نہیں ہے۔ کہ اسوقت شکرسازی کتنی اہم صنعت بنگئی ہے۔ حکومت ہند نے یہ انسٹی ٹیوٹ یکم اکتوبر سنہ ۱۹۳۶ء کو کانپور میں جاری کیا۔ فی الحال یہ سکیم پانچ سال کیلئے منظور ہوگئی ہے۔ اس انسٹی ٹیوٹ کے پاس دو قسم کے کام ہیں۔ اول دفتری کام اور دوسرا تحقیق اور تعلیم کا کام۔ یہ انسٹی ٹیوٹ شکر کی صنعت کی مختلف شاخوں میں تحقیقات بھی کرتا ہے اور کارخانوں کو ان امور کے متعلق مشورے دے کر ان کی امداد بھی کرتا ہے۔

مشینوں سے بہترین طریق پر کام لینا۔ شکر سازی کی ترکیبوں کو ترقی دینا اور شکر سازی کے عملوں … کی فنی نگرانی کرنا بھی اس کے کاموں میں شامل ہے۔

انسٹی ٹیوٹ نئے کارخانے قائم کرنے والوں کو بھی مشورے دیتا ہے۔ اسکے علاوہ شکر کی صنعت کی تمام شاخوں کے متعلق طلبہ کو تربیت دینا بھی اس انسٹی ٹیوٹ کے ذمہ ہے۔

شکر کے کارخانوں کے فنی ملازموں کے علم کو بڑھانے کے لئے اس نے نصاب بھی تیار کئے ہیں۔ اس انسٹی ٹیوٹ کے ساتھ ایک ادارہ ملازمت بھی وابستہ ہے تاکہ تربیت یافتہ طلبہ مناسب ملازمت حاصل کر سکیں اور کارخانوں کو لائق اور موزوں آدمی مل سکیں۔

انسٹی ٹیوٹ کے تجربہ گاہوں میں وہ تمام آلات موجود ہیں جو شکر اور اسی قسم کی دوسری پیداواروں کی تحقیق کے لئے درکار ہوتے ہیں۔ بنارس میں شکر کی تحقیق اور آزمائش کے لئے جو مرکز ہے اس کے علاوہ انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر کی نگرانی میں حسب ذیل ادارے بھی ہیں۔ ایک آزمائشی کارخانہ شکر۔ ایک ورکشاپ اور شوگر انجینئرنگ اور کیمیکل انجینئرنگ کی تجربہ گاہیں۔ راب کے ذریعہ سے مویشی کیلئے خوراک تیار کرنے کی سکیم بھی زیر غور ہے۔

کچھ اِدھر کی کچھ اُدھر کی

ازجناب گھس ٹاپو

لندن کا نامہ نگار جو ان دنوں برلن میں مقیم ہے اپنے ایک خط کے دوران میں جو پرسوں ہی وشی گورنمنٹ کو موصول ہوا اور جس کو ابھی ابھی نہایت خفیہ طریقہ سے لارڈ ہلی فیکس نے پیرس کے ریڈیو سے نشر کیا ہے لکھتا ہے کہ صبح تبع آٹھ دن کی بات ہے کہ ایک بین الاقوامی ماہرین اقتصادیات کی میٹنگ ضلع راجپوتانہ کے شہر ٹوکیو میں زیر صدارت لینن منعقد ہوئی چونکہ معاملہ نہایت اہم تھا اسلئے میٹنگ بند کمرے میں ہوئی۔ اس میٹنگ میں کیا کیا طے پایا کچھ تفصیل سے تو نہیں معلوم ہو سکا خفیہ ذریعہ سے جو معلومات ہوئی وہ یہ ہے کہ میٹنگ کرنے کا اصل مقصد یہ تھا کہ ہٹلر مرد ہے یا عورت۔

آگے چلکر نامہ نگار نے کمرہ کی زیبائش و آرائش کے متعلق خامہ فرسائی کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ کمرہ کیا تھا گویا فردوس بر روئے زمین است کا نظارہ پیش کر رہا تھا۔ بڑے بڑے شعلہ بار ننگ چھت پر لٹکے ہوئے کمرہ کو منور و روشن کر رہے تھے۔ اگر دانوں میں سے خوشبودار میٹھی نیند سلانے والی گیس نکل رہی تھی۔ کمرہ کے چاروں طرف یہودی فوج کا جو آلات جراحی سے بالکل لیس تھی زبردست پہرہ تھا۔ کرسیوں پر . . . ماہرین اقتصادیات نہایت متانت اور سنجیدگی سے بیٹھے ہوئے اپنے آگے رکھے ہوئے کانٹوں پر جو بات کہتے تھے پہلے تولتے تھے، پھر زبان سے نکالتے تھے میٹنگ شروع ہوئی صاحب صدر نے فصیح و بلیغ خطبہ صدارت میں ارشاد فرمایا کہ آج ہم یہاں اس حیرت انگیز شخصیت کے متعلق غور کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ جسکے متعلق ہماری عقل کام نہیں کرتی کہ وہ کیا ہے۔ اس میٹنگ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی۔ کہ تمام ممبر ایک ہی وضع قطع کا لباس زیب تن کئے ہوئے تھے۔ اور کوئی پہچان نہیں سکتا تھا کہ اس کا تعلق کس ملک سے ہے۔

صاحب صدر کے خطبہ کے بعد ایک ممبر نے ایک لمبی چوڑی تقریر کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ہٹلر مرد نہیں عورت ہے۔ اس نے کہا اے لوگو! یہ کہیں عقل میں آنے والی بات ہے کہ ایک خوبصورت تندرست اور طاقتور انسان بڈھا ہو جائے اور شادی نہ کرے۔ میں نے تو مشاہدہ کیا ہے اور تاریخ بھی گواہ ہے کہ جو انسان استاذی اقتدار ہو جاتا ہے۔ اس کی حرص عوام سے زیادہ بڑھ جاتی ہے اور وہ مجبور ہوتا ہے کہ ایک نہیں دو نہیں دس بیس سے شادی کرے اور کجا یورپ کا ڈکٹیٹر جس کے قبضہ واقتدار میں کروڑوں انسانوں کی زندگی ہے ایک شادی بھی نہ کرے اس کا صاف و صریح مطلب یہ نہیں تو اور کیا ہے کہ ہٹلر مرد نہیں عورت ہے۔

دوسرا ممبر کھڑا ہوتا ہے اور پہلے ممبر کی تائید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس سے زیادہ عقل کے دشمن اور کون ہونگے ایک شخص علانیہ کہتا ہے کہ میں عورت (بقیہ صفحہ ۲۰ پر)

"ضیاءُ الادب"

از قلم مشہور ظرافت نگار
جناب جعفری صاحب مدظلہ

وہ انجمن کہ جس کا "ضیار الادب" ہی نام
چند اک خصوصیات کی مالک ہے لاکلام
قدموں میں اسکے نہر سعادت کا ہے مقام
جو ترک کر چکی ہے بہت مدتوں سے کام

ماتم میں اسکے پانی کی رنگت سیاہ ہے
یہ مچھروں کے لشکروں کی خیمہ گاہ ہے

یہ نہر تھی کبھی مگر اب نالا ہو گیا
سن اس بچاری کا صد سالہ ہو گیا
دل اس کا مثل داغ دل لالہ ہو گیا
پہلے بہت سفید تھا اب کالا ہو گیا

مچھر جو اس میں صرف جدال وقتال ہیں
اپلے جو تھاپے جاتے ہیں وہ انکی ڈھال ہیں

دہلی میں انجمن یہ نہایت مفید تھی
یہ لائبریری علم کے در کی کلید تھی
میونسپلٹی کو جو الفت شدید تھی
منڈی عقب میں کھولدی گھاس اور لید کی

اب صاحبان ذوق کتابیں پڑھا کریں
یا جاکے گھاس منڈی میں دل کو ہرا کریں

حاجت جہاں تھی پارک کی پر اُگ سکی نہ گھاس
ناچار گھاس منڈی کو لاکر رکھا ہے پاس
ہوگا نہ اب یہ توسن طبع رسا اداس
جائیگی گرد ناک میں جسطرح سے ہلاس

بے شک یہ لائبریری کی اوقات چاہئے
مسجد کے زیر سایہ خرافات چاہئے

ایسے خرابے کم ہیں جہان خراب میں — ہیں انجمن کے منتظم اک پیچ وتاب میں
حکام کو بھی لکھ چکے ہیں اسکے باب میں — میں جانتا ہوں جو وہ لکھینگے جواب میں

دل کو سنبھالو آتے ہیں ساماں لئے ہوئے
بیٹھے رہو تصور جاناں کئے ہوئے

کچھ اِدھر کی کچھ اُدھر کی

(بقیہ صفحہ ۶)

ہوں لیکن پھر اس کو مرد کہنا مرد کی توہین کرنے مترادف ہو میں کچھ نہیں جانتا ایک چھوٹی سی بات آپ کو بتاتا ہوں۔ لمبی چوڑی تقریر نہیں کرونگا۔ یہ کہتے ہوئے تمام ممبران پر ایک گلشتی نظر ڈالتا ہے اور نہایت اطمینان سے پھر کہتا ہے کہ یہ بتائیے کہ انگریزی زبان میں کسی مرد سے پہلے ہز اور عورت سے پہلے ہر کہا جاتا ہے یا نہیں تو پھر ہر ہٹلر کے کیا معنی ہوئے۔ تمام حاضرین اس منطق سے پھڑک اٹھے، مقرر کو گودی میں اٹھا لیا گیا۔ اور سب نے ہر۔۔۔ ہٹلر، ہر۔۔۔ ہٹلر کہہ کر مزے لینا شروع کر دیئے۔

تیسرا مقرر کھڑا ہوا۔ اور اس نے پہلے دو ممبران کی تائید مزید کرتے ہوئے کہنا شروع کیا کہ میں یہ کہنے کی جرات رکھتا ہوں کہ ہٹلر عورت ہی نہیں ہے بلکہ نہایت خوبصورت ناگن ہے۔ وہ ایسی عورت ہے جسکی آنکھوں میں غضب کا رس اور جادو بھرا ہے۔ وہ جس کو ایک دفعہ دیکھ لیتی ہے بسمل کی طرح تڑپنے لگتا ہے۔ اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا کہ اسی ناگن نے زیک اور آسٹریا کو کھایا۔ ہالینڈ اور بلجیم کو اس نے ڈسا۔ لکسمبرگ اسپر صدقہ ہوا۔ حسن کا پجاری فرانس اسی کی بھینٹ چڑھا۔ اور آج برطانیہ اسکے عشق میں اس شعر کا ورد کر رہا ہے سے۔

بم پہ بم پھینکو تمہیں ڈر کس کا ہے!
سوئیز کھلی ہے مری جان اور راہ کھلا ہے

پراس پیکٹس دہلی پولیٹکنک ٹیکنیکل ہائی سکول

قابل توجہ نوجوانان قوم

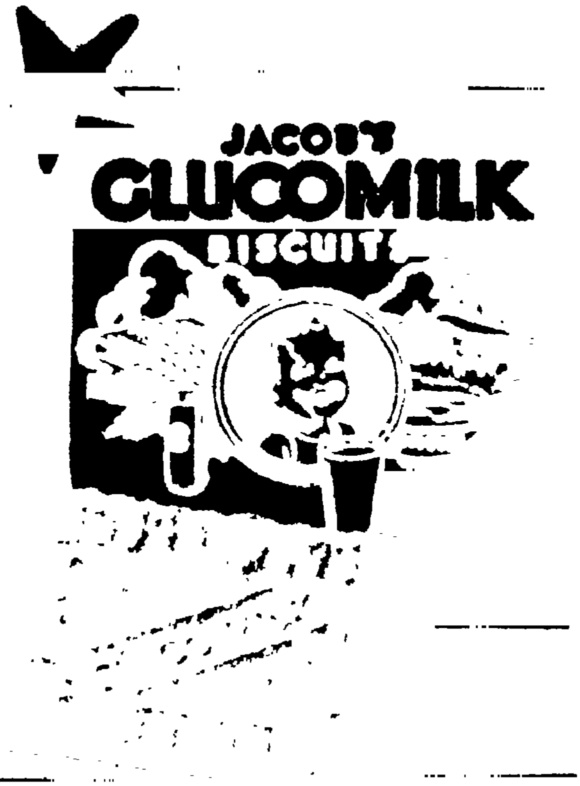
(از جناب کوئی صاحب)

آج کوئی قوم دنیا میں وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھی جاتی اگر وہ صنعت میں پیچھے ہے۔ قوم پنجابیان باوجود اس کے کہ مسلمہ کاروباری ذہنیت کی قوم ہے اور کم و بیش.. اسال سے کاروباری جدوجہد میں پیش پیش ہے۔ مگر اچھے سے اچھے موقعے ملنے پر بھی اس قوم میں کوئی جمشید جی ٹاٹا نہیں پیدا ہوا۔ کوئی گھنشام داس برلا نہ پیدا ہوا۔ غرض یہ کہ کاروباری ترقی کے موقعے ملے۔ مگر چونکہ مینڈک کنویں میں تھا۔ لہذا کنویں کا بادشاہ تو بنگیا مگر دنیا میں اسکی جگہ کچھ نہ ہوئی۔ یہی حال ہماری قوم کے خوش بختوں کا ہوا۔ ترقی کے موقعے ملے مگر فائدہ نہ اٹھا سکے۔ صرف دلالی کرکے ہی جو کچھ ملسکا لے آئے۔ ایسا کیوں ہوا محض اسلئے کہ ہوشمند کاروباری تھے۔ ہاتھی کی سواری کرنی دور اندیشی کے خلاف ہے۔ لہذا تھوڑے پر قناعت کی' اندھیرے تہ خانہ میں سونے کا ڈھونڈنا عبث سمجھا۔ صاف الفاظ میں یوں سمجھئے کہ چونکہ صنعتی تعلیم تھی اسلئے اگر کوئی موقع آیا بھی تو اس سے کنارا کر لیا اور وہی دو کانداری کا سلسلہ جاری رہا۔ آج اس کا بدلہ یہ مل رہا ہے کہ معززماں باپ کے بچے صرف ۳۰، ۴۰ روپے میں عمر بھر دوکانوں پر غلامی کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ اسلئے کہ وہ کسی قابل نہیں۔ میرے چشمدید واقعات میں سے تقریباً ۵۰ ایسے واقعات ہیں کہ محض معمولی تعلیم تھی اور صنعتی کام سیکھ لیا بس دو چار برس ہی کے عرصہ میں سو روپے پیدا کر رہا ہے۔ ملازمت میں بھی کوئی دقت نہیں مثلاً کوئی

بجلی کا کام سیکھ گیا کوئی موٹر کا، کوئی کپڑے کا کوئی ہوزری کا۔ غرض یہ کہ اس قسم کے کسی کام کو سیکھ لیا وہ ملازمت کا محتاج نہیں۔ ممکن ہے کہ آپ یہ کہیں کہ اب پنجابی اسکول میں صنعتی جماعت کھولی جا رہی ہے اس سے کچھ حاصل کرینگے مگر نہیں یہ خیال بیکار ہے میں آپکو یقین دلاتا ہوں کہ اس سے قوم کو اسقدر فائدہ نہیں پہنچیگا جس قدر اس بات سے کہ اس رقم کو جمع رکھیں اور اسکے منافع سے ذہین اور مستحق بچوں کو علیحدہ علیحدہ چار لائنوں میں صنعتی تعلیم دلا دیں اور جب وہ فارغ ہو جاویں تو مزید چار کو اس کام کے لئے وظیفہ دینا شروع کر دیں گویا رقم باقی رکھیں اور گورمنٹ کی عمدہ سے عمدہ انسٹی ٹیوشن سے فائدہ حاصل کرائیں۔ بہرحال یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا اب سوال یہ ہے کہ عام لوگوں کو صنعتی تعلیم کے لئے کیا کرنا چاہئے۔ خوشی کی بات ہے کہ گورمنٹ نے اپنے مفاد کیلئے ایک ادارہ کشمیری دروازہ پر کھولا ہے۔ جسمیں آپ کی ضروریات بڑی حد تک پوری ہو سکتی ہیں۔ اسکی طرف رجوع کریں۔ چند سالوں کے واسطے اس کو بھی دہلی میونسپلٹی کی نظر سے دیکھ لیں پھر دیکھئے کیا نتائج نکلتے ہیں اور کیسے کیسے ہونہار نوجوان سامنے آتے ہیں۔ اس ادارہ کی مختصر تفصیلات آپکے علم کیلئے درج ذیل ہیں:-

(۱) گورمنٹ کی طرف سے یہ اسکول کھولا جا رہا ہے۔ اس میں داخلہ کے لئے طالب علم کو کم از کم چار جماعت پاس ہونا چاہئے۔

(۲) چوتھی جماعت پاس لڑکے کو فارغ التحصیل (بقیہ صفحہ ۱۳ پر)



عرصہ سے کوششیں ہو رہی تھیں کہ بچوں اور ناتوانوں کیلئے ایسی غذا تجویز کیجائے جو نہ صرف طاقت دینے والی ہو بلکہ اس کے تمام اجزا اعلیٰ ہوں اور ہر مزاج کیلئے یکساں طور پر موزوں ہو چنانچہ آئرلینڈ کے مشہور بسکٹ بنانے والے **جیکب اینڈ کو نے گلوکو ملک بسکٹ** ایجاد کئے جن سے یہ ضرورت پوری ہو گئی ان کو "گلوکوز" گائے کے تازہ دودھ، خالص شہد، نفیس ترین مکھن اور اعلیٰ قسم کے جَو وغیرہ جیسے زندگی بخش اجزا سے تیار کیا گیا ہے تمام ڈاکٹر ان کی پُرزور سفارش کرتے ہیں تمام اچھے دوکاندار فروخت کرتے ہیں۔ آج ہی منگوائیے۔

ایجنٹ:۔ ایس، جے، اینڈ جی فضل الٰہی۔ کراچی۔

شاعر اور مغنی

از:- جناب پروفیسر اکبر حیدری مرحوم

شاعر نے جب سنائی غمِ دل کی سرگذشت — غمگین دلوں نے آہ کی اہلِ نظر نے واہ
پُرسوز ایک آہ تھی آوازِ بازگشت — شاعر کا ہر پیام تھا پیغامِ انتباہ

بزمِ سخن میں جتنے بھی اربابِ ہوش تھے
سب دم بخود تھے سر بگریباں خموش تھے

افسانۂ حیات تھا ہر شعر میں نہاں — ہر شعر میں عبارتِ خواب و خیال تھی
ہر شعر میں تھی حسن و محبت کی داستان — ہر شعر میں لطافتِ حسن و جمال تھی

شاعر کی سرگذشت تھی تعریف سے بلند
آوازِ بازگشت تھی اک آہِ دردمند

نغمہ فروش جب ہوئے محفل میں نغمہ زن — بزمِ سخن میں خندۂ بے اختیار تھا
نفسانیت کے جوش میں اربابِ انجمن — کھوئے ہوئے تھے حرص و ہوا کا وقار تھا

نغموں نے حسن و عشق کی دنیا تباہ کی
ہر سو سے آ رہی تھی صدا واہ واہ کی

اک آہ تک کی مگر اربابِ ہوش نے — خاموش دم بخود رہے اہلِ نگاہ بھی
بزمِ سخن میں مطرب نغمہ فروش نے — بدذوق سامعین سے نغموں کی داد لی

شاعر کے لب پہ ایک تبسم تھا دلفریب
نغموں کا یہ فریب تھا مستقل فریب

حرفتی ترقی کا پروگرام

حکومت کی طرف سے تحقیقات کے لئے دو لاکھ روپے کی منظوری

بورڈ آف سائنٹفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ کی سفارش پر حکومت ہند نے تحقیقاتی اسکیموں کے لئے دو لاکھ روپے منظور کئے ہیں۔ ان اسکیموں کو حکومت ہند نے کلیۃً منظور کر لیا ہے۔ منظور شدہ روپے سے معملوں کے لئے ساز و سامان فراہم کیا جائے گا۔ یا چھوٹی مشینیں خریدی جائینگی۔ اور تحقیقات کرنے والوں کو ان کے کام کا معاوضہ دیا جائے گا۔ تجویز ہوا ہے کہ سروست علی پور کے معمل میں دو یا تین تحقیقاتی کام کرنے والوں کا اضافہ کر دیا جائے اور ضرورت ہو تو معمل اور اس کے ساز و سامان میں توسیع کیجائے۔

جنگ نے ہندوستان کو درآمد کی بعض ضروری اشیاء سے محروم کر دیا اور بعض اشیاء کی [illegible] بند ہوگئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض بڑی بڑی حرفتوں کو معمولی پیمانے پر جاری رکھنے میں بھی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے برعکس برطانیہ اور اس کے حلیف ممالک کی طرف سے جنگی سامان کی فراہمی کی مانگ بڑھ رہی ہے۔ اور اسی کے ساتھ ہندوستان کی ضروریات بڑھ گئی ہیں۔ چنانچہ لازم ہوا کہ یہاں کی حرفتوں میں زیادہ سرگرمی پیدا کی جائے۔ حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ ہندوستان کو جنگی کوششوں میں مناسب حصہ لینے کا موقع دے۔ اور ان حالات سے فائدہ اٹھا کر اس کی موجودہ حرفتوں کو بڑھائے، نیز جنگ کی وجہ سے ترقی کے جو نئے میدان نکل آئے ہیں ہندوستانی حرفتوں کو ان میں کام کرنے کا موقع دے کر بڑے پیمانے پر تحقیقات کا کام جاری کیا جائے۔

چنانچہ [illegible] یل ۱۹۴۰ء کو ایک بورڈ آف سائنٹفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ قائم کیا گیا ہے۔ اور ملک کے بعض سرکردہ سائنسدانوں و اہل حرفت سے رضامندی لیگئی کہ وہ اس بورڈ کے ارکان کے طور پر کام کرینگے۔ یہ بورڈ ایک مشاورتی ادارہ ہے۔ اس بورڈ کا کام گورنمنٹ کو مشورہ دینا ہوگا کہ حرفتی تحقیقات کا کام کن اصولوں کے ماتحت ہو اور کونسی صورت اختیار کی جائے جس سے ہندوستان میں حرفتیں باہم ملکر ترقی کر سکیں۔ بالخصوص وہ حرفتیں بڑھ سکیں جنکی اہمیت زیادہ ہوگئی ہے اور جنکی ترقی کے امکانات جنگ کے حالات کیوجہ سے نمایاں ہیں۔

بورڈ کا کام!

یہ بورڈ اس میدان میں مختلف کام کرنے والے اداروں کے کاموں کو ایک دوسرے سے مربوط کر کے ان میں باہمی اتحاد عمل پیدا کرتا اور ان کے کام سے فائدہ اٹھاتا ہے نیز ان کے کاموں کا جائزہ لیتا ہے۔ تمام ذرائع سے مفید مشورے اور تجاویز حاصل کرتا ہے صنعتی مسائل پر بحث و گفتگو اور تبادلہ خیالات کے موقعے مہیا کرتا ہے اور وقتاً فوقتاً حکومت کے سامنے تجاویز پیش کرتا ہے۔ ان تجاویز سے حکومت تحقیقات کے کام کا پروگرام مرتب کرتی ہے۔ بورڈ حکومت کو اس باب میں سفارشات بھیجتا ہے کہ خود بورڈ کے زیر نگرانی تحقیقات کرنے والوں کو تحقیقات کیلئے کیا کیا مسائل دینے چاہئیں۔ اور اس ملک میں سائنس اور تحقیقات کے دیگر اداروں کو جنمیں یونیورسٹیوں کے معمل بھی شامل ہیں اکن کن مسائل پر کام کرنا چاہیئے۔

بورڈ کی تشکیل اس قسم کی گئی ہے کہ تحقیقات کے متعلق تمام

تجاویز پر بورڈ میں نہ صرف سائنس کے فنی پہلو سے بلکہ تجارتی نقطۂ نگاہ سے بھی غور و فکر کیا جا سکے تاکہ ان تجاویز کی فنی حیثیتوں و عملی پہلوؤں کی ہر منزل پر پوری طرح جانچ کی جا سکے۔

پہلے بورڈ کے ممبران کے نام حسب ذیل ہیں۔ دیوان بہادر سر راما سوامی مدلیار کامرس ممبر حکومت ہند (چیرمین) چیف کنٹرولر آف انڈین اسٹورز ڈیپارٹمنٹ (وائس چیرمین) ڈاکٹر جے، سی گھوش۔ ڈاکٹر نذیر احمد۔ ڈاکٹر میگھناد ساہا۔ ڈاکٹر ایس۔ ایس بھٹناگر۔ سر آر پی، مودی۔ سر سلطان احمد۔ مسٹر کستور بھائی لال بھائی۔ لالہ سری رام مسٹر پی۔ ایف۔ بی وارن۔ ڈاکٹر این این لا۔ بعد میں ٹاٹا کمپنی کی طرف سے سر اردیشیر دلال کا نام بھی اس بورڈ میں شامل کر دیا گیا۔ حکومت ہند نے ڈائرکٹر سائنٹفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ کے طور پر ڈاکٹر ایس، ایس بھٹناگر (پنجاب یونیورسٹی کیمیکل لیبارٹریز کے افسر) کی خدمات حاصل کر لی ہیں۔

بورڈ کا انتظامی عملہ محکمہ تجارت سے متعلق ہے چیرمین کو اختیار ہے کہ بورڈ کے سامنے کسی زیر غور مسئلے کے سلسلے میں وقتاً فوقتاً دوسرے سائنسدانوں یا حرفت کاروں کو بطور رکن کے شامل کرے۔

تحقیقات کی دو سو اسکیموں پر غور کیا گیا

اگرچہ سردست یہ بورڈ صرف دو سال کے لئے وجود میں آیا ہے لیکن بورڈ کی تشکیل صرف دوران جنگ کے لئے نہیں ہوئی ہے۔ اور اگرچہ اس محکمہ کے تحت بہت سی ایسی اسکیمیں جاری ہیں جنکی جنگی مصارف کے لئے ضرورت ہے۔ لیکن منظور شدہ اسکیموں میں بہت سی شہری حرفتوں سے متعلق بھی ہیں۔

ڈائرکٹر آف سائنٹفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ کے طلب کرنے پر سربرآوردہ یونیورسٹیوں اور ہندوستانی سائنٹفک اداروں اور انفرادی تحقیقات کے مرکزوں نے ۲۰۰ سے زیادہ تحقیقاتی اسکیمیں پیش کیں۔ جون میں بورڈ کے ایک اجلاس میں ان اسکیموں پر غور کیا گیا۔ اس قسم کی اسکیمیں رد کر دی گئیں جو محض علمی حیثیت رکھتی تھیں۔ اور آئندہ چلکر حرفتی ترقی میں مدد نہیں دے سکتی تھیں۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ بہت سے تحقیقات کرنے والے ایک ہی قسم کے مسائل پر وقت ضائع کر رہے تھے۔ مثلاً ایک سے زیادہ ادارے تیل (پٹرول اور خام تیل) کے صاف کرنے اور اس میں مختلف اجزا نکالنے میں وقت اور روپیہ صرف کر رہے تھے۔ حالانکہ یہی کام ایک مشہور و معروف کمپنی یعنی برما آئیل کمپنی پنجاب یونیورسٹی لیباریٹری میں بڑے پیمانہ پر کروا رہی ہے۔ اس غرض سے کہ دو دو بار روپیہ اور وقت ضائع نہ ہو۔ یہ ضروری سمجھا گیا کہ ایسی اسکیموں پر مزید تحقیقات نہ کی جائے چنانچہ ان اسکیموں کو رد کر دیا گیا۔ آخر میں ایسی اسکیمیں چنی گئیں جو حرفتی اہمیت رکھتی تھیں۔ اور انھیں اس ترتیب سے رکھا گیا کہ فہرست میں پہلے آنے والی اسکیموں کو سرکاری امداد ضرور ملے۔ ایک سب کمیٹی نے اس قسم کی بارہ اسکیمیں منتخب کیں۔ اور ہر ایک اسکیم کے لئے مناسب مقدار میں روپیہ منظور کرنے کی حکومت سے سفارش کی۔

بورڈ نے یہ بھی سفارش کی کہ ایک عمدہ ریسرچ کمیٹی بنائی جائے۔ جسکے ارکان وہ تمام سائنسدان ہوں جنہیں تحقیقات کی ان اسکیموں سے دلچسپی ہو۔ جو علیحدہ علیحدہ کمیٹیوں کی مجوزہ تنظیم اور نگرانی میں جاری ہیں تاکہ سائنسدانوں کی یہ پیشتر کمیٹی مختلف اسکیموں کے تحت ہونے والی تحقیقات کی سرگرمیوں کو منظم اور مربوط کر سکے۔ بورڈ نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ ریسرچ کے لئے امدادی رقم اس ادارے یا اس یونیورسٹی کی وساطت سے ادا کی جائے۔ جس سے کوئی خاص سائنسدان اور اسکے ساتھ تحقیقات کا کام کرنے والے متعلق ہوں۔

تیلوں سے کیمیاوی سامان

حکومت ہند نے مندرجہ ذیل اسکیمیں منظور کر لیں:۔

پہلی اسکیم نباتاتی تیلوں کے لئے کمیٹی بنانے کی تھی۔ کمیٹی کی تشکیل کا مقصد یہ تھا کہ یہ دریافت کیا جائے کہ کن کن حرفتوں میں اور کس کس طرح نباتاتی تیل استعمال ہوتا ہے۔ جہازوں کی آمدورفت کم ہو جانے اور یورپ کی منڈیوں کے بند ہو جانے سے ہندوستان کی تلہن کی برآمد بہت گر گئی ہے۔ پہلے ہندوستان سے تلہن باہر بھیجا جاتا تھا اور اس سے بعض ایسا سامان اور تیل وغیرہ جو مشینوں میں ایندھن کے طور پر استعمال ہو سکے بنکر ہندوستان واپس آتا تھا۔ بورڈ کا خیال ہے کہ ہندوستانی حرفتوں کے فائدے کے لئے باہر کے ممالک سے منگوانے کی بجائے ان چیزوں کو تلہن سے خود ہندوستان میں تیار کرنا چاہئے۔

اس اسکیم کے تحت نباتاتی تیلوں کو صاف کیا جائے گا اور اس سے جلانے کا سامان تیار کیا جائے گا۔ یہ تجویز بھی ہے کہ تلہن سے خاص اسٹرک ایسڈ اور دوسرے تیزاب تجارتی پیمانے پر کام میں لانے کیلئے تیار کئے جائیں۔

اس کام میں بمبئی کے ڈپارٹمنٹ آف کیمیکل ٹیکنولوجی کے ڈاکٹر وینکٹارمن بنارس میں ہندو یونیورسٹی کے ڈاکٹر گوڈبولے، حیدرآباد یونیورسٹی کے ڈاکٹر قریشی اور ڈاکٹر کے نایک دلچسپی لے رہے ہیں۔ تحقیقات کا یہ کام مختلف مرکزوں میں جاری رہیگا۔ جو ریسرچ کمیٹی ان مختلف مرکزوں کے کام کو مربوط کر کے اُسے یکجا کرے گی۔ اسمیں ڈاکٹر بھٹناگر، ڈاکٹر گوسوامی اور ٹاٹا کے ڈاکٹر نلریا والا شامل ہیں۔ حکومت ہند نے اس اسکیم کے لئے تیس ہزار روپیہ منظور کیا ہے۔ جسے یہ کمیٹی متعلقہ سائنسدانوں کو بانٹ دیگی۔

نقلی ریشم کے لئے مشین

نقلی ریشم کی مانگ دن بدن بڑھ رہی ہے۔ اور اسکی تیاری کا مسئلہ حال میں بہت اہم ہو گیا ہے۔ اس سے پہلے اس مسئلہ پر بہت تحقیقات ہو چکی ہے۔ چنانچہ اب اس سلسلہ میں ایک مشین لگانے کی ضرورت ہے۔ تاکہ اس پیداوار کی اقتصادی اور حرفتی امکانات کا اندازہ ہو سکے۔ اس مشین سے یہ معلوم ہو سکے گا کہ آیا اس کی تیاری کی لاگت بھی کم ہو سکتی ہے۔ نیز اہل حرفت کو یہ کام اعلیٰ تجارتی پیمانہ پر کرنے کے لئے سپرد کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔

اس قسم کا سامان روئی سے تیار کرنے کے لئے انڈین سینٹرل کاٹن کمیٹی نے پچاس ہزار روپے کی رقم منظور کی تھی۔ بورڈ نے نقلی ریشم تیار کرنے کے تجربہ کی مشین لگانے کے لئے انڈین سینٹرل کاٹن کمیٹی کو پچاس ہزار روپے کی مزید رقم دینے کی سفارش کی ہے۔ حکومت نے اس سفارش کو منظور کر لیا ہے۔ یہ تجرباتی مشین بمبئی میں سینٹرل کاٹن کمیٹی کے معمل میں لگائی جائے گی اور یہ کام ڈاکٹر نذیر احمد کے سپردگی میں ہوگا۔ سیلولوز ریسرچ کمیٹی نقلی ریشم کے تجارتی پیمانہ پر رہنمائی کریگی۔

دواؤں کی تحقیقات

دوسری کمیٹی دواؤں کی کمیٹی ہے۔ یہ خیال کیا گیا کہ کچلا اور سقوہ کے اور دیگر طبی مرکبات کے متعلق بڑے پیمانہ پر تحقیقات کرنی چاہئے۔ اس شعبہ میں ڈاکٹر جے۔ این۔ رے کا کام بہت مشہور ہے۔ چنانچہ انکی صدارت میں دیگر سائنسدانوں کی امداد سے ایک کمیٹی اس کام کو علی پور میں سرانجام دے گی۔

حکومت نے ڈاکٹر ایس صدیقی کو جو اس موضوع پر طبیہ کالج دہلی میں تحقیقات کر رہے تھے۔ اس کوشش میں مدد دینے کے لئے مقرر کیا ہے۔ اس کام میں دوسرے ہاتھ بٹانے والے لوگ انڈین انسٹی ٹیوٹ آف سائنس کے ڈاکٹر گوہا۔ ڈاکٹر پی۔ سی۔ متر۔ مسٹر ایم۔ ایل شروف علیگڑھ یونیورسٹی کے مسٹر آر۔ ایچ صدیقی ہونگے۔ یہ کام مختلف اداروں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ اور ہر ادارے کو ایک مختلف دوا پر کام کرنا ہوگا۔ حکومت نے اس مقصد کے لئے کل پچیس ہزار روپیہ منظور کیا ہے۔

آلات کی تیاری

بورڈ کی سب کمیٹی نے حکومت سے سائنٹفک انسٹرومنٹ کمیٹی کے لئے کل چالیس ہزار روپے کی رقم کی سفارش کی تھی جب یہ مسئلہ پورے بورڈ کے سامنے غور کے لئے پیش ہوا اسوقت بورڈ کی اکثریت اسکے منظور کرنے کے خلاف ہوئی اور خیال کیا گیا کہ اس کی اجازت دینے سے پہلے مزید معلومات حاصل کرنے کی ضرورت ہے ۔ سر سی ۔ وی رامن نے گلاس تیار کرنے کی بعض تجاویز پیش کی تھیں ۔ لیکن یہ خیال کرکے کہ اس مسئلہ پر مزید معلومات فراہم کرنے کی ضرورت ہے ۔ بورڈ نے فیصلہ کیا کہ سر سی ۔ وی ۔ رامن سے درخواست کیجائے کہ وہ اس مسئلہ پر مزید تفصیلات مہیا کریں ۔

بورڈ نے فیصلہ کیا کہ کمیٹی کے چیرمین پروفیسر میگھنا دساہا کو دیکھوگا اور کمپریسر پمپ کے بنانے کے طریقے تلاش کرنے کے لئے سات ہزار روپے دیے جاویں ۔

نیز اس مقصد کے لئے بنگلور انسٹی ٹیوٹ کے پروفیسر ایسٹن کو تین ہزار روپے دیے جاویں ۔ یہی ایک اسکیم تھی جسکے لئے بورڈ نے پوری رقم کی سفارش نہیں کی ۔ اور حکومت نے منظوری بھی نہیں دی ۔ لیکن ابھی تک اس اسکیم مسترد نہیں کیا اور مزید تفصیلات کا انتظار ہے ۔

کیمیاوی کھادوں کی قلت

فرٹلائزرز کمیٹی (کھادوں پر کام کرنے والی کمیٹی) کی تشکیل کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان میں فاسفورس رکھنے والی کھادوں کی کمی کے مسئلہ کا حل تلاش کیا جائے ۔ اس موضوع پر ڈاکٹر جے ۔ سی گھوش ڈائرکٹر آف بنگلور ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ ۔ ڈاکٹر بھٹناگر اور ڈاکٹر فاکس کام کر رہے ہیں ۔ یہ سب اس تلاش میں ہیں کہ فاسفورس رکھنے والے معدنیات کو استعمال کرکے کس طریقے سے فاسفورس رکھنے والی کھاد تیار ہو سکے ۔

امید ہے کہ ڈائرکٹر جنرل آف جیالوجیکل سروے ڈاکٹر فاکس کی جمع کی ہوئی چیزوں اور ترچناپلی والے فاسفورس کے مرکبات کی گانٹھوں سے حرفتی اور تجارتی پیمانہ پر فاسفورس رکھنے والی کھاد تیار ہو سکیگی ۔

تیل کے پلاسٹک سے ٹیلیفون کا سامان اور اسی طرح کی دوسری چیزیں بنانے کے لئے بورڈ نے سفارش کی کہ ایک پلاسٹک کمیٹی مقرر کیجائے ۔ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ بعض تیلوں میں حاصل کئے ہوئے گوند بیکیلائٹ کا کام دیتے ہیں ۔ پلاسٹک کمیٹی کو امدادی رقم کے طور پر بیس ہزار روپے امداد دینے کی حکومت سے سفارش کیگئی ۔

اخباروں کے کاغذ کے سوا باقی تمام قسم کا کاغذ ملکی حرفتوں کی حفاظتی اسکیم کے تحت اب ہندوستان ہی میں تیار ہو جاتا ہے ۔ اخباروں کا کاغذ بنانے کے لئے کشمیر کے شاہ بلوط کے تنے اور صوبہ جات متحدہ سے دستیاب ہونے والا خام مواد اور کچھ ایسا خام مواد جو ہمالیہ میں دس ہزار فٹ کی بلندی پر پایا جاتا ہے ۔ استعمال میں لایا جا سکتا ہے ۔ اس سے پہلے مشینوں کے ذریعہ سے تیار کرنے کے عمل کی بابت ایک تجویز بروئے کار آ چکی ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ بعض مشینیں اس قسم کی بھی ہیں جو ہر قسم کی لکڑی کا گودا بنا سکتی ہیں ۔ اور یہ گودا اخباروں کے کاغذ کے بنانے کے کام میں آ سکتا ہے ۔

اس سلسلہ میں ابتدائی تحقیقات کی تکمیل کے لئے فارسٹ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ڈاکٹر بھارگو سے ضروری مواد مہیا کرنے کے لئے کہا گیا ہے اور میجر باورڈ کی مدد سے جسقدر خام مواد مہیا ہو سکتا ہے فراہم کیا جا رہا ہے ۔ اس سلسلے میں مختلف صوبوں کے چیف کنزرویٹرز کی خدمات بھی حاصل کیجا رہی ہیں ۔

اخبار چھاپنے کا کاغذ بنانے کے لئے خام مواد کی تلاش اور اسکے دستیاب ہونے

کے امکانات کی بابت اطلاع دینے کا کام صوبوں کے چیف کنزرویٹرز کے سپرد کر دیا گیا ہے۔

ان بڑی بڑی اسکیموں کے علاوہ بورڈ نے مزید تحقیقات کا مواد جمع کرنے کے لئے بہت سی چھوٹی چھوٹی اسکیمیں بھی پیش کی ہیں۔ ان مختلف اسکیموں میں سے ایک گلاس اینڈ سلیکٹری کمیٹی کی اسکیم ہے۔ اگر سر سی وی رامن نے رضامندی دیدی۔ تو وہ اس کمیٹی کے چیرمین ہونگے۔ اس کے لئے دو ہزار روپے کی سفارش کی گئی۔

نباتاتی رنگوں کے متعلق ایک کمیٹی قائم کی گئی ہے جس میں ڈاکٹر کرشنا (بحیثیت صدر) اور بمبئی انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر ڈاکٹر وینکٹارامن شامل ہیں۔ اس حرفت کے متعلق مواد جمع کرنے اور تحقیقات کی اسکیم تیار کرنے کے لئے پندرہ سو روپے کی سفارشات کی گئیں۔ کمیٹی اور بعد میں ڈاکٹر ایچ کے سین۔ ڈاکٹر فارسٹر اور ڈاکٹر مظفر کو ممبر کی حیثیت سے شامل کرنے کی سفارش کی۔ حکومت نے مسٹر ایل آئی چوپڑہ پریذیڈنٹ فیڈریشن چیمبر آف کامرس کا نام اس بنا پر اس کمیٹی میں شامل کر لیا کہ صاحب موصوف کو کوئلے اور ایندھن کی تحقیقات سے تعلق ہے۔

ڈاکٹر میکنزی ٹیلر کو جو پنجاب کی مٹی کے شورے سے سوڈیم کاربونیٹ اور کاسٹک سوڈا تیار کرنے کی ترکیب دریافت کر رہے ہیں دو ہزار روپے کی رقم دیجائے گی۔ ڈاکٹر گھوش سوڈیم سائنائیڈ کو تجارتی پیمانے پر تیار کرنے کی ترکیب دریافت کر رہے ہیں انھیں پانچ سو روپیہ دیا جائے گا۔

گندھک کے نکالنے کے تجربے

گندھک کی پیداوار تمام حرفتوں کے جاری رکھنے کے لئے ضروری ہے چونکہ گندھک نکالنے کے طریقے عام طور پر معلوم ہیں اسلئے ان پر تحقیقات کی ضرورت نہیں ہے۔ ڈائرکٹر جنرل جیالوجیکل سروے نے تجویز کیا ہے کہ اگر ہندوستان کے بعض مقامات پر کھدائی کیجائے جہاں گندھک نکلنے کا امکان ہے تو خالص گندھک حاصل ہوگی ہے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے دس ہزار روپے کی منظوری کی سفارش کی ہے۔

یہ رقم جیالوجیکل سروے کی مختلف پارٹیوں کو دی جائے گی وہ ان مقامات پر جہاں تلاش کے بعد گندھک پائے جانے کا امکان ہے۔ کنویں کھودیں اور تجربہ کریں۔ اس کام کے لئے بلوچستان کا علاقہ زیر غور ہے۔ چند محکمہ جاتی انتظامات کے بعد اس اسکیم پر فوراً عملدرآمد شروع کر دیا جائے گا۔

راب سے کیمیاوی سامان

مولاسسز کمیٹی جس کے لئے حکومت سے بیس ہزار روپے کی سفارش کی گئی تھی۔ اور جو رقم حکومت نے منظور بھی کر لی ہے۔ اسلئے نہیں بنی ہے کہ اس پر غور کرے کہ راب سے زیادہ طاقت کی الکحل کیونکر بنائی جائے۔ کیونکہ یہ کام تو اس ملک میں پہلے بڑے حرفتی اور اعلیٰ تجارتی پیمانے پر ہو رہا ہے۔ اس کمیٹی کے بنانے کا اس سے بھی زیادہ اہم مقصد یہ ہے کہ یہ دریافت کیا جائے کہ کن کن طریقوں سے راب سے پوٹاشیم حاصل ہو سکتا ہے۔ اور اگر کس طریقہ پر خمیر دیا جائے کہ حرفتی مقاصد کے لئے بعض اہم کیمیاوی سامان حاصل کیا جاسکے۔

کمیٹی اس تحقیقات کے کیمیاوی پہلو پر غور کریگی۔ اس مسئلہ پر ابتدائی کام ڈاکٹر ایچ۔ ڈی سین نے کیا ہے چنانچہ ڈاکٹر سین ڈاکٹر گوہا اور میسور ریاست میں مانڈیا کی شکر فیکٹری میں تحقیقات کرنے والے ایک صاحب مسٹر سری نواس کے کام میں ربط پیدا کیا جائے گا تاکہ اسطرح اس مسئلہ پر بہتر تحقیقات ہو سکے۔

عورت

(از جناب مشتاق احمد صاحب چاندنہ - کلکتہ)

ایک مضمون اسی عنوان سے دسمبر ۱۹۴۶ء کے پنجابی گزٹ میں نظر سے گذرا تھا اور صرف اس وجہ سے کہ کسی چیز کو ایک پہلو سے دیکھنا تنگ نظری ہے۔ میں عورت کے دوسرے پہلو کو واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ اس مضمون کو پڑھنے کے بعد بھی مردوں کو عورتوں سے برا سلوک نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ یہ مضمون صرف ناظرین اور ناظرات کی دلچسپی کی خاطر لکھا جا رہا ہے۔ ورنہ حقیقت میں عورت کی جتنی عزت میرے دل میں ہے خود عورت کے دل میں بھی اسکی اپنی اتنی عزت نہ ہوگی۔

اگرچہ اس قسم کا کوئی مضمون لکھنا صنف لطیف کے جذبات کو برانگیختہ کرنے کے معنی رکھتا ہے لیکن حقیقت پھر حقیقت ہے اور اس کو کسی حال میں بھی چھپایا نہیں جا سکتا۔ خواہ اس کیلئے مجھ کو کنوارا ہی کیوں نہ رہنا پڑے۔

عورت! تباہی اور بربادی کا مجسمہ۔ عورت! مکاری اور دھوکہ بازی کا نمونہ۔ عورت! جس کے بال بال میں فریب جسکی بوٹی بوٹی میں دغا۔ عورت! جس کی رگ رگ میں جعلسازی۔ دروغ گوئی جو اپنے آنسوؤں کے زور سے ناممکن کو ممکن کر دکھائے۔ جسکی پتلیوں کے ساتھ ساتھ دنیا کا نظام بھی بدل جائے۔ غرض یہ ہے کہ اگر دنیا کی خرابیوں کو کسی مجسمہ میں تمام و کمال جمع کر دیا جائے تو اس کا نام عورت ہوگا۔

عورت! مرد کی پسلی سے نکلی ہوئی ناچیز ہستی، جس نے نکلتے ہی اپنے گن دکھلائے اور اس مرد کو جسکی دلچسپی کیلئے وہ پیدا کی گئی تھی جنت سے نکلوا دیا۔ اس کو اور اسکی آئندہ نسلوں کو مجبور کیا کہ وہ اس گناہ کی دنیا میں آباد ہوں۔ گناہ کریں اور عذاب کے مستحق بنجائیں۔

اس حقیقت کو بھولتے ہوئے کہ وہ ایک مرد کی بائیں پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔ آج یہ عورت اس حقیقت کا دعویٰ کرتی ہے کہ ہم کو اس نے پیدا کیا۔ اس نے ہمکو اپنا خون پلایا۔ ہمکو اسکی عزت کرنی چاہیئے۔ اور اس کا کہا پورا کرنا چاہیئے۔ اس کو برابر کے حقوق دینے چاہئیں اب صاحب نظر خود فیصلہ کریں کہ کیا یہ احسان فراموشی نہیں ہے۔

یہ اسکی نظر کا ہی کمال تھا کہ آدمؑ نے یہ جانتے ہوئے کہ اس پھل کا کھانا گناہ ہے۔ وہ پھل کھایا کیوں؟ صرف اسلئے کہ حواؑ کی آنکھوں میں وہ آنسو چھلکنے لگے تھے جو ہر شخص کی آنکھوں پر پردہ ڈالدیتے ہیں۔

ہابیل نے قابیل کو قتل کیا کیوں صرف اس عورت کی خاطر اور اسطرح دنیا کے اندر پہلا خون صرف ایک عورت کیوجہ سے بہایا گیا صرف ایک عورت کی وجہ سے عزرائیلؑ کے سپرد جان لینے کا کام کیا گیا جو کہ وہ کروڑہا برس سے انجام دے رہے ہیں اور خدا جانے کب تک دیتے رہینگے۔ جب یہ حضرت ایوبؑ کی بیوی بنی تو ان سے انکا خطاب (صابر) چھین لینے کی کوشش کی۔ جب اس نے زلیخا کا لباس پہنا تو حضرت یوسفؑ کو گنہگار بنانے چلی۔ جب یہ قلوپطرہ بنی تو مارکس انتانی۔ جولیس سیزر اور خدا جانے کتنوں کو خاک میں ملانے کا باعث ہوئی۔

جب یہ ہیلن بنی تو اس نے وہ خونریز جنگ کرائی کہ دنیا اس کو آخر دم تک نہیں بھول سکتی۔ جب مسز سمپسن بنی تو ایڈورڈ کا تخت چھٹنے کا باعث ہوئی۔ مغلیہ سلطنت کو عورتوں ہی نے تباہ کیا سلطنت عثمانیہ کو روس سے شکست ایک عورت نے ہی کھلوائی ہٹلر یہودیوں کا دشمن صرف اسوجہ سے ہوا کہ اسکی یہودی محبوبہ نے اسکو ٹھکرا دیا۔ فرانس کی سلطنت تباہ ہوگئی عورتوں کی وجہ سے۔ غرض یہ کہ دنیا کی ہر تباہی میں اس کا ہاتھ ہے۔ ہر تباہی میں اسکا ہاتھ ہے۔ ایک تباہی ہو تو بتائی جائے جس جس جگہ اسکے قدم پہنچے وہ وہ جگہ دشت اور صحرا میں تبدیل ہوگئی۔ سلطنتیں تہ و بالا ہو گئیں۔ خون کے دریا بہ گئے۔

ہمارے چند بھائی عورت کو اسکے حقوق سے آگاہ کئے دیتے ہیں تو اس کو سوائے اسکے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک ناگن کو جو سو رہی ہے جگائے دیتے ہیں تاکہ وہ کاٹے اور دنیا ہی میں جو کسر رہ گئی ہے اس کو پورا کرے۔ تمام ممالک جنہوں نے عورتوں کو آزادیاں دی ہیں انکی جو حالت ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں اگرچہ یہ صحیح ہے کہ مردوں کا انکی آزادی سے یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ حوا کی بیٹیاں انکے سر پر چڑھ کر ناچیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ناگن پھر ناگن رہتی ہے۔ ہزار اس پر احسان کئے جائیں۔ ہزار اس کو سکھایا پڑھایا جائے۔ پھر بھی یہ چھوٹتے ہی ڈسنے کی کوشش کرتی ہے۔

یورپ میں جو عورتوں کو آزادی دی گئی تھی اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ یہ حوا کی بیٹیاں تباہی اور بربادی کا ایک گہرا غار ان کے سامنے کھود کر رکھدیں۔ لیکن یہی ہوتا تھا اور ہو کر رہا۔ کیونکہ عورت کی فطرت یہی ہے یہی فطرت تو تھی جسکی وجہ سے دنیا کی پرانی تہذیب نے ان عورتوں کو ان کے ٹھکانوں سے لگا رکھا تھا۔ انکی بدعنوانیاں ہی تو تھیں جس نے چینیوں کو مجبور کردیا کہ وہ پیدا ہوتے ہی انکے پیروں میں لکڑی اور لوہے کے جوتے پہنا دیتے ہیں تاکہ انکے پیر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے چھوٹے رہیں۔ اور ان کو بدعنوانیوں کا موقع نہ ملے۔

ترکی نے بھی عورتوں کو آزادی دی ہے لیکن وہ دن دور نہیں جبکہ عورتوں کی آزادی کو ملک کی آزادی سمجھنے والے دیکھینگے کہ ملک بیشک آزاد ہے لیکن لوگ نفس کے غلام ہیں۔ آزادی بیشک زندہ ہو لیکن اخلاق کا جنازہ نکل چکا ہے۔ عورت گھر کے کسی کام میں بھی نہیں دکھائی دیگی۔ صرف محفلوں میں شمع بنی تھرکتی پھرینگی۔ بچوں کی پیدائش بند کردی جائیگی۔ اگر یہی آزادی ہے کہ عورتیں مردوں کے دوش بدوش کام کریں اور اخلاق کا جنازہ نکالا جائے عزت آبرو کو دفن کردیا جائے تو ایسی آزادی کو دور سے ہی سلام۔ مشرق ہزار غلام سہی لیکن اخلاقی نقطہ نظر سے کبھی بھی تباہ نہیں ہوگا۔

اگر یہی عورتوں کے حقوق ہیں کہ وہ مرد بننے کی کوشش کریں تو ان کو یاد رہنا چاہئے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ "اللہ تعالے ان عورتوں پر لعنت فرماتا ہے جو مردوں سے مشابہت اختیار کریں" مشرق اللہ تعالی کی لعنت مول لیکر آزادی نہ دینا چاہتا ہے اور نہ لینا چاہتا ہے۔ اگر ان کے یہی حقوق ہیں کہ وہ گھر کے کام دھندوں کو چھوڑکر ادب اور شاعری کرنے بیٹھ جائیں بچوں کی پرورش سے غافل ہوکر رسالوں کیلئے مضمون لکھا کریں۔ قرآن و حدیث کو چھوڑکر ناول پڑھیں اور عورتوں کے حقوق طلب کریں جہانتک میرا خیال ہے کوئی ذی عقل مرد اسکے لئے تیار نہیں ہوگا۔ عورت جس لئے پیدا کیگئی ہے وہ اسی لئے زندہ رہیگی۔ خواہ وہ کتنا ہی زور کیوں نہ لگائے۔ جب تک وہ اپنے فرائض ایمانداری کیساتھ انجام دیتی رہیگی مرد کی نظروں میں اسکی وقعت قائم رہیگی۔ مرد عورت کا خدائے مجازی ہے۔ لیکن عورت مرد کی خدا نہیں۔ بیشک گاڑی بغیر دو پہیوں کے نہیں چلتی لیکن دونوں پہیے برابر کے نہیں ہوتے۔ ایک پہیہ محض اسلئے لگایا جاتا ہے کہ گاڑی بغیر کسی دقت کے چلے۔ ورنہ چلنے کا سارا کام دوسرے پہیے پر ہوتا ہے۔ دو پہیوں کی گاڑی سائیکل ہی کو دیکھ لیجئے۔ دیکھنے میں تو چلنا اگلے پہیہ پر منحصر ہے لیکن درحقیقت چلنے کا تمام کام پچھلے پہیہ کو ہی انجام دینا پڑتا ہے۔ مرد اور عورت بیشک دنیا کی گاڑی کے دو پہیے ہیں لیکن زمانہ کی رفتار نے ثابت کردیا ہے کہ جو پہیہ محض جوڑ کی خاطر لگایا گیا ہے وہ عورت ہے۔ ورنہ چلنے کا مدار پہیہ مرد ہے۔

صرف اس ڈر سے کہ عورتیں مجھ غریب سے خفا ہو جائیں میرا بائیکاٹ نہ کردیں۔ میں اس مضمون کو ختم کررہا ہوں ورنہ یہ تو جذبات کے سمندر کا ایک قطرہ ہے جو کہ کاغذ پر ٹپکا دیا گیا۔

رانی کو لونڈی کہو تو ہنستی ہے اور لونڈی کو لونڈی کہو تو روتی ہے۔

پیام بیداری

از جناب رئیس امروہوی ایڈیٹر مسافر کی قلم سے

بیداریٔ کامل سے ہے اک حشر بپا جاگ
بیدار ہوا قافلۂ اہل وفا جاگ
صحرا سے چلی آتی ہے آوازِ درا جاگ
جاگ اے خضرِ وادیٔ تسلیم و رضا جاگ
اے مردِ خدا مردِ خدا مردِ خدا جاگ
اے مردِ خدا جاگ

یہ بلبلِ بیدار کی فریادِ جنوں ریز
پیغامِ سحر خیز ہے پیغامِ سحر خیز
مشرق پہ ہیں آثارِ شفق کتنے دلآویز
ہے جلوہ نما سرخیٔ خونِ شہدا جاگ
اے مردِ خدا مردِ خدا مردِ خدا جاگ
اے مردِ خدا جاگ

زیبا نہیں غازی کو خمارِ شبِ مستی
یہ بیخودی و خستگی و بادہ پرستی
اف کتنا دل آویز ہے ہنگامۂ ہستی
یا خوابِ عدم میں ہمہ تن غرق ہوا جاگ
اے مردِ خدا مردِ خدا مردِ خدا جاگ
اے مردِ خدا جاگ

تو زادۂ طوفان ہے نہ آسودۂ ساحل
تو منزلِ مقصد ہے نہ آوارۂ منزل
خوابیدہ ترے عزم میں آزادیٔ کامل
اے بندہ حر اعزم کو دے اذنِ دعا جاگ
اے مردِ خدا مردِ خدا مردِ خدا جاگ
اے مردِ خدا جاگ

صنعتی ــــ تجارتی ــــ اقتصادی

معلومات اور خبریں

برطانیہ کیساتھ ہندوستان کی تجارت

سنہ ۱۹۳۹ء میں ہندوستان میں برطانیہ سے جو مال درآمد کیا گیا ہے اس کی قیمت میں ۴۸۴ لاکھ روپیہ یعنی دس فیصدی کی کمی واقع ہوئی۔ اس کے مقابلہ میں ہندوستان سے برطانیہ کو جو مال درآمد کیا گیا اس کی قیمت میں ۱۱۶۲ لاکھ روپیہ یعنی ۲۹ فیصدی کا اضافہ ہوا۔

برطانیہ سے جو چیزیں درآمد کی جاتی ہیں اہمیت کے لحاظ سے ان کی ترتیب یہ ہے مشینری۔ مل کا سامان۔ سوتی کپڑے۔ دھاتیں اور خام لوہا خصوصاً لوہا اور فولاد۔ آخر الذکر دونوں چیزوں کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ برطانیہ سے جو مال درآمد کیا گیا اس کا چالیس فیصدی حصہ انہیں دونوں چیزوں پر مشتمل تھا۔

برطانیہ کو جو خاص چیزیں برآمد کی گئیں وہ یہ تھیں۔ چائے، جوٹ اور جوٹ کا سامان۔ چمڑے اور کھالیں۔ خام روئی۔ بیج۔ دھاتیں خام لوہا۔ خام اون۔ کھلی اور غلہ۔

برطانیہ کو جو مال برآمد کیا گیا یہ چیزیں اس کا ۸۰ فی صدی حصہ تھیں۔ مگر اس سے پہلے سال میں ان کی نسبت ۵۰ فیصدی تھی۔

چائے اور جوٹ کی برآمد میں ترقی

سنہ ۱۹۳۸-۳۹ء میں برطانیہ کو ۳۰ کروڑ ۴۰ لاکھ پاؤنڈ چائے برآمد کی گئی۔ اور سنہ ۱۹۳۹-۴۰ء میں ۲۰ کروڑ ۷۰ لاکھ پاؤنڈ لیکن اس کی قیمت ۱۶۳۲ لاکھ روپیہ سے بڑھ کر ۱۱۱۲ لاکھ روپیہ ہو گئی۔ خام جوٹ کی مقدار ۷۰۰۰ ٹن (قیمت ۱۰۳ لاکھ روپیہ) سے بڑھکر ۱۹۳۶۰ ٹن (قیمت ۲۲۰ لاکھ روپیہ ہو گئی۔ ...... جنگ کی وجہ سے سن کی بوریوں کی مانگ بڑھ گئی۔ اس وجہ سے ان کی برآمد ½۷ کروڑ سے بڑھکر ½۶۸ کروڑ ہو گئی۔ اسی طرح سن کے کپڑوں کی برآمد ۷ کروڑ ۱۰ لاکھ گز سے بڑھکر ۲۶ کروڑ گز ہو گئی۔ کمائے ہوئے چمڑوں کی برآمد ۱۹ ہزار ٹن سے بڑھکر ۳۰ ہزار ٹن ہو گئی اور بغیر کمائے ہوئے چمڑوں کی برآمد ۳۴۰۰ ٹن سے بڑھکر ۳۰۷۰ ٹن تک پہنچ گئی۔ تلہن کی برآمد گر گئی۔ لیکن مونگ پھلی اور سرسوں کی مانگ بڑھ گئی۔ پچھلے سال کی طرح بنولوں کی برآمد نہیں ہوئی۔ مگر ارنڈی کی برآمد جو پہلے گر گئی تھی بڑھکر ۱۲ ہزار ٹن ہو گئی۔

دوسری چیزوں کے علاوہ پیرافین ویکس کی برآمد ۴۶۰۰ ٹن سے بڑھکر ۷۰۰۵ ٹن ہو گئی۔ مگر لاکھ کی برآمد ۱۵۱۰۰ ہنڈرڈ ویٹ سے کم ہو کر ۷۲ ہزار ہنڈرڈ ویٹ رہ گئی۔

ناریل کے خول کا کوئلہ!!

پچھلے چند ماہ میں ملک معظم کی حکومت کی طرف سے محکمہ سپلائی کو کئی ہزار ٹن کی مقدار میں ناریل کے خول کا کوئلہ مہیا کرنے کے آرڈر ملے ہیں۔ یہ کوئلہ گیس کے اثر کو زائل کرنے والے آلات تنفس کے خاص قسم کے کوئلہ کی تیاری میں استعمال کیا جاتا ہے۔

اس کوئلہ کی فراہمی کے لئے حکومت ٹراونکور میسور کو اور مدراس کی ایک فرم کو آرڈر بھیجدئے گئے ہیں۔

ہندوستان میں سمندر پار کے ملکوں کو ناریل کا جلا ہوا خول ½۶

ہزار ٹن کی مقدار میں بھیجا جا چکا ہے۔ اس کوئلہ کی تیاری میں جو دشواریاں ہیں ان پر بہت بڑی حد تک قابو پا لیا گیا ہے۔

کاغذ اور دفتی کی درآمد پر نگرانی

ڈالر ایکسچینج کے تحفظ کی غرض سے حکومت ہند نے فیصلہ کیا ہے کہ کاغذ (اسمیں اخبارات کا کاغذ شامل نہیں ہے) اور دفتی کو ان چیزوں کی فہرست میں شامل کر لیا جائے جو تجارت درآمد کی نگرانی کے ماتحت ہیں۔

جنگ چھڑنے سے پہلے دفتی اور کاغذ زیادہ تر اسکینڈینیویا (ناروے۔ سویڈن ڈنمارک) جرمنی اور آسٹریا سے درآمد کیا جاتا تھا۔ جب اسکینڈینیویا سے ان چیزوں کی آمد بند ہو گئی تو یہ چیزیں ان ملکوں سے آنے لگیں۔ جہاں تبادلہ زر میں دشواریاں ہیں۔ یہ چیزیں زیادہ تر شمالی امریکہ سے منگوائی جانے لگیں۔ جسکی وجہ سے سالانہ ایک کروڑ روپیہ خرچ ہونے لگا۔ اب حکومت ہند اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ جن ملکوں میں تبادلہ زر کی سہولتیں میسر ہیں اگر ان سے یہ چیزیں منگوائی جائیں تو وہ ہندوستان کے تیار شدہ کاغذ اور دفتی کے ساتھ مل کر ہندوستان کی ضروریات کو اس حد تک پورا کر دیگی کہ دوسری درآمد کی چیزوں میں کمی قابل عمل ہو جائے گی اور اسطرح ڈالر ایکسچینج کی جو بچت ہوگی اسے جنگی مقاصد کے لئے استعمال کر کے فائدہ اٹھایا جا سکے گا۔

ہندوستانی ذرائع سے حاصل شدہ دواؤں کی سپلائی

ایک پنجابی فرم لیموؤں کی مقامی پیداوار سے سوڈیم اسٹریٹ تیار کر رہی ہے۔ اس دوا کا امتحان کیا گیا ہے اور بائلنگ پوائنٹ کی جانچ پر یہ دوا پوری اتری ہے۔ ڈائرکٹر جنرل انڈین میڈیکل سروس نے تمام میڈیکل اسٹور کو وقت ضرورت اس کمپنی سے یہ دوا خریدنے کی ہدایت کی ہے۔

جنگ شروع ہونے کے بعد سے پارے کی قیمت بہت بڑھ گئی ہے اسلئے پارے سے تیار ہونے والی دواؤں کے استعمال میں نہایت سختی سے بچت کا خیال رکھا جاتا ہے۔ پارے سے تیار شدہ مرہم کو اشد ضرورت کی دوا تصور نہیں کیا جاتا۔ اس لئے میڈیکل اسٹور ڈپوؤں کو ہدایت کر دی گئی ہے کہ جنگ کے زمانہ میں یہ دوا نہ دیجایا کرے۔

ہندوستان میں طیارہ سازی

حکومت ہند نے ایک ایسا معاہدہ کیا ہے جسکی رو سے وہ ایک ہندوستانی کمپنی کے بنائے ہوئے فوجی طیارے خریدے گی۔ یہ کمپنی قائم ہونے کے بعد امریکی ماہرین کی مدد سے ایک طیارہ سازی کا کارخانہ کھولیگی یہ ہندوستان کا بالکل نیا اقدام ہے۔ کچھ مہینوں سے یہ مسئلہ زیر غور تھا۔ اقرار نامہ کی تکمیل میں دیر اس وجہ سے ہوئی کہ باہر سے ضروری سامان حاصل کرنے میں دقتیں تھیں۔

ہائیڈروجن ہندوستان میں بنائی جائیگی

ایک نجی کمپنی نے ایک ایسا کارخانہ کھولنے کے انتظامات مکمل کر لئے ہیں۔ جسمیں چھ ماہ کے اندر اندر کاسٹک سوڈا۔ سیال کلورین۔ رنگ اڑانے کا سفوف اور ہائیڈروجن تیار ہونے لگے گی۔

گذشتہ پندرہ دن میں محکمہ سپلائی کو جو آرڈر اور استفسارات موصول ہوئے ہیں وہ یہ ہیں۔ آسٹریلیا اور مشرقی افریقہ کے لئے خاکی زین۔ ہندوستان اور مشرق وسطی کے لئے لکڑی۔ ہندوستان کے لئے زمین پر بچھائی جانیوالی چادریں۔ مشرق وسطے کے لئے بیج کے آلو۔ امریکہ کے لئے بالو بھرنے کے تھیلے۔ مشرق وسطی۔ نیوزیلینڈ۔ آسٹریلیا۔ عراق اور مشرقی افریقہ کے لئے پارچہ جات۔

ہندوستان سے آسٹریلیا کو زیادہ مال کی روانگی

سنہ ۴۰-۱۹۳۹ء میں ہندوستان سے آسٹریلیا کو جو مال برآمد کیا گیا۔ اسمیں پہلے کے مقابلہ میں تقریباً ۵۲ لاکھ روپیہ کا اضافہ ہوا۔ اور آسٹریلیا سے جو مال ہندوستان میں درآمد کیا گیا اس میں کمی ہوگئی

ہندوستان کے برآمدی مال میں جو آسٹریلیا بھیجا جاتا ہے سن سے تیار کی ہوئی چیزیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ تقریباً ۱ کروڑ ۱۰ لاکھ ٹاٹ کے بورے اور ۴ کروڑ ۱۰ لاکھ گز ٹاٹ ہندوستان سے برآمد ہوا۔ حالانکہ اس سے قبل والے سال میں ۶ کروڑ ۶۰ لاکھ ٹاٹ کے بورے اور ۳ کروڑ ۱۰ لاکھ گز ٹاٹ برآمد ہوا تھا۔ چائے کی برآمد بھی بڑھتی رہی ہے۔ چنانچہ ۴ر۰۰۰۰۰ پونڈ کے مقابلہ میں ۶ر۰۰۰۰۰۳ پونڈ چائے کے جہاز روانہ کئے گئے۔ اسی طرح السی کی برآمد کی مقدار ۱۲ ہزار ٹن سے بڑھکر ۱۳ ہزار ٹن تک پہنچ گئی۔

آسٹریلیا سے ہندوستان میں گیہوں کی درآمد بہت زیادہ ہوتی ہے۔ سنہ ۴۰-۱۹۳۹ء میں ۱۵۱۰۰۰ ٹن کی درآمد ہوئی۔ لیکن پھر گھٹ کر ۵۰۰۰ ٹن رہ گئی۔ ہندوستان میں آسٹریلیا سے بہت بڑی مقدار میں کچا اون درآمد ہوتا ہے۔ سنہ ۱۹۳۹ء میں ۱۴۰۰۰۰۰ پونڈ کچا اون درآمد ہوا۔ لیکن بعد کے سال میں ۹ر۰۰۰۰ پونڈ زائد ہوا۔ چربی اور شہد کی درآمد میں اضافہ ہوگیا۔ اور جست کی درآمد میں کمی ہوگئی۔ دوسرے درآمدی مالوں میں کھانے پینے کے سامانوں کی درآمد کی قیمت سال گذشتہ کے مقابلہ میں ۲۱ لاکھ روپیہ سے بڑھکر ۲۵ لاکھ روپیہ تک پہنچ گئی۔

ہندوستانی کلوروفارم اطمینان بخش ہے

ڈائرکٹر جنرل انڈین میڈیکل سروس نے ہندوستان کی چند پرائیویٹ فرموں کو آرڈر دیا ہے کہ وہ ۵۰۰۰۱ مرہم پٹی کی جالیوں کے پیکٹ جنمیں سے ہر ایک میں تین گز جاذب جالی موجود ہو تیار کریں اس سے پہلے یہ پیکٹ صرف میڈیکل اسٹورز ڈپو کی فیکٹریوں میں تیار ہوتے تھے۔ اب اس جالی کی بڑی مقدار میں ضرورت ہے۔ اسلئے مناسب فرموں کو آرڈر دے دیا گیا ہے۔

بنگال کی ایک فرم کے تیار کئے ہوئے کلورا فارم کا امتحان کیا گیا۔ جو معیار کے لحاظ سے اطمینان بخش ثابت ہوا۔ اس فرم کو آرڈر دینے سے پہلے بعض شہری شفاخانوں اور چھاؤنی کے شفاخانوں میں طبی لحاظ سے اسکی جانچ کیجائے گی۔

نئے روپیوں کا اجرار

تجارت کی زیادتی اور روپیوں کے بکثرت استعمال کیوجہ سے اور اس وجہ سے بھی کہ وہ ایک روپیہ والے نوٹ جو حال ہی میں جاری کئے گئے ہیں۔ بعض دیہاتی علاقوں کے لئے نہ تو مناسب ہی ہیں اور نہ کارآمد۔ روپیہ کے سکہ کی مانگ بہت بڑھ رہی ہے اور ضروری ہوگیا ہے کہ بڑے پیمانہ پر چاندی کے روپیوں کے نئے سکے تیار کئے جائیں۔ چونکہ زیادہ تعداد میں موجودہ معیار کے روپیوں کے بنانے سے جسکے بارہ حصوں میں سے گیارہ حصہ میں چاندی اور ایک حصہ میل ہوتا ہے۔ زیادہ چاندی خرچ ہوتی ہے۔ لہذا طے کیا گیا ہے کہ جو نئے روپے بنائے جائیں ان میں آدھی چاندی اور آدھا میل ہو جسطرح اٹھنیاں اور چونیاں بنائی جاتی ہیں۔

روپیہ کی نئی ساخت میں "حفاظتی کنارہ" کی ترکیب کی بابت خیال کیا جاتا ہے کہ اسکی وجہ سے جعلی روپے نہیں بنائے جا سکینگے اور ان کناروں کی ایسی ساخت اس غرض سے رکھی گئی ہے کہ جعلی روپے نہ بنائے جا سکیں۔

ان "حفاظتی کنارہ" کے روپیوں پر جو عنقریب ٹکسال سے جاری کئے جائینگے سنہ ۱۹۴۰ء کا سن پڑا ہوگا۔ علاوہ اس "حفاظتی کنارہ" کے یہ روپے وزن میں اور عام شکل میں پرانے روپیوں جیسے ہیں۔ سوائے اسکے کہ دائرہ ذرا ہلکا ہے۔ پرانے روپیوں کے سے کھرے پٹے اب نہیں ڈھالے جائینگے۔ لیکن موجودہ پرانے روپے پہلے کی طرح اب بھی چلیں گے۔

ہندوستان اور جنوبی افریقہ کے درمیان تجارت

چاول کی برآمد میں اضافہ

سنہ ۱۹۳۹-۴۰ء میں جنوبی افریقہ کی یونین کیساتھ ہندوستان کی تجارت میں نمایاں ترقی ہوئی۔ لیکن مشرقی افریقہ کے ساتھ جسمیں کینیا کی نو آبادی، زنجبار اور پمبا انتدابات یوگنڈا، نیاسا لینڈ، ٹنگا نیکا شامل ہیں اسکی تجارت کم ہوگئی۔

ہندوستان اور جنوبی افریقہ کی باہمی مجموعی تجارت ۲۶۹ لاکھ روپیہ کی تھی۔ اس کے مقابلہ میں پچھلے سال یہ تجارت ۱۰۸ لاکھ روپیہ کی تھی۔ ہندوستان کو چمڑہ پکانیوالی چھالیں صرف جنوبی افریقہ کی یونین ہی مہیا کرتی ہے۔ جسکی درآمد ۴۴۲۰۰ ہنڈرڈ ویٹ سے بڑھکر ۶۹۸۰۰ ہنڈرڈ ویٹ تک پہنچ گئی۔

ہندوستان جو چیزیں یونین کو برآمد کرتا ہے۔ ان میں جوٹ کا سامان اور چاول بھی شامل ہیں۔ جوٹ کی بوریاں بھیجی گئیں انکی تعداد ۲ کروڑ ۴۰ لاکھ سے بڑھکر ۳ کروڑ ۸۰ لاکھ ہوگئی اور سن کے کپڑے کی برآمد ایک کروڑ گز سے بڑھکر ایک کروڑ ۹۰ لاکھ گز ہوگئی۔ چاول کی برآمد ۲۵ ہزار ٹن سے بڑھکر ۴۱ ہزار ٹن ہوگئی۔

مشرقی افریقہ

مشرقی افریقہ کے ساتھ ہندوستان کی تجارت میں پہلے ۳۰۶ لاکھ روپیہ کی اور بعد میں ۵۸ لاکھ روپیہ کی کمی ہوگئی۔ مشرقی افریقہ کے ملکوں کو جو مال برآمد کیا گیا۔ اس سے زیادہ مال وہاں سے درآمد کیا گیا۔

خام روئی اور مسالے زیادہ مقدار میں درآمد کئے گئے پچھلے سال کی بہ نسبت خام روئی کی درآمد ۵۹۰۰۰ ٹن سے کم ہوکر ۳۶ ہزار ٹن رہ گئی۔ اور مسالے خصوصاً لونگوں کی درآمد ۱۲ لاکھ روپیہ سے بڑھکر ۴۰ لاکھ روپیہ ہوگئی۔

مشرقی افریقہ کو جو مال برآمد ہوتا ہے۔ اس میں ان چیزوں کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ سن کی بوریاں۔ سوتی کپڑے۔ غلہ۔

یہ چیزیں مذکورہ تجارت برآمد کا پچاس فیصدی حصہ ہیں۔ بوریوں کی برآمد ۲۷ لاکھ سے بڑھکر ۲۹ لاکھ تک پہنچ گئی۔ اور سوتی کپڑوں کی برآمد ۳۶ لاکھ گز سے بڑھکر ۶۸ لاکھ گز ہوگئی۔ غلوں خصوصاً چاول اور گیہوں کے آٹے کی برآمد ۸۰۰۰ ٹن سے کم ہوکر ۷۰۰۰ ٹن رہ گئی۔

لاسلکی آلات کی درآمد سے محصول

سنہ ۱۹۴۰ء کی ماہ جولائی سے ماہ ستمبر تک کی مدت میں لاسلکی کے آلات وغیرہ کی درآمد سے جو محصول وصول ہوا وہ سنہ ۱۹۳۹ء کے انہیں مہینوں کے حاصل شدہ محصول سے بقدر بیس ہزار روپیہ زیادہ ہے دونوں سالوں کے ان مہینوں کے محاصل کی تعداد حسب ذیل ہے:۔

سنہ ۱۹۳۹ء ... ۷۲۴ روپیہ

سنہ ۱۹۴۰ء ۶۳۴۷۰۰

لائسنس کی فیس کی رقم دو لاکھ چورانوے ہزار تین سو دس روپیہ ہے۔ یہ گزشتہ سال کے اسی زمانہ کی رقم سے بقدر پچاس ہزار اٹھارہ روپیہ زیادہ ہے۔

سپلائی ڈپارٹمنٹ کی توسیع و ترقی

پیداوار بڑھانے کی کوشش

جنگی سامان کی مانگ بڑھنے کیساتھ ساتھ حکومت ہند کے محکمہ سپلائی کی ازسرِنو تنظیم و توسیع کرنی پڑی۔ جنگ سے پہلے کا "پرنسپل سپلائی آفیسرس کمیٹی (انڈیا)" نامی ادارہ بڑھ کر محکمہ سپلائی ہوگیا ہے۔ جسکی گولہ بارود تیار اور فراہم کرنے والی شاخیں ہیں اور جسکی سکریٹریٹ بھی ہے۔

جنگ چھڑنے سے چند سال پہلے حکومت ہند نے "پرنسپل سپلائی آفیسرس کمیٹی (انڈیا)" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا تھا۔ اس جماعت میں آدمی ہیڈکوارٹرس کی چیف کنزیومنگ اینڈ سپلائنگ برانچز کے اور گورنمنٹ آف انڈیا کے محکموں کے افسر شامل تھے۔ اس کا صدر گورنر جنرل کی انتظامی کونسل کا ایک رکن تھا۔

اس کمیٹی کے خاص فرائض یہ تھے کہ زمانہ جنگ کی ضروریات کی تحقیقات کی جائے۔ یہ ضروریات دفاعی ملازمتوں، ریلویز۔ ڈاک و تار۔ فوائد عامہ خاص صنعتوں اور شہری آبادی کے ضروری سامان سے تعلق رکھتی تھیں۔

سنہ ۱۹۳۸ء میں لوہے اور فولاد کی صنعتوں۔ تیل صاف کرنے کی صنعت پارچہ بافی۔ گورنمنٹ ورکشاپس۔ آرڈیننس ریلویز۔ محکمہ ڈاک و تار۔ ریاستی کے آلات کا دفتر وغیرہ کی ضروریات کی جانچ پڑتال شروع کیگئی۔ معلوم ہوا کہ ان صنعتوں کو اکثر بنیادی اشیاء خام اسی ملک میں مل سکتی ہیں۔ لیکن یہ اندیشہ ظاہر کیا گیا کہ اگر اہم لوازم میں سے کسی ایک چیز کی درآمد کسی طویل مدت کیلئے بند ہو گئی تو یہ صنعتیں رک جائینگی۔

ان ضروریات پر بھی غور شروع ہوگیا۔ جو آدمیوں۔ فنی اور انتظامی مسائل اور جہاز کے ذریعہ سے سامان بھیجنے سے تعلق رکھتی ہیں۔

پرنسپل سپلائی آفیسرس کمیٹی کی مجالس ماتحت نے ان چیزوں کی طرف توجہ کی:۔ انتظامات ٹھیکوں کی تنظیم، انجینئرنگ اسٹورس، ٹرانسپورٹ اور سائنٹفک اسٹورس، کیمیاوی اجزاء، طبی اور ڈینٹری اسٹورس، پٹرول کی پیداوار، اسلحہ، سامان خرد و نوش اور عام ذخائر۔

محکمہ سپلائی کا قیام

۲۶ اگست سنہ ۱۹۳۹ء کو حکومت ہند نے محکمہ سپلائی کے قیام کا اعلان کیا۔ تاکہ جنگ کے ہر قسم کی ضروریات کی فراہمی سے تعلق رکھنے والے مسائل براہ راست طے ہو سکیں۔ اس محکمہ کا انتظام سر محمد ظفر اللہ خاں کے، سی، ایس۔ آئی ممبر قانون کے سپرد کیا گیا۔ جو چند سال تک پرنسپل سپلائی آفیسرس کمیٹی (انڈیا) کے صدر بھی رہ چکے تھے۔ اور اس کے پہلے ڈائرکٹر جنرل مسٹر ایچ ڈو۔ سی۔ آئی۔ ای۔ آئی۔ سی۔ ایس مقرر کئے گئے۔

حکومت ہند نے ایک "وار سپلائی بورڈ" بھی قائم کیا۔ اسکے فرائض یہ مقرر کئے گئے کہ وہ جنگ کے لئے ہر قسم کے سامان کی فوری فراہمی کو یقینی بنانے کے لئے ضروری تدابیر اختیار کرے۔ اور اس مقصد کیلئے حکومت ہند کے تمام محکموں اور تجارتی فرموں یا اداروں کی سرگرمیوں کے درمیان تعلق پیدا کرے۔

ڈائرکٹر جنرل آف سپلائی اور ڈپٹی ڈائرکٹر جنرل آف سپلائی بالترتیب صدر اور نائب صدر بنائے گئے۔ ریلوے بورڈ، ماسٹر جنرل آف آرڈیننس برانچ، کوارٹر ماسٹر جنرلس برانچ اور فنانس ڈپارٹمنٹ سے ایک ایک نمائندہ

لیا گیا اور چیف کنٹرولر آف اسٹورس، انڈین سٹورز ڈیپارٹمنٹ اور ڈائرکٹر آف کنٹریکٹس بھی ممبر بنائے گئے۔ یہ بورڈ کی ابتدائی شکل تھی جس کا اجلاس صرف ایک مرتبہ ۹ ستمبر ۱۹۳۹ء کو منعقد ہوا۔

نومبر ۱۹۳۹ء میں بورڈ کی ازسرنو تنظیم کی گئی۔ ڈائرکٹر جنرل آف سپلائی اسکے صدر اور ماسٹر جنرل آف آرڈیننس، فنانشل ایڈوائزر ملٹری فنانس، چیف کمشنر ریلویز اور سکریٹری کامرس ڈیپارٹمنٹ ارکان بنائے گئے۔

اسطرح بورڈ کے فیصلے حکومت ہند کے فیصلے ہو گئے۔ اور اسکی پہلی شکل باقی نہیں رہی۔ اسوقت وہ صرف سفارشیں کر سکتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کام بہت تیزی کے ساتھ ترقی کرنے لگا۔

محکمہ سپلائی اور سپلائی بورڈ کا مقصد یہ ہے کہ جنگ کیلئے جو سامان ضروری ہے وہ مہیا کیا جائے۔ تمام خریداریاں عام طور پر حکومت ہند کے نام سے ہوتی ہیں۔ لیکن بعض خریداریاں حکومت برطانیہ کے نام سے اور ان حکومتوں کے نام سے، جو سلطنت برطانیہ میں شامل ہیں۔ نیز اتحادی حکومتوں اور ہندوستانی صوبوں اور ریاستوں وغیرہ کے نام سے ہوتی ہیں۔

تاجروں کے لئے امداد

محکمہ سپلائی یا سپلائی بورڈ کے فرائض اور ذمے داریوں میں یہ بات شامل نہیں ہے کہ وہ سامان حاصل کیا یا خریدا جائے۔ جو عام تجارتی مقاصد کے لئے درکار ہوتا ہے۔ لیکن جو کارخانے جنگی ٹھیکوں کی تکمیل میں لگے ہوئے یا ان چیزوں کو مہیا کرتے ہیں جو عوام کے لئے مفید ہیں یا ضروری قومی اہمیت رکھتے ہیں۔ انھیں محکمۂ مذکور اور بورڈ ضروری سامان کی فراہمی میں مناسب اور امکانی امداد دیتے ہیں۔

ہندوستانی تاجروں کو سب سے پہلے امداد دینے کے انتظامات کئے گئے تاکہ وہ برطانیہ سے ضروری سامان ۔۔۔۔ درآمد کر سکیں۔ ہندوستانی صنعتی مفادات کو دعوت دی گئی کہ وہ اپنے نمائندے نامزد کریں تاکہ وہ محکمہ سپلائی میں تاجروں اور حکومت کے درمیان رابطہ پیدا کرنے کا کام کریں۔ اسطرح حکومت اور تجارتی مفادات کے درمیان حتی الامکان گہرا تعلق قائم ہو گیا۔ اور اس بات کا امکان پیدا ہو گیا کہ متعلقہ مفادات کے خیالات اور رایوں کی طرف نہایت کامل اور آزادانہ توجہ کی جا سکے۔

اس ادارہ کی کامیابی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس نے اتنے آرڈروں کا کام کیا جتنے کہ جنگ عظیم کے پہلے سال میں انڈین میونیشنز بورڈ نے نپٹائے تھے۔ اس محکمہ کے قیام کے آٹھ ہفتے کے اندر اندر سمندر پار کی حکومتوں کے لئے ۱۱½ کروڑ روپے کے آرڈر دئے گئے۔

ان میں وہ وسیع آرڈر شامل نہیں ہیں جو سمندر پار کی حکومتوں کی دفاعی فوجوں کے لئے گولہ بارود و سازوسامان اور رسد کیلئے تھے۔ اور ان میں برطانیہ کے لئے بیس لاکھ ریت کی بوریوں کا آرڈر شامل ہے۔

اس ڈیپارٹمنٹ کا ۶ ماہ کا خرچ انڈین میونیشنز بورڈ کے جنگ کے آخری سال کے بارہ ماہ کے خرچ محکمہ یا انڈین اور یونائیٹڈ کنگڈم انڈین اسٹورز ڈیپارٹمنٹ بشمول ڈائرکٹر آف کنٹریکٹس کے ۳۹-۱۹۳۸ء کے زمانۂ امن کے خرچ کے نصف سے کم تھا۔

قیمتوں کا مقابلہ

انڈین میونیشنز بورڈ نے ۱۸-۱۹۱۷ء میں ۵,۸۰,۲۵,۰۰۰ روپیہ کا سامان خریدا تھا۔ اس بورڈ کو ۳۲ لاکھ ۹۰ ہزار روپے کا سامان خریدنے کیلئے ایک لاکھ روپیہ خرچ کرنا پڑے۔ اور ایک لاکھ روپیہ کا سامان خریدنے میں ۳۰۳۰ روپیہ کا خرچ برداشت کرنا پڑا۔

۳۹-۱۹۳۸ء میں ڈائرکٹر آف کنٹریکٹس اور انڈین اسٹورز ڈیپارٹمنٹ نے ہندوستان اور برطانیہ میں مجموعی طور پر ۱۴,۰۲,۲۲,۰۹,۰۰۰ روپیہ کا سامان خریدا۔ ان محکموں نے ۲,۰۵,۶۰,۰۰۰ روپیہ کا سامان خریدنے میں ایک لاکھ روپیہ خرچ کیا اور ایک لاکھ روپیہ کا سامان خریدنے میں ۳۲۷۰ روپیہ کے مصارف برداشت کئے۔

محکمہ سپلائی نے پہلے چھ مہینوں میں ۴۱۴،۹۰۰ روپیہ کا سامان خریدا۔ (اسمیں صرف انڈین اسٹورز ڈپارٹمنٹ اور کنٹریکٹس ڈائرکٹریٹ کے جنگی مصارف شامل ہیں)۔ اسے ۲۰۶۱،۰۰۰ روپیہ کا سامان خریدنے میں ایک لاکھ روپیہ صرف کرنا پڑا۔ اور ایک لاکھ روپیہ کا سامان خریدنے میں

۴۵۰۸ روپیہ خرچ ہوا۔ ان میں ۴۹،۰۰۰ روپیہ کی خریداری جوٹ کے سبب سے ہوئی۔ اگر اسے نکال دیا جائے تو محکمہ نے ہر ایک لاکھ روپیہ خرچ کرکے ایک کروڑ ۵۳ لاکھ روپیہ کا سامان خریدا۔ اور محکمہ کو ہر ایک لاکھ روپے کا سامان خریدنے میں ۶۴۱ روپیہ خرچ کرنے پڑے۔ اگر جوٹ کی ساری خریداری کو نکال دیا جائے تو ڈپارٹمنٹ نے ہر ایک لاکھ روپیہ خرچ کرنے کے بعد ۶۴ لاکھ روپیہ کا سامان خریدا۔ اور محکمہ کو ہر ایک لاکھ روپیہ کا سامان خریدنے میں ۱۵۰۰ روپیہ خرچ کرنا پڑا۔

مختلف اداروں کے ان اعداد و شمار کو دوسری طرح بھی پیش کیا جاتا ہے۔ جنگ عظیم کے انڈین میونیشنز بورڈ نے ایک روپیہ خرچ کرکے ۲۳ روپیہ کا مال خریدا۔ ۱۹۳۹-۱۹۳۷ء کے زمانہ امن کی تین مجالس خریداری نے روپیہ خرچ کرکے ۴۰ روپیہ کا سامان خریدا۔ اسکے مقابلہ میں محکمہ سپلائی نے ایک روپیہ خرچ کرکے ۲۰۶ روپیہ کا سامان خریدا۔ اور اگر جوٹ کی تمام خریداری کو نکال دیا جائے تو اس نے ایک روپیہ خرچ کرکے ۶۴ روپیہ کا مال خریدا۔

رضامندانہ امداد

محکمۂ سپلائی نے پہلے چھ ماہ میں جو آرڈر حاصل کئے انکی رقم ۱۴½ کروڑ تھی۔ ان میں وہ آرڈر شامل نہیں ہیں جو عام تجارت کے سلسلے میں بیرونی ممالک سے ہندوستانی صنعتوں کیلئے حاصل کئے گئے تھے۔

اس دوران میں محکمہ کو ۱۰ لاکھ روپیہ خرچ کرنا پڑا۔ لیکن محکمہ نے جو آرڈر حاصل کئے انکے کمیشن کی رقم اس رقم سے بڑھ گئی۔ مصارف کی اس کمی کا بڑی حد تک یہ سبب تھا کہ ہندوستانی صنعت نے رضامندانہ امداد کی اور اپنے بعض نہایت تجربہ کار آدمیوں کی خدمات بغیر کسی معاوضہ کے محکمہ مذکور کے سپرد کر دیں۔

مارچ ۱۹۴۰ء میں بنگال میں جنگی سامان کی فراہمی کیلئے ایک مشاورتی کمیٹی قائم کیگئی تھی۔ مئی میں ہندوستان میں وزارت سپلائی (آئرن اینڈ سٹیل کنٹرول) کیلئے ایک تعلق قائم کرنیوالا افسر مقرر کیا گیا تاکہ وہ اطلاعات بہم پہنچائے اور وزارت مذکورہ کے ساتھ تعاون کرے۔ پہلی دفعہ حکومت ہند نے فیصلہ کیا کہ کنٹریکٹس ڈائرکٹوریٹ میں عارضی کمیشن افسروں کے عہدوں پر ہندوستانی افسر مقرر کئے جائیں۔

جون میں اعلان کیا گیا کہ گورنر جنرل باجلاس کونسل نے ہز ایکسیلینسی کمانڈر انچیف کے ایماء پر فیصلہ کیا ہے کہ محکمہ سپلائی کی از سر نو تنظیم و توسیع عمل میں لائی جائے۔ جس کا اثر یہ ہوگا ماسٹر جنرل آف آرڈیننس برانچ آرمی ہیڈ کوارٹرز کی بعض اہم شاخوں پر ڈیفنس ممبر کے بجائے کونسل کے سپلائی ممبر کی نگرانی قائم ہو جائے۔

شذرات

برائے خواتین

ایڈیٹر کے قلم سے

کیا آپ کو یہ توہین گوارا ہے؟

ہماری ماؤں اور بہنوں کو یہ شکایت بجا ہے کہ عام طور پر یورپین لیڈی ڈاکٹر جنہیں وہ اپنی اصطلاح میں بڑی میم صاحب اور چھوٹی میم صاحب کہا کرتی ہیں کا عام رویہ کیا بول چال اور کیا طرزِ گفتگو سب میں بہت سخت ہوتا ہے اور خصوصاً وہ میم صاحب جنکا تعلق خیر سے کسی ہسپتال سے ہوتا ہے کریلا اور نیم چڑھا بنجاتا ہے بعض اوقات تو وہ اسطرح جھڑکتی ہیں جیسے کسی جانور کو۔ ہماری مائیں اور بہنیں یہ سب کچھ دیکھتی ہیں اور برداشت کرلیتی ہیں درحقیقت یہ آپکی برداشت نے ہی ان کو ایسا آسمان پر چڑھا دیا ہے۔ سخت لہجہ میں تو بولنا درکنار وہ "آپ" کے سوا "تو" یا "تم" سے بھی بات نہیں کرسکتیں۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ آپ ان کے مقابلہ میں خود کو ذلیل یا کمتر نہ سمجھیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ آپ کی ملازم اور خدمتگار ہیں کمیٹی یا گورنمنٹ آپ سے ٹیکس کی صورت میں روپے وصول کرکے ہسپتال کھولتی ہے اور انہی ہسپتالوں میں آپکی خدمت کیلئے ملازم رکھی جاتی ہیں۔ گویا اسکا سیدھا سادھا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ کی ایسی ملازم ہیں جنکو آپ جیسے دس یا پانچ آدمیوں نے ملکر اس شرط پر رکھا ہے کہ وہ سب کی یکساں خدمت کریگی۔ آپ ہی بتائیے کہ اگر آپ کی کوئی خادمہ آپسے ترشروئی کرے تو آپ اس صورت میں کیا کرینگی۔ غالباً یہی کہ اس کا حساب کردیا جائے گا۔ یہی صورت یہاں بھی ہے۔ اگر کوئی لیڈی ڈاکٹر یا بقول آپ کے میم صاحب سختی یا ترشروئی سے بات کرے یا مریض کو دیکھنے بھالنے میں غفلت اور لاپروائی کرے یا اسی قسم کی اور کوئی حرکت کرے جس کی بنا پر آپ کو یا مریض کو صدمہ پہنچے تو آپ کو لازم ہے کہ اسکی شکایت چیئرمین میونسپل کمیٹی اور اخبارات میں بھیجدیں۔ اگر آپ کی شکایت ٹھیک ہوگی تو اس

[illegible]

لیڈی ڈاکٹر سے پوری باز پرس کیجائیگی۔ اگر اسکی غلطی زیادہ شدید ہوئی تو اسکو اپنی ملازمت سے علیحدہ ہونا پڑیگا۔ لیکن اگر آپ خون کا گھونٹ پی کر خاموش ہوگئیں تو سمجھ لیجئے کہ آپ نہ صرف اپنے لئے بلکہ دوسروں کے لئے بھی ایسی زہریلی ناگن کو دودھ پلا کر پال رہی ہیں جو سب کو کاٹیگی اگر کوئی شکایت آپ کو پیش آئے تو آپ بصد شوق ہمکو بھی بھیج سکتی ہیں ہم اس کے خلاف پُرزور احتجاج کرینگے۔

اس کیساتھ ہی یہ بھی سمجھ لیجئے کہ مرض کا علاج یہ نہیں ہے بلکہ یہ تو صرف دفع الوقتی ہے اسکا علاج تو یہ ہے کہ آپ اپنوں میں ہی ہنر پیدا کیجئے اپنی لڑکیوں کو اعلٰی تعلیم سے آراستہ کیجئے لیڈی ڈاکٹر حکیم بنائیے تاکہ دوسروں کی غلامی اور ذلت سے چھٹکارا بھی ہو۔ اور مخلوق خدا کی خدمت بھی۔

غریبوں کی تعلیم

محترمہ اہلیہ حافظ محمد نقی صاحب دِلّی والوں نے ایک مضمون غریبوں کی تعلیم کے متعلق دیا ہے آپ نے جس شئے پر زور دیا ہے اسکی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا۔ امینیہ گرلز اسکول کے متعلق جو کچھ آپنے تحریر فرمایا ہے وہ کچھ مشکوک سا ہے اور اس سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ گویا امینیہ گرلز اسکول میں لڑکیوں سے فیس وصول کیجاتی ہے۔ حالانکہ یہ چیز قطعاً نہیں ہے لڑکیوں سے فیس بالکل نہیں لیجاتی صرف کرایہ آمدورفت ڈولی کا لیا جاتا ہے وہ بھی پورا نہیں آپ نے جو یہ اپیل کی ہے کہ بہنیں ایسا مدرسہ کھولیں جہاں غریب بہنیں مفت تعلیم حاصل کرسکیں۔ اگر آپ کے ارشاد کے مطابق ایک سکول اور بھی اسی قسم کا کھولا گیا تو دوسرے محلہ کی لڑکیوں کیلئے وہ بھی ایسا ثابت ہوگا جیسے امینیہ گرلز اسکول۔ اول تو امینیہ گرلز سکول جس فراخدلی اور حوصلہ سے جاری کیا گیا ہے وہ حق جناب محمد امین صاحب سنگاپور والوں کا ہی ہے اگر بفرض محال کسی دوسرے بزرگ نے اتنی ہمت بھی کی تو ساری قوم کی پیاس پھر بھی نہ بجھ سکیگی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جیسے ہر محلہ میں مسجد ہے ویسے ہی چونکہ پردہ وغیرہ ضروری ہوتا ہے اسلئے لڑکیوں کا مدرسہ محلہ والے ملکر جاری کریں اور کوئی محلہ اس سے خالی نہ رہے۔ بجز ہمت [illegible] خود ہماری خواتین [illegible] اس کام کو کریں آخر وہ بھی انسان ہیں۔ اپنی جنس کے نفع و نقصان کا خیال زیادہ انہی کو ہونا چاہئے۔ اور [illegible]

افسانہ

کوہساروں میں

از محترمہ زہرہ ریالہ

"میں صبح نینی تال جارہا ہوں"۔

"کیوں؟"

"کچھ طبیعت اچھی نہیں ہے۔ کچھ یہاں کی کاروباری مصروفیتوں سے تنگ آچکا ہوں اور کچھ گرمی نے پریشان کر رکھا ہے"۔

"تو یوں کہیئے کہ گرمی سے تنگ آکر آپ نینی تال جارہے ہیں"۔

"ہاں اصل بات تو یہی ہے"۔

"مجھے بھی لے چلئے۔"

"تم جاکر کیا کروگی؟"

"میں سمجھتی تھی........"

"کیا سمجھتی تھیں؟"

"کچھ نہیں"۔

"کہو نا آخر رک کیوں گئیں"۔

"میں سمجھتی تھی کہ میں آپ کی شریک زندگی ہوں"۔

"ہاں ہاں تو پھر اس میں شبہ کی کیا گنجائش ہے، تم تو صرف سمجھتی ہی ہو اور مجھے یقین ہے"۔

"اور شریکِ زندگی کے ساتھ ساتھ شریکِ رنج و راحت بھی"۔

"بیشک بلکہ بلاشک"۔

"تو یہاں گرمی میں تو آپ کے ہمراہ رہوں اور وہاں ٹھنڈی ہواؤں اور کالی گھٹاؤں میں آپ سے دور، گویا صرف تکلیف کی ساتھی شریکِ تکلیف، شریکِ راحت نہیں"۔

"یعنی واللہ بڑی مسخری ہو۔ بہت اچھا۔ جہاں اتنا اسباب اور ساتھ لونگا وہاں تمہیں بھی لے چلوں گا"۔

"اور یہ کہاں کا انصاف ہے کہ بھائی اور بھابی تو نینی تال کی برفانی فضاؤں کا لطف اٹھائیں اور چھوٹی بہنیں اور بھائی گرمی، حبس اور برساتی بیماریوں کے مزے چکھیں"۔

"تمہارا مطلب یہ کہ ناظم، صابرہ اور نبھی کو بھی ہمراہ لیچلوں؟"

"آپ ان کے سگے بھائی ہیں۔ جب آپ ہی ان کے آرام کا خیال نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا اور پھر علاوہ اس کے میں تو کبھی اس کو گوارہ نہیں کرونگی کہ چھوٹی نندوں اور دیور کو یہاں چھوڑکر خود مزے سے سیر سپاٹے کرنے نکلوں"۔

"میں تو نینی تال کا ارادہ کرکے مصیبت میں آگیا"۔

"یہ تو آپ کا خیال ہے۔ ورنہ اصولاً تو آپ کو اپنے بھائی بہنوں کو آرام پہنچاکر مسرت حاصل ہونی چاہئے"۔

"جی بہت اچھا آپ جیتیں میں ہارا۔ انھیں بھی ہمراہ لے لیجئے"۔

"میں آپ کی بیحد شکرگذار ہوں۔ آپ نے میری بات کو رد نہیں کیا۔ لیکن یہ تو بتایئے کہ کھانے کا کیا انتظام ہوگا۔ ہوٹل کا کھانا ایک تو اچھا نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ اس میں صرفہ بھی بہت ہوگا۔ کیا یہ مناسب نہیں ہے کہ کھانے وغیرہ کے لئے اور دیگر چھوٹے موٹے کاموں کے لئے مجو کی اماں کو ہمراہ لے لیا جائے"۔

"یعنی یہ کہ خواہ مخواہ" بھئی باز آیا میں ، یعنی یہ کہ آخر . . . ."

"یہ تو میں نے آپ ہی کی آسائش کے خیال سے کہا ورنہ میرا کیا فائدہ ہے۔ کھانا بازار سے بھی آسکے گا۔ لیکن وہ جیسا ہوگا آپ جانتے ہی ہیں۔ چربی آمیز گھی، برے سے برا گوشت۔ سڑی بسی ترکاریاں اور پھر دام بھی زیادہ۔ مجو کی ماں کو ساتھ لینے میں یہ فائدہ ہے کہ گھی مصالحے اور دیگر چیزیں یہاں سے رکھلی جائینگی۔ اور صرف گوشت ترکاری وہاں سے لے لیا جائیگا۔ نہ خراب گھی کا خطرہ ہوگا نہ ہوٹل کے میلے کچیلے برتنوں کا خدشہ۔ گھر کا سا کھانا ملیگا اور افراط کے ساتھ۔ ناظم، صابرہ بچے ہی تو ہیں نہ جانے کس کس وقت مانگ بیٹھیں۔ ہوٹل سے آنے میں بڑی دقت ہوا کرے گی۔ جب گھر کے ٹکا تو چاہے جب کھائیں کوئی روک ٹوک نہ ہوگی۔"

"اچھا صاحب جس جس کو آپ کا دل چاہے ہمراہ لے چلئے خواہ سارا محلہ ہی کیوں نہ ہو۔ جب آپ سے شادی کر کے غلطی کی ہے تو اس کا خمیازہ بھی بھگتنا ہی پڑے گا۔ اچھا اور کس کس کو ساتھ لیا جائے گا۔ جلدی سے ایک سانس میں کہہ ڈالئے۔"

"آپ تو ناراض ہونے لگے، حالانکہ ناراضگی کی کوئی بات نہیں ہے۔ بس اور تو کسی کو لینا نہیں ہے. . . . اچھا تو یہاں کب چلیئگا؟"

"میں کل صبح جارہا ہوں۔ لیکن تم اس وقت تک مع اپنے ہمراہیوں کے تیار بھی ہو سکوگی؟"

"کل ہی صبح! آپ پرسوں تک نہیں ٹھہر سکوگے؟"

"نہیں میں کل ہی جاؤنگا۔ اور صبح ہی کی گاڑی سے۔"

"بہت اچھا ہم سب تیار ہوجائینگے۔ بس زیادہ سے زیادہ رات میں سونے کو نہیں ملیگا۔"

نتیجہ یہ کہ دوسرے دن صبح صبح سورج نکلنے سے بھی پیشتر سب کے سب اسٹیشن پہنچ کر گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔ اس زنانے درجہ میں میرے اور میری دونوں نندوں کے علاوہ ایک نوجوان لڑکی اور تھی۔ یہ ہم سے بھی پہلے سوار ہو چکی تھی۔ تھوڑی دیر بعد گفتگو کا رشتہ قائم ہوا۔ کہنے لگیں:۔

"آپ لوگ کہاں تشریف لیجا رہی ہیں؟"

"سامنے نینی تال تک۔" میں نے جواب دیا۔

"آپ لوگ بہنیں بہنیں ہیں؟"

"بہنیں تو نہیں لیکن بہنوں جیسی۔"

"اچھا تو آپ . . . . . ." اور اس کے آگے وہ خاموش ہوگئیں۔ غالباً اپنے ذہن میں ہمارے رشتے قائم کر رہی تھیں۔ شاید سہیلیاں کہتیں مگر صابرہ میری چھوٹی نند سہلاپے کی زد سے بچتی نظر آرہی تھی۔ میں نے خود کہا:۔

"یہ دونوں میری نندیں ہیں۔"

"اچھا! اب میں سمجھی اور آپ کا نام کیا ہے؟" انہوں نے مجھ سے پوچھا۔

"عاصمہ خاتون۔"

"اور آپ کا؟" میری نند نغی سے پوچھنے لگیں۔

"میرا نام عاصمہ سلطانہ۔"

"کیا؟ نہ بچا ورج دونوں کا نام عاصمہ!"

"جی ہاں کیا کیا جائے مجبوری ہے۔" میں نے سوکھا سا منہ بنا کر کہا۔

"اور آپ کے شوہر کا نام کیا ہے؟"

"بتا تو دیتی مگر آپ یقین نہیں کرینگی۔ محض مذاق خیال کرینگی۔"

"نہیں نہیں میں مذاق کیوں سمجھنے لگی۔ آپ بتائیے۔"

"ان کا نام عاصم ہے۔"

"سچ... سچ... سچ... ؟" اور وہ حیرت و استعجاب کی نظروں سے ہمیں گھورنے لگیں۔

"دیکھئے نا۔ میں نے تو پہلے ہی کہا تھا۔ آپ مذاق سمجھیں گی۔"

"نہیں یہ بات نہیں، بلکہ مجھے امید نہیں تھی کہ میں زہرہ پر کیما سے اس قدر آسانی سے مل سکونگی۔"

"آپ کو کیسے معلوم کہ میرا نام پریما ہے۔" اور اب میں انہیں تعجب سے دیکھنے لگی۔

"معاف کیجئے میں آپ کی شادی میں شریک نہ ہو سکی۔ صرف ایک حقیر تحفہ ہی ارسال کر سکی۔ کیا بتاؤں سخت پریشانی میں مبتلا تھی میرے والد اچانک بیمار ہو گئے۔ اور میرا جانا رہ گیا۔ صرف میرے شوہر سعید صاحب ہی جا سکے۔"

"ارے آپ سنجیدہ بہن ہیں؟" میں نے ان کی گفتگو سے انہیں پہچان کر کہا۔

"ہاں میں سنجیدہ ہوں، آپ نے بہت پہچانا...... عاصم صاحب آپ کے ساتھ ہیں نا؟"

"جی ہاں برابر کے کسی ڈبے میں ہیں۔"

"بس تو وہ سعید صاحب سے مل لئے ہونگے۔"

"آپ بھی نینی تال جا رہی ہیں؟"

"نہیں بہن رانی کھیت جاؤنگی۔ آپ کی شادی میں سعید صاحب کو لوگ گئی تھی۔ بخار آنے لگا تھا۔ اب بخار تو نہیں ہے مگر کمزوری ہے۔ ایک مہینہ وہاں رہ آئینگے تو ٹھیک ہو جائینگے۔

...... خوب ملیں بہن۔ لیکن بہت ہی مختصر عرصہ کے لئے۔ نینی تال سے ایک دن کے لئے رانی کھیت آیئے نا۔"

"کوشش کرونگی، مگر وہ شاید راضی نہ ہوں۔"

"شوکت دلہن آجکل بھوالی ہیں۔ ان سے ملنے تو آپ جائینگی ہی وہاں سے رانی کھیت کچھ دور نہیں ہے۔"

"ہاں ان سے ملنا تو بہت ضروری ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے پھڑکتے ہیں۔ لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ شوکت دلہن ہی بھوالی سے نینی تال آ جائیں۔ اور آپ بھی رانی کھیت سے چلی آئیں۔"

"واہ واہ خوب آپ نے پیچھا چھڑایا۔ اچھا میں ہی کوشش کرونگی۔"

اسی قسم کی باتوں میں کاشی پور آگیا۔ وہاں کھانا کھایا۔ پھر لال کنواں آگیا۔ یہاں گاڑی تبدیل کی اور اسکے بعد ہلدوانی آیا تو ریل سے موٹر کا سفر اختیار کیا اور پھر...... پہاڑوں کی چکر دار سڑک تھی۔ اور ہم تھے۔ میں اور عاصم صاحب تو خیر ان باتوں کے عادی تھے لیکن ناظم صابرہ اور ننھی بہن اچھی طرح گھومنے لگیں۔ اس خمدار سڑک اور پُر پیچ سفر سے تین بجے چھٹکارا نصیب ہوا۔ اور سوا تین بجے ہم لوگ موٹر اسٹینڈ پر کھڑے تال کی ہوا کھا رہے تھے۔ بچوں کو خوب سردی لگنے لگی۔ بلکہ صابرہ کی تو تھر تھری بندھ گئی۔ یہاں سے ایک رکشا کی مدد حاصل کی اور یٹی ہوٹل پہنچے۔ تھوڑی دیر بعد چائے وغیرہ سے فارغ ہو کر پڑوسیوں کا جائزہ لیا۔

ہمارے داہنے ہاتھ کے کمرے میں اتفاق سے مالک ہوٹل شیخ رحمت اللہ کی بیوی مع اپنی لڑکیوں کے مقیم تھیں۔ رسمی گفتگو ہوئی باتوں باتوں میں معلوم ہوا کہ ان کا وطن مراد آباد ہے۔ اب اطمینان سے گفتگو ہوئی۔ ان کی چھوٹی لڑکی نسیمہ اور مجھلی لڑکی طاہرہ بہت گہری دوست بن گئیں۔

"اچھا بھئی میں ذرا اپنے دوستوں کے پاس ہو آؤں۔" وہ چائے پیکر کہنے لگے۔

"اور ہم ٹہلنے کس کے ساتھ جائیں؟" صابرہ نے پوچھا۔

"ابھی بارش ہو رہی ہے اور تم تھکی ہوئی بھی ہو کل جانا۔" اور یہ کہکر وہ چل دئے۔ اتنے میں نسیمہ ایک اور لڑکی کو ہمراہ لیکر آگئی۔

اس سے گفتگو ہوئی۔ بملا نام جالندھر کی رہنے والی۔ گیارھویں جماعت تک پڑھی۔ تبدیل آب و ہوا کی غرض سے کچھ دنوں کے لئے نینی تال آئی ہوئی تھی۔ ان سے میری خوب بنی۔ زیادہ تر وقت انہیں کے ساتھ کٹا۔ تیسرے دن میں ایک جگہ دعوت میں گئی۔ میری میزبان خاتون نے بتایا کہ ان کے پڑوس میں رشیدہ قیوم، شکیلہ قیوم، اور نعیمہ قیوم رہتی ہیں۔ ان تینوں بہنوں کی نسبت مجھے بہن فہمیدہ خاتون فرحت نے ایک خط میں لکھا تھا کہ یہ انکی سہیلیاں ہیں اور بڑے اچھے ادبی مذاق کی مالک ہیں۔ چائے کے بعد میری میزبان خاتون مجھے ان بہنوں کے گھر لے گئیں۔

میں ان تینوں سے ملکر بیحد محظوظ ہوئی۔ واقعی بہن فرحت نے جیسا لکھا تھا۔ میں نے اس سے کچھ زیادہ ہی پایا۔ ماشاءاللہ یہ تینوں بہنیں بڑے اچھے اخلاق و عادات کی مالک ہیں۔ ان کے ستھرے ستھرے مذاق کو دیکھکر مجھے بڑی مسرت ہوئی۔ بہت کافی دیر تک میں نے ان بہنوں سے گفتگو کی۔ بات چیت زیادہ تر ادبی ہی تھی۔ یا فرحت، نکہت اور زکیہ زکی سے متعلق۔

ان سے رخصت ہو کر دس بجے رات کو دعوت کھائی اور پھر ہوٹل آکر خود کو چارپائی پر گرا دیا۔ صبح اٹھکر چہل قدمی کو گئے۔ ناشتہ کیا۔ نسیمہ، طاہرہ اور بملا سے گفتگو کی۔ ڈاک دیکھی۔ مختلف رسائل اور اخبار پڑھے۔ پھر گھومنے نکلے۔ ہوٹل آئے کھانا کھایا سو گئے۔ چار بجے سو کر اٹھے۔ ناشتہ کیا پھر ٹہلے۔ کھایا پیا اور سو گئے۔ بس روزانہ کا یہی معمول رہا۔ کبھی کبھی کہیں کہیں دعوتیں بھی کھائیں ...

اس درمیان میں کئی مرتبہ کوشش کی کہ بھوالی جاکر بہن سعیدہ خاتون، شوکت دلہن سے مل آؤں۔ اور رانی کھیت پہنچکر صدیق صاحب کی بیگم صاحبہ اور سنجیدہ بہن سے ملوں۔ لیکن یہاں کی دلچسپیوں اور مصروفیتوں نے اتنی اجازت نہ دی۔

بہن شوکت دلہن کو کئی مرتبہ لکھا کہ ایک آدھ دن کے لئے آجائیے۔ مگر انہوں نے ہر مرتبہ کوئی نہ کوئی عذر کر دیا۔ نتیجہ یہ کہ نہ وہ آسکیں نہ میں جا سکی۔

"سامان پیک کر دو۔" ایک دن صبح ہی صبح عاصم صاحب نے سب سے کہا۔

"ابھی سے!" صابرہ بہن کچھ پریشان ہو کر بولی۔

"ہاں، بس کافی دن گذر چکے۔"

"لیکن بھائی جان ابھی تو گھر گرمی ہوگی!" ناظم نے کہا

"ہونے دو ہوگی تو، دوکان کے بعض کام ایسے ہیں۔ جن کیلئے فوراً پہنچنا ضروری ہے!"

چنانچہ یکم اگست کو ہم نینی تال سے پھر آنے کا وعدہ کر کے رخصت ہوئے۔ افسوس ہے کہ بہن رشیدہ، شکیلہ اور نعیمہ کی چائے کی دعوت محض اس عجلت کی بنا پر رہ گئی اور وہ شاید کچھ برا بھی مانیں۔ مگر خیر اگلے سال اسکی تلافی ہو جائے گی۔

صحت و تندرستی

شفاء للنّاس

شہد میں دو سادہ قسم کی شکریں شامل ہیں۔ ایک تو انگوری شکر یعنی "ڈکسٹروز" اور دوسری پھلوں کی شکر یعنی "لیوولوز" یہ دونوں مقدار کے لحاظ سے تقریباً برابر ہوا کرتی ہیں۔ اور کل شہد کی مقدار کا ۷۰ فی صدی حصہ ان سے بنتا ہے۔ فوری ضرورتوں کے لئے شہد جسم کی قوتِ عمل کو تازہ کرنے کا ایک بہت مؤثر ذریعہ ہے۔

شہد کے متعلق دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس میں نہایت بیش قیمت معدنی نمکیات کا بھی بہت کافی جزو ہوتا ہے اور یہ تمام نمک قدرتی نمکوں کی شکل میں ہوتے ہیں۔ اور حلق سے اترتے ہی فوراً جسم کے کام آسکتے ہیں۔ معمولی شکر پر اس کو اسلئے بھی فوقیت حاصل ہے کہ معمولی شکر جسم کے اندر گھنٹوں تک کوٹی اور پیسی و چھانی جاتی ہے۔ اور اس کام پر جسم کی بہت سی قوتِ عمل صرف ہوتی ہے۔ لیکن شہد کو ننھے ننھے قدرتی کیمیاگر یعنی شہد کی مکھیاں پہلے ہی ان تمام مرحلوں سے گزار کر اس قابل بنا دیتی ہیں کہ جسم کی رطوبتوں کے ساتھ شامل ہوسکے۔

شہد کی مکھیاں اس آبِ حیات کو پھولوں سے شہد بننے کے موسم میں جمع کیا کرتی ہیں۔ اور یہ موسم مختلف ملکوں میں مختلف ہوتا ہے جس وقت جمع کیا جاتا ہے تو شہد پتلا اسیال ہوتا ہے اور بہت ہی ناصاف۔ لیکن ہمارے ننھے کیمیاگروں کی محنت اسے تھوڑے سے عرصہ میں صاف بھی کر دیتی ہے۔ اور سولہ سے بیس فیصدی تک اس میں سے رطوبت بھی گھٹا دیتی ہے۔

شہد میں جس قدر رطوبت کم ہو اسی قدر اچھا ہوتا ہے بشرطیکہ اسے چھتے میں سے احتیاط کے ساتھ نکالا جائے۔ شہد کو ایسے برتنوں میں رکھا جائے جس کے منہ ایسی اچھی طرح بند ہوں کہ ان میں سے ہوا کا گزر نہ ہو۔

شہد کو "قدرت کی مٹھائی" یا بوتل میں بند شعاعِ آفتاب" کہا جاتا ہے اور ہمارے کھانے کے کمرے میں اسے بہت اچھی جگہ ملنی چاہیئے اسے ٹھنڈی اور خشک جگہ میں مٹی اور سیل سے بچا کر رکھنا چاہیئے اور ہر اس چیز سے دور رکھنا چاہیئے جو مزے میں تیز اور چرپری ہو بہتر یہ ہے کہ اس کے لئے ایک الماری علیحدہ رکھی جائے۔

نوجوان عورتوں کو جنہیں اپنی تندرستی اور اپنے حسن سے محبت ہوتی ہے۔ صحیح طور پر یہ مشورہ دیا جا سکتا ہے کہ وہ معمولی شکر کی بنی ہوئی مٹھائی پر روپیہ ضائع کرنے کی بجائے شہد خریدا اور کھایا کریں۔ بلادِ حسن کے ان نونہالوں کو یہ معلوم کر کے حیرت ہوگی کہ چہرے کے ابٹنوں میں بہ کثرت یہ شہد ہی شامل کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے اثر سے جلد چکنی اور ملائم ہو جاتی ہے۔ اب یہ بات خود ہی آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ جس چیز کو وہ جلد پر لگاتی ہیں اسے کھا کر نظامِ جسمانی ہی میں کیوں نہ شامل کریں اس طریقہ پر خرچ کم ہو جائے گا اور فائدہ بہت زیادہ۔

شہد ایک بہت ہی "مختصر اور جامع" غذا ہے اسلئے بعض آدمیوں کو اس کے ہضم کرنے میں دقت محسوس ہوتی ہے۔ انھیں چاہیئے کہ وہ اسے ایک گلاس گرم پانی میں ملا کر پیا کریں۔ اور خوشبو دار بنانے

کے لئے ذرا سا لیمو کا رس اسمیں نچوڑ لیا کریں۔ شہد کو اگر دودھ کے ہمراہ استعمال کیا جائے تو یہ بھی مفید طریقہ ہے۔ پھلوں کے رس کے ساتھ بھی شامل کر کے اسے پیا جا سکتا ہے۔ ایک گلاس شربت کے لئے عموماً چائے کا ایک چمچہ شہد کافی ہوتا ہے۔

بچوں کو شہد کھانے کی عادت ڈال دینے سے دو فائدے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان کے جسم کو بہت عمدہ غذا ملتی ہے۔ اور دوسرا یہ کہ مٹھائی کا نعم البدل بنجاتا ہے۔ شہد اگر کھانے کے ہمراہ کھایا جائے تو بہت بہتر ہے۔ بالخصوص صبح کے ناشتہ کے ساتھ دو کھانوں کے درمیان شہد کا استعمال درست نہیں ہے۔

اگر احتیاط مدِ نظر رہے تو شہد بالکل چھوٹے بچوں کو بھی دیا جا سکتا ہے جس شہد کا رنگ کسی قدر سیاہی مائل ہوتا ہے اس میں فولاد کا جز زیادہ ہوتا ہے۔

شہد قاتل جراثیم بھی ہوتا ہے۔ اور بیماریوں کے جراثیم اس میں عرصہ تک زندہ نہیں رہ سکتے۔ جلے ہوئے زخموں پر اور دوسرے معمولی زخموں پر اس کے استعمال کے فوائد ہزاروں مرتبہ تجربہ سے ثابت ہو چکے ہیں۔

شہد ایسی غذا ہے کہ ہر شخص اسے بلا تکلف استعمال کر سکتا ہے۔ اگرچہ یہ ضروری ہے کہ جو لوگ ذیابیطس میں مبتلا ہیں یا جنہیں اور کسی وجہ سے مخصوص پرہیزی غذا ملی رہی ہو انہیں شہد کے استعمال سے پہلے اپنے معالج سے مشورہ کر لینا چاہئے۔

کھلاڑیوں اور کسرت کرنے والوں کے لئے بھی شہد بے نظیر چیز ہے ۱۹۳۳ء میں آکسفورڈ کی کشتی چلانے والی جماعت کی کامیابی کا سبب یہی قرار دیا گیا تھا کہ اس پوری جماعت کے لئے شکر کا استعمال ممنوع قرار دیکر انہیں شہد پر پرورش کیا گیا تھا۔

پہاڑوں پر چڑھنے والی اور بائیسکل پر سفر کرنے والے سیاح بھی اکثر اس بات کا اعتراف کر چکے ہیں کہ شہد چاکولیٹ کے مقابلہ میں قوتِ برداشت کو بہت زیادہ کر دیتا ہے۔

اچھے ہوا باز بھی امریکہ کی ریاست ہائے متحدہ میں ہمیشہ ناشتہ کے ساتھ شہد کا استعمال کرتے ہیں۔

کسرت کرنے والوں اور کھلاڑیوں کے لئے جو ابھی زیرِ تربیت ہوں روزانہ ایک چھٹانک شہد کا استعمال کافی ہے۔ تیز دوڑ کے مقابلہ میں دوڑنے سے بیس منٹ پہلے آدھی چھٹانک شہد کھا لینا چاہئے۔ اور کشتی چلانے والے کے مقابلہ میں حصہ لینے سے نصف گھنٹہ پیشتر ایک چھٹانک شہد استعمال کر لینا چاہئے۔ فٹ بال اور گھونسہ بازی کے مقابلہ کیلئے بھی یہی مقداریں مناسب ہیں۔ اتنا ضرور ہے کہ کھیل کے دوران میں بھی ذرا سا شہد کھا لیا جائے تو بہتر ہے۔ زیادہ فاصلہ تک بائیسکل چلانے یا پیدل چلنے کے مقررہ وقفے کے بعد تھوڑا تھوڑا شہد کھاتے رہیں۔

چائے نوشی

ہندوستان میں چائے کا استعمال اس قدر بڑھ گیا ہے کہ اب اس مسئلہ پر غور و فکر کی ضرورت لاحق ہو گئی ہے۔ اب حالت یہ ہے کہ چائے پینے کی عادت نہایت تیزی کے ساتھ تمام ملک میں پھیلتی جا رہی ہے اور رفتہ رفتہ اس نے دودھ کی جگہ لے لی ہے جو کھانے کے ساتھ استعمال ہوا کرتا تھا۔ بکثرت آدمی اس کے عادی ہو گئے ہیں! اور یہ عادت بھی پرانی ہو گئی ہے۔ چائے اگر زیادہ مقدار میں استعمال کیجائے تو اس سے ہیجان پیدا ہو جاتا ہے! اور قلب کی حرکت تیز ہو جاتی ہے۔ معدے پر بھی چائے کا برا اثر پڑتا ہے۔ اشتہا زائل ہو جاتی ہے۔ اور ہضم میں فتور پڑ جاتا ہے۔ جسکی وجہ سے بدہضمی اور اسی قسم کے دوسرے عوارض لاحق ہو جاتے ہیں۔ بچوں کو بھی چائے بالکل نہیں دینی چاہئے۔ جوانوں میں اگر وہ زیادہ چائے پئیں تو بڑھاپا جلدی آ جاتا ہے کیونکہ جسم کے نظام تغذیہ میں فتور برپا

ہو جاتا ہے۔

گھریلو مکھیاں کوڑھ پھیلاتی ہیں ۔

پیرس کے پاسچر انسٹی ٹیوٹ کے ایک فرانسیسی نے اعلان کیا کہ گھریلو مکھیاں کوڑھ کے مرض کو ایک دوسرے تک پہنچاتی ہیں۔ صرف مکھی ہی ایک ایسا جانور ہے جو اس خوفناک مرض کے جراثیم کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دیتا ہے۔ یہ اعلان ڈاکٹر اسی مارشونے کیلی فورنیا یونیورسٹی کی خصوصی پبلک سائنس کانگریس کے سامنے کیا تھا۔ ڈاکٹر مارشونے یہ بھی کہا کہ قبل اسکے کہ مکھی کسی کے جسم تک جراثیم پہنچائے دیگر حالات کا ان جراثیم کے افزائش پانے کیلئے موافق ہونا ضروری ہے۔ لوگوں کے رہنے کا ماحول، صفائی سے محرومی اور خرابی آب وہوا اور چند دیگر چیزیں ملکر اس مقصد کو پورا کرتی ہیں۔

حسب خواہش لڑکے یا لڑکیاں پیدا کرنا

جاپان کے اوساطبی کالج کے پروفیسر ڈاکٹر کتازنے ایک اپنا نظریہ شائع کرایا ہے کہ ماں کے پیٹ میں جب بچہ ہو تو اسے حسب مرضی نر یا مادہ بنایا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر کتازخون کی اس کیفیت کے ماہر خصوصی ہیں کہ جس میں خون کے اندر تیزابیت بڑھ جاتی ہے اور اسی چیز کے مطالعہ کے ضمن میں انہوں نے سا ہا سال تک یہ تجربے کئے ہیں کہ ماں کے خون کی اس کیفیت کا جنین (پیٹ کا بچہ) کے نر یا مادہ ہونے سے کیا اثر ہوتا ہے اپنے ان تجربوں سے انھیں یہ بات معلوم ہوئی کہ جن حاملہ خرگوشنوں کو غذا میں کیلسیم (چونا) ملتا رہا ان کے نر بچے زیادہ پیدا ہوئے اور جنکو غذا میں میگنیشیم زیادہ دیا گیا ان کے مادہ اولاد زیادہ پیدا ہوئی۔

ان کے تجربوں سے معلوم ہوا کہ جن خرگوشوں کو ایسی غذائیں کہ جنمیں کیلسیم بکثرت ہوتا ہے مثلاً دودھ، سبز ترکاریاں اور پھل بکثرت کھلائے گئے انہوں نے ہر ایک مادہ بچوں کے بالمقابل پہلی بار بہت پر ۲۳ اور دوسری بار بہت پر سو کے مقابلہ میں ۱۷۰ اور تیسری بار بہت پر سو کے مقابلہ میں ۱۹۲ نر بچے دیئے۔ جن خرگوشوں کو خوراک میں گوشت یا ایسی دوسری غذائیں کہ جنمیں میگنیشیم زیادہ ہوتا ہے بکثرت دی گئیں ان میں پہلی مرتبہ ایک سو مادہ بچوں کے بالمقابل صرف ستر، دوسری مرتبہ سو کے مقابلہ میں صرف ساٹھ اور تیسری مرتبہ سو کے مقابلہ میں صرف ۴۵ نر بچے پیدا ہوئے۔

اس نظریہ کا اطلاق انسانوں پر کر کے ڈاکٹر کتاز نے اعلان کیا کہ اگر کوئی حاملہ عورت استقرار حمل سے اندازاً پندرہ دن پیشتر سے پندرہ دن بعد تک ایسی غذاؤں کا استعمال کرے کہ جنمیں میگنیشیم کی مقدار زیادہ ہوتی ہے تو اسکے لڑکی پیدا ہوگی۔ غذا کا میگنیشیم تیزابی کیفیت پیدا کر کے جنین کو مادہ بنا دے گا۔ ڈاکٹر کتاز کا مقولہ یہ بھی ہے کہ اسطرح نر یا مادہ بنانے کے دواء بعد ان دوسری قسم کی غذائیں کھا سکتی ہے۔

ڈاکٹر کتاز کہتے ہیں کہ عموماً امیر گھرانوں میں جو لڑکیاں زیادہ پیدا ہوتی ہیں اس کا باعث یہی ہے کہ امیر عورتوں کی غذا میں گوشت اور ایسی ہی دوسری چیزوں کا جزو بہت زیادہ ہوتا ہے کہ جنمیں میگنیشیم بہت ہوتا ہے۔ اور کیلسیم بہت کم۔ خوراک میں میگنیشیم کی زیادتی خون میں تیزابیت پیدا کر کے کیلسیم کی کمی رونما کر دیتی ہے۔

خراب دانت کند ذہنی کا سبب ہوتے ہیں۔

یہ ایک مشہور مقولہ ہے کہ بہت سے استادوں کی زبان پر ہے کہ کند ذہن اور بے پروا طالب علموں کی دماغی حالت اس قدر اچھی ہو جاتی ہے کہ وہ ہوشیار طالب علموں میں شمار ہونے لگیں اگر صرف ان

کے دانتوں کی ٹھیک طرح دیکھ بھال کر لیجئے۔ اگر آپ نے بچوں کے دانتوں کا امتحان نہیں کرایا ہے اور تعلیم میں بھی پیچھے ہے تو ضرور اس مقولہ پر عمل کیجئے۔ ہمارا دماغ ایسی حالت میں کہ ہمارے بدن میں برابر سڑے ہوئے دانتوں کا زہر بھرتا رہے چاق و چوبند نہیں رہ سکتا۔ اور نہ سبق کی طرف توجہ کر سکتا ہے۔ سڑے ہوئے دانت، یہ بھی ممکن ہے کہ اس قدر گل جائیں کہ بچہ اپنی خوراک ٹھیک طور پر چبا نہ سکے۔ ایسی حالت میں وہ غذا کو بغیر چبائے نگل لیا کرتا ہے۔ بچوں کے سوء ہضم کا یہ ایک خاص سبب ہے۔ بچے اس سبب سے بڑے چڑچڑے اور بدمزاج ہو جاتے ہیں۔ ایسی حالت میں بچے نہ تو اپنے اسکول ہی میں کام کرتے ہیں اور نہ گھر پر۔ اور نہ کھیل ہیں خوش ہوتے ہیں۔ اگر دانتوں کو سڑنے اور گلنے سے محفوظ رکھنا مقصود ہے تو مندرجہ ذیل قاعدوں کی پابندی لازمی ہے:۔

(۱) ہر مرتبہ کھانا کھانے کے بعد دانتوں کو برش سے مانجھنا چاہئے۔

(۲) پھل اور دوسری قسم کی غذائیں ضرور کھانی چاہئیں جنکو اچھی طرح چبانا پڑتا ہے۔ اس سے دانت مضبوط ہو جاتے ہیں اور اچھی حالت میں رہتے ہیں۔ نرم غذائیں دانتوں کو جلد خراب کر دیتی ہیں۔

(۳) ہر چھ مہینے بعد کسی دانتوں کے ڈاکٹر کو دانت دکھانے چاہئیں اسطرح وہ بہت سی خرابیاں شروع ہونے سے پہلے ہی روکی جا سکتی ہیں۔

(۴) بچوں کو اس قسم کی غذائیں دینی چاہئیں کہ جنسے دانت بنتے ہیں۔ مثلاً دودھ، سبز ترکاریاں، پھل اور مچھلی کا تیل۔

(۵) بچوں کو برش سے دانت مانجھنے کا صحیح طریقہ سکھا دینا چاہئے اور انمیں باقاعدہ دانت صاف کرنے کی عادت ڈالدینی چاہئے۔

(۶) بچوں کو مختلف بیماریوں سے بچانے کی کوشش کرنی چاہئے اور اس بات پر نگاہ رکھنا چاہئے کہ بچہ کافی ورزش کرتا ہے اور کافی دیر تک سوتا

فیشن زدہ خاتون

از
بہن حمیدہ بیگم بنت جناب حاجی فضل حق صاحب
شیش محل دہلی

آجکل ہماری بہنوں کا طرز زندگی جو کچھ ہوتا جا رہا ہے وہ سب دیکھ رہے ہیں۔ بعض خاتون تو مجازی میم صاحب بنا چاہتی ہیں اور بعض فیشن زدہ دیوی اور ان کا شوق روز بروز ترقی پر ہوتا جا رہا ہے کہ اپنے آداب معاشرت، سادگی، اخوت، ہمدردی کو کھوتے جا رہے ہیں۔ اور اسکی جگہ مغربی تہذیب، تکبر، نخوت، جیسی مہلک بیماریاں ہم میں آتی جا رہی ہیں۔ یاد رکھنے کی بات ہے کہ جو قوم اپنا شان امتیاز خواہ وہ لباس میں ہو یا کھانے پینے میں نیز محفل میں ہو یا گھروں میں کھو بیٹھتی ہے یا اس کو تغیر کرنے لگتی ہے۔ اور دوسری قوموں کی چھچھوری باتوں کو اختیار کرکے چوسنا شروع کر دیتی ہے۔ وہ یقیناً اپنا سب کچھ کھو بیٹھتی ہے۔ دنیا کی نظروں میں ذلیل و خوار ہو کر رہ جاتی ہے۔ ہندوستان اس حقیقت کا وہ وہی خوب جانتا ہے۔ ہم کو اپنی تہذیب اپنا طرز معاشرت اس قدر پسند ہونا چاہئے کہ ہم اس پر فخر کریں اور دوسری قومیں ہمارا لباس اختیار کریں۔ نہ یہ کہ ہم دوسروں میں مدغم ہو جائیں فیشن پرستی کا نقصان نہ صرف یہ ہے بلکہ جس گھر میں فیشن گھس جاتا ہے دیکھا گیا ہے کہ وہاں اس کے ساتھ نفاق بھی آتا ہے فیشن اپنے ساتھ لا انتہا خرچ مانگتا ہے۔ مرد کی جیب جب اس بار کو برداشت نہیں کر سکتی تو عورت سمجھتی ہے کہ اس کو مجھ سے محبت نہیں رہی۔ اور نفاق شروع ہو جاتا ہے۔ ایک دوسرے کو شبہ کی نگاہ سے دیکھنے لگتے ہیں۔ فیشن اختیار کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لڑکیوں کے دل میں عام طور پر یہ خیال ہے کہ ہم کسی جگہ فیشن میں جائینگی تو ہماری عزت زیادہ ہوگی بیشک ان کا یہ خیال اپنی جگہ مستحکم ہے لیکن ہماری بہنوں میں اتنی نادانی ضرور ہے کہ وہ کسی فیشن زدہ خاتون کو محفل میں دیکھ کر اسکی آؤ بھگت بھی زیادہ کرتی ہیں اور اس کو اچھی نظروں سے یعنی للچائی ہوئی نظروں سے بھی دیکھتی ہیں۔ اگر بہنیں غور کریں تو سمجھ لیں کہ فیشن کی بھی کتنی بُرائی ہے کہ اس نے مساوات، ہمدردی اخوت کا سبق مٹا کر شان یکتائی پیدا کر دی ہے۔ غرور پیدا کر دیا ہے۔ کاش فیشن بنا کر محفلوں میں جانے والی بہنیں غور کریں کہ ان کے فیشن بنا کر جانے سے کتنی بہنوں کے دلوں پر بجلی گرتی ہے کتنی بہنیں اپنے دل میں یہ خیال لیکر جاتی ہیں کہ آج میں ضرور اپنے شوہر سے لڑونگی کہ وہ کیوں یہ سامان لا کر مجھ کو نہیں دیتا آخر یہ فیشن زدہ کونسی امیرزادی ہے۔ دل امیر ہونا چاہیئے۔ وغیرہ۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ فیشن میں کسی محفل میں جانا ایک ایسی متعدی بیماری پیدا کرنا ہے جو کھیاں یا چوہے طبیبا پلید جانور کرتے ہیں۔ ایک ذکر سناتی ہوں۔ میں اپنی سہیلی کے ہاں بیٹھی تھی کچھ دیر بعد ایک خاتون تشریف لے آئیں مجسم فیشن بنی ہوئیں۔ ناخن پر کیوٹکس چہرہ کریم کی شیشی اور پوڈر کی ڈبیا بنا ہوا۔ اونچی ایڑی کا سینڈل لیونڈر میں تر ابور۔ اب کیا تھا گھر مہک گیا۔ ہماری میزبان بھی نئی فیشن کی دلدادہ تھیں۔ خوب تو اضع اور آؤ بھگت کی گئی۔

میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ فیشن کریں میم صاحب بنیں حور بنیں اپنے گھر میں بنئے اپنے خاوند کی نظروں ہی کو ٹھنڈا کیجئے یہ کوئی برائی نہ ہوگی لیکن محفل میں یہ چیز زہر ہلاہل کا کام دیگی۔

بیوہ کے آنسو

از جناب
امین صاحب دہلوی
کلکتہ

نہ آیا۔ میرا پیارا۔ میرا مالک میرا آقا۔ ایسا گیا کہ پھر نہ آیا۔۔۔۔۔۔۔۔ میرے دل و جان کے مالک تیری یاد دل میں تیرا انتظار آنکھوں میں اب تک ہے اور جب تک دم ہے تیرا تصور قائم رہے گا۔۔۔۔۔۔۔۔ ٹھہرو ٹھہرو بھاگے ہوئے چاند ٹھہرو خدا کے لئے ٹھہرو۔ میرے ساتھ باتیں کرو۔ میرا دل بہلاؤ۔ آہ چاند تو چھپ گیا۔ ماہ تاباں میں نے اپنے چاند کا پرتو تجھ میں پایا تھا۔ کیا تو بھی ان کی طرح مجھے اکیلا چھوڑ چلا۔ کیا تجھے بھی نیلگوں آسمان نے بلا لیا۔۔۔۔۔۔۔۔ آسمان پر چمکنے والو کیا تم بھی مجھ سے متنفر ہو۔ اے ٹمٹماتے ہوئے ستارو میں تم سے مخاطب ہوں کیا تم بھی ان کی طرح آنکھیں بدل کر مجھ سے روٹھ جاؤ گے۔ کیا اس لئے مجھ سے بھاگ رہے ہو کہ میں بیوہ ہوں؟۔۔۔۔۔۔

نہیں۔ نہیں میں بیوہ نہیں ہوں۔ تمہیں دھوکا ہوا ہے۔ میرا محبوب تو سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے ہر وقت میری آنکھوں کے سامنے رہتا ہے۔ تم ہی انصاف کرو کہ ان کے ہوتے ہوئے میں کسطرح بیوہ ہو سکتی ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اے لیلائے شب کیا تو بھی مجھ سے خوف کھاتی ہے۔ جوانی جلدی گذر رہی ہے۔ ٹھہرو ٹھہرو! مجھے ان کا انتظار ہے۔ انہوں نے میرے پاس رات کی گاڑی سے آنے کا وعدہ کیا تھا۔ اے میری مونس و ہمدم رات اگر تو جاتی ہے تو لے۔۔۔۔۔۔ میرے آنسوؤں کے ہار میری نشانی کے طور پر ساتھ لیتی جا۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ مر گئے اور وہ انھیں سپرد خاک کر چکے۔۔۔ اف زمانے کو پلٹتے دیر نہیں لگتی۔ وہ عیش و راحت کی گھڑیاں کہاں گئیں۔ کہاں ہے وہ۔۔۔ آہ بیکس۔ اف بیکس انسان۔۔ ہائے موت۔ او سنگین موت۔۔۔۔۔۔ او بے رحم موت تو نہ نوجوانوں کو چھوڑتی ہے اور نہ بوڑھوں سے منہ موڑتی ہے نہ حسینوں کا خیال، نہ نازنینوں کا ملال، اے کمبخت تجھے حسینوں کی تلاش ہے۔

یہ تھیں باتیں جو ایک بیوہ نے کہیں۔

آج کل بیوہ عورت کے نکاح کو برا سمجھا جاتا ہے۔ خاصکر امرا کے گھروں میں۔ شرعاً اور عقلاً جیسا پہلا نکاح ویسا دوسرا۔ دونوں میں فرق سمجھنا محض بیوقوفی ہے عورتوں کی ایسی بری عادت ہے کہ خود کرنا اور رغبت دلانا تو درکنار اگر کوئی خدا کی بندی خدا اور رسول کا فرمان سر آنکھوں پر رکھ کر نکاح ثانی کر بھی لے تو عورتیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں۔ بات بات میں طعنہ دیتی ہیں۔ ہنسی اڑاتی ہیں۔ غرض کہ اس کو ذلیل کرتی ہیں۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ ہمارے پیغمبر صلعم کی جتنی بیویاں تھیں حضرت عائشہ رض کے علاوہ کوئی بھی کنواری نہ تھیں۔ ایک ایک دو دو نکاح پہلے ہو چکے تھے تو کیا نعوذ باللہ ان کو بھی برا کہا جائے۔ خوب یاد رکھو کہ جبتک اس خیال کو اپنے دل سے دور نہ کرو گی اور پہلے اور دوسرے نکاح کو یکساں نہ سمجھو گی تب تک ہرگز ایمان درست نہ ہوگا۔ اس خیال کے مٹانے میں بڑی کوشش کرنی چاہئے اور فوراً بیوہ عورتوں کا نکاح کر دینا یا کروانا

غریبوں کی تعلیم

از محترمہ اہلیہ حافظ محمد تقی صاحب دوائی والے

تعلیم کے فوائد گنوانا۔ اس کی اچھائیاں بیان کرنا گویا کہ اب پرانی لکیر کو پیٹنے کے مصداق بن چکا ہے۔ تعلیم کے فوائد ہر خاص و عام مرد و عورت، بچہ بوڑھا اس قدر ذہن نشین کر چکے ہیں کہ جو ہونے کا حق تھا۔

میں صرف یہ کہنا چاہتی تھی کہ غریب لڑکیوں کے لئے بھی تو کوئی مدرسہ جاری کرنا چاہئے۔ اپنیہ گرلز سکول ہے۔ لیکن پھر وہی بات ہے کہ غریب لڑکیاں اتنا بھی برداشت نہیں کر سکتیں! اسلئے میری التجا ہے کہ بہنیں ملکر کوئی ایسا مدرسہ کھولیں جہاں سے غریب مفت تعلیم حاصل کر سکیں۔ غریب بہنیں جو بوجہ مجبوری تعلیم حاصل نہیں کر سکتیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ جاہل رہ جاتی ہیں۔ ان کی شادی اور گھر بار ہونے کے بعد وہ اسطرح سلیقہ سے گھر کو نہیں چلا سکتیں جسطرح تعلیم یافتہ خاتون۔ اپنی ہر بات دوسروں پر ظاہر کرنا پڑتی ہے۔ شوہر بھی ایسی بیویوں کو پسند نہیں کرتے۔ نتیجہ اکثر خراب ہی نکلتا ہے۔ اور جوں جوں زمانہ آگے آتا جارہا ہے ہر لڑکی کے لئے تعلیم دلوانا ضروری ہوتا جارہا ہے۔ برائے خدا میری بہنیں اس بات پر غور کریں اور قوم کی غریب لڑکیوں کی جہالت دور کرنے کی کوشش فرمائیں۔

بہنوں کی بھاجی

(۱) گذشتہ ماہ کے پرچہ میں ایک بہن نے دریافت کیا تھا کہ دیمک سے بچانے کیلئے کیا چیز استعمال کیجائے۔ جواباً عرض ہے کہ جن چیزوں کو دیمک سے محفوظ رکھنا ہو ان پر کولتار یا سولگنم لگا دیا جائے۔ یا کاربالک ایسڈ اور کربانوٹ ۲ ۲ ڈرام ایک بوتل میں حل کر کے جہاں دیمک کا خدشہ ہو تھوڑا تھوڑا چھڑک دیجئے۔ دیمک کا حملہ پھر اس جگہ نہ ہوگا۔

(۲) بچوں کے لئے ورزش کی کتابیں تو بہت ہیں مگر "دی بک آف موڈرن ایکسرسائز" اچھی ہے۔

(۳) پائیریا کے مرض میں گوشت نہ کھانا چاہئے۔ بلشوہن یا ملٹن سے غرارے کرنا مفید ہے۔ کالینوس منجن کا استعمال بھی صبح و شام مفید ہے۔

(۴) قبض کو دور کرنے کے لئے صبح و شام کی چہل قدمی۔ غذا میں موٹے آٹے کی روٹی اور سبز ترکاریاں کھانا مفید ہے۔ خوش و خرم رہنا چاہئے۔ اور رات کو سوتے وقت گرم دودھ بھی مفید ہے۔ کروشین سالٹ یا پیرافین کی گولیاں بھی مفید ہوتی ہیں۔

"سعیدہ خاتون"

آجکل کے ازدواجی تعلقات

(از جناب محمد اشفاق صاحب شفیق شاہدرہ والے)

موجودہ زمانہ میں عموماً اہل اسلام کے لئے اور خصوصاً اہل قوم پنجابیان کے لئے یہ مسئلہ نہایت ہی اہمیت کا باعث ہے۔ لیکن آج تک بزرگان قوم اور رہبران ملت کی نگاہیں اس عمیق مسئلہ کی جانچ پڑتال کرنے تک نہیں پہنچیں۔ حالانکہ یہ مسئلہ سب سے پہلے محتاجِ تحقیقات تھا جس سے نہ صرف ان بگڑے ہوئے ازدواجی تعلقات کی اصلاح ہو سکتی۔ جیسا کہ عموماً آجکل دیکھنے میں آرہا ہے۔

یہ چیز دنیا میں امر مسلم ہے کہ جب ایک چیز اعتدال سے یا اپنی قائم کی ہوئی حد سے آگے نکل جاتی ہے تو یقیناً اس میں ایک زبردست تغیر و تبدل پیدا ہو جاتا ہے اور حالات اپنی حقیقت کے خلاف ہو جاتے ہیں، اور یہی واقعات اکثر اوقات اسکے ماحول پر اثر انداز ہوتے رہیں۔

مثال کے طور پر ایک ربڑ کا پھکنا لیجئے اور اس کو منہ سے پھلایئے۔ اگر اس کو ایک حد تک پھلاتے رہیں تو کوئی ہرج نہیں ہوگا۔ لیکن اس حد سے آگے گذر کر پھلایا جائے تو یقیناً وہ اس حد سے نکلی ہوئی طاقت کو برداشت نہ کرتے ہوئے پھٹ جائیگا اور یہی نہیں کہ وہ خود پھٹ کر اس واقعہ کو ختم کردے۔ بلکہ اس سوئے ہوئے بچہ۔۔۔ کی نیند میں بھی خلل انداز ہوگا۔ جو کہ قریب ہی محوِ خواب ہو۔ اب اس مثال سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ اعتدال سے گذری ہوئی طاقت نہ صرف ایک چیز کے لئے ضرر رساں ہوتی ہے بلکہ اپنے اپنے ماحول پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔

چنانچہ یہی طریقہ قدرت نے انسان کی فطرت میں بھی ودیعت کیا ہے۔ انسان مجموعہ ہے آگ، پانی، خاک اور ہوا کا۔ چنانچہ مادہ آتش کو غصہ کی صورت میں پیدا کیا، پانی کو صبر کی صورت میں اور خاک کی تاثیر انسان میں منکسر مزاجی اور خاکساری میں رکھی۔ چنانچہ یہی کیفیت ہوتی ہے کہ بسا اوقات انسانی طبیعت اپنی قائم کی ہوئی حد سے گذر کر آتشی مادہ میں تبدیل ہو جاتی ہے اور ایسی حالت میں لفظی اصطلاح میں "غصہ" اسکے ہوش و حواس پر قابو پالیتا ہے۔ اور اس سے وہ واقعات سرزد کرا دیتا ہے۔ جن کو لفظ فساد سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور اسکا اثر نہ صرف اسی پر پڑتا ہے بلکہ اسکے قریبی حالات پر بھی رونما ہو جاتا ہے۔ یعنی یہ تاثیر اپنی مصروفیت کے مطابق جداگانہ طریقہ سے ان پر قابو پالیتی ہے۔ اگر انسان اسوقت عقل سے کام لیکر قدرت کے دوسرے ودیعت کئے ہوئے مادہ کو کام میں لائے۔ یعنی پانی اور خاک کے اثرات کو تو یقیناً وہ خود کو اور دوسروں کو ان حالات کے زیر اثر رہنے سے باز رکھ سکتا ہے جو کہ اول مادہ سے پیدا ہوئے تھے۔ اب میں مذکورہ بالا الفاظ کو مدلل طریقہ سے پیش کرتا ہوں۔

مثال کے طور پر ایک گھر میں زن و شوہر کے درمیان تنازع ہوا۔ اور جھگڑا اتنا طول اختیار کر گیا کہ پہلے فطرتاً مرد کے دماغ پر اس آتشی مادہ

نے خفا ہو کر غصہ کی حالت میں رونما ہوا۔ اور اس حالت میں اس نے اسے دو چار سخت سست الفاظ کہے اور ضرورت پڑنے پر اپنی جسمانی طاقت کو بھی زیر عمل لایا۔ بالمقابل اگر عورت میں صبر و حلم کا مادہ ہوگا تو وہ بے چاری اپنی بدقسمتی پر قانع رہکر مرد کے جور و ستم کو برداشت کرتی رہیگی۔ لیکن اگر وہ بھی اس مادہ کے زیر اثر ہو کر ضد کی حالت کو اپنے اوپر طاری کر لے گی تو یقیناً معاملہ اعتدال سے گذرنے کی حیثیت سے فساد کی صورت میں تبدیل ہو جائے گا۔

ایک طرف غصہ اور دوسری طرف ضد چونکہ دونوں ایک ہی مادہ کے پیدا وار ہیں لہذا دونوں ایک دوسرے کے تضاد کا باعث نہیں ہو سکتے۔ اسلئے معاملہ بری صورت اختیار کریگا۔ اور دونوں میں ناچاقی کا باعث ہو جائے گا۔ اب رہا یہ سوال کہ اس کا اثر ماحول پر کیسے پڑے گا۔ جب ان کی اولاد ان جھگڑوں کو دیکھے گی اگر وہ بچے ہونگے تو وہ فطرتاً معصوم ہونی کی حیثیت سے ان واقعات سے اسطرح متاثر ہونگے کہ وہ خائف ہو جائینگے اور اپنی کمزوری کیوجہ سے اپنی آنکھوں کے سامنے ظلم ہوتا دیکھکر وہ وقتی حیثیت سے ظلم کو برداشت نکرتے ہوئے ظالم سے متنفر ہو جائینگے تو اس سے یہ نتیجہ پیدا ہوا کہ بچوں کی طبیعت میں کمزوری اور نافرمانی کا جذبہ ایک طریقہ سے اسطرح بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر انکی اولاد اہل عقل ہوگی تو انکی طبیعتیں اسطرح متاثر ہونگیں کہ اگر وہ بے خوف و بجس ہونگے تو یقیناً ان حالات کو وہ اسی رنگ میں قبول کرینگے پھر اندیشہ یہ ہوتا ہے کہ بڑے ہو کر وہ بھی اسی رنگ میں رنگ جائیں۔ برخلاف اسکے اگر ان کی طبیعت حساس ہوگی تو وہ اس کو فساد سمجھتے ہوئے اور اپنے کو مجبور و بیکس سمجھتے ہوئے خاموش رہینگے۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ والدین ان کی نظروں میں اپنی وقعت کم کر دینگے۔

اب اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اولاد کی سوسائٹی اور عادت و اخلاق بگڑنے کا باعث والدین کی غلط تربیت اور باہمی ناچاقی بھی ہوتی ہے۔

اتنا تحریر کرنے کے بعد اس مضمون کے پڑھنے والے یہ سمجھ گئے ہونگے کہ آپس کے ازدواجی تعلقات خراب کیوں ہوتے ہیں۔ اور ان سے کیا نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر برادران قوم اس مسئلہ پر ذرا بھی غور و خوض کریں تو آئے دن قوم میں جو یہ واقعات رونما ہوتے ہیں وہ بتدریج ختم ہو سکتے ہیں۔ مثلاً باہمی تنازع، بیوی کا بگڑ کر میکہ چلے جانا۔ مرد کا عورت کا نان نفقہ بند کر دینا، میکہ میں عورت کا غموں میں گھلنا۔ ساس نندوں کے سامنے اسکی تذلیل ہونا اور واقعات زیادہ خراب ہو جانے پر مسئلہ طلاق کا ظہور میں آنا۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب کیوں ہوتے ہیں۔ محض وہی آتشی مادہ ہے جو کہ شیطان کی طرح سوار ہو کر اس سے یہ تمام مذموم حرکتیں پیدا کراتا ہے۔ اگر انسان ذرا بھی عقل سے کام لے کر مادۂ آب و خاک کو استعمال میں لائے تو یقیناً یہ تمام واقعات رونما نہوں اور اسطرح اپنی ازدواجی زندگی تادم مرگ سکون و آرام سے بسر کرے اور جو وقت ان تمام واقعات میں صرف کرتا ہے اگر اپنی اولاد کی صحیح تربیت پر صرف کرے تو یقیناً آنے والی نسلیں بہتر سے بہتر پیدا ہو سکیں۔ اور وہ قوم کیلئے حیات جاوید بن سکیں۔

اسکے علاوہ بعض اوقات دونوں کے درمیان ایک تیسری ہستی پیدا ہو جاتی ہے جو کہ اپنی جہالت کی وجہ سے دونوں میں مزید ناچاقی پیدا کراتی ہے۔ مثال کے طور پر فرضی قصہ تحریر کرتا ہوں۔ جو میرے تکمیل مضمون کیلئے ضروری ہے۔

ایک گھر میں ایک عرصہ سے میاں بیوی میں ناچاقی ہے۔ جس کے اسباب وہی ہیں جو کہ اوپر درج کی جا چکی ہیں نیز اس تنازع میں ساس نندوں کا بھی ہاتھ ہے اور یہ وبا بھی ہماری قوم

میں عام ہے۔ چنانچہ بیوی میاں سے لڑکر میکہ چلی جاتی ہے۔ اس کے اقربا کسی طرح سے آپس میں میل ملاپ کرا دیتے ہیں۔ لیکن کچھ عرصہ بعد یہ قدیمی عادت پھر عود کر آتی ہے۔ اور بیوی صاحبہ دوبارہ اپنے میکہ کو آباد کرتی ہیں۔ اور میاں صاحب دوسری شادی کے خواب دیکھتے ہیں۔ لیکن مذہب کا خیال رکھتے ہوئے۔ بیوی کا جیبِ خرچ ضرور بھیجدیتے ہیں۔ ایک رات میاں صاحب کے ایک قریبی رشتہ دار ان کے ساتھ سوتے ہیں اور میاں صاحب ان سے ہم کلام ہوتے ہیں:۔

میاں:۔ بھائی سلیم میں نے ۳۰ روپے بھیجے تھے اس نے واپس کر دئے۔ چنانچہ میں نے بھی اطمینان سے رکھ لئے کہ اچھا ہوا ۳۰ روپے بچے۔

سلیم:۔ بھائی الیاس یہ تو بتائیے کہ آپ پہلے کتنے روپے دیتے تھے؟

الیاس:۔ ۵۰ روپے اور گھر کا خرچ علیٰحدہ۔

سلیم:۔ ٹھیک ہے تیس روپے کیا کم ہوئے اکیلی جان کو۔ بھائی صاحب یہ بھی اسکی بدقسمتی ہے کہ اس نے ۳۰ روپے بھی نہیں لئے۔ بھائی بات تو یہ ہے کہ آپکے جب بھابی میکے گئیں تھیں تو میں نے اور بھائی اسمٰعیل نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ کسی طرح آپ کی دوسری شادی کر دیجائے۔ تب اس کو مزہ آئے گا۔

الیاس:۔ ہاں بھائی اب یہی کرنا ہوگا ہم تو تنگ آگئے۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے کس طرح قوم کی چیز قوم کے ہاتھوں تباہ ہوتی ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ جسکی چیز وہ خود ہی اس کو اپنے ہاتھوں تباہ کرنے میں مزہ محسوس کرتا ہے جب قلوب اس درجہ پہنچ گئے اور حق تلفیاں عام ہونے لگیں اور دوست دشمن کثرت سے پیدا ہوگئے تو اسکے بعد اصلاح کی کیا امید رکھی جا سکتی ہے کتنا

افسوس کا مقام ہے کہ چار روز کے عیش کے لئے کسطرح دوسرے کے جذبات کو پامال کیا جا سکتا ہے۔ کلی کو مسل کر شگفتہ پھول دیکھنے کا خواب کتنی حماقت ہے۔ لیکن اتنا نہیں معلوم کہ مظلوم کی آہ کبھی خالی نہیں جاتی۔ اگر آپ اپنے مفاد کی خاطر دوسروں کی قربانی دینگے تو یقیناً وہ قربانی ایک نہ ایک دن ضرور رنگ لائے گی۔ اور آگے کیا تحریر کروں ایک واقعہ ہو تو لکھوں، ایک رونا ہو تو سپردِ قلم کروں ہزاروں واقعات قوم کے گھرانوں میں پائے جائینگے جو کہ عبرت کا باعث ہونگے۔ نئی نویلی دلھنیں اپنے میکہ میں پڑی ہوئی اپنی بدقسمتی پر آٹھ آٹھ آنسو بہا رہی ہیں۔ بدقسمت مائیں اپنے معصوم بچوں کے ہمراہ مصیبت کے دن کاٹ رہی ہیں۔ لیکن عیاشی کے پتلے مرد اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ خدائے تعالےٰ نے مرد کو حاوی بنایا ہے عورت پر کس واسطے، اسواسطے کہ وہ ان پر ظلم کریں ان کے حقوق کو تباہ کریں۔ نہیں بالکل نہیں بلکہ اس واسطے کہ ان میں جو برائیاں ہوں ان کو دور کریں انکو غلط راستہ پر چلتا ہوا دیکھکر محبت کے ساتھ ان کو اس راستہ سے ہٹائے اور شفقت کے ساتھ ان کے کمزور خیالات پر قابو حاصل کرے۔ اور اسطرح دونوں ملکر خالقِ باری کا شکریہ ادا کریں۔ اور اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کریں۔

آخر میں میں ان رہبرانِ قوم سے درخواست کرتا ہوں کہ براہ کرم وہ اپنی آنکھیں کھولیں اور اس مسئلہ پر غور فرماکر علاوہ از جلسہ کچھ مفید تدابیر عمل میں لائیں اور قوم کے بگڑتے ہوئے ازدواجی تعلقات کو خوشگوار بنانے کی کوشش کیلئے کوئی عملی قدم اٹھائیں۔ تاکہ اجڑے ہوئے دل از سرِ نو آباد ہو کر ان کو دعائیں دیں۔ اور آئندہ آنیوالی نسلیں انکی صحیح تربیت کی وجہ سے ترقی اور کامیابی کی شاہراہ پر چل سکیں۔ اور اسطرح قوم میں ایک خوش و خرم دور قائم ہو سکے

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

پھولوں کی ڈالی

بہنیں اسکو سی، آئی، ڈی کے
گورے مختلف رنگوں سے
کاڑھیں۔



سعیدہ بیگم بنت محمد سعید سہیل
صاحب اللہ والے۔

غریب بچوں کو دیکھ کر

(از جناب اندرجیت شرما ماچھرہ ضلع میرٹھ)

معصوم بھولے بھالے سب ہیں غریب بچے — محروم نعمتوں سے ہیں بدنصیب بچے
سنسار کی نظروں میں چاہے حقیر ہیں یہ — میں جانتا ہوں لیکن روشن ضمیر ہیں یہ
جلوہ وہی خدا کا ہے انکی زندگی میں — ہوتا ہے جو نمایاں تاروں کی روشنی میں
دل کو لبھا رہے ہیں رنگیں جمال بچے — تتلی زباں سے کرتے ہیں کیا کمال بچے

فریاد انکے غم پر کرتے ہیں بے زباں بھی — ان کے دکھوں سے ڈر کر لرزاں ہے آسماں بھی
پاکیزگی کی مورت بے لوث ہستیاں ہیں — الفت کے پیکروں میں فطرت کی بستیاں ہیں
معصومیت پہ انکی حیران ہیں فرشتے — سو جاں سے ہر ادا پر قربان ہیں فرشتے

دھرتی کے باسیوں کا اللہ رے مقدر
جنت کو چھوڑ کر جو آئے ہیں یہ زمیں پر

گڑیا کا کھیل

(از محترمہ سعیدہ بیگم بنت حافظ محمد اسمٰعیل صاحب اللہ والے بارہ دری نواب وزیر)

میں اپنی چھوٹی بہنوں کے لئے ایک مزیدار کھیل لکھتی ہوں۔ امید ہے کہ ان کو پسند آئے گا۔ جو بہنیں اس کے راز کو نہیں جانتیں انھیں بہت اچنبا ہوگا۔ یہ کھیل اس طرح کھیلا جاتا ہے کہ کھیلنے والی بہن کسی گڑیا کو بنا سنوار کر تماشائی لڑکیوں کے درمیان بٹھا دیتی ہیں اور کوئی رومال یا کھلونا گڑیا کی گود میں یہ کہہ کر رکھ دیتی ہے کہ دیکھو بی گڑیا یہ چیز تم رکھو۔ اور جو کوئی تمہارے پاس سے لے جائے اس کا نام ہمیں بتا دینا۔

بعد میں یہ بہن کہیں ہٹ جاتی ہیں۔ یا آنکھ پر پٹی باندھ لیتی ہیں تاکہ کچھ دیکھ نہ سکیں۔ اب کوئی لڑکی گڑیا سے وہ چیز لے کر چھپا لیتی ہے اور پھر کھیلنے والی لڑکی کو بلا لیا جاتا ہے۔ وہ یہ آکر کہتی ہے کہ سب لوگ گڑیا کے سر کی قسم کھائیں کہ ہم نے گڑیا کی چیز نہیں لی۔"

جب سب لڑکیاں قسم کھا چکتی ہیں کہ گڑیا تمہارے سر کی قسم ہم نے نہیں لی۔ تب یہ لڑکی گڑیا کو اپنے کان کے پاس لے جا کر چیز لینے والی لڑکی کا نام فوراً بتا دیتی ہے۔

سب لڑکیاں تعجب میں رہ جاتی ہیں کہ بھلا گڑیا نے کس طرح کہہ دیا۔ چھوٹی بچیاں تو بالکل ہی یقین کر لیتی ہیں۔۔۔ چنانچہ دو تین دفعہ پھر کھیلتی ہیں۔ مگر وہ لڑکی ہر دفعہ چیز چھیننے والی کا نام بالکل ٹھیک بتا دیتی ہے۔ اب تو سب کھیلنے والی لڑکی کے سر ہو جاتی ہیں۔۔۔ کہ سچ کہو گڑیا نے کیسے کہہ دیا۔

اصل حکمت یہ ہے کہ اس کھیل میں بجائے ایک لڑکی کے دو لڑکیوں کی ملی بھگت ہوتی ہے۔ جس میں سے ایک تو کھیلتی ہے اور دوسری جو اس سے آگاہ ہوتی ہے۔ وہ تماشائی لڑکیوں کے ساتھ بیٹھی تماشا دیکھتی ہے۔ اور جب سب لڑکیاں قسم کھاتی ہیں تو یہ خاموش بیٹھی اس وقت کا انتظار کرتی ہے۔۔۔۔ جب تک چیز چھپانے والی لڑکی قسم نہ کھائے۔ اور جیسے ہی وہ لڑکی قسم کھاتی ہے یہ جھٹ اس کے بعد ہی فوراً قسم کھا لیتی ہے۔ اس طرح کھیلنے والی لڑکی فوراً سمجھ جاتی ہے کہ جس لڑکی کے بعد میری ساتھی نے قسم کھائی ہے۔ اس نے چیز چھپائی ہے۔ بس وہ گڑیا کو یوں ہی کان کے پاس لیجا کر اس لڑکی کا نام بتا دیتی ہے۔

نوٹ :- یاد رہے کہ چیز چھپانے والی لڑکی کے بعد ہی جلدی سے دوسری ہمراز لڑکی کو قسم کھا لینی چاہئے۔ ورنہ اگر قسم کھانے میں دیر کریں گی اور دوسری لڑکی قسم کھا لیگی تو کھیل بگڑ جائے گا۔۔۔۔۔ اور آپ کی ہنسی اڑے گی۔

پڑھنے کے وقت پڑھئے، کھیلنے کے وقت کھیلئے۔

امانت داری

(از جناب رشید احمد ولد حاجی سلیم الدین صاحب)

عرصہ دراز کا ذکر ہے کہ دہلی میں ایک بادشاہ ہوا۔ جس کا نام حسن گنگو تھا۔ یہ دہلی کے ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوا۔ بچپن میں ایک برہمن کے گھر نوکر تھا۔ شہر سے دور برہمن کی ایک زمین تھی۔ حسن اپنے مالک کی طرف سے اس میں کھیتی کرتا تھا۔ ایک دفعہ یہ ہل چلا رہا تھا کہ اس کو ایک خزانہ ملا۔ ایماندار حسن سب کا سب اپنے مالک کے پاس لے آیا۔ برہمن حسن جیسے غریب نوکر کی ایمانداری دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر یہ مجھ کو نہ دیتا تو خود ایک بڑا مالدار بن سکتا تھا۔ مگر کیا امانت دار ہے سب کا سب میرے پاس لے آیا۔

برہمن بڑا آدمی تھا۔ وہ دہلی کے بادشاہ محمد تغلق کے پاس گیا اور سارا قصہ کہا۔ بادشاہ کو بڑا اچنبا ہوا۔ اور اس نے خوش ہو کر اس کو اپنے پاس بلایا۔ اور دکن کے بہت سے ضلعوں کا افسر بنا دیا۔

حسن نے دکن میں پہنچ کر بہت بڑے بڑے کام کئے تھوڑے عرصہ میں دکن کی بادشاہی الگ ہو گئی۔ اور یہاں بادشاہ سلطان محمود ہوا۔ اس نے حسن کو اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ اور جب سلطان محمود مر گیا تو حسن خود ہی بادشاہ ہو گیا۔

ذرا مسکرائیے

از جناب محمد الیاس کیمرج اسکول معرفت محمد اسمٰعیل صاحب ہنڈوالے

بہت دن ہوئے ایک آدمی کو گھڑی ملی۔ اس سے پہلے اس نے کبھی گھڑی نہ دیکھی تھی۔ دوسرے دن جب چابی ختم ہو گئی تو گھڑی بند ہو گئی۔ آخر اس نے کھول کر دیکھا تو اس میں ایک مری ہوئی مکھی نکلی تو وہ بولا:۔

"او ہو ڈرائیور تو مر گیا۔ اب یہ کیسے چلے گی۔ لاؤ اسے پھینک کر دوسری مکھی ڈالدیں۔"

ماں:۔ "بیٹی عشرت! اب تم بڑی ہو چلی ہو۔ گھر کا کام کیا کرو۔"

عشرت:۔ "امی جان میں کوئی کام نہ کرونگی۔ کیونکہ بھائی جان کہتے تھے کہ مشین کو زیادہ کام میں لانے سے اسکے پرزے جلد خراب ہو جاتے ہیں۔ اگر میں کام کرونگی تو میرے بھی پرزے خراب ہو جائینگے۔"

ماں:۔ "میں تم سے ہزار مرتبہ کہہ چکی ہوں کہ محلہ کے شریر لڑکوں کیساتھ کھیلا کرو۔" لڑکا:۔ "اماں جان میں کیا کروں دوسرے نیک بچوں کی مائیں اپنے بچوں کو میرے ساتھ کھیلنے ہی نہیں دیتیں۔"

سکول کی چھٹی!

(از جناب محمد ادریس صاحب الٰہ دوالے)

دیکھو اسکول ختم ہوا ہے! ہنگامہ سا ایک بپا ہے
گیٹ پہ ٹھیری آکر لاری! ہم سب بیٹھے باری باری
فرّاٹے وہ بھرتی نکلی!! ہر ایک کے گھر پر وہ جا پہنچی
جب وہ ہمارے گھر پر ٹھیری! مقصود اُترا۔ میں بھی اترا
ہم نے قدم جب گھر میں رکھا ٹہل رہے تھے گھر میں ابّا!!
امّی اچھی ہماری امّی!! دیکھ رہی تھیں راہ ہماری
چائے ابھی ہم پی ہی رہے تھے احمد ماموں موٹر لائے!!
چلو چلو اب سیر کو نکلیں سیدھے باغِ عام کو جائیں

رات کا جب چھا جائے اندھیرا
اُس وقت آکر پڑھ لکھ لینا!

موج تبسم

استاد:- وہ کونسا جانور ہے جو تمہارے لئے کھانا اور کپڑا دونوں بہم پہنچاتا ہے؟

شاگرد:- (غور کرنے کے بعد) ابا جان۔

ماں:- شریر لڑکی۔ میں چاہتی ہوں کہ کوئی دن ایسا گذرتا۔ جس میں مجھے تجھ کو ڈانٹنا نہ ہوتا۔

بیٹی:- اماں جان۔ آپ کو اختیار ہے۔ میں اس پر راضی ہوں۔

شوہر:- تم نہیں جانتی کہ جس وقت میں نے تم سے شادی کی تجویز کی تھی۔ میں کس قدر پریشان تھا؟

بیوی:- تم نہیں جانتے کہ جب تک تم نے شادی کی تجویز پیش کی تھی میں کس قدر پریشان تھی۔

چچا:- تم نے شادی کے لئے ایک ہی بار تین تین لڑکیوں سے نسبت ٹھہرالی؟ اس کا کیا سبب ہے؟

بھتیجا:- مجھے خود نہیں معلوم۔ غالباً کیوپڈ (عشق کا دیوتا) اب تیر کی جگہ مشین گن استعمال کرتا ہے۔

لڑکا:- ابا جان۔ کیا چوروں کو بھی عزت کا خیال ہوتا ہے؟

باپ:- نہیں وہ بھی ہماری ہی طرح کے انسان ہیں۔

ایک دوست:- تم اپنی بیوی کو گھر پر کیوں حکمرانی کرنے دیتے ہو؟

دوسرا دوست:- اسلئے کہ اگر ایسا نہ کرنے دوں تو وہ گولہ باری شروع کر دے گی۔

لڑکا:- اگر کوئی شخص کھانے کی میز کا گلدان توڑ دے تو آپ کیا کریں گی؟

ماں:- میں اس کا کان اینٹھ کر دو طمانچے لگا دونگی۔

لڑکا:- تو آستین چڑھائیے۔ ابا جان نے گلدان توڑ دیا ہے۔

غریبوں سے اور امیروں سے سب سے

"آپ"

کہہ کر بات کرو

لالچ کی سزا

(از جناب محمد الیاس صاحب نشاط)

ایک پریشان روزگار نے زمانہ کے ہاتھوں تنگ آکر جنگل کی راہ لی کہ شاید کوئی درندہ اس کو چیر پھاڑ کر کھالے تو اس کی مشکلات کا خاتمہ ہو جائے۔

جنگل نہایت گھنا تھا۔ جب عین وسط میں پہنچا تو دیکھا کہ ایک شیر بیٹھا ہے، اور اس کے سامنے ایک لومڑی سر جھکائے با ادب کھڑی ہے۔ لومڑی نے اس کے چہرے بشرے کو دیکھا تو حسرت و حرمان کا مرقع نظر آیا۔ اس یاس نا امیدی کی جیتی جاگتی تصویر کو دیکھ کر اس کا دل رحم سے بھر آیا اور اس کے بچاؤ کی تدبیر سوچنے لگی۔

اب جب وہ شہنشاہِ بیشہ کے قریب آیا تو لومڑی بول اٹھی:-

"حضور کا اقبال بلند ہے کہ حضرت انسان ادب سے ہاتھ باندھے کھڑا ہے اور حضور کا ثنا خواں ہے"

چنانچہ شہنشاہِ بیشہ نے بیش بیش انعام واکرام دیکر رخصت کیا۔

اب مایوس حیات کے خیالات بدل گئے، اور اس طرح پھر شہنشاہِ بیشہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مال و دولت سے متمتع ہونے کا خیال دامن گیر ہوا۔ اور ہوس اس کو شہنشاہِ بیشہ کی خدمت میں کشاں کشاں لائی۔

اب کے چند بھیڑیے دربار میں بیٹھے شکار اور چیر پھاڑ کی تدبیر میں منہمک تھے۔ انسان کو پیچھے سے آتا دیکھ کر جی میں خوش ہوئے کہ رزاقِ ازل نے ہمارے لئے خوانِ نعمت پردۂ غیب سے بھیجا ہے۔ بس چلا اٹھے کہ "حضور شہنشاہ یہ انسان کیسا بے باک چلا آتا ہے۔ شاید کوئی خوف ناک ارادہ ہے کہ ہم سب کو پکڑ کر جیتے جی ہماری زندگی درگور کردے۔"

یہ سنتے ہی شہنشاہِ بیشہ جھلا اٹھا اور ایک خوفناک دھاڑ مار کر ایک جست لگائی، اور اپنے پنجوں سے چیر پھاڑ کر اس کو کیفرِ کردار پہنچا دیا۔

نتیجہ:۔ اگر وہ اپنی آسودگی حالت پر قناعت کرتا تو موت کے گھاٹ نہ اترتا۔ سچ ہے۔ لالچ بری بلا ہے۔ حریص اپنی جان جوکھوں میں ڈالتا اور پیاری جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا۔

اقوالِ زریں

۱۔ کھانے پینے میں اعتدال رکھو۔ یعنی کھانے کے لئے جیو بلکہ جینے کے لئے کھاؤ۔

۲۔ تازہ اور کھلی ہوا میں زندگی بسر کرو۔

سائنس کی دلچسپیاں

از جناب "کوئی"

مسلمان بچے عموماً حساب اور سائنس سے گھبراتے ہیں۔ حالانکہ جس قدر آسان اور دلچسپ سائنس ہے۔ اس قدر اور کوئی مضمون نہیں۔

مثلاً سائنس نے ثابت کردیا ہے کہ روشنی کی رفتار فی سیکنڈ ۱۸۵۰۰۰ میل ہے اور بجلی یا ریڈیو کی رفتار بھی ۱۸۵۰۰۰ میل ہے۔

سائنس نے ثابت کردیا کہ سورج کا فاصلہ زمین سے تقریباً ۹۵۰۰۰۰۰۰ میل ہے

سورج میں اگر ایک من لوہے کا ڈلا ڈالدیں تو سورج کی گرمی سے یہ سارا لوہا ۱/۱۰ سیکنڈ سے بھی کم عرصہ میں پانی کی طرح بہنے لگیگا۔

یہ کہ عالم خداوندی اس قدر بڑا ہے کہ دنیا کی حیثیت اس عالم میں صرف اس قدر بھی نہیں جیسی کہ بڑے پلنگ پر ایک مکھی۔

آپ کو تعجب ہوگا کہ سائنس برف آگ کی مدد سے بناتا ہے۔

سیکرین جس کا ایک چھوٹا چمچہ ایک دیگ شربت بنانے کو کافی ہوجائے۔ سائنس کے پڑھنے والوں ہی نے یہ بات نکالی۔ اور لطف یہ ہے کہ اس تارکول سے نکالی ہے جو سڑکوں پر بچھا ہوا تم نے ہمیشہ دیکھا ہوگا۔ PERISCOPE ہر ایک آبدوز کشتی میں لگا ہوتا ہے۔ اور اس کی صفت یہ ہے کہ ڈوبی پانی کے نیچے ہوتی ہے۔ مگر اس کا کپتان پانی کے نیچے ہی سمندر کی سطح کی تمام چیزیں صاف دیکھ سکتا ہے۔ اور اس کا بنانا اس قدر آسان ہے کہ سائنس کی تعلیم حاصل کرکے صرف تین چھوٹے تکونے شیشوں پر طالب علم بنا سکتا ہے۔

سائنس نے ایسی موٹر نکالی ہے جو زمین پر اسی طوفان میل کی رفتار سے چھ گنا تیز چلتی ہے۔ یعنی تقریباً ۳۰۰ میل فی گھنٹہ سے زائد۔

سائنس کا طالب علم محض چند رسی کے ٹکڑوں، پہیوں اور بلیوں کی مدد لیکر ۲۰۰ من وزن بآسانی زمین سے اٹھا سکتا ہے۔

مندرجہ بالا چند چیزیں تو وہی ہیں جوکہ شروع ہی میں سائنس کے طالب علم پڑھ لیتے ہیں۔ اور اسکے بعد لاتعداد دلچسپ چیزیں جو سب کارآمد ہوتی ہیں ان کو سکھائی جائیں۔ مثلاً یہ معمولی بات ہے کہ مردہ جانور میں حرکت پیدا کردیجائے۔ انگلی سے ہزاروں من وزنی سامان اِدھر سے اُدھر ہوجائے۔ پہلے ہی سے معلوم ہوجائے کہ بارش ہونے والی ہے۔ چلتی ہوئی ہوا کی رفتار معلوم ہوجائے۔ غرض کہ لاانتہا چیزیں آپ کے علم میں آجاتی ہیں اور آپکی عملی زندگی کو کامیاب بناتی ہیں۔ واضح رہے کہ گگلی ایلومارکونی نے جو سائنسداں تھا اس نے ریڈیو ایجاد کیا اور وہ لکھپتی نہیں کروڑپتی ہوا۔

آر، ایل، اسٹیونسن سائنسداں تھا ریل کا انجن بنایا لکھپتی مرا۔ مسٹر ایڈیسن نے گراموفون اور کئی چیزیں نکالیں۔ کروڑپتی ہوا۔

معمہ کا حل اور مستحق انعام

گذشتہ ماہ جو معمہ شائع کیا گیا تھا اسکے جواب مندرجہ ذیل بچوں نے بھیجے (۱) حنیف اللہ خاں طالبعلم مدرسہ پیرا لمری (۲) محمد سعید ولد سراج الدین صاحب خضاب والے (۳) رشید احمد ولد حاجی سلیم الدین صاحب پنجابی سکول کلکتہ (۴) محمد الیاس اللہ والے ولد جناب محمد اسمٰعیل صاحب اللہ والے کیمبرج سکول (۵) محمد ادریس ولد محمد اسمٰعیل صاحب اللہ والے کیمبرج سکول (۶) سعیدہ بیگم ولد جناب محمد اسمٰعیل صاحب اللہ والے

ان بچوں کے جوابات میں جو زیادہ سے زیادہ صحیح کہے جا سکتے ہیں وہ محمد الیاس، محمد ادریس اور سعیدہ بیگم کے جوابات ہیں جو نیچے درج کیے جاتے ہیں۔ انعام کی مستحق بہن سعیدہ بیگم ہوئیں۔

معمہ کا حل - جواب

(۱) مردم شماری سے صحیح طور پر مختلف اقوام کے اعداد و شمار معلوم ہو سکتے ہیں اور وہ اقوام شمار کے مطابق اپنے اپنے سیاسی حقوق کی حفاظت کر سکتے ہیں۔

(۲) شارع علیہ السلام نے سود لینے اور دینے کو اس غرض سے منع فرمایا ہے تاکہ قوم اپنے معیار زندگی کے مطابق جمع خرچ کریں۔ انکی معاشرتی تمدنی، اقتصادی، مالی حالت سدھری رہے اور دوسری خون چوسنے والی اقوام کا لقمہ شکار نہ بنیں۔

(۳) اسلام نے سب سے پہلے اخوت کا سبق سکھایا ہے جس سے آپس میں محبت، ہمدردی بڑھتی ہے اور چونکہ کلام پاک میں صریحی احکام محبت ربط و ضبط اور اتحاد کے نافذ ہوئے ہیں اسلئے تمام دنیا کے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں جس کا یہ مطلب ہے کہ اگر کسی چینی مسلمان کے کانٹا چبھ جائے تو ایران کے مسلمان کا دل اسکی ہمدردی میں تڑپ جاتا ہے "کل مؤمن اخوۃ"

(۴) سنتوں میں الحمد کے بعد کوئی نہ کوئی سورت ضرور پڑھنی چاہیے۔

(۵) جاپان نے گذشتہ ۵۰ سال میں حیرت انگیز ترقی کی ہے اور وہ تمام دوسری طاقتور اقوام سے پیچھے نہیں رہنا چاہتا اسلئے وہ چاہتا ہے کہ کسی طرح بحر الکاہل میں جو اسکے قرب و جوار میں ہے اپنا اقتدار قائم کرے یہ حرکت امریکہ کو ناگوار گزرتی ہے جسکی وجہ سے دونوں طاقتوں میں آجکل رسہ کشی اور کشمکش ہو رہی ہے۔

(۶) سلطنت متحدہ امریکہ سلطنت جمہوری ہے وہاں کوئی بادشاہ نہیں البتہ صدر جمہوریت ہے جسکا نام روزویلٹ ہے۔ کینیڈا براہ راست انگلینڈ کے ماتحت ہے اور گورنر جنرل براہ راست انگلستان سے منتخب ہوتا ہے۔ وہاں کا بادشاہ جارج ششم ہے۔

(۷) جاپان میں ملوکیت کیساتھ جمہوریت ہے۔ وہاں کوئی ڈکٹیٹر نہیں۔ البتہ شہنشاہ جاپان ہے۔ ان کے وزرا اور سفیر منتخب ہیں۔

(۸) شہنشاہ ایک طرح سے خود مختار ہوتا ہے لیکن وہ اپنے وزرا کے مشورے سے کام کرتا ہے اور ایک طرح سے پارلیمنٹ کو جوابدہی کرتا ہے۔ ڈکٹیٹر بالکل خود مختار ہوتا ہے سیاست کے معاملات میں گورنمنٹ اسکو کل اختیارات دیدیتی ہے کہ وہ اپنے عقل کے بل بوتے پر جو چاہے عمل میں لائے۔

(۹) نام بہی میں وہ تمام اندراج ہوتے ہیں جو مال یا اشیائے فروخت دکان یا فرم سے کسی خریدار کے نام اُدھار فروخت ہوں ان اشیاء کی فہرست بمعہ زر اور رقم اس خریدار کے نام میں لکھدیا جاتا ہے۔ روزنامچہ میں دکان یا فرم کی جملہ اشیاء خرید و فروخت کا اندراج ہوتا ہے۔

(۱۰) لمیٹڈ انگریزی زبان کا لفظ ہے جسکے معنی "محدود" کے ہیں فرم یا دکانوں کیساتھ جب اس نام کو استعمال کیا جاتا ہے اسکے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس دوکان یا فرم کا سرمایہ ایک متعینہ مقدار میں ہوگا۔ شراکت میں جسقدر سرمایہ کسی حصہ دار کا اسمیں لگا ہے اسکے مطابق اس حصہ دار کو منافع ملتا رہتا ہے۔ کل منافع فی حصہ پر تقسیم کیا جاتا ہے۔ بعض صورتوں میں وہ منافع ہر ایک حصہ دار کے سرمایہ میں جمع کر دیا جاتا ہے

(بقیہ صفحہ ۴۶)

پنجابی دُنیا

شذرات

ایڈیٹر کے نوٹ

پنجابی سوداگر یوتھ لیگ آگرہ سے گذارش

ماہ مارچ کے پنجابی گزٹ کے انہی صفحات میں ایک نوٹ کانپور میں سرسراہٹ کے زیر عنوان لکھا گیا تھا جسمیں نوجوانان کانپور سے درخواست کیگئی تھی کہ وہ مستقل مزاجی سے اس تحریک کو لیکر اٹھیں۔ اس ضمن میں مرادآباد اور آگرہ کا بھی سرسری طور پر اس طرح ذکر آگیا تھا کہ ان لوگوں نے کام کو ادھورا چھوڑ دیا۔ یہ بات میں نے پوری ذمہ داری کے ساتھ لکھی تھی۔ گو مجھہ کو یہ معلوم تھا کہ مرادآباد میں بفضل ایزدی پنجابی یوتھ لیگ بھی ہے۔ انجمن خدام قوم بھی ہے اور غالباً پنجابی یوتھ لیگ بھی ہے۔ اسی طرح آگرہ میں پنجابی سوداگر یوتھ لیگ اصلاح قوم پنجابی سوداگران اور ایک دو جماعتیں اور بھی ہونگی۔

اس نوٹ کے جواب میں محترم سکریٹری صاحب پنجابی سوداگر یوتھ لیگ آگرہ نے ایک چٹھی معہ تین اشتہارات بھیجی ہے جسمیں شکایت کی ہے کہ آگرہ کے متعلق یہ نوٹ غلط فہمی پر مبنی ہے۔ بفضلہ تعالےٰ پنجابی سوداگر یوتھ لیگ نہایت کامیابی کے ساتھ قوم کی خدمات انجام دے رہی ہے! اس کا ثبوت وہ اشتہارات بتائے گئے ہیں جو چٹھی کے ہمراہ ہیں۔ آگے چلکر آپ تحریر فرماتے ہیں کہ آئندہ اشاعت میں اسکی تردید جلی حروف میں شائع کریں. تاکہ دیگر مقامات کی برادری غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو۔

قبل ازیں کہ ان اشتہارات کے متعلق جو کام کے ثبوت میں پیش کئے گئے ہیں کچھہ اظہار کروں میں برادر موصوف کو نہایت ایمانداری سے بتانا چاہتا ہوں کہ مجھہ کو نہ صرف اسکی تردید میں تساہل ہے بلکہ آپ کو یا آپ کی جماعت کو اس سے کچھہ بھی ٹھیس لگی ہو تو میں اس کیلئے معافی چاہنے کیلئے تیار ہوں! اور اسکی تردید میرے وقار کو گرانیکا موجب نہیں بلکہ مسرت کا باعث بنتی۔ مجھے اب بھی خوشی ہے کہ آپ نے جو کچھہ بھی میرے نوٹ کے جواب میں کیا اس سے آپ کی خودداری، کام کرنے کی استطاعت اور اچھا جذبہ پایا جاتا ہے۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ برادر آپنے جس چیز کو اپنی کامیابی کا زندہ ثبوت اور اپنے لئے باعث فخر بتایا ہے افسوس کہ میں اس سے متفق نہیں ہوں۔ میں ہی نہیں اگر آپ بھی ٹھنڈے دل سے اس پر غور فرمانے کی زحمت گوارا فرمائینگے تو آپس کے نفاق، چھینٹے بازی، احساس برتری اور دوسرے کی اہمیت کو نظر انداز کرنے کی کوششوں کو کبھی ایسے شاندار الفاظ سے یاد نہ کرینگے۔ میں سمجھنے سے قاصر ہوں اگر ایک پارٹی صلح کی خواہش کرے تو پھر صلح کیسے نہو جبکہ دونوں کی منزل ایک ہی ہے۔ میں اس تفصیل میں نہیں پڑنا چاہتا کہ آپ نے صلح کے پوسٹر نمبر ا میں خواہ مخواہ جماعت ثانی پر چھینٹے بازی کرکے کوئی اچھی چیز نہیں کی۔ اسی طرح اصلاح قوم نے اس قسم کے اعتراضات کرکے کچھہ سنجیدگی کا ثبوت نہیں دیا۔ اور ایک غیر جانبدار آدمی اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ چلتی گاڑی کے آگے پتھر ڈالے جا رہے ہیں۔ جہانتک اس مطالبہ کا تعلق ہے کہ منتظمہ کمیٹی کا چناؤ دوبارہ ہو۔ کوئی ہرج نہیں ہے اور غالباً یوتھ لیگ آگرہ کے قواعد و ضوابط میں سالانہ عام چناؤ کا آئیٹم ہوگا کیونکہ اس طرز انتخاب کے بغیر سرجماعت خانہ ساز ہی کہی جائے گی۔ یوتھ لیگ آگرہ کی خوش قسمتی سمجھنی چاہئے کہ اسے اتنے آدمی کام کے لئے مل رہے ہیں۔ دلی میں تو زیادہ سے زیادہ ممبران بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مگر جماعت کے ممبران پورے نہیں ہوتے۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ ایک دفعہ پھر صلح نہیں بلکہ ایک دوسرے میں گھل مل جانے کی کوشش کیجئے۔

اس کے ساتھ یہ خیال رکھئے کہ آپ کا مقصد قوم کی اصلاح ہے ۔ یہ اصلاح کسی نام سے ہو۔ کن ہاتھوں سے ہو۔ اس سے کچھ غرض نہیں۔ اگر آپ کے ممبران اپنے دلوں میں قوم کی خدمت کی تڑپ رکھتے ہیں تو وہ ضرور مخدوم بنینگے۔ اس صورت میں نہیں کسی دوسری صورت سے ۔۔۔۔

مجھے خدا سے امید ہے کہ اگر آپ اپنے دلوں کو آئینے کی طرح صاف کرکے صلح کا ہاتھ بڑھائینگے تو مخالف کا چہرہ بھی اپنے دل کے آئینہ میں بے عیب پائینگے۔ اور پھر آپ دونوں ایک قالب دو جان ہو جائینگے۔

یہ کام نہ صرف زندہ ثبوت بلکہ قابلِ فخر سمجھا جائیگا۔ اور قوم آپس کے جھگڑوں کی بنا پر ذلت میں جانے کے بجائے ایک شاندار مستقبل کی حامل ہوگی۔

خطبہ صدارت جلسہ سالانہ جمعیۃ قوم پنجابیان دہلی

از جناب حاجی عبدالرحیم صاحب سی، آئی، ای۔

برادران قوم!

سب سے پیشتر میں وہ فرض ادا کرتا ہوں جو ایسے موقعوں پر کرسی صدارت پر بیٹھنے والے کیلئے ایک ناگزیر رسم ہے یعنی آپ لوگوں کی اس عزت افزائی کا شکریہ جو آپ نے مجھے قوم کے اس تیسرے اجتماع کا صدر منتخب کرنے میں عطا کی ہے۔ حالانکہ اپنے کو اس اعزاز کے ناقابل سمجھ کر مجھے اسکے قبول کرنے میں تامل ہو رہا تھا۔ لیکن اپنے بھائیوں کے اخلاق کریمانہ نے مجھے اپنی قوم کی خواہش کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کر دیا ایسے مواقع پر شکریہ ادا کرنا۔ جیسا کہ میں ابھی کہہ چکا ہوں۔ ایک رسم ہے۔ لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرا اظہار شکریہ صرف رسمًا نہیں بلکہ خلوص اور سچائی کے ساتھ بھی ہے اسلئے نہیں کہ قوم نے مجھے آج اس جلسہ کا صدر منتخب کرکے اعزاز بخشا۔ بلکہ اسلئے کہ قوم کے سامنے اپنے خیالات کے اظہار کا موقع آج مجھے آپ نے دیا۔ اس سے پہلے کہ جمعیۃ کے متعلق کچھ عرض کروں ایک اور فرض میرا ہے۔ جسکی طرف آپ لوگوں کی توجہ مبذول کرانا نہایت ضروری ہے۔ مجھے کامل یقین ہے کہ میرے اس کہنے پر میری آواز تمام حاضرین کی آواز ہوگی۔ اور میرے الفاظ تمام موجودہ ممبران قوم کے دلی جذبات کا ترجمان ہوں گے کہ آج اس قومی جلسہ گاہ میں ہم سب کی آنکھیں محمد اسمٰعیل دائی والے مرحوم کو تلاش کر رہی ہیں۔ مرحوم اس جمعیۃ کے ایک اہم اور اعلیٰ رکن بلکہ بانیان جمعیۃ میں سے ایک تھے۔ کسے خبر تھی کہ مرحوم اپنے ہاتھ سے لگائے ہوئے اس پودے کو پھلتا پھولتا دیکھنے سے پیشتر خود صیاد اجل کا شکار ہو کر ہمیشہ کے لئے روپوش ہو جائینگے۔ کون جانتا تھا کہ جمعیۃ اپنے ابتدائی عہد میں مرحوم جیسے مخلص کارکن کی خدمات سے محروم ہو جائیگی۔ مگر خدا کی مرضی کے آگے کسی کی مجال دم مارنے کی نہیں۔ ہمارے لئے اب اسکے سوا چارہ ہی کیا ہے کہ مشیت ایزدی کے سامنے سر جھکا دیں۔ اور بارگاہ خداوندی میں دست بدعا ہوں کہ وہ مرحوم کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔ اور جملہ متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

برادران اب میں آپ سے کچھ آپ کی جمعیۃ کے متعلق کہنا چاہتا ہوں۔ یہ تو ایک مستند بات ہے کہ موجودہ دور دنیا میں ترقی

کا دور ہے۔ جس تیز رفتاری سے دنیا ترقی کے منازل اب طے کر رہی ہے۔ اسکی نظیر تاریخ میں نظر نہیں آتی۔ جن چیزوں کا پہلے خواب و خیال بھی نہ تھا۔ اب وہ حقیقت بنکر ہمارے سامنے موجود ہیں۔ ریل، ٹیلیگراف، ٹیلیفون، ریڈیو، ہوائی جہاز، وائرلیس وغیرہ جیسی نئی ایجادات واختراعات نے اس مہذب دنیا میں ایک نئے دور کا اضافہ کر دیا ہے۔ ہندوستان میں یورپ کا سفر جو پہلے چھ مہینے میں ہوتا تھا اس موجودہ ترقی کے زمانہ نے چار دن میں طے کرنا ممکن کر دیا ہے۔ آج ہم یہاں بیٹھے دنیا کے ہر حصہ سے ٹیلیفون پر گفتگو کر سکتے ہیں۔ ریڈیو کے ذریعہ سے تمام دنیا کے واقعات کی معلوم حاصل کرنے کے قابل ہیں۔ آج سے ایک صدی پہلے ان چیزوں کا وجود بھی نہ تھا۔ مگر ہمارے ہی جیسے انسانوں کی علو ہمتی، استقلال، تعلیم اور جد و جہد نے ان ناممکنات کو ممکن بنا دیا۔ نپولین کا قول ہے کہ "لفظ ناممکن کو لغت سے نکال دینا چاہئے۔ کیونکہ بشرطیکہ کوشش اور جد و جہد میں کوتاہی نہ کیجائے۔ دنیا میں کوئی چیز ناممکن نہیں ہے۔ کامیابی ایسوں کے قدم چومتی ہے جو اپنے ارادوں میں چٹان کی طرح مضبوط ہوں۔ اور مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے سے نہ گھبرائیں۔ زندہ قومیں جتنی بام ترقی پر پہنچتی ہیں اپنی حالت پر قانع نہیں رہتیں بلکہ مزید فوقیت حاصل کرنے کی فکر میں اپنی جد و جہد جاری رکھتی ہیں۔ زندگی حرکت کا دوسرا نام ہے۔ ترقی جد و جہد کا نتیجہ ہے فراخ دستی محنت کا پھل ہے۔ حکومت قربانی کا صلہ ہے۔ خدا کی زمین وسیع ہے۔ اسکی قدرت کا ظہور ہر جگہ نمایاں ہے۔ یہ کارخانہ عالم اور اس کی ساری دلچسپیاں پیدا ہی اسلئے کیگئی ہیں کہ انسان ان چیزوں سے فائدہ اور فیض حاصل کرے۔ خدا بھی اُن ہی سے راضی ہوتا ہے جو اسکی بخشی ہوئی نعمتوں کی قدر کرے اور اسکا شکر گذار ہو۔

برادران! ہماری قوم بھی یہاں تاجروں کی جماعت میں شمار کی جاتی ہے۔ اور عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی رہی ہے۔ لیکن رفتار زمانہ کو دیکھتے ہوئے اگر میں یہ کہوں تو بیجا نہ ہوگا کہ ہم نے ترقی کے میدان میں وہ گامزنی نہیں کی جو ہمکو کرنا چاہیے تھی۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے دوسری اقوام نے آکر ہمارے مقابلہ میں یہاں تجارت شروع کی۔ اپنا رسوخ قائم کیا۔ ہمارے وسائل درآمد و برآمد میں دخل اندازی کی اور ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ وہ ہم سے سبقت لے گئے۔ دہلی کے تجار کے ہاتھ میں چند محدود تجارتیں تھیں۔ مثلاً حلوائی، پرفیومری، بساطخانہ، جوہری، دوائی اور گلاس ویر وغیرہ مگر اب ان چیزوں کی تجارت بھی ہمارے اثر و قبضہ سے نکل کر دوسری قوم کی ملکیت بنگئی۔ اگرچہ دکانیں ہماری موجود ہیں۔ اور پہلے سے تعداد میں زیادہ بھی ہیں۔ لیکن بازار اب ہمارے ہاتھ میں نہیں رہا۔ بلکہ مارکیٹ پر اب وہ قابض ہیں جنہوں نے ہمارے بعد کلکتہ میں کاروبار شروع کیا۔ ہمارے جمے جمائے کاموں کا مقابلہ کیا۔ اور رفتہ رفتہ ہم پر حاوی ہو گئے۔ اب ہمارے لئے سب سے زیادہ غور کرنے کا سوال یہ ہے کہ جبکہ اس دور میں ہر ایک قوم ترقی کر رہی ہے۔ ہماری قوم کے پستی میں پڑے رہنے کا سبب کیا ہے۔ اگر اس عالمگیر کساد بازاری کو اس کا سبب سمجھا جاتا ہے تو یہ ہماری غلطی ہے۔ کیونکہ اس کساد بازاری کا اثر صرف ہم ہی پر کیوں پڑا۔ اور قومیں اس سے متاثر کیوں نہ ہوئیں۔

تجارت کے میدان میں آج مارواڑی، بمبئی والے، سندھی، پنجابی، گجراتی وغیرہ ہم سے کہیں آگے ہیں۔ آج ہمارے خاص بازار میں دیگر اقوام کی دکانیں موجود ہیں۔ لیکن ہمارے کاروبار اتفاقات اور حوادثات کی نذر ہو گئے۔ اور ہوتے جاتے ہیں۔ اسکی وجہ کیا ہے؟ ہر مرض کا علاج تشخیص کے بعد ہوتا ہے۔ اگر معالج مرض کی تشخیص کرنے میں غلطی کرے تو یہ مانی ہوئی بات ہے کہ وہ علاج میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ہماری قوم کی حالت تو یہ ہے کہ تشخیص اور علاج تو دور ہے۔ ان کو اپنے مرض کا احساس نہیں ہے اگر کوئی ان کا خیال ان کی بیماری کی طرف متوجہ کرے تو وہ اپنے مرض کو محسوس کر کے "ہاں" ضرور کر دینگے مگر اسکے بعد کچھ نہیں۔

اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ خود دائم المرض ہیں۔ وہ اس کے عادی ہوگئے ہیں۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ مکمل صحت کیا چیز ہے۔ وہ اس سے واقف ہی نہیں۔ کہ دنیا میں ترقی کس کو کہتے ہیں اور ترقی کیونکر حاصل ہوتی ہے۔ اور کچھ حضرات ہماری قوم کے ترقی کرنے کے شائق بھی ہیں تو وہ ان ذرائع سے ناواقف ہیں۔ جس سے وہ ترقی کر سکیں۔

برادران اگر آپ اپنی قوم کے مرض کی صحیح طور پر حکیمانہ نظر سے تشخیص کرنا چاہیں تو آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ہماری موجودہ پستی اور کمزوری کی وجہ ہماری کم ہمتی، تنگ نظری اور بے حسی ہے۔ ہنیں تو تجارت ایک ایسا وسیع میدان ہے جسکے حدود کی انتہا ہی نہیں، یہ وہ دریا ہے جسکا کنارا ہی نہیں ہمارے حکمران تجارت ہی کرنے ہندوستان میں آئے تھے جو اب ہمارے حاکم ہیں۔ جاپان کے پستہ قد لوگوں کو تجارت ہی کے ذریعہ سے دنیا میں عالمگیر شہرت حاصل ہوئی۔ امریکہ کی ہر سلطنت پر مالی فوقیت تجارت ہی کی رہین منت ہے۔ ہم بھی تاجر ہیں ہمکو وہ ترقی کیوں نہیں حاصل ہوتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تجارت میں کامیاب وہی ہو سکتا ہے۔ جس کے دل میں ہمت ہو، حوصلہ ہو۔ جسکی نظر وسیع ہو۔ مجھے افسوس ہے کہ مجھے اس جلسہ کی دعوت بہت کم وقت کے ساتھ ملی جس کی وجہ سے میں اپنے پورے خیالات کا اظہار آج نہیں کر سکتا۔ اگر مجھے ایک ہفتہ کا وقت بھی ملتا تو میں زیادہ وضاحت کے ساتھ اپنے خیالات ظاہر کرتا۔ بہرحال تین دن کی قلیل مدت میں جو کچھ میں عجلت میں سمجھ سکا ہوں وہ آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ ہماری قوم کے پستی میں پڑے رہنے کی، اور دیگر اقوام کے دوش بدوش ترقی کرنے کی وجوہات "تنگ نظری"، "لاعلمی" اور "بے حسی" ہیں۔

اب میں آپ کو سمجھانے کیلیے ان تینوں لفظوں کی تشریح علیحدہ علیحدہ کیے دیتا ہوں تاکہ ان کے سمجھنے کے بعد یا تو آپ میرے ہم خیال ہو جائیں یا میرے خیالات کی تردید کرنے کے لیے آپ کو موقع ملجائے جس کا آپ کو ہر طرح سے حق حاصل ہے۔ بلکہ مجھے اس سے مسرت ہوگی اگر برادران قوم میری ناچیز رائے پر اپنے خیالات کا اظہار کریں۔

پہلا لفظ "تنگ نظری" اس لفظ کے مختلف معنے لیے جاسکتے ہیں لیکن میں جس کو قوم کی تنگ نظری کہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہماری قوم کے افراد جو تجارت کی غرض سے کلکتہ آئے تھے یا آرہے ہیں۔ ان کی نظر صرف چند لائنوں تک محدود ہے۔ یعنی خوراکی، بساط خانہ، دوائی، ہونڈی، گلاس ویر، پرفیومری وغیرہ اس کے علاوہ ہم جانتے ہی نہیں کہ دنیا میں اور کس چیز کی تجارت ہوتی ہے مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اپنے کمسن زمانہ میں جب مجھے ہوش آیا تو میں نے مذکورہ بالا چیزوں کی دکانیں کولوٹولہ میں صرف دیکھی تھیں۔ ان میں بھی شاید نوے فیصدی سے زیادہ دکانیں صرف خوراکی کی تھیں۔ اب باوجودیکہ نصف صدی کے قریب گذرچکی کیونکہ واقعہ قریب ۵۰ سال پیشتر کا بیان کر رہا ہوں۔ لیکن ہماری قوم کے تجاران ہی چند چیزوں کی تجارت کے محدود حلقہ میں آج تک چکر لگا رہے ہیں اسی کا نام تنگ نظری ہے۔ کیا آپ بتاسکتے ہیں کہ مذکورہ بالا چند لائنوں کے علاوہ ہماری قوم کے کسی فرد نے کوئی اور تجارت اس پچاس سال کے عرصہ میں کی۔ یا اسکے حاصل کرنے کی کوشش کی؟ نہیں بلکہ اسکے برعکس آپ یہ کہنے پر مجبور ہونگے کہ یہ مذکورہ کام بھی رفتہ رفتہ ہمارے ہاتھوں سے نکل گئے اور نکلتے جا رہے ہیں۔

آج سے نصف صدی پیشتر کولوٹولہ میں اگر میری یاد مجھے دھوکا نہیں دے رہی ہے تو صرف بیس دوکانیں خوراکی کی تھیں۔ اب شاید ایک بھی نہیں رہی۔ کبھی آپ نے اس پر بھی غور کیا ہے کہ خوراکی کی لائن ہمارے ہاتھ سے نکلنے کا باعث کیا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ہم لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں۔ جسکی وجہ سے ہم میں نقالی کا مادہ پیدا ہوگیا ہے۔ جب کوئی دہلی سے کلکتہ تجارت کرنے کی غرض سے آئے اپنی نامعلومات یا تنگ نظری کیوجہ سے اس بات پر مجبور ہوئے کہ وہی کام شروع کریں جو ہمارے

(بقیہ صفحہ [illegible])

پیدائش

نمبر شمار	تاریخ اندراج	تاریخ پیدائش	نام بچہ یا بچی	باپ کا نام معہ ولدیت	بچے کے نانا کا نام	نام محلہ	علاقہ نمبر
۲۳۸	اپریل ۵	مارچ ۳۰	ثابت افسار	ریاض الدین ولد جمال الدین لوہے والے	نور الٰہی پہلوان	محلہ محمد شفیع	نمبر ۳
۲۳۹	اپریل ۶	مارچ ۳	ثریا جبین دختر نواب خان	حکیم احسان الٰہی ولد حاجی نور الٰہی	محمد تقی تیزاب والے	حویلی حسام الدین حیدر	ع ۶
۲۴۰	اپریل ۸	اپریل ۸	لڑکا	آفتاب الدین ولد حاجی نصیر الدین سوت والے	محمد صدیق سنگاپور والے	نواب گنج	ع ۱۲
۲۴۱	اپریل ۹	اپریل ۹	لڑکی	محمد عمر ولد محمد ابراہیم کوئلہ والے	محمد ابراہیم دودھ والے	چمن واڑہ خورد	ع ۳
۲۴۲	اپریل ۱۰	اپریل ۱۰	شان الٰہی	رحمت الٰہی ولد احمد الٰہی	شمس العارفین	کوٹھی میم	ع ۱۲
۲۴۳	اپریل ۱۱	اپریل ۱۱	محمد خلیل	محمد رفیع پٹہ والے ولد محمد شفیع سوت والے	محمد امین	شیش محل	ع ۱۳
۲۴۴	اپریل ۱۲	اپریل ۱۲	لڑکا	عمر الدین چمڑے والے	نور الٰہی صوفی جی	باغیچی ایچھے جی	//
۲۴۵	اپریل ۱۳	اپریل ۱۳	محمد سلیم	محمد یٰسین ولد حاجی محمد اسمٰعیل	محمد یعقوب	گدارا کا گھر	//
۲۴۶	مارچ ۱۴	اپریل ۱۴	فاطمہ بی	محمد یونس محمد یٰسین چمڑے والے	محمد ابراہیم گھڑی والے	بارہ دری نواب وزیر	ع ۳
۲۴۷	اپریل ۱۵	اپریل ۱۵	عمر الٰہی	محمد فاروق صندوقچی والے ولد فضل الٰہی صندوقچی والے	محمد ابراہیم لدھیانے والے	بنا محلہ پہل بخش	ع ۱۲
۲۴۸		اپریل ۱۶	صدیقہ بیگم	محمد صالحین ولد احمد جان مرحوم	حاجی فضل الٰہی نمونہ والے مرحوم	چمن واڑہ خورد	ع ۳
۲۴۹	اپریل ۱۷	اپریل ۱۷	لڑکی	محمد ابراہیم ولد شمس الدین	رحمت الٰہی	بلیماران	ع ۶
۲۵۰	اپریل ۱۹	اپریل ۱۹	//	محمد شفاق ولد محمد اسحٰق لالٹین والے	عبد المنان	دھوبی کٹرہ	ع ۳
۲۵۱	اپریل ۲۰	اپریل ۲۰	محمد ہارون	حاجی الطاف الرحمٰن ولد فضل الرحمٰن	ملا محمد اسحٰق مرحوم	اسلام گنج	۱۲
۲۵۲	اپریل ۲۱	اپریل ۲۱	روشن آرا بیگم	محمد شفاق ولد محمد اسحٰق لالٹین والے	عبد المنان	دھوبی کٹرہ	ع ۳
۲۵۳	اپریل ۲۲	اپریل ۲۲	ممتاز بیگم	عبد الوہاب ولد احمد حسین شاہدرہ والے	حاجی محمد یحییٰ مرحوم	بلیماران	ع ۶
۲۵۴	اپریل ۲۳	اپریل ۲۳	انیس احمد	محمد فاروق ولد محمد رفیع	محمد صالحین	بلیماران	//
۲۵۵	اپریل ۲۴	اپریل ۲۴	فردوس بیگم	محمد یوسف ولد بخش الٰہی مرحوم	محمد ادریس ہوٹل والے	بیر والا باغ	ع ۱۲
۲۵۶	اپریل ۲۵	اپریل ۲۵	لڑکی	عبد الجبار ولد عبد الرزاق	قمر الدین رنگ والے	نواب گنج	۱۲
۲۵۷	اپریل ۲۶	اپریل ۲۶	اسلام احمد	محمد یونس ولد محمد ابراہیم لاہور والے	رحم الٰہی یمن والے	گدارا کا گھر	//
۲۵۸	اپریل ۲۶	اپریل ۲۶	آفتاب پاکستان	[illegible] ولد حاجی محمد [illegible]	محمد شفیع [illegible]	[illegible] گنج	//

نمبر شمار	تاریخ تولد	تاریخ رجسٹری	بچہ کا نام	باپ کا نام مع ولدیت	بچہ کے نانا کا نام	نام محلہ	علاقہ
۲۵۹	۲۸ ۳/۴۱	۲۲ ۳/۴۱	نفیسہ بیگم	علیم الدین ولد حکیم الدین	بہر الٰہی سرمہ والے	کوٹھی میم	ع/۱۲
۲۶۰	۱ ۴/۴۱	۱ ۴/۴۱	محمد اسلم	عبد الحمید ولد عبد الاحد لائین والے	شیخ نور الٰہی	کابیصاحب کا احاطہ	ع/۹
۲۶۱	۲ ۴/۴۱	۲ ۴/۴۱	شاہدہ خاتون	شرف الحق ولد شمس الحق	فضل الرحمن بھولا والے	نواب گنج پیلے والی گلی	ع/۱۲
۲۶۲	۳ ۴/۴۱	//	عبد المتین	محمد سعید ولد حاجی احمد نبی کلکتہ والے	احمد جان کمیٹی والے	باغیچی اپھے جی	ع/۱۳
۲۶۳	۴ ۴/۴۱	۳ ۴/۴۱	لڑکا	محمد سعید ولد حاجی رفیع الدین مرحوم	رفیع الدین باڑی مرحوم	احاطہ دوائی ٹولہ	ع/۹
۲۶۴	۶ ۴/۴۱	//	ماشاء اللہ جان	محمد دین محمد ابراہیم اپرڑ والے	محمد اسمٰعیل اپرڑ والے	شیش محل	ع/۱۳
۲۶۵	۷ ۴/۴۱	۷ ۴/۴۱	لڑکا	محمد نقی ولد محمد ابراہیم گھڑیوالے	محمد اسمٰعیل جاپان والے	حویلی حسام الدین حیدر	ع/۶
۲۶۶	۹ ۴/۴۱	۹ ۴/۴۱	لڑکی	حافظ ممتاز الدین ولد محمد دین پھیری والے	رفیع الدین دوائی والے	نیا محلہ پل بنگش	ع/۱۲
۲۶۷	۱۱ ۴/۴۱	۱۱ ۴/۴۱	//	نور احمد فضل عظیم	محمد یٰسین کلاس ویر والے	کشن گنج	ع/۱۳
۲۶۸	۱۲ ۴/۴۱	۱۲ ۴/۴۱	//	محمد نقی ولد محمد ادریس	عبد الکریم الہ دوالے	باغیچی اپھے جی	ع/۱۲
۲۶۹	۱۳ ۴/۴۱	۱۳ ۴/۴۱	محمد یحییٰ	محمد امین ولد محمد شفیع	قیام الدین	کشن گنج	ع/۱۳
۲۷۰	۱۴ ۴/۴۱	۱۴ ۴/۴۱	فیروز احمد	رضا احمد ولد نور احمد گھڑیساز	حاجی کرم الٰہی دلال	احاطہ کابیصاحب	ع/۹
۲۷۱	۱۵ ۴/۴۱	۱۵ ۴/۴۱	فیروزہ خاتون	ضیاء الحق ولد شمس الحق اللہ والے	پچا چا امین	بارہ دری نواب وزیر	ع/۳
۲۷۲	۱۶ ۴/۴۱	۱۶ ۴/۴۱	لڑکی	شجاع الدین ولد محمد دین کلکتہ والے	محمد حسن کلکتہ والے	کشن گنج	ع/۱۳
۲۷۳	۱۷ ۴/۴۱	۱۹ ۴/۴۱	شاہ تاج بانو	محمد سعید محمد رفیع لالی والے	محمد یحییٰ سوت والے	نواب گنج	ع/۱۲
۲۷۴	۲۰ ۴/۴۱	۲۵ ۴/۴۱	لڑکا	فیروز الدین ولد شہاب الدین شملہ والے	محمد عمر بمبی والے	بیماران	ع/۹
۲۷۵	۲۳ ۴/۴۱	۲۳ ۴/۴۱	فیروزہ خاتون	رحم الٰہی ولد کرم الٰہی سوت والے	محمد شفیع سوت والے	کشن گنج	ع/۱۳
۲۷۶	۲۵ ۴/۴۱	۳۰ ۴/۴۱	نیلوفر بیگم	حافظ فیروز الدین ولد حاجی اعجاز الدین دہلی دروازے والے	شمس العارفین اللہ والے	چمن دارڑہ کلاں	ع/۳

(بقیہ صفحہ ۵۰) ان کے جوابات میں یہ چیزیں اور شامل ہونا چاہئیں (۲) اور نہ مسلمان دوسروں کا خون چوس کر بزدل اور ذلیل ہو جائیں۔

(۵) امریکہ کی تجارتی منڈیوں پر بھی جاپان نے بہت قبضہ کر لیا ہے اسلئے اس کشمکش میں تجارتی رقابت بھی شامل ہے۔

(۱۰) لمٹیڈ سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ جو سرمایہ کسی تجارت میں لگا کر لمٹیڈ کرا دیا جائے تو اس رقم سے زائد کا نقصان کا سرمایہ لگانیوالا دینے دار نہ آئے۔

نیا معمہ:- اس دفعہ نیا معمہ ہم ناظرین و ناظرات پنجابی گزٹ کیطرف سے آئے ہوئے دیتے ہیں۔ معمہ یہ ہے:-

(۱) دنیا میں سب سے بڑی چیز کونسی ہے۔ اور وہ کھاتی پیتی کیا ہے۔

(۲) حرام کھائے اور جنت میں جائے۔ (از طرف سعیدہ بیگم صاحبہ بنت فضل حق صاحب شملوی)

نمبر ۱۵
صفحہ

شادیاں

نمبر شمار	تاریخ اندراج	بیٹے کے والد کا پتہ معہ نام: نام نوشہ	عمر	ولدیت	سکونت	بیٹی کے والد کا نام و پتہ: عروس کے والد کا نام	سکونت	تعداد مہر	بیٹی والے	بیٹے والے
۱۲	۲۰ اپریل	عبدالخالق	۲۱ سال	محمد اسمٰعیل امیر والے	فیاض گنج	کرم الٰہی گلٹ والے	فیاض گنج	سات سو روپے	عہ/	عہ
۱۳	۲۱ اپریل	محمد صدیق	۲۵ ″	محمد اسحٰق بٹن والے	محلہ شیخان	محمد عمر گلٹ والے	باغیچی اچھے جی	سات سو روپے	۸/	۸/
۱۴	۲۳ اپریل	محمد یوسف	۲۰ ″	منظور الٰہی	ہاپڑ آگرہ	محمد عارف گلاس کٹ	بلیماران	تین ہزار ایکسو	ﮦ/	ﮦ/
۱۵	″	شفیق الدین	۱۸ ″	رفیع الدین جاؤلہ	باڑہ ہندو راؤ	محمد عابد گلاس ڈیلر	بارودری نواب وزیر	ایکہزار پانچسو	عہ/	ﻟﻌﮧ/
۱۶	۲ مئی	محمد تقی	۲۲ ″	محمد شفیع صابن والے	گلی ہیگا بیگ	محمد عاشق دلال	کشن گنج	گیارہ سو	وعدہ	وعدہ
۱۷	۸ مئی	محمد عثمان	۲۱ ″	محمد سعید بٹن والے	گلی چابک سواران	محمد یوسف بٹن والے	″	پانچ ہزار ایکسو	ﺻﮧ/	ﺻﮧ/
۱۸	۱۵ مئی	عین الدین	۲۲ ″	حافظ معین الدین	میرٹھ کینٹ	حاجی ارشاد حسین	طوطا میدہ	تین ہزار	ﺻﮧ/	ﺻﮧ/
۱۹	″	عبدالمنان	۲۰ ″	محمد عثمان	بیری والا باغ	حاجی رشید احمد موتی والے	کشن گنج	اکیس سو	ﻟﻌﮧ/	ﺳﮯ/
۲۰	۱۶ مئی	محمد یوسف	۳۰ ″	محمد شفیع کشتی والے	زبیدہ منزل باڑہ ہندو راؤ	حافظ عبدالعزیز نابینا	″	پانچہزار ایکسو	ﺳﮯ/	ﺻﮧ
۲۱	″	محمد شفیع	۲۱ ″	محمد رفیع اللہ والے	طوطا میدہ	میر صاحب محمد شفیع	″	″	ﺳﮯ/	ﺻﮧ
۲۲	″	محمد رفیق	۱۸ ½	محمد صدیق نالیوالے	نواب والا باغ	محمد جمیل سوت والے	نواب والا باغ	″	ﺳﮯ/	ﺳﮯ/

(بقیہ صفحہ ۹) ہونے میں چھ سال لگینگے۔ لیکن اگر لڑکا آٹھ یا دس جماعت پڑھا ہوا ہو تو صرف تین سال میں فارغ ہو جائے گا۔

(۳) دوران تعلیم میں یہ لڑکے کی خوشی پر ہے کہ مندرجہ ذیل کاموں میں سے کسی کو سیکھے۔ موٹر کا کام، الیکٹرک کی صنعت کے مختلف کام، ہوزری کا کام، لوہے کے پرزے بنانے کا کام، ٹائپ کرنا، شارٹ ہینڈ، انگریزی طرز کا ہی کھاتہ، انجینیرنگ، بجلی کا کام اور کاروباری خط و کتابت۔

(۴) عام لڑکوں سے فیس مندرجہ ذیل ہے۔ پہلا سال ۲ روپے ماہوار، دوسرا سال ۳ روپے ماہوار۔ تیسرا سال تین روپے ماہوار۔ چوتھا سال چار روپے ماہوار۔

(۵) غریب طالب علم کی فیس معاف بھی ہو سکتی ہے اور رعایتی فیس بھی ہو سکتی ہے۔

اس سلسلہ میں آپ مزید معلومات ایڈیٹر پنجابی گزٹ کی معرفت حاصل کر سکتے ہیں۔

پنجابی گزٹ دہلی

نمبر شمار	تاریخ تولد	تاریخ پیدائش	بچہ کا نام
۲۵۹	۳۰	۲۰	نفیسہ بیگم
۲۶۰	۱	۱	؍؍
۲۶۱			

اموات

نمبر شمار	تاریخ دفن	نام میت	ولدیت	نام محلہ	عمر متوفی	کیا مرض تھا
۷	۱۷	لڑکا مرا ہوا	محمد شفیع تیل والے	بیری والا باغ	۰	۰
۸	؍؍	لڑکی	محمد شفیع سوداگر	بلیماران	۲ یوم	بخار
۹	۲۴	ذکی احمد	محمد اسمٰعیل مرتبان والے	گلی زکریا والی	۹ ماہ	سردی
۱۰	؍؍	فیروزہ خاتون	محمد صالحین گھڑی والے	احاطہ کالے صاحب	۵ سال	گلے میں بیل
۱۱	۲۶	صغرا بیگم	حاجی عبدالخالق چھوٹو والے	بلیماران	۳۴ ؍؍	بخار
۱۲	۲۸	محمد رفیع	محمد صالحین پیتل والے	رنڈی والا باغ	۲ ؍؍	؍؍
۱	۱	والدہ عبدالکریم	ہمشیرہ الٰہی بخش	رنگ محل	۷۰ ؍؍	؍؍
۲	۶	اقبال النساء بیگم	مہر الٰہی چاندنہ	گلی قاسم جان	۱½ دن	؍؍
۳	؍؍	محمد عمر	محمد اسمٰعیل تانے والے	شیش محل	۴ سال	؍؍
۴	۹	نفیسہ خاتون	علیم الدین بیرڑوت والے	کوٹھی میم	۲½ ماہ	؍؍
۵	۱۰	سکینہ بی	الٰہی بخش مرحوم	حویلی حسام الدین حیدر	۸۰ سال	ورم جگر
۶	۱۳	زیب النساء بیگم	محمد ابراہیم کمتورے	احاطہ کالے صاحب	۱۴ ؍؍	ورم آنت
۷	؍؍	نعمت بی	حاجی فخرالدین انبالہ والے	گلی محمد زکریا	۴۵ ؍؍	بخار
۸	۱۶	صغریٰ جان	احمد جان گھی والے	بیری والا باغ	۴۰ ؍؍	بخار کھانسی
۹	۱۹	صابرہ خاتون	حاجی محمد امین بمبئی والے	گلی ہنگا بیگ	۱۰ ؍؍	بخار
۱۰	۲۶	عمر النساء	محمد صدیق باڑی	؍؍	۱۱ ؍؍	؍؍

(بقیہ صفحہ ۵۰) اور بھائی پہلے سے کر رہے ہیں یہ نہیں سوچتے کہ مال کی کھپت تو محدود ہے۔ جس تعداد کو پانچ دکانیں خوراک کی پورا کر رہی نہیں اب اسی تعداد کو دس دکانوں سے پورا کرنا شروع کیا۔ خوراک کھانے والوں کی تعداد تو بڑھی نہیں۔ مال کی کھپت تو اتنی ہی رہی۔ البتہ سپلائی کرنے والے بجائے پانچ کے دس ہو گئے۔

(باقی آئندہ)

جلد ۴ ماہ مئی سنہ ۱۹۴۱ء نمبر ۵

واقعات و افکار

ایڈیٹوریل نوٹ

ایڈیٹر کے قلم سے

انجمن وکیل قوم پنجابیاں کیطرف سے پنجابی گزٹ کو ماہواری گرانٹ

ان صفحات میں متعدد بار اس امر کا اعادہ کیا جا چکا ہے کہ کوئی پرچہ کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسکی پشت پر اس قوم یا سوسائٹی کی معاونت نہ ہو جس کا کہ وہ آرگن ہے علاوہ ازیں اس چیز کو بھی ہم بخوبی سمجھ چکے ہیں کہ فی زمانہ ایک کامیاب اخبار اس قوم کی کامیابی کا کتنا بڑا ضامن ہے تجارت کو چار چاند اسی سے لگتے ہیں۔ حکومت میں رسائی اسی کے ذریعہ ہوتی ہے۔ مخالفین کا تار و پود اسی سے بکھرا جاتا ہے۔ آپسمیں محبت اور اخوت کا پیغام بھی یہی بنتا ہے۔ اندرونی کمزوریوں کا قلع قمع اور بیرونی فتنوں کی روک تھام کیلئے یہی سپر کا کام دیتا ہے۔ قوم کو خواب غفلت سے بیدار کرنا۔ دشمنوں کے دل میں رعب طاری کرنا اسی کے ادنیٰ کرشمے ہیں۔ غرض یہ چیز بلا خوف و تردید کہی جا سکتی ہے کہ جس قوم کا اخبار کامیاب نہیں وہ زبان ہونے کے باوجود گونگی ہے۔ جس قوم کے افراد اخبارات پڑھنے کے عادی نہیں وہ کان اور آنکھیں ہونے کے باوجود بہرے اور نابینا ہیں۔ آج جس قوم کے اخبارات جتنے زیادہ کامیاب ہوتے ہیں وہ قوم اتنی ہی کامیاب مہذب اور ترقی یافتہ سمجھی جاتی ہے۔ ان تمام باتوں سے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ پنجابی گزٹ کو ہم نے کسی قدر کامیاب بنا دیا ہے جس سے یہ تمام فوائد حاصل ہو سکیں۔ ابھی ہماری منزل کافی دور ہے۔ ہماری کوشش یہی ہے کہ قوم کے اس واحد آرگن کو آپکے شایان شان بنایا جائے۔

اور بفضلہ اسمیں کامیابی بھی ہو رہی ہے پہلا قدم اسکے معاونین اور سرپرست بنانے کیلئے اٹھایا گیا۔ اسمیں کامیابی کا اندازہ آپ اس سے کر سکتے ہیں کہ قوم کے جس فرد سے اسکی معاونت یا سرپرستی کے لئے کہا گیا انہوں نے بلا کسی توقف دحیل وحجت کے اس کو منظور فرما کر نہ صرف اپنی روایتی قوم پروری کا ثبوت دیا بلکہ پنجابی گزٹ کی ہر دلعزیزی کو مزید چار چاند لگا دئے۔

دوسری ٹھوس معاونت کا اقدام پنجابی یوتھ لیگ کے ذریعہ سے انجمن وکیل قوم پنجابیان نے کیا۔ اس سلسلہ میں لیگ کی طرف سے انجمن وکیل قوم پنجابیان کو لکھا گیا تھا کہ اسکے ماہواری اخراجات میں پنجابی گزٹ کی مبلغ پندرہ روپیہ ماہوار کی امداد بھی شامل کیجائے۔ کیونکہ لیگ نے جو اصلاح رسوم کی تحریک جاری کر رکھی ہے پنجابی گزٹ کے ذریعہ سے اسکی نشر و اشاعت کا کام لیا جاتا ہے۔ اور یہ چیز ازبس ضروری ہے جسکے بغیر تحریک کا چلنا محال ہے۔ لیگ کی اس درخواست پر انجمن نے جو مدبرانہ فیصلہ کیا اسکا اندازہ آپ اس سے کر سکتے ہیں کہ جناب صدر خانصاحب حافظ محمد صدیق صاحب ملتانی میونسپل کمشنر کی طرف سے یہ تجویز پیش کیگئی کہ چونکہ پنجابی گزٹ صرف لیگ کی ہی نہیں، تمام قوم کی خدمات انجام دے رہا ہے اسلئے انجمن بذات خود اس کو پندرہ روپے ماہوار کی گرانٹ دے۔ جلسہ نے اسکو متفقہ طور پر منظور کیا۔ انجمن کی سرپرستی پنجابی گزٹ کیلئے بصد ناز و فخر کا باعث ہے۔ ہم یقین دلاتے ہیں کہ انجمن کا یہ عطیہ حقیقی معنوں میں ایسی شے کی بنیادیں مضبوط کرنے کیلئے ہے جو انشاءاللہ ایک روز ہم سب کا ممد و معاون ثابت ہوگا اور اب

بھی قوم اس سے حتی المقدور مستفید ہو رہی ہے۔

انکم ٹیکس افسروں کی کارگذاری

ایک سرکاری رپورٹ میں انکم ٹیکس افسروں کی کارگزاری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ اگر یہ محکمہ ہوشیاری سے کام نہ کرتا تو خزانہ تقریباً ۳ کروڑ روپیہ کی گرانقدر رقم سے محروم ہو جاتا۔ بہت سے انکم ٹیکس ادا کرنے والے ایسے تھے کہ اگر ان کے پیش کردہ نقشے درست کر لئے جاتے تو ۱۹۶۰ء میں محکمہ کو ۲ کروڑ ۹۶ لاکھ روپے یا تقریباً ۷٫۳۰ فیصدی کا نقصان ہوتا۔ آگے چلکر انکم ٹیکس ڈیپارٹمنٹ کی رپورٹ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے بعض لوگوں نے جو طریقے اختیار کئے ان میں سے بعض یہ ہیں۔ حسابات کے دو دو رجسٹر رکھنا۔ خرید کردہ مال کی قیمتوں کو بڑھا چڑھا کر دکھانا۔ فروخت شدہ مال کو دکھانا۔ آمدنی کے بعض ذرائع کا ذکر نہ کرنا۔ مصنوعی مالوں کے حسابات رکھنا اور مصنوعی مصارف کو آمدنی سے وضع کر دینا۔

سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے بعض سوداگروں کا حوالہ دیا ہے۔ کہ ابرق کے دو بڑے تاجروں نے اپنے حسابات میں کم منافع ظاہر کیا۔ انکی دوکانوں پر اچانک پہنچنے پر انکے حسابات کی اصلی کتابیں ملگئیں جن سے معلوم ہوا کہ انھیں منافع بہت زیادہ ہوا ہے چنانچہ ان پر گرانقدر جرمانہ کیا گیا۔ اسیطرح بعض نے خرید کردہ مال کی قیمت کم دکھائی۔ بعض لوگوں نے آمدنی کے بعض وسائل کا ذکر نہیں کیا۔ ایک کارخانہ نے اپنی آمدنی پانچہزار سے کچھ زیادہ ظاہر کی لیکن اسکے حسابات دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اپنے خرید کردہ اور فروخت شدہ مال کو کم ظاہر کیا ہے۔ اور بعض مدات کی آمدنی درج نہیں کی۔ ان حسابات کے پیش نظر اسکی آمدنی ۲۰ ہزار روپیہ قرار دیگئی۔ اور اسپر انکم ٹیکس لگایا گیا۔

رپورٹ میں جو کچھ بھی لکھا گیا ہے اسمیں شک نہیں کہ بعض لوگ انکم ٹیکس سے بچنے کیلئے اس قسم کے ذرائع اختیار کرتے ہیں لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اکثر لوگوں کو حسابات ٹھیک رکھنے کے باوجود بہت تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہمارے سامنے اس قسم کے بھی لوگ ہیں کہ جو بذاتِ خود ایک حد تک غیر تعلیم یافتہ ہیں اور اپنی محدود آمدنی کی بنا پر باقاعدہ حسابات رکھنے کیلئے کوئی منشی بھی نہیں رکھ سکتے۔ پیٹ بھرنے کیلئے انکو کوئی وسیلہ بھی کرنا پڑتا ہے۔ لیکن ان کے ساتھ بھی وہی سلوک ہوتا ہے کہ آمدنی فرض کرکے ٹیکس لگایا جاتا ہے اور جو آمدنی فرض کیجاتی ہے یہ تب ہی اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ فرض کنندہ کو موجودہ کساد بازاری کے کاروبار سے واسطہ پڑے اور پھر انکم ٹیکس دینے کیلئے ایک ایسے آدمی کے سامنے پیش ہونا پڑے جسکو کاروباری تکلیف سے دور کا واسطہ بھی نہو۔ جو یہ بھی نہ جانتا ہو کہ کاروبار میں نفع و نقصان کمی و بیشی سب ہی سے دو چار ہونا پڑتا ہے۔ اسکے کان فائدہ ہی سے آشنا ہوں نقصان، نقصان اسکو تو کیا گذشتہ چار پشتوں سے اسکے خاندان میں بھی کسی کو اس سے واسطہ نہ پڑا ہو۔ جو اپنی کارگذاری دکھانے کیلئے حساب کو جعلی ثابت کرنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرے۔ علاوہ ازیں ٹیکس دہندہ کو مالی نقصان کیساتھ جو روحانی اور جسمانی تکالیف برداشت کرنا پڑتی ہیں وہ اکثر اوقات مالی نقصانات سے بڑھ جاتی ہیں۔ کاروباری نظریہ سے دیکھا جائے تو انکم ٹیکس گورنمنٹ کی ایک نہایت پرمنافع تجارت ہے۔ اور تجارت کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ گاہکوں سے خوش اخلاقی سے پیش آیا جائے۔ انکو ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچانے کی کوشش کیجائے لیکن یہاں کی تجارت کا یہ اصول ہے کہ گاہک صبح ۱۰ بجے ضرور آجائے۔ خواہ گدی دار آئے یا نہیں گدی دار خس کی ٹٹیوں میں بیٹھے گا اور گاہک باہر گرم لو کے تھپیڑے کھاتا رہیگا۔ گدی دار ایک ایک گاہک کو باری باری بلائیگا اور ایسا بھی اکثر ہو جاتے

لوگوں کی مضائقہ نہیں کہ کوئی گاہک تمام دن دھوپ اور لو میں بیٹھے رہنے، دوکان کو اکیلا چھوڑ دے اور کھانے پینے سے بے نیاز بیٹھے رہنے کے باوجود اس دن اسکا نمبر نہ آئے اور وہ کسی دوسری تاریخ کو یاد فرمایا جائے ہم سمجھنے سے قاصر ہیں کہ انکم ٹیکس آفس میں اگر درخواست وصول کر کے اسکو ٹھنڈا رکھنے کا انتظام کر دیا جائے تو کیا انکم ٹیکس ڈیپارٹمنٹ دیوالیہ ہو جائے۔ یہ اس قسم کی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں اگر انکا خیال کر لیا جائے تو پبلک کی شکایتیں دور ہو جائیں اور انکم ٹیکس کا نام سنکر عوام کو جہنم کا نقشہ یاد نہ آ جائے۔

جنگلات کی تجارت

جیسا کہ گذشتہ اشاعت کے ایڈیٹوریل میں وعدہ کیا گیا تھا کہ ہر پرچہ میں کسی انڈسٹری یا نئی تجارت کے متعلق تذکرہ کیا جائیگا تاکہ ہم تجارت کے ان محدود بندھنوں کو توڑ کر نئی زمین و آسمان میں بھی پرواز کر سکیں۔ جنگلات کی تجارت کو ہی لیجئے جس سے ہنوز ہم نا آشنا ہیں۔ حالانکہ یہ تجارت بھی ایک اتنی وسیع اور منافع بخش تجارت ہے کہ اللہ دے اور بندہ لے۔ لیکن ہر تجارت شروع کرنے سے قبل یہ ضروری ہے کہ اس سے متعلق ضروری معلومات حاصل کی جائیں۔

گورنمنٹ نے جنگلات کا کام کرنے والوں کے لئے ایک کالج موسوم انڈین فارسٹ کالج دہرہ دون میں کھول رکھا ہے۔ یہ کالج مئی سنہ ۱۹۳۸ء میں کھولا گیا تھا تاکہ ہندوستان کے مختلف صوبوں اور ریاستوں کے جنگلات کے محکموں کیلئے تربیت یافتہ ماہرین مہیا کئے جائیں۔

نصاب دو سال کا ہے اور نظری اور عملی دونوں قسم کی تعلیم دیجاتی ہے۔ طلبہ کو ہندوستان کے مختلف حصوں کے منتخب علاقوں کے دورے کا موقعہ بھی دیا جاتا ہے۔ ان دوروں پر ایک سال صرف ہوتا ہے۔

ان دوروں میں طلبا نہ صرف جنگلوں اور ان کے رکھ رکھاؤ اور انتظام کا مطالعہ کرتے ہیں بلکہ وہ جنگل کے بعض حصوں کو صاف کرنے۔ گھنے جنگلوں کو ہلکا کرنے اور پودوں کی پرورش و کاشت کا کام بھی خود اپنے ہاتھوں سے کرتے ہیں۔

اس سلسلہ میں ان کو لکڑی چیرنے کے کارخانوں، ریلوے کیرج اینڈ ویگن ورکشاپ۔ کاغذ۔ رال اور دیا سلائی کے کارخانوں کی سیر کرائی جاتی ہے۔ فارسٹ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے عجائب گھر۔ تجربہ گاہیں ورکشاپ اور کتب خانے وغیرہ سے بھی طلبا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

انڈین فارسٹ کالج دہرہ دون کی سنہ ۴۰-۱۹۳۹ء کی رپورٹ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سال مذکور میں سترہ طلبا نے دو سال کا نصاب پورا کرنے کے بعد اس کا امتحان پاس کیا۔ ان میں سے دو نے آنرز ڈپلوما حاصل کیا۔ ان طلبا میں سے چار صوبہ متحدہ کے تھے۔ دو بنگال کے، دو بمبئی کے، دو بہار کے، دو حیدر آباد دکن کے ایک اڑیسہ اور ایک کوئٹہ کا تھا۔

اس کالج میں صرف ایسے اعلیٰ تعلیم، اعلیٰ صحت اور اعلیٰ سیرت رکھنے والے طلبا داخل کئے جاتے ہیں جنکے متعلق یہ یقین ہو کہ وہ نصاب ختم کرنے کے بعد اعلیٰ عہدوں پر خوش اسلوبی سے کام کر سکیں گے۔ ان طلبا کی تربیت کے مصارف زیادہ تر متعلقہ صوبائی حکومتیں یا ریاستیں اور برداشت کرتی ہیں۔ پہلا کورس مارچ سنہ ۱۹۴۰ء میں ختم ہوا تھا۔ دوسرا کورس سنہ ۴۲-۱۹۴۰ء کے لئے اپریل سنہ ۱۹۴۰ء میں شروع ہوا ہے۔ اس دفعہ طلبا کی تعداد ۲۰ تک پہنچ گئی ہے۔

سیاسیاتِ عالم

(از جناب حافظ محمد تقی صاحب نور صدر پنجابی یوتھ لیگ دہلی)

۱۰ جون کو اطالیہ نے جنگ میں شامل ہونے کا اعلان کر دیا اور اطالیہ کے جنگ میں شامل ہوتے ہی میدان جنگ بہت وسیع ہو گیا۔ جسمیں تمام بحر روم اور افریقہ کا ایک بہت بڑا حصہ میدان جنگ کا جز بنگیا۔ بحر روم کے دونوں دروازوں یعنی جبرالٹر اور سوئز پر برطانیہ کے کامل اقتدار اور مالٹا۔ کپرس۔ الیکزنڈریا اور حیفہ کے بحری اور ہوائی اڈوں کی وجہ سے اطالیہ کی ناکہ بندی اسقدر مؤثر ہوئی کہ مسولینی کو اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ جرمنی کو فوری فتح حاصل ہو تو اطالیہ کی جان بچے۔

اطالیہ کو جنگ میں شامل ہوتے ہی زبردست بحری نقصانات برداشت کرنے پڑے۔ پہلے پندرھواڑے میں سات آبدوز کشتیاں اور دو لاکھ چالیس ہزار ٹن کے تجارتی جہاز ضائع ہو گئے۔ اور اطالیہ کے رسل و رسائل کے تمام راستے مسدود ہو گئے۔ چونکہ اطالیہ کو اتنی جرأت نہ تھی کہ وہ اپنے جنگی جہازوں کو اکیلے طور پر برطانیہ کے مقابلہ پر لا سکے۔

۹ جولائی کو بحر روم میں کچھ بحری لڑائی ہوئی جسمیں اطالیہ کا ایک تباہ کن جہاز غرق ہو گیا اور ایک جنگی جہاز ٹوٹ گیا۔ اور اطالوی بیڑہ بہت جلد ایک دھوئیں کے پردہ کے پیچھے چھپکر غائب ہو گیا۔

اطالیہ کو زمین پر کچھ کامیابی ہوئی اور جولائی میں انہوں نے میول اور شمالی کینیا اور اگست میں برطانوی سمالی لینڈ پر قبضہ کر لیا۔ چونکہ فرانس کے غیر متوقع زوال اور اطالیہ سے سمجھوتہ کی وجہ سے برطانیہ کی پوزیشن سمالی لینڈ میں کمزور ہو گئی تھی اس لئے اطالوی فوج کو موقع ملا اور وہ آگے بڑھتی گئی اور بربرا تک پہنچ گئیں۔ اور ۱۹ اگست کو اعلان ہوا کہ برطانوی فوجیں عدن آگئیں سمالی لینڈ کی فتح سے اگرچہ اطالیہ کو کوئی قوت نہیں پہنچی۔ چونکہ اس کی افریقی شہنشاہت سے آمد و رفت کے تمام سلسلے مسدود تھے۔ لیکن برطانیہ کے وقار کو تھوڑا سا نقصان پہنچا۔

وسط اگست میں برآدیا اور فورٹ کپوزو پر برطانیہ نے زبردست گولہ باری کی اور اطالوی فوجیں پیچھے ہٹ گئیں۔ لیکن چند دن کے بعد وہ پھر قابض ہو گئیں۔

لبیا کی سرحد پر اطالوی فوجوں کا زبردست اجتماع مصر کیلئے ایک زبردست خطرہ تھا۔ لیکن رسل و رسائل کی مشکلات نے اطالیہ کے ارادوں پر پانی پھیر دیا۔ اسطرح فرانسیسی بیڑے کا انتشار بھی اطالیہ کے کوئی کام نہ آیا۔ اور بحر روم کے دروازہ پر اطالیہ کا اقتدار نہ ہو سکا۔

بحر روم اطالوی اور برطانوی افریقین مقبوضات اور مشرق قریب سب نے ہوائی لڑائی کا مزا چکھا۔ اطالیہ کے ہوائی اور

بحری اڈوں پر بیری پولی۔ درنا۔ بن غازی، برآڈیا۔ طبروق اور مساوا سب پر برطانیہ نے بمباری کی اور مالٹا۔ الیگزنڈریا حیفہ، عدن اور جبرالٹر پر اور بہت سے اہم مقامات پر اطالیہ نے بمباری کی۔ مگر ان بمباریوں کا کوئی فیصلہ کن نتیجہ نہ ظاہر ہوا۔

بلقان کے انقلابات

جرمنی اور روس کی نئی دوستی نے بلقانی طاقتوں کا جو توازن تھا۔ اس کو درہم برہم کر دیا۔ ماسکو کے معاہدہ کی تکمیل کے بعد جو فوری نتائج برآمد ہوئے۔ ان کا اسطرح تجزیہ کیا جاسکتا ہے:۔

(۱) بلقان پر جرمنی کی اقتصادی حکومت جسکی وجہ سے رومانیہ، بلغاریہ، ہنگری، اور یوگوسلاویہ کے ساتھ تجارت کی ترقی۔

(۲) روس کے اثرات اور رسوخ کی ترقی۔

(۳) اطالیہ کے بڑھتے ہوئے حوصلوں پر پابندی۔ یعنی جرمنی کے اقتصادی دباؤ اور روس کے حکومتی حصول نے اطالیہ کو مجبور کر دیا کہ وہ جنوب مشرقی یورپ میں ثانوی حیثیت اختیار کرے۔

(۴) برطانیہ کے اثر در سوخ کی بیخ کنی۔ نیز اتحادیوں کی جانب ٹرکی کے جھکاؤ کا سد باب روس کی ناخوشی کے ڈر سے کیا گیا۔

رومانیہ جو کہ جنگ عظیم میں اپنے ۳ پڑوسیوں کی قربانی کیوجہ سے اپنی اصلی حیثیت سے دگنا ہو گیا تھا۔ بلقان کے اس انقلاب کی وجہ سے اپنا سب کچھ ضائع کرنے پر مجبور ہو گیا۔

روس، ہنگری اور بلغاریہ کے جو تبدیلی کے مطالبات تھے۔ وہ سامنے آگئے۔ اور فرانس کے زوال کے ایک ہفتہ بعد ہی روس نے بسرابیا اور شمالی بکووینا کے حوالہ کرنے کے مطالبے کے ساتھ رومانیہ کو الٹیمیٹم دے دیا۔ رومانیہ مطالبات ماننے پر مجبور ہوا۔ اور ۲۸ جون کو روسی فوجیں رومانیہ میں بسرابیا اور بکووینا پر قبضہ کرنے کے لئے گھس آئیں۔

"سرخ خطرہ" سے ڈر کر رومانیہ جرمنی کی طرف جھکا اور اس نے برطانوی گارنٹی کو منسوخ کر دیا۔

۲۱ اگست کو رومانیہ نے بلغاریہ کا مطالبہ بھی تسلیم کر لیا۔ اور جنوبی ڈوبرجا کا علاقہ جدا کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ مگر رومانیہ ہنگری کے سارے ٹرانسلوینیہ کے حوالہ کر دینے کے مطالبہ پر بہت تھا۔ اور دونوں حکومتوں کے درمیان براہِ راست گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اور اس معاملہ کے تصفیہ کرنے کا کام جرمنی اور اطالیہ کے سپرد ہوا۔

۳۰ اگست کو اور ربن ٹراپ کانفرنس وائنا میں ہوئی جسمیں فیصلہ کیا گیا کہ ٹرانسلوینیہ کا دو بٹہ تین حصہ ہنگری کے حوالہ کر دیا جائے۔

جرمنی اور اطالیہ کا یہ فیصلہ رومانیہ کے لئے ایک بہت بڑا دھکا تھا۔ چونکہ اس کو اپنے تمام مغربی مدافعتی مورچے از ٹینک اور سونے کی کانیں اور انیس ہزار مربع میل کا رقبہ چھوڑنا پڑ رہا تھا۔ اگرچہ بقایا حصہ ملک کی حفاظت اور آزادی کی گارنٹی جرمنی اور اطالیہ کیطرف سے کر دی گئی تھی لیکن سرحدی جھڑپوں کے الزامات کے ساتھ روس کی دھمکیاں جاری تھیں۔

جرمنی نے تمام بلقانی ممالک کے ساتھ "تبادلہ جنسی"

سے بڑے بڑے معاہدے کئے جسکی وجہ سے گیہوں، تیل، تمباکو
تانبہ اور نکل وغیرہ کی فراہمی کے ذرائع بہت ہوگئے۔
یوگوسلادیہ اور یونان میں اطالیہ کی بلیک میلنگ ...
کی چالیں کامیاب نہ ہوئیں اور البانیہ کے ایک محب وطن
کا قتل بھی رنگ نہ لایا۔ اور یونان سے برطانیہ کی دوستی میں
فرق نہ آسکا۔

مشرق بعید

جولائی میں چینی اور جاپانی لڑائی نے چوتھے سال میں
قدم رکھا۔ اس عرصہ میں جاپان نہ مقبوضہ میں پرامن حکومت
قائم کرنے میں کامیاب ہوسکا اور نہ وہ ساحلی علاقہ سے آگے بڑھ
سکا۔ نومبر میں جاپان نے انڈوچینا سے سپلائی کے دو راستے
بند کر کے نانگ پر قبضہ کرلیا۔ لیکن ان کو زبردست جانی اور مالی
نقصانات اٹھانے پڑے۔

اسکے بعد جاپان نے گھبراہٹ پیدا کرنے کے لئے چنگنگ پر بے تحاشا
بمباری شروع کردی اور جنرل چانگ کائیشک کی حکومت کے
سارے راستے جاپان نے بند کرنے کے لئے پورا زور لگادیا۔ فرانس
نے شکست کے بعد ہنسائی۔ کنمنگ ریلوے بند کرنے پر مجبور کردیا
گیا۔ برطانیہ بھی دیگر مشکلات کیوجہ سے "برما روڈ" بند کرنے
پر اپنی خواہشات کے خلاف راضی ہوگیا۔ ۳ مہینے تک یہ سڑک
بند رہی۔ ۳ مہینے کے بعد یہ سڑک کھولدی گئی۔

چین میں غیرملکی مراعات کے خلاف جاپانیوں کی مہم حسب
سابق زور شور کے ساتھ جاری رہی۔ اور اگست میں برطانیہ
نے شنگھائی اور شمالی چین سے اپنی فوجیں واپس بلانے
کا فیصلہ کرلیا۔

ان تمام حالات نے بھی چین کے عزم صمیم پر
کوئی اثر نہ ڈالا۔ وہ جاپان کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور
نہ ہوا۔ اور جاپان کو چین کی جنگ کے فوری اختتام کی جو توقع
تھی وہ پوری نہ ہوئی۔

ہنسائی پر قبضہ اور فرنچ انڈوچینا پر متواتر دھمکیاں
اور سیام میں فوجی اڈے قائم کرنے کا مطالبہ یہ سب چیزیں
برطانیہ اور فرانس کی نازک حالات سے پورا پورا ناجائز
فائدہ اٹھانے کی سازشیں اور جنوب مشرقی ایشیا میں
جاپان کی پوزیشن مضبوط کرنے کی اسکیم جز اور مشرقی ایشیا
میں نیا نظام قائم کرنے کے ابتدائی مدارج ہیں۔

مشرق وسطے

اطالیہ کا جنگ میں شامل ہوکر مصر پر دباؤ ڈالنے اور
میں اچانک فرانسیسی فوجوں کے جنگ سے علیحدہ
ہوجانے سے مشرق قریب اور مشرق وسطے میں برطانیہ کی
پوزیشن کو بہت کمزور کردیا تھا۔ لیکن تین مہینے میں جنرل
دے ویل کی فوج کو بہت کافی کمک پہنچی۔ اور جنرل دے ویل
نے بے مثال بہادری اور دانشمندی کا ثبوت دیا۔ اور اطالوی
فوجیں جتنی آگے بڑھ گئی تھیں ان کو بہت جلد اس سے پیچھے
ہٹادیا۔

(باقی آئندہ)

ریاستہائے بلقان

ٹرکی، یونان اور دیگر ممالک کے مختصر حالات

بلقان میں اس وقت جو حالات پیدا ہو رہے ہیں وہ تمام دنیا کے لئے دلچسپی کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ ان کو مدنظر رکھتے ہوئے کون کہہ سکتا ہے کہ بلقان ہی دنیا کی سب سے بڑی جنگ کا مرکز نہ بن جائے گا۔ آنے والے واقعات کو آسانی سے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ بلقانی ممالک کے حالات سے واقفیت حاصل کر لی جائے۔ اسلئے ذیل میں ان ممالک کے متعلق ضروری باتیں درج کیجاتی ہیں۔

مندرجہ ذیل ریاستوں کے مجموعے کا نام بلقان ہے:۔
یوگوسلاویہ (۲) رومانیہ (۳) بلغاریہ (۴) یونان (۵) البانیہ (۶) یورپین ٹرکی۔

۹ فروری ۱۹۳۴ء میں اتحاد بلقان کی بنیاد ڈالی گئی جسمیں البانیہ اور بلغاریہ کے سوا مندرجہ بالا ریاستوں نے شمولیت اختیار کی۔

فروری ۱۹۴۰ء میں اتحاد بلقان کا اجلاس بلغراد میں منعقد ہوا۔ جس میں مزید سات سال کے لئے اس اتحاد کی تجدید کیگئی اور موجودہ جنگ میں غیر جانبدار رہنے کا اعلان کیا گیا۔

بلقان کی اسی فیصدی آبادی زراعت پیشہ ہے جو تعلیمی اور صنعتی اعتبار سے بہت پست ہے۔

مختصر تاریخ

انیسویں صدی کی ترکی حکومت کو یورپ نے بہت بدنام کر رکھا تھا۔ یورپ کے مرد بیمار کو یورپ میں مشہور کیا گیا تھا کہ وہ عیسائیوں کی دشمن ہے۔ عیسائی رعایا پر ظلم و ستم ڈھاتی ہے۔ اور انتہائی رجعت پسند واقع ہوئی ہے۔

۱۸۲۷ء میں سب سے پہلے برطانیہ اور فرانس نے ترکوں سے چھین کر یونان کی بنا ڈالی اور اس پر اجارہ قائم کیا۔

۱۸۷۷ء و ۱۸۷۸ء میں زار روس نے ترکی رعایا میں بغاوت کے شعلے بھڑکائے

روس نے ترکوں کو شکست دے کر سینٹ اسٹفانسو کے معاہدے کی رو سے جنوب مشرقی یورپ میں بلغاریہ کی ایک وسیع سلطنت قائم کردی۔ جو بحر اسود سے بحر ایجین تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور جسمیں البانیہ بھی شامل تھا۔

اس کے بعد برلن میں ایک کانفرنس منعقد کی گئی جس میں بلقان کے نوک پلک از سر نو درست کئے گئے۔ تاکہ یورپ کی مختلف سلطنتوں کا توازن قائم رہے۔ بلغاریہ کو ایک محدود رقبے میں بند کر دیا گیا۔ آسٹریا کو بوسنیا اور ہرزگونیا کے علاقے جو اسوقت یوگوسلاویہ میں شامل ہیں، دے دئیے گئے۔

بیسویں صدی میں بلقان کے معاملات اٹلی کی مداخلت سے بہت پیچیدہ ہوگئے۔ کیونکہ اس نے مطالبہ کرنا شروع کر دیا کہ ٹرکی سے جو مال غنیمت دوسروں کو ملا ہے اسمیں اسے حصہ دیا جائے۔

بیسویں صدی کے آغاز سے ۱۹۱۸ء تک کا تمام عرصہ خفیہ سازشوں اور معاہدوں میں گذرا۔ تمام حکومتیں یہی سازش کرتی رہیں کہ سلطان

ترکی سے جو علاقے چھینے گئے ہیں ان کی تقسیم آپس میں کس طرح ہو؟ چنانچہ ترکی کے علاقہ ٹریپولی پر اٹلی نے قبضہ جما لیا۔ ترکی ان خفیہ معاہدوں اور سازشوں کو دیکھ رہا تھا اور وہ صرف روس سے ناراض تھا کہ اس نے اتحاد ثلاثہ کی رکنیت اختیار کر کے اٹلی کو ٹریپولی کا علاقہ دیدیا۔

حملوں سے حفاظت

ترکی کے حملوں سے محفوظ رہنے کے لئے زار روس نے بلقان لیگ کی بنیاد ڈالی جو بلغاریہ، سرویا، مانٹی نگرو اور یونان پر مشتمل تھی۔ اسکے بعد مخفی معاہدوں کے نتائج بھی رنگ لانے لگے۔ چنانچہ فرانس نے ۱۹۱۱ء میں مراکش کے شہر فیض پر حملہ بول دیا۔ ترکی ادھر تو ٹریپولی کی جنگ میں مصروف تھا۔ اور ادھر بلقان لیگ نے موقعہ غنیمت سمجھ کر اپنے مقبوضات میں توسیع شروع کر دی۔ اسکے نتیجہ میں جنگ بلقان کا آغاز ہوا۔ (۱۹۱۲ء) اور اسکے بعد جنگ عظیم شروع ہو گئی۔

اٹلی کو گذشتہ جنگ عظیم میں شریک کرنے کے لئے وعدہ کیا گیا کہ مال غنیمت میں اسے بھی حصہ دار بنایا جائے گا۔ اور بحیرہ روم میں توازن قائم رکھنے کے لئے اسے اہمیت دی جائیگی۔ دوسری طرف زار روس سے وعدہ کیا گیا کہ اسے قسطنطنیہ، دردانیال اور باسفورس دے دئے جائینگے۔ اٹلی کو جب اس خفیہ معاہدے کا پتہ چلا تو اس سے پھر ایک نیا معاہدہ کیا گیا۔ یعنی یہ کہ ترکی کا جنوبی مغربی حصہ جس میں سمرنا شامل ہے اسے دیدیا جائے گا لیکن کمال پاشا کے ظہور و ترقی نے یورپ کے اس پروگرام کو خاک میں ملا دیا اور ترکان احرار نے ناممکن بنا دیا کہ یونان کو تھریس کا علاقہ اور روس کو دردانیال دے دیا جائے۔ ذیل میں ہر ریاست کا مختصر حال لکھا جاتا ہے۔

البانیہ

رقبہ ۱۰۶۰۰ مربع میل، آبادی دس لاکھ مسلمان ۱۰ فیصدی ترکی کا سابق مقبوضہ علاقہ ۱۹۱۲ء تک آزاد رہا۔ ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک جنگ عظیم کا تھیٹر بنا رہا اسکے بعد پھر آزاد ہوا اور ۱۹۲۵ء میں شاہ احمد زوغو کو اس کا صدر بنایا گیا اور ۱۹۲۸ء میں شاہ موصوف کو بادشاہ بنا دیا گیا۔ شاہ زوغو نے اٹلی سے تعاون قائم کیا مگر اپریل ۱۹۳۹ء میں موسولینی نے دفعتاً حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا اور احمد زوغو اور ان کے خاندان نے بھاگ کر جان بچائی۔ البانیہ کو بلقان اور بحر ایڈریاٹک میں ایک خاص پوزیشن حاصل ہے۔ اتحاد بلقان میں اس نے ابتدا ہی سے شرکت نہیں کی تھی۔ آجکل یہ اٹلی اور یونان کی جنگ کا میدان بنا ہوا ہے۔ اور اب جرمن افواج کا قبضہ ہو گیا ہے

بلغاریہ

رقبہ ۳۹۰۰۰ مربع میل، آبادی ساٹھ لاکھ۔ پایہ تخت صوفیہ۔ حکمران شاہ بورس (سوم)

۱۹۱۲ء کی جنگ بلقان میں بلغاریہ کو ترکوں پر کامیابی حاصل ہوئی۔ کیونکہ یورپ کی تمام بڑی طاقتیں اسکی پشت پر تھیں ۱۹۱۳ء میں سرویا، یونان اور رومانیہ چونکہ بلغاریہ کے مخالف ہو گئے تھے۔ اسلئے اسے کچھ زیادہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ جنگ عظیم میں بلغاریہ نے جرمنی کا ساتھ چھوڑ دیا۔ ۱۹۱۹ء میں جو معاہدہ صلح منعقد ہوا اس میں مقدونیا کو بلغاریہ سے چھین کر یونان اور یوگوسلاویہ کو دیدیا گیا۔ نیز فیصلہ کیا گیا کہ وہ تاوان ادا کرے اور غیر مسلح ہو جائے۔ ۱۹۲۸ء تک یہاں انقلابات ہوتے رہے۔ چونکہ بلغاریہ پر جرمنی کا اثر غالب تھا۔ اسلئے بلقانی اتحاد کی راہ میں ہمیشہ روک بنا رہا۔ بلغاریہ کا مطالبہ ہے کہ یونان اور یوگوسلاویہ اسے مقدونیا واپس کر دے۔ اور رومانیہ ڈبروجہ سے دستبردار ہو جائے۔ چنانچہ ڈبروجہ تو جرمنی کی عنایت سے

اسے ملا ہے۔ اب صرف مقدونیہ کی واپسی کا مطالبہ ہے۔

سلونیکا کانفرنس میں ۳۱ جولائی ۱۹۳۸ء کے اندر بلغاریہ کو مسلح ہونے کی اجازت دیدی گئی۔ موجودہ جنگ سے پہلے بلغاریہ کی خارجی تجارت پر جرمنی کا ساٹھ فیصدی قبضہ تھا۔ اس جنگ میں بلغاریہ کی پالیسی غیر جانبدارانہ تھی مگر اب وہ محوری اتحاد میں شریک ہوکر جرمنی کا ساتھی بن گیا ہے۔

یونان

رقبہ ... ۱۳۰ مربع میل، آبادی ۶۳ لاکھ۔ حکمران جارج (دوم) پایہ تخت ایتھنز۔

جنگ بلقان کے بعد یونان کے مشہور سیاستداں وینزیلوس نے اتحادیوں کے ساتھ ملکر جنگ میں شرکت کی اور جرمنی کے حامی شاہ قسطنطین کو تخت سے اتار دیا۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں شاہ قسطنطین پھر برسراقتدار آیا۔ اور اس نے ایشیائے کوچک کے یونانیوں کو ترکی سے نجات دلانے کے لئے ترکی کے خلاف جنگ شروع کردی۔ مگر کمال اتاترک نے یونان کو ایسی شکست دی کہ تاریخ میں ہمیشہ یادرہے گی۔ شاہ قسطنطین سنہ ۱۹۲۲ء میں پھر تخت سے اتار دیا گیا۔ اور سنہ ۱۹۲۳ء میں اس کا انتقال ہوگیا۔

اگرچہ یونان پر بھی جرمنی کا اثر تھا مگر اپریل ۱۹۳۹ء میں برطانیہ اور فرانس نے اسکی حفاظت کی گارنٹی دی۔ سنہ ۱۹۳۰ء سے ترکی اور یونان کے تعلقات نہایت دوستانہ ہیں اور وہ بھی اتحاد بلقان کا ایک رکن ہے۔ آجکل اس کو جرمنی کے حملہ کا سخت خطرہ پیدا ہوگیا ہے۔ جرمن فوجیں کثیر تعداد میں اسکی سرحد پر جمع ہورہی ہیں۔

رومانیہ

رقبہ ... ۱۳۰ مربع میل، آبادی ایک کروڑ ۹۵ لاکھ۔ بلقان میں سب سے بڑی سلطنت ہے۔ پایہ تخت بخاریسٹ ہے موجودہ رومانیہ متعدد حکومتوں کا مجموعہ ہے مثلاً ہنگری سے ٹرانسلوینیا آسٹریا سے بکووینیا اور روس سے بسرابیا لیکر اسمیں شامل کئے گئے تھے۔

رومانیہ کی سب سے بڑی پیداوار پیٹرول ہے جس کے باعث روس اور جرمنی عرصہ سے اس پر قبضہ کرنے کی اسکیمیں تیار کررہے تھے۔ رومانیہ کے تیل کا سب سے بڑا خریدار جرمنی ہے۔ اسکے بعد برطانیہ فرانس اور اٹلی ہیں۔ رومانیہ اور جرمنی کے مابین ایک معاہدہ سنہ ۱۹۳۶ء میں ہوچکا ہے۔ جسکی رو سے رومانیہ مجبور ہے کہ وہ جرمنی کے لئے زیادہ سے زیادہ پیٹرول مہیا کرے۔ ایسا ہی معاہدہ برطانیہ کے ساتھ بھی ہے۔

سنہ ۱۹۳۹ء میں رومانیہ نے اپنا پیٹرول مندرجہ ذیل حساب سے مختلف ممالک کو تقسیم کیا تھا۔

جرمنی کو ...۱۲۰۵۰ ٹن۔ اٹلی کو ....۵۰۰ ٹن۔ برطانیہ کو ....۵ لاکھ ٹن فرانس کو ....۲۰۰ لاکھ ٹن۔ سنہ ۱۹۴۰ء کیلئے جرمنی سے اٹھارہ لاکھ بیس ہزار ٹن پیٹرول کا وعدہ کیا گیا ہے۔

صوبہ ٹرانسلوانیا میں ہنگرین اور جرمن اقلیتیں آباد ہیں۔ اور اسی بنا پر دونوں حکومتیں اسکی دعویدار بنی ہوئی تھیں۔ مگر اب جرمنی نے اس کو ہنگری کو دلوا دیا ہے۔

ڈبروجہ کو سنہ ۱۹۱۳ء میں بلغاریہ سے لیا گیا تھا جسمیں ساڑھے تین لاکھ بلغاری آباد ہیں۔ چنانچہ بلغاریہ کو اس پر قبضہ دلادیا گیا ہے۔ رومانیہ میں یہودیوں کی آبادی بھی کافی ہے یعنی ۳ لاکھ یہودی آباد ہیں۔ بسرابیا اور بکووینیا پر حال ہی میں روس نے قبضہ کرلیا ہے۔

یوگوسلاویہ

رقبہ ... ۹۵۰۰ مربع میل۔ آبادی ایک کروڑ ۴۹۳ ہزار جس میں ۶۵ لاکھ سرب، ۴۰ لاکھ کروٹس ۱۰ لاکھ سلووین ۵ لاکھ ہنگورین ۲۰ لاکھ

جرمن اور باقی میں البانوی، لمبارڈی اور متعدد نی شامل ہیں۔

صوبہ بوسینیا میں سرب کروٹین زبان بولنے والے مسلمان آباد ہیں جو ترکی حکومت کے زمانے سے آباد ہیں ان کی تعداد ۱۵ لاکھ سے زائد ہے۔

یوگوسلاویہ کی کروٹس اقلیت کا مطالبہ ہے کہ اسے حکومت خود اختیاری عطا کی جائے۔ جنگ عظیم کے بعد سرب اور کروٹس اقلیتوں میں ہمیشہ جنگ و مناقشہ برپا رہا ہے اور اس مسئلہ نے بڑی اہمیت حاصل کر لی ہے۔

اس حکومت کا اصلی نام سلطنت سرب کروٹس اور سلووین ہے جسکا مختصر مرکب یوگوسلاویہ ہے۔ جو نو صوبوں پر مشتمل ہے۔ یوگوسلاویہ زراعتی ملک ہے۔ اسمیں تانبہ اور سیسے کی کانیں بھی ہیں جنپر برطانیہ اور فرانس کی اجارہ داری قائم ہے مگر موجودہ جنگ میں اسکی پالیسی غیر جانبدارانہ ہے۔ لیکن اب اسکی غیر جانبداری کے جرمنی اور اٹلی کے ساتھ جانبداری میں تبدیل ہو جانے کا قوی اندیشہ پیدا ہو گیا ہے۔

موجودہ ترکی

سلطنت عثمانیہ کے سقوط کے بعد موجودہ ترکی کی بنیاد کمال اتاترک نے ۱۹۲۳ء میں جدید ترقی پذیر لائنوں پر ڈالی تھی۔ آپنے ایشیائے کوچک سے یونانیوں کو خارج کیا اور یونان کے ترکوں کو بلا کر ترکی میں آباد کیا۔

۱۹۳۴ء میں کمال اتاترک نے پنج سالہ پروگرام مرتب کیا جسکی بنا پر ترکی قلمرو میں ۱۵ بڑے سرکاری کارخانے قائم کئے گئے اور ان کیلئے روس نے مشینیں مہیا کیں۔

ترکی میں کمال اتاترک کے پروگرام کو درجہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے ری پبلکن پارٹی ہے وہ با اقتدار سیاسی جماعت ہے۔ ترکی کی خارجہ حکمت عملی ہمسایہ حکومتوں سے بہتر تعلقات پر قائم ہے۔ اور سوویٹ روس سے اسکا تعلق سنہ ۱۹۲۰ء سے ابتک پائیدار رہا ہے۔

سنہ ۱۹۳۰ء سے یونان اور ترکی میں دوستی قائم ہے اور بلقانی اتحاد نے اس تعلق کو اور زیادہ مضبوط بنیادوں پر قائم کر دیا ہے۔

ترکی نے ہمیشہ اس بات کا خیال رکھا ہے کہ جرمنی کا اثر و رسوخ بلقان میں نہ بڑھنے پائے۔ تاکہ وہ موصل کے تیل کیطرف دست درازی نہ کر سکے۔ اس مقصد کیلئے نیز دیگر اغراض کیلئے ترکی نے معاہدہ سعد آباد کی بنیاد سنہ ۱۹۳۷ء میں ڈالی جسمیں ایران، عراق اور افغانستان کو شامل کیا۔ سنہ ۱۹۳۶ء میں کمال اتاترک نے دردانیال کو بین الاقوامی اقتدار سے آزاد کرایا۔ اور سنہ ۱۹۳۹ء میں اسکندرونہ فرانس سے واپس لے لیا۔

برطانیہ فرانس اور ترکی میں باہمی تعاون و امداد کے ایک معاہدے پر ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۹ء میں دستخط ہوئے اس معاہدے کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

(۱) اگر کوئی یورپین طاقت ترکی پر حملہ کرے تو فرانس اور برطانیہ کا فرض ہوگا کہ وہ ترکی کی امداد کرے۔

(۲) اگر کوئی یورپین طاقت بحر روم میں جنگ برپا کرنے کیلئے آگے بڑھے تو ترکی برطانیہ اور فرانس کی امداد کرے گا۔ بشرطیکہ برطانیہ اور فرانس رومانیہ اور یونان کی حفاظت کیلئے ذمہ دار ہیں۔

(۳) ترکوں کی امداد کے اس وعدے سے روس مستثنیٰ ہوگا۔ یعنی ترکی روس کے خلاف کسی طاقت کی امداد نہیں کرے گا۔

دردانیال:- دردانیال بحر مرمرہ اور آبنائے باسفورس کا تعلق ترکوں سے ہے۔ بحر روم اور بحر اسود کو ملانے والا اور اسکا دروازہ دردانیال ہے۔ اور دنیا میں سب سے اہم جنگی محاذ تسلیم کیا گیا ہے۔ گذشتہ جنگ عظیم میں اتحادیوں نے اسپر قبضہ کرنیکی ناکام کوشش کی تھی۔ سنہ ۱۹۲۱ء تک دردانیال پر ترکوں کا مکمل قبضہ رہا۔ اسکے بعد سنہ ۱۹۳۶ء تک اسے غیر جانبدارانہ قانون کے ماتحت دیدیا گیا۔

داستانِ الم

از جناب خواجہ فیض الٰہی ھیانوی

داستانِ الم سنائے کون
داغ ہائے جگر دکھائے کون!

مجھ سے کیا پوچھتے ہو قوم کا حال
جو عیاں ہو اسے بتائے کون!

شوق جس کو نہ ہو بلندی کا
اس کو پستی سے پھر اٹھائے کون

جس کو خواہش نہ ہو سنورنے کی
اسکی بگڑی ہوئی بنائے کون

سونے والا تو جاگ سکتا ہے
جاگتے کو مگر جگائے کون!

کوئی رہبر نظر نہیں آتا
درِ مقصد پہ لیکے جائے کون

لوگ دولت پہ جان دیتے ہیں
راہ مولا پہ گھر لٹائے کون!

موت بھی منہ کی کھاکے بیٹھ گئی
اب مسلمان کو آر مارے کون!

زندگی مل گئی شہیدوں کو
ان کا نام و نشاں مٹائے کون

فیض جلتا ہے آتش غم سے
اسکے دل کی لگی بجھائے کون

صنعتی ـــــ تجارتی ـــــ اقتصادی

معلومات ـــــــ اور خبریں

پھلوں کی نکاسی

مدراس میں امداد باہمی انجمنیں

صوبہ جاتی مارکٹنگ عملہ۔ پھل پیدا کرنے والوں اور صوبہ جاتی امداد باہمی محکمہ کے افسروں کا ایک جلسہ مدراس میں منعقد ہوا۔ اس میں ان تجاویز پر غور کیا گیا جن کا مقصد یہ تھا کہ مدراس کے مشرقی اور مغربی اضلاع گوداوری میں پھلوں کی نکاسی کے لئے امداد باہمی انجمنیں قائم کی جائیں۔ جن کا الحاق ایک مرکزی مارکٹنگ سوسائٹی سے کیا جائے۔

ان انجمنوں کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ شمالی ہند کی منڈیوں میں پھلوں کی منظم فروخت کا انتظام کریں۔ خصوصاً آموں کی فروخت کا صوبہ جاتی امداد باہمی محکمہ کوشش کر رہا ہے کہ اس اسکیم کو اپریل سے پہلے نافذ کرے۔ جب آموں کا موسم ہوتا ہے۔

تنجور کوآپریٹو مارکٹنگ فیڈریشن جنوری میں قائم ہوئی تھی۔ فیڈریشن کوشش کر رہی ہے کہ تنجور اور ترچناپلی کے اضلاع میں جو پھل پیدا ہوتے ہیں انھیں وسیع پیمانہ پر فروخت کیا جائے۔

جنوری میں صوبہ متحدہ میں امرود کی درجہ بندی کے لئے چار مرکز قائم کئے گئے۔ دو فروری میں ایک الہ آباد میں اور ایک مرزا پور میں۔

پنجاب میں انگوروں کی درجہ بندی کا ایک مرکز چاول کی درجہ بندی کا ایک مرکز، اور سنگتروں کی درجہ بندی کے دو مرکز کام کر رہے ہیں۔ جبل پور میں انڈوں کی درجہ بندی شروع ہوگئی ہے۔

بھاگلپور (بہار) کے چار تیل کے کارخانوں نے اس امر کے متعلق اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا ہے کہ بلدیہ ایک "تجربہ گاہ" قائم کرکے سرسوں کے تیل کی درجہ بندی کرے۔

تیل کے تاجروں نے وعدہ کیا ہے کہ ہم ہر اس پیپے کے لئے فیس ادا کرینگے جس کی درجہ بندی کی جائے گی۔ تاکہ اس تجربہ گاہ کے مصارف پورے ہوسکیں۔

ہندوستان میں موٹروں کے ڈھانچوں کی تیاری

جنگی کارخانوں کی توسیع

ہندوستان میں موٹروں کے ڈھانچے بنانے کے کام کو وسیع پیمانہ پر ترقی دیجارہی ہو۔ صرف ایک ورکشاپ سے کہا گیا ہے کہ وہ آئندہ جون سے ہر ماہ پانسو ڈھانچے تیار کرنے کے مسئلہ پر غور کرے۔

توپوں اور گولوں کے ایک کارخانہ کو وسعت دینے اور گولہ بارود کے ایک پرانے کارخانہ کو ازسر نو ترقی دینے کی منظوری دیدی گئی ہے۔

عمارتی لکڑی کے نئے سمندر پار سے جو بڑے بڑے آرڈر موں

ہوئے ان کا مال جہازوں کے ذریعہ سے روانہ کیا جا رہا ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ فروری کے اول نصف حصہ میں سپلائی ڈیپارٹمنٹ نے ۸۰ لاکھ روپیہ کی عمارتی لکڑی خریدی۔

فروری کے پہلے ہفتہ میں سپلائی ڈیپارٹمنٹ کو حسب ذیل خاص آرڈر وصول ہوئے۔ نیوزیلینڈ، آسٹریلیا اور حکومت برطانیہ کی طرف سے کپڑوں کا آرڈر۔ نیوزیلینڈ سے نواڑ کا آرڈر۔ برما سے کمبل اور تلنگے کا آرڈر اور ڈیفنس سروسز کی طرف سے مچھر دانیوں کا آرڈر۔

کیا جائے۔

کانفرنس نے یہ بھی طے کیا کہ اگمارک گھی کے بیکروں کی فیڈریشن اگر چاہے تو سپلائی ڈیپارٹمنٹ کو اس تجویز کی طرف توجہ دلائے کہ آئندہ فوجی ضروریات کے لئے صرف اگمارک گھی خریدا جایا کرے۔

سب پیکنگ اسٹیشنوں کے مسئلہ میں اس امر پر اتفاق کیا گیا کہ اجازت یافتہ بیکروں کو سب پیکنگ اسٹیشن جاری کرنے کی اجازت ہے۔ بشرطیکہ ایسے ہر سب اسٹیشن پر کچے گھی کو جانچنے کے قابل اطمینان انتظامات کر دئے جائیں۔

گھی میں ملاوٹ روکنے کی کوششیں

دہلی کانفرنس کی تجویزیں

۹ر فروری کو دہلی میں حکومت ہند کے ایگریکلچرل ایڈوائزر نے گھی کے بیکروں کی ایک غیر رسمی کانفرنس منعقد کی۔ کانفرنس نے گھی میں بناسپتی کی ملاوٹ پر بحث مباحثہ کیا۔ نیز محکمہ فوج میں گھی کی غیر معمولی مانگ کی وجہ سے گھی کی قیمت میں یکایک جو گرانی ہو گئی ہے اس پر بھی غور کیا۔ سنہ ۱۹۳۹ء کے مقابلہ میں سنہ ۴۲ء میں گھی کی درجہ بندی میں جو کمی ہوئی اس کی وجہ بھی یہی فوجی مانگ سمجھی گئی تھی۔ گھی میں ملاوٹ روکنے کے لئے دیگر امور کے علاوہ حسب ذیل امور کا بھی تصفیہ ہوا۔

(۱) کھانے کی چیزوں میں ملاوٹ کے قانون کا نفاذ جو ابھی تک محض بعض شہروں تک محدود ہے تمام صوبوں یا حکومت میں رائج کر دیا جائے۔

(۲) مارکٹنگ آفیسرز کو کھانے کی چیزوں میں ملاوٹ کے قانون کے تحت اشیاء کے معاینہ کے اختیارات دئے جائیں۔

(۳) بناسپتی صرف سربمہر اور لیبل لگے ہوئے ڈبوں میں فروخت

معدنی رنگوں سے رنگے ہوئے خاکی کپڑے

ہندوستان کیلئے چھتیس ہزار اسٹرپ پمپ

ہندوستان کے معدنی رنگوں سے خاکی کپڑا رنگنے کے تمام وسائل کو دفاعی اغراض میں کام میں لانے کی تجویز ہو رہی ہے۔ مشرق وسطیٰ سے مصنوعی فولادی عمارتوں اور ان کے اجزا کے اور بھی بہت بڑے آرڈر ہندوستان کو ملے ہیں۔

ہندوستان کے اسلحہ ساز کارخانوں کی پیداوار میں بھی عام طور پر بہت اضافہ ہو گیا ہے۔ ہندوستان کی جوٹ ملیں اسلحہ کی سپلائی کا اور کام بھی کر رہی ہیں۔ مسلح گاڑیوں کے ڈھانچے تیار کرنے کا ایک بڑا پروگرام اب ترقی کر رہا ہے۔ مشینی اوزاروں کی نگرانی ہو رہی ہے۔ اور ایک کنٹرولر مقرر ہو چکا ہے۔

سپلائی ڈیپارٹمنٹ کو پچھلے پندرہ دنوں میں جو خاص آرڈر ملے ہیں ان میں وہ ہندوستان کے لئے ہوائی حملوں سے حفاظت کی احتیاطی تدابیر کے سلسلہ میں ۳۶ ہزار اسٹرپ پمپ۔ آسٹریلیا کے لئے خاکی زین اور کپڑے۔ ممالک متحدہ کی حکومت کے لئے سوتی کپڑے۔ سیلون کیلئے بالو بھرنے کے لئے بورے۔ نیوزیلینڈ کے لئے تولئے اور جنوبی افریقہ کے لئے خیمے

کی فراہمی شامل ہے۔

ہندوستان میں دواؤں کی تیاری

میڈیکل اسٹورز ڈپارٹمنٹ کے لئے بورک ایسڈ اب تک انگلستان سے آیا کرتا تھا۔ مگر اب ہندوستان میں تیار ہونے لگیگا۔

تجویز کیا گیا ہے کہ خام بورکس تبت سے درآمد کیا جائے اور اس سے بورک ایسڈ بنا لیا جائے۔ اسیطرح پرمیگنیسی سلفاس کی ۴۰ گرین کی ٹکیاں بھی باہر سے آیا کرتی تھیں۔ اب یہ میڈیکل اسٹورز کے ایک کارخانے میں بننے لگی ہیں۔

پیپٹون پوڈر جو کلچر میڈیم کے طور پر استعمال ہوتا ہے وُہ بھی انگلستان سے منگایا جاتا ہے۔ اب یہ بھی ہندوستان میں بنایا جاتا ہے۔ فوجی معمل میں اسکے ایک نمونے کا امتحان کیا گیا جو باہر سے آنے والے پوڈر کا مناسب بدل ثابت ہوا۔ اسلئے اب اسے بھی دیسی چیزوں کی فہرست میں لکھ لیا گیا ہے۔

بچوں کی پیدایش کی حوصلہ افزائی

جاپان کی آبادی کا مسئلہ

جاپان کے پلیننگ بورڈ نے آبادی بڑھانے کے لئے ایک دس سالہ اسکیم تیار کی ہے جس کی منظوری کابینہ نے دیدی ہے۔ اسمیں تجویز کی گئی ہے کہ ہر جاپانی خاندان میں پانچ بچے ضرور پیدا ہونے چاہئیں۔ اور اسطرح جاپان کی آبادی جو فی الحال چھ کروڑ ۷۰ لاکھ ہے سنہ ۱۹۶۰ء میں دس کروڑ ہونی چاہئے۔

گذشتہ جنوری میں نشی نشی شمبون نامی اخبار نے لکھا تھا کہ جاپان اپنی بڑھتی ہوئی آبادی کیلئے جگہ پیدا کرنے پر مجبور ہو رہا ہے۔ لیکن حکومت کی اسکیم میں یہ اصول مدنظر رکھا گیا ہے کہ جاپان کے پھیلنے کیلئے لازمی ہے کہ وہ اپنی آبادی بڑھائے۔

"اگر جاپانی لوگ ایشیا کے لیڈر ہونا چاہتے ہیں تو ان کو اپنی تعداد لازمی طور پر بڑھانی چاہئے اور اپنے میں اعلیٰ صفات پیدا کرنے چاہئیں"۔ ان الفاظ میں کابینہ کے انفارمیشن بورڈ کے پریذیڈنٹ ڈاکٹر نوبوفومی اتو نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔

"ضبط تولید کے دستور کو ترک کر دینا چاہئے۔ قومی اور خاندانی اہمیت کا احساس پیدا کرنا چاہئے۔ کم سنی کی شادیوں اور کثیر اولاد پیدا کرنے کی ترغیب دینی چاہئے۔"

کناڈا اور جنوبی امریکہ میں ٹریڈ کمشنروں کا تقرر

کم تنخواہ والے ملازموں کیلئے الاؤنس

اسٹینڈنگ فنانس کمیٹی کا جو اجلاس ۸ مارچ سنہ ۱۹۴۱ء کو بروز شنبہ نئی دہلی میں منعقد ہوا اسمیں حسب ذیل تجاویز پر غور کیا گیا۔

(۱) اگر رہنے سہنے کے خرچ میں بہت زیادہ اضافہ ہو جائے تو ان سرکاری افسروں کو الاؤنس دیا جائے جنکی تنخواہیں کم ہیں۔

(۲) کناڈا اور جنوبی امریکہ میں انڈین ٹریڈ کمشنر مقرر کئے جائیں اور

(۳) دو نئے ٹیلیفونی سلسلے قائم کئے جائیں۔

جنگ کی وجہ سے رہنے سہنے کے خرچ میں جو اضافہ ہو گیا ہے کم تنخواہ والے ملازموں پر نسبتاً اسکا سب سے زیادہ اثر پڑا۔ اسلئے صوبائی حکومتوں کی تجویز ہے کہ اگر رہنے سہنے کے مصارف میں عام طور پر اضافہ ہو جائے یا بعض اہم غلوں کی قیمتیں معیار سے بڑھ جائیں تو ۴۰ روپیہ ماہوار پانے والے (شہر بمبئی اور مدراس میں ان لوگوں کو جنکی ۵۰ روپیہ یا اس سے کم ہے) کو الاؤنس دئے جائینگے۔

نازی سپاہی کیونکر تیار کیا جاتا ہے؟

سنہ ۳۳ء سے اسوقت تک جرمن فوج میں جتنی ترقی ہوئی ہے اسکا صحیح اندازہ تو مشکل ہے۔ لیکن جو کچھ معلوم ہو سکا ہے وہ بھی کم حیرت انگیز نہیں ۔ پچھلی لڑائی میں اسکی تمام عسکری قوت جو میدان جنگ میں کام کر رہی تھی ، لاکھ ۵۰ ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ لیکن موجودہ لڑائی سے پہلے امن کی حالت میں اسکی تعداد ۹ لاکھ ۵۰ ہزار تھی۔ درانحالیکہ فرانس موجودہ لڑائی میں، لاکھ ۳۵ ہزار سے زیادہ فوج فراہم نہ کرسکا۔ اسکے معنے یہ ہیں کہ جرمنی کی فوجی طاقت امن کی حالت میں بھی فرانس کے زمانۂ جنگ کی فوجی طاقت سے بقدر دو لاکھ ۱۵ ہزار زیادہ تھی۔

جسوقت سے نازی حکومت کا دور دورہ شروع ہوا ہے۔ اسکی ساری توجہ فوج کو بڑھانے اور مضبوط کرنے پر صرف ہو رہی ہے۔ چنانچہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ جرمنی اسوقت [illegible] لاکھ فوج میدان میں اتار سکتا ہے۔

جرمن عسکریت کا سب سے مضبوط حصہ اسکی پیادہ فوج ہے۔ ہر چند اسکی تعداد دو تہائی سے زیادہ نہیں اور اب ہوائی جہازوں اور ٹینکوں کو بہت اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔ پھر بھی پیادہ فوج کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اور اسکی تربیت پر خاص زور دیا جاتا ہے۔

جرمنی کی پیادہ رجمنٹ علاوہ تمام ضروری ہتھیاروں کے جنمیں رائفل اور مشین گن بھی شامل ہے۔ دستی بم پھینکنے والے دستے بھی رکھتی ہے۔ ہلکی ہلکی دور مار توپیں بھی اسکے پاس ہوتی ہیں۔ اور ٹینک شکن بندوقیں بھی پیادہ رجمنٹ کا صرف ایک حصہ آہن پوش موٹروں سے کام لیتا ہے۔ اور باقی فوج سب گھوڑوں ہی سے کام لیتی ہے۔ اسی لئے جرمن افواج میں آدھے سے زیادہ گھوڑے پیادہ رجمنٹوں میں پائے جاتے ہیں۔

ایک پیادہ سپاہی کی تربیت صرف اس بات پر منحصر نہیں کہ وہ خود اپنے ہی ہتھیاروں کا بہترین استعمال کر سکے۔ بلکہ توپ خانوں اور شعبۂ انجینیری کے متعلق جتنے آلات اور اوزار ہوتے ہیں ان سب کا استعمال بھی اسے بتایا جاتا ہے۔ سب سے زیادہ زور اس بات پر دیا جاتا ہے کہ وہ دشمن پر دفعتاً حملہ کرنا مورچے چھین لینا اور دست بدست لڑائی لڑنا سیکھے۔

اس کو کمر اور کولہے پر بندوق رکھکر نشانہ لگانا سکھایا جاتا ہے۔ کیونکہ بندوق کو کندھے تک لیجانے میں وقت زیادہ ضائع ہوتا ہے۔ انھیں دستی بم پھینکنا اور ان بموں سے بچنا بھی بتایا جاتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ان کو یہ تعلیم بھی دیجاتی ہے کہ اگر ہتھیار موجود نہ ہوں تو وہ صرف مکوں اور داؤ پیچ سے کیونکر دشمن کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔ سب سے بڑی بات جسمیں ان کا کوئی مماثل نہیں۔ ان کا دھاوا ہے۔ جرمن پیادہ فوج ۲۴ گھنٹے میں ۴۵ میل کا دھاوا بول سکتی ہے۔ اس حال میں کہ ہر سپاہی کی پیٹھ پر اسکے اسلحہ و دیگر ضروری سامان کا کافی بوجھ موجود

ہوتا ہے۔

پیادہ فوج کی مدد کے لئے وہاں توپ خانہ بھی ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ اور بہ نسبت پچھلی جنگ کے اسوقت وہ تعداد اور آراستگی میں کہیں زیادہ مکمل ہے۔ توپ خانہ میں ہلکی ہلکی توپیں ہوتی ہیں۔ جنکی مار دور تک نہیں ہوتی۔ لیکن کام زیادہ دیتی ہیں۔ ان کا لوہا نہایت اچھے قسم کا ہوتا ہے اور صحیح نشانہ لگانے کے آلات و ذرائع بھی ان میں پائے جاتے ہیں۔ انجنیری اور پیام رسانی کے شعبے بھی جدید آلات سے آراستہ ہیں اور بہ نسبت پچھلی لڑائی کے انکی حالت کہیں بہتر ہے۔

سوار فوج میں موٹر سوار اور بائسکل سوار بھی شامل ہیں مسلح گاڑیاں بھی ہر ڈویژن کے ساتھ رہتی ہیں۔ جو زیادہ تر ہراول کا کام دیتی ہے۔ ٹینک کا استعمال وہاں پیادہ فوج کی معیت میں بہت کم ہوتا ہے۔ بلکہ جب یلغار کر کے دشمن کو منتشر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ تو ان کو حرکت دیجاتی ہے۔ ٹینکوں کی وہاں متعدد دویژنیں ہیں۔ جنسے ہراول، حملہ اور تعاقب کا کام لیا جاتا ہے۔

جرمن عسکریت کا نظام زیادہ تر جارحانہ اقدام پر مبنی ہے۔ اور اچانک فوری حملوں پر۔ اسی حرکت و تیزی عمل کی بدولت انہوں نے پولینڈ میں کامیابی حاصل کی اور اسی سے فرانس میں کام لیا۔ لیکن اگر دشمن چند دن مقابلہ میں ڈٹے جائے تو پھر جرمن فوج اتنا اچھا کام نہیں کر سکتی۔ خشکی پر جرمن فوج کی مضبوطی کا وہی حال ہے جو سمندر میں برطانوی فوج کا ہے۔ افسران فوج جرمنی کے پاس اتنے آزمودہ کار نہیں ہیں جتنے برطانیہ کے پاس۔

جرمن افواج میں زیادہ تر وہ نوجوان شامل ہیں جو ہٹلر کو اپنا دیوتا سمجھتے ہیں، اور نازیت کو خدائی مذہب سمجھتے ہیں۔ لیکن محفوظ فوج جسمیں پختہ عمر کے لوگ شامل ہیں، اس عقیدے کے نہیں ہیں۔

جرمن نوجوانوں کو فوجی زندگی کی طرف مائل رکھنے کے لئے ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائی جاتی ہیں، ان کا کھانا ان کا لباس اور انکی بارکیں سب نہایت نفیس ہوتی ہیں۔ اور طرح طرح سے پروپیگنڈا کر کے ان کو نازی اصول کا فریفتہ بنایا جاتا ہے۔ جرمنی کا نظام حکومت ہی یکسر عسکریت ہے جسپر تہذیب و تمدن کے تمام شعبوں کی قربانی کی جاسکتی ہے۔ اور جو یہ خیال لیکر نمودار ہوئی ہے کہ دنیا میں حکمرانی کا حق صرف جرمن قوم کو حاصل ہے اور باقی ساری دنیا اسکی غلامی کے لئے پیدا ہوئی ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ اس سے پہلے بھی بعض قومیں اسی خیال کو لیکر ابھریں۔ لیکن انسانیت ان کے اس نظریہ کا ساتھ عرصہ تک نہ دے سکی۔ اور اسکا ردعمل ہمیشہ ان کے خلاف ظاہر ہوا۔ اسلئے ہوسکتا ہے کہ جرمن قوم کو عارضی کامیابی حاصل ہوجائے۔ لیکن اس کا انجام بہت تاریک نظر آتا ہے۔ کیونکہ وہ قومیں جو اسوقت مجبوری سے جرمن سیادت کو تسلیم کئے ہوئے ہیں۔ ایک نہ ایک دن ضرور ان زنجیروں کو توڑ دینگی۔ اور نازیت ہمیشہ کے لئے دنیا سے ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ آزادی انسان کا فطری حق ہے اور اس حق سے ایک انسان کو عرصہ تک محروم رکھا نہیں جاسکتا۔

ایک عجیب بولنے اور گانیوالا آلہ

یورپ کے ماہرین کیمیا نے حال ہی میں ایک عجیب و غریب آلہ بنایا ہے، جو ریڈیو اور ٹیلیفون کی قسم کی چیز ہے اور ان سے زیادہ حیرت انگیز۔ اس آلہ کا نام ووڈر (Voder) تجویز کیا گیا ہے۔ یہ آلہ بالکل انسانوں کی طرح بولتا ہے اور صرف انگریزی زبان میں نہیں۔ بلکہ تمام زبانوں میں بول سکتا ہے۔ اور اس پر مزید یہ کہ حیوانات کی بولیوں کی نقل بھی اتار سکتا ہے۔ بولنے کے ساتھ ساتھ یہ آلہ گاتا بھی خوب ہے۔ اس آلہ کا تجربہ سب سے پہلے شہر فیلاڈلفیا کی مجلس فرانکلن میں علماء کیمیا کی ایک جماعت کثیر کے سامنے کیا گیا۔ یہ آلہ دو کا ستونوں (KU OTS) ذریعہ ہوتا ہے لہذا اس کی "زبان" یا زبانوں پر پیانوں کی گرہوں کی طرح چند گرہیں چڑھی ہوئی ہوتی ہیں۔ جب ان گرہوں کو دبایا جاتا ہے تو ان سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ پھر آواز کو ہلکا یا بلند کرنے کے لئے نیچے کی جانب ایک تختہ سا لگا ہوتا ہے جس پر اس آلہ کو بجانے والا اپنے پاؤں رکھتا ہے۔ اور پاؤں کی حرکت سے آواز کو تیز اور مدھم کرتا رہتا ہے۔ گرہوں کے علاوہ اس آلہ کے تمام عناصر ترکیبی ان چیزوں کے مشابہ ہیں جن سے ٹیلیفون میں کام لیا جاتا ہے۔ اس آلہ کا پہلے پہل مظاہرہ کیا گیا۔ تو اس نے شروع سے میں حروف علت (vowels) ادا کئے پھر حاضرین مجلس میں سے کسی ایک شخص کی تجویز کے مطابق اس نے "صبر" کا لفظ کہا۔ اسکے بعد اسی شخص نے کہا کہ اچھا اب صبر کے لفظ کے ساتھ کوئی اور لفظ ملا کر ایک جملہ بنا دو تو اس آلہ نے کہا۔ "صبر ضروری ہے"۔ اسکے بعد آلہ مختلف لوگوں کی تجویزوں کے مطابق مختلف الفاظ اور جملے بولتا رہا۔ اسی سلسلہ میں اس نے انگریزی زبان میں ایک جملہ کہا جو ۲۳ حرفوں سے مرکب تھا۔ اور لطف یہ کہ لب و لہجہ اور طریقہ تلفظ اسقدر واضح اور صاف تھا کہ خود اس جملہ کی تجویز کرنے والا شخص بھی اس صفائی سے نہیں بول سکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ ختم ٹیلیفون کمپنی کے صدر نے یہ کہہ کر حاضرین کو اور زیادہ متعجب کر دیا۔ کہ آلہ نے اس مجلس میں جتنے الفاظ بولے ہیں ان میں سے کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو آلہ کے جوف میں اسکے ستونوں پر یا کسی اور چیز پر منقوش ہو۔ یہ آلہ ان لوگوں کے لئے ازبس مفید ہے جو قوت گویائی سے بالکل محروم ہیں۔ اس آلہ کے ذریعہ وہ جو کچھ چاہیں بے تکلف بول سکتے ہیں۔

اس سلسلہ میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس آلہ سے جو آواز نکلتی ہے وہ بالکل انسانی آواز کی طرح ہوتی ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ آپ بعض اوقات ایک ہی جملہ بولتے ہیں۔ لیکن لب و لہجہ اور طریقہ ادا کے بدل جانے سے اس کا مفہوم ہی بدل جاتا ہے مثلاً آپ سادگی سے کہیں "زید آیا" تو یہ جملہ خبریہ ہوگا۔ اور اسکے معنے یہ ہیں کہ آپ زید کے آنے کی خبر دے رہے ہیں۔ لیکن اگر اسی جملہ کو آپ "زید آیا" اور "ہے" پر زور دے کر ادا کریں تو یہ جملہ

استفہامیہ ہو جائے گا اور اسکے معنی یہ ہونگے کہ آپ نے یلد کی آمد کی نسبت سوال کر رہے ہیں تو اس آلہ میں ایک خاص بات یہ ہے کہ وہ معنے اور مفہوم کے لحاظ سے کلمات اور جملوں کا طریقۂ ادا بھی بدلتا رہتا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ یہ آلہ اپنی خاص نوعیت کے اعتبار سے تاریخ عالم کی ایک بالکل نئی چیز ہے۔ ایک نوجوان لڑکی جو یہ آلہ بجا رہی تھی وہ اپنی انگلیوں سے سپید اور سیاہ گرہوں کو دباتی جاتی تھی۔ اور آلہ سے نغمہائے شیریں نکل رہے تھے۔ آلہ کی ایک جانب میں ایک ایسا اوزار بھی لگا ہوا تھا جسپر انگلی لگا دینے سے آواز مرد کی یا عورت یا بچہ کی یا کسی ہوائی جہاز، یا ریل کی سی نکلنے لگتی ـــــ تھی۔ یہیں نہیں بلکہ اس آلہ سے بکریوں کی گائے کی اور دوسرے چوپایوں کی آواز بھی نکل سکتی تھی۔

قرآن مجید میں ہے:۔

"یوم تشہد علیہم السنتہم وایدیہم وارجلہم بما کانوا یعلمون۔" ترجمہ۔ قیامت کے دن مجرموں کی زبانیں انکے ہاتھ اور ان کے پاؤں انکے خلاف انکے اعمال کی شہادت دینگے۔

کافروں کو شبہ ہوتا تھا کہ بھلا ہاتھوں اور پیروں میں قوت گویائی کسطرح پیدا ہو سکتی ہے۔ لیکن کیا اس آلہ کی ایجاد کے بعد بھی کسی کو اس قرآنی بیان کی تصدیق میں شبہ ہو سکتا ہے۔

اگر انسان ضعیف البنیان اپنی ایجاد و اختراع سے لکڑی کے چند ٹکڑوں کو ایک خاص ترتیب سے مرتب کر کے انھیں انسان کی طرح گویا بنایا جا سکتا ہے۔ تو خدا احکم الحاکمین انسان کے اعضاء کو ان کے اعمال کی شہادت کے لئے کیوں گویا نہیں کر سکتا۔ چنانچہ جب مجرمین اپنے اعضاء سے کہینگے کہ تم نے ہمارے خلاف شہادت کیوں دی۔ تو وہ جواب دینگے۔

"انطقنا اللہ الذی انطق کل شیئ" ترجمہ:۔
"ہم کو اسی خدا نے بلوایا ہے جس نے تمام چیزوں کو قوت نطق عطا فرمائی ہے۔"

کیا عجیب بات ہے کہ خدا خود منکرین مذہب کے ہاتھوں سے وہ چیزیں ظاہر کر رہا ہے جنسے قرآن مجید کے بیان کو وہ حقائق کی تصدیق و توثیق ہوتی ہے۔

"فبای آلاء ربکما تکذبان"

قوم کے بنائے ہوئے دستور العمل پر خود بھی عمل کیجئے اور دوسرے بھائیوں کو اسپر عمل کرنے کی ترغیب دلائیے تاکہ قوم کو موجودہ پریشانیوں سے نجات ملسکے۔

صنعت و حرفت

فنائل سازی

فنائل ایک عام ضرورت کی چیز ہے جسکی مانگ بازار میں زیادہ رہتی ہے۔ کوئی شہر یا قصبہ ایسا نہ ہوگا جہاں اسکی ضرورت محسوس نہ کیجاتی ہو۔ اور اصلاحِ دیہات کی تحریک نے فنائل کی صنعت و تجارت کا میدان اور بھی وسیع کر دیا ہے۔ فنائل کا کام شروع کرنے کیلئے کسی بڑے سرمایہ کی ضرورت نہیں ہوتی اور صرف چند روز کی مشق کے بعد اسکے بنانے پر پورا عبور حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اگر ہمارے بے روزگار تعلیمیافتہ نوجوان اس جانب متوجہ ہوں۔ تو معمولی سرمائے سے کسی شہر میں بھی فنائل سازی کا کام آسانی کے ساتھ شروع کر سکتے ہیں۔

فنائل سازی کے کئی کارخانے اب ہندوستان میں بھی جاری ہو چکے ہیں۔ یہاں مختلف اقسام کا فنائل تیار ہوتا ہے۔ لیکن اب بھی اچھے فنائل کی ہندوستان میں کمی ہے اور بازار میں زیادہ تر گھٹیا قسم کے فنائل ملتے ہیں۔ اچھے فنائل سے ایک خاص قسم کی بد بو آتی ہے۔ اور اسکی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ جب اسے پانی میں ملایا جائے تو آسانی سے حل ہو کر دودھ کیطرح سفید ہو جاتی ہے۔ اور اسکا کوئی جزو نیچے نہیں بیٹھتا۔ گھٹیا فنائل میں مقابلۃً قوت کم ہوتی ہے اور اسے پانی میں حل کیا جائے تو تھوڑی دیر بعد اوپر کچھ تیل سا تیرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اور بعض اجزا نیچے بیٹھ جاتے ہیں۔ اسکے علاوہ گھٹیا قسم کے فنائل کو اگر تھوڑی دیر تک رکھا جائے تو وہ پھٹ جاتی ہے۔ اوپر بھورے رنگ کا پانی آجاتا ہے۔ اور نیچے فنائل کے اجزا اکٹھے ہو کر جم جاتے ہیں۔ یہ فنائل کا بہت بڑا نقص ہے۔ اور یہ اس صورت میں پیدا ہوتا ہے جبکہ اسکی تیاری میں کریوزٹ معمولی قسم کا استعمال کیا جائے۔ فنائل کے خاص اجزا یہ ہیں:-

(۱) بروزہ (۲) کریوزوٹ (۳) سوڈا کاسٹک۔ کریوزوٹ اگر بہترین قسم کا دستیاب نہ ہو سکتا ہو تو اسکے بعض نقائص کو دور کرنے کیلئے ارنڈی یا ناریل کا تیل ملا دیا جاتا ہے۔ فنائل کو مقابلۃً زیادہ تر قوی بنانے کیلئے ایک چوتھائی سے ۳۰ فیصدی ٹار ایسڈ والے کریوزوٹ آئل کی آمیزش کی جاتی ہے۔ اگر جراثیم کو ہلاک کرنے کیلئے اس سے بھی زیادہ قوت کے فنائل کی ضرورت ہو تو اسمیں میتھلیٹڈ اسپرٹ ملائی جا سکتی ہے۔

فنائل تیار کرنے میں احتیاط کی کافی ضرورت ہے۔ مرکبات ہمیشہ کسی بڑی کڑاہی میں حل کرانے چاہئیں۔ اگر چھوٹے برتن میں حل کئے ہوں تو چونکہ یہ بھڑکنے والے ہوتے ہیں۔ اسلئے آگ لگنے کا اندیشہ رہتا ہے۔

ایک اعلیٰ قسم کے فنائل بنانیکا نسخہ جسکو زیادہ قوی بنانے کیلئے میتھلیٹڈ اسپرٹ شامل کیگئی ہو یہ ہے:- بروزہ ۷ حصے۔ سوڈا کاسٹک ا حصہ۔ میتھلیٹڈ ۵ حصے۔ کریوزوٹ ۳۰ حصے۔ پانی ۷ حصے۔

پہلے بروزے کو بڑی کڑاہی میں ڈالکر ہلکی آنچ پر پگھلائیں اور سوڈا کاسٹک کو پانی میں حل کر کے آہستہ آہستہ ملائیں۔ اور برابر ہلاتے رہیں۔ جب سوڈا کاسٹک بروزے میں اچھی طرح حل ہو جائے تو اسمیں کریوزوٹ ملا کر خوب ہلائیں۔ سب چیزوں کے ملجانے پر کڑاہی کو آگ پر سے اتار لیں اور کسیقدر ٹھنڈا ہو جانے پر میتھلیٹڈ اسپرٹ ملا دیں۔ اسپرٹ چونکہ بہت جلد آگ پکڑ لیتی ہے اسلئے اسے آگ کے قریب بیٹھ کر نہیں ملانا چاہئے۔ فنائل تیار ہے۔ سرد ہو جانے پر ڈبوں میں بھر لیں۔

پنجابی یوتھ لیگ پر دیوانی اور فوجداری دعوے

اور انکی اصل حقیقت

(از سکریٹری پنجابی یوتھ لیگ دہلی)

گذارش احوال

چند روز ہوئے کہ شیخ محمد رفیع صاحب ولد شیخ محمد یعقوب صاحب اللہ والوں نے ایک دیوانی دعویٰ پنجابی یوتھ لیگ کے صدر، سکریٹری اور شیخ قمرالاسلام کے خلاف لالہ ہنسراج صاحب سب جج کی عدالت میں دائر کیا تھا اور عدالت سے ایک حکم امتناعی مذکورہ تینوں اشخاص کے خلاف نکلوایا تھا کہ تا فیصلہ مقدمہ محمد رفیع صاحب کے مکان یا دوکان پر پکٹنگ نہ لگائیں اور اگر انہوں نے ممبران کو پکٹنگ لگانے کا حکم دیدیا ہے تو وہ واپس لے لیں۔ اس مقدمہ کا عرضی دعویٰ اور ابتدائی کارروائی دہلی کے ..... روزانہ اخبارات میں مختصر طور پر شائع ہو چکی ہے جس کی وجہ سے قوم میں عجیب عجیب قسم کی غلط اور بے بنیاد افواہیں پھیلی ہوئی ہیں جس سے اکثر ہمدردانِ قوم و بہی خواہان لیگ مضطرب ہیں اور ممبران لیگ سے برابر استفسارات کر رہے ہیں۔ اسلئے ضروری سمجھا گیا کہ اس معاملہ کی پوری کیفیت مختصر طور پر شائع کردی جائے تاکہ ان غلط فہمیوں اور غلط افواہوں کا ازالہ ہو جائے اور صحیح حالات اور واقعات قوم کے سامنے آجائیں۔

اصل واقعات

محمد رفیع صاحب کے ہاں انکے صاحبزادے کی شادی کے سلسلے میں قوم کے دستور العمل کی چند خلاف ورزیاں ہوئیں یعنی انکے بیٹے کی سسرال سے شادی سے قبل پلنگ وغیرہ خفیہ طور پر آئے اور ناشتہ وغیرہ میں بھی کچھ بے قاعدگیاں ہوئیں۔ ان خلاف ورزیوں کی رپورٹ ملنے پر حسب قاعدہ لیگ نے صاحب موصوف کو تحقیقاتی چٹھی تحریر کی۔ جسکے جواب میں آپ نے ایک چٹھی لیگ کو لکھی جسمیں خلاف ورزیوں سے انکار کیا۔

لیگ کو جو رپورٹیں خلاف ورزیوں کی موصول ہوئی تھیں وہ اتنی پختہ اور معتبر تھیں کہ شیخ صاحب کی چٹھی ان کو رد نہ کر سکی۔ چنانچہ لیگ نے ان خلاف قاعدہ چیزوں کا مطالبہ کیا اور دوسری خلاف ورزیوں کی مد میں مبلغ بیالیس روپے بطور تاوان طلب کیا۔ نیز ان خلاف قاعدہ چیزوں کو لیگ حوالہ نہ کرنے کی صورت میں ان چیزوں کے عوض ایکسو بائیس روپیہ مزید ادا کرنے کا مطالبہ کیا۔ نیز اسکے ساتھ لیگ نے یہ تحریر کیا کہ اگر آپ کو اسمیں کچھ عذر ہو تو ثالث نمبر دو یعنی شیخ محمد یوسف صاحب چرڑہ والوں سے اسکا فیصلہ کرالیں۔ (چونکہ ثالث نمبر ایک علاقہ نمبر دو شیخ حاجی عبدالکریم صاحب ملتانی کلکتہ تشریف فرما تھے۔)

مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۶۱ء کو شیخ صاحب نے لیگ کو ایک چٹھی ارسال کی جسمیں تحریر فرمایا کہ میرے ہاں شادی ہے اسلئے اس معاملہ کا فیصلہ شادی سے قبل ثالث صاحب سے کرادیا جائے۔ چنانچہ ۱۴ مارچ کو صبح کے ۹ بجے کا وقت دیا گیا۔ شیخ صاحب معہ اپنے خسر شیخ محمد عبداللہ صاحب چرڑیوالے و دیگر لواحقین ثالث صاحب سے فیصلہ کرانے کیلئے حاجی محمد صدیق صاحب کے کوٹھے پر تشریف لائے۔ ثالث صاحب

قطب صاحب تشریف لیگئے تھے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ ثالث صاحب کی تشریف آوری کا انتظار کیا گیا۔ جب وہ تشریف نہ لائے تو تمام صاحبانِ معاملہ کو دو بجے دوپہر کا وقت دیا گیا جس کو انہوں نے منظور کر لیا لیکن شیخ محمد رفیع صاحب نے معذرت کا اظہار کیا اور فرمایا کہ شادی کے کاموں میں بہت الجھا ہوا ہوں یا تو نمائندہ لیگ جو فیصلہ کریں وہ میں پورا کرنے کو تیار ہوں یا مجھے دو چار دن کی مہلت دیدی جائے تاکہ میں شادی سے فارغ ہو کر اس معاملہ کا فیصلہ کرالوں۔ وغیرہ وغیرہ

شیخ صاحب اور انکے خسر صاحب نے تمام بزرگوں کے سامنے یہ وعدہ کیا اور یقین دلایا کہ ثالث صاحب جو فیصلہ کرینگے ہم اسکو بلا حیل و حجت پورا کرینگے۔ اور کسی قسم کا کوئی عذر نہ کرینگے۔ شیخ صاحب اور ان کے لواحقین کے اس وعدہ اور اطمینان دلانے پر ان بزرگوں نے جو وہاں اسوقت موجود تھے نمائندہ لیگ کو مجبور کیا کہ وہ شیخ صاحب کے وعدہ پر بھروسہ کریں اور انکو دو چار دن کی مہلت دیدیں۔ نمائندہ لیگ نے بزرگوں کے زور دینے پر آپکو مہلت دیدی اور اس معاملہ کی کارروائی کچھ دن کے لئے ملتوی کر دیگئی۔ اسکے بعد شیخ صاحب کے ہاں شادی ہوئی اور آپنے حسب دستور قوم کے تعلیمی فنڈ میں لیگ کو برضا و رغبت مبلغ ۵۰ روپے مرحمت فرمائے جو شکریہ کے ساتھ وصول کر کے انجمن وکیل قوم پنجابیان کے تعلیمی فنڈ میں حسب سابق جمع کرا دئیے گئے

شادی کے بعد

شادی گذرنے کے بعد ثالث صاحب نے فیصلہ کرنے کا وقت دیا اور شیخ صاحب کو اطلاع دیدیگئی بمقررہ وقت پر شیخ صاحب کا خط آیا جسمیں آپنے تحریر فرمایا تھا کہ مجھے کچہری میں ایک مقدمہ میں پیش ہونا ہے اسلئے آج فیصلہ کی کارروائی ملتوی کر کے کوئی اور تاریخ مقرر کر دیجائے۔۔ ۲۰ مارچ ۱۹۴۲ء مقرر کیگئی اور مقررہ وقت پر محمد رفیع صاحب اور محمد عبداللہ صاحب تشریف لائے اور ثالث صاحب نے باقاعدہ بیانات لیکر اور تمام معاملات پر غور کر کے اپنا فیصلہ دیا کہ محمد رفیع صاحب مبلغ ۱۰۰ روپے ۳ اپریل تک لیگ کو ادا کر دیں بصورت دیگر اگر لیگ کو کچھ کرنا پڑے تو ایک سو پچاس روپیہ لیگ وصول کرے۔

دیوانی دعوے

اسکے بجائے اسکے کہ شیخ صاحب اپنے وعدے کے بموجب ثالث صاحب کے فیصلہ کو بلا توقف کے پورا کرتے اور مبلغ ۱۰۰ روپیہ لیگ کو ادا کر دیتے آپنے لیگ کے عہدیداران اور ممبران کیخلاف دیوانی دعوے دائر کیا جسمیں نہ صرف لیگ پر غاصبانہ کارروائیاں کرنے کے الزامات لگائے بلکہ ان ۵۰ روپیہ کا بھی مطالبہ کیا جو آپنے باخوشی قوم کے تعلیمی فنڈ میں بموجب دستور العمل عطا فرمائے تھے۔ نیز سب سے زیادہ افسوسناک اور بے بنیاد الزام یہ لگایا کہ ممبران لیگ نے انکی بارات کو روک کر زبردستی ۵۰ روپے وصول کئے ہیں۔ یہ ۵۰ روپے عدالت مجھے واپس دلائے۔ وغیرہ۔

دعویٰ دائر کرنیکے بعد ایک امتناعی حکم عدالت سے جاری کرا کر لیگ کے صدر سیکرٹری اور قمر الاسلام صاحب پر تعمیل کرا دیا کہ تا فیصلہ مقدمہ وہ کچھ نہ کر کے روپیہ وصول کریں۔

ردِ عمل

اس دیوانی دعویٰ کا ردِ عمل یہ ہوا کہ قوم میں سخت بے چینی پھیل گئی اور جلسیاں اصلاح قوم اور ہمدردان قوم نے اس دعوے کو تمام قوم کی توہین اور تذلیل قرار دیا اور شیخ صاحب کے اس ناعاقبت اندیشانہ فعل کی سخت مذمت کیگئی۔ پنجابی یوتھ لیگ کی مجلس منتظمہ کے جلسے نے قومی معاملات کو عدالت میں لیجانے کے فعل کو قومی شیرازہ بندی، اتحاد و اتفاق اور یکجہتی کے منافی قرار دیتے ہوئے اس مقدمہ کی سخت مذمت کی۔ نیز ممبران لیگ نے پورے غور و خوض کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ قوم نے جو جلیل القدر امانت لیگ کے سپرد کی ہے اسکی حفاظت میں تمام ممبران ہر ممکن قربانی سے دریغ نہ کرینگے۔ بلکہ نتائج سے بے پرواہ ہو کر قوم کے فیصلہ پر عمل درآمد کرانے کیلئے دوبارہ کوشش کرینگے اور اپنی عافیت آرام کاروبار اور گھر بار کو خیرباد کہہ کر جیلوں میں چلے جائینگے۔

بزرگان قوم کا جلسہ:۔ دعویٰ کی خبر نے جہاں نوجوانان قوم میں

جوش و جذبات کی لہر دوڑا دی وہاں بزرگان قوم نے بھی اسکا پورا پورا اثر لیا اور اس حالیہ کارروائی کو قومی وقار اور قومی عزت کیخلاف سمجھتے ہوئے اسکے سدباب کے مسئلہ پر غور کرنے کے لئے حافظ حمید اللہ صاحب شیشہ والوں کے دفتر میں قوم کے اکثر بزرگوں کا ایک مشاورتی جلسہ منعقد ہوا جسمیں قوم کے بہت سے با اثر اور صاحب رائے حضرات شریک ہوئے جنمیں سے بعض حضرات کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:-

خانصاحب حاجی حافظ محمد صدیق صاحب ملتانی۔ خان بہادر الیس ایم عبداللہ صاحب خان بہادر حاجی رشید احمد صاحب۔ حاجی حافظ حمید الدین صاحب۔ عبدالسلام صاحب میونسپل کمشنر۔ محمد خلیل صاحب میونسپل کمشنر۔ حاجی عبدالکریم صاحب ملتانی۔ حاجی محمد صدیق صاحب کوٹھے والے۔ محمد رفیع صاحب چھاپنے۔ احسان الہی صاحب دائی والے۔ رحمت الہی صاحب متکلف۔ حاجی محمد یحیی صاحب سوت والے۔ حافظ محمد یوسف صاحب چمڑے والے۔ عبدالعزیز صاحب بانیتی۔ حاجی جمال الدین صاحب تھائی۔ سراج الدین صاحب صابن والے۔ حاجی محمد امین صاحب چاولہ۔ حاجی محمد دین انبالہ والے۔

اس جلسہ نے تمام معاملات پر نہایت سنجیدگی کیساتھ غور کیا اور اس دعوٰی کو نہ صرف ممبران لیگ کے خلاف تصور کیا بلکہ تمام قوم کیخلاف تصور کیا۔ اور طے کیا کہ محمد رفیع صاحب کو وفد کی صورت میں جاکر سمجھایا جائے اور اگر وہ نہ مانیں اور دعوٰی واپس نہ لیں نیز لیگ کو پکٹنگ لگانے کی ضرورت پڑے تو ہم سب پکٹنگ کریں اور ممبران لیگ کو علیحدہ رہنے دیں۔

ممبران لیگ نے بزرگوں کا شکریہ ادا کیا اور عرض کیا کہ صرف آپکی مدد اور ہمدردی ہمارے لئے کافی ہے پکٹنگ ممبران خود لگائینگے آپکو تکلیف نہ دینگے۔

فوجداری دعوے

اسی اثنا میں یہ بھی معلوم ہوا کہ حکم امتناعی کے باوجود ممبران لیگ کے پکٹنگ لگاکر قومی فیصلے کو منوانے کے ارادوں کی خبر ملنے پر محمد رفیع صاحب نے کوئی فوجداری مقدمہ بھی ممبران لیگ کے خلاف دائر کیا جسمیں عدالت سے درخواست کی کہ وہ ممبران لیگ سے مچلکے لے تاکہ وہ میرے ہاں پکٹنگ نہ کریں۔

مقدموں کی واپسی

بزرگان قوم کے سمجھانے پر محمد رفیع صاحب نے مقدمات واپس لینے پر فوراً آمادگی ظاہر کی اور ساتھ ہی بزرگوں سے فرمایا کہ لیگ نے ان کے ساتھ زیادتی کی ہے اور پنچایت ثالث نمبر ایک کے ممبروں سے فیصلہ کرایا ہے جو بہت سخت ہے۔ آپ اسپر نظر ثانی کرائیے۔ بزرگوں نے فرمایا کہ ہم اس معاملہ پر غور کرینگے لیکن آپ مقدمات فوراً واپس لے لیں چنانچہ معلوم ہوا کہ انہوں نے مقدمات واپس لے لئے اور مبلغ ۱۰۰ روپے تاوان کے کسی بزرگ کے پاس امانت رکھدئے ہیں لیکن تصدیق نہ ہو سکی کہ انہوں نے ادا کئے یا نہیں۔ اور جب تک لیگ کے پاس نہ آجائیں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ ادا کئے گئے ہیں۔

خاتمہ کلام

یہ تھی ان واقعات کی مختصر تفصیل جنکے متعلق مخالفین اصلاح طرح طرح کی غیر دانشمندانہ اور گمراہ کن افواہیں پھیلاکر تحریک اصلاح الرسوم کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔

بہرحال لیگ کو ان گمراہ کن افواہوں سے کوئی واسطہ نہیں ہے اور اس معاملہ کے متعلق جو واقعات تھے وہ مختصراً قوم کے سامنے پیش کردئے گئے۔ اب قوم خود فیصلہ کر سکتی ہے کہ لیگ نے قومی فیصلے اور قومی دستورالعمل کے احترام کیلئے جو کچھ کارروائی کی وہ قطعی حق بجانب ہے اور محمد رفیع صاحب کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کیگئی بلکہ انکے ساتھ ہر ممکن نرمی و رواداری کا برتاؤ کیا گیا ہے اور یہ فیصلہ قطعی طور پر دستورالعمل اور طریقۂ کار کے بموجب صحیح طریقہ پر کیا گیا ہے۔ اسمیں اب نظر ثانی کی گنجائش نہیں ہے لہٰذا اگر اس فیصلے کو پورا کرنے میں مزید تامل کیا گیا تو پنجابی یوتھ لیگ ہر ممکن طریقہ سے اسکو پورا کرانیکی کوشش کریگی اور حسب سابق تمام قوم کی ہمدردی و اعانت لیگ کے ساتھ ہوگی۔ والسلام۔

انجمن ضیاء الادب کا اردو ہفتہ کس طرح منایا گیا

از دفتر انجمن ضیاء الادب دہلی

لائبریری روڈ۔

دہلی ۱۲/ مارچ - انجمن ضیاء الادب" دہلی کے زیر اہتمام جو ۱/ مارچ ۱۹۴۱ء سے اردو ہفتہ منایا جا رہا تھا وہ گذشتہ شب اپنی آخری نشست کے ساتھ جو ایک مشاعرہ پر مشتمل تھی زیر صدارت عالیجناب سر سید رضا علی صاحب ایم' ایل اے (مرکزی) بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا۔

پروگرام بے حد دلچسپ تھا۔ پہلی نشست میں زیر صدارت عالی جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب شیخ الجامعہ مندرجہ ذیل موضوع پر مباحثہ ہوا" اس ایوان کی رائے میں سائنس دنیا کی تباہی کا باعث ہے"۔ اور موضوع منظور کر لیا گیا۔ دوسری اور تیسری نشست میں مختلف موضوعات پر تقاریر ہوئیں۔ اور مختلف عنوانات پر مقالے پڑھے گئے"۔ مثلاً دیہاتی اردو" "قلعہ معلےٰ کی اردو" "اردو کی مختصر تاریخ" "اردو کی وجود و رفتار" وغیرہ۔

صدارت کے فرائض عالیجناب خان بہادر مرزا ممتاز حسین صاحب قزلباش سیکریٹری میونسپل کمیٹی دہلی اور علامہ پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی نے علی الترتیب انجام دئے۔ مقررین میں مندرجہ ذیل حضرات قابل ذکر ہیں:۔

جناب بابو رام لال صاحب ورما۔ جناب منشی گوپی ناتھ صاحب امن مدیر اخبار "تیج"، جناب محمد یوسف صاحب بخاری۔ جناب سلطان احمد صاحب رند جناب خواجہ محمد شفیع صاحب، جناب محمد حسن صاحب رساں وغیرہ۔

چوتھی نشست میں زیر صدارت جناب محمد زماں خاں صاحب بی اے۔ پرسنل اسسٹنٹ چیرمین امپروومنٹ ٹرسٹ۔ اردو کی ضرب الامثال بیان کی گئیں اور اراکین بزم ادب عربک کالج و انجمن ہذا کے درمیان مقابلہ بیت گوئی ہوا۔ سب سے بہتر اشعار کہنے والوں میں جناب محمد حیات صاحب و جناب جمیل الدین صاحب عالی کے نام ہیں۔

پانچویں نشست کے صدر ظفر الملت جناب مولانا ظفر علی خاں صاحب ایم' ایل اے (مرکزی) تھے۔ اسمیں لطیفہ کانفرنس و ظریفانہ مشاعرہ ہوا۔ ہر دو مشاعروں میں شہنشاہ ظرافت جناب محمد جعفری صاحب اور جناب ظریف، جناب بہجت، جناب رعنا۔ جناب ارشد۔ جناب اختر وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

جہاں آرا کی شادی

(از جناب مرزا ابو محمد طالب حسین صاحب اشک عظیم آبادی)

منگنی

(مشاطہ دولہن کے گھر)

مرزا مچھو بیگ کی بیوی زینت بی مشاطہ نواب فرخ مرزا کی لڑکی جہاں آرا کی نسبت نواب لڈن صاحب کے لڑکے نواب عسکری مرزا کے ساتھ مقرر کرانے آئی ہیں۔ چونکہ طرفین کو منظور تھا نسبت پسند آکر طے پا گئی۔ آج منگنی کی بات چیت کرنے زینت بی آئی ہیں۔ سواری سے اتری ہیں۔

پہلا شگون

فرخ مرزا کی بیوی شوکت آرا بیگم کی انا جلدی سے آگے بڑھیں اور اشارے سے زینت بی کو کہا ابھی بات شروع نہ کرنا جھٹ سے نبات لاکر زینت بی کے منہ میں بہت سی جھونک دی اور کہا اب بولو...... مطلب یہ تھا کہ منگنی کی بات پہلے میٹھے منہ سے شروع ہو۔

دوسرا شگون

بی مغلانی سردری خانم چاندی کی کشتی میں پانچ ورق لگی ہوئی گلوریاں۔ پانچ چوگھرے الائچیاں.... جوڑا قند کا قوزہ (کوزہ) پانچ روپے اور گلنار رنگا ہوا دوپٹہ لیکر آئیں۔ اور زینت بی کے سامنے رکھکر چلی گئیں۔ زینت بی نے سب سمیٹ لیا۔ اور خوشی خوشی رخصت ہوئیں۔

عسکری مرزا کی لیاقت نیک مزاجی اور جہاں آرا کی سیرت صورت یہ کہ دسوں انگلیاں دس چراغ ہیں۔ چندے آفتاب چندے ماہتاب شکل ہے۔ یہی ذکر دیر تک رہا۔ نسبت تو دونوں میں منظور تھی پوری حامی بھر لیگئی... البتہ لڑکی کی پھوپھی بوبی سنا بھی ہمایوں بٹھانے سے شادی رخصتی اور چوتھی کی تاریخیں مولوی عبدالسلام صاحب کے صاحبزادے مولوی نشاط الحسن سے مقرر کرائی جائیں۔ کوئی اور مولوی بڑا جس کے کاتبہ مثلاً وغیرہ سے کہا جائے اسلئے ان کے نام میں ایک خاص نسبت شادی کے امور سے ہے۔ زینت بی بولیں ہوا ایسا ہی ہوگا (مبارک سلامت کہتی ہوئی زینت بی رخصت ہوگئیں)

ادھر زینت بی مشاطہ رخصت ہوکر گئیں۔ ادھر بی سروری خانم چاندنی لڑکی کی چھدچھدا ڈھولک لیکر بیٹھ گئیں۔ بے تکی تانیں اڑانی شروع کر دیں:-

بنّن مورا بانکا کاندھیا کہ بنّن مورا بانکا کاندھیا
سب سکھیں مل منگل گادیں کہ سب سکھی مل چین تا تھیا
بنّن مورا...... (عسکری مرزا کا عرف بنّن نواب تھا)

مشاطہ دولہا کے گھر

زینت بی نواب لڈن صاحب کے یہاں خوش خوش تالیاں بجاتی پہنچیں۔ مبارک ہو مبارک، نسبت منظور ہوگئی۔ فردوسیہ بیگم کو بہورانی مبارک ہو.....!

پہلا شگون

فردوسیہ بیگم عسکری مرزا کی ماں کا حکم پاتے ہی بی مغلانی کھیتو بیگم کیوڑے گلاب کا شربت بنا کر لائیں اور مشاطہ کو پلایا۔ پھولوں کا ہار گلے میں ڈالا گیا۔

دوسرا شگون

ایک کشتی میں: پچرنگی مٹھائی۔ پانچ ورق لگی گلوریاں، پانچ طلائی ورق لگی چوگھڑا الائچیاں…… جوڑا مصری کا کوزہ اور پانچ روپے زینت بی کو میاں سے بھی ملے۔

مولوی نشاط الحسن سے تاریخ معین کرانے کی تجویز پیش آئی …… کھیتو بیگم لڑکی کی دائی انا چھو چھو خواصیں سب ملکر ڈھولک پر گانے لگیں۔

منگنی کے دن

(دولہا کے گھر سے دلہن کے لئے انگوٹھی نشان کی روانگی)

عصا بردار، قلم بردار آگے آگے۔ سات سینیوں میں پچرنگی مٹھائی…… پانچ سینیوں میں پھل پھلیری۔ ایک کشتی میں دلہن کے لئے پھولوں کا گہنا۔ ایک سونے کی کشتی میں الماس کی انگوٹھی ایک روپہلی تھیلی میں ایک سو ایک روپے اور امام ضامن جس پر دو پہلی سنہری جھل جھل کرتے تورہ پوش پڑے، روشن چوکی بجی۔ سب کے پیچھے بیگمات کی سواریاں۔ عسکری مرزا کی ماں فردوسیہ بیگم ان کی بہن جنت النساء بیگم لاڈلی بیگم، نواب لڈن صاحب کی بہن چوپہلوں پر سوار ایک میانہ میں زینت بی، مشاطہ خواصیں و پیش خدمتیں چوپہلے کے پردے پکڑے آپس میں چہلیں کرتی۔ یہ سارا منگنی کا جلوس دلہن کے روانہ ہوا۔

خواصوں پیشخدمتوں کی آپس میں چہلیں

سوسن:- اس موئی نرگس بیدہ دلیل کو دیکھو جٹ پھولوں کے گہنے کی کشتی سر پر اٹھالی اور ہم لوگوں کے لئے بھاری بھاری سینیاں اٹھانے کو چھوڑ دیں۔ موئی گھورتی ہے کسطرح، اللہ کرے یہ بڑے موٹے موٹے دیدے پٹم ہو جائیں۔

نرگس:- نسترن کو نہیں کہتی کہ سونے کی کشتی، انگوٹھی، امام ضامن والی چوپہلے کجھارتی اٹھلاتی، پھول سے قدم اٹھاتی کس ٹھسکے سے چل رہی ہے۔

سیمتن:- سچ تو! اور ہمارے سروں پر مٹھائی لدی پڑی ہے۔

نسترن:- خدا کی شان! موئی پیش خدمتیں خواصوں کا عہدہ چھیننا چاہتی ہیں۔

نرگس:- دیکھنا۔ وہ موئی سیمتن توپ کا گولہ کا لو تو ہماری ایسی چار نکلے۔ گویا بچاری پھل پھلیری کی سینی سے دبی جارہی ہے۔

نسترن:- اور سنتی بھی ہو پیش خدمتوں کی شامت آئی ہے۔ بیگم صاحبہ کہہ رہی ہیں ان کو کہو یہ ساریاں سینیاں لے ہمارے چوپہلوں کے آگے قطار سے چلیں…… جاتیاں ہویا نہیں اور مردار دیا میں بیگم صاحب سے کہوں!

سب پیشخدمتیں حکم پاتے ہی قطار سے سینیاں لیکر قطار سے چلنے لگتی ہیں۔

کہاروں کی آسری

ہوں ہوں آگے پیچھے! ہوں ہوں دھنے موڑ…… ہوں ہوں بائیں پر…… ہوں ہوں رودوار اڑی…!

ہوں ہوں چل اتار…… ہوں ہوں چڑھائی ہے! ہوں ہوں نویا ہے! ہوں ہوں نیچے……!

غرض دلہن کے گھر منگنی کی بارات جا لگی…… ڈیوڑھی دلنی نے محل کے دروازے پر کھڑے ہو کر ہانک لگائی۔

"منگنی کی بارات آئی ہے سنے سنے ......"

محل میں ایک شور مچگیا: بی مغلانی سردری بیگم چلائیں۔
"لئے کہاں گئیں او مردار و! دہی اللہ یہ چیں خدمتیں خماکیں سب کدھر چل گئیں؟"

سب دوڑتی گرتی پڑتی آوازیں لگاتی: "آئی بی بی آئی ......"

ادھر سے محلدار نے پھر آواز لگائی: "سواریاں اتروا لیجائیں۔"
ادھر ڈیوڑھی دار سے کہا: "ایک ایک کرکے جو پہلے ڈیوڑھی میں لاؤ۔"
شوکت آرا بیگم ان کی بہنیں عصمت آرا بیگم، عفت آرا بیگم... لڑکیاں حسن آرا، جمال آرا، نندیں گوہر بیگم، لاڈلی بیگم سمدھنوں کے استقبال کے لئے ڈیوڑھی تک آگئیں۔ سمدھنوں کا پرجوش خیرمقدم کیا گیا اور بی مغلانی سردری بیگم نے مشاطہ زینت بی کی خوب آؤ بھگت کی۔

سمدھنوں کی آپس میں چہلیں

فردوسیہ بیگم: کیوں بہن شوکت آرا اپنی شان و شوکت ہی میں مگن رہوگی یا میری بھی دو دو باتیں سنوگی؟

شوکت آرا: تم آپ فردوس کی حور ہو۔ اصل میں تو تمہاری ساری آن بان شان ہے۔

عصمت آرا: کیوں ری گوہر شب چراغ، اپنی چمک دمک ہی دکھاتی رہیگی۔ یا ادھر بھی رخ کرے گی؟

گوہر بیگم: اپنی للو سنبھال وہ تیری عصمت کی خیر نہیں۔

عفت آرا: اور وہ تو دنیا جہاں کی لاڈلی ٹھہریں۔ بی لاڈلی بیگم نام ہے ٹھہرا وہ اپنے لاڈ میں ہیں۔ مجھ سے کیوں بات کریگی!

لاڈلی بیگم: چل اپنی عفت کا چرخہ نہ کات۔ تلوے اس کے بدن میں نکلا جو نمک دونگی۔ بڑی عفت والی بنی ہے!

چہلیں کرتی سب ملکر محل میں پہنچیں اور وہاں پہنچتے ہی سیدھی دولہن کے کمرے میں گھس پڑیں۔ دولہن کی بہنیں حسن آرا، جمال آرا پاس بیٹھی تھیں۔ بے غل و غش جو یہ سدری بیگماتیں سسرال ایس دولہن کے کمرے میں داخل ہوئیں۔ تو دولہن ایک طرف سمٹ سمٹا کر مسند کے گاؤ تکیہ میں منہ چھپانے لگی۔ تھر تھر کانپ رہی ہے اور بس چلے تو زمین میں گڑ جائے۔ فردوسیہ بیگم پاس جاکر چپڑ چپڑ بلائیں لیکر کہنے لگیں "اب تو تم میری بیٹی ہو نا۔ مجھ سے بھلا کیا پردہ۔ میں صدقے گئی منہ اٹھاؤ۔ سر دولہن کا اپنے سینے سے لگالیا۔ ہاتھ میں ہیرے کی انگوٹھی پہنادی۔ داہنے بازو پر امام ضامن باندھ دیا۔ حسن کما جمال آرا کو مخاطب ہوکر فردوسیہ بیگم نے کہا آؤ میری مدد کرو تمہاری بہن کو پھولوں کا زیور پہناؤں۔"

غرض دولہن کو نشانی چڑھاکر سب کمرے سے باہر آگئیں۔ سب کی تواضع کیوڑے کے شربت پان تمباکو سے ہوئی۔ بی گنو جان میراثن نے گانا شروع کیا۔

"راج دلاری ہاتھ میں تیرے انگوٹھی سوہے۔
اماں پیاری بازو پہ تیرے امام ضامن سجے ہے"۔

ایسی پرانے زمانے کی گیتیں میراثن گاتی رہی

فردوسیہ بیگم نے دس روپے اور سبھوں نے دو دو روپے چھوٹ دی۔ بی زینت مشاطہ نے جوڑی اور بی مغلانی نے ایک اشرفی دی۔ سمدھنیں ہنسی خوشی بعد ادائی رسم منگنی گھر کو واپس آئیں۔

شام کو دولہا کے گھر دولہن کے گھر سے اسی تفصیل کے ساتھ منگنی کا خوان، الماس کی انگوٹھی، امام ضامن، مٹھائیاں الائچی پھلیری وغیرہ گئی۔ فرق اتنا تھا کہ وہ فقط سمدھنوں کا جلوس تھا یہ سمدھیوں کا۔ جلوس جو لڑکے کو نشان چڑھانے اور امام ضامن باندھنے گئے فقط عورتوں میں شوکت آرا بیگم اور جنت آرا بیگم گئی ہوئی تھیں۔ غرض منگنی کی رسم دونوں طرف سے آج ہی ادا ہوگئی۔

دلہن کا مایوں بیٹھنا

آج وہ دن ہے کہ دولہن کو مایوں بٹھائینگے۔ پہلے دولہا کے گھر سے مانجھے کی برات جائے گی۔ پھر دولہن کے گھر سے دولہا کا مانجھا آئے گا۔

سات کشتیاں تیار کی گئی تھیں۔۔۔۔ایک کشتی میں دولہن کا بسنتی جوڑا۔ بسنتی رومال پانچ عدد ہاتھ کا کنگنا۔ سونے کا چھلا۔ دوسری کشتی میں دو شیشیوں میں سہاگ کا عطر اور پانچ کشتیاں اُبٹن کی۔ دولہن کو جو ابٹن لگایا جاتا ہے اسمیں ساتوں مصالحہ بڑھی بدھا چھل چھبیلا ناگرموتھ سوہا صندل وغیرہ سب ڈالا جاتا ہے۔ دولہا کے لئے جو اُبٹنا جاتا ہے اس میں اور ضروری مصالحوں کے علاوہ فقط نارنج کا چھلکا ڈالا جاتا ہے۔ غرض ان سات سینیوں کے اکیس چاندی کی ٹکیوں میں سوا من پنڈیاں لیکر فردوسیہ بیگم معہ بہنوں کے چوپہلوں پر بینڈ باجہ آگے آگے بجتا۔ آخری قطار پنڈولوں کی شمعوں کی خچلے آگے نفیری پھنکتی روشن چوکی بجتی۔ خواصیں۔ پیشخدمتیں۔ قلماقنیاں، ترکنیں، حبشنیں، مانجھے کی گیت گاتیاں ہوئیں!

وہاں لڑکیوں کو سات سہاگنیں نہلا رہی تھیں کہ مانجھا سسرال سے دروازہ پر جا لگا۔ اور سمدھنیں استقبال کر کے اتاری گئیں۔ لڑکی کو مایوں بٹھانے کے کمرے میں لا بٹھایا۔ فردوسیہ بیگم نے پہلے بہو کو مانجھے کا جوڑا پہنوایا۔ پھر ابٹنا عطر سہاگ میں ملا کر لگایا۔ بعد اسکے ہاتھ میں کنگنا پہنایا میراثنوں نے مانجھے کی گیتیں گانا شروع کر کے چھوٹے میکر سلام کرنا شروع کیا۔

فردوسیہ بیگم شوکت آرا سے کہا دیکھو بہن، بس گیارہ دن لڑکی کو مایوں بٹھانا۔ زیادہ کمزور کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسلئے کہ دولہن وہاں خود پان ہو رہی ہے۔ سمدھنوں نے ایک دوسرے کے گالوں پر اُبٹنا لگا کر یہ رسم بھی ادا کی۔ اور خوشی خوشی گھر کو واپس آئیں۔۔۔۔۔

شام کو دولہن کے گھر سے اسی تزک و احتشام سے دولہا کے لئے مانجھا گیا۔ جو لوگ ساتھ گئے ہوئے تھے دولہا کو مانجھا پہنا کر خوش خوش واپس آئے۔

حنا بندی یعنی منہدی کی رات

دولہا کے گھر سے آج دولہن کے گھر منہدی جا رہی ہے۔ پانچ کشتیوں میں ملتانی رنگیلی خشک منہدی۔ ایک کشتی میں ہری پسی ہوئی منہدی سینی میں جمائی ہوئی۔ اس پر سونے چاندی کے ورق جمائے گئے تھے اور کچھ پھول بوٹے بنائے گئے تھے۔ ایک کشتی میں مصالحہ کا خوشبودار تیل اور عطر سہاگ کی ایک شیشی منہدی کا رنگ شوخ کرنے کے لئے۔ پانچ کشتیوں میں ہفت رنگی مٹھائی۔ پانچ کشتیوں میں پھل پھلیری۔ ایک کشتی میں دولہن کے لئے سرہا (گلنار) جوڑا پانچ رومال منہدی لگا کے ہاتھ پیر باندھنے کے لئے، ایک کشتی میں بارہ موم کافوری شمعیں روشن کی ہوئی گیارہ کشتیوں میں میدہ۔ ساری کشتیوں پر جھل جھل کرتے منہدی کے پہلی گنگا جمنی توڑے پوش پڑے۔ آگے آگے روشن چوکی بجتی ہوئی۔ پیچھے پیچھے فردوسیہ بیگم، جنت النساء بیگم، گوہر بیگم، لاڈلی بیگم وغیرہ بیگمات چوپہلوں پر سوار پیشخدمتیں پردے پکڑے ہوئے ایک میانہ میں زینت بی مشاطہ اور گھسیٹی بیگم مغلانی۔ آج منہدی کی تیاری میں بسبب شب ہونے کے دو طرفہ باڑہ بخشاخوں کی اور آگے دو بارہ بارہ بتی کے مٹھواں جھاڑ بھی ہیں۔۔۔ جلوس منہدی کا دولہن کے گھر جا لگا۔

شوکت آرا، عصمت آرا، عفت آرا، حسن آرا، جمال آرا بیگمات کے استقبال کے لئے ڈیوڑھی پر آکر کھڑی ہو گئیں۔ سواریاں اتریں۔ فردوسیہ بیگم شوکت آرا کے گلے ملیں۔ حسن آرا نے جمال آرا کو پیار کیا۔ فردوسیہ بیگم دولہن کے کمرے میں گئیں۔ بہو کی چپڑ چپڑ بلائیں لیں، گلے سے لگایا اور منہدی لگانے کی رسم ادا کی۔ میراثنوں نے گانا شروع کیا۔

"سورج تم دھیرے سے اُگیو
میری مہندی کا رنگ جل جائے"

قلنوں کے اندر مہندی گوندھی گئی۔ اور بعد ھنوں نے ایک دوسرے کو مہندی لگائی۔ سروری بیگم نے کیتو بیگم کے منہ میں تھوپ دی۔ شادی کے گھر میں خوب خوب مہندی اچھلی۔ دیواروں پر مہندی کے چھاپے لگائے گئے۔ غرض سارا گھر مہندی مہندی ہو گیا۔ دولہا والیاں دولہن کو مہندی لگا کر خوش خوش واپس آئیں۔

ساچق

ساچق فقط دولہا کے گھر سے دولہن کے گھر جاتی ہے۔ جسطرح اور رسم دونوں طرف سے ادا کی جاتی ہے۔ اسطرح یہ رسم ساچق نہیں۔

آج دولہا کے والد نواب لڈن صاحب خود ساچق لیکر دولہن کے گھر چلے ہیں۔ ان کے دوست احباب اکثر نواب بھی ساتھ ہیں۔ عورتوں میں دولہا کی ماں فردوسیہ بیگم کے ہمراہ شہر کی اکثر بیگمات بھی ہیں۔

چوداسی ٹھلیاں ابرک لگی نقش و نگار والیاں۔ سترہ ٹھلیاں چاندی کی جدا ایک سو ٹھلیاں جنہیں گدہر کا خشک میوہ بادام پستہ چلغوزہ اخروٹ کاجو کشمش چھوارے وغیرہ وغیرہ۔ اکادن کشتیوں میں تر میوے سیب انار انگور ناشپاتی گلابی زرد آلو شریفہ امرود کمرنی فالسہ وغیرہ اکیس چاندی کی کشتیوں میں دولہن کے عماری توالوں جوڑے اور نوتے جوڑے دیگر کشتیوں میں زردوزی ہمدانی وغیرہ کے۔ ایک چاندی کی کشتی میں جڑاؤ پچی جڑت کے بارہ زیور اور سونے کے بیس زیور۔ ایک سہاگ پڑا جس کا نچلا حصہ ایک گز کا اور اوپر کا ایک فٹ کا اوپحان میں پورا سیگر، سکندری چسپیوں جلد ریت اور سنگار کی چیزیں مسّی سرمہ صندل کاجل تر کا شان چاہت اُسے آئینہ نقرئی، کنگھی طلائی، نقرئی ایک جوڑا ...

سوہاف نندی کے فانوس یوسفی گو ملی چاندی کی کٹوریاں جنمیں گوند خشک زرد رق میں پٹی ہوئی وغیرہ وغیرہ۔ سات سینیوں میں ہفت رنگی مٹھائی۔ سات کشتیوں میں پھل پھلیری اس ساچق کے سامان کے آگے ایک انگریزی بینڈ فوجی دوسرا ہندوستانی بینڈ باجہ آخر میں غلوں کی دو ڈھول تاشہ چھیم چھیم کرتے ہوئے سہاگ پوڑے کے آگے روشن چوکی بجتی ہوئی جسکے پیچھے بیگمات کی سواریاں سب کے آگے رؤسا شہر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے۔ غرض دولہن کے گھر جا پہنچی۔ مردوں کے استقبال کے لئے خود نواب فرخ مرزا مع چند رؤسا شہر اور بیگمات کے استقبال کے لئے شوکت آرا بیگم مع شہر کی چند مہمان بیگماتوں محل کے دروازے اور ڈیوڑھی پر موجود تھے۔ سبھوں کا پرجوش خیر مقدم کیا گیا۔ نواب وغیرہ محفل میں آکر بیٹھے اور بیگمات محل میں داخل ہوئیں۔

مردانہ محفل میں طوسی کنسٹروں میں کشتیوں میں گلاسوں میں لگا کر شربت آیا۔ پہلے دولہا کے والد کی خدمت میں پیش کیا گیا جنہوں نے گیارہ اشرفیاں شربت پلائی دی۔ باقی رؤسا نے گیارہ گیارہ روپیہ دئے۔

شربت پلائی کی رسم ادا ہونے کے بعد نواب لڈن صاحب کے داروغہ آگے بڑھکر دست بستہ نواب فرخ مرزا صاحب سے عرض کرنے لگے: "سرکار حکم دیا جائے کہ جوڑے اور زیورات فہرست سے ملائے جائیں۔ چنانچہ فہرست سے ملاکر داروغہ صاحب اور حیدر مرزا صاحب مصاحب نواب فرخ مرزا صاحب نے سب چیزیں تحویل میں لیکر دستخط کر دئے۔ اندر بھی بیگمات کے لئے شربت آیا شربت پلائی ہوئی۔ اور جوڑے زیورات جو باہر سے محل میں آئے ان کو سبھوں نے دیکھکر تعریف و تحسین کی۔ ایک طرف دولہن کے پاس جو بیگمات بیٹھی تھیں، ان کی زبانوں پر یہی جاری تھا کہ ماشاءاللہ ماشاءاللہ

دولہن پر خوب روپ آیا ہے۔ فردوس بیگم نے یہ سنکر دولہن
کے سر سے تیل ماش اور پانچ روپے کے کالے پیسے اتروائے دولہن
کی بلائیں لیں۔ گلے لگایا پیار کیا۔ میراثنوں نے خوب خوب لوٹنے
سہاگ گائے۔ سب نے چھوٹ دی، اندر سے بیگمات اور نواب
ایک دو گھنٹہ محفل میں بیٹھکر رخصت ہوئے۔ اور خوش خوش
گھر واپس آئے۔

بارات

رسم ہے کہ دولہا کا گھر آج کے روز دولہن کی طرح سجایا جائے۔
اسلئے کہ دولہن کے قدم گھر میں آنا یوں سمجھا جاتا ہے کہ گھر میں برکتوں
کا نزول ہوا چنانچہ نواب لڈن صاحب کے گھر پائیں باغ گلشن
جنت کا نمونہ بنا ہوا ہے۔ تمام درختوں کی شاخوں میں ہزاروں
گلاس اور لال سبز سرخ قمقمے ٹنگے ہوئے ہیں۔ پھاٹک پر دہلیز سے
محراب تک اس قدر گلاس لگائے گئے ہیں کہ تل دھرنے کی جگہ
نہیں۔ رسم و رواج کے موافق ایک بہت بڑا منڈوا (ناچ گھر)
تیار کیا گیا ہے۔ جس کے چاروں شہ نشیں بنائی گئی ہے۔ صدر
میں ایک چارچوب کا کارچوبی شامیانہ لگایا گیا ہے۔ شامیانہ
کے نیچے بنارسی ٹسلے کی مسند گاؤ تکیہ بغلی تکیے رکھے گئے ہیں سامنے
جوڑی مردنگ کی رکھی گئیں۔ منڈوے کی چھت میں متعدد چوبیس
چوبیس بارہ بارہ بتی کے جھاڑ دو شاخے سہ شاخے استروی [illegible]
لٹک رہے ہیں۔ منڈوے کے حدود کی قناتوں پر قد آدم آئینے
لگائے ہیں۔ جا بجا جبل ہزار داستان کے پنجرے غلاف پڑے
ٹنگے ہیں۔ دولہا غسلخانہ سے برآمد ہوا۔ شاہانہ لباس کشتی میں لاکر
رکھا گیا۔ مخصوص دو احباب جنکی شادیاں ہو گئی ہیں دولہا کو رسم
کے موافق لباس پہنا رہے ہیں۔ غرض دولہا کو نواب لڈن صاحب
نے بسم اللہ کہہ کر پہنایا اور کان میں طرہ لٹکا دیا۔ بھاری سہرا پہلے
مقیش کا بھاری تولدان قد آدم سر پر سورۂ اَن یکاد پڑھکر
باندھا گیا۔ مقیش کے سہرے پر پھولوں کا سہرا پہنایا۔ ہاتھ میں قرولی
جس پر زر بفت کا غلاف اور جس کا قبضہ سونے کا تھا دی گئی۔
ہر طرف سے "مبارک باشد مبارک باشد" کی آوازیں آئیں۔

بارات کی مثل بھی سجائی کھڑی تھی۔ آگے آگے ساٹھ ساٹھ
بتیوں کے جھاڑ مزدوروں کے کندھوں پر اسکے پیچھے سب سے بڑا شہر
کا بینڈ باجہ جسکے بعد اکیس ہاتھیوں کی قطاروں پر ٹکا بجنی جھولیں
ہودج اور عماریاں بندھی ہوئی دو طرفہ ہاتھی کی قطار کے بیچ بیچ
بتیوں کے جھاڑوں کی دوڑ ہاتھیوں کے پیچھے ساز براق سے سجے گلے
چاندی سونے کی ہیکلیں گلوں میں پڑی ساٹھ گھوڑوں کی قطار جسکے
دو طرفہ سہ شاخوں کی دوڑ۔ اسکے بعد پھر ایک بینڈ باجہ بجاتا جسکے
پیچھے آرائش کے ایک سو ایک تختے۔ جسکے دو طرفہ پنج شاخوں کی دوڑ
اسکے پیچھے تمام روسا شہر جس کے پیچھے بنارس کی روشن چوکی
بجتی دولہا ایک عربی گھوڑے پر سوار دولہا کے خاص خاص احباب
گھوڑے کو گھیر گھوڑے کی لگام دونوں طرف سے دولہا کے دونوں
بھائی پکڑے ہوئے گلریزیں ہتابیاں چھوٹتی ہوئی ساتوں مرزا
شہر کے نامی آتش باز گڈے ہوائیوں کی ہاتھ میں لئے ہوئے
ہر دس قدم پر ایک ہوائی داغتے جسکی زیں چہ چہ چہ چہ آواز فلک
کو توڑ کر اس پار نکل جاتی تھی۔ پیچھے سب کے شہدوں کی ٹولی۔
کوئی پکارتا۔ نواب پھینک یہی دن ہے کہ خزانہ کا کونہ لٹا۔ کوئی کہتا
نواب چوتیوں کا مٹھا ہو کوئی کہتا دولہا کا صدقہ نواب کا بول بالا۔
پھینک۔ چنانچہ کبھی کبھی دس منٹ کے وقفے سے نواب صاحب کے
داروغہ پیسوں اور دونی چونی ملے پیسوں کے مٹھے دولہا کے سر پر سے
پھینکتے شہدے لوٹتے غرض اسطرح آہستہ آہستہ دولہن کے گھر کی

طرف بارات جا رہی تھی۔

جب بارات دولہن کے گھر کے قریب پہنچی آتشبازی جو دولہن کے گھر کے سامنے والے میدان میں گاڑی گئی تھی۔۔۔ آتشبازوں نے داغ دی۔ یک دفعہ گھنگرج چرخیاں ہوائیاں دندلر سینکڑوں کی تعداد میں ہزاروں انار کر بجو سے آسمانیں جو یہاں چھوٹنے لگیں ایک طرف آرائش کے تختے شہر کے اوباش اور شہدے لوٹنے لگے۔ غرض ایک گھنٹہ بارات رکی رہی۔ بہ ہزار وقت نوشاہ کا گھوڑا آگے بڑھایا گیا۔ اور دولہن کے گھر کے دروازے پر جا لگا۔۔۔ نواب فرخ مرزا صاحب اور نواب لڈن صاحب نے نوشاہ کو گھوڑے سے اتروایا۔ اور لا کر محفل میں بٹھا دیا۔

نوشاہ کے محفل میں آکر بیٹھتے ہی طبلہ پر تھاپ پڑی اور بی مشتری جان طوائف نے ناچنا شروع کیا۔ اور بہرا بجنے لگا۔ ناچ ختم ہونے پر باگیسری کی ایک چیز بی مشتری جان ابھی گنگنا ہی رہی تھی کہ نواب فرخ مرزا کے دار وغہ دوڑتے آئے کہنے لگے ناچ گانا بند کر دو۔ مولوی صاحب قبلہ کی پالکی آگئی۔ اتنے میں سامنے سے مولوی نشاط الحسن نمودار ہوئے۔ آکر دولہا کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے محفل میں سناٹا ہو گیا۔ مولوی صاحب نے بیٹھتے ہی ارشاد فرمایا۔ دولہن سے ایجاب و قبول کے لئے کوئی صاحب جائیں۔ نواب فرخ مرزا نے عرض کیا۔ آپ ہی تکلیف گوارا فرماویں۔ چنانچہ مولوی صاحب بسم اللہ کہہ کر کھڑے ہوگئے۔ محلدارنی نے محل میں ہانک لگائی۔ بی بیاں اور بیگماتیں محل میں پردہ کر لیں۔ مولوی صاحب قبلہ تشریف لا رہے ہیں۔ محل میں ایک شور مچ گیا۔ مولوی صاحب آ رہے ہیں پردہ کر دو پردہ کر دو۔

مولوی صاحب دلہن کے کمرے میں داخل ہوئے پردے کے قریب بیٹھ کر فرمایا۔ جہاں آرا بیگم تم نے مجھے اپنا وکیل کرتی ہو کہ تمہارا نکاح نواب عسکری مرزا ولد نواب لڈن صاحب کے ساتھ سات لاکھ روپے سکہ رائج الوقت اور ایک سو ایک اشرفی پر پڑھ دوں اور پردے سے کان لگا دیا۔

اندر بیگماتیں "ہوں" کہنے پر دولہن سے اصرار کر رہی ہیں۔ کوئی کہتی ہے "بیٹی آہستہ سے ہوں کہہ دو" کوئی کہتی ہے "مولوی صاحب قبلہ کو تکلیف ہو رہی ہے جہاں آرا شاباش جلدی ہوں کہہ دو۔

غرض آدھ گھنٹے کے بعد ایک مہین آواز میں "ہوں" سنائی دی۔ مولوی صاحب قبلہ نے فرمایا۔ بس بس میں نے سن لیا۔

مولوی صاحب قبلہ محل سے باہر آئے دولہا سے فرمایا۔ مجھے وکیل کرتے ہو کہ تمہارا نکاح جہاں آرا بیگم دختر نواب فرخ مرزا کے ساتھ سات لاکھ روپے رائج الوقت اور ایک سو ایک اشرفی مہر شاہی پر پڑھ دوں۔ دولہا نے آہستہ سے کہا۔ "وکیل کیا"

نکاح پڑھا گیا۔ نقل لٹایا گیا۔ مولوی صاحب کے ہمراہ نقل، مصری کے کوزے ایک کشتی میں سوا سو روپے ایک اشرفی نوکر لیکر پالکی تک گیا۔ نواب صاحبان بھی گئے اور مولوی صاحب کو رخصت کر آئے۔

دولہا محل میں

رسم آرسی مصحف اور نبات چنائی

خدا خدا کر کے بارہ بجے دولہا محل میں بلایا گیا۔ نواب فرخ مرزا کو نواب لڈن صاحب دولہا کا دونوں طرف سے ہاتھ پکڑے محل کے دروازے تک آئے۔ اور نواب شوکت آرا بیگم اور فردوسیہ بیگم نے محل کے دروازے سے مسند تک دولہا کو پہنچایا۔ دولہا مسند پر دولہن کی بغل میں بٹھایا گیا۔

نواب شوکت آرا (بیٹیوں سے) حسن آرا جمال آرا تم دونوں آرسی مصحف کراؤ۔ اور نبات چنواؤ۔ اور لو یہ آئینہ۔ وہ آیت محبت والی۔ کس پارہ میں یاد ہے نا؟

حسن آرا۔ ہاں ہاں اماں جان جانتی ہوں وہی والقیت

عَلَیکَ مُحَبَّۃً مِنّی۔

شوکت آرا:۔ ہاں ہاں یہی اور دیکھو جب دولہن آنکھ کھولے تو دولہا کا منہ دیکھکر فوراً قرآن دیکھے خبردار خبردار کسی اور بھنوئے پر نظر نہ پڑے۔ اور سنا اسکے بعد دولہن کا جھوٹا شربت چاہے ایک گھونٹ ہی سہی دولہا کو ضرور پلانا۔ سمجھیں کون شربت؟

جمال آرا:۔ اماں چپ بھی رہوگی کہ نہیں۔ دیکھی انگوٹھے والا قرآن اور آئینہ دولہا دلہن کے آگے رکھکر۔

جمال آرا:۔ "کہئے بھائی جان ۔۔۔ بیوی میں تمہارا غلام ہوں آنکھیں کھولو۔"

عسکری مرزانے آہستہ سے کہا:۔ بیوی میں تمہارا غلام ہوں آنکھیں کھولو۔

حسن آرا:۔ کہئے بھائیجان آنکھیں کھولیں؟

عسکری مرزا:۔ انہوں نے تو آنکھیں اور زور سے بھینچ لیں۔

جمال آرا:۔ تین مرتبہ کہئے گا تو آنکھ کھولینگی۔

عسکری مرزا سے آخر سالیوں نے تین بار بیوی تمہارا غلام ہوں کہلوا ہی لیا جب اس پر بھی آنکھ نہ کھلی تو حسن آرا بولی۔ سچ تو یہ ہے جب تک دولہن کے ہاتھ میں ہیرے کی انگوٹھی نہ پہنائیگا اور اشرفیاں ہاتھ میں نہ دیجئے گا دولہن آنکھ نہیں کھولیگی۔

رسم کے موافق فردوسیہ بیگم نے دولہا کو گیارہ اشرفیاں اور ہیرے کی انگوٹھی دے رکھی تھی جو عسکری مرزا کی جیب میں تھی وہ انہوں نے دولہن کے ہاتھ میں پہنا کر اشرفیاں ہاتھ پر رکھائیں۔

ادھر شوکت آرا بیگم بیٹی سے کہنے لگیں۔ بیٹی جہاں آرا آنکھیں کھولدے اب زیادہ اپنے دولہا کو نہ ستا۔ بہنوں نے بھی کہا تو دولہن نے نیم باز آنکھیں کھولیں۔ قرآن دکھایا گیا اور اب نبات کی باری آئی۔ سالیوں نے نبات سات اعضا عروس پر چنوائی اور خوب خوب ڈھکایا جب ایک ایک اشرفی اور سو سو روپے سالیوں کو عسکری مرزا نے نیگ دیا تو جان چھوٹی۔

آرسی مصحف اور نبات چنائی کی رسم کے بعد دولہا باہر محل میں آئے طوائفوں کا ناچ گانا شروع ہوا۔

تاروں کی چھاؤں میں دلہن کی رخصتی
رخصتی کی بارات کی تفصیل

جہیز:۔ ۲۱ صندل آبنوس شیشم کے صندوقوں میں جن پر چاندی کے نقش و نگار کئے پترے جڑے ہوئے تھے۔ دولہن کے کپڑے ۲۱ جالیدار خوانوں میں ۲۱ من تانبے کے برتن۔ پانچ خوانوں میں چاندی کے برتن۔ چینی کے لاتعداد برتن کشتیوں میں سجے ہوئے متعدد جوڑے قیمتی کرسیوں کے۔ پانچ چاندی کی صندوقچیوں میں دلہن کے زیورات پالکی جسپر چاند تارے کا جالیدار پردہ پڑا اس میں دلہن سوار۔ دو چھپر کھٹ تھیں ایک خواص ایک لینڈو گاڑی۔ جسمیں چاندی کا آئینہ لگا دلیروں کی جوڑی جتی ہوئی۔ سنبھشہ آلات تمام استروں اور اسلامبولی اکیس نوکروں میں جنپر ٹول لگائی ہوئی۔ باورچیخانہ کے سامان میں دستپناہ پھکنی تک چاندی کی تھی۔ آگے سارا جہیز اسکے پیچھے گھوڑے پر دولہا سوار اکر شروُ سا تھ ہراسباب ساتھ اسکے پیچھے دلہن کی پالکی جسکے پیچھے سات دیگوں میں بھونڈے کا کھانا۔

غرض دلہن ماں باپ بہنوں سے گلے ملکر رخصت ہوئی اور یہ رخصتی کی بارات جب پہونچتے نواب لڈن صاحب کے گھر جا لگی عسکری مرزا کی بہنوں نے دروازہ روکا ان کو سات سات اشرفی نیگ ملا۔ دولہن کو گودی میں اٹھا کر دولہا نے محل کے اندر پہنچایا۔

محل میں دلہن کے آنے کا شور مچ گیا۔ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی بمشکل دولہن حجلۂ عروسی میں پہنچائی گئی۔ رشتہ والے

رہ گئے۔ باقی جملہ مہمان مرد عورت اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہوئے ...... صبح کو منہ دکھائی کی رسم ادا ہوئی۔ سینکڑوں روپے اشرفیاں منہ دکھائی دلہن کو ملی۔

چوتھی کی رسم

رسم کے موافق جب دلہن اپنے میکے رخصت ہو کر گئی تو چوتھے دن پھر چوتھی کی دولہن بنائی گئی۔ سسرال سے فردوس بیگم ہبنت النسا بیگم، گوہر بیگم، لاڈلی بیگم اور چند عزیز و اقارب دولہن کے گھر آئے۔ شوکت آرا بیگم عصمت آرا، عفت آرا اور چند بیگمات دروازے پر استقبال کے لئے گئیں ...... ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک گچھے دار چھڑی جن پر پھول لپٹے ہوئے دو طرفہ آکر کھڑی ہوئیں جونہیں سمدھنیں داخل ہوئیں انہوں نے ان کے چوٹروں پر چھڑیاں جمانا شروع کیں کہ ملبلا اٹھیں ان لوگوں سے چھڑیاں چھین چھین کر ان کو بھی خوب خوب پھڑ بلیں جمائیں۔ دولہا بھی تھوڑی دیر میں آیا۔ دولہا دولہن ایک جگہ مسند پر بٹھلائے گئے۔ ان کو بھی سالیوں نے آپس میں چوتھی کھلوائی۔ پہلے دولہن نے دولہا کو چھڑی جھلائی پھر دولہا نے آہستہ سے دولہن کو چھڑی لگائی۔ پھل پھلیریاں حسب رسم درو ان سینیوں میں لا کر رکھی گئی تھیں آپس میں سمدھنوں میں خوب خوب اچھلیں۔ کسی نے کسی کو بینگن اٹھا کر دھم سے پیٹھ پر مارا۔ دوسری امرود اسکے کرو دیئے پر مارا...... اسکے بعد گانا شروع ہوا۔

دودھ بہترین غذا ہے

دنیا کے بہترین اور بڑے بڑے تجربہ کار انسان اس حقیقت کو تسلیم کر چکے ہیں کہ دودھ بہترین غذا ہے۔ اگر مجھ سے سوال کیا جائے کہ اطفال کو طاقت دینے والی غذا کونسی ہے۔ جوان کی نشوونما میں مدد دیتی ہے۔ جو نوجوانوں کے دل و دماغ کو طاقت دیتی ہے۔ جو بیماروں کو صحت عاجل اور کامل بخشتی ہے۔ جو ضعیفوں اور سن رسیدہ اشخاص کے لئے نہایت مفید ہے؟ تو میں کہونگا کہ یہ چیز "دودھ" ہے۔ اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ حقیقی معنوں میں اکسیر کونسی ہے؟ تو میں کہونگا "دودھ" ہے۔ خدا نے اور اس کے بندوں نے جس چیز کو سب سے زیادہ پسند کیا ہے اور جسمیں خدا نے اپنی برکتیں بھر دی ہیں وہ "دودھ" ہے۔

ہندو خاص طور پر دودھ کو پسند کرتے ہیں۔ زمانہ قدیم کے ہندو دودھ کی بہت تعریف کرتے تھے۔ وہ اسکی اصلی قدر و قیمت کو سمجھتے تھے۔ وہ خدا رسیدہ ہندو جنہیں رشی کہا جاتا ہے جو خدا کی عبادت کے لئے دنیا ترک کر دیتے تھے گائیں پالنا نہیں چھوڑتے تھے۔ ان کے پاس کثیر تعداد میں گائیں رہتی تھیں۔ جن سے وہ دودھ گھی حاصل کرتے تھے۔ برہمنوں اور کایستھوں کی اکثر "گوتھیں" انہیں رشیوں کی گوتھوں کے نام موسوم ہیں۔

دودھ کے خاص اجزاء

دودھ کے خاص اجزا حسب ذیل ہیں:-

کیسین اور لبنی البیوس۔ مادہ لحمیہ اور مادہ شحمیہ۔ شکر۔ نمک اور خصوصاً کیلسیم (چونا) میگنیشیم۔ پوٹاس اور سوڈا۔ دودھ کے اندر فولاد بہت کم ہوتا ہے لیکن اسکے اندر حیاتین بہت زیادہ مقدار میں پائے جاتے ہیں۔

حیاتین الف۔ حیاتین ب، حیاتین جیم۔ دودھ میں حیاتین کے علاوہ ([illegible]) بھی ہوتی ہیں۔ (یہ دودھ کے ایسے اجزاء ہیں جو امراض سے انسان کو محفوظ رکھتے ہیں) اسمیں حیاتین ڈی بھی پائی جاتی ہے۔ (جو انسان کے اعوجاج عظام سے محفوظ رکھتا ہے۔) یہ ان گایوں کے دودھ میں زیادہ پایا جاتا ہے جو تازہ ہوا میں رہتی ہیں۔ اور جو بڑی چراگاہوں میں چرتی ہیں۔

دیہاتی گائیں

سب گائیں ایک ہی قسم کا دودھ نہیں دیتیں۔ ان کے دودھ مختلف ہوتے ہیں۔ ماں کے دودھ میں اور گائے کے دودھ میں کیسین زیادہ اور شکر کم ہوتی ہے۔ بکری کے دودھ میں مادہ لحمیہ اور شحمیہ کسی قدر زیادہ اور شکر کسی قدر کم ہوتی ہے۔ گدھی کے دودھ میں شحم کم ہوتی ہے۔ اجزا کے اس اختلاف کے علاوہ نسوانی دودھ میں شحم بہت اچھی طرح حل شدہ ہوتی ہے اسکا مادہ لحمیہ بھی بہترین قسم کا ہوتا ہے جس سے معدہ میں نہایت اچھا "کیسین" پیدا ہوتا ہے۔

غذا میں مادۂ لحمیہ کی موجودگی جسم کی نشوونما میں معاون ہوتی ہے اور جسم کے ضعف کو رفع کرتی ہے۔ ہمارے جسم کے اندر اس سے بیسیوں قسم کے "اینو" "ایسیڈس" پیدا ہوتے ہیں۔ یہ حامضات جسم میں اینٹوں کی مثل ہوتے ہیں ان حامضات میں سے ہسٹیڈین لیسین (Lysine) اور سسٹین (Cystine) جسم کی نشوونما کے لئے لازمی ہیں اور ٹرپٹوفین (Tryptophan) زندگی کیلئے ضروری ہے۔ دودھ کا مادہ لحمیہ بہترین قسم کا ہوتا ہے اینو ایسیڈس (حامض امینی) کثیر تعداد میں شامل ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مادہ لحمیہ کے لحاظ سے دودھ بہترین سمجھا جاتا ہے۔ دوسری غذاؤں میں مادہ لحمیہ ایسا اچھا نہیں پایا جاتا۔ یہی سبب تھا کہ ہندوستان میں برہمن، دودھ، چاول، آلو، شیریں پھل اور ترکاری کو پسند کرتے تھے۔ اگر کسی شخص کی غذا میں مادہ لحمیہ کی کمی ہے تو وہ مرض اعوجاج عظام اور فقر الدم میں مبتلا ہوجائے گا۔ عضلات کمزور ہوجائیں گے اور تنفس میں تکلیف ہوگی۔ وہ زیادہ محنت نہ کرسکے گا۔ جن اطفال کو مادۂ لحمیہ کم پہنچتا ہے۔ ان کے دانت دیر میں نکلتے ہیں۔ اور انکی نشوونما میں خامی رہ جاتی ہے۔

اطفال کیلئے کس قسم کا دودھ ضروری ہے

اطفال کی غذاؤں میں دودھ بہترین غذا ہے۔ یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ ان کی نشوونما میں دودھ معاون ہوتا ہے۔ دوسری کوئی غذا نشوونما کے لئے اسقدر مفید نہیں ہوسکتی اسمیں نسبتاً (Calories of heat) بھی زیادہ ہوتی ہے۔ (یعنی اسکے اندر حرارت پیدا کرنے کی ...... طاقت دینے کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ یہ اعصاب کے لئے بہترین غذا ہے۔ اور اعصاب کو تسکین دیتا ہے۔ یہ بہترین معدنی اجزا کی ایک اعلیٰ معدن ہے۔ یہ ہمارے جسم کے غدد کو متحرک کرتا ہے۔ (Endocrines) اسکی وجہ سے خون کا دوران جاری رہتا ہے۔ ماں کے پستان کے دودھ کے اندر جراثیم کا وجود نہیں پایا جاتا۔ گائے کے دودھ میں شاذ و نادر جراثیم پائے جاتے ہیں۔ ماں کے پستان کا دودھ حقیقتاً درست طریقہ پر جاری ہے۔

چھ ماہ کے بعد بچے کے لئے محض دودھ کافی نہیں ہوتا۔ اگر عرصہ تک بچہ کو صرف دودھ ہی بطور غذا دیا جائے تو بچہ بیمار ہوجاتا ہے۔ اسکی اشتہا غذا کے لئے کم ہوجاتی ہے اور اس کے براز میں معدنی اجزا خارج ہوجاتے ہیں۔ اس کو مرض فقر الدم لاحق ہوتا ہے۔ اور کافی مقدار میں دودھ نہ پہنچنے سے بچہ کمزور اور نحیف ہوجاتا ہے۔ سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد ہمارے جسم میں مادہ لحمیہ بہت کم جمع ہوتا ہے لیکن جو بچہ دودھ پیتا رہتا ہے۔ اسکے جسم میں دودھ کا مادہ لحمیہ کافی مقدار میں جمع رہتا ہے۔ بچوں کے لئے چار ماہ تک دودھ نہایت ضروری ہوتا ہے۔ اسکے بعد دودھ دیتے رہنا درست ہے۔ میں نے ابتدا میں کہا ہے کہ بچہ کے لئے ماں کا دودھ زیادہ مناسب ہوتا ہے۔ یہاں میں نے دودھ سے ماں کا دودھ مراد لیا ہے۔ سات ماہ کے بعد گائے کا خالص دودھ بچہ کو ماں کے دودھ کے بجائے دیا جاسکتا ہے۔

بڑے بچوں کے لئے دودھ اور روٹی کا استعمال مفید ہوتا ہے۔ گوشت سے ان کو بڑا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ انڈے کے علاوہ کوئی دوسری غذا علیحدہ طور پر یا کسی غلہ کے ساتھ دودھ کے مقابلہ میں مفید نہیں ہوسکتی۔ غذا کے ساتھ اگر دودھ شامل

ہو تو اس سے بچہ کو زیادہ طاقت حاصل ہوتی ہے۔ غلہ اور ترکاریاں زندگی کو قائم رکھ سکتی ہیں لیکن دودھ زیادہ طاقت دیتا ہے۔ جن لڑکوں کو معمولی غذا کے علاوہ دودھ دیا جاتا ہے وہ طویل القامت، زیادہ چست اور تندرست ہوتے ہیں ۱۶ برس کے لڑکوں کو کم از کم روزانہ ایک سیر دودھ دیا جانا چاہئے۔

دودھ کے خطرات

میں بڑی حد تک دودھ کے فوائد بیان کر چکا ہوں۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسکے استعمال میں خطرات بھی ہیں یا نہیں؟ مجھ سے اگر اسکے متعلق دریافت کیا جائے تو میں کہونگا کہ بہت خطرات ہیں۔ خصوصاً ہندوستان میں اسکی وجہ یہ ہے کہ یہاں گائیں گندہ طریقہ پر پرورش پاتی ہیں۔ وہ سر سے پاؤں تک گرد و غبار میں اٹی رہتی ہیں۔ ان کے جسموں پر گرد و غبار کے علاوہ گوبر لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ دودھ دوہنے والے کے ہاتھ اور برتن بھی اچھی طرح صاف نہیں کئے جاتے۔ دودھ میں جو پانی شامل کیا جاتا ہے وہ بھی صاف نہیں ہوتا۔ گھی نکالنے کے واسطے جو تھانی استعمال کی جاتی ہے وہ میلی ہوتی ہے۔ دودھ کے برتن میں میلی پتیاں محض اسلئے ڈالی جاتی ہیں کہ دودھ چھلکے نہیں۔ خریدار دودھ کے اندر میلے ہاتھ ڈالکر اس کو دیکھتے ہیں کہ اچھا ہے یا نہیں؟ اور اپنے بھی گندے برتن دودھ نکالنے میں استعمال کرتے ہیں۔ اب دودھ اگر انسان کے امعاء میں مزمن امراض یا شدید امراض پیدا کرے تو اس امر پر ہمیں حیرت نہ ہونی چاہئے۔

تمام مغربی ممالک میں پہلے عام طور پر کچا دودھ پینے کا رواج تھا۔ لیکن جب سے تپ دق کی زیادتی ہوئی ہے ان ممالک میں دودھ کو Pasteurize کیا جانے لگا ہے دودھ کو ابلنے سے اسکے بعض اجزا خراب ہو جاتے ہیں۔ دودھ کی حیاتین سی ابالنے سے ضائع ہو جاتی ہے۔ اسلئے مغربی ممالک میں وہ ابلا ہوا دودھ استعمال نہیں کرتے ہیں بلکہ پاسٹرائز کیا ہوا استعمال کرتے ہیں۔ دودھ ۲۱۲ درجہ حرارت پر ابلتا ہے۔ لیکن پاسٹرائزیشن کے عمل میں اسکو جلد ۱۴۵ درجہ حرارت پر پہنچایا جاتا ہے۔ اور اس درجہ پر اسکو ۳۰ منٹ تک رکھا جاتا ہے۔ اسکے بعد اسکو جلد ۵۰ درجہ حرارت پر سرد کر لیا جاتا ہے۔

اس عمل سے دودھ کی مقدار یا نوعیت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ اسطرح حرارت پہنچنے پر وہ زیادہ زود ہضم ہو جاتا ہے۔

جدید زنانہ تعلیم

(از محترمہ شریمتی دیوکی دیوی صاحبہ)

ہندوستان کے اکثر زنانہ اسکولوں میں انگریزی زبان کی تعلیم دیجاتی ہے۔ کسی غیر ملکی زبان کا سیکھنا برا نہیں ہے بلکہ اسلئے اچھا ہے کہ اسکے ذریعہ سے دنیا کے حالات۔ طرز معاشرت اور مختلف وقتوں کی مختلف تحریکوں کا پتہ چلتا ہے۔ ہماری تعلیم اسوقت تک مکمل نہیں کہی جاسکتی جب تک ہمیں اسکا علم نہ ہو کہ ہمارے ملک کے باہر کیا ہورہا ہے اور دوسروں کی ترقی کی رفتار کیا ہے۔ اکثر حالتوں میں یہی واقفیت ہماری اصلاح کا ذریعہ بنجاتی ہے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہر ملک کے لٹریچر اور تہذیب و تمدن میں اچھائیاں بھی ہیں اور برائیاں بھی ہیں۔ خیر بھی ہے اور شر بھی ہے اسی لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم صحیح نقطہ نگاہ سے دیکھکر اور عقل و شعور کو کام میں لاکر صرف اچھی چیز کا انتخاب کریں اور عام مفاد کیلئے ان کو اپنے ملک میں جاری کریں ہر غیر ملکی طریقہ کی اندھی تقلید اور ہر غیر ملکی روش کو اپنی زندگی میں داخل کرلینا ہمارے اصلی تمدن اور معاشرت کو تباہ کردینے کا باعث ہوگا۔ پھر ہماری حیثیت دوسرے کے رنگوں میں رنگی ہوئی گڑیا سے زیادہ نہ ہوگی۔ چونکہ آجکل انگریزی تقلید کا میلان ہماری کمسن نسل میں پایا جاتا ہے اسلئے ضرور ہے کہ ہم غیر ضروری اور مضر چیزوں سے ان کو روکیں لڑکیوں کو اس مغربی طوفان سے بچانے کا ذریعہ یہ ہے کہ ان کو صحیح طریقہ کی تعلیم و تربیت دیجائے۔ خود اسمیں ایسا اعتدال و توازن پیدا کیا جائے کہ دوسرے ممالک کی مفید چیزوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی شاندار قومی روایات کو نہ بھولنے پائیں۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ ہندوستان کے زنانہ اسکولوں میں انگریزی کی تعلیم نے لڑکیوں کی عام ذہنیت اور خیال میں کیا تبدیلی پیدا کردی۔

وہ زنانہ تعلیم جو صرف غیر ملکی طریقوں پر چلائی جاتی ہے۔ ایک تو بہت مہنگی پڑتی ہے۔ دوسرے ہندوستانی عورتوں کی سادہ زندگی اور بہترین روایات سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ جدید اسکولوں کی لڑکیوں کا ماحول بھی کچھ ایسا ہے کہ ان کو اپنی گھریلو زندگی اور معاشرت کے لئے ایسی نئی نئی چیزوں کی ضرورت...... کا احساس ہونے لگتا ہے۔ جن کا خیال بھی ان کو اس سے پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔ اسلئے ان کی طبیعت فضولخرچی اور مسرفانہ زندگی کی طرف مائل ہوجاتی ہے۔ اور کم خرچ سادہ زندگی سے متنفر ہوجاتی ہے۔ اسکولوں اور کالجوں سے نکلنے سے پہلے ہی لڑکیوں کو دنیا کے جدید ترین فیشن اور سنگار کے نئے نئے سامان کی اتنی مکمل معلومات حاصل ہوجاتی ہیں کہ جب وہ خانگی زندگی میں داخل ہوتی ہیں تو اپنے آپ کو ایک خوش نظم اور کفایت شعار بیوی اور ماں نہیں بنا سکتیں۔ اکثر حالتوں میں وہ امور خانہ داری سے بالکل ناآشنا ہوتی ہیں اسمیں شک نہیں کہ ہندوستان میں موجودہ نسل سے پہلے کی عورتیں ایسی فیشن پرست نہ تھیں اور گھر کے کام کاج سے

بے پروا نہ ہوتی تھیں۔

اسکے علاوہ نئی روشنی کی لڑکیاں اب ان پیشوں پر بھی قبضہ کرنا چاہتی ہیں جو پہلے صرف مردوں کیلئے ہی مخصوص تھے۔ ان کی کوئی مخالفت نہیں کیجا سکتی اور عورتوں کی ترقی و آزادی کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ وہ کاروبار میں بھی برابر حصہ لے سکیں۔ لیکن اس راہ میں جو سب سے بڑی مشکل ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان کی موجودہ اقتصادیات اس ملک کے باشندوں کے مفاد میں نہیں ہیں۔ بلکہ غیر ملکی مفاد پر مبنی ہیں۔ کام یا ملازمت کے نہ ملنے کے باعث ہندوستان میں تعلیمیافتہ بے کاروں کی کثرت روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ اور اسکی وسعت اتنی غیر معمولی بات ہے کہ حکومت بیکاروں کی مردم شماری بھی نہیں کرتی۔ اسلئے عورتیں اگر اپنے گھروں کے باہر ملازمت کرنے کی طرف رجوع ہو جائینگی تو بیکاری میں بہت اضافہ ہو جائیگا۔ جس کا ردعمل آخرکار خود ان کی حالت پر بھی ہوگا۔ جب ملکی اقتصادیات خود ملک کے ہاتھ میں ہوں گی تو یہ صورتِ حال آسانی بدل دی جاسکتی ہے۔ عورتوں کو حق حاصل ہے کہ وہ مردوں کے دوش بدوش تمام وقتی تحریکوں میں حصہ لیں اور اصلی قومی ترقی اسی حالت میں ممکن بھی ہے۔

لیکن ترقی نسواں کے ساتھ یہ ضروری امر نہیں ہے کہ مغربی تہذیب و تمدن کی تمام معاشی و اخلاقی خرابیاں بھی اپنی حالت میں جذب کرلی جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس بڑھتی ہوئی خرابی کی روک تھام کی جائے اور زنانہ اسکولوں کے نصاب کی درستگی اور مفید درسی کتابوں کی ترویج کے ذریعہ موجودہ عورتوں کی اصلاح کیجائے۔ اسوقت جو درسی کتابیں رائج ہیں ان میں کسی معقول انتخاب سے کام نہیں لیا گیا ہے اور امور خانہ داری اور گھریلو صنعتوں کی تعلیم بہت ہی کم اور محدود ہے۔ لڑکیوں کو کام کاج سیکھنے سے زیادہ فیشن سیکھنے کا شوق ہو جاتا ہے۔ اسلئے تعلیم نسواں کے مدعیوں کو چاہیئے کہ ان کی تعلیم کے پورے نصاب پر نظر ثانی کریں۔ اور اسکولوں اور کالجوں میں سادہ زندگی، کفایت شعاری، خانہ داری، بچوں کی تربیت، لباس اور وضع میں احتیاط، قومی کاموں میں بلند حوصلگی، ایثار و قربانی اور اسطرح کے دیگر مفید اوصاف کی تعلیم جاری کریں۔ یہی وہ ملک ہے جہاں کی عورتیں بہادر ہوتی تھیں۔ اور انتظام خانہ داری میں باہر بھی تعلیم بھی ایسی ہی ہونی چاہیئے کہ ہندوستانی عورت میں یہ دونوں اوصاف جمع رہیں۔

ہر لڑکی جب اسکول آتی ہے تو سب سے پہلے اپنی معلمہ کے خیالات اور اوصاف سے متاثر ہوتی ہے۔ معلمہ کی شخصیت متعلمہ کے دل و دماغ پر ایک مستقل نقش پیدا کر دیتی ہے۔ اسلئے ضروری ہے کہ نصاب تعلیم کی اصلاح کے ساتھ زنانہ اسکولوں کی ٹیچروں کو بھی اخلاقی اور معاشرتی اصلاح کی طرف رجوع کیا جائے۔ ٹیچر اپنے لباس اور وضع میں جہاں تک سادگی کا خیال رکھے گی اتنی ہی زیادہ سادگی اسکی کمسن شاگردوں میں پیدا ہوگی۔ اسلئے زنانہ ٹیچروں کے انتخاب و تقرر میں اس کا بہت خیال رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ یہی وہ ہستیاں ہیں جنکے اخلاق و عادات کا عکس ہماری لڑکیوں پر پڑتا ہے۔

کیا آپکے محلہ میں کوئی زنانہ اسکول نہیں ہے اگر نہیں ہے تو بندوبست کیجیے۔

گھر عورت کی جنت ہے

(از محترمہ فراست جہاں بیگم صاحبہ)

بہت سی فیشن ایبل ہندوستانی عورتیں اپنی بہنوں پر طنز فقرے کستی ہیں جو پردے کی پابند ہیں اور شاذو نادر ہی گھروں سے نکل کر پبلک تفریح گاہوں کی رونق بنتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ عورتیں طائران قفس کی مانند گھروں کی چار دیواری میں بند ہیں۔ دوسرے لفظوں میں انہیں قید میں بند کر دیا گیا ہے۔

ہر بات کے مختلف پہلو ہوتے ہیں۔ عورتوں کا اس طرح گھر کی چار دیواری میں بند ہونا ان کی صحت بگڑ جانے یقیناً مضر ہے۔ مگر اس تصویر کا ایک دوسرا رخ بھی ہے جسے حضرت اکبر الہ آبادی نے ظریفانہ پیرایہ میں دکھایا ہے۔ حامدہ چمکی نہ تھی تعلیم سے بیگانہ تھی اب ہے شمع انجمن پہلے چراغ خانہ تھی

مگر ہم اس مضمون میں ان دونوں سے گریز کرتے ہیں اور ایک اور ہی پہلو پیش کرنا چاہتے ہیں۔

ایک انگریز مسٹر چارلز ڈبلیو فرگسن نے انگریز عورتوں کی موجودہ حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "جو عورتیں بے مقصد ملاقاتوں، برج پارٹیوں اور موٹروں میں خواہ مخواہ اڑی پھرنے سے تھک چکی ہیں میں تسکین زندگی کے حصول کا ایک نسخہ بتاتا ہوں۔ وہ نسخہ یہ ہے کہ وہ گھر میں رہنے کے فن لطیف کی مشق کریں۔"

نامناسب نہ ہوگا اگر اس خوشگوار فن یعنی گھر پر رہنے کے آرٹ کے چند نکات بتلائے جائیں۔ یہ مردوں کیلئے بھی اتنے ہی مفید ہیں جتنے عورتوں کے لئے۔

گھر کو اپنا قلعہ سمجھو۔ گھر ایک پناہ گاہ ہے۔ جہاں مرد عورت دنیا سے بھاگ کر قلعہ بند ہوتے ہیں۔ اس قلعہ کو اتنا مستحکم بنا لینا چاہئے کہ کام کاج کے اوقات کے بعد گھر میں بند ہو جاؤ۔ اور اس وقفہ کو صرف شریک زندگی کی ملکیت سمجھو۔ کسی دوست یا سہیلی کو اس دوران میں گھر کے محفوظ قلعے میں داخل نہ ہونے دو۔ اس کو اپنا پکا اصول بنا لو۔ اگر دن میں کوئی پوچھے بھی کہ آج شام یا شب کے لئے کوئی پروگرام ہے تو فوراً کہہ دو کہ بڑی مصروفیت ہے۔ خواہ تمہیں وہ وقت کوئی کتاب ہی پڑھ کر گذارنا پڑے۔ احباب یا سہیلیوں کو زمی سے سمجھا دو۔

گھر پر رہنے کی عادت مستحکم ہو جائے تو اسکا اولین نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان ان کاموں کی طرف متوجہ ہوتا ہے جنہیں انجام دینے کی مدتوں سے آرزو ہوتی ہے جو فرصت نہ ہونیکی وجہ سے ان ہوئے پڑے تھے۔ اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے سوچ بچار کی قوت بڑھتی ہے۔ مقولہ ایک اہل قلم کے سوچنا یا تفکر خود سے گفتگو کرنا ہے۔ اگر تمہیں اپنے آپ سے گفتگو کرنیکا فن آ جائے تو زندگی کا بہترین شغل نصیب ہو جائیگا۔ جو لوگ اپنے آپ سے باتیں کرنیکے فن سے واقف ہو جاتے ہیں انہیں دنیا کے معاملات کو سلجھانیکا سلیقہ آ جاتا ہے کیونکہ جب ایک انسان اپنے آپ سے باتیں کرنے بیٹھتا ہے تو اسے خواہ مخواہ صحیح اور جینت انداز تفکر اختیار کرنا پڑتا ہے۔ دوسروں سے باتیں کرنے میں بہت سی باتیں ان سے چھپائی جا سکتی ہیں مگر خود سے کوئی کیا چھپائے۔

اس وقفہ کو کبھی کبھی خوشگوار مطالعہ میں صرف کیا جائے تو اس سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ تفریحی مطالعہ کا مطلب بیکار قسم کا لٹریچر پڑھنا نہیں ہے۔

بچوں کی دنیا

رچرڈ آرک رائٹ

(از جناب کوئی صاحب)

بچو! آج ہم تم کو ایک ایسے شخص کی زندگی کے حالات سناتے ہیں جو کسی طرح بھی تم سے بہتر حالت میں پیدا نہیں ہوا تھا نہ اس کو کوئی بڑی رقم کسی ورثہ میں ملی تھی۔ اور نہ ہی اس کو تجربات کرنے کے لئے سرکاری وظیفہ۔ محض اپنی کوشش اور مستقل مزاجی سے اس نے سوت کاتنے کی مشین ایجاد کی۔

جس روئی سے سوت بنتا ہے۔ اس کی قیمت عموماً پانچ آنے سیر کے قریب ہوتی ہے۔ اور بنے ہوئے سوت جو اچھی قسم کے ہوں انکی قیمت چار روپے سیر تک ہوتی ہے۔

جو کارخانہ روئی سے سوت بنانے لگتا ہے۔ عموماً اس کے مالکان کا شمار کروڑپتی انسانوں میں ہوتا ہے۔

اپنی قوم کا آج تک ایک کارخانہ بھی ایسا نہیں ہے جو یہ کام کرتا ہو۔

ہاں تو اس شخص کا نام رچرڈ آرک رائٹ تھا۔ اور اس کے کل تیرہ بہن بھائی تھے۔ اس کے ماں باپ اس قدر غریب تھے کہ اس کو تعلیم کے لئے صرف جاڑے میں اسکول بھیجدیتے تھے۔ کیونکہ جاڑے میں اسکول مفت تعلیم دیتے تھے۔ لہذا اسیطرح اس نے تھوڑی سی تعلیم حاصل کی اور ۱۳ برس کی عمر میں ایک نائی کا شاگرد ہو کر حجامت کا کام سیکھنا شروع کر دیا۔

مسلسل ۷ سال نائی کا کام سیکھا۔ اور شہر بولٹن میں ایک تہ خانہ میں کام کھولکر بیٹھ گیا۔ مگر اسکے ہاں گاہک بہت کم آتے تھے۔ اور بیچارہ کبھی کبھی تو دو دو وقت کھانا بھی نہ کھا سکتا تھا۔ آخر ایک روز اس نے ہمت کی اور نئی طرز کا ایک بورڈ دوکان پر لگوایا۔

"زمین دوز نائی کے پاس آؤ۔ وہ ایک آنہ میں نہایت صفائی سے آپ کی حجامت بنادے گا۔"

بولٹن میں عام شرح حجامت چونکہ دو آنہ تھی۔ لہذا اب اسکے ہاں لوگ خوب آنے لگے۔

مگر چند ہی دنوں میں اور حجاموں نے بھی اپنی شرح ایک آنہ کر دی اور رچرڈ صاحب پھر مکھیاں مارنے لگے۔

اب رچرڈ صاحب نے شرح اور کم کی اور صرف چھ پائی فی حجامت پر اتر آیا۔ اس سے اس کی دوکان کی پھر دھوم ہوئی۔ اور کام اس قدر بڑھا کہ اس نے دوسری دوکان لے لی۔ کئی ملازم رکھے۔ اور ساتھ ہی ساتھ مصنوعی بال بنانے کا کام شروع کردیا۔

مگر بدقسمتی سے مصنوعی بالوں کا فیشن کم ہونے لگا۔ اور پھر رچرڈ کو خرچ کی تنگی ہونے لگی۔ لیکن اس نے ہمت نہ ہاری اور اب یہ سوچنا شروع کیا کہ کسی ایسے کام میں ہاتھ ڈالا جائے جو مستقل ہو۔

اس وقت انگلستان میں سوت صرف ہاتھ سے چرخہ کی مدد سے کاتا جاتا تھا۔ اور ہمیشہ سوت کی مانگ رہتی تھی۔ لہذا اس نے روئی سے سوت بنانے کی مشین بنانی شروع کی۔ اس کوشش میں اس کا تقریباً سب اندوختہ ختم ہوگیا۔ اور نائی کا کام بھی خراب ہوگیا۔ غرض یہ کہ وہ انتہائی افلاس کی حالت کو پہنچ گیا تو ایک دن اسکی بیوی نے غصہ میں آکر تمام موڈل توڑ دئے تاکہ رچرڈ اس خیال کو چھوڑ دے اور پھر نائی کے کام کی طرف توجہ دینے لگے۔

مگر رچرڈ کا ارادہ ایک چٹان کی طرح تھا اس نے ہمت نہ ہاری اور پھر اسی کام میں لگ گیا۔ حتیٰ کہ ایک دن اسکے نمونے تیار ہوگئے۔ وہ ان کو لیکر ایک انجینئر کے ہاں گیا تاکہ وہ ایسی مشین اسکو بنادے مگر اسکی خستہ حالی دیکھکر انجینئر صاحب نے ان کو دھکے دلوا دیا اور بات کرنی بھی گوارا نہ کی۔

رچرڈ اپنے نمونوں کو لیکر دوسرے قصبہ میں گیا۔ ایک دوکاندار کو نمونے دکھائے اور اس دوکاندار نے شریک ہونا منظور کرلیا۔ اور مشین تیار ہوگئی۔

اسوقت انگلینڈ میں جہالت کا دور دورہ تھا اور لوگ جادو ٹونے پر یقین رکھتے تھے اور مشینوں سے نفرت کرتے تھے۔ لہذا اس اندیشہ کے پیش نظر رچرڈ نے اپنی مشین جنگل میں لگوائی کیونکہ انھیں دنوں ایک اور شخص نے بھی اسی قسم کی ایک مشین بنائی تھی تو اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ اسکے گھر میں گھس کر مشین توڑ آئے تھے محض اسلئے کہ اگر آدمیوں کا کام مشین کرنے لگی۔ تو انسان بھوکے مرجائینگے۔

جب اسکا تجربہ کامیاب ہوگیا تو اس نے بڑے پیمانہ پر کارخانہ قائم کیا اور اعلیٰ قسم کا سوت بنانا شروع کردیا نتیجہ یہ ہوا کہ بازار کے تمام کپڑوں سے اسکے سوت کا کپڑا اچھا اور سستا ہوتا۔ اس چیز کو دیکھکر اور کارخانہ والوں نے اسکے مال کا بائیکاٹ کردیا۔ اور اس کے کارخانوں کا بنا ہوا سوت حالانکہ اچھا ہوتا مگر کوئی نہ لیتا۔ مگر اس نے اس پر بھی ہمت نہ ہاری اور اپنے سوت سے خود ہی اپنے کارخانوں میں کپڑا بھی تیار کرنے لگا۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ اسکے مخالفین لاچار ہوگئے۔

اب انہوں نے خفیہ کوشش شروع کی کہ لوگوں کو بھڑکا کر اسکے کارخانہ پر حملہ کرایا جائے۔ اور اسطرح اسکے ایک پورے کارخانہ کو تباہ بھی کردیا گیا۔

جب ہر طرح سے اسکے مخالفین ناامید ہوگئے تو اسکے خلاف ایک جھوٹا مقدمہ دائر کردیا کہ جو مشین یہ اپنی بنائی ہوئی بتاتا ہے دوسرے شخص نے بنائی ہے لہذا اس مشین کا حق صرف اس کو ہی نہیں ہے سب کو حق ہے کہ ایسی مشین بناکر استعمال کریں۔ یہ مقدمہ رچرڈ ہار گیا اور کمرہ عدالت سے نکلتے ہوئے اسکے ایک دشمن نے آوازہ کسا "نائی کو نائی بنا دیا ہے"۔ اس پر اس نے نہایت اطمینان سے کہا "میرے پاس ایک استرہ ہے جو تم سب کو مونڈ دیگا"۔

اور یہ اس نے کر دکھایا کیونکہ اس نے باوجود اسکے کہ اسکی مشین کی نقل دوسرے کرنے لگے تھے۔ اس نے نہایت جانفشانی سے کام کا بڑھانا جاری رکھا اور آخر ایک دن ۱۷۸۶ء میں اسکی خدمات اور محنتوں کا صلہ حکومت نے اسکو خطاب کی صورت میں دیا۔ شہریوں نے اسکو ڈربی شہر کا سب سے بڑا چودھری بنایا اور وہ نائی اب ایک مسلمہ کروڑپتی ہوگیا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ کام میں پڑ رہو جائے مگر بے طریقہ نہ ہو تو آدمی ایک روز فتح ضرور پاتا ہے"۔ وہ ۵۰ برس کی عمر کے بعد بھی صبح ۶ بجے سے رات کے ۱۰ بجے تک کام کرتا تھا اور باوجود اسقدر میل و عدیم الفرصت ہونے

نظم

محنت

از محترمہ سعیدہ بیگم بنت محمد اسمٰعیل لندوائے

علم کی دولت کمالی جس نے وہ ہے مالدار
ہے یہ وہ دولت کہ نا ممکن ہو دنیا سے شمار

عزم جو کچھ ہو، مگر وہ پختگی کے ساتھ ہو
جو ارادہ دل میں پیدا ہو نہایت پائدار

محنتیں ضائع نہیں جاتیں کسی کی اے عزیز
سب کی محنت کا صلہ دیتا ہے خود پروردگار

بارآور کوششیں ہوتی ہیں ہر انسان کی
سینچتا ہے باغباں پودے تو آتی ہے بہار

رات دن تو دیکھتی ہے کوششوں کا ماحصل
پھونک کی محنت سے پگھلاتا ہے لوہے کو لوہار

تو جو چاہے میں بلا محنت کے کچھ حاصل کروں
غیر ممکن ہے سعیدہ چاہے سر پٹکے ہزار

لطیفہ

(جناب فیروز احمد صاحب پنجابی اسلامیہ اسکول دہلی)

مالک نوکر سے۔ "میں نے تمہیں کئی بار کہا ہے کہ جو چیز بھی لاؤ پلیٹ میں لاؤ"

نوکر۔ "اچھا حضور آئندہ ایسا ہی ہوگا"

ایک دن مالک کے بہت سے دوست بیٹھے ہوئے تھے مالک نے نوکر کو آواز دی کہ جلدی میرا جوتا لے آؤ۔ نوکر جلدی سے جوتے کو پلیٹ میں رکھ کر نمودار ہوا۔ یہ دیکھ کر تمام دوست ہنس پڑے اور مالک کا پارہ ۱۰۲ ڈگری تک پہنچ گیا۔ اور کہا کہ تمہیں کس نے کہا تھا کہ پلیٹ میں جوتا لاؤ" نوکر:۔ "حضور آپ ہی نے تو کل فرمایا تھا کہ

نیکی کا بدلہ

از جناب محمد الیاس حسن صاحب گلاس ورکس والے

صبح عید تھی اور ناصر کے گھر میں بچوں نے اودھم مچا رکھا تھا۔ اللہ کے دو لڑکیاں اور ایک لڑکا تھا۔ کوئی اپنے بوٹ مانگتا کوئی سلیپر کی رٹ لگاتا۔ کوئی کہتا میرے عید کے کپڑے کہاں ہیں۔ ماں باپ بچوں کو دم دلاسا دے کر سلانے میں کامیاب ہو گئے۔ گھڑیال نے گیارہ بجائے تو سعیدہ ناصر کی چارپائی پر آکر بیٹھ گئی۔ اور اس نے آہ سرد بھرتے ہوئے کہا۔ "ہمارے پاس اب کتنے روپے ہیں؟"

ناصر نے کہا "میرے پاس چار روپے ہیں۔"

سعیدہ نے کہا "اور سات میرے پاس ہیں۔ گویا کل گیارہ روپے ہوئے!"

ناصر نے کہا "گیارہ تو ہیں لیکن مہینہ بھر کا کھانا بھی تو ہے۔ ابھی مہینہ ختم ہونے میں پندرہ دن باقی ہیں۔"

سعیدہ نے کہا "میں چھ روپے میں گذارہ کر لونگی۔ ایک روپیہ کا آٹا قرض مل جائے گا۔ باقی رہے پانچ روپے اس میں بچوں کے لئے سلیپر اور بوٹ ٹوپی۔ عید کا خرچ کیسے پورا ہوگا؟"

ناصر نے کہا "یہی تو میں سوچ رہا ہوں جب بچے کپڑے وغیرہ مانگتے ہیں تو دل پھٹ جاتا ہے۔ اس غریبی کا ستیاناس ہو۔ کام نہیں ملتا۔ بھلا تیس روپے میں کیسے گذارہ ہو"

سعیدہ نے کہا "اپنی تو فکر کر رہے ہو بھائی کے گھر کی بھی فکر ہے اس کی دو بچیاں ہیں اور اسکے گھر میں تو کھانے کو بھی نہیں"

ناصر نے آہ سرد بھرتے ہوئے کہا۔ "کمبخت اظہر کو ادیقہ گئے سات سال ہونے کو آئے ہیں نہ خط نہ پیسہ۔ خدا معلوم زندہ بھی ہے یا نہیں۔ اس بچاری کا حوصلہ تھا کہ گھر بار بیچکر اور محنت مشقت کرکے اسکی عزت بچائے بیٹھی ہے۔ اور بچوں کی پرورش کر رہی ہے۔"

سعیدہ نے کہا "ان پانچ روپیوں میں سے ۳ روپے اس کو دے دو اور باقی جو دو روپے ہیں ان میں سے ایک روپیہ کے جمیلہ کے سلیپر آنا اور باقی ایک روپیہ بچوں کو بانٹ دینگے۔"

ناصر نے کہا "اور کپڑے؟"

سعیدہ نے کہا "میں ابھی اٹھکر میلے کپڑوں کو دھوکر سفید بناتی ہوں۔ بچوں کا کیا ہے۔ جب دو دو آنہ مل جائینگے تو خوش ہو جائینگے۔"

صبح عید مسرتوں اور مصروفیتوں کو لئے ہوئے نمودار ہوئی ناصر کو نہانے دھونے اور گھر کے کام دھندوں میں نو بج گئے۔ اور جلدی جلدی اپنے بھائی کے گھر کی طرف روانہ ہوا تاکہ اپنا

پیٹ کاٹ کر اس نے جو تین روپے بچائے ہیں وہ ان کو دیکر اس قرض سے سبکدوش ہو۔ جو اخلاق و انسانیت نے اس پر عائد کیا تھا۔ وہ مکان کے اندر پہنچا تو چاروں طرف افسردگی دیکھی۔ بچے ایک کونے میں دبکے بیٹھے تھے اور ان کی ماں کے رخساروں پر بے اختیار آنسو بہہ رہے تھے۔

بھائی کے بچوں کا یہ حال دیکھ کر ناصر کے بھی آنسو گرنے لگے۔ اور آخر اس نے تین روپے بچوں کی ماں کے ہاتھ پر رکھے کہ وہ اس سے اپنی ضروریات پوری کرے۔ ماں اس عطیہ سے متاثر ہو کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اور خدا جانے اسے کیا یاد آیا۔ اس کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکلی.....

یکایک دروازہ پر ایک موٹر آکر رکی۔ جس کو دیکھنے کے لئے بچے باہر کی طرف دوڑے اور تین منٹ بعد ایک مضبوط جسیم آدمی جس نے امیرانہ لباس پہنا ہوا تھا داخل ہوا۔ اس نے بچوں کو گود میں اٹھایا ہوا تھا۔

ناصر اسے دیکھتے ہی دوڑ کر لپٹ گیا۔ یہ اسکا بھائی اظہر تھا جو برسوں سے مفقود الخبر تھا۔ بچوں کی ماں اپنے خاوند کی آمد سے ٹھٹک کر رہ گئی۔ اور ناصر فوراً ضروری کام کا بہانہ بنا کر باہر چلا گیا۔ اظہر افریقہ سے امریکہ چلا گیا تھا اور وہاں سے لاکھوں روپے کی دولت ہمراہ لایا۔ اسطرح مصیبت بھی کٹ گئی اور دونوں بھائی ملکر تجارت کرنے لگے۔

معلومات

کیا آپ کو معلوم ہے؟

از جناب ایس۔ ایم سعید صاحب
سنگاپور والے

کہ سنہ ہجری حضرت عمرؓ نے مقرر کیا۔

زرہ بکتر سب سے پہلے داؤد علیہ السلام نے ایجاد کی۔

سب سے پہلے پولس زیاد بن ابیہ نے مقرر کی۔

سب سے پہلے عبدالملک بن مروان نے فارسی دفتر کو عربی سے بدلا۔ ریشمی لباس پہننا۔ علانیہ مجالس میں شراب پینا۔ مونچھیں بڑھانا داڑھی منڈوانا اور کبوتر بازی کرنا قوم لوط کی ایجاد ہے۔ عربی کا پہلا شاعر مہلہل تھا۔

سب سے پہلے سرخ لباس قاروں نے پہنا۔

ریڈیم کو میری کیوری نے سب سے پہلے دریافت کیا۔

بہادر شاہ ظفر نے ۱۸۶۲ء میں رنگون میں انتقال کیا۔

برطانیہ کی آبادی میں ہر سترہویں آدمی کے پاس موٹر پائی جاتی ہے۔

سب سے زیادہ قیمتی تصویر کی قیمت دو لاکھ پونڈ ہے۔

دنیا کی سب سے پہلی کتاب گیارہ سو سال قبل چھاپی گئی تھی

ایک انچ بارش کے معنی ایک ایکڑ زمین پر سو ٹن سے زیادہ پانی برسنا ہے۔

دریائے ریتھون جو فرانس اور سوئزرلینڈ کے اندر سے گزرتا ہے دنیا کا سب سے تیز رفتار دریا تسلیم کیا گیا ہے۔

برطانیہ کے سرکاری دفاتر میں سالانہ دس ہزار ٹن کاغذ ردی کی ٹوکریوں سے نکلتا ہے۔

جنوبی افریقہ کا سب سے مشہور آرٹسٹ "ارنوکس" ہے۔

دنیا کے تمام عکاس خانوں میں ہر ہفتہ..... ۲۰۰ آدمی کھنچتے ہیں۔

ایجاد اور مسلمان

(از جناب محمد شعیب صاحب عثمانی باڑہ ہندوراؤ دہلی)

ہر مسلمان خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا خواندہ ہو یا ناخواندہ جب کسی ایجاد کو دیکھتا ہے یا سنتا ہے تو اپنے دل میں خیال کرتا ہے کہ یہ چیز یا تو کسی جاپانی شخص نے ایجاد کی ہے یا کسی جرمنی نے یا کسی امریکہ کے باعقل انسان کے دماغ کا مفید نتیجہ ہے۔ یا یورپ و فرانس کے کسی سائنسداں کی سائنس کا ثمرہ ....

اس کا سبب اگر معلوم کیا جائے تو سوائے اسکے اور کچھ نہیں کہ مسلمان اپنی تاریخ سے بالکل بے خبر ہیں.... اسکول میں تاریخ اسلام پڑھائی نہیں جاتی۔ وہاں تو سوائے ان مذکورہ بالا مقامات کے باشندوں کی تعریفی کتابوں کے اور کچھ نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمان دوسری قوموں سے ہر مقابلہ میں مرعوب ہو جاتے ہیں اور جواب نہیں بن پڑتا۔ دوسرے ان کا دماغ خود بھی اسی لئے کام نہیں کرتا کہ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ایجاد خطرناک چیز ہے۔ اور اسکے لئے بہت بڑے دماغ کی ضرورت ہے حالانکہ اگر آپ بھی اپنے دماغ سے کام لینا چاہیں تو دماغ ضرور کام کرے گا۔

معلوم ہونا چاہئے کہ مسلمانوں کی دنیا میں بہت کافی ایجادیں موجود ہیں۔ جو ان کے نام سے مشہور نہیں بلکہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی انگریز کی ایجاد ہے۔

اگر آپ سے بھی یہ معلوم کیا جائے کہ بندوق کس نے ایجاد کی ہے۔ تو شاید آپ یہی فرمائینگے کہ علم نہیں۔ یا زیادہ سے زیادہ یہ فرمائینگے کہ کسی انگریز کی ایجاد ہے۔.........

حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ ایک مسلمان کی ایجاد ہے۔

مسلمانوں کی چند ایجادیں پیش کرتا ہوں اور ان کے ساتھ چند حوالے بھی لکھتا ہوں:-

بندوق

سب سے پہلے شاہ بابر کے ہاتھ میں دیکھی گئی۔ بابر سے سوال کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ ایک ترک نے ایجاد کی ہے۔ اور مجھ کو بطور تحفہ پیش کر گیا ہے۔

بارود

جرجی زیدان مشہور عیسائی مؤرخ کہتا ہے کہ بارود مسلمانوں نے ایجاد کی ہے اور یورپ والوں نے مسلمانوں سے ہی بنانی سیکھی۔

(صفحہ ۱۹۹ نمبر ۱ کتاب تمدن عرب)

قطب نما

موسیو عیسائی مورخ لکھتا ہے کہ قطب جیسی بہترین ایجاد جس کے بغیر سمندری سفر بے حد دشوار تھا مسلمانوں نے کی اور بحری سفر کو آسان کر دیا۔

(کتاب تمدن عرب صفحہ ۱۶۹)

گھڑی

کرسچین مورخ ڈاکٹر ڈریپر لکھتا ہے کہ گھڑی مسلمانوں کی ایجاد ہے اور سب سے پہلے ایک گھڑی خلیفہ ہارون رشید نے ۸۰۰ء میں بادشاہ شارلیمن جو ایک عیسائی بادشاہ تھا اسکے دربار میں تحفہ کے ...... طور پر پیش کی تھی۔ دیکھنے والوں نے اس کو جادو خیال کیا تھا۔ اور متعجب ہوئے تھے۔

(کتاب ابدۃ الصحائف فی رضو المعارف صفحہ ۴۹)

تیزاب

ڈاکٹر ڈریپر لکھتا ہے کہ تیزاب عربوں نے ایجاد کی ہے۔

(کتاب انٹلکچویل ڈویلپمنٹ آف یورپ جلد نمبر ۱ صفحہ ۴۰۸)

الجبرا

مشہور مورخ جرجی زیدان اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ حساب الجبرا مسلمانوں کی ایجاد ہے۔ (کتاب علم عرب صفحہ ۲۲۱ مصنفہ جرجی زیدان۔ ۲ تمدن عرب صفحہ ۲۴۰)

علم ہندسہ

مورخ نولڈ ایک مشہور انگریز مورخ اپنی کتاب ہشٹورینز ہسٹری آف دی ورلڈ جلد نمبر ۸ میں صفحہ ۲۰۰ پر لکھتا ہے کہ قوم ہندسہ اہل عرب نے اہل یورپ ایجاد کرکے سکھائیں۔

کاغذ

مورخ و مصنف موسیو سڈیو کتاب ہشٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ میں صفحہ ۲۷۵ پر لکھتا ہے کہ کاغذ سنہ ۷۰۶ء میں یوسف بن عمر نے روئی سے بنایا۔

فلسفہ

کتاب منشرم میں صفحہ ۲۴۴ پر مارگولیتھ مورخ لکھتا ہے کہ علم فلسفہ مسلمانوں کی بدولت یورپ میں پھیلا۔

علم طب

تمام صاحبان علم اس بات کو تسلیم کر چکے ہیں کہ علم طب صرف مسلمانوں کی ایجاد ہے۔

لطیفہ

(از جناب فیروز احمد طالب علم جماعت چہارم پنجابی اسلامیہ ہائی سکول دہلی)

جاپان گورنمنٹ نے ایشیا کے نئے نظام کے مطابق فیصلہ کیا ہے کہ چین کو فتح کرنے کے بعد تبت کی پہاڑیاں اور کوہ ہمالیہ کو ان کی موجودہ جگہ سے ہٹا کر روس کے حدود کے آگے رکھدئے جائیں تاکہ جاپان کو ایک طرف روس کے حملہ کا امکان دور ہو جائے۔ اور دوسری طرف ہندوستان کو فتح کرنے میں سہولت ہو۔ ......!!

چنانچہ اس اسکیم کو پورا کرنے کے لئے پہلی تاریخ سے کام شروع کیا جاوے گا۔

بہترین صارف

از جناب عبدالستار صاحب ٹلہ بلیماران دہلی

میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آپ اپنی آمدنی کو کس طرح خرچ کریں کہ لوگ آپ کو بہترین صارف کہیں اور ایسا کرنے میں کونسا اصول آپ کی رہنمائی کرے گا۔

آمدنی کا وہ حصہ جو کہ لوگ براہ راست اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کام میں لاتے ہیں "خرچ" کہلاتا ہے۔ لیکن خرچ کرنے کا بھی ایک طریق ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کو خرچ کرنا نہیں آتا۔ یا تو وہ فضول خرچ ہوتے ہیں یا کنجوس۔ فضول خرچی تو اس بات میں ہے کہ ان چیزوں پر زیادہ خرچ کر دیا جائے۔ جنکی ضرورت زیادہ نہ ہو اور کنجوسی اس بات میں ہے کہ ضرورت کی چیزوں پر کافی نہ خرچ کیا جائے۔ چونکہ آمدنی محدود ہوتی ہے اسلئے جو شخص اپنی آمدنی کا خیال رکھتے ہوئے ہر چیز اور ہر بات پر سوچ سمجھ کر خرچ کرتا ہے اور اپنے خرچ سے پورا پورا لطف اٹھاتا ہے۔ روپیہ کا درست خرچ کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ اس میں بڑی سمجھ اور سوچ بچار کی ضرورت ہے۔

اگر آپ اپنے خرچ سے زیادہ سے زیادہ تسکین حاصل کرنی چاہتے ہیں تو آپ اپنی تمام ضرورتوں کو ایک دوسری سے مقابلہ کر کے دیکھیں۔ اور پھر اس بات کا فیصلہ کریں کہ کونسی ضرورت زیادہ اشد ہے اور ضرور پوری کرنی چاہئے اور کونسی کم۔

اس بات کا فیصلہ کرنے کے بعد جب آپ چیزوں کو خریدیں تو اپنی ضرورتوں پر اور چیزوں کی قیمتوں پر غور کریں۔

اور سوچیں کہ کتنی کتنی مقدار ہر چیز کی خریدی جائے۔ چیز کی خوبی کا بھی آپ کو خیال رکھنا چاہئے۔ اور آپکی خواہش یہ ہونی چاہئے کہ چیز عمدہ ہو اور سستے داموں ملے اسلئے آپ تمام جگہ دیکھ بھالکر چیز کو خریدیں۔ وہ اصول جسکو مدنظر رکھتے ہوئے آپ چیزیں خریدیں تاکہ آپ کو اپنے خرچ سے زیادہ سے زیادہ تسکین حاصل ہو یہ ہے کہ آپ تمام چیزوں کی ایسی مقدار خریدیں کہ ان میں سے ہر ایک سے آپکو یکساں استفادہ حاصل ہو۔ اس اصول کو مساوی افادہ مختتم کا اصول "Law of Equi-marginal Utility" کہتے ہیں۔ اب میں ذرا اس اصول کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔ فرض کرو کہ ایک شخص کے پاس ایک خاص مقدار روپیہ کی ہے۔ اور وہ چند چیزیں خریدنا چاہتا ہے اور ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ وہ اپنے خرچ سے زیادہ سے زیادہ تسکین کسطرح حاصل کر سکتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ تسکین اسکو تبھی حاصل ہوگی جب اسکو یہ تمام چیزیں خریدنے کے بعد یہ ملال نہ ہو کہ فلاں چیز ضرورت سے زیادہ خریدی گئی اور فلاں کم۔ کیونکہ اگر کوئی چیز ضرورت سے زیادہ خریدی جائے اور کوئی کم تو اس چیز کی مقدار جو کہ زیادہ خریدی گئی ذرا سی کم کرنے سے اور دوسری چیز کی مقدار جو کہ کم خریدی گئی ذرا سی زیادہ کرنے سے کل تسکین میں اضافہ ہو جائیگا اور کل تسکین زیادہ سے زیادہ تبھی ہوگی جب چیزوں کا کل افادہ ملا کر زیادہ سے زیادہ ہو اور زیادہ سے زیادہ تبھی ہوگا جبکہ ہر چیز اس حد تک خریدی جائے جہاں کہ ہر چیز کا افادہ مختتم برابر ہو۔ اگر آپ اس اصول کو اپنا رہنما بنائینگے تو یقیناً لوگ آپ کو بہترین صارف خیال کرینگے۔

پنجابی دنیا

شذرات

ایڈیٹر کے قلم سے

پنجابی یوتھ لیگ کے خلاف مقدمہ فوجداری و دیوانی

ہم آزادی کی جنگ نہیں لڑ رہے۔ ہم حکومت کی استعمارانہ فولادی دیوار سے ٹکرا رہے ہیں۔ امپیریلزم کا بوریا بستر باندھنے یا ایوان حکومت پر قبضہ کرنیکا ہمارے سامنے ابھی کوئی سوال نہیں غریب اور متوسط طبقہ کو خوشحال بنانے کے لئے سرمایہ پرست عنصر کی تجوریوں پر ہمنے ڈاکہ نہیں ڈالا۔ ہم صرف اپنی قوم کی سماجی حالت کو بہتر اور مہذب بنانا چاہتے ہیں۔ کیا یہ ہمارا قصور ٹھیرایا جا سکتا ہے۔ کیا غلام قوم کو اسکی بھی اجازت نہیں کہ اپنے بھائی کا گلا کٹتے ہوئے دیکھکر اسکا ہاتھ پکڑ لے یقیناً ایسا ہی ہے لیکن کیا ہم سچائی کے راستے سے ہٹ جائینگے۔ کیا جیل کی آہنی سلاخیں ہمکو اپنے محبوب مقصد سے دور کر سکتی ہیں۔ کیا مقدمات فوجداری دیوانی ہمارے عزم صادق کو متزلزل کرسکتے ہیں نہیں ہرگز نہیں۔ اگر مدعی صاحب میں انکو تباہی و بربادی کی مہیب ترین دیوی کے بھینٹ نہ چڑھنے دینا لیگ کی گردن زدنی کے مترادف ہے تو ہم اسکے لئے تیار ہیں اگر حکومت کی نظر میں اپنی قوم کی سماجی حالت درست کرنا مذموم و مشرکیہ رسوم کو روکنا۔ قوم کی اقتصادی حالت بہتر بنانا جرم ہے تو یہ جرم اور اسکی سزا ہمارے سر آنکھوں پر۔ ایسے جرائم ہم ضرور کرینگے۔ ضرور کرینگے۔ نمود پرست حضرات سن لیں۔ حکومت نوٹ کرے" یہ تھا ان تقاریر و فیصلہ کا ماحصل و لب لباب جو لیگ نے اپنی حالیہ میٹنگ میں کی جسمیں کہ لیگ پر دیوانی و فوجداری دعوی کی بابت دفتر نے رپورٹ پیش کی تھی۔

واقعات اسطرح بیان کئے جاتے ہیں کہ جناب محمد شفیع ولد حاجی محمد یعقوب صاحب اللہ والے ساکن بارہ دری نواب وزیر نے اپنے فرزند کی ہونے والی شادی پر کچھہ کام دستور العمل کے خلاف کئے اور ان میں سے بعض خلاف ورزیاں ایسی تھیں جو علی الاعلان کیجاتی ہیں خلاف ورزی کا علم ہونے پر لیگ کی طرف سے حسب معمول کارروائی کیگئی۔ اور خلاف ورزیاں ثابت ہونے پر جرمانہ ڈالدیا گیا۔ لیکن صاحب معاملہ اس فیصلہ سے مطمئن نہ ہوئے اور مقدمہ ثالث علاقہ کے روبرو پیش کیا چونکہ ثالث اول دلی میں تشریف فرما نہ تھے اور اتفاق سے ثالث دوم بھی قطب گئے ہوئے تھے جبکہ ثالث سوم مستعفی ہو چکے تھے۔ چونکہ شادی تھی اسلئے صاحب معاملہ نے خواہش ظاہر کی کہ انکا فیصلہ شادی سے قبل ہی ہونا چاہئے چنانچہ ثالث معاملہ جناب محمد یوسف صاحب چمڑے والے ایڈیٹر شمع کو قطب سے خاص طور پر فیصلہ کی مقررہ تاریخ کو بلایا گیا۔ ثالث صاحب کو آنے میں کچھہ دیر ہوئی اس اثنا میں صاحب معاملہ نے کئی معزز حاضرین کے سامنے تحریری درخواست دی کہ چونکہ میں شادی کے کام میں لگا ہوا ہوں اور زیادہ ٹھیرنا میرے لئے مشکل ہے اسلئے شادی کے بعد ثالث صاحب جو فیصلہ میرے متعلق دینگے مجھے منظور ہوگا۔ آپس کی رواداری اور حسن اخلاق کا تقاضا یہی تھا کہ صاحب معاملہ کی درخواست منظور کی جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ لیکن افسوس ہماری بدقسمتی کہ اس رواداری اور اخلاقی برتاؤ سے ناجائز فائدہ اٹھایا گیا۔ اور شادی کے بعد ثالث نے جو کچھہ فیصلہ دیا بجائے اسکے کہ حسب وعدہ اسے منظور کیا جاتا لیگ پر دعوٰی دیوانی اور فوجداری دائر کرکے اسکے ارباب حل و عقد کے نام حکم امتناعی تعمیل کرایا گیا اور ساتھ ساتھ اسکے امن عامہ میں خلل پڑنے کی درخواست دیکر اسکو شائع کرا دیا گیا۔ اور تمام لیگ کو قانونی طور پر معطل کر دیا کہ وہ صاحب معاملہ کے ہاں تا فیصلہ مقدمہ کوئی کارروائی

نہ کر سکے ۔ یہ خبر بجلی کیطرح تمام قوم میں پھیل گئی خواتین و مرد سب اس مذموم حرکت پر اپنی بیزاری ظاہر کر رہے تھے ۔ مزید تحقیق کرنے پر یہ بھی معلوم ہوا کہ مقدمہ کو اکثر معزز ہندو و مسلمان وکلاء صاحبان نے لینے سے انکار کر دیا ۔ عوام کی بے چینی اور اضطراب کا یہ حال تھا کہ ممبران لیگ کا راستوں پر چلنا محال ہو گیا اور سچ پوچھئے تو عوام کا غیظ و غضب اپنی جگہ برحق تھا کیونکہ جلتیں بننے اور ٹوٹنے کے بعد آج قوم رسوم قبیحہ کی برائی کا احساس کرنے لگی ہے ۔ پرخطر و پیچیدہ راستہ طے کرنے کے بعد آج اس منزل پر پہنچ گئی ہے جہاں سے منزل مقصود صاف نظر آنے لگے ۔ ایثار پیشہ نوجوانوں نے اسکے لئے اپنی راتوں کو رات اور دن کو دن نہ سمجھا ۔ معزز و شریف گھرانوں کے ہونہاروں نے عوام کی گالیاں اور عورتوں کے کوسنے غرض ہر تکلیف کو نہایت خندہ پیشانی سے سہا ۔ معزز بزرگوں نے اپنے وقت کی قربانیاں دیں لیکن ان تمام احساسات اور قربانیوں کو ایک نمود پرست اپنی اور محض اپنی نمود کے لئے تمام قوم کو قربانی کا بکرا بنانا چاہتا ہے ۔ ایک راہ گم کردہ مسافر تمام قافلے کو سیدھی راہ سے بھٹکانا چاہتا ہے ۔ ایک شہرت کا گرویدہ نمود کے نشہ میں چور اپنی بے اعتنائیوں سے سارے سفینہ کو غرق درآب کرنا چاہتا ہے ۔ قومی معاملات کو عدالت میں لیجانا قوم کی کھلی ہوئی توہین نہیں تو اور کیا ہے ؟

اس شرمناک رویہ سے نہ صرف نوجوان متاثر تھے بلکہ بزرگ [illegible] کے ٹھنڈے دل کھول رہے تھے ۔ بالآخر ان حضرات [illegible] جناب حاجی حافظ حمید اللہ صاحب سوت والوں [illegible] ہوا ۔ جلسہ میں محمد رفیع صاحب لٹھ والوں [illegible] ت پر خوب لے دے کی گئی ۔ اور کرما گرم

بحث کے بعد یہ طے پایا کہ پہلے ایک وفد صاحب معاملہ سے مل لے اور اگر وہ ثالث کا فیصلہ منظور نہ کریں اور مقدمات عدالت سے نہ اٹھائیں تو ہم خود پکٹنگ کرینگے ۔ چنانچہ چند بزرگ ہستیوں پر مشتمل ایک وفد صاحب معاملہ کے پاس گیا اور تمام حالات سے ان کو آگاہ کیا ۔

صاحب معاملہ نے مقدمات واپس لینے پر آمادگی ظاہر کی اور بیان کیا میرے ساتھ زیادتی کیگئی ہے کہ ثالث نمبر ا کی موجودگی میں ثالث نمبر ۲ سے فیصلہ کرایا گیا ہے ۔ حالانکہ واقعات یہ تھے جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ ثالث نمبر ا دلی میں تشریف فرما نہ تھے ۔ لیکن چونکہ وفد ان حقائق سے بے خبر تھا اسلئے ان سے وعدہ کر لیا کہ ہم تمہارے معاملہ پر نظر ثانی کرائینگے ۔ اور مقدمات واپس لے لئے گئے ۔ یہ ایک دوسری ہوشیاری تھی جو صاحب معاملہ نے وفد کی بے خبری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر کی ۔ رہا سوال یہ کہ معاملات کو سلجھانے کے لئے معاملہ پر نظر ثانی کریجائے بجائے فائدہ کے نقصان دہ ثابت ہوگا ۔

آج اگر ہم مقدمات دائر ہونے کی بنا پر ثالث نمبر ۲ کے فیصلہ پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تو کل ثالث نمبر ا کے فیصلہ میں نظر ثانی کا سوال کیوں نہ پیدا ہوگا ۔ اور جبکہ نمود کے پجاریوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہماری کوئی خلاف ورزی پندرہ بیس روپے دیکر گنگا نہا سکتی ہے ایسی صورت میں ضرورت اس امر کی تھی کہ تمام ثالث صاحبان زیادہ سے زیادہ تاوان ڈالیں تاکہ رسوم قبیحہ کا حقیقی معنوں میں انسداد ہو نہ یہ کہ اگر کسی ثالث نے حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے نہایت منصفانہ طور پر قدرے تاوان ڈالدیا تو ہماری اسپر نظر ثانی کیجائے ۔ قوم میں فلاں ورنہ یونہی مزید بھرمار کا دروازہ نہ کھولدیگی ۔ ممبران لیگ کی یہ

کاوشیں، محنت، وقت، پیسہ نہ جائیگا۔ اور ثالث صاحبان کے یہ کمزور فیصلے بجائے رسوم قبیحہ کو بند کرنے کے ان کو فروخت کرنے کے ہم معنی نہ ہونگے۔ جہاں تک اس معاملہ کا تعلق ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ صاحب معاملہ کو قوم کی طرف سے وہ عبرتناک سزا ملے تاکہ پھر کسی فرد قوم کو یہ ہمت نہ ہو کہ وہ قوم کو چھوڑ کر عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے۔ اگرچہ بزرگ ہماری تکالیف کی بنا پر نظر ثانی کرنا چاہیں تو ہم ان کو نہایت صفائی سے بتا دیں اگر ہم زندہ ہیں تو زندہ رہکر بے شرمی کی جماعتی زندگی ہماری غیرت قبول نہ کرے گی۔

معاملات نازک تر ہونے سے قبل ہم اپنے بھائی محمد رفیع صاحب اللہ والوں سے ایک مرتبہ کچھ مخلصانہ گذارش کرنا چاہتے ہیں۔ اس گذارش کا محرک صرف وہ جذبہ ہمدردی ہے جو ایک بھائی کو دوسرے بھائی سے ہونی چاہیئے۔ برادر آپ نے کبھی غور کیا کہ آپ کا یہ فعل آپ کے لئے اور آپکی قوم کے لئے کہاں تک مفید ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے ذاتی مصالح اسمیں پنہاں ہوں۔ لیکن ایک مسلمان کے نزدیک اسکی زندگی صرف اسکی چہار دیواری تک محدود نہیں بلکہ اصل زندگی قوم کے ساتھ جینے اور قوم کے ساتھ مرنے میں ہے۔ وجاہت طلبی کا جذبہ کوئی بری چیز نہیں۔ عزت و شوکت کی آرزو کوئی خراب آرزو نہیں۔ لیکن وہ وجاہت جو قومی ڈھانچہ کا مسطر کھینچ کر حاصل کیجائے وہ شوکت جو قومی مصالح کو ٹھوکر مار کر بجائے ظاہری طور پر وجاہت و عزت سمجھی جائے تو اور بات ہے۔ فی الحقیقت وجاہت و عزت نہیں۔

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ کتنے اجلے پوش لیگ کی آڑ لیکر اپنا کام چلاتے ہیں۔ کیا آپ اس سے بے خبر ہیں کہ ممبران لیگ اپنے ذاتی فوائد کے لئے یہ کام نہیں کر رہے ہیں۔ وہ بھی آپ کی ہی طرح شریف گھرانوں کے فرزند ہیں؟

کیا آپ ناواقف ہیں کہ آپ کے اس فعل سے دوسرے نمود پرستوں کو کتنی شہ ملے گی۔ اور قوم کا شیرازہ کسقدر منتشر ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے نظریہ کے بموجب پنچ کا فیصلہ سخت ہو۔ لیکن آپ کو معلوم ہے کہ ثالث لیگ کا انتخاب کردہ نہیں ہے بلکہ ان کو اہل علاقہ ہی نے منتخب کیا ہے کیا آپ اسلام کے اس حکم سے لاعلم ہیں "جس کو امیر مقرر کر دو اسکا حکم مانو خواہ وہ انگور کے برابر سر والا حبشی ہی کیوں نہ ہو"

یہ تمام باتیں ہونے کے باوجود آپ کا ضمیر اسکی اجازت دیگا کہ اپنے تھوڑے وقتی فائدہ کی خاطر تمام قوم کو قربانی کا بکرا بنایا جائے اور اسکو لاکر وہاں کھڑا کر دیا جائے جس جگہ وہ آج سے پچاس سال قبل روانہ ہوئی تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ کوئی بھی ذی حس انسان جسکے سینہ میں دل اور دل میں ذرا بھی ایمان باقی ہے اسے گوارا نہ کرے گا۔ اپنی غلطی کا اعتراف کرنا بزدلی نہیں بلکہ قوم آپ کو آنکھوں پر بٹھائے گی اور آپ کو حقیقی عزت نصیب ہوگی۔

یہ وقت اصلاح رسوم کا نہیں ترک رسوم کا ہے۔

خطبہ صدارت جمعیۃ قوم پنجابیان

(از جناب عبد الرحیم صاحب)

(گذشتہ سے پیوستہ)

یا دوسرے الفاظ میں یوں کہئے کہ ان پانچوں دوکانداروں کا کام نصف رہ گیا۔ اور جب خوراکی کی دوکانیں ۲۰ ہوگئیں تو ان پانچوں فرموں کی تجارت چوتھائی رہ گئی جسکا اثر بیسیوں دوکانداروں پر یہ ہوا کہ چوتھائی کام رہجانے کیوجہ سے نفع اتنا کم ہوگیا کہ خرچ بھی مشکل سے پورا ہونے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دکانیں بند ہونا شروع ہوگئیں۔ میرا منشا اس سے یہ دکھانا ہے کہ جو نئی دوکانیں یہاں کھولتے ہیں وہ صرف اپنی ہی کامیابی کو ہاتھ سے نہیں کھوتے بلکہ اپنے ان بھائیوں کو بھی نقصان پہنچاتے ہیں جو پہلے سے یہاں کام کررہے ہوں اور پانچ پیسے کما رہے ہوں۔ مگر ایسے کرنے والے بھی مجبور ہیں۔ کیوں؟ وہی اپنی تنگ نظری اور ناواقفیت۔ اپنے اس خیال کی تائید میں ایک اور دلیل بھی پیش کرتا ہوں۔ ۳۰، ۳۵ برس پیشتر جو دوکانیں خوراکی وغیرہ کی کوٹلہ میں تھیں ان ہی میں سے چند حضرات نے اس نقص کو وقت پر محسوس کرلیا۔ اور اس لائن سے کنارہ کشی اختیار کی یعنی دوسری لائن اپنی تجارت کےلئے منتخب کریں۔ مثال کے طور پر سب سے پہلے میں اپنے والد مرحوم کا نام پیش کرتا ہوں جنہوں نے میں خوراکی لائن چھوڑ کر سگریٹ کی لائن اختیار کی۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا نے دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائی۔ ان کے بعد میں نے حاجی محمد ابراہیم بارڈی مرحوم کا اور جیون بخش مرحوم کا حوالہ دیتا ہوں۔ ان دونوں نے جوہری کی لائن اختیار کی نتیجہ ظاہر ہے کہ خدا نے ان دونوں کو اتنا عروج دیا کہ قوم کو ان پر فخر ہے۔ تیسرا نام حاجی محمد رفیع الدین مرحوم کا لیجئے۔ انہوں نے دوائی کی لائن اختیار کی۔ خدا نے انکا نام بھی ممتاز ہستیوں میں شامل کردیا۔ چوتھا نام حاجی انیس الرحمٰن صاحب کا لیجئے۔ انہوں نے کوٹلہ سے دور اور کوٹلہ والوں کی لائن سے دور گھڑیوں کا کام شروع کیا۔ ان کو خدا نے جو کچھ ترقی دی وہ آپ لوگوں کے سامنے ہے۔ پانچواں نام اپنے صدر یعنی حاجی عبدالکریم صاحب کا لیجئے۔ وہ بھی سب سے علیحدہ اسٹیشنری کی لائن پر گامزن ہوئے۔ خدا کی عنایت سے ممتاز شخصیت کے مالک ہیں۔ اس سے میرا منشا صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ جنہوں نے علیحدہ تجارت اختیار کی وہ سب پھولے پھلے۔ اور جو ایک ہی لائن پر محدود رہے اور آپس میں ایک دوسرے کا گلا کاٹتے رہے وہ سب غائب ہوگئے۔ یا اگر کچھ باقی ہیں بھی تو اس جگہ پڑے ہیں جہاں آج سے ۵۰ سال پیشتر تھے۔ تنگ نظری اسی کو کہتے ہیں۔ اسکا سبب صرف علم کی کمی ہے۔ علم سے میرا منشا انگریزی تعلیم پانا نہیں بی اے اور ایم اے کی ڈگریاں حاصل کرنا نہیں بلکہ تجارت کے علم سے ہے۔ ہم اتنا بھی نہیں جانتے کہ کیا چیز کہاں پیدا ہوتی ہے۔ یا کہاں سے آتی ہے۔ اسکی منڈی کہاں ہے یا اسکی کھپت کہاں ہے۔ اس علم سے بیخبر ہیں۔ ورنہ ہم دوسرے کی نقل نہ کرتے۔ بلکہ قوم کا ہر فرد اپنے لئے نئی نئی چیزیں کاروبار کےلئے پسند

کرتا۔ ایک معمولی چیز کو بطور مثال کے میں پیش کرتا ہوں۔ پان ایک ایسی چیز ہے جو صبح سے شام تک بچپن سے بڑھاپے تک آپ کھاتے ہیں اور روزانہ کھاتے ہیں لیکن آپ کو یہ سنکر تعجب ہوگا۔ ہندوستان کے اور شہروں کو چھوڑ دیجئے۔ صرف کلکتہ ہی میں قریب لاکھ روپیہ روز کے پان فروخت ہوتے ہیں کیا یہ تجارت نہیں ہے۔ آخر یہ تجارت کرنے والے بھی اس کلکتہ میں موجود ہیں۔ لیکن آپ سے اگر یہ سوال کیا جائے کہ پان کہاں پیدا ہوتے ہیں اور کس کس جگہ سے کلکتہ میں آتے ہیں تو میرا خیال ہے کہ ہم میں سے شاید ایک بھی اسکا مکمل جواب نہ دے سکے گا۔

اسی طرح اپنے ہی روزانہ خرچ کی چیزوں کو دیکھ لیجئے۔ ہم کھاتے ہیں پیتے ہیں استعمال کرتے ہیں۔ لیکن اسکی حالت سے لاعلم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سوائے چند لائنوں کے اور تجارتوں سے واقف نہیں اسی کا نام تنگ نظری ہے۔ غیر مذہب کے تجار کو بھی چھوڑئے۔ مسلمان تاجروں ہی کو لیجئے جو بمبئی، سندھ، پنجاب بلکہ ایران تک سے کلکتہ آئے ہیں۔ ذرا مرغی گلی، عذرا اسٹریٹ، زکریا اسٹریٹ ڈبوزی اسکوائر وغیرہ کا ایک چکر لگا کر دیکھئے وہ کیا کر رہے ہیں۔ لونگ الائچی مرچ دھنیا ادرک نمک، کپڑا، چاندی، سونا، لوہا چار تیل گھی جوٹ چاول۔ غرض ہر طرح کا کام وہ کر رہے ہیں۔ انکی نظر اتنی وسیع ہے کہ وہ ہر ایک چیز کی تجارت کر رہے ہیں اور ان چیزوں میں لاکھوں روپیہ کما رہے ہیں۔

لاعلمی ۔ لفظ لاعلمی سے میرا منشا یہ ہے کہ وہ حضرات جو اپنی پست حالت کو محسوس کرتے بھی ہوں اور ترقی کرنے کا شوق بھی رکھتے ہوں۔ وہ ان ترقی کے راستوں سے لاعلم ہیں وہ یہ نہیں جانتے کہ ترقی کیونکر کی جاتی ہے۔ ترقی کرنے کے لئے ہم کو کون کون سے ذرائع اختیار کرنے چاہئیں۔ اسکے متعلق میں آگے چلکر تشریح کرونگا۔

بے حسی :۔ اب میں لفظ "بے حسی" کا منشا عرض کرتا ہوں کیونکہ یہ ایک ایسی بیماری ہے جسمیں ہماری قوم کا ہر فرد مبتلا ہے۔ بے حسی اسے کہتے ہیں کہ اپنے دوسرے بھائی کی حالت سے متاثر نہ ہونا۔ دوسرے کی خوشی کو اپنی خوشی، دوسرے کے رنج کو اپنا رنج نہ سمجھنا کسی بھائی سے ہمدردی رکھنے کے متعلق ہمارا مذہب جو ہمکو تعلیم دیتا ہے وہ آپ سے پوشیدہ نہیں۔ اسلئے میں یہاں صرف یہ عرض کرتا ہوں کہ ہر قوم کی ترقی اور کامیابی کا یہ بہت بڑا راز ہے۔ وہی قوم صحیح معنوں میں زندہ کہلانے کی مستحق ہے جو اپنی قوم کے دیگر افراد سے ہمدردی رکھتی ہے اور وہ ہمدردی صرف زبانی نہیں بلکہ عملی ہوتی ہے۔ ہمارے دل ایک دوسرے کی محبت سے خالی ہیں۔ اپنے بھائی کی ہمدردی کا جذبہ یا اپنے بھائی پر اپنی کسی قربانی کی تمنا۔ یہ ہم سے ناپید ہو گئی ہے۔ یہ بھی ایک بڑا سبب ہماری قوم کی پستی کا ہے۔ یہ میں جانتا ہوں کہ جب سے آپنے یہ جمعیتہ قائم کی ہے انسداد بیکاری اور امداد غریباں کی بحث میں جمعیت نے جو خدمت قوم کی انجام دی ہے وہ قابل تحسین ضرور ہے۔ مگر قوم کی بگڑی بنانے کے لئے صرف اتنا کافی نہیں ہے۔

برادران! جو کچھ اسوقت تک میں نے کہا یہ تو صرف مرض کی تشخیص کے متعلق تھا۔ جسمیں ہماری قوم مبتلا ہے۔ اب سوال یہ ہے اسکا علاج کیا ہے۔ علاج کی تلاش میں ہمیں غیر قوموں پر نظر دوڑانی ہے کہ انکی ترقی کا راز کیا ہے۔ ذرائع کیا ہیں وہ کیا راستہ ہے جو انہوں نے اختیار کیا ہے۔

برادران ہر قوم ہر فرقے کو پستی سے نکلنے کے لئے جس چیز کی سب سے پہلی ضرورت ہے وہ جماعت بندی ہے۔ دیکھئے یوروپین تجار نے چیمبر آف کامرس قائم کی۔ مارواڑیوں نے مارواڑی چیمبر آف

کامرس قائم کی۔ بنگالیوں نے اپنے لئے نیشنل چیمبر آف کامرس اور انڈین چیمبر آف کامرس قائم کی۔ بمبئی کیطرف سے مسلمانوں نے مسلم چیمبر آف کامرس قائم کی۔ یورپین نے ان فرموں کے لئے جو ٹریڈرز ہیں کلکتہ ٹریڈ ایسوسی ایشن بھی قائم کی ہے۔

ان تمام اداروں کو گورنمنٹ نے تسلیم کیا ہے۔ ان اداروں کا وقار اسقدر گورنمنٹ کی نظروں میں ہے کہ گورنمنٹ اس بات پر مجبور ہے کہ جو کچھ ترمیمات اپنے قوانین میں کرے یا نئے قانون جو بھی جاری کرے ان تمام اداروں سے مشورہ کرکے کرے۔ ان تمام اداروں کی آواز گورنمنٹ تک براہ راست اور بذریعہ کونسل اور اسمبلی کے بھی پہنچتی ہے۔ کیونکہ ان اداروں کے نمائندوں کے لئے کونسل اور اسمبلی و کارپوریشن میں سیٹیں ریزرو کردی گئی ہیں۔ جنکا الیکشن یہ ادارے اپنے گھر میں کرکے کامیاب امیدواروں کے نام گورنمنٹ کو بھیجدیتے ہیں لہذا ایسے الکشن میں نہ روپیہ خرچ ہوتا ہے اور نہ دوڑ دھوپ ہوتی ہے۔ نہ پبلک کی خوشامد کرنی پڑتی ہے۔ وہ سیٹیں صرف اپنے اداروں کے ممبروں تک محدود رہتی ہیں۔ ان اداروں کے ذریعے ان قوموں کی آوازیں گورنمنٹ تک پہنچتی ہیں ان ہی کے ذریعہ سے وہ قومیں اپنے مطالبات گورنمنٹ سے حاصل کرتی ہیں۔ ہملوگ بھی نام کے تو تاجر ہیں لیکن ہمارے پاس ایسا کونسا ادارہ ہے جسکے ذریعہ سے ہم کام نکال سکیں۔ آپ خود خیال کریں کہ موجودہ جنگ کی حالت میں مال کی آمد میں کمی واقع ہونے کی وجہ سے بازار کا اونچا جانا لازمی اور یقینی تھا اور یہی وقت تھا جبکہ آپ پانچ پیسے کما سکتے تھے لیکن گورنمنٹ نے آرڈیننس نکالکر آپ کو اس سے بازرکھا آپ کچھ نہ کرسکے کیونکہ آپ کی آواز کی رسائی گورنمنٹ تک نہیں ہے۔ گورنمنٹ کی نظروں میں آپ بحیثیت انفرادی حیثیت سے کچھ نہیں ہیں۔ ہاں اگر آپ کی حیثیت اجتماعی ہو تو گورنمنٹ آپ کی سننے پر مجبور ہوگی ہر تجارتی مسئلہ پر آپ سے مشورہ کریگی آپکے نمائندوں کے لئے کونسل، اسمبلی، کارپوریشن میں سیٹیں دیگی۔ ہاں اس جگہ ایک اور بات عرض کرنا ضروری ہے جسوقت مسلم چیمبر آف کامرس قائم ہوئی ہے۔ ہماری قوم کے چند حضرات بھی اسکے ممبر ہوئے اور شاید ابتک بھی ہیں۔ مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ چیمبر کے ممبر بننا ہمکو کوئی فائدہ براہ راست نہیں پہنچا سکتا۔ کیونکہ چیمبر صرف ان لوگوں کیلئے مفید ہے جنکے کاروبار کامرس سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہملوگ کمرشیل نہیں ہیں ہم ٹریڈر ہیں۔ ہمارے لئے کارآمد ٹریڈ ایسوسی ایشن ہے۔

برادران! اگر ہماری قوم کو اپنی تجارت میں ترقی کرنا ہے تو اسکا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ آپ ایک مسلم ٹریڈ ایسوسی ایشن قائم کریں۔ گورنمنٹ سے اس کا تعارف یعنی تسلیم کرائیں۔ اپنی ایسوسی ایشن کے ذریعے سے اپنے مطالبات گورنمنٹ سے حاصل کریں اور بغیر ہزاروں روپیہ الیکشن پر خرچ کیلئے اپنی ایسوسی ایشن کے ذریعہ سے اپنے نمائندے کونسل، اسمبلی، کارپوریشن وغیرہ میں بھیجیں۔ بجائے ہزاروں روپیہ مقدمہ بازی میں عدالتوں کے ذریعہ خرچ ہونے کے اپنے ممبران فرم کے جو بھی آپس کے جھگڑے یا اختلاف ہوں۔ اپنی ایسوسی ایشن کے حوالہ کردیں۔ اگر کسی غیر ممبر پر ایسوسی ایشن کے کسی ممبر کو نالش کرنا ہو تو دوڑ بجائے اپنا وقت صرف کرنیکے ایسوسی ایشن کے حوالہ کردیں۔ غرض اسی طرح کے بیسیوں کام ایسوسی ایشن کے ذریعہ سے آپ لے سکتے ہیں۔ جمعیۃ ایک محدود حلقہ ہے اس سے آپ مذکورہ بالا کام نہیں لے سکتے۔

برادران! اگر آپ کو اپنی اور اپنی قوم کی حالت سنبھالنا ہے تو میری ان ناچیز تجاویز پر عمل کریں۔ (۱) مسلم ٹریڈ ایسوسی ایشن قائم کریں۔ (۲) تنگ نظری کو چھوڑ کر وسیع نظر، حوصلہ و ہمت اختیار کریں (۳) ایک فرم آپسمیں ایک دوسرے سے کمپیٹیشن کرنے کی بجائے تجارت کیلئے نئی لائنیں۔۔۔۔ منتخب کرے۔ (۴) حسد کی جگہ آپسمیں ایکدوسرے کیلئے ہمدردی اپنے دل میں پیدا کریں۔

کارروائی مجلس منتظمہ پنجابی یوتھ لیگ دہلی

پنجابی یوتھ لیگ کی مجلس منتظمہ کا جلسہ بتاریخ ۲ فروری ۱۹۴۱ء بوقت ۸½ بجے شب زیر صدارت محمد تقی صاحب نور بر دفتر لیگ منعقد ہوا جس میں مندرجہ ذیل حضرات شریک ہوئے :-

(۱) محمد تقی نور (۲) شجاع الدین صاحب (۳) محمد شفیع کالیہ (۴) فضل مبین احمد (۵) محمد عمر (۶) حافظ ارشاد احمد کھتوریہ (۷) محمد یوسف کپڑے والے ۔ (۸) حافظ انوار الحق حقی ۔ (۹) ممتاز الدین چوتھائی (۱۰) محمد یوسف کھتوریہ (۱۱) محمد رفیع کپڑے والے ۔

بعد تلاوت کلام پاک حسب ذیل کارروائی شروع کیگئی ۔

(۱) مجلس ہذا کے جلسہ منعقدہ ۳ جنوری کی کارروائی کی تصدیق کیگئی ۔

(۲) گوشوارہ آمد و خرچ بابت ماہ دسمبر ۱۹۴۰ء و جنوری ۱۹۴۱ء خازن لیگ نے پیش کیا اور منظور کیا گیا ۔

(۳) تجویز منجانب حافظ انوار الحق حقی کہ انچارج و نائب انچارج صاحبان کو بیک وقت اطلاع نہ بجائے پیش کیگئی اور جلسہ کی منظوری سے صاحب مجوز نے واپس لے لی ۔

(۴) تجویز منجانب حافظ انوار الحق کہ خازن صاحب سے درخواست کی جائے کہ ہر ماہ کا گوشوارہ آئندہ ماہ کے اولین جلسہ میں پیش کیا کریں ۔ پیش ہوئی اور متفقہ طور پر منظور کیگئی ۔

(۵) تجویز منجانب محمد رفیع صاحب کالیہ کہ جماعت کا ہر رکن "پنجابی گزٹ" کا لازمی خریدار ہو اور اخبار ہذا کے ذریعے درخواست کی جائے کہ وہ اراکین لیگ ہذا سے نصف سالانہ چندہ وصول کریں پیش ... ہوئی اور جلسہ کی منظوری سے مجوز نے واپس لی۔

(۶) تخمینہ اخراجات ماہ فروری و مارچ ۱۹۴۱ء جنرل سکریٹری نے پیش کیا اور طے پایا کہ آئندہ اجلاس میں پیش ہو ۔ نیز آئندہ صرف ایک ماہ کا تخمینہ مہینہ کے پہلے اجلاس میں پیش کیا کریں ۔

صاحب صدر کی اجازت سے انیس الرحمن صاحب کا خط پیش کیا گیا جس میں ۳ ماہ کے لئے حاضری سے معذوری بتائی گئی تھی بوجہ امتحانات کی تیاری کے ۔ جو کہ منظور کیا گیا ۔

اسکے بعد جلسہ بخیر و خوبی ۱۰½ بجے شب ختم ہوا ۔

بتاریخ ۲۰/۳/۴۱ بروز جمعرات بوقت ۸½ بجے شب ملتوی شدہ جلسہ منتظمہ کمیٹی زیر صدارت جناب محمد رفیع صاحب کپڑے والے در دفتر لیگ منعقد ہوا ۔ حسب ذیل حضرات نے شرکت جلسہ فرمائی ۔

(۱) حافظ ارشاد احمد کھتوریہ (۲) صبغۃ اللہ بنارس والے (۳) محمد تقی نور (۴) محمد رفیع کپڑے والے (۵) محمد تقی کشتی والے (۶) حافظ انوار الحق حقی (۷) فضل مبین احمد (۸) عبدالستار عزت (۹) محمد یوسف فیروزی ۔

بعد تلاوت کلام پاک حسب ذیل کارروائی شروع کیگئی ۔

(۱) سابقہ کارروائی مورخہ ۶/۳ و ۱۳/۳ کی تصدیق کیگئی ۔

(۲) تخمینہ آمد و خرچ ماہ مارچ ۱۹۴۱ء پیش کیا گیا جو کہ منظور کیا گیا ۔

(۳) استعفے اجات جناب ارشاد احمد صاحب کھتوریہ و صبغۃ اللہ صاحب بنارس والے و محمد نواب صاحب چوتھائی پیش کئے گئے ۔ جلسہ نے استعفوں کی وجوہات پر ہمدردی سے غور کیا ۔ اور طے پایا کہ محمد رفیع صاحب کالیہ جوائنٹ سکریٹری لیگ ہذا سے معاملہ ہذا کے متعلق استفسار کیا جائے اسکے بعد کارروائی کیجائے ۔ جلسہ کی درخواست پر حافظ ارشاد احمد کھتوریہ

وصبغۃ اللہ صاحب نے اپنے استعفے واپس لے لئے۔ نیز قرار پایا کہ محمد نواب صاحب چوغتائی سے درخواست کی جائے کہ وہ اپنا استعفیٰ واپس لے لیں۔

(۴) استعفے جات حفیظ الرحمٰن صاحب تجسس و حفظ الرحمٰن صاحب آرزو و عبد المتین صاحب چاندنہ پیش کئے گئے۔ جو کہ افسوس کے ساتھ منظور کئے گئے۔ نیز قرار پایا کہ ان اصحاب پر جو رقومات واجب ہوں انھیں برابر کر دیا جائیں۔

(۵) صاحب صدر کی اجازت سے عبد المغنی صاحب ولد عبد الستار مرحوم مجلس عاملہ و مجلس منتظمہ کے رکن منتخب کئے گئے۔

(۶) صاحب صدر کی اجازت سے محمد یوسف صاحب کپڑے والوں نے مندرجہ ذیل تجویز پیش کی جو کہ متفقہ طور پر منظور کیگئی :۔

"ہر تیسرے ماہ پنجابی یوتھ لیگ کی کارگذاری کی مکمل رپورٹ سکریٹری لیگ مرتب کرکے مجلس منتظمہ سے تصدیق کرائیں جو کہ علیحدہ کتابی صورت میں شائع کراکر برادران قوم میں مفت تقسیم کیجائے۔

(۷) جنرل سکریٹری نے مردم شماری کے متعلق ممبران کو توجہ دلائی اور طے پایا کہ مندرجہ ذیل اصحاب کے ذمہ کیا جائے کہ وہ اپنے علاقہ میں مردم شماری کرنے والوں کی ہر طرح امداد کریں اور کوشش کریں کہ صحیح تعداد تحریر کیجاسکے :۔

(۱) بیری والا باغ۔ عبد الستار صاحب عزت۔

(۲) رنڈی والا باغ۔ محمد یحییٰ صاحب

(۳) نواب والا باغ۔ حافظ ارشاد احمد صاحب کٹھوریہ۔

(۴) شیش محل کشن گنج وغیرہ۔ محمد نقی صاحب نور۔ محمد رفیع صاحب کپڑے والے۔

(۵) پھاٹک حبش خاں۔ فضل مبین احمد صاحب۔ محمد یوسف صاحب کپڑے والے۔

(۶) بلیماران۔ محمد سعید صاحب چمڑے والے۔

(۷) احاطہ کالے صاحب۔ صبغۃ اللہ صاحب بنارس والے۔

اسکے بعد جلسہ بخیر و خوبی ۱۰½ بجے شب ختم ہوا۔

بتاریخ ۲۳/۴۱ بروز جمعرات بوقت ۹ بجے شب جلسہ مجلس منتظمہ پنجابی یوتھ لیگ زیر صدارت جناب محمد نقی صاحب نور منعقد ہوا۔ حسب ذیل حضرات نے شرکت جلسہ فرمائی۔

(۱) محمد نعمان چوغتائی (۲) فضل مبین احمد (۳) حافظ ارشاد احمد کٹھوریہ (۴) شجاع الدین صابح (۵) محمد رفیع کپڑے والے (۶) حافظ انوار الحق حقی (۷) محمد نقی نور۔

بعد تلاوت کلام پاک حسب ذیل کارروائی شروع کیگئی۔

(۱) کارروائی سابقہ مورخہ ۴۱ کی تصدیق کیگئی۔

(۲) تجویز منجانب فضل مبین پیش کیگئی اور متفقہ طے پایا کہ تجویز ہذا پہلی خواندگی میں باتفاق آرا منظور کیگئی

(اراکین مجلس منتظمہ کے لئے ایک روپیہ چندہ سالانہ لازمی بعد ماہانہ چندہ اختیاری قرار دیا جائے۔)

(۳) انجمن وکیل قوم پنجابیان کی نامنظوری امداد ماہانہ "پنجابی گزٹ" پر غور کیا گیا اور باتفاق آرا طے پایا کہ "پنجابی گزٹ" کی امداد کے سلسلہ میں انجمن ہذا کو خط لکھا جائے کہ "پنجابی گزٹ" کی امداد لیگ کے لئے ضروری ہے۔ کیونکہ تحریک اصلاح رسوم نشر و اشاعت کے لئے پنجابی یوتھ لیگ کو "پنجابی گزٹ" نہایت معقول امداد ملتی ہے اور اس کا جاری رکھنا اصلاح رسوم کے لئے ازبس ضروری ہے۔ لہذا پنجابی یوتھ لیگ کے دفتری اخراجات میں "پنجابی گزٹ" کی ماہانہ امداد بھی شامل ہے۔

(۴) صاحب صدر کی اجازت سے مندرجہ اصحاب کے فارم

رکنیت لیگ منظور کئے گئے۔ محمد شعیب ولد محمد عثمان۔ محمد ادریس ملتانی ولد حاجی عبدالکریم ملتانی

(۵) صاحب صدر کی اجازت سے کارروائی شعبہ اصلاح رسوم ۱۱/۴۰ و ۲/۱/۴۱ و ۱۴/۱/۴۱ و ۲۴/۱/۴۱ و ۲۸/۱/۴۱ و ۴/۲/۴۱ و ۶/۲/۴۱ و ۱۲/۲/۴۱ کی سماعت کی گئی۔

(۶) جلسہ ہذا میں قرار پایا کہ شعبہ اصلاح رسوم سے درخواست کی جائے کہ وہ اپنے فیصلے جلسہ ۱۳/۲/۴۱ تجویز ۲ پر نظرثانی کرے۔

اسکے بعد جلسہ بخیر و خوبی بوقت ۱۰½ بجے شب ختم ہوا۔

بتاریخ ۱۳؍مارچ ۱۹۴۱ء بروز جمعرات بوقت ۹½ بجے شب جلسہ مجلس منتظمہ منعقد ہوا۔ زیر صدارت محمد نقی صاحب نورتیز حسب ذیل حضرات نے شرکت جلسہ فرمائی:۔

(۱) حافظ ارشاد احمد کٹھوریہ (۲) فضل مبین احمد (۳) محمد عمر لیس والے (۴) حافظ محمد نقی نورز (۵) حاجی محمد رفیع کپڑے والے (۶) ممتاز الدین چوتھائی (۷) حافظ انوار الحق حقی

حافظ ارشاد احمد کٹھوریہ نے تلاوت کلام پاک فرمائی۔

(۱) گذشتہ کارروائی مورخہ ۱۳/۲/۴۱ء کی تصدیق کیگئی

(۲) مندرجہ ذیل تجویز برائے خواندگی دوئم پیش کیگئی۔ (منظور شدہ تجویز ۳ جلسہ منعقدہ ۶؍مارچ ۱۹۴۱ء) اور متفقہ منظور کیگئی۔

"اراکین مجلس منتظمہ کے لئے ایک روپیہ سالانہ چندہ لازمی۔ اور ماہانہ چندہ اختیاری قرار دیا جاتا ہے"۔

(۳) گوشوارہ ماہ فروری ۱۹۴۱ء پیش کیا گیا اور باتفاق آرا منظور کیا گیا۔

(۴) انجمن وکیل قوم پنجابیان کا خط بابت پوسٹر مورخہ متعلق بارات کے کھانے کے روپے پیش کیا گیا۔ مع

مسودہ اشتہار اور بعد غور و خوض قرار پایا کہ انجمن ہذا کو لکھا جائے کہ طریقہ کار منظور شدہ جلسہ عام پنجابیان منعقدہ ۲۹؍ستمبر ۱۹۴۰ء متعلقہ عمل درآمد دستور العمل منظور شدہ قوم کے ایٹم ۲ کے ذریعہ تمام رقومات کی وصولی لیگ ہذا پر فرض کیگئی ہے۔ اسلئے انجمن کا یہ اعلان کہ شادی سے قبل انجمن وکیل قوم پنجابیان کو بارات کے کھانے کے روپے ادا کر دئے جائیں ایٹم مذکورہ بالا کے خلاف ہے۔ نیز اب تک جو طریقہ اس ایٹم کے سلسلہ میں رہا ہے اسکے بھی خلاف ہے۔ اسلئے اگر انجمن اس سلسلہ میں قوم سے اگر کوئی اپیل کرنا چاہتی ہے تو وہ یہ اپیل کرے کہ شادی سے قبل یہ روپے لیگ ہذا کو ادا کر دئے جائیں۔ نیز یہ بھی ایکساتھ اعلان کر دیا جائے کہ عدم ادائیگی کی صورت میں پنجابی یوتھ لیگ کو حق حاصل ہے کہ بارات کے کھانے سے قبل سکول فنڈ کے لئے ہر ممکن طریقہ سے روپے وصول کرے۔

اسکے بعد جلسہ بخیر و خوبی تقریباً ۱۰½ بجے شب ختم ہوا۔

پنجابی یوتھ لیگ کے ممبر بنکر قوم کی اقتصادی حالت کو درست بنائیے۔

قواعد

۔ پنجابی گزٹ بالعموم ہر مہینہ کی پہلی تاریخ کو شائع ہوا کرے گا۔

۔ علمی و ادبی، تمدنی، اخلاقی، معاشرتی، اصلاحی اور تجارتی مضامین بشرطیکہ وہ معیار ادب پر پورے اتریں درج ہونگے۔

۔ دلآزار تنقیدیں اور دلشکن مضامین درج نہیں ہونگے۔

۴۔ ناپسندیدہ مضمون ۱؍ کا ٹکٹ آنے پر واپس بھیجا جاسکتا ہے۔

۔ خلاف تہذیب اشتہارات شائع نہیں کیے جائینگے۔

۔ پنجابی گزٹ کی ضخامت کم سے کم ۶۰ صفحے ماہوار ہوگی۔

۔ رسالہ نہ پہنچنے کی اطلاع دفتر میں ہر ماہ کی ۱۰ تاریخ کے بعد اور ۱۵ سے پہلے پہنچ جانی چاہیے۔

۔ جواب طلب امور کیلئے ۱؍ کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ آنا چاہیے۔

۔ چندہ عام خریداروں سے صرف ۵، معاونین سے ۲۵ روپے اور سرپرست حضرات سے ۱۰۰ روپیہ سالانہ۔

۔ منی آرڈر کرتے وقت کوپن پر اپنا مکمل پتہ تحریر کیجئے۔

۔ خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر جو پتے کے اوپر درج ہوتا ہے ضرور لکھیں۔

منیجر رسالہ پنجابی گزٹ ۸ نمبر ...

زیر سرپرستی انجمن وکیل قوم پنجابیان دہلی

و

زیر اہتمام پنجابی یوتھ لیگ دہلی

ماہنامہ

پنجابی گزٹ دہلی

قوم پنجابیاں کا واحد ترجمان

سرپرست خصوصی

۱:۔ شیخ فیروز الدین صاحب جاپان والے، کلکتہ
۲:۔ " محمد ذکی صاحب معرفت پیرجی محمد یوسف صاحب دہلی
۳:۔ " محمد سلطان صاحب معرفت شیخ محمد صدیق صاحب
۴:۔ ملٹن ٹریڈنگ کمپنی۔ کلکتہ۔
۵:۔ ایس نور الٰہی صاحب اینڈ کو کلکتہ۔
۶:۔ خان بہادر شیخ محمد جان صاحب کلکتہ
۷:۔ شیخ محمد صدیق صاحب تار والے دہلی
۸:۔ جناب حاجی ابو الحسن صاحب تار والے دہلی
۹:۔ محمد یونس صاحب باڑی دہلی
۱۰:۔ محمد صدیق صاحب رئیس اعظم کان پور
۱۱:۔ حاجی محمد سعید صاحب ملک دواتی والے دہلی
۱۲:۔ حاجی محمد سعید صاحب باڑی دہلی
۱۳:۔ مقبول الٰہی صاحب جاپان والے معرفت ایس نور الٰہی اینڈ کو کلکتہ۔
۱۴:۔ محمد شفیع صاحب مالک فرم انڈین ٹریڈنگ کارپوریشن کلکتہ
۱۵:۔ محمد ابراہیم صاحب سگرٹ والے معرفت عبدالسلام و محمد ابراہیم صاحب
۱۶:۔ حافظ مقصود احمد صاحب معرفت ایس کرم الٰہی اینڈ سنز کلکتہ
۱۷:۔ جناب شیخ حافظ مقصود احمد صاحب آنولہ
۱۸:۔ ایس۔ ایم۔ حنیف صاحب کلکتہ
۱۹:۔ مسرز رحیم الدین اینڈ عبدالکریم صاحبان کلکتہ
۲۰:۔ شیخ حافظ محمد شفیع اللہ والے
۲۱:۔ حاجی احمد حسن صاحب اللہ والے

دکتور شفیق ...

معاونین خصوصی

- [illegible] اعجاز احمد صاحب خلف خیاض الدین صاحب — دہلی
- [illegible] عبد الخالق صاحب — "
- [illegible] صاحب مالک فرم مرکنٹائل [illegible] کمپنی — "
- [illegible] عبد الخالق صاحب
- [illegible] محمد اسمٰعیل صاحب دوائی والے — کلکتہ
- حاجی رحمت الٰہی صاحب معتکف — دہلی
- محمد سعید صاحب مسلم — کلکتہ
- سراج العارفین صاحب کپڑے والے — دہلی
- محمد اقبال [illegible] دواخانے والے — "
- گرانڈ واچ کمپنی — کلکتہ
- محمد رفیع صاحب — "
- حاجی کرم الٰہی و رحمٰن الٰہی صاحبان گھڑی والے — دہلی
- محمد تقی صاحب باڑی بی۔ اے — کلکتہ
- مقبول برادرس — "
- ملک ممتاز الدین صاحب — "
- جلال الدین اینڈ کو — "
- محمد اسمٰعیل صاحب دوائی والے — "
- فیاض الدین صاحب اینڈ کمپنی — [illegible]
- [illegible] معرفت [illegible] اینڈ سنز کانپور
- [illegible] رحمت الٰہی صاحب جاپان والے — کلکتہ
- [illegible] رشید صاحب کلکتہ والے — "
- [illegible] صاحب معرفت [illegible] — دہلی
- مسٹر [illegible] ایم سعید [illegible] والے — کسولی؟
- [illegible] صاحب کپڑے والے — دہلی
- [illegible] صاحب [illegible] والے — "
- [illegible] صاحب [illegible] والے — کلکتہ
- [illegible] صاحب [illegible] — "
- مسٹر [illegible] صاحب خضاب والے — دہلی
- محمد یوسف صاحب چشمے والے معرفت [illegible] کمپنی — کلکتہ
- [illegible] — "
- محمد [illegible] صاحب گھڑی والے — دہلی
- [illegible]
- [illegible]

۱۳۴- عبد الملک صاحب سگریٹ والے — کلکتہ
۱۳۵- محمد یاسین صاحب مالک فرم واشق کمپنی — "
۱۳۶- فضل احمد صاحب معرفت شفیع کمپنی — "
۱۳۷- محمد احمد صاحب معرفت مسرز ایس ایم احمد اینڈ کو — "
۱۳۸- محمد ابراہیم صاحب معرفت برٹش ہاؤس — "
۱۳۹- محمد اشفاق احمد صاحب چاندنہ — "
۱۴۰- مسرز شیخ محمد ادریس صاحب ملتانی — دہلی
۱۴۱- عبد الحمید صاحب دواتی والے — "
۱۴۲- محمد اسمٰعیل صاحب سگریٹ والے — کلکتہ
۱۴۳- مسرز محمد عمر صاحب محمد شفیع صاحب — "
۱۴۴- محمد تقی صاحب باڑی — دہلی
۱۴۵- مسرز جلال الدین اینڈ کو — کلکتہ
۱۴۶- محمد صادق صاحب بریلوی — "
۱۴۷- شاہد احمد صاحب بریلوی — بریلی
۱۴۸- ایس۔ ایم انوار احمد صاحب بریلوی — کلکتہ
۱۴۹- انور سعید صاحب بریلوی — بریلی
۱۵۰- عبد الحمید صاحب بیڑی والے — کلکتہ
۱۵۱- عبد الاحد صاحب مینیجنگ پروپرائٹر کامرشیل پرنٹنگ کمپنی (دہلی)
۱۵۲- انوار الحق صاحب چشمے والے — دہلی
۱۵۳- ایس سلیم الدین صاحب — کلکتہ
۱۵۴- محمد شفیع صاحب — "
۱۵۵- محمد [illegible] صاحب ملتانی آنریری مجسٹریٹ — دہلی
۱۵۶- ایس رحمان گھڑی والے — کلکتہ
۱۵۷- اے رحمان گھڑی والے — "

جلد ۱ شمارہ ۶

ماہنامہ پنجابی گزٹ دہلی

ماہ جون سنہ ۴۶ء

ادارۂ تحریر

منظور احمد ایم۔ اے

سلطان احمد

ناظم:۔ آفتاب احمد چشمہ والے

مدیر شمع کلب:۔ انیس الرحمن کالیہ

شمع کلب

پرنٹر و پبلشر

جمیل الرحمن نے دیال پرنٹنگ پریس دہلی میں چھپوا کر

دفتر پنجابی گزٹ سے شائع کیا

کتبۂ شفیق [illegible]

گرد و پیش

منظور احمد

ماہ گذشتہ کے شمارہ میں ادارہ کی جانب سے برادری کے با اثر تاجروں اور بارسوخ حضرات سے یہ درخواست کی گئی تھی۔ کہ وہ اپنی معروفیات میں سے تھوڑا وقت نکال کر اپنے وسیع تعلقات کی مدد سے برادری کے اس نوجوان طبقہ کی رہنمائی کریں جو حصول تعلیم کے بعد گردو پیش کی الجھنوں سے گھبرا کر صرف نوکری کو اپنا منتہائے مقصد بنا چکا ہے جریدہ کی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر ہو گئی اس لئے ادارہ کو اکابرین نیز نوجوانان قوم کی رائے معلوم کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ لیکن مسئلہ کی اہمیت مزید وضاحت کے لئے مجبور کرتی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے۔ کہ قوم کی دیرینہ شان و شوکت واپس لانے کے لئے اس سوال کو حل کرنا از بس ضروری ہو گیا ہے۔ امید ہے برادری کے ارباب بست و کشاد اس مسئلہ کی نوعیت کو سمجھانے اور حل تلاش کرنے میں ادارہ کی پوری مدد کریں گے۔

تجارت جیسا کہ حالات نے ثابت کیا قوم کی زندگی میں بمنزلہ روح کے ہے اور جس وقت تک برادری کے افراد تجارت کرتے اور نوجوانوں کے لئے تجارت کے مواقع بہم پہنچاتے رہے برادری کی عزت اور وقار میں اضافہ ہوتا رہا۔ دولت کے انبار موجود رہے لیکن کیونکہ ساری دولت سمٹ کر ایک مرکز پہ جمع نہ ہوتی تھی۔ اس لئے نوجوان کا ذہن ہمیشہ عروج اور ترقی کا خواہاں رہا۔ حالات نے اچانک پلٹا کھایا اور وہ بے لوث اتالیق جو برادری کے بچوں کو اپنا بچہ سمجھتے تھے۔ اس جہاں سے رخصت ہو گئے اور اپنے ساتھ ہی وہ بے طمع محبت اور مالفت بھی لے گئے۔ جس کے بغیر قوم کا شیرازہ یکجا رہنا مشکل ہوتا ہے وقت کی گردش اور زمانہ کا چکر اپنے دامن میں کچھ تبدیلیاں لاتا ہے۔ تجارتی دنیا اس سے محفوظ نہیں۔ کچھ وقت کے اقتضا کو سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ کچھ خود غرضی اور جھوٹی نمود و نمائش نے راہ روکی اور قوم کے اکثر و بیشتر حضرات کے ہاتھ سے تجارت کی دولت نکل کر دوسروں کے قبضہ میں چلی گئی یہ سانحہ قوم کی زندگی میں تشتت و افتراق کا بیج بو گیا اور قوم دو طبقوں میں تقسیم ہو گئی ایک وہ جو صرف اس لئے پنجابی تھے۔ کہ پنجابی برادری سے متعلق تھے۔ دوسرا طبقہ متمول حضرات کا تھا جس کے پنجابی ہونے کا سبب اس کی دولت و امارت تھی۔ دونوں طبقہ کے افراد ایک دوسرے سے ملتے جلتے رہے لیکن ان کے درمیان ایک ناقابل عبور ذہنی خلیج حائل ہو گئی تھی۔ جو کسی عنوان پٹتی نظر آتی تھی ——— یہ ایک عذر تھا جو آیا اور اگر وقت اول الذکر طبقہ کا ساتھ نہ دیتا تو شاید ہمیشہ قائم رہتا۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ اور جلد ہی گذر گیا لیکن اس کے اثرات آج بھی باقی ہیں۔ اور ہمارا کام صرف ان اثرات کو مٹانا ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوا تو خوف ہے کہ یہ طبقہ وار افتراق پھر سماجی معاشرتی زندگی کی بنیادیں ہلا دے گا۔ جس کے نشانات آج بھی پائے جاتے ہیں اور اگر ہم دیکھنا چاہیں ——— چاہیں کا سوال میری دانست میں بے معنی ہے۔ ہم دیکھ سکتے ہیں ——— دیکھتے ہیں اور ہم کو دیکھنا چاہیئے۔

ان اثرات کو مٹانے کا موزوں طریقہ کیا ہے؟

ان اثرات کو مٹانے کا واحد طریقہ برادری کے گھر میں دیرینہ شان و شوکت واپس لانے کی کوشش ہے۔ جس کی تلاش میں چند بے چین روحیں بھٹک رہی ہیں۔ شکایت اور بجا شکایت ہے کہ برادری کے نوجوان بزرگوں کی وہ عزت نہیں کرتے جو ان کا شیوہ رہا ہے ——— لیکن وجہ؟ ——— کہا اور سمجھا جاتا ہے کہ نوجوانوں کو اکابرین کی دولت اور شان سے نفرت ہے ——— لیکن حقیقت حال اس کے بالکل برعکس ہے نوجوانوں کو نفرت نہیں بلکہ بے التفاتی کا گلہ ہے۔ ایسی شکایت جس کو گوش گذار کئے بغیر ہماری حیات قومی کا تصور تعمیر بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے البتہ شکوہ جس کے جواب میں وہ التفات کے خواہاں ہیں وہ چاہتے ہیں۔ کہ اپنے روحانی اضطراب اور اندرونی خلش کی ایک رمق سے آپ کو آشنا کر دیں۔ لیکن اپنے سینہ کے بیش بہا کانیات میں آپ کو حصہ دار بنانے کے باوجود وہ آپ کی دولت ——— جو آپ کی ہے اور رہنی چاہیئے ——— کے حقدار بننا نہیں چاہتے وہ چاہتے ہیں کہ آپ ان کے جائز مطالبات سمجھ کر اپنے مشوروں تجربوں اور امداد ——— جو آپ کے احاطہ امکان میں ہو اس سے گریز نہ کریں۔

قوم کے نوجوانوں کو چار گروپ میں تقسیم کیا جا سکتا ہے وہ نوجوان جنھوں نے تعلیم حاصل کی یا نہیں کی اور اپنے بزرگوں کے کاروبار میں شامل ہو گئے وہ نوجوان جن کی آمدنی ان کے اخراجات سے کافی زیادہ ہے وہ ان الجھنوں میں پڑنا نہیں چاہتے اور بے حقیقت سنگریزہ کی طرح زمانہ کی ٹھوکروں سے ادھر ادھر مارے مارے پھرتے ہیں۔ ان دو گروپ کے بارے میں کچھ لکھنا اس وقت بیکار ہے تیسرا گروپ ان نوجوانوں کا ہے۔ جن کے پاس کاروبار میں لگانے کے لئے سرمایہ اور کاروبار کو وسعت دینے کی صلاحیت بھی ہے یہ گروپ صرف مشورہ اور امداد کا طالب ہے۔ اس کے بعد ترقی کی راہیں اور ارتقا کے منازل دیکھنا اور طے کرنے کے لئے دوربین نگاہیں اور عزم راسخ اس کو قدرت نے ودیعت کیا ہے ہماری برادری کے اکابرین جو آج عظیم الشان فرموں اور بڑی بڑی صنعتوں کے مالک ہیں۔ اپنی تھوڑی سی توجہ صرف کر کے ان نوجوانوں کو برسر روزگار کر سکتے ہیں۔ ان اکابرین کے ذہن میں مختلف کاروباری لائینوں کے خاکے ہر وقت اور ہمیشہ موجود رہتے ہیں نہ صرف یہ بلکہ متعلقہ افسران اور دیگر لوگوں سے ربط ضبط بھی ہوتا ہے لیکن وہ اپنے کاروبار سے اتنی فرصت نہیں پاتے۔ کہ دیگر چیزوں کی طرف اپنا ذہن رجوع کر سکیں۔ چنانچہ برادری کی فلاح اور بہتری کے خیال کے پیش نظر وہ چند نوجوانوں کو اپنے زاویہ نگاہ کے مطابق منتخب کر کے ان تجارتی لائینوں پر لگا سکتے ہیں۔ جو ان کے ذہن میں موجود رہتی ہیں یہ درست ہے کہ کہنے اور کرنے میں زبردست فرق ہوتا ہے لیکن اس گروپ کی رہنمائی اور امداد بہت سی الجھنوں اور قباحتوں سے پاک ہے علاوہ ازیں ادائیگی فرض میں اگر چند رکاوٹیں اور الجھنیں بھی ہوں۔ تو انسانیت۔ شرافت۔ مذہب۔ اخلاق غرض ہر ترغیبات ہم سے تھوڑی سی قربانی ضرور مانگتی ہے اور اگر ہم میں کچھ احساس بھی باقی ہے تو یقیناً ہم اس سے گریز نہیں کریں گے یہ میرا خیال ہے آپ اور ہر شخص اس سے مختلف بھی سوچ سکتا ہے ——— لیکن اگر واقعی کوئی ایمانداری سے سوچیے تو شاید اس سے مختلف نتیجہ برآمد نہیں کر سکے گا۔

چوتھا گروپ ان نوجوانوں کا ہے۔ جن کے پاس ہمت اور تعلیم کے علاوہ پنجابی برادری کا فرد ہونے کے سبب صرف یہ حق اور ہے کہ وہ امداد اور توجہ کے لئے اکابرین کی جانب دیکھیں ——— اس طبقہ کے رہنمائی اور امداد میں چند قباحتیں اور چند ہی مسائل ایسے ہیں جو چند برس کانی سوچ بچار کی ضرورت ہے نہ صرف یہ گروپ بلکہ اس تمام موضوع پر ابھی بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے اور اگر برادری

کے افراد نے اس کی اہمیت محسوس کی اور ادارہ سے تعاون کیا تو انشاء اللہ بسیط مقالات شائع کئے جائیں گے۔ فی الحال ادارہ آپ کی رائے کا طالب اور منتظر ہے امید ہے اس مرتبہ ناظرین گزٹ اظہار رائے میں بخل سے کام نہیں لینگے

پائندہ باد پاکستان زندہ باد قائد اعظم

ہندوستان ایک سیاسی اسٹیج ہے جس پر ہر شخص بغیر کسی امتیاز کے رہبر اور پیشوا کا پارٹ ادا کر سکتا ہے۔ مقرر۔ پیر مولوی مہاتما کسی کی تخصیص نہیں ہے جو عوام پر تقریر کے ذریعہ اثر ڈال سکے وہ بھی رہنما سمجھا جاتا ہے اور جو ہر قسم کی صلاحیت سے بے بہرہ ہونے کے باوجود آسمانی دنیا کے عذاب و ثواب سے ڈرا دھمکا کر اپنا گرویدہ بنا سکے وہ بھی لیڈر گنا جاتا ہے۔ سیاست کے اعتبار سے ہندوستان ایک گنبد بے در ہے جس کے باہر چوکیدار ہے نہ یہ راستہ شارع عام نہیں ہے کا بورڈ ہی آویزاں کیا گیا۔ جب کیبنٹ مشن ہندوستان آیا اور ملک کی سیاسی جماعتوں سے تبادلہ خیالات کا پروگرام مرتب کیا گیا تو چند ایسے لوگ بھی ان میں شامل تھے کہ اگر حالات کے بنا پر وہ خود نہیں جا سکتے تھے تو دوسرے کے شانہ پر ہاتھ رکھ کر ہی اندر پہنچ گئے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہندو مسلمان کی قسمت کا فیصلہ نہیں بلکہ مختلف سیاسی جوکروں اور ان کی جماعتوں کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا ہے اگر کوئی انگریزی میں گفتگو نہیں کر سکتا تو مترجم کے ذریعہ ہی اس غرض کو ادا کیا گیا اگر مشن مختلف آدمیوں کو وقت نہیں دے سکتا۔ تو تین تین اور چار چار کی ٹولیاں بنا کر ملاقاتیں کی گئیں۔ اور یہ سلسلہ اس وقت جاری رہا کہ کیبنٹ مشن نے ملک کی سچی نمائندہ جماعتوں اور ان کے قائدین کو بلا کر یہ قصہ ختم کر دیا

آپس کا فیصلہ اور باہمی مفاہمت جیسا کے خیال تھا نہ ہو سکی اور مشن نے اپنی "سفارشات" ملک سامنے پیش کر دیں جس میں پاکستان کو رد کرتے ہوئے وہ تمام اگل دیا۔ جو مختلف طریقوں سے ان کے ذہن میں اتار گیا تھا لیکن اس سانحہ ہی دو بجو بھی نہ دیا جس سے ملک کی دوسری جماعت یا ہندو قوم ہی شاد کام ہو جاتی۔ مشن کے نشریہ کے بعد ہندوستان کے اس کونہ سے اس کونے تک تمام ہندو پریس خوشی کے مارے بے حال ہو گیا۔ خوشی اس امر کی تھی کہ ہندوستان آزاد نہ ہوا تھا سے کم از کم پاکستان کا مطالبہ تو نامنظور کر دیا گیا۔

لیکن جس وقت ملک کے طول و عرض میں یہ ہنگامہ آرائی ہو رہی تھی۔ اس وقت مسلم قوم انتہائی ضبط اور تحمل کے ساتھ اپنے اس قائد اعظم کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جو موافق اور مخالف ہر دو حالات میں قوم کی قیادت کرنی جانتا ہے۔ بحر ذہانت کا یہ شناور اور جب قوم کا یہ محافظ انتہائی انہماک سے تمام حالات کا گہرا مطالعہ کرتا رہا ——— دن بیتتے گئے مہاتما گاندھی نے جن کا نعرہ "ہندوستان چھوڑ دو" تھا مشن کی شان میں قصیدہ خوانی شروع کر دی کانگریس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس یہ ظاہر کرتا تھا کہ مشن کی سفارشات پر لبیک کہہ دیا جائیگا۔ لیکن اس کے باوجود مسلم قوم نے سراسیمگی کا اظہار کیا اور نہ جودت و فطانت کے پتلے اس نے حالات و واقعات کے خوفناک ریلے سے گھبرا کر اپنے ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑے ——— آخر شملہ کی برفانی چوٹیوں سے دانائے راز سیاست قائد اعظم جناح کا پیغام پہنچا کہ "پاکستان ہی تمام مشکلات کا حل ہے" یہ ہے سیاست جس میں ہٹ اور ہٹ دھرمی کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے وہ سوچ رہا تھا کہ کیا واقعی ہماری مانگ غلط ہے اتنے عرصہ کے سوچ سمجھنے

حل کو پھر سوچا لیکن غور و فکر کے بعد یہی نتیجہ مرتب ہوا کہ دنیا کچھ بھی کہے ہندوستان کی الجھی ہوئی حالت اور مسلمانوں کی فلاح
"پاکستان ہی تمام مشکلات کا حل ہے"

اس اعلان کے باوجود قائد نے مسلم قوم کی قسمت کا فیصلہ ان کے ہاتھوں میں سونپ دیا لوگ کہتے ہیں۔ جناح آمر ہے ڈکٹیٹر ہے۔ جو حکم دینا جانتا ہے سننا نہیں بلکہ آج کے حالات بتا رہے ہیں کہ جناح عوام کا نمائندہ ہے جو سننا جانتا ہے رہنمائی کرنا جانتا ہے حکم دینا نہیں۔ جناح نے یہ نہیں کہا کہ ہمارے پاس اس کے علاوہ چارہ نہیں کہ ہم مشن کی سفارشات کو مان لیں۔ لیکن گاندھی بار بار ہریجن میں نوٹ لکھ رہے ہیں کہ ہمارے لیے بہترین صورت یہ ہے کہ مشن کی سفارشات کو مان لیں۔ کل تک مہاتما جی کے بقول انگریز ہندوستان کی آزادی کا خواہاں نہ تھا۔ لیکن آج جبکہ مسلم مفاد پر ضرب لگتی نظر آتی ہے تو یہ انگریز قوم اور اس کی کیبنٹ کے بھیجے ہوئے مشن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ:۔

"مشن اتنی دور سے اس لیے نہیں آیا کہ ہمارے اختلافات سے فائدہ اٹھائے"

لیکن سوال یہ نہیں کہ وہ اس لیے آیا تھا یا نہیں بلکہ سوال یہ ہے کہ اس نے ہمارے اختلافات سے فائدہ اٹھایا یا نہیں۔ لیکن مہاتما گاندھی اس سوال کو جان بوجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ کیونکہ اس کا جواب اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ انھوں نے فائدہ اٹھایا اور کانگریس نے جناح کے اس ہاتھ کو جھٹک دیا جو ملک اور قوم کی محبت سے مجبور ہو کر ان سے مفاہمت کیلیے بڑھایا تھا۔

مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی اور کونسل مشن کی سفارشات کے متعلق کیا فیصلہ کریگی۔ ہم اس کے متعلق رائے زنی کرنا نہیں چاہتے اور ڈسپلن کے تحت نہ اپنی رائے کا اظہار کر سکتے ہیں۔ لیکن ایک چیز یقینی ہے کہ:

ہمارا فیصلہ وہ ہوگا جو ہماری جماعت کا ہوگا۔ (پائندہ باد پاکستان زندہ باد قائد اعظم)

سلطان احمد

اشارات

ہمارے گرد و پیش میں آئے دن بڑے دھوم دھڑکوں کے ساتھ بے شمار شادیاں رچائی جاتی ہیں ـــ "شادی" کے لغوی معنی ہیں۔ ایک ازلی خوشی ـــ ایک پائیدار امن ـــ ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں سے بیشتر رشتے ایک ہی افسوسناک انجام پر ختم ہوتے ہیں ـــ گھریلو جھگڑے جو گھروں کو جہنم بنا دیتے ہیں۔ اور ان کا بنیادی سبب معمولی چھوٹی چھوٹی باتیں جن کی اگرچہ کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ مگر زبردستی اہمیت دے کر انہیں کچھ نہ کچھ بنا دیا جاتا ہے۔

"شادی" ـــ کس قدر خوش آئند تخیل ہے! اس لفظ سے ہی ہمارے دماغوں میں کچھ عجیب سے تاثرات ہوتے ہیں۔ ہم کبھی اس سلسلہ میں سنجیدگی سے سوچنا پسند نہیں کرتے اور جب ہم اس مرحلہ سے دوچار ہوتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ یہ بھی ایک کھیل ہے ـــ اپنے بچپن میں ریت اور مٹی سے چھوٹے چھوٹے گھروندے کس نے نہیں بنائے؟ جب کھیلتے کھیلتے جی بھر گیا تو کیسے مزے سے انہیں توڑ پھینکا ـــ بس کچھ ایسا ہی ہم یہاں بھی سوچتے ہیں۔ دولہا سوچتا ہے کہ چلو کھیلنے کو ایک خوبصورت کھلونا ہاتھ آیا۔ جب تک جی نہیں بھرتا اپنا ہی ہے جب چاہیں گے فرش پر دے ماریں گے ـــ دلہن سوچتی ہے کہ میکے کی روکھی سوکھی اور یکساں زندگی نے کروٹ لی اور یہ بہت کچھ ہے ـــ اور رہ ہی کون جاتا ہے جو یہ سوچے کہ شادی کا حقیقی مقصد کیا ہے؟ ـــ اور اسی طرح جب ہم اپنی گھریلو زندگی کی ابتدا کرتے ہیں تو ہمارے سامنے کوئی واضح مقصد نہیں ہوتا ـــ کوئی راستہ متعین نہیں ہوتا ـــ اور ہم یونہی منہ اٹھائے بے مقصد اور بے ارادہ الجھی ہوئی پگڈنڈیوں پر ہو لیتے ہیں ـــ ہم سمجھتے ہیں کہ جنسی جذبہ کی تسکین ہی کا دوسرا نام شادی ہے ـــ جوانی اندھی بھی ہوتی ہے اور دیوانی بھی ـــ ہم عورتوں کو بچے جننے کی ایک مشین سمجھ لیتے ہیں ـــ ایک ایسی مشین جس میں اکنی ڈالی اور کھٹ سے ایک کارڈ نکل آیا ـــ اپنی نفسانی خواہشات اور جنسی بھوک کو، جسے ہم ایک عرصہ سے دباتے ہوئے ہوتے ہیں۔ یوں پورا ہوتے دیکھ کر ہم پاگل ہو اٹھتے ہیں۔ اور پاگلوں کے لئے آہنی زنجیریں بھی بیکار ہیں ـــ ہمارے سامنے کوئی مقصد نہ ہو۔ اور ہماری نظریں اس دیوار سے آگے دیکھ ہی نہ سکیں تو کیونکر امید کی جاتی ہے کہ ہماری زندگی ایک کامیاب زندگی ہو اور بامعنی۔

جب کچھ مقدس بول پڑھ کر ایک مرد اور ایک عورت کو، جو اب سے پہلے ایک دوسرے کے لئے اجنبی تھے۔ ایک غیر مرئی مگر مضبوط بندھن میں جکڑ دیا جاتا ہے ـــ اسی وقت انہیں محسوس کر لینا چاہیئے کہ ان کے کاندھوں پر کچھ عظیم ذمہ داریاں آ پڑی ہیں جنہیں تاحیات نبھانا ہوگا۔ ایک عورت اور ایک مرد کے اشتراک سے ایک گھر کی بنیاد پڑتی ہے ـــ بچے پیدا ہوتے ہیں ـــ وہ چلتے اور بڑھتے ہیں اور ہماری ذمہ داریاں بدستور قائم ہیں اپنے گھر کو پر امن رکھنے، بچے اور اچھے شہری بننے، اپنی اولاد کو صحیح تربیت دینے، انہیں تندرست جسم اور تندرست خیالات کا مالک بنانے، ان کا مستقبل تعمیر کرنے، ان کے لئے ترقی کے راستے ہموار کرنے، تعلیم و تربیت سے مزین کرانے کی تمام ذمہ داری مرد اور عورت پر یکساں ہے۔ انہیں چاہیئے کہ معمولی معمولی جھگڑوں اور فروعی باتوں میں وقت ضائع کرنے کی بجائے ان بنیادی باتوں کو مد نظر رکھیں [illegible] ترقی کا راستہ ہے خوشحالی کا راستہ۔

عمر الٰہی

انقلاب ۱۸۵۷ء

۴ مئی ۱۷۹۹ء کو ہندوستان اور ہندوستانی قوموں کی آزادی کے سب سے بڑے علمبردار اور سب سے پہلے مجاہد ٹیپو سلطان کے مقدس جسم کو سرنگا پٹم کی خاک میں دفن کر دیا گیا۔ جنرل ہارس کو جب سلطان کی شہادت کی خبر پہنچائی گئی تو وہ خوشی سے چلا اٹھا۔

"آج ہندوستان ہمارا ہے"

غیر ملکی غاصبوں کا سب سے بڑا خطرہ دور ہو چکا تھا۔ ٹیپو کی شہادت کے بعد نصف صدی میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے کارندوں نے ہندوستان کی آزاد ریاستوں کے ایک ایک کر کے تخت الٹ دیئے۔ مرہٹہ قوت کو منتشر کیا۔ اور پورے اودھ، نیپال، سندھ، پنجاب اور برما کے ایک حصے پر بربریت کا علم لہرا دیا۔ ان فتوحات کے بعد انگریزوں نے ہندوستانیوں کے ساتھ رسوا کن سلوک شروع کر دیا۔ سر رابرٹسن جو خطوط دوران انقلاب ۱۸۵۷ء میں لکھے ہیں اس میں ایک جگہ اپنے مقصد کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے کہ:۔

"ان بدمعاش مسلمانوں کو بتا دیا جائے کہ خدا کے حکم سے اب صرف انگریز ہی ہندوستان پر حکومت کریں گے"

انگریزوں کی طرف سے نہ صرف ہندوستان کی سیاسی زندگی میں انتشار پیدا کیا گیا بلکہ سماجی زندگی میں بھی نئے نئے الجھاؤ پیدا کئے گئے۔ سر میلکم لوٹن جج ہائی کورٹ ممبر مدراس کونسل نے ایک رسالہ میں لندن سے لکھا تھا:۔

"ہم نے ہندوستانیوں کی ذات، کو ذلیل کیا، انکے قانون وراثت کو منسوخ کر دیا بیاہ شادی کے قاعدوں کو بدل دیا۔ مذہبی رسم و رواج کی توہین کی عبادت خانوں کی جاگیریں ضبط کر لیں، لوٹ کھسوٹ سے ملک کو تباہ کیا۔ انہیں تکلیفیں دیکر مال گذاری وصول کی سب سے اونچے خاندانوں کو برباد کرکے انھیں آوارہ گرد بنا دینے کے بندوبست قائم کئے"

ہندوستان کے صوبوں کے عوام انگریزوں سے بدظن تھے۔ راجوں اور نوابوں کے علاوہ صرف ایک جماعت کمپنی کے حق میں تھی۔ یہ جماعت ان لوگوں پر مشتمل تھی جس نے شہروں میں انگریزی مال کی کھپت کے لئے دوکانیں کھول رکھی تھیں۔ پڑھے لکھے لوگوں کے لئے ترقی کی تمام راہیں بند تھیں بغاوت کے نشان ہر طرف موجود تھے۔ لیکن کمپنی کی آنکھیں اُسے دیکھ سکتی تھیں۔

اودھ پر تسلط جما لینے سے بنگال آرمی کے دیسی سپاہی بگڑ چکے تھے۔ دیسی سپاہیوں نے انگریز افسروں کا حکم ماننا ترک کر دیا تھا، نہ صرف بنگال آرمی بلکہ بنگال کی فوجوں آسام اور ملحقہ صوبوں کے دیسی سپاہیوں میں بغاوت کے جذبات ابھرے ہوئے تھے۔ بے چینی

سب سے پہلے ۲۲ جنوری ۱۸۵۷ء کو ڈم ڈم میں ظاہر ہوئی۔" سپاہیوں نے کہا کہ انفلیڈ رائفلوں کے لئے جو کارتوس بنائے جاتے ہیں۔ ان میں گائے اور سور کی چربی ہے۔ افسر نے حکومت کو اس بات سے آگاہ کیا۔ حکومت نے بعض چھاونیوں میں سپاہیوں کو یقین دلایا کہ کارتوس میں ممنوعات استعمال نہیں کی جارہی ہیں۔ یہ بات بارود کی طرح دوسری رجمنٹوں میں بھی پھیل گئی۔ بیرک پور کے فوجیوں نے بہرام پور کی ۱۹ ویں رجمنٹ میں بے چینی کا بیج بو دیا۔ اور ۱۹ فروری کی رات کو فوجیوں نے مظاہرہ شروع کر دیا۔ اور ۳۴ ویں رجمنٹ کی پریڈ کے وقت "دین دین" کا نعرہ لگا کر فوجیوں کو فرنگیوں کے خلاف لڑنے کی دعوت دی۔ سرجنٹ میجر موقع پر پہونچ گیا۔ منگل پانڈے نے اس پر گولی چلا دی۔ سرجنٹ بچ گیا بغاوت کے آثار پاکر جنرل ہرسی موقعہ پر پہنچا۔ بغاوت پر قابو پا لیا گیا۔ اگلے دن گورنر جنرل کا فرمان سنایا گیا انیسویں رجمنٹ توڑ دی گئی اور منگل پانڈے کو پھانسی کی سزا دی گئی۔ بنگال کی فوجی بغاوت کی خبریں مبالغہ آمیزی کے ساتھ شمالی ہندوستان میں پہنچ رہی تھیں اور یہاں بغاوت کے آثار نمایاں تھے۔ اپریل کے آخری ہفتہ میں میرٹھ کے ہندوستانی سپاہیوں نے مختلف طرح بے چینی کا اظہار کیا۔ ۹ مئی ۱۸۵۷ء کو فوجی پولیس کی حراست میں ۸۵ ہندوستانی سواروں کو لایا گیا۔ اور بغاوت کے جرم میں مقدمہ چلایا گیا۔ اور چھ سال سے دس سال تک کی سزائیں دی گئیں ساری فوج کے سامنے ان کی وردیاں پیچھے سے پھاڑی گئیں لوہے کی بھاری بیڑیاں ان کے پیروں میں ڈالدی گئیں

یہ نظارہ انتہائی ذلت آمیز تھا۔ بیڑیوں میں جکڑے ہوئے سپاہیوں نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور اس ذلت کو خاموشی سے برداشت کر لینے پر آنکھوں آنکھوں میں انھیں شرمندہ کیا۔ لیکن بھری ہوئی توپوں اور بندوقوں کی موجودگی میں بغاوت کا خیال پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔

جب سپاہی اپنی بارگوں میں گئے تو نفرت اور جوش کا انپر غلبہ تھا۔ انھوں نے بغاوت کا ارادہ کر لیا ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کی صبح کو دیسی سپاہیوں نے بارکوں میں آگ لگا دی اور بغاوت کا اعلان کر دیا کرنل فینی سپاہیوں کو ان کا "فرض" یاد دلانے کیلئے آگے بڑھا۔ لیکن ایک سنسناتی ہوئی گولی نے کرنل کو ختم کر دیا۔ جو بھی انگریز افسر آگے بڑھا گولی کا نشانہ بنا دیا گیا۔

باغی سپاہی دو ٹولیوں میں تقسیم ہو گئے ایک چھاونی کو آگ لگانے کی طرف متوجہ ہوئی اور دوسری میرٹھ جیل جا پہنچی۔ جیل کے دروازے توڑ دئے گئے ۸۵ سواروں کو جیل سے باہر نکالا گیا بارہ سو قیدی ان کے ساتھ شامل ہو گئے انھوں نے پہلے چھاونی کی طرف رخ کیا۔ پھر دلی کی طرف چل دئے انگریزوں نے ان کا تعاقب نہ کیا۔ البتہ جو زخمی سپاہی دہلی نہ جا سکتے تھے ان کو گرفتار کر کے گولی کا نشانہ بنا دیا گیا۔

میرٹھ کے دیسی سپاہیوں کی بغاوت کی خبر جب لاہور پہنچی تو وہاں بھی بغاوت کے آثار نمایاں ہوئے۔ انگریز حکام نے بغاوت کو دبانے کے لئے فیصلہ کیا کہ میاں میر کی چھاونی کے سپاہیوں سے

شاعر



MEHANDRA NATH

فصیل میں بڑے بڑے شگاف کر کے ہر انگریزی توپخانہ کے سامنے ایک توپ نصب کر دی۔

۱۴ ستمبر کو کشمیری دروازہ کی فصیل میں شگاف ہو گئے۔ جنرل نکلسن نے فوجیوں کو اجمیری دروازہ اور کابلی دروازہ سے دلی میں داخل ہونے کا حکم دیا سر فیلو فیس شگاف کی فوج جامع مسجد تک پہنچ گئی تمام نمازیوں میں یہ مشہور ہو گیا کہ انگریزی فوج جامع مسجد کو گرانے کے لئے جمع ہو رہی ہے۔ ہجوم نے تلواروں سے مسلح ہو کر حملہ کر دیا۔ انگریزی فوج نے گولی چلا دی لیکن ہجوم مرتا لڑتا آگے بڑھتا چلا گیا۔ آخر انگریزی فوج کشمیری دروازہ کی طرف بھاگ نکلی۔

۱۴ ستمبر کو اگرچہ انگریزی فوج شہر میں داخل ہو چکی تھی لیکن چار دن تک دلی کے بازاروں اور گلی کوچوں میں لڑائی ہوتی رہی ۱۹ ستمبر کو انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔

بخت خاں نے بہادر شاہ کو لال قلعہ سے ہمایوں کے مقبرہ اور وہاں سے اپنے ساتھ لیجانے کی کوشش کی تاکہ اس کے گرد فوج جمع کر کے دلی پر حملہ کیا جائے۔ لیکن انگریز الٰہی بخش کے ذریعہ پٹھان اور مغل اقتدار کے نام پر بہادر شاہ کو باغیوں سے علیحدہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اور بہادر شاہ نے جسمانی کمزوری کا عذر کر کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا بخت خاں ہمایوں کے مقبرہ کے مشرقی دروازہ سے نکلکر اپنی فوج لے کر ایسا غائب ہوا کہ پھر اس کا کہیں پتہ نہیں چلا۔ الٰہی بخش نے میجر ہڈسن کو حالات سے آگاہ کیا۔ وہ پچاس سپاہیوں کا دستہ لے کر دلی کے بادشاہ کو گرفتار کرنے کے لئے ہمایوں کے مقبرہ میں داخل ہوا۔ اور وہ بادشاہ جواں بخت اور زینت محل کو جان بخشی کے وعدے کے ساتھ گرفتار کر لیا۔ اور زینت محل کے مکان میں بادشاہ کو قید کر دیا۔

جنرل ہڈسن کو بتایا گیا کہ بہادر شاہ کے دو بیٹے مرزا مغل اور مرزا خضر سلطان اور ایک پوتا ابوبکر جو باغیوں کے لیڈر تھے ابھی تک ہمایوں کے مقبرہ میں مقیم ہیں۔ چنانچہ اگلے دن ایک سو سواروں کو ساتھ لے کر۔ ہڈسن ہمایوں کے مقبرہ پہنچا اور شہزادوں کو حراست میں لے لیا۔ اور دلی دروازے کے قریب تینوں کو گولی کا نشانہ بنا دیا۔ شہزادے تڑپے اور مر گئے۔ کہا جاتا ہے کہ ہڈسن نے ان شہزادوں کا خون پیا تھا۔ لاشوں کو کوتوالی پر لٹکا دیا گیا۔ ان کے سر تن سے جدا کر کے ہڈسن نے بطور نذرانہ بادشاہ کے حضور میں پیش کئے۔

جنرل نکلسن نے یہ خواہش ظاہر کی کہ انگریزوں کے قاتلوں کے خلاف ایک ایسا قانون بنایا جائے جس کی رو سے ہم انھیں زندہ جلا سکیں یا گرم سلاخوں سے اذیت دیکر انھیں ہلاک کر سکیں۔ اس نے کہا کاش میں دنیا کے کسی ایسے دور افتادہ گوشے میں جا سکوں جہاں مجھے یہ حق حاصل ہو کہ میں اپنی مرضی کے مطابق انتقام لیکر اپنے دل کی بھڑاس نکال سکوں نکلسن کی اس خواہش میں موت حائل ہو گئی لیکن اسکے ساتھیوں نے اسے پورا کر دیا۔

ٹائمز آف انڈیا کے اڈیٹر نے اپنی ڈائری ۱۸۵۷ء میں لکھا ہے۔

"زندہ مسلمانوں کو سور کی کھال میں سینا۔ یا

پھانسی سے پہلے ان کے جسم پر سور کی چربی ملنا یا زندہ آگ میں جلانا" (یہ سفاکانہ مظالم دیکھ کر "ہماری گردنیں شرم اور ندامت سے جھک جاتی ہیں یقیناً یہ حرکات عیسائیت کے لئے ایک بدنما دھبہ ہیں"

دہلی میں انگریزی فوج نے قتل عام شروع کر دیا۔ جو مرد نظر آیا موت کے گھاٹ اتار دیا گیا انگریز سپاہی کوچہ چیلان میں حکیم فتح اللہ خاں کے مکان میں گھس گئے۔ ان کی نیت ظاہر تھی۔ حکیم فتح اللہ خاں نے آگے بڑھ کر ہوئے سپاہی کو زخمی کر دیا۔ اسپر انگریزی فوج کے افسر اعلیٰ کے حکم سے کوچہ چیلان کے تمام مردوں کو گولی کا نشانہ بنا دیا گیا۔ تڑپ تڑپ کر مرنے والوں میں بہترین ادیب اور فن کار بھی تھے۔

خاک و خون میں لپٹے ہوئے شہریوں کا نظارہ فاتح قوم کے سپاہیوں کے لئے ایک کھیل تھا۔ سینٹ رابرٹس نے اس نظارہ کو اس طرح پیش کیا ہے "ہم لاہوری دروازہ سے ہوتے ہوئے چاندنی چوک گئے۔ تو دلی ہم کو مُردوں کا شہر دکھائی دیا۔ چاروں طرف خاموشی تھی۔ ہمارے گھوڑے کی ٹاپوں سے یہ خاموشی ٹوٹ گئی۔ ہم کسی زندہ انسان کی صورت کو نہ دیکھ سکے۔ ہر طرف مردے ہی مردے تھے زمین مردوں کا بچھونا بنی ہوئی تھی۔ چلتے وقت ہم آہستہ آہستہ باتیں کرتے۔ ڈر تھا کہ کہیں ہماری آواز سے مردے نہ چونک پڑیں۔ ایک طرف نعشوں کو کتے کھا رہے تھے دوسری طرف گدھ انھیں نوچ رہے تھے۔ بعض مردوں کے ہاتھ اوپر کو اٹھے ہوئے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی کو اشارہ کر رہے ہیں"

چاندنی چوک کی کوتوالی کے سامنے ایک حوض کے تین طرف پھانسیاں کھڑی کی ہوئی تھیں۔ ایک طرف (انگریز) تماشائیوں کے لئے کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ تیسرے پہر کو ادھر بینڈ بجتا ادھر لال قلعے سے مجرموں کی قطار روانہ ہوتی۔ ان کے ہاتھ پیٹھ کی طرف بندھے ہوتے تھے۔ ان میں سے آدھے پھانسی پر لٹکا دیئے جاتے اور آدھے موت کے انتظار میں کھڑے رہتے

مسٹر کوپلینڈ نے اپنی ۱۳ ستمبر کی چٹھی میں لکھا ہے "خونریزی کے عادی سپاہیوں نے جوش انتقام کو فرو کرنے کے لئے جلادوں کو رشوت دیکر آمادہ کیا ہوا تھا کہ مجرم کو زیادہ دیر تک پھانسی کے تختے پر لٹکے رہتے دیا جائے۔ تاکہ لاش تڑپنے کی کیفیت دیکھ کر جیسے وہ ناچ سے تشبیہ دیتے تھے۔ اپنی خونخوار طبائع کی تسکین کا سامان بنا سکیں"

میرٹھ اور دہلی کے واقعات نے دوسرے مقامات پر بھی اثر کیا۔ یہ اثر بعض مقامات پر طوفان کی ایک آدھ لہر سے ملتا جلتا ہے۔ لیکن سر ولیم ہنٹر کے الفاظ میں "فوجیوں کی یہ بغاوت اودھ میں پہونچ کر قومی جنگ کی صورت اختیار کر گئی۔"

۶ جون کو الہ آباد میں دیسی سپاہیوں نے بغاوت کر دی انگریز افسروں کو قتل کر دیا۔ اسٹیشن اور ٹیلیگراف دفتروں کو آگ لگادی اور آگے روانہ ہو گئے ۱۱ جون کو کرنل نیل نے الہ آباد پر قبضہ کر لیا اور باغی شہریوں کو پھانسی پر لٹکا دیا۔

مورخ کیٹی نے تسلیم کیا ہے کہ:

"تنہا الہ آباد کے علاقہ میں نیل نے اتنے ہندوستانیوں کو مروا ڈالا جتنے انگریز ہندوستان بھر میں ۱۸۵۷ء اور ۱۸۵۸ء کے سارے ہنگامے میں انقلابیوں کے ہاتھ سے انقلاب کی وجہ سے نہیں مرے"

ہڈسن نے لکھا ہے:-

"بوڑھے آدمیوں نے ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ ان سے اور بے کس عورتوں سے جن کی گود میں دودھ پیتے بچے تھے۔ ہم نے اس طرح بدلہ لیا جس طرح بڑے بڑے باغیوں سے"

مئی کے مہینے میں کانپور کی دیسی فوجیں بے چینی کا اظہار کرتی رہیں ۵ جون کو انھوں نے بغاوت کا اعلان کر دیا۔ چھاؤنی کو آگ لگا دی۔ خزانے کے محافظ سپاہی بھی باغیوں کی صف میں کھڑے ہو گئے باغیوں نے ایک لاکھ ستر ہزار پونڈ ہاتھیوں اور چھکڑوں پر لاد کر دلی جانے کا ارادہ کیا۔

کرنل نیل نے میجر رینالڈ اور جنرل ہیولاک کی کمان میں کانپور فوج بھیجی۔ رینالڈ کو قدم قدم پر مشکلوں کا سامنا تھا۔ اودھ کی ساری آبادی باغی ہو گئی تھی۔ آخر جنرل ہیولاک کی کمان میں ایک اور فوج بھیجی گئی نانا صاحب نے کانپور سے ۱۶ میل آگے بڑھ کر مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی۔ کرنل نیل کانپور پہنچا۔ انگریز مقتولین کا انتقام لیا۔ ہیولاک کو لکھنؤ روانہ کیا لیکن باغیوں کا بڑھتا ہوا جوش دیکھ کر اسے واپس بھاگنا پڑا

۲۳ اگست ۱۸۵۶ء کو جب کہ انگریزوں نے نہایت چالاکی اور عیاری سے اودھ پر تسلط جما کر خزانوں پر قبضہ کیا تھا۔ میوزم اور دو لاکھ کتابوں کی ایک عظیم الشان لائبریری اور ادبی خزانے کو ضبط کیا تھا۔ تاتاری گھوڑوں کو نیلام اور بیگمات اودھ کو بے عزتی سے محل سے نکالا اور واجد علی شاہ کو نظر بند کیا تھا۔ ابھی ایک سال کا عرصہ بھی پورا نہ ہوا تھا اودھ کے عوام اور خصوصاً نوجوانوں کے سینے میں نفرت اور غضب کی آگ سلگ رہی تھی۔ اودھ کے گورنر سر لارنس نے جون ۱۸۵۷ء کو کرنل نیل کو اطلاع دی کہ باغیوں نے سیتاپور، شاہجہانپور اور فیض آباد پر قبضہ کر لیا ہے اور لکھنؤ کی طرف بڑھ رہے ہیں" باغی سپاہیوں نے لکھنؤ کو گھیر لیا۔ سارا اودھ انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ سر لارنس نے باغیوں پر حملہ کیا۔ لیکن شکست کھا کر بھاگا۔ باغیوں کی تعداد پچاس ہزار تک پہنچ گئی۔ لکھنؤ کی محصور انگریزی فوجیں کانپور بھاگ گئیں۔

۱۱ فروری ۱۸۵۸ء کو تازہ دم انگریزی فوج لکھنؤ کی طرف بڑھی خونریز جنگ ہوئی ۵ ۳ دن کی لڑائی کے بعد انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ باغی بالائی اودھ اور روہیلکھنڈ کی طرف پسپا ہو گئے۔

نانا صاحب کانپور سے بریلی پہنچ گئے۔ بہادر خاں کی کمان میں روہیلکھنڈ میں انگریزی فوج کی مدافعت کے لئے تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ انگریزوں نے حملہ کیا اور ہر بار شکست کھائی آخر ۲ مئی ۱۸۵۸ء کو وہ باغیوں کو منتشر کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

بندیل کھنڈ میں بغاوت کا بہت زور تھا اس بغاوت کا مرکز جھانسی تھا۔ بغاوت چھاؤنی سے شروع ہوئی۔ یہاں انگریزوں نے ہتھیار ڈال دیئے سر ہیو روز کی کمان میں انگریزوں نے جھانسی پر حملہ کیا۔ اپریل ۱۸۵۸ء میں تانتیا توپی نے محاصرہ اٹھانے کے لئے ہلہ کیا اور وہ بہادری سے لڑتا ہوا جنگلوں کی طرف نکل گیا۔ اس وقت اس کی فوج میں صرف تین ہزار مرہٹے اور سات ہزار مسلمان تھے۔ جھانسی کی رانی لکشمی بائی قلعہ کی دیوار سے اپنی فوج کی

شکست دیکھ رہی وہ اسی رات اپنے ہمراہیوں سمیت جھانسی سے فرار ہوکر اپنی فوج میں شامل ہوگئی انگریزی فوج جھانسی میں داخل ہوئی اور قتل عام کا بازار گرم کیا۔ باغی گوالیار پہنچے اور سندھیا کو گدی سے اتار دیا۔ انگریزی فوج گوالیار کی طرف بڑھی لکشمی بائی نے اپنی فوج کی ایک جمعیت لیکر انگریزوں کو راستے میں روکا۔ اسی جنگ میں یہ ۲۰ سالہ مجاہدہ شہید ہوئی باغی فوج کی مرکزیت ٹوٹ گئی اور اس نے جنیور کی طرف راہ فرار اختیار کی۔ ستمبر ۵۸ء تک باغی گوریلا لڑائیاں لڑتے رہے آخر تانتیا توپی پکڑا گیا اور موت کی سزا پائی۔ جس بغاوت کو منگل پانڈے نے فروری ۵۷ء میں شروع کیا تھا۔ تانتیا توپی کی موت نے ستمبر ۵۸ء میں اسے ختم کر دیا۔

۱۸۵۷ء کی بغاوت ایک عالمگیر بغاوت ہونے کے باوجود ناکام رہی اس کی وجہ صرف یہ نہیں کہ یہ بغاوت کسی باقاعدہ نقشہ کے مطابق نہ ہوئی تھی اور ایک جگہ کی بغاوت کا دوسرے مقام کی بغاوت سے کوئی تال میل نہیں تھا۔ اس ناکامی کا سبب اسکے علاوہ بھی ہے۔ اور وہ یہ کہ عوام کو ایک ایسے نظام (نظام جاگیرداری) کے لئے لڑایا جا رہا تھا جو اپنی آخری عمر کو پہنچ چکا تھا۔ جوش میں آکر بعض مقامات پر کچھ ایسے کام کئے گئے جو انقلاب پسندوں کے شایان شان نہیں تھے۔ بہادر شاہ کی بادشاہت کا اعلان کرنا بھی ایک بہت بڑی حماقت تھی۔ ۸۲ سال کا وہ بوڑھا جس کی پوری عمر انگریز کی خوشامد اور وظیفہ خوری میں گذری ہو ہندوستانی عوام کے حقوق کی حفاظت کا اعلان کیا کرسکتا تھا "انگریزوں کو نکالدو" کا ایک ہنگامی مقصد تھا جس کے ساتھ تحت الشعور میں اپنی اپنی عظمت اور شخصی راج کا قیام کر رہا تھا اور مغل پٹھان، سکھ، راجپوت، روہیلہ اور مرہٹوں کے اقتدار کا سوال اب بھی ذہن میں گھوم رہا تھا۔ ایک ہنگامی مقصد نے جن مختلف عناصر کو ایک جا کر دیا تھا۔ ان کا دیر تک ایک ساتھ رہنا ناممکن تھا۔ ہندوستان وطنیت اور قومیت کے تصور سے ناآشنا تھا۔ ہندوستان جن عناصر سے عبارت تھا وہ ایک دوسرے کے مخالف تھے۔ ان سب کو اکٹھا کرنے کے لئے کسی "انسانی حقوق کی آزادی کے اعلان" کی ضرورت تھی۔ باغی سپاہی اور باغی عوام نہ انسانی حقوق سے واقف تھے اور نہ آزادی کے مفہوم سے آشنا۔

یہ ہیں وہ اسباب کہ اتنی عالمگیر بغاوت ناکام رہی۔

فکر تونسوی

مراجعت

محسوس کیا میں نے ستاروں کا تنفس — معلوم کئے میں نے بہاروں کے دفینے
بادل میں لچکتی ہوئی بوندوں کو ٹٹولا — روکے ہیں بہکتے ہوئے کرنوں کے سفینے
نوچی ہیں اندھیروں کی الم پوش ردائیں — چھیڑے ہیں اجالوں کے جھلکتے ہوئے سینے

میں بڑھتا ہی گیا بڑھتا گیا کونین بہ کونین
اور چڑھتا ہی گیا چڑھتا گیا ادراک کے زینے

اور اب کہ مجھے لایا ہے واں جادوئے ایام — جب مجھ سے مرا ذہن سنبھالا نہیں جاتا
کانٹا سا کھٹکتا ہے خیالوں کی تہوں میں — جو علم کی پوروں سے نکالا نہیں جاتا

ہونٹوں پہ تڑپ بوسۂ منزل کی ہے لیکن
آگے ہے وہ کہرا جو اُجالا نہیں جاتا

بل کھا کے بڑھتی آتی ہیں نیروں کی لکیریں — جیسے کسی چھیڑی ہوئی ناگن کا تناؤ
رہ بھی نہیں سکتا انھیں سہ بھی نہیں سکتا — چوٹیں یہ تفکر کی۔ تدبیر کے یہ گھاؤ
کچھ رہ گیا، کچھ رہ گیا، آغاز سفر میں — اے ساتھیو، اے آتش و آہن کے خداؤ
کچھ بھی ہو الاؤ، کوئی شعلہ، کوئی دیپک — اس کہرے کی سیلی ہوئی آنکھوں میں جلاؤ

ورنہ مجھے لے جاؤ اُنھیں خواب گھروں میں
تھیں دل سے ہم آہنگ جہاں وقت کی سانسیں

طلوع اسلام

نظرِ خطبۂ صدارت

راشٹرپتی مولانا ابوالکلام صاحب آزاد

چنیں دورِ آسماں کم دیدہ باشد · کہ جبریل امیں را دل خراشد
چہ خوش دیرے بنا کردند آنجا · پرستد مومن و کافر تراشد

.... مولانا آزاد صاحب کے انتخاب صدارت سے ہمیں ایک خوشی ضرور ہوئی تھی۔ اور وہ یہ کہ اب خدا خدا کر کے وہ صبر آزما سکوت ٹوٹے گا۔ جس نے بیس سال سے یہ کیفیت پیدا کر رکھی تھی کہ

دہن بر چہرہ زخمے بود و بہ شد

چنانچہ لاہور کی تقریر کے بعد کانگریس کے اجلاس رام گڑھ کی تقریب پر مولانا صاحب کو خطبۂ صدارت سنانا پڑا۔ جس میں ان سے وہ سب کچھ کہلوا لیا گیا۔ جس کے کہنے سے وہ اب تک پہلوتہی کرتے چلے آرہے تھے۔ ہم کانگریس کے ارباب بست و کشاد کے بہت ممنون کرم ہیں۔ کہ انہوں نے حضرت مولانا کو یہ "عزاز عطا" فرما کر "سادگی و پرکاری" کے ان حسین و جمیل نظر فریب پردوں کو اٹھا دیا۔ جن میں مولانا صاحب ملت سے چھپے بیٹھے تھے اور جس کی معصوم کاریوں کی بنا پر پیٹ سے ابلہ فریب حضرات بیچارے سادہ لوح مسلمانوں کو دام تزویر میں پھنسا لیا کرتے تھے۔ اب حقیقت بے نقاب ہو گئی اور کسی کو یہ کہہ کر دجل و تلبیس کا موقع نہ رہا کہ "ہاں حضرت مولانا نے بھی ہم سے تخلیہ کی گفتگو میں یہی فرمایا ہے۔ کہ میرا عقیدہ بھی یہی ہے جو جمہور مسلمانوں کا ہے"۔ اب پردے اٹھ گئے۔ اب مولانا صاحب کے خیالات کے متعلق کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی۔ کیا یہ کانگریس کے ارباب حل و عقد کا کچھ کم احسان ہے۔

اس خطبہ کو شروع سے اخیر تک دیکھ جائیے آپ کو اللہ اور اس کے رسول کا نام کہیں دکھائی نہیں دے گا۔ وہ مولانا آزاد کہ جن کی عہد اسلامی میں یہ حالت تھی۔ کہ ہر دوسرے فقرے کے بعد آیات قرآنی اور ہر تیسرے جملہ کے بعد کوئی حدیث مقدسہ آجاتی تھی۔ آج ان کی یہ حالت ہے۔ کہ اللہ کا نام لیتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں۔ جھجکتے ہیں۔ اور تو اور خطبۂ صدارت کی ابتدا میں بسم اللہ تک بھی نہیں لکھی گئی۔

انقلابات ہیں زمانے کے

کہہ دیا جائے گا کہ یہ خطبہ چونکہ مختلف مذاہب و ملل کے لوگوں کے اجتماع میں پیش کیا جانا تھا۔ اس لئے اس میں قرآن و حدیث کی ضرورت نہ تھی نہ ہی اس امر کی حاجت کہ اس کا آغاز خدا کے نام سے کیا جائے کیونکہ اس مجمع میں بہت سے ایسے سامعین بھی تھے جو سرے سے خدا کی ہستی ہی کے منکر ہیں۔ بجا اور درست۔ یہی ہم کہتے ہیں۔ کہ جب ایک مسلمان کو متحدہ قومیت کا چولا پہننا پڑتا ہے۔ تو اسے اپنے اسلامی مقام سے ہٹنا ضرور پڑتا ہے اور مسلمان جب اپنے اصلی مقام سے ہٹا، تو پھر دنیاوی اصطلاح میں وہ کچھ بھی کیوں نہ بن جائے

ایمان تو باقی نہیں رہتا۔ مسلمان رہے تو اور کچھ نہیں تو آغازِ کلام قال اللہ کے نام سے کرے۔

ہم اشاعت طلوع اسلام کی اس دو سالہ مدت میں متعدد مقامات پر مولانا آزاد کے دورِ الہلال کے خیالات کو شرح و بسط سے پیش کر کے بتا چکے ہیں کہ ان کا موجودہ مسلک خود انہی کے سابقہ دور کے الفاظ میں کس قدر اسلام کے خلاف ہے۔ اگر ان تمام اقتباسات کو یکجا جمع کر دیا جائے۔ جو ہم اس سلسلہ میں متفرق طور پر پیش کرتے رہے ہیں۔ تو وہ ایک ایسا مرقع آئینہ بن سکتا ہے جس میں حضرت مولانا کے خد و خال نمایاں طور پر نظر آ سکتے ہیں۔ ان اقتباسات کے جواب میں ہمارے اکثر دوستوں نے ہمیں لکھا کہ مولانا صاحب اب ان پارینہ داستانوں سے تائب ہو چکے ہیں۔ یہ انسانی خیالات تھے۔ جن میں ہر آن تبدیلی ہو سکتی ہے ہم ان کی خدمت میں عرض کیا کرتے تھے کہ مولانا صاحب اپنے اس وقت کے خیالات کی تائید میں ہمیشہ کتاب و سنت کی نصوص صریحہ پیش کیا کرتے تھے۔ اور اب موجودہ خیالات کی تائید میں ان کے تبدیل شدہ خیالات جو بالکل متضاد واقع ہوئے ہیں۔ کبھی بھولے سے بھی قرآن و حدیث کی سند نہیں لاتے۔ اس لئے یہ غلط ہے کہ مولانا صاحب پر جب حقائق کا اب انکشاف ہوا ہے۔ وہ ان کے پیش نظر وہ اپنے سابقہ اسلامی خیالات کو باطل سمجھتے ہیں۔ ہمارے اس دور کو مولانا نے ہماری یہ مشکل حل کر دی۔ اور اپنے اس خطبہ میں واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا۔ کہ میرا مسلک آج بھی وہی ہے جو الہلال کے زمانہ میں تھا۔ فرماتے ہیں

> "مجھے معلوم نہیں کہ آپ لوگوں میں کتنے ایسے آدمی ہیں۔ جن کی نظر سے میری وہ تحریریں گذر چکی ہیں جو آج سے اٹھائیس برس پہلے میں الہلال کے صفحوں پر لکھتا رہا ہوں۔ اگر چند اشخاص بھی ایسے موجود ہیں تو میں ان سے درخواست کروں گا کہ اپنا حافظہ تازہ کر لیں (خطبہ صدارت ۱۹۴۰ء دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔
>
> "میں اپنے ہم مذہبوں کو یاد دلاؤں گا کہ میں نے ۱۹۱۲ء میں جس جگہ سے انہیں مخاطب کیا تھا آج بھی میں اسی جگہ کھڑا ہوں۔ اس تمام مدت نے حالات کا جو انبار ہمارے سامنے کھڑا کر دیا ہے۔ ان میں کوئی حالت ایسی نہیں۔ جو میرے سامنے نہ گذری ہو۔ میری آنکھوں نے دیکھے ہیں اور میرے دماغ نے سوچنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ حالات صرف میرے سامنے گذرتے ہی نہ رہے۔ میں ان کے اندر کھڑا رہا۔ اور میں نے ایک ایک حالت کا جائزہ لیا۔ میں مجبور ہوں کہ اپنے مشاہدہ کو نہ جھٹلاؤں۔ میرے لئے ممکن نہیں کہ اپنے یقین سے لڑوں۔ میں اپنی ضمیر کی آواز کو نہیں دبا سکتا۔ میں اس تمام عرصے میں ان سے کہتا رہا ہوں۔ کہ ہندوستان کے نو کروڑ مسلمانوں کے لئے صرف وہی ایک راہ عمل ہو سکتی ہے۔ جس کی میں نے ۱۹۱۲ء میں انہیں دعوت دی تھی۔"　　(زمزم)

حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ لوگوں کو چاہیئے کہ اپنا حافظہ تازہ کر لیں لیکن ہم پوچھنا چاہتے ہیں کہ حافظہ تازہ کرنے کی ضرورت مخالفین کو ہے یا خود مولانا صاحب کو۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا صاحب کے پاس الہلال کا کوئی پرچہ بھی موجود نہیں ورنہ اس بلند آہنگی کے ساتھ دعویٰ نہ کرتے کہ جو کچھ میں ۱۹۱۲ء میں کہتا تھا آج بھی وہی کہتا ہوں۔ آیئے ہم مولانا صاحب کو بتائیں کہ وہ ۱۹۱۲ء میں کیا کہتے تھے۔ اور آج کیا کہتے ہیں۔ مولانا صاحب ذرا توجہ سے سنیں۔ کہ بڑی گہری تفکر طلب باتیں ہیں۔

ہم نے اوپر لکھا ہے کہ اس تمام خطبہ میں کہیں اللہ اور اس کے رسول کا نام نہیں آیا۔ اسلام کے کسی بزرگ کی جلالت اور عظمت کا ذکر نہیں کیا گیا۔ بھونے سے بھی کسی اسلامی تاریخی واقعہ کا اشارہ تک نہیں آنے پایا۔ لیکن اس میں اگر کسی کی عظمت کا اعتراف ہے تو (نعوذ باللہ) اس وجود اقدس و اعظم کی عظمت کا جو ستر من الخطار قرار پا جانے کی وجہ سے ہز نیشلسٹ کے نزدیک خدائی صفات کا حامل قرار دیا ہوا فرماتے ہیں۔

وقت کی ساری پھیلی ہوئی اندھیاریوں میں انسانی فطرت کا ہی ایک روشن پہلو ہے۔ جو مہاتما گاندھی کی عظیم روح کو کبھی تھکنے نہیں دیتی۔ مہاتما گاندھی عظیم روح۔ اللہ اکبر!!!

کبھی مولانا صاحب روح کی عظمت و رفعت کا یہ معیار قرار دیا کرتے تھے۔

"اولیاء اللہ کا گروہ جس قدر محبت الٰہی اور انقطاع ماسوی اللہ میں ترقی کرتا ہے اتنا ہی اس کے اعمال میں اخلاق الٰہی اور نورانی کا ظہور بھی ترقی کرتا ہے یہاں تک کہ تکمیل مرتبۂ انسانیت تک اس کا ارتفاع ہو جاتا ہے۔ اور یہی "صراط مستقیم" اور "دین قیم" کا آخری مرتبہ ہے........ (یہ) وہ قانون ارتقا ہے جسے محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو بتایا" (الہلال مورخہ ۹ر اگست ۱۹۱۲ء صلا)

سن لیا آپ نے کہ مولانا صاحب اپنے پیر و مرشد گاندھی جی کے متعلق کیا ایمان رکھتے ہیں! اور ان کا مقام کس فلک پیما بلندی پر سمجھتے ہیں!

ہندوؤں کا یہ دعویٰ ہے کہ کانگریس ملک کی "قومی جماعت" ہے۔ اور اس کے سوا اور جتنی جماعتیں ہیں۔ وہ فرقہ وارانہ ہیں۔ فرقہ وارانہ جماعتوں کی جدوجہد اپنے فرقے کے مفاد کے لئے ہے۔ اس لئے جو کچھ کانگریس کر سکتی ہے۔ یہ جماعتیں نہیں کر سکتیں۔ مولانا صاحب کی زبان سے کہلوائے گئے ہیں۔ لکھا ہے:-

"بلاشبہ ملک میں ایسی جماعتیں موجود ہیں۔ جو سیاسی جدوجہد کے میدان میں وہاں تک نہیں جا سکتیں۔ جہاں تک کانگریس کے قدم پہنچ گئے ہیں۔ وہ جماعتیں بھی جو اپنے طبقہ (کلاس) کے خاص مفاد کے تحفظ کے لئے مجبور ہیں کہ موجودہ سیاسی صورتِ حال کی تبدیلی کے خواہشمند نہ ہوں" (ص۲۲)

یعنی جو کچھ کانگریس کر سکتی ہے وہ فرقہ وارانہ جماعتیں نہیں کر سکتیں۔ اب سنئے کہ دوسرے دور میں مولانا صاحب کیا فرماتے تھے:-

"کانگریس کمیٹیاں جو کام کر رہی ہیں۔ ان میں ہندی مسلمان بھی ہندوؤں کے برابر کے شریک ہیں۔ لیکن خالص مسلمانوں کے اندر سرگرمی عمل پیدا کرنے کے لئے کانگریس کا نظام کافی نہیں...... کانگریس کمیٹیاں کسی شہر یا بستی میں پچاس جلسے منعقد کر کے مسلمانوں سے کہیں ایک چرخہ چلاؤ اور ولایتی کپڑا چھوڑ دو تو وہ اثر پیدا نہیں ہوگا۔ جو علماء کی طرف سے جمعہ کے دن مسجد میں ایک وعظ کر کے پیدا کر سکتی ہے" (مضامین ابوالکلام)

اس وقت یہ ارشاد تھا کہ اگر کوئی جماعت خالص مسلمانوں کے اندر سرگرمی عمل پیدا کرنے کے لئے وجود میں آتی ہے۔ تو اسے فرقہ وارانہ قرار دے کر حبّ الاسلام درستی کرنے کا فتویٰ صادر فرما دیا جاتا ہے۔ اور اس پر موعظہ ہے۔ کہیں اس مقالہ

رسالہ جہان و دریا البلال میں نکلا تھا۔

ہندوستان کی سیاسی کشمکش میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے نقطۂ نگاہ میں جو بنیادی اختلاف ہے اسے چند الفاظ میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ

(۱) ہندو اس تمام ملک کو ایک "واحد کل" (SINGLE UNIT) قرار دے کر ایک ایسے طرز حکومت کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں۔ جس میں مرکز (CENTRE) ایک ہو۔ اس نظام حکومت کا نام آل انڈیا فیڈریشن ہوگا۔ جو خالصتہً مغربی انداز کے نظام جمہوری کے قالب میں ڈھلا ہو۔

اس کے برعکس مسلمان یہ چاہتا ہے۔ کہ ملک کے اس حصہ کو جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے الگ کر کے وہاں جداگانہ اسلامی حکومت قائم کی جائے

(۲) ہندو تمام ہندوستان کے باشندوں کو ایک قوم فرض کر کے وحدتِ قومی (Single Nationality) کی بنیادوں پر نظام حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس کے برعکس مسلمان اپنے آپ کو ایک الگ جداگانہ مستقل بالذات قوم قرار دیتے ہیں۔ اور ہندوستان کے مسئلہ کو بین الفرق (Inter-communal) نہیں بلکہ بین الاقوامی (Inter-national) مسئلہ سمجھتے ہیں۔ اور دو جداگانہ قوموں کی بنیادوں پر الگ الگ حکومتیں قائم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ مسائل اس قدر وضاحت سے طلوع اسلام کے صفحات پر آچکے ہیں کہ الحمد للہ اس وقت مزید بحث ضروری نہیں سمجھی جاتی۔ دیکھنا یہ ہے کہ مولانا صاحب ان مسائل کے متعلق کیا ارشاد فرماتے ہیں:۔

"ہندوستان کا آئندہ دستور اساسی (Constitution) اپنی تفصیلات میں خواہ کسی نوعیت کا ہو۔ مگر اس ایک بات ہم سب کو معلوم ہے۔ وہ کامل معنوں میں ایک آل انڈیا وفاق (Federation) کا جمہوری دستور ہوگا جس کے تمام حلقے (Units) اپنے اپنے اندرونی معاملات میں خود مختار ہوں گے۔ اور فیڈرل مرکز کے حصے میں صرف وہی معاملات رہیں گے۔ جن کا تعلق ملک کے عام اور مجموعی مسائل سے ہوگا۔ مثلاً بیرونی تعلقات، دفاع (Defence) کسٹم وغیرہ (۳۱-۳۲)

یہ ظاہر ہے کہ یہی نظام زندگی ہے جو یورپ کی ٹکسالوں سے مضروب ہو کر آیا ہے۔ اور ہندو اسے اس لئے اختیار کرنا چاہتا ہے کہ اس کی رو سے وہ یہاں اپنی اکثریت کی بنا پر خالص ہندو راج قائم کر سکتا ہے۔ اب دیکھئے کہ یورپ کی نقالی میں نظام زندگی اختیار کرنے کے متعلق مولانا صاحب کبھی کیا فرمانے تھے۔ جمعیۃ العلمائے لاہور کے خطبۂ صدارت ۱۹۲۱ء کے دوران میں ارشاد ہے۔

"قوم افراد سے مرکب ہے۔ اور افراد کی قومی ہستی کے قیام و ظہور کے لئے ضروری ہے کہ ایک جماعتی مسلک میں تمام افراد منسلک ہو جائیں۔ اور فرقہ و تشتت کی جگہ وحدت و اتحاد پیدا کر کے قوم کی شیرازہ بندی کی جائے۔ ہم اس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ اور یورپ کے اجتماعی طریقوں کی نقالی کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ بھول جاتے ہیں۔ کہ آخر اسلام نے بھی حیاتِ اجتماعی کے لئے کوئی نظام ہمیں دیا تھا۔ یا نہیں۔ اگر دیا تھا۔ اور ہم نے ضائع کر دیا ہے۔ تو یورپ کی دریوزہ گری سے پہلے اسلام کا قرار دادہ جماعتی نظام کیوں نہ قائم کریں؟"

کیا مولانا صاحب ارشاد فرمائیں گے کہ وہ کانگریس۔ پیپٹ فارم سے جس قسم کی جماعتی نظام کے قیام کی تلقین کر رہے ہیں۔ وہ یورپ کی نقالی ہے۔ یا اسلام کا عطا فرمودہ نظام حکومت۔ کیا وہ نظام زندگی یا طرز حکومت کبھی اسلامی قرار پا سکتا ہے۔ جو کفار اور مومنین کی متحدہ قومیت سے وجود میں آئے۔ اور جس میں فیصلے کفار کی اکثریت کے تابع ہوں۔ ذرا سوچئے تو سہی کہ آپ کس چیز کو اسلامی قرار دے رہے ہیں۔ کیا یہ وہی چیز نہیں جسے قرآن کریم طاغوتی نظام زندگی قرار دے رہا ہے۔ اور جسے کانگریس نے یورپ کی دریوزہ گری سے حاصل کیا ہے۔ اس قسم کے فیڈرل نظام میں جہاں مختلف حلقے اپنے اپنے اندرونی معاملات میں خود مختار رہیں گے۔ وہاں مسلمانوں کی تہذیب و تمدن۔ ثقافت و معاشرت کی کیا حالت ہوگی۔ اس کی بابت پوچھئے ان سیاہ اوراق سے جن پر آپ کی کانگریس کے انتعالی سال دورِ حکومت کی داستانیں لکھی ہوئی ہیں۔ اور پھر آپ کس بھولے پن سے ارشاد فرماتے ہیں کہ

مد مرکز کے حصہ میں صرف وہی معاملات رہیں گے جن کا تعلق ملک کے عام اور مسائل سے ہوگا۔ مثلاً بیرونی تعلقات۔ دفاع کسٹم وغیرہ۔ ایسی حالت میں کیا ممکن ہے کہ کوئی دماغ جو ایک جمہوری دستور کے پوری طرح عمل میں آنے اور دستوری شکل میں چلنے کا نقشہ تھوڑی دیر کے لئے بھی اپنے سامنے رکھ سکتا ہے ان اندیشوں کو قبول کرنے کیلئے تیار ہو جائے جنھیں اکثریت اور اقلیت کے اس پُر فریب سوال نے پیدا کرنے کی کوشش کی ہے" (۳۵)

یعنی مولانا صاحب کے نزدیک بیرونی تعلقات اور دفاع Defence وغیرہ کچھ ایسے اہم مسائل نہیں۔ کہ جن سے خواہ مخواہ کے اندیشے پیدا کئے جائیں یہ "بیرونی تعلقات" جسے اب اکثریت اور اقلیت کے پر فریب سوال کا نتیجہ قرار دیا جا رہا ہے، الہلال کے مولانا صاحب کے نزدیک کیا معنے رکھتے تھے۔ سنئے فرماتے ہیں۔

علیں اے عزیزانِ ملت! اور اے اشتیہ ماتم رونگان قافلہ ملت!! اگر یہ سچ ہے کہ دنیا کے کسی گوشے میں پیروانِ اسلام کے سروں پر تلوار چمک رہی ہے۔ تو عجب ہے۔ اگر اس کا زخم ہم اپنے دلوں میں نہ دیکھیں۔ اگر اس آسمان کے نیچے کہیں بھی ایک مسلم پرستے توحید کی لاش تڑپ رہی ہے تو لعنت ہے۔ ان سات کروڑ زندگیوں پر جن کے دلوں میں اس کی تڑپ نہ ہو۔ اگر مراکش میں ایک حامی وطن کے حلق بریدہ سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا ہے تو ہم کو کیا ہو گیا ہے۔ کہ ہمارے سینے دل و جگر کے ٹکڑے نہیں کرتے۔ ایران میں اگر وہ گردنیں پھانسی کی رسیوں میں لٹک رہی ہیں جن کی آخری ساعت نزع میں اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کی آواز نکل رہی تھی۔ تو ہم پر اللہ اور اس کے ملائکہ کی پھٹکار ہو۔ اگر اپنی گردنوں پر اس کے نشان محسوس کریں۔ اگر آج بلقان کے میدانوں میں حافظین کلمۂ توحید کے سر اللہ جیسے صلیب پرستوں کی گولیوں سے چھین رہے ہیں تو ہم اللہ، اس کے ملائکہ اور اس کے رسول کے آگے ملعون ہوں۔ اگر اپنے پہلوؤں کے اندر ایک لمحہ کے لئے بھی راحت اور سکون محسوس کریں۔ میں کیا کہہ رہا ہوں؟ حالانکہ اگر اسلام کی روح کا ایک ذرہ بھی اس کے پیرووں میں باقی ہے۔ تو مجھ کو کہنا چاہئے کہ اگر میدان جنگ میں کسی ترک کے تلوے میں ایک کانٹا بھی چبھ جائے۔ تو قسم ہے خدائے اسلام کی کہ کوئی ہندوستان کا مسلمان مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ اس کی چبھن کو تلوے کی جگہ اپنے دل میں محسوس نہ کرے۔ کیونکہ ملت اسلام ایک جسم واحد ہے۔ اور مسلمان خواہ کہیں ہوں اس کے اعضاء

دیوار ہیں۔ اگر ہاتھ کی انگلی میں کانٹا چبھے تو جب تک باقی اعضا رگ کٹ کر الگ نہ ہو گئے ہوں۔ ممکن نہیں کہ اس کے صدمے سے بے خبر رہیں۔ اور جو کچھ کہہ رہا ہوں محض اظہار مطلب کا زور بیان ہی نہیں ہے۔ بلکہ عین حقیقت ہے۔ اس حدیث مشہور کا جس کو امام احمد و مسلم نے نعمان بن بشیر سے روایت کیا ہے کہ جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا:۔

مثل المؤمنین فی توادھم و تراحمھم و تعاطفھم، مثل الجسد اذا اشتکی لہ عضو تداعی لہ سائر الجسد بالسھر والحمی۔ (الحدیث)

مسلمانوں کی مثال باہمی مودّت و مرحمت اور محبت و ہمدردی میں ایسی ہے۔ جیسے ایک جسم واحد کی اگر اس کے ایک عضو میں کوئی شکایت پیدا ہوتی ہے۔ تو سارا جسم اس تکلیف میں شریک ہو جاتا ہے۔

اور اسی کے ہم معنی صحیحین کی وہ حدیث ہے۔ جس کو ابو موسیٰ اشعری نے روایت کیا ہے کہ:۔

المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضہ بعضاً

ایک مومن دوسرے مومن کے لئے ایسا ہے۔ جیسے کسی دیوار کی اینٹیں کہ ایک اینٹ دوسری اینٹ کو سہارا دیتی ہے۔

اور فی الحقیقت یہ خصائص مسلم میں سے ایک اولین اور اشرف ترین خصوصیت ہے جس کی طرف قرآن کریم نے اپنے جامع و مانع الفاظ میں اشارہ کیا ہے:۔

اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ (۲۹:۴۸)

کافروں کے لئے نہایت سخت مگر آپس میں نہایت رحیم اور ہمدرد۔

ان میں جس قدر سختی ہے، باطل اور کفر کے لئے اور ان کی جس قدر محبت و الفت ہے حق و صدق اور اسلام و حید کے لئے فاعتبروا یا ایھا المسلمون و لا تکونوا کالذین قالوا سمعنا وھم لا یسمعون۔"

یہ ہیں وہ بیرونی تعلقات جن کا آج یوں استخفاف کیا جا رہا ہے۔ سچ ہے یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّ یَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا۔

جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ سیاستِ حاضرہ میں سب سے اہم سوال یہ ہے۔ کہ کیا ہندوستان کے تمام باشندے ایک قوم کے افراد ہیں یا مسلمان ایک جداگانہ قوم ہیں ہندو تمام باشندگان ملک کو ایک "متحدہ قومیت" کے عناصر ترکیبی قرار دیتے ہیں اور مسلمان کا دعوٰی ہے کہ۔

نہ ہمارے حصارِ ملّت کی اتحادِ وطن نہیں ہے

اس لئے مسلمان ایک الگ قوم ہیں۔ لیکن ہندو اسے تسلیم نہیں کرتا۔ اور مسلمان کو ایک اقلیت قرار دیتا مولانا صاحب نے اس باب میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے۔ وہ ان کی پریشانیٔ افکار کا ایک کھلا ہوا ثبوت ہے۔ جس کا لفظ

ش کا خیال ہے۔ جو ان کے ضمیر اور مصلحت کوشی میں جاری ہے۔ انہیں مسلمانوں کو اقلیت قرار دینے کے لئے کوئی دلیل نہیں ملتی اس لئے انہیں اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ کہ مسلمان اقلیت نہیں ہیں۔

میں نے اس زمانہ (زمانہ الہلال) میں بھی اپنے اس عقیدہ کا اظہار کیا تھا۔ اور اسی طرح آج بھی کرنا چاہتا ہوں۔ کہ ہندوستان کے سیاسی مسائل میں کوئی بات بھی اس درجہ غلط نہیں سمجھی گئی ہے۔ جس درجہ یہ بات کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی حیثیت ایک سیاسی اقلیت کی حیثیت ہے۔ اور اس لئے انہیں ایک جمہوری ہندوستان میں اپنے حقوق و مفاد کی طرف سے اندیشہ ناک رہنا چاہئے۔ اس ایک بنیادی غلطی نے بے شمار غلط فہمیوں کی پیدائش کا دروازہ کھول دیا۔ غلط بنیادوں پر غلط دیواریں چنی جانے لگیں۔ اس ایک طرف تو خود مسلمانوں پر ان کی حقیقی حیثیت مشتبہ کر دی۔ دوسری طرف دنیا کو ایک ایسی غلط فہمی میں مبتلا کر دیا۔ جس کے بعد وہ ہندوستان کو اس کی صحیح صورت حال میں نہیں دیکھ سکتی۔

اگر وقت ہوتا تو میں آپ کو تفصیل کے ساتھ بتاتا۔ کہ معاملہ کی یہ غلط اور بناوٹی شکل گذشتہ ساٹھ برس کے اندر کیونکر ڈھالی گئی اور کن ہاتھوں سے ڈھلی۔ دراصل یہ بھی اسی پھوٹ ڈالنے والی پالیسی کی پیداوار ہے جس کا نقشہ انڈین نیشنل کانگریس کی تحریک کے شروع ہونے کے بعد ہندوستان کے سرکاری دماغوں میں بننا شروع ہو گیا تھا۔ جس کا مقصد یہ تھا۔ کہ مسلمانوں کو اس نئی سیاسی بیداری کے خلاف استعمال کرنے کے لئے تیار کیا جا سکے۔ اس نقشہ میں دو باتیں خاص طور سے ابھاری گئی تھیں ایک یہ کہ ہندوستان میں دو مختلف قومیں آباد ہیں۔ ایک ہندو قوم ہے اور ایک مسلمان قوم ہے۔ اس لئے متحدہ قومیت کے نام پر یہاں کوئی مطالبہ نہیں کیا جا سکتا دوسری یہ کہ مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ اس لئے یہاں جمہوری اداروں کے قیام کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا۔ کہ ہندو اکثریت کی حکومت قائم ہو جائے گی۔ اور مسلمانوں کی ہستی خطرہ میں پڑ جائے گی۔......

برطانوی سامراج نے ہندوستان کی سرزمین میں وقتاً فوقتاً جو بیج ڈالے، ان ان میں سے ایک بیج یہ تھا اس نے فوراً پھول پتے پیدا کئے اور گو پچاس برس گذر چکے ہیں مگر ابھی تک اس کی جڑوں میں نمی خشک نہیں ہوئی۔

سیاسی بول چال میں جب کبھی "اقلیت" کا لفظ بولا جاتا ہے۔ تو اس سے مقصود یہ نہیں ہوتا کہ ریاضی کے عام حسابی قاعدے کے مطابق انسانی افراد کی ہر ایسی تعداد جو ایک دوسری تعداد سے کم ہو لازمی طور پر "اقلیت" ہوتی ہے۔ اور اسے اپنی حفاظت کی طرف سے مضطرب ہونا چاہئے۔ بلکہ اس سے مقصود ایک ایسی کمزور جماعت ہوتی ہے۔ جو تعداد اور صلاحیت، دونوں اعتباروں سے اپنے کو اس قابل نہیں پاتی کہ ایک بڑے اور طاقتور گروہ کے ساتھ رہ کر اپنی حفاظت کے لئے خود اپنے اوپر اعتماد کر سکے۔ ... اقلیت کے تصور کے لئے صرف یہی کافی نہیں۔ کہ ایک گروہ کی تعداد کی نسبت دوسرے

گروہ سے کم ہو، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ بجائے خود کم ہو، اور اتنی کم ہو کہ اس سے اپنی حفاظت کی توقع نہ کی جائے ساتھ ہی اس میں تعداد (Quantity) کے ساتھ نوعیت (Quality) کا سوال بھی کام کرتا ہے۔ فرض کیجئے۔

ایک ملک میں دو گروہ موجود ہیں۔ ایک کی تعداد ایک کروڑ ہے۔ دوسرے کی دو کروڑ ہے اب اگرچہ ایک کروڑ دو کروڑ کا نصف ہوگا۔ اور اس لئے دو کروڑ سے کم ہوگا۔ مگر سیاسی نقطۂ خیال سے ضروری نہ ہوگا۔ کہ صرف اس نسبتی فرق کی بنا پر ہم اسے ایک اقلیت فرض کرکے اس کی کمزوری کا اعتراف کرلیں۔ اس طرح کی اقلیت بننے کے لئے تعداد کے نسبتی فرق کے ساتھ دوسرے عوامل (Factors) کی موجودگی بھی ضروری ہے۔

اب ذرا غور کیجئے کہ اس لحاظ سے ہندوستان میں مسلمانوں کی حقیقی حیثیت کیا ہے۔ آپ کو دیر تک غور کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ آپ صرف ایک ہی نگاہ میں معلوم کرلیں گے کہ آپ کے سامنے ایک عظیم گروہ اپنی اتنی بڑی اور پھیلی ہوئی تعداد کے ساتھ سر اٹھائے کھڑا ہے۔ کہ اس کی نسبت "اقلیت" کی کمزوریوں کا گمان بھی کرنا اپنی نگاہ کو صریح دھوکا دینا ہے۔

اس کی مجموعی تعداد ملک میں آٹھ کروڑ کے اندر ہے۔ وہ ملک کی دوسری جماعتوں کی طرح معاشرتی اور نسلی تقسیموں میں بٹی ہوئی نہیں ہے۔ اسلامی زندگی کی مساوات اور برادرانہ یک جہتی کے مضبوط رشتے نے اسے معاشرتی تفرقوں کی کمزوریوں سے بہت حد تک محفوظ رکھا ہے۔ بلاشبہ یہ تعداد ملک کی پوری آبادی میں ایک چوتھائی سے زیادہ نسبت نہیں رکھتی۔ لیکن سوال تعداد کی نسبت کا نہیں ہے۔ خود تعداد اور اس کی نوعیت کا ہے۔ کیا انسانی مواد کی اتنی عظیم مقدار کے لئے اس طرح کے اندیشوں کی کوئی جائز وجہ ہوسکتی ہے کہ وہ ایک آزاد اور جمہوری ہندوستان میں اپنے حقوق و مفاد کی خود نگہداشت نہیں کرسکے گی۔

یہ تعداد کسی ایک ہی رقبہ میں سمٹی ہوئی نہیں ہے بلکہ ایک خاص تقسیم کے ساتھ ملک کے مختلف حصوں میں پھیل گئی ہے۔ ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں سے چار صوبے ایسے ہیں جہاں اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ اور دوسری مذہبی جماعتیں اقلیت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اگر برٹش بلوچستان کو بھی اس میں اضافہ کر دیا جائے تو چار کی جگہ مسلم اکثریت کے پانچ صوبے ہو جائیں گے اگر ہم ابھی مجبور ہیں۔ کہ مذہبی تفریق بنا پر ہی "اکثریت" اور "اقلیت" کا تصور کرتے رہیں۔ تو بھی اس تصور میں مسلمانوں کی جگہ محض ایک "اقلیت" کی دکھائی نہیں دیتی۔ اگر وہ سات صوبوں میں اقلیت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تو پانچ صوبوں میں انھیں اکثریت کی جگہ حاصل ہے۔ ایسی حالت میں کوئی وجہ نہیں۔ کہ انھیں ایک اقلیت گروہ ہونے کا احساس مضطرب کرسکے"۔

ان تصریحات سے واضح ہے۔ کہ مولانا صاحب کے نزدیک مسلمان اقلیت نہیں۔ اور اگر یہ اقلیت نہیں تو لامحالہ ایک جداگانہ قوم ہیں۔ لیکن ایسا کہنے سے تو ان کی نیشنلزم کی تمام عمارت دھڑام سے گر پڑتی ہے۔ وہ ایسا کس طرح کہہ سکتے تھے۔ ایسا کہنا ان کی جان پر بنتا۔ علیحدہ وہ جن کی نظر کرم نے انھیں "ہما شما شہری" کے منصب جلیلہ پر فائز کیا ہے۔

وہ ایسا کیوں کہنے دیں! اس باب میں مولانا صاحب جس شکل میں جا پھنسے ہیں۔ ان کی حالت قابل رحم نظر آتی ہے۔ اپنے خطبہ کے صفحات ۲۲ لغایت ۲۶ پر انھوں نے بار بار اس امر کی وضاحت کی ہے کہ کانگریس نے ہمیشہ اس بنیادی اصول کو سامنے رکھا ہے کہ ہندوستان میں جو دستور اساسی بنایا جائے۔ اس میں اقلیتوں کے حقوق، و مفاد کی پوری ضمانت ہونی چاہئے۔ اور ان تحفظات کے بیچ خود اقلیت ہوں۔ آگے چل کر فرماتے ہیں۔

"آج بھی اس نے (کانگریس) نے دستور ساز مجلس (کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی) کے سلسلہ میں اس مسئلہ کا اعتراف کیا ہے۔۔۔۔ کہ تسلیم شدہ اقلیتوں کو یہ حق حاصل ہے۔ کہ اگرچہ وہ چاہیں تو خالص اپنے ووٹوں سے اپنے نمائندوں کو چن کر بھیجیں۔"

قارئین کرام کو غالباً معلوم ہوگا کہ "تسلیم شدہ اقلیتوں" کی اصلاح گاندھی جی کی وضع کردہ ہے۔ اور اس کی تصریح میں انھوں نے مسلمان اور سکھوں کا ذکر نمایاں طور پر کیا تھا۔

اب ذرا اس قضیہ کے صغریٰ کبریٰ کو سامنے رکھئے اور دیکھئے نتیجہ کیا مرتب ہوتا ہے۔

(۱) مسلمان اقلیت نہیں ہیں ـــــ مولانا صاحب خود بدلائل و براہین ثابت کر رہے ہیں۔

(۲) مسلمان ایک الگ قوم بھی نہیں ہیں۔ کہ اس طرح دو قوموں کا نظریہ درست ماننا پڑتا ہے جو بقول مولانا صاحب سرکاری دماغوں کا وضع کردہ نظریہ ہے

(۳) مسلمان ایک تسلیم شدہ اقلیت ہیں ـــــ کہ مولانا صاحب کے راہنما گاندھی جی کا ارشاد ہے جو مولانا صاحب کے نزدیک وحی منزل سے زیادہ واجب التسلیم ہے۔

تو پھر عقل حیران ہے کہ یا آخر مسلمان ہیں کیا؟

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھئے
ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہئے

اگر یہ دانستہ فریب دہی نہیں تو خود فریبی کی اس سے زیادہ بین مثال بھی مشکل سے مل سکیگی۔

مولانا صاحب نے سب سے زیادہ زور اس امر پر دیا ہے کہ جب مسلمان اپنی بڑی جماعت رکھتے ہیں۔ تو انھیں اپنے مفاد کے تحفظات کے متعلق ڈرنے کی کیا وجہ ہے! یہ دلیل بظاہر جتنی خوش آئند ہے۔ درحقیقت اتنی ہی زیادہ پرفریب بھی ہے۔ یہ درست ہے کہ اتنی بڑی جماعت کو کوئی خطرہ محسوس نہیں کرنا چاہئے لیکن مشکل تو یہ ہے کہ جس قسم کا نظام جمہوری آپ یہاں قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں اتنی بڑی جماعت ایک چوتھائی کی اقلیت بن کے رہ جاتی ہے۔ جب آپ ہندوستان کو ایک کل (UNIT) مان لیں اور تمام ملک کا ایک مرکز (Centre) قرار دیکر جمہوری النظام قائم کردیں۔ تو اس مرکز میں مسلمانوں کی حیثیت، جو تھائی سے زیادہ بڑھ کس طرح سکتی ہے۔ لہذا اکثریت سے فیصلے غیر مسلموں کے فیصلے ہوں گے۔ مولانا صاحب مصیبت تو یہ ہے۔ کہ یہاں لاٹھی آپڑی ہے

فوج میں آدمی گنے جاتے ہیں۔ تولے نہیں جاتے۔ اگر تولے جانے کا مسئلہ ہوتا تو پھر ڈرنے کی کیا بات تھی۔

اب اس اہم موضوع پر آئیے۔ جو اس تمام خطبہ کا نقطۂ ماسکہ ہے یعنی یہ کہ مسلمان ایک الگ قوم نہیں بلکہ ہندوستان کی متحدہ قومیت کا جزو لاینفک ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

"لیکن ان تمام احساسات کے ساتھ میں ایک اور احساس بھی رکھتا ہوں۔ جسے میری زندگی کی حقیقتوں نے پیدا کیا ہے۔ اسلام کی روح مجھے اس سے نہیں روکتی۔ وہ اس راہ میں میری رہنمائی کرتی ہے۔ میں فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں۔ کہ میں ہندوستانی ہوں۔ میں ہندوستان کی ایک اور ناقابل تقسیم متحدہ قومیت کا ایک عنصر ہوں۔ میں اس متحدہ قومیت کا ایک ایسا اہم عنصر ہوں جس کے بغیر اس کی عظمت کا ہیکل ادھورا رہ جاتا ہے۔ میں اس کی تکوین (بناوٹ) کا ایک ناگزیر عامل (Factor) ہوں۔ میں اپنے اس دعوے سے کبھی دست بردار نہیں ہو سکتا۔"

"ہندوستان کے لئے قدرت کا یہ فیصلہ ہو چکا ہے۔ کہ اس کی سرزمین انسان کی مختلف نسلوں، مختلف تہذیبوں اور مختلف مذہبوں کے قافلوں کی منزل بنے۔ ابھی تاریخ کی صبح بھی نمودار نہیں ہوئی تھی کہ ان قافلوں کی آمد شروع ہو گئی۔ اور پھر ایک کے بعد دوسرا۔ یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس وسیع سرزمین نے سب کا استقبال کرتی رہی۔ اور اس کی فیاض گود نے سب کے لئے جگہ نکالی۔ انہی قافلوں میں ایک حجازی قافلہ ہم پیروان اسلام کا بھی تھا۔ یہ پچھلے قافلوں کے نشانِ راہ پر چلتا ہوا یہاں پہنچا۔ اور ہمیشہ کے لئے یہاں بس گیا۔ یہ دنیا کی دو مختلف قوموں اور تہذیبوں کے دھاروں کا ملان تھا۔ یہ گنگا اور جمنا کے دھاروں کی طرح پہلے ایک دوسرے سے الگ الگ بہتے رہے۔ لیکن پھر جیسا کہ قدرت کا اٹل قانون ہے۔ دونوں کو ایک سنگم میں مل جانا پڑا۔ ان دونوں کا میل تاریخ کا ایک عظیم واقعہ تھا۔ جس دن یہ واقعہ ظہور میں آیا۔ اسی دن سے قدرت کے مخفی ہاتھوں نے پرانے ہندوستان کی جگہ ایک نئے ہندوستان کے ڈھالنے کا کام شروع کر دیا۔" (ص ۲۳-۲۴)

(۱) "کانگریس جو قدم بھی اٹھانا چاہتی ہے۔ ہندوستانی قوم کے لئے اٹھانا چاہتی ہے۔" (ص ۲۴)

(۲) "یہ تخیل کہ ہندوستان میں دو قومیں آباد ہیں۔ سرکاری دماغوں کا وضع کردہ ہے" (ص ۲۸-۲۹)

"متحدہ قومیت" کے اس اصول کی وضاحت مندرجہ صدر الفاظ میں کی گئی ہے۔"

اس مرصع غزل کا آخری شعر بھی سنتے جائیے۔ فرماتے ہیں:۔

"ہماری اس ایک ہزار کی مشترک زندگی نے ایک متحدہ قومیت کا سانچا ڈھال دیا ہے۔ ایسے سانچے بنائے نہیں جا سکتے۔ وہ قدرت کے مخفی ہاتھوں سے صدیوں میں خود بخود بنا کرتے ہیں۔ اب یہ سانچا ڈھل چکا۔ اور قسمت کی مہر اس پر لگ چکی۔ ہم پسند کریں یا نہ کریں۔ مگر اب ہم ایک ہندوستانی

قوم اور ناقابلِ تقسیم ہندوستانی قوم بن چکے ہیں۔ علیحدگی کا کوئی بنیادی تخیل ہمارے اس ایک ہونے کو دو نہیں بنا سکتا۔ ہمیں قدرت کے فیصلے پر رضامند ہو جانا چاہئے اور اپنی قسمت کی تعمیر میں لگ جانا چاہئے۔" (ص ۱۵)

اللہ اکبر! کفار اور مسلمان ایک ملک میں رہنے کی وجہ سے ایک ناقابلِ تقسیم قوم بن جاتے ہیں! کفر و اسلام ایک جگہ اکٹھے ہو کر ایک نئی تہذیب میں تحلیل ہو سکتے ہیں! یہ قدرت کا اٹل قانون ہے! یہ تقدیر کا فیصلہ ہے! اس پر قسمت کی مہر لگ چکی ہے! اس متحدہ قومیت کو خود دستِ قدرت نے تیار کیا ہے! اسلام و کفر کی علیحدگی کا تخیل بناوٹی ہے!!

یا اللہ! یہ ہم کیا سن رہے ہیں! اور کس سے سن رہے ہیں!

یہ وہ آواز سن رہے ہیں جس کے مٹانے کے لئے حضرت آدمؑ سے لے کر حضور خاتم النبیینؐ تک انبیاء کرام کا پورا سلسلہ پیغامِ خداوندی کو لے کر ظلمت کدۂ عالم میں آتا رہا۔ اور سن رہے ہیں۔ اس شخص کی زبان سے جس کی ساری ... عمر ... کاریں گذر گئی۔ کہ یاد رکھو۔ قومیت پرستی کی یہ آواز بلاشائبۂ تشکیک شیطان کی آواز ہے۔ اس کے فریب میں نہ آ جاؤ گے تو سیدھے جہنم کے عمیق گڑھوں میں جا گرو گے۔ اور ہاں! بدبختی یہ کہ یہ آواز اس کی زبان سے سن رہے ہیں۔ جو آج بھی دعویٰ کرتا ہے کہ

میں مسلمان ہوں اور فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں۔" (صفحہ)

ہم حیران ہیں کہ کفر و باطل کے اس اسلام سوز نظریہ کی تردید میں الہلال کے کتنے اقتباسات پیش کریں۔ اس کے تو پورے کے پورے مجلدات اس ایک دعوت کے نقیب ہیں کہ

"مسلمانوں کی قومیتِ صادقہ کی بنیاد صرف شریعت کا علم و عمل ہے۔" (خطبۂ صدارت مولانا آزاد ۱۹۱۲ء)

اس کا تو ایک ایک ورق۔ ایک ایک سطر اور ایک ایک لفظ اس دجل و فریب کی دھجیاں بکھیرنے کے لئے تھا کہ دنیا نے جس قدر قومیتوں کی بنیادیں وضع کی ہیں۔ سب ابلیسانہ حیلہ کاریاں ہیں۔ مسلمانوں کی قومیت کا مدار صرف مذہب ہے اللہ کا قانونِ ابدی ہے۔

اگر بایں نرسیدی تمام بولہبی است

ہم فی الواقعہ متحیر ہیں کہ کون کون سے اقتباسات پیش کریں۔ اور کہاں کہاں کے حوالے دیں۔ چند ایک اقتباسات ملاحظہ کیجئے ــــ ہم نے اوپر لکھا ہے۔ کہ انبیاء کرام کا سلسلۂ رشد و ہدایت اسی دعوت نے نشر و اشاعت کے لئے دنیا میں تمام ہوتا رہا ہے۔ کہ وہ انسانی رشتۂ قومیت کے ان تمام غیر فطری معیاروں کو منہدم کر دے۔ جو رنگ نسل وطن کی بولیوں تصورات سے وضع ہوتے ہیں۔ اور ان کی جگہ صرف ایک معیارِ قومیت کو باقی رکھے۔ جو اللہ کا متعین فرمودہ ہے۔ اور وہ معیار حقہ ہے۔ اشتراکِ عقائد یعنی مذہب۔ عہدِ اسلامی کے مولانا آزاد اس باب میں فرماتے ہیں۔

"قرآن حکیم میں اگرچہ نبوت کے عام اشتراکِ جنسی کی بنا پر تمام انبیاء کرام کا نام ایک ساتھ اور ایک حیثیت سے آیا ہے۔ لیکن بعض خصوصیاتِ نوعی کے لحاظ سے اس نے انبیاء کے جو مختلف طبقات قائم کر دیئے ہیں۔ ان میں دو سلسلے عام طور پر ممتاز نظر آتے ہیں:-

ایک سلسلہ ان انبیاء موسسین کا ہے۔ جنہوں نے اپنی دعوت کے ذریعہ نئی قومیتوں کی بنیاد

ڈالی اور جو قدیم عمارتوں کی اصلاح کے لئے نہیں بلکہ از سرِ نو ایک نئی قومی عمارت بنانے کے لئے آئے تھے
۔ دوسرا سلسلہ انبیاء مجددین و محدثین (بالفتح) کا ہے جنھوں نے کسی نئی امت کی بنیاد نہیں ڈالی بلکہ کسی پیشتر کی قائم شدہ امتِ صالحہ کی مزید تکمیل و تبلیغ کی۔ یا امتدادِ عہد کے نتائج مُضلہ و استیلائے بدعات و محدثات سے اسے نجات دلا کر فرضِ تجدید و احیاء ادا کیا۔

پہلے سلسلہ کا وصف امتیازی یہ ہے کہ وہ تمام قدیم نظام۔ قدیم عقائد اور قدیم اخلاق و مقدمات کو مٹا کر ایک جدید قومیتِ صالحہ کی بنیاد ڈالتا ہے۔ اور اس کو آب و ہوا اور جغرافیانہ حدود و طبعیہ کے اثر سے الگ کر کے صرف الٰہی آب و ہوا میں ترقی اور نشو و نما دیتا ہے۔ قرآنِ حکیم میں خدائے تعالیٰ نے اس صنف کے ایک نمایاں سلسلے اور اس کی ممتاز کڑیوں کا ذکر متعدد موقعوں پر ایک ساتھ کیا ہے۔"

اسی سلسلہ میں آگے چل کر فرماتے ہیں:-
"انسان کی اجتماعی حیات یا قومیت دراصل ان تمام عقائد و اعمال کے مجموعہ کا نام ہے۔ جو نسل و وطن و رمتوارث و متواصل علائقِ نسلی سے ترکیب پاتے ہیں۔ انسان انبیائے کرام کا مشن یہ ہوتا ہے۔ کہ ان تمام نسلی و قومی امتیازات قدیمہ کو مٹا کر ایک نئی روحانی امتیازی خصوصیت کی بنیاد پر نئی قومیت پیدا کریں۔ پس اس بنا پر ان کی دعوت کا اولین اسوۂ حسنہ یہی ہونا چاہیے تھا کہ خود بھی نسل و خاندان کے تمام رشتوں کو توڑ دیں۔ اور اسی طرح نسل قربانی کا طاقتور حربہ تیار کریں۔ اس قربانی کا اثر ان کے تمام کاروبارِ دعوت میں سب سے زیادہ کارگر ہوتا ہے۔ قوم دیکھتی ہے۔ کہ کس طرح داعیِ الی الحق نے اپنے تمام رشتوں کے گھر کو اجاڑ دیا۔ اور اس عمارت کا ایک گوشہ بن گیا۔ جس کی چھت کے نیچے ہمیں جگہ دے رہا ہے۔

چنانچہ انبیاء کرام و رسلِ عظام کے اس سلسلہ میں جنھوں نے نئی قومیتوں کی بنیاد رکھی ہے۔ سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کا مقام ہے اور چونکہ ان کی دعوت اسی پہلی قسم کی دعوت تھی۔ اس لئے ضرور تھا کہ اس اولین قربانی کا بھی وہ اسوۂ حسنہ قائم کرتے۔ پس آیۂ کریمہ مندرجہ صدر میں جب انھوں نے اپنے بیٹے کے لئے خدا کو پکارا تو ارشاد ہوا کہ یہاں جسمانی رشتہ کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ اگر تمہارا بیٹا عملِ صالح کے اس نئے گھرانے میں داخل ہو جاتا جس کی تم نے بنیاد رکھی ہے تو وہ تمہارا عزیز تھا۔ لیکن اس نے عملِ صالح کی جگہ عملِ غیر صالح سے رشتہ جوڑا۔ پس اب اس کا ذکر بیکار ہے اور یہ بنا ءِ قومیت کا وہ ناموسِ الٰہی ہے۔ جس کا تمہیں علم ہونا چاہیے:

قَالَ رَبِّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْــَٔلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ۔ حضرت نوح نے عرض کیا اے میرے پروردگار میں اپنے ضعفِ بشری کا اعتراف کرتا ہوں۔ اور تیری رحمت و مغفرت میں پناہ لیتا ہوں کہ جو چیز کی حکمت درحقیقت پر میری نظر نہ تھی۔ میں نے اس کی نسبت تجھ سے سوال کیا۔"

پھر ارشاد ہے:-

"حضرت نوح علیہ السلام نے جس نئی امت کی بنیاد رکھنی چاہی تھی۔ اگرچہ ضلالت عصر اور جہل انسانیت اس سے دست و گریباں رہی۔ اور اس لئے مَا اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ (۱۱-۱۷) ان پر ایمان لانے کی سعادت نہیں ملی۔ مگر ایک چھوٹی جماعت کو تاہم جس امتِ صالحہ کی اس عہدِ آدمی میں بنیاد پڑی تھی۔ وہ ضائع نہ گئی اور خدا کا کوئی حکم دعوت ضائع نہیں جا سکتا۔ اگرچہ خود حضرت نوحؑ پر بہت کم لوگ ایمان لائے کیونکہ انسانی صحیفۂ شعور کا ابتدائی عہد طفولیت بلکہ اس سے بھی مقدم ترقدور تھا۔ اور مذہب کا سلسلۂ ارتقا ابھی اپنی ابتدائی کڑیوں سے ایک دو قدم آگے بڑھا تھا۔ لیکن جب حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے مصدقین و متبعین کی اولاد زمین کے مختلف گوشوں میں پھیلی تو وہ اپنے ساتھ اس نئی قومیت کے عقائد و اعمال بھی لے گئی

یہ دراصل اسی طرف اشارہ ہے کہ حضرت نوحؑ کی دعوت کسی خاص نسل اور قوم کو زندہ کر دینے کے لئے نہ تھی۔ بلکہ وہ اس قسم کی دعوت میں داخل تھی۔ جو موجودہ نسلوں اور قوموں سے بالاتر ہو کر خود ایک نئی قوم پیدا کرتی ہے اور اس کی بنیاد محض اخوتِ دینی پر قائم ہوتی ہے پس وہ جغرافیہ و نسل سے مادر رہ کر ایک عالمگیر برادری بن جاتی ہے۔ اور زمین کا ہر ٹکڑا نوعِ انسانی کا ہر حصہ۔ اقوام و ملل کی ہر نسل اس کے دامن میں پناہ لے سکتی ہے"..... البلاغ ۱۱/۱۲ ۱۹۱۵

یہ حقائق کسی تبصرہ کے محتاج نہیں۔ آپ خود فیصلہ فرمائیے۔ کہ خود انبیاء کرام علیہم السلام جس قومیت کی تاسیس کے لئے تشریف لاتے رہے کیا وہ وہی قومیت ہے۔ جو اشتراکِ وطن سے تشکیل پذیر ہوتی ہے۔ اور مولانا صاحب جس کے آج اس فخر و مسرت سے لاینفک عنصر بننے کا اعلان فرماتے ہیں۔ یا یہ وہ قومیت ہے جسے مٹانے کے لئے یہ سلسلۂ رشد و ہدایت جاری رہا تھا۔

اب کوئی کفر کو اسلام کہنے لگ جائے تو اس کا کیا علاج۔

یہ الہلال کے مولانا آزاد تھے اور آج کے مولانا آزاد قومیت کا معیار وطن کی چار دیواری قرار دے رہے ہیں۔

(باقی دارد)

رباعیات

ایک مفلس ہندی یہ کہتا تھا خدا سے
میں کر نہیں سکتا گلہ درد فقیری
لیکن یہ بتا تیری اجازت سے فرشتے
کرتے ہیں عطا مرد فرومایہ کو میری

اقبال

ہر چند کہ جی جان سے ہیں سب کے مرید
فطرت کو زبوں ہے ایمان کی طرف
کھنچتا ہے ایمان کی سمت
زنار سے کہ ہو تو کافر
سلسلہ ...

[illegible]

اہرہ بیگم

پھوپی شمسی

میں ابھی بستر پر پڑی کروٹیں ہی لے رہی تھی کہ
لبانی زوجی نے آکر جھنجوڑ ڈالا - بھئی تمہیں خدا کی قسم آج
لہیں سیر کو چلو - ہم تو پڑھتے پڑھتے تنگ آگئے آخر کوئی
ب تک پڑھے -

میں نے اسے پرے دھکیلتے ہوئے کہا - مگر پھوپی شمسی
وہ بھی خوف زدہ ہو کر چلائی — واقعی پھوپی شمسی
پھوپی شمسی میری حقیقی پھوپی نہ تھیں - مگر دو سال
ے ہمارے گھر میں رہتی تھیں - اس لئے چھوٹے بڑے تمام
یں پھوپی شمسی کہتے تھے - پرانی وضع کی آدمی تھیں مگر
ں و نوش کے اعتبار سے بالکل نان پاؤ معلوم ہوتی تھیں
ئی کہیں جانے کا نام لے یہ اسکے ساتھ ہیں - کوئی چپکے
ے اپنے دوستوں کے لئے کوئی چیز تیار کرنی چاہے یہ
ڑا آدھمکیں گی - اگر دعوت میں شریک نہ کریں تو نامناسب
ر اگر شریک کر لیا جائے تو آدھے سے زیادہ غائب
ے سال گرمیوں کی چھٹیوں میں جب میں گھر گئی تو چھوٹے
ئی اور تیری بہن نے یہ عذاب اپنے سر سے اتار کر
رے سر منڈھ دیا - اور اب پھوپی شمسی میری حفاظت کے
ئے میرے ساتھ بورڈنگ میں مقیم تھیں -

جب سے پھوپی شمسی نے میرے حال پر کرم شروع
اتھا - نہ مجھ کمبخت کو ڈھنگ کا ناشتہ ملتا تھا نہ پیٹ بھر
انا - ملازم نے ناشتہ لا کر رکھا اور یہ بلائے ناگہانی
طرح آدھمکیں بعض اوقات میرے بستر سے اٹھنے سے
پیشتر ہی تشریف لے آتیں - اور جب تک میں غسل کر کے
آؤں سب چیزیں صاف — ویسے بھی ذرا
میں نے انڈے کو چھوا اور وہ چلائیں — ہے ہے
گرمی کے مارے پھک جاؤ گی ! پنیر کو ہاتھ لگایا اور انہوں
نے میرے آگے سے پلیٹ اٹھائی — قبض کی تم
پہلے ہی مریض ہو میرے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگواؤ گی کہ
بھوپ ذرا کھانے کی دیکھ بھال بھی نہ کر سکیں -

غرض اس ہی طرح وہ تمام ناشتہ صاف کر لیتیں
اور میں منہ دیکھتی رہ جاتی — ایک مرتبہ تنگ آکر
میں نے کچھ بسکٹ اور انڈوں کا حلوا الماری میں چھپا دیا
— کالج سے واپسی میں دیکھتی ہوں کہ الماری کھلی
پڑی ہے - اور پھوپی شمسی اطمینان سے بسکٹ اور حلوا
کھا رہی ہیں، مجھے دیکھتے ہی غرائیں — اے
میں کیا تم کو کھانے سے منع کرتی ہوں تم شوق سے
جو چاہو کھاؤ - میں تو تمہارے ہی بھلے کو کہتی ہوں - یہ
موٹے میدے کے بسکٹ کھانے سے فائدہ ؟
حلق سے اترتے ہی آنتوں میں چپک جاتے ہیں —

ایک مرتبہ چند سہیلیوں کے ساتھ پکنک پر جاتے
کے لئے چند کھانے تیار کئے لیکن پھوپی شمسی نے ایک بھی
نہ لیجانے دیا — اس ہی خطرے کے پیش نظر میں نے
روحی کو بہت سمجھایا - بہت ڈرایا لیکن آج وہ اس
لال جھنڈی سے بھی خوف زدہ نہ تھی - اس نے پھوپی

شمسی سے بدلہ لینے کی ٹھانی ہوئی تھی۔ وہ برابر ہنس رہی تھی میں نے تنگ آکر اسے جھنجوڑ ڈالا ــــ خدا کے واسطے روحی ہم کہیں نہیں جا سکتے

واہیات مت بکو نیلو فر ــــ اس نے غصہ سے کہا میں ابھی پھوپی شمسی کو یہاں سے ٹلے دیتی ہوں۔

اس نے جلدی سے فون اٹھا لیا ــ ہیلو منصور دیکھو آج گھٹائیں بدمست رقاصہ کی طرح ناچ رہی ہیں چلو آج دوپہر کا کھانا شالیمار میں رہے گا

منصور کی آواز صاف سمجھ میں آگئی۔

اور سنو تو ــــ پھوپی شمسی کے بیٹے کا کیا نام ہے۔ اوہ ہاں مختار ــــ تم کو اس کی آواز بنانے میں کمال حاصل ہے تم فوراً مختار کی جانب سے پھوپی شمسی کو فون کردو کہ صبح چار بجے سے ہیضہ میں سخت مبتلا ہو۔ پھوپی شمسی جلدی پہنچیں ــــ

اور سنو ــ اس نیک کام کے بعد اپنی گاڑی لیکر کچھ فروٹ لیتے ہوئے جلد بورڈنگ پہنچ جاؤ

پھوپی شمسی کے جانے کے بعد ہم نے اطمینان اور آزادی کا ملا جلا سانس لیا اور کمرے کے دروازے بند کرکے برقی چولھے پر پکانا شروع کر دیا۔ میں نے اخروٹ کی مٹھائی بنائی اور کچھ انڈے تلے۔ روحی نے جلدی سے مچھلی کے کباب بنائے۔ اب میں آلو کے قتلے کڑھائی میں ڈالنا ہی چاہتی تھی کہ پھوپی شمسی کی آواز آئی ــــ نہ معلوم آج صبح ہی صبح کسی کو کیا سوجھی مجھے ناشتہ بھی نہ کرنے دیا ــــ اور ایسا معلوم ہوا کہ دنیا تاریک ہوکر ہمارے سامنے ناچ رہی ہے۔ ہم لوگ کام میں اس طرح مشغول تھے کہ پھوپی شمسی کا یقین نہ ہوتا تھا۔ لیکن پھوپی شمسی تو دروازہ کھٹکھٹا رہی تھیں ــ نیلو فر بیٹا نیلو فر۔

میرا چہرہ فق ہوگیا۔ اور میں گھبرا کر روحی سے لپٹ گئی ــــ لیکن روحی نے جیسے پھوپی شمسی کو شکست دینے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا اس نے آخری کوشش کی اور جلدی جلدی تمام سامان اٹھا کر الماری میں رکھدیا۔

آہ پھوپی شمسی نے کمرے میں داخل ہوتے ہی اپنی ناک کو جنبش دی میں گھبرا کر غسل خانہ کے دروازے سے باہر نکل گئی اور اچانک پھوپی شمسی کی آواز گونجی ــــ ایں دیکھو مختار نیلو فر کتنی اچھی لڑکی ہے۔ تمہارے لئے کتنی عمدہ عمدہ چیزیں تیار کرکے رکھی ہیں

میں نے مڑ کر دیکھا۔ پھوپی شمسی الماری میں سے پلیٹیں نکال نکال کر میز پر رکھ رہی تھیں۔

یا رب! مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے مجھ ہی کو ہیضہ ہو گیا ہے۔

مونس شبیر

شادی خانہ بربادی

مجھے افسوس ہے کہ جب کبھی مجھ سے قوم کے لئے کچھ لکھنے کو کہا جاتا ہے میں چن چن کر قوم کی برائیاں ہی لکھتی ہوں۔ لیکن اس قول پر عمل کرتے ہوئے کہ سچا دوست وہی ہے جو ہمارے عیب ہمیں بتائے میرا موضوع ہمیشہ قوم کے بیہودہ رسم و رواج اور تباہ کن جہالت کے متعلق ہوتا ہے اور یہی رہے گا تاوقتیکہ قوم میں اتنی بیداری پیدا ہو جائے کہ وہ اپنی گرتی ہوئی حالت کو سنبھال سکے۔

آج میں ایسی شادی خانہ بربادی کے متعلق قوم سے کچھ عرض کرنا چاہتی ہوں جس کا تماشہ تقریباً ہر گھرانہ دیکھ چکا ہے اور دیکھ رہا ہے بچپن میں ہم جس طرح گڈے گڑیا کا بیاہ رچایا کرتے تھے اور دن میں کئی بار ایک ہی گڑیا مختلف گڈوں سے بیاہی جاتی تھی۔ یا ایک گڈے کی چار چار شادیاں کی جاتی تھیں ہو بہو وہی نقشہ ہمارے ماحول میں ایک تلخ حقیقت کی شکل اختیار کر چکا ہے۔

قوم پنجابیان ایک مالدار جماعت ہے لیکن جتنی دولت موجود ہے اس سے کہیں زیادہ جہالت بھی پائی جاتی ہے مجھے یہ دیکھکر سخت رنج ہوتا ہے کہ قوم اپنا روپیہ ہر طرح کی فضول رسومات پر بے دریغ خرچ کرتی ہے لیکن تعلیم پر خرچ کرنا فضول خرچی سمجھا جاتا ہے کتنے افسوس کی بات ہے کہ قومی بچے بہت چھوٹی عمر میں ہی قرآن پاک حفظ کر لیتے ہیں لیکن ایک لفظ کے معنی بھی وہ نہیں جانتے تاہم وہ حافظ قرآن کہلاتے ہیں۔ یہاں پر تعلیم ختم ہو جاتی ہے ادھر تعلیم ختم ہوئی ادھر والدین کو اپنے نونہال کی شادی کی فکر ہوئی عام طور پر لڑکی کی عمر تیرہ سال اور لڑکے کی عمر اٹھارہ سال ہوتے ہی شادی کر دی جاتی ہے اور ایسے ننھے منے دولہا دلہن کو دیکھ دیکھ کر والدین پھولے نہیں سماتے اور ان دو معصوم بچوں سے اُمید کی جاتی ہے کہ وہ نہایت خوش اسلوبی سے اپنے نئے فرائض کو سر انجام دیں گے لیکن وہ اپنی کم سنی ناتجربہ کاری کے باعث اور بزرگوں کے غیر ہمدردانہ رویے کی وجہ سے ناکام ثابت ہوتے ہیں مایوسی اور بیزاری پیدا ہوتی ہے بلکہ اس میں بہت کچھ ہاتھ ان کے بزرگوں کا بھی ہوتا ہے اور نتیجہ یہ کہ لڑکی کو طلاق دلوائی جاتی ہے اور اکثر شادی کے ایک یا دو سال کے عرصے میں وہ ایک بچے کی ماں بھی بن چکی ہوتی ہے ایسا بھی ہوتا ہے کہ لڑکے والے محض سزا کے طور پر طلاق نہیں دیتے بلکہ لڑکی کو عمر بھر کے لئے میکے میں سڑنے کے لئے چھوڑ دیتے ہیں اور اپنے بیٹے کی ایک چھوڑ دو دو بلکہ بعض اوقات تین تین شادیاں کروا دیتے ہیں مقدمے بازی ہوتی ہے دونوں طرف سے روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے اور برسوں کے جھگڑے کے بعد کچھ نتیجہ نکلتا ہے۔

میں ایسے واقعات بھی جانتی ہوں جہاں میاں بیوی دونوں اپنی زندگی کو خوشگوار بنانے میں کسی حد تک کامیاب بھی ہو جاتے

ہیں اور ان کے دلوں میں محبت کا پاکیزہ جذبہ بھی پیدا ہو جاتا ہے لیکن بے کار اس کے باوجود ان دونوں کے بزرگ نہایت چھچھوری قسم کی باتوں پر مثلاً زیور کپڑے وغیرہ کی وجہ سے آپس میں سخت دشمنی پیدا کر لیتے ہیں اور اس باعث محبت بھرے دلوں کو زبردستی جدا کر دیا جاتا ہے اور چونکہ لڑکا اپنے والدین کا دست نگر ہوتا ہے خود اس کی کوئی مالی حیثیت نہیں ہوتی مجبوراً بڑوں کی ضد کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ میاں بیوی جدا ہونے کے بعد بھی ایک دوسرے کے لئے ایک عرصہ تک تڑپتے رہے لیکن بزرگوں کے خوف سے اپنے جذبات اور اپنی محبت کا گلا گھونٹ دینے پر مجبور ہو گئے اور ایسے واقعات بھی سامنے ہیں کہ اپنی پہلی محبت کو وہ کبھی نہ بھلا سکے ایک باوفا اور شوہر کی محبت کے سرشار نو عمر لڑکی کو مجبور کرنا کہ وہ اپنی پہلی محبت کو بھول جائے اور اپنے شکستہ دل میں ایک نئے مرد کے لئے ویسی ہی محبت پیدا کرے کس قدر مضحکہ خیز بات ہے!

اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ آخر اس نت نئی شادی اور نت نئی طلاق کی وجوہات کیا ہیں۔ سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے جیسا کہ میں پہلے بتا چکی ہوں ہماری قوم میں جہالت کی بڑھتی ہوئی وبا ہے جس قوم میں والدین جاہل ہوں گے ان کے بچوں کی تربیت کیا ہو سکتی ہے ان کو ایسے موقع مہیا کئے جاتے ہیں کہ وہ خود اپنی عقل و سمجھ کو استعمال کر سکیں تعلیم یافتہ طبقے میں اولاد کی تعلیم و تربیت پر ہزاروں روپے صرف کر دیئے جاتے ہیں لیکن ایک جاہل طبقہ وہی روپیہ بلکہ اس سے کئی گناہ زیادہ چھٹی۔ عقیقہ۔ منگنی۔ شادی ناچ تماشوں اور طلاق کے مقدمات لڑانے میں خرچ کر دیتا ہے تعلیم یافتہ والدین بچے کے پیدا ہوتے ہی اس کی تعلیم و تربیت کے منصوبے باندھنے لگتے ہیں لیکن ہماری قوم کے جاہل والدین طرح طرح کی احمقانہ رسومات میں شروع سے ہی روپیہ برباد کرنے لگتے ہیں ان کے پیش نظر بچے کی صحیح تربیت یا تعلیم نہیں ہوتی۔ انہیں تو بس یہی شوق ہوتا ہے کہ ہر بہانے سے کوئی نہ کوئی تقریب کی جائے خوشیاں منائی جائیں اور روپیہ لٹایا جائے چھ سات سال کی عمر میں بچوں کی منگنیاں ہو جاتی ہیں کیونکہ والدین کو رشتے جوڑنے کا شوق ہوتا ہے طرح طرح کے تحفے تحائف کا تبادلہ ہوتا ہے سجی سجائی سینیاں چلی آ رہی ہیں ہر موقع پر دعوتیں ہو رہی ہیں اور ہر بار ننھی بچی کو دلہن بنایا جاتا ہے اور غضب تو یہ ہے کہ اس معصوم کو بالکل جھک کر گھنٹوں بیٹھنا پڑتا ہے وہ بھی اسی دھائی ہوئی بنارسی کی طرح ڈگڈگی بنا جاتی ہے

ایک بار ایک شادی میں شریک ہوئی تھی وہاں یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ اصل دلہن کونسی ہے چھ سال سے بارہ سال کی عمر کی چھ سات لڑکیاں کمرے کے مختلف کونوں میں دلہنوں کے لباس میں بالکل جھکی ہوئی بیٹھی تھیں اس چھ سال کی دلہن کو دیکھ دیکھ کر مجھے سخت کوفت ہو رہی تھی اتنی سخت گرمی میں نہ جانے وہ پھول سی بچی کس طرح عورتوں میں گھری ہوئی گھنٹوں وہاں بیٹھ سکی ہو گی اس کے علاوہ میں یہ نہیں سمجھ سکی کہ ان شرمیلی لڑکیوں کو سالوں پہلے سے دلہن بننے کا شوق کیوں دلایا جاتا ہے کہاں تو شرم کا یہ حال کہ لڑکی اپنی پسند کے متعلق ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکال سکتی یا یہ حالت کہ شادی سے پہلے ہی دلہن بن کر سسرال کی تقریبوں میں بھی شریک ہو جاتی ہیں نہ معلوم ہمارے یہاں کی شرم و حیا کا معیار کیا ہے؟ لیکن جس ماحول میں ایک شریف لڑکی کو بار بار شادی اور طلاق کے ذریعے مختلف مردوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے اس کے لئے شرم و حیا کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اس مول تول اور سودا بازی ایک شریف گھرانے کی لڑکی اور طوائف میں فرق ہی کیا رہ جاتا ہے؟ طوائف بھی پیٹ کی خاطر نیا رشتہ محبت جوڑتی ہے اور ایک معصوم لڑکی کو بار بار نئی محبت رچانے پر مجبور کیا جاتا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ طوائف کے لئے دلال اور شریف گھرانوں کے لئے قاضی یہی کام سرانجام دیتا ہے شرم سے ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ نکاح ایسے پاکیزہ رشتے کو اپنے ناپاک مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے افسوس کہ انسان اپنی حرص و ہوس اور لالچ میں اندھا ہو کر مذہب کو بھی توڑ موڑ دیتا ہے۔

دوسری وجہ ہے کمسنی کی شادی بارہ تیرہ سال کی عمر کی لڑکیوں کی جسمانی ساخت شادی کا بوجھ برداشت کرنے کے قابل نہیں ہوتی یہ عمر جسم کے صحیح نشوونما پانے کی ہوتی ہے شادی ہونے سے یہ نشوونما یکلخت رک جاتی ہے ایسی حالت میں جو بچے پیدا ہوتے ہیں وہ نہایت کمزور اور پیدائشی مریض ہوتے ہیں ماں کی صحت تو بالکل گر جاتی ہے لیکن ماں باپ کا اندھا شوق بھلا یہ باتیں کہاں سوچ سکتا ہے مذہب اور قانون نے بھی شادی کی عمر مقرر کر دی ہے لیکن جہالت کے سامنے کسی کا بس نہیں چلتا دھوم دھام سے شادی رچائی جاتی ہے ننھی سی دلہن دیکھنے میں بہت پیاری معلوم ہوتی ہے لیکن اکثر شادی کے سال بھر بعد وہ ایک بچے کی ماں بن جاتی ہے صحت گرنے لگتی ہے چہرے پر زردی چھا جاتی ہے اور یہ معصوم کلی کھلنے سے پہلے ہی کملا جاتی ہے کیا کبھی آپ نے اس پر بھی غور کیا کہ قوم میں آئے دن لڑکیاں کیوں مرتی ہیں؟ وہ دق ایسے موذی مرض میں کیوں گرفتار ہو جاتی ہیں؟ قوم کے اسی فیصدی نوزائیدہ بچے کیوں مر جاتے ہیں؟ زچگی میں اموات کیوں زیادہ ہوتی ہیں؟ کیا یہ کم سنی کی شادی کے نتائج نہیں ہیں؟ اگر کسی بھائی یا بہن کو اس سے اختلاف ہے تو جواب دیں اور اگر نہیں ہے (اور یقیناً نہیں ہو سکتا) تو بتائیں کہ انھوں نے اس کی روک تھام کے لئے آج تک کیا کیا؟ کم سنی کی شادی کا اثر لڑکی کی صحت پر ہی نہیں بلکہ لڑکے پر بھی پڑتا ہے اور نتیجہ یہ کہ دونوں عجب کشمکش کی زندگی بسر کرنے لگتے ہیں اکثر اسی وجہ سے چڑچڑا پن اور ایک دوسرے سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے دائم المریض بیوی اور بچوں سے گھبرا کر اور ماں بہنوں کے اکسانے پر وہ اکثر دوسری شادی پر تیار ہو جاتا ہے اور پہلے سے بھی زیادہ مصائب میں گھر جاتا ہے۔

تیسری وجہ مالی پریشانی ہے ایک مالی طبقے میں مالی پریشانی درحقیقت یہی سب سے بڑی وجہ ہے یعنی نوعمر لڑکا والدین کا دست نگر ہوتا ہے تیرے اٹھارہ سال کی عمر میں شادی ہو جاتی ہے نہ تو وہ تعلیم یافتہ ہوتا ہے کہ اپنے قدموں پر کھڑا ہو سکے نہ ہی اس کے پاس اتنا سرمایہ ہوتا ہے کہ وہ علیحدہ کوئی کام کر سکے وہ اپنے باپ کے کاروبار میں مدد دیتا ہے اور گھر سے روٹی کپڑا مل جاتا ہے اس کے علاوہ پانچ روپے جیب خرچ جو شادی ہونے کے بعد بھی اتنا ہی رہتا ہے اگر سسر صاحب کی بڑی عنایت ہوئی تو ہو گیا بھی پانچ روپے مہینہ باندھ دیا مدنظر اللہ اللہ خیر سلا۔ کس قدر بے رحمانہ حرکت ہے یہ کہ نئی شادی شدہ جوڑے کی ضروریات و خواہشات کو اس قدر محدود تصور کر لینا اور ان کو اس قدر لاچار کر دینا کہ وہ اپنی حسب خواہش کچھ بھی خرچ نہ کر سکیں اس پر ساس نندوں کی کڑی نگرانی زندگی اجیرن کر دیتی ہے .... نوعمر دلہن کی یہ قدرتی خواہش ہوتی ہے کہ شوہر اس کے لئے کوئی چھوٹا موٹا تحفہ لائے یا خود وہ شوہر کے لئے کوئی چیز تیار کرے یا گھر چھوٹی چھوٹی باتوں سے دلی جذبات کا اظہار ہوتا ہے لیکن دونوں مجبور ہیں افسوس کہ ہنسنے

بوسنے اور ہنسنے کی عمر میں میاں بیوی بیچارگی سے بزرگوں کا منہ تکتے رہتے ہیں اور پھر بھی کچھ حاصل نہیں کر سکتے اس جوانی کی عمر میں وہ دل مسوس کر رہ جاتے ہیں نئی امنگوں اور نئی خواہشات کو کچل کر صبر کر لیتے ہیں اس عمر میں تو ان کی جسمانی نشو نما بھی پوری نہیں ہوتی ان کے شباب کو پروان چڑھنے کے لئے ابھی غذا اور آزادی کی سخت ضرورت ہوتی ہے لیکن معاملہ برعکس پیش آتا ہے۔ تو وہ کہیں آزادی سے جا آ سکتے ہیں نہ ہی گھر والوں سے چھپ کر کچھ کھا پی سکتے ہیں لڑکی باورچی خانے میں اور لڑکا باپ کی دوکان پر اپنی بساط سے کہیں زیادہ محنت کرتے ہیں اور معاوضہ پانچ روپے ماہوار قوم کے لئے کس قدر باعث شرم ہے۔ نہ معلوم والدین اپنے معصوم بے کس بچوں پر یہ ظلم کیوں روا رکھتے ہیں کیا ان کی آنکھوں کا نور دل کا سرور بدنصیب بیٹا اس ذلیل چھوکرے سے بھی گیا گذرا ہو گیا جو پانچ روپے تنخواہ کو حقارت سے ٹھکرا کر چلا جائے۔ کیا جو والدین اپنے فرزند ارجمند کی شادی خانہ آبادی پر رنڈیوں کو نچا سکتے ہیں ہزاروں روپے دعوت ولیمہ میں برباد کر سکتے ہیں وہ اپنے نور نظر کی تنخواہ پانچ روپے سے بڑھا کر پچاس بھی نہیں کر سکتے؟ لعنت ہے ایسی دولت پر جو محض نام و نمود کے واسطے استعمال کیجائے لیکن اپنی اولاد کے آرام و آسائش کے لئے حرام کر دیجائے۔ اگر کوئی نوجوان اپنی اس پریشانی کا دبی زبان سے بھی اظہار کرے تو ناخلف کہلاتا ہے اس سے کہا جاتا ہے کہ نالائق آخر تمہارے واسطے ہی یہ ساری دولت جمع ہو رہی ہے اور کیا ہم اپنی قبر میں ساتھ لے جائیں گے؟ لیکن کیا یہ نوجوان اپنی عمر کا بیشتر حصہ کڑھ کڑھ کر بے بسی کے عالم میں گزار دیں اور اسی انتظار میں رہیں جب خود بچوں کے باپ بن جائیں کہ کب باپ مرے اور کب دولت ہاتھ آئے۔ اور پانچ روپے

کی نوکری سے چھٹکارا حاصل ہو؟ کیا وہ بیٹا اپنے باپ سے محبت کر سکتا ہے کبھی اس کے دل میں ذرہ بھر بھی اس کے باپ کے لئے احترام ہو سکتا ہے جو اس کی عمر کا بہترین حصہ یوں برباد کر دے اور دنیا کی نعمتیں اس پر حرام کر دے؟ ایک مشین کی طرح اس سے کام لے اور معاوضے میں پانچ روپے ہاتھ میں تھما دے کہ جاؤ بیٹا عیش کرو؟ میرے سامنے ایسی مثالیں موجود ہیں کہ جہاں نوجوانوں کی اپنی خداداد صلاحیت اور تجارتی قابلیت محض والد کی رخنہ اندازیوں کے باعث ختم ہو کر رہ گئیں اور ایسی مثالیں بھی موجود ہیں جہاں باپ اپنے بیٹے سے وہی کام پانچ روپے ماہوار دیکر حاصل کر لیتا ہے جو کہ ایک اچھا تجربہ کار منیجر سات آٹھ سو روپے ماہوار تنخواہ لیکر کر سکتا ہے۔ کسی انسان کی ذہانت اور قابلیت سے اتنا سخت ناجائز فائدہ اٹھانا میرے نزدیک ایک ناقابل معافی جرم ہے اور گناہ عظیم ہے دنیا کے کسی بھی ترقی یافتہ حصے میں انسانی محنت کو اس طرح ناجائز طور پر استعمال نہیں کیا جاتا مذہب بھی اس کی اجازت نہیں دیتا۔ ہمارے رسول پاک تو اپنے غلام سے بھی بیٹے جیسا برتاؤ کرتے تھے نہ یہ کہ بیٹے کو غلام سمجھ لیا جائے

اس مالی پریشانی کو نوعمر جوڑا بڑی سختی سے محسوس کرتا ہے کمسن لڑکی شوہر کی اس مجبوری کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتی۔ ادھر لڑکا بیوی کے آرام و آسائش کے لئے کچھ نہیں کر سکتا اس پر نوعمر لڑکیاں ساس نندوں کے طعن تشنیع اور لڑائی جھگڑوں کو برداشت نہیں کر سکتیں شوہر اپنا خون پسینہ ایک کر کے بھی بیوی کو خوش نہیں رکھ سکتا نہ ہی اس میں اتنی صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ اپنی شریک حیات کو اپنے حالات سے باخبر کر سکے اور اس کی ہمدردی حاصل کر سکے رفتہ رفتہ دلوں میں شبہات پیدا ہونے لگتے ہیں آپس میں ناچاقی پیدا ہوتی ہے ادھر سسرال والے لڑکی کے زیورات وغیرہ چھین کر اسے میکے بھیج دیتے ہیں وغیرہ

طرف سے آمدورفت بند ہو جاتی ہے لڑکے والے نئی دلھن کی تلاش میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اور لڑکی والے طلاق کی فکر کرتے ہیں اور تھوڑے ہی عرصہ میں دونوں کی نئی شادیاں رچائی جاتی ہیں

کس قدر شرم کی بات ہے کہ نکاح ایسے پاکیزہ فرض کو اپنے غلط مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اسلام نے نکاح اور طلاق کی سہولتیں مہیا کر کے جو احسان ہم پر کیا ہے ہمارا فرض تھا کہ اسے ناپاک اور ناجائز طریقے سے کام میں نہ لاتے لیکن جہالت نے ہماری آنکھوں پر ایسا پردہ ڈال رکھا ہے کہ ہم ان اختیارات کو شرمناک طور پر استعمال کر کے اپنے مقاصد حل کئے جاتے ہیں خدا تعالیٰ ایسے فعل کو ناپسند کرتا ہے ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں بارہا اسی طرح مذہبی احکامات کو توڑتے ہیں اور پھر بھی اپنے کو ایک سچا مسلمان سمجھ لیتے ہیں۔ درحقیقت اگر سوچا جائے تو جس طرح ہمارے یہاں نکاح عمل میں لایا جاتا ہے وہ شرعاً جائز قرار نہیں دیا جا سکتا اول تو عام طور پر لڑکا لڑکی دونوں نابالغ ہوتے ہیں وہ یہ بھی نہیں سمجھ سکتے کہ شادی ہے کیا بلا نہ ہی وہ ازدواجی زندگی کے فرائض کو بخوبی انجام دے سکتے ہیں چنانچہ وہ نکاح کے عہد کو نبھانے کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے دوئم شرعاً لڑکے اور لڑکی کی رضامندی لینا ضروری ہے ورنہ نکاح نہیں ہو سکتا لیکن شریعت کے اس اصول کو سو فیصدی رد کر دیا جاتا ہے دونوں یہ نہیں جانتے کہ ہماری شادی کس سے ہو رہی ہے محض رسماً بوقت نکاح لڑکی سے اجازت حاصل کی جاتی ہے اور آنکھوں دیکھی بات ہے کہ خود دلہن کا سر پکڑ کر ہلا دیا جاتا ہے کیا یہ نکاح جائز ہو سکتا ہے؟ ہماری قوم کی ایک لڑکی کی منگنی ایک آوارہ بدچلن لڑکے سے کر دی گئی وہ بیچاری مہینوں چھپ چھپ کر روتی رہی صحت بھی گرنے لگی والدین نے سب کچھ جانتے ہوتے بھی لڑکی کا شرعی حق اسے نہ دیا اور زبردستی اس کی شادی کر دی گئی کیا اسلام اس نکاح کو جائز قرار دیتا ہے؟ ایک عورت کو اس کی مرضی کے خلاف اپنا جسم کسی مرد کے حوالے کر دینے پر مجبور کر دینا نکاح نہیں حرام کاری ہے اس ناجائز عمل کو نکاح کا پاکیزہ نام دینا اسلام کی توہین کرنا ہے۔

اختصار سے کام لیتے ہوئے میں اپنے بزرگوں اپنے تعلیم یافتہ بہنوں سے درخواست کرتی ہوں کہ قوم کی پیشانی پر سے ذلت کے اس سیاہ داغ کو مٹانے کی کوشش کریں آپ کے پاس دولت بھی ہے ذہانت بھی اپنی عقل کو استعمال کریں اور اپنی دولت کو صحیح طور پر خرچ کر کے اپنی قوم کو ایک ترقی یافتہ اعلیٰ طبقہ بنانے کی جدوجہد شروع کر دیں اور خدارا جلد از جلد اس جائز طوائف بازی یا بازیگی شادی و طلاق کی لعنت سے نجات حاصل کریں لیکن

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر!

زبان میں رکھنے کے لئے افسانہ

بے جوڑ شادیاں

پیش کرتی۔

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

عزیزی یہ صدر کی دکانیں اور کوٹلہ کی چہل پہل کندے ہیں رومال ڈال کر نیچے گانہ نماز ادا کرنے والوں کا انعام ہے جن کا نعرہ "سوئیاں چھکیں بہت باریک گر وہ بھی ان الجھنوں میں الجھ جاتے اور علمی اور ادبی رسائل میں دینی اور دنیوی فلاح ڈھونڈھنے لگتے تو ہم تو چھاپے کی مشینیں چلاتے یا کتابت کرتے۔

نیک مشورہ اپنے فاضل دوست کو میرا یہ مخلصانہ مشورہ ہے کہ اگر آپ کو علم تعلقات مرد و زن سے دلچسپی ہے اور چاہتے ہو کہ اس پر لکھو اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ تعلقات میں بہت سے ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر خوب لکھا جا سکتا ہے جو سبق آموز بھی ہوگا اور جس میں تمہارا علم بھی ہوگا

ہر طریقہ سے قابل اعتماد

شیروانی اور سوٹنگ کا کپڑا

پنجابی کلاتھ ملز لمیٹڈ کا تیار کردہ لیجئے

ہر گز پر

پی۔سی۔ایم دیکھ لیں

(کیونکہ یہ پاکستانی)

اسٹاکسٹ:۔ محمد صدیق چاندنی چوک کٹرہ قطب الدین دہلی

قتیل شفائی

یہاں ہر چیز بکتی ہے

جوانی، حُسن، غمزے، عہد، پیماں، قہقہے، نغمے
رسیلے ہونٹ، شرمیلی نگاہیں، مرمری باہیں

یہاں ہر چیز بکتی ہے
خریدارو—! بتاؤ کیا خریدوگے؟

بھرے بازو، گٹھیلا جسم، چوڑے آہنی سینے
بلکتے پیٹ، روتی غیرتیں، بجھتی ہوئیں آہیں

یہاں ہر چیز بکتی ہے
خریدارو—! بتاؤ کیا خریدوگے؟

زبانیں، دل، ارادے، فیصلے، جانبازیاں، نعرے
یہ آئے دن کے ہنگامے، یہ روز و شب کی تقریریں

یہاں ہر چیز بکتی ہے
خریدارو—! بتاؤ کیا خریدوگے؟

صحافت، شاعری، تنقید، علم و فن، کتب خانے
قلم کے معجزے، فکر و نظر کی شوخ تصویریں

یہاں ہر چیز بکتی ہے
خریدارو—! بتاؤ کیا خریدوگے؟

اذانیں، سنکھ، حجرے، پاٹھ شالے، داڑھیاں، قشقے
یہ لمبی لمبی تسبیحیں، یہ موٹی موٹی مالائیں

یہاں ہر چیز بکتی ہے۔
خریدارو—! بتاؤ کیا خریدوگے؟

علی الاعلان ہوتے ہیں یہاں سودے ضمیروں کے
یہ وہ بازار ہے جس میں فرشتے آکے بک جائیں

یہاں ہر چیز بکتی ہے
خریدارو—! بتاؤ کیا خریدوگے؟

سائنس کا حیرت انگیز کرشمہ

سائنٹفک طریقوں سے تیار کیا ہوا بال کیش ہیئر ٹانک ان چار شکایتوں کیلئے امرت اور اکسیر سے بڑھکر ثابت ہے (۱) بال گرتے ہوں۔ (۲) بال بڑھتے نہ ہوں (۳) سر میں گنج ہو (۴) کسی بیماری سے بال اڑھ گئے ہوں۔ بال کیش ہیئر ٹانک گرتے ہوتے بالوں کو تین ہی دن میں فائدہ دینا شروع کر دیتا ہے۔ بال کیش ہیئر ٹانک سے بال بہت گھنے اور چمکیلے پیدا ہوتے ہیں۔ بیشمار عورتیں اور مرد جن کے بال اڑ گئے تھے بال کیش ہیئر ٹانک کے استعمال سے اپنے لمبے لمبے بالوں پر فخر کرتے ہیں (قیمت) :۔ فی شیشی تین روپے، نمونہ کی شیشی ایک روپیہ محصول ڈاک نو آنے علاوہ ہے۔

دی گلوریس پرفیومری۔ پی۔ ڈی۔ صدر بازار دہلی

ہمارے علاوہ صرف دہلی کے لئے

الیس محمد اسحاق اینڈ سنز دواتی والے بلیماران دہلی۔ شیخ شمس العارفین دواتی والے فتح پوری دہلی

میجسٹک سٹور جنرل مرچنٹ فوارہ دہلی سے خریدیئے

گھی ہفتہ

دیہات سے تازہ بتازہ خالص دیسی گھی منگانے کا ہم نے مستقل بندوبست کیا ہے اطمینان بخش چیز کے لئے پتہ نوٹ کر لیجئے

(پتہ یہ ہے)

روئی کی منڈی کی قدیمی مشہور دوکان

حافظ محمد صالحین عبدالستار اینڈ کو

گھی والے منڈی روئی دہلی

چہرے کی رونق کا راز

بالوں کی سیاہی میں پوشیدہ ہے اور بالوں کی سیاہی کیلئے اچھے اور مفید خضاب کی ضرورت ہے

جہاز مارکہ خضاب

لاکھوں کا آزمودہ ہے اور استعمال کرنیوالوں کا خیال ہے کہ یہ بہترین خضاب ہے

سول اسٹاکسٹ

جمال الدین کمپنی سرائے حافظ بنّا دہلی

مشتاق احمد چاندنہ

ایک جنگ عظیم سے دوسری جنگ عظیم تک

سنہ ۱۹۱۹ء — سنہ ۱۹۳۹ء

مسئلہ اقلیت یہ اقلیت اور اکثریت کا جھگڑا صرف ہندوستان میں ہی نہیں ہے۔ بلکہ باہر کے ممالک میں بھی ہے۔ چنانچہ جب پریسڈنٹ ولسن کے حق خود اختیاری کے سوال کو سامنے رکھ کر یورپ میں نئی نئی سلطنتیں بنیں اور ان کی نئی سرحدیں مقرر کر دی گئیں تو یہ مسئلہ پھر ایک دفعہ اپنی بھیانک صورت لے کر دنیا کے سامنے آیا۔ کیونکہ اتنی ساری سلطنتیں بنانے کے باوجود بھی۔ لاکھوں لوگ ایسے رہ گئے تھے۔ جن پر غیر قومیں حکمران تھیں۔ لیکن شاطروں کے دماغ میں کوئی ایسی چال نہیں آسکی۔ جس سے وہ اس دشمن کو مات کر سکتے۔ کیونکہ اس طرح تقسیم کرتی کہ ایک قوم کی سلطنت الگ ہو۔ اور دوسری الگ۔ بالکل ناممکن تھی اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ ہر قوم کا ایک حصہ اپنی قوم کی سلطنت سے دور کسی اور قوم کے علاقہ میں آباد تھا۔ اور اس طرح آباد تھا کہ وہ درحقیقت اس دوسری قوم میں خلط ملط ہو چکا تھا۔ اور اگر اس قوم کی سلطنت وہاں قائم کی جاتی۔ تو اول تو وہ اپنی سلطنت سے دور ہوتی۔ اس لئے اس کا زندہ رہنا تقریباً مشکل ہوتا۔ اور دوسرے یہ کہ ایسا کرنے میں دوسری قوم کے لوگوں کا حق مارا جاتا۔ اور وہ اس کی غلامی میں ہو جاتے۔

مثلاً ہنگری کا جو علاقہ رومانیہ کو دیا گیا۔ اس میں ہر سو شخصوں میں سے ۳۴ رومانیہ کے ۵۶ ہنگری کے اور باقی سیکسن قوم کے افراد تھے اور علاقہ میں یہ کچھ دہان بکھری ہوئی تھی۔ ہنگری سے بہت دور تھا۔

کبھی کبھی ماہرین سیاست مدافعت یا اقتصادیت پر قوم کو قربان کرنا عین عقلمندی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ٹرینٹینو کا علاقہ اٹلی کو محض اس لئے دیا گیا۔ کہ وہ برنر کے درے پر اپنا قبضہ قائم کر سکے۔ حالانکہ ٹرینٹینو کی آبادی تقریباً سب کی سب آسٹروی تھی یہ تو تھی۔ جنگ کی مصلحت کی بات اب اقتصادی حیثیت دیکھئے۔ پولینڈ کو دسنولا دریا کے پاس کا ایک علاقہ اس لئے دیا گیا۔ کہ وہ سمندر کے قریب ہو جائے حالانکہ اس علاقہ میں اکثریت جرمنوں کی تھی اور پھر یہ لطف سب سے نیارہ ہے کہ یہ علاقہ پولینڈ کو ملا تو اس کو سمندری تجارت کے لئے بندرگاہیں مل گئیں اور بیحد مفید ثابت ہوا۔ لیکن جرمنوں کے لئے یہ بہت بڑا ظلم تھا کیونکہ یہ علاقہ پولینڈ کو مل جانے کی وجہ سے مشرقی جرمنی باقی جرمنی سے الگ ہو گیا۔

آسٹریا چونکہ مفتوح ملک تھا۔ اس لئے اس کو سمندر سے ملانے کیلئے کوئی علاقہ نہیں دیا گیا۔

وہ تمام ممالک جو لڑائی ہار گئے تھے۔ انھوں نے اس بندر بانٹ کو بری طرح محسوس کیا۔ کیونکہ ہارے ہوئے ممالک کی سلطنتوں میں سے کچھ۔ کچھ کر سیونت مزدوری کی گئی تھی۔ انھوں نے دیکھا۔ کہ اپنی حکومت کا تختہ پلٹ کر اور اتحادیوں سے صلح کر کے انھوں نے کتنی بڑی غلطی کی ہے اب انھوں نے سمجھا کہ باعزت صلح دوبارہ ایکی طاقتوں

ے درمیان ہوا کرتی ہے کمزور اور طاقتور ملکوں کے درمیان نہیں کیونکہ اتحادی گروہ اس وقت اپنی طاقت کے بل بوتے پر وہ کچھ کر رہا تھا۔ جو صرف فاتح گروہ کیا کرتا ہے حالانکہ لڑائی فتح یا شکست پر ختم ہوئی نہیں تھی بلکہ صلح پر ختم ہوئی تھی۔ لیکن اتحادی گروہ نے دوسری گروہ کے ساتھ وہی سلوک کیا جو ایک ہارے ہوئے دشمن سے کیا جاتا ہے چنانچہ ان کے علاقوں کو فاتح گروہ نے آپس میں بانٹ لیا اور یہی وہ چیز تھی۔ جو دوسری گروہ بدلا لینے کے لئے اکسا رہی تھی۔

اس طرح اس نئے نقشہ نے پرانی گتھیاں سلجھانے کے بجائے اور نئی گتھیاں الجھا کر رکھ دیں۔ جو مستقبل میں لڑائی ہونے کے بہت سے اسباب میں سے ایک ثابت ہوئیں

آئندہ کے امن کے لئے بہت ضروری تھا کہ یہی دوستی و ہمدردی ملک ملک کے درمیان پیدا ہو لیکن اس کے برخلاف ہوا کیا۔ یہ ہوا اتحادی گروہ نے اس صلح نامہ کا فائدہ اٹھانے والا واحد گروہ تھا۔ بیرونی ملکوں پر جو اس ان صلح نامہ کی شرطوں کے مطابق اپنی پرانی حکومت کی رعایا ہونے کے بجائے اتحادی گروہ کے کسی ملک کی رعایا بننے پر مجبور تھے کافی مظالم کئے حتیٰ کہ ان پر یہ دباؤ بھی ڈالا گیا کہ وہ اپنی زبان چھوڑ کر اس حکومت کی زبان بولنے لگیں اس کے علاوہ ان پر یہ سختی اس لئے روا رکھی گئی کہ وہ اپنے ادب اور اپنی تہذیب کو بھول جائیں۔ درحالیکہ یہ طریقہ اقلیتوں کو اپنی دولت پر مگن رکھنے کا نہیں تھا چنانچہ غاصب گروہ کی ان سختیوں نے ان لوگوں کو جن کی سلطنتوں کی سرحدیں اس علاقے سے ملی ہوئی تھیں۔ جہاں یہ مظالم کا شکار رہے تھے۔ اور ان سلطنتوں کے باشندوں کو بھی ایک بہانہ دے دیا جس سے انھوں نے بعد میں کام لیا۔ اور مطالبہ کرنا شروع کر دیا کہ ان کے بھائی جس علاقہ میں آباد ہیں۔ وہ علاقہ ان کو دے دیا جائے۔ تاکہ وہ سب ایک وطن میں ہو جائیں مثلاً جرمنی کے چاروں طرف کی نئی سلطنتوں میں جرمنی آباد تھے اور ہٹلر چاہتا تھا۔ کہ وہ سب علاقے جرمنی میں شامل کر دیئے جائیں۔ تاکہ دوسری سلطنتوں کی جرمن زبان بولنے والی آبادی جرمنی سے مل جائے۔ یہ ہی وہ نظریہ ہے کہ جس کو اس نے اپنی کتاب السیری جلد جہد میں بیان کیا تھا۔ اور اسی نظریہ کی خاطر اس نے آسٹریا چیکوسلواکیہ اور پولینڈ پر قبضہ کرنا چاہا یہ کہہ دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اس نظریہ پر عمل کرنے کی جو کوشش کی گئی۔ تو دنیا کو ۱۹۳۹ء میں پھر لڑائی کی بھٹی میں جلنا پڑا۔

"جرمنی کی سزائیں"

صلح نامہ ورسائی کی شرطوں کی رو سے جرمنی کو سزائیں دی گئیں تھیں۔ دنیا کو جنگ میں دھکیلنے کی پاداش میں۔ ان میں سے بعض ایسی تھیں جن سے جرمنی کو بہت ہی زیادہ نقصان پہونچا۔ مثلاً۔

۱۔ جرمنی کو اپنی تمام نو آبادیوں سے جو افریقہ کے چار علاقے بڑے علاقوں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ ہاتھ دھونے پڑے اور وجہ اس کی یہ بتائی گئی کہ جرمن اس قابل نہیں ہیں۔ کہ نو آبادیات پر مناسب طریقہ سے حکومت کر سکیں۔ حالانکہ دو وجہیں درحقیقت بہت اہم ہیں لیکن وہ بتائی نہیں گئیں۔ اول تو یہ کہ نو آبادیات پر برطانیہ اور فرانس کے دانت مدت سے لگے ہوئے تھے۔ اور دوسرے اس طریقہ سے جرمنی کو اتنا کمزور بنا دینا مقصود تھا کہ وہ سر نہ اٹھا سکے چنانچہ ان علاقوں کو برطانیہ، فرانس، بلجیم کی ولایت میں دے دیا گیا۔ کاغذی طور پر یہ علاقہ ان کی ملکیت نہیں تھا۔ اور وہ ہر سال قوموں کی جماعت کے سامنے ان علاقوں کے حالات اور واقعات بیان کرنے کے پابند تھے لیکن عملی طور سے وہ ان کی ہی ملکیت ہو کر رہ گئے تھے۔

۲۔ جرمنی کو اس نقصان کی تلافی کرنے کے لئے۔ جو اس کی لڑائی میں شریک ہونے کی وجہ سے دنیا کو برداشت کرنا پڑا تھا تاوان جنگ ادا کرنا پڑا جو رقم بعد میں طے کی گئی وہ چھ ارب ساٹھ

کروڑ پونڈ تھی۔ یعنی تقریباً اٹھاسی ارب روپے تھی۔

۲؎ جرمنی کو رائین لینڈ کی مغربی سرحدوں پر جو فرانس، ہولینڈ، اور بلجیم سے ملتی تھی۔ کسی قسم کی قلعہ بندی کی اجازت نہیں تھی۔ اور نہ رائین دریا کے تقریباً چالیس میل مشرق تک وہ کسی قسم کے حملے سے بچاؤ کے لیئے قلعہ بندی کر سکتا تھا۔ یورپ کے نقشہ پر نظر ڈالنے تو معلوم ہو جائیگا کہ اس ممانعت کا مقصد کیا تھا۔ صاف ظاہر ہو جائیگا کہ اس کا مقصد یہ تھا۔ کہ جرمنی کی طرف سے ذرا بھی بغاوت کے آثار ظاہر ہوں اور اتحادی فوجیں بہت آسانی سے دھاوا بول دیں اور اس طرح جرمنی کی مغربی سرحدیں ہمیشہ فرانس کو دعوت حملہ دیتی رہیں۔

۳؎ اس علاقہ رائین لینڈ میں صلح ہو جانے کے بعد میں اتحادی فوج کا قبضہ کافی مدت رہا۔ یہ دیکھنے کے لیئے کہ صلح نامہ کی شرطوں پر عمل ہو رہا ہے یا نہیں۔

۵؎ اس عہدنامہ پر دستخط کر کے جرمنی نے اپنے کو جنگی مجرم تسلیم کیا۔ اور یہ بھی کہ یہ لڑائی اس کی وجہ سے لڑی گئی۔

قوموں کی جماعت

"بجز تقسیم قبور انجمنے ساختہ اند
من ازیں بیش ندانم کہ کفن دزدے چند"
(اقبال)

معاہدات۔ رسائیل کے تمام عہدنامے قوموں کی جماعت کی رضامندی سے کیے گئے اور یہ رضامندی اس لیئے حاصل کی گئی تھی۔ کہ اگر کل کو کوئی اونچ نیچ ہو۔ تو ذمہ داری سب کی ہو۔ اب میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ یہ قوموں کی جماعت تھی کیا اور اس کا طریقہ کار کیا تھا۔ یہ کیا تھی اس کا اندازہ کچھ تو آپ کو اقبال مرحوم کے شعر سے ہو گیا ہوگا اور کچھ یہ حاضر ہے۔

قوموں کی جماعت اس لیئے قائم کی گئی تھی۔ کہ آئندہ مختلف ممالک کے درمیان جو جھگڑے ہوں۔ ان کا فیصلہ تلوار کے ذریعہ نہ ہو۔ بلکہ بات اور قلم کے ذریعہ ہی ہو جائے۔ اس جماعت کی ایک اسمبلی تھی جس میں ہر ملک کو ایک ایک ووٹ حاصل تھا اور ایک کونسل تھی جس میں بڑی بڑی طاقتوں کا نمائیندہ تو ہمیشہ رہتا تھا۔ اور چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کا نمائیندہ اپنی باری پر آتا تھا۔ ایک امر کا دفتر تھا۔ سوئیٹزرلینڈ کے شہر جینوا میں جس کو سکریٹ کہتے ہیں اور ہالینڈ کے شہر "ہیگ" میں اس کی ایک عدالت تھی۔ جس کا کام تمام دنیا کے لیئے انصاف کرنا تھا۔ اسمبلی ہر سال ستمبر کے مہینے میں جینوا میں بیٹھتی تھی۔ کچھ کچھ باتوں میں یہ اسمبلی اور ملکوں کی اسمبلیوں اور پارلیمنٹوں سے ملتی جلتی تھی۔ لیکن ایسے قوانین بنانا جس پر ملک پابندی کے ساتھ عمل کرے۔ اس کے بس سے باہر تھا۔ بلکہ یہ صرف سفارشات کرتی تھی کہ ایسا کر لو۔ ایسا کر لو۔ اب یہ ہر ملک کی اپنی مرضی پر ہوتا تھا کہ وہ اس پر عمل کرے یا نہ کرے۔

کونسل سال میں کم از کم تین دفعہ بیٹھتی تھی۔ اور اس کا کام زیادہ تر یہ تھا کہ اگر دو ملکوں میں جھگڑا ہو۔ یا ہونے کا امکان ہو تو اس کو آپس میں ختم کرا دیں اور لڑائی کے میدان تک نہ جانے دیا جائے گویا بیچ بن کر ایسا حل تلاش کرتے تھے جس کو دونوں فریق تسلیم کر لیں۔

سکریٹریٹ کا کام یہ تھا کہ تمام ان معاملات کی اطلاع رکھے جو ممبر ممالک میں سے کسی کے لیئے کارآمد ثابت ہو سکے یہ دفتر صرف ان معاملات کی ہی خبر نہ رکھتا تھا۔ جن سے آئیندہ لڑائی کا خطرہ ہو۔ بلکہ بہت سے عام بین الاقوامی معاملات کی بھی خبر رکھتا تھا۔ مثلاً صحت عامہ، بار برداری وغیرہ

کبھی کبھی مختلف قوموں کے درمیان جھگڑوں کی بنیاد کسی بین الاقوامی قانون پر ہوتی تھی۔ جو گذشتہ کانفرنسوں میں اسی قوموں کی جماعت نے منظور کیئے تھے۔ اس قسم کے جھگڑے "عدالت" میں چکائے جاتے ہیں جو جیسا میں نے پہلے عرض کیا۔ ہالینڈ کے شہر ہیگ میں قائم تھی۔ یہ خاص قسم کی بین الاقوامی عدالت تھا تو

تھی۔ اور اس میں مختلف قوموں کے دائر کئے ہوئے مقدمات پر اسی طرح غور کیا جاتا تھا جیسے کہ ہماری عدالتیں عام شہریوں کے مقدمات پر غور کرتی ہیں۔

یہ جماعت ۱۹۱۹ء کے جنوری میں پریسیڈنٹ ولسن کی بدولت عالم وجود میں آئی۔ کیونکہ وہی ایک واحد شخص تھے۔ جن کی کوششوں سے یہ عہدنامہ کی شرائط ہی میں داخل کر لی گئی۔ ورنہ اگر ان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو ایسا ہونا ناممکن تھا۔ لیکن اس کے باوجود امریکہ کی مجلس اعلیٰ نے اس سے کسی قسم کا تعلق قائم کرنا منظور نہیں کیا۔ اور اس طرح قدرتاً ہی اس جماعت کو اپنا کام بغیر امریکہ کے شروع کرنا پڑا۔ جو اس وقت سب سے زیادہ مالدار اور سب سے زیادہ طاقتور اور سب سے زیادہ با اثر سلطنت تھی۔ گمان غالب ہے۔ کہ جو کچھ خلاف ورزیاں معاہدوں کی دونوں فریقوں نے کیں وہ بالکل نہ ہوتیں۔ اگر قوموں کی جماعت کو امریکہ کی امداد و پشت پناہی حاصل ہوتی۔

جرمنی کو شروع میں اس جماعت میں شامل نہیں کیا گیا تھا اور روس کی حیثیت تو ایک اچھوت کی سی تھی۔ کیونکہ وہ بالشویک تھے۔ اور ان کے ہاں مزدوروں کی اور کسانوں کی حکومت تھی۔ جو مہذب دنیا میں سب سے نچلے طبقہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔

جرمنی کو ۱۹۲۶ء میں اس جماعت میں شریک کر لیا گیا۔ لیکن امریکہ پھر بھی شریک نہیں ہوا۔ گو اس نے اتنا ضرور کیا کہ لیگ سے کسی طریقوں سے تعاون برتتا رہا۔

"مزدوروں کی بین الاقوامی جمعیت"

یہ جماعت بھی انہیں بنیادوں پر قائم کی گئی تھی۔ جن پر لیگ قائم ہوئی تھی۔ اور صحیح معنوں میں یہ لیگ اوف نیشنز (قوموں کی جماعت) کی ہی ایک شاخ تھی۔ اس کی حیثیت ایک مرکز کی سی تھی جہاں پر تمام دنیا کے مزدوروں کے بارے میں اعداد اور ان سے متعلق اقتصادی شعبوں کی معلومات جمع ہوتی تھیں۔ اس کے جلسوں میں دنیا بھر کی حکومتوں کے مزدوروں کے اور کارخانہ داروں کے نمائندے شریک ہوتے تھے۔ اور اس قسم کی تجویزیں طے کرتے تھے اور قانون بناتے تھے جو ساری دنیا کے مزدوروں اور کارخانہ داروں کے معیار زندگی کو بلند کرنے میں مدد دیں۔ کچھ ممتاز ملکوں نے اس جماعت کی طے کی ہوئی تجویزوں پر عمل کیا اور اس کے نتیجے کے طور پر ان کے ہاں کے مزدوروں کی حالت کافی بہتر ہو گی۔

امن قائم رکھنے کی کوشش ۱۹۱۹ء سے ۱۹۳۹ء تک

"دنیا ابھی پستی میں ہے لیکن کچھ عرصہ کے بعد حالت بہتر ہوگی اور اس کے بہت تھوڑے عرصہ کے بعد ہی شیطان ساری دنیا پر چھا جائے گا" یہ پیشین گوئی صلح کانفرنس میں امریکہ کے ایک نمائندہ جنرل بلس نے عہدنامہ ورسائے کی شرطوں کو دیکھ کر کی تھی اور وقت آنے پر یہ پیشین گوئی حرف بحرف سچ ثابت ہوئی پستی کی حالت اس وقت تک ختم نہ ہوئی۔ جب تک کہ اسٹریسمین نے جرمنی حکومت کی باگیں نہ سنبھال لیں۔ اور عہدنامہ کی شرطوں پر تندہی سے عمل کرنا شروع نہ کر دیا (آگے ملاحظہ کریں)

۱۹۲۴ء سے ۱۹۲۹ء تک جب کہ اسٹریسمین وزیر خارجہ رہا۔ وہ بہتر حالت کا زمانہ تھا۔ جس کو دیکھ کر گمان ہوتا تھا کہ اب دنیا کی حالت بہتر ہو گئی ہے۔ لیکن یہ بات بالکل ویسی ہی تھی۔ جیسے ریگستان میں دور سے چمکتی ہوئی ریت پانی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ۱۹۲۹ء سے ایک سلسلہ سیاسی اور اقتصادی بحران کا ایسا شروع ہو گیا جس کی ایک کڑی دوسری سے زیادہ خطرناک تھی۔ اور اتنی سخت ثابت ہوئی۔ کہ اس کو توڑنا مشکل ہو گیا۔ یہاں تک کہ دس برس کے بعد اس کی ہی بدولت دنیا نے اپنے کو پھر ایک دفعہ میدان جنگ میں پایا۔

"نیا جرمنی"

نومبر ۱۹۱۸ء میں لڑائی ختم ہوگئی۔ اور ۱۹۱۹ء میں سرکاری طور پر لڑائی ختم ہوگئی لیکن جرمنی میں جمہوریت کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ عارضی صلحنامہ پر دستخط ہونے سے دو دن پہلے ہی قیصر جرمنی سے فرار ہوکر ہالینڈ میں جا چھپا تھا۔ چنانچہ پرانی حکومت دم توڑ چکی تھی۔ اور ایک عارضی حکومت ایک شخص ایبرٹ کو صدر بنا کر جمہوریت کے طرز کی قائم کرلی گئی تھی۔ یہ شخص پہلے ہائیڈل برگ میں زین ساز تھا۔ ایبرٹ طبعاً درمیانہ درجہ کا اشتراکی تھا۔ چنانچہ اس کی خواہش تھی۔ کہ جرمنی میں جمہوری حکومت ہو۔ لیکن جمہوری حکومت قائم کردینا تو آسان ہوتا ہے مگر اس کو قائم رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ بہ نسبت اور دوسرے طرز حکومت کے۔ کیونکہ یہ کام ہر شخص کے ساتھ مساوات چاہتا ہے ہر شخص کی رضامندی چاہتا ہے کہ وہ اپنی رائے پر اکثریت کی رائے کو فضیلت دے۔ اور اکثریت کے فیصلہ کے سامنے سر جھکا دے۔ اور اگر کسی قانون کو بدلنا چاہے تو یہ کام پر امن طریقہ سے اور قومی مجلس کے ذریعہ کرے یہ کام چاہتا ہے کہ ہر ایک آدمی اور وہ گروہ اقلیت کے حقوق کو سمجھیں۔ اور اپنے کو ان سے بلند نہ سمجھیں۔ اور اگر وہ حکومت پر اپنی پارٹی کا قبضہ چاہتے ہوں۔ تو خود کو منظم کریں اور اگر وہ اکثریت کی تائید وحمایت حاصل کرسکیں۔ تو بے شک پرانے لیڈروں کی جگہ لے لیں۔

اس کے برخلاف جرمنی میں مساوات کا کہیں پتہ بھی نہیں تھا۔ جرمنوں کو جمہوری طرز حکومت کا کوئی تجربہ بھی نہیں تھا کیونکہ اب تک وہ بادشاہوں کے ماتحت رہتے تھے۔ اور اس سب کے علاوہ یہ بھی کہ جرمنوں کو اس طرز حکومت پر اعتقاد بھی نہیں تھا۔ چنانچہ مساوات ہوتی تو کہاں اور ایسے لوگوں سے مساوات کی امید بھی کیسے کی جاسکتی ہے جن کو جنگ نے فاقہ کش اور امن نے ذلیل کر رکھا تھا۔ جو عہدنامہ ورسائے کا تحفہ تھا۔

ایک طرف کمیونسٹ تھے جو حکومت میں ایسا ہی انقلاب لانا چاہتے تھے۔ جیسا کہ روس میں آیا تھا۔ اور اسی طرح مزدوروں اور کسانوں کی حکومت چاہتے تھے۔ دوسری طرف دیہا پرانے خیالات کے لوگوں کی جماعت تھی۔ جس میں فوج کے عہدیدار اور جاگیردار وغیرہ شامل تھے۔ یہ لوگ اسی شہنشاہیت کو قائم کرنا چاہتے تھے۔ جس کو کچھ ہی دن پہلے خود ان میں سے بعض لوگوں نے اوروں کے ساتھ مل کر ختم کیا تھا۔ ایک بات دونوں گروہ کے درمیان یکساں تھی۔ وہ یہ کہ دونوں کے دونوں تشدد کے ذریعہ طاقت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ایک دفعہ کمیونسٹ گروہ نے جنوری ۱۹۱۹ء میں طاقت حاصل کرنے کی کوشش کی تو بچی کھچی شاہی فوج کی مدد سے اس کو دبا دیا گیا۔ اور کمیونسٹ لیڈر کارل لیبنخت اور روزا لکسمبرگ کو پکڑ لیا گیا۔ جن کو پولیس نے جیل خانہ لے جاتے ہوئے مار ڈالا۔ سوا سال کے بعد شہنشاہیت پسند گروہ نے ایبرٹ کی حکومت کو برلن سے نکال دیا۔ اور اپنے سرکردہ شخص فان کاپ کو جمہوریت کا صدر مقرر کردیا لیکن برلن کے عام لوگوں کو یہ چیز پسند نہ آئی اور چنانچہ برلن کے مزدوروں نے عام ہڑتال کردی اور نتیجہ کے طور پر شہر والوں کو نہ پانی ملا۔ نہ گیس اور نہ بجلی اور کرایہ کی گاڑیاں موٹریں بھی بند ہوگئیں۔ اس طرح نقل وحرکت بھی ختم ہوگئی اور وہ تو خیریت ہوئی کہ فان کاپ اپنی جان سلامت لے کر سویڈن بھاگ گیا۔ ورنہ خدا جانے یہ عام تشدد کی کون سی صورت اختیار کرتا۔ غرض یہ ہے کہ اس طرح اس جماعت کی حکومت پر قبضہ کرنے کی کوشش ناکام ہوکر رہ گئی۔

اس عرصہ میں جرمنی کے لوگوں نے ایک جماعت کا انتخاب کیا۔ جو جرمنی کے قانون بنانے۔ یہ جماعت ویمر کے مقام

پر ۱۹۱۹ء میں قانون بنانے کے لئے بیٹھی۔ چناؤ کے نتیجہ سے معلوم ہوا کہ اکثریت درمیانہ درجہ کی جمہوری حکومت چاہتی ہے۔ امریت کی حکومت کی طرح کی چنانچہ جمہوری طرز حکومت کے جو قوانین بنائے گئے وہ قریب قریب ایسے ہی تھے۔ جیسے کہ برطانیہ امریکہ یا فرانس میں رائج تھے۔ لیکن سوال صرف یہ رہ گیا تھا۔ کہ کیا یہ قوانین کام دیں گے کیا ان پر عمل ہوگا؟ کیوں؟ خود ملاحظہ کیجئے

لڑائی ختم ہو چکی تھی۔ اور اس نعرے کے ساتھ ختم ہوئی تھی کہ اب سب کے ساتھ انصاف ہوگا۔ کیونکہ یہ جنگ دنیا کی جمہوریت پسند آبادی کے بچاؤ کیلئے لڑی گئی تھی۔ لیکن ورسائے کے حکم نامہ نے جرمنی کی اس نئی جمہوریت کی حفاظت کا کوئی بندوبست نہیں کیا تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس عہد نامے نے اس نومولود جمہوریت کے کفن دفن کا سامان مہیا کر دیا کیونکہ اس وقت جب کہ جرمنی کی منتخب جماعت ویمر میں قانون بنا رہی تھی۔ اتحادیوں نے اسی عارضی حکومت کے نمائندوں کو ورسائے میں ایسے عہد نامہ پر دستخط کرنے کیلئے طلب کیا جس کی شرائط جرمنی کے لئے اتنی سخت اور تباہ کن تھیں کہ اس کا خواب میں بھی ان کو خیال نہیں آیا تھا گو جرمن نمائندوں نے اس پر مجبوری دستخط کر ہی دیئے کیونکہ اس کے سوائے ان کے پاس کوئی چارہ کار بھی نہیں تھا۔ لیکن جرمنی کی نئی جمہوریت کے لئے یہ بسم اللہ ہی غلط معاملہ ثابت ہوا۔ کیونکہ اس پر جرمن عوام نے عہد نامہ کی سخت شرائط قبول کر لینے کا نامناسب الزام لگایا۔ جس کے نتیجہ کے طور پر اس حکومت کو عوام کی ہمدردی نہ مل سکی۔ اور اس کو ہمیشہ ناکامی اور تکالیف کا ہی سامنا کرنا پڑا۔ خلاف اس کے اگر عہد نامہ کی شرائط میں کچھ نرمی کر دی جاتی ہے۔ تو یہ اسی جمہوریت کی کامیابی سمجھی جاتی۔ اور جرمن عوام کو اس سے ہمدردی ہو جاتی۔ اور نتیجہ شاید وہ نہ نکلتا۔ جو بیس برس بعد نکلا۔

فرانس نے پیچ کسنے شروع کر دیئے

موسیو کلیمنسو فرانس کے وزیر اعظم کی ہی مہربانیوں سے عہد نامہ ورسائے کی شرائط منظور ہوئی تھیں۔ لیکن فرانس کے عام لوگوں کی ذہنیت کتنی انتقام کی پیاسی تھی۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے خیال میں موسیو کلیمنسو نے اتنی سخت شرطیں پیش نہیں کیں۔ جتنی کہ ان کو پیش کرنی چاہیئے تھیں۔ اور اس کی سزا ان کو یہ ملی کہ ۱۹۲۰ء میں جب وہ فرانس کی جمہوریت کی صدارت کیلئے کھڑے ہوئے تو بری طرح ہارے کیونکہ فرانسیسیوں کے خیال میں ان کا یہ جرم اتنا ہی بڑا تھا کہ سخت شرطیں کیوں نہ حاصل کیں

یہاں پر یہ یاد دلانا بیجا نہیں ہوگا۔ کہ فرانس نے اس لڑائی میں برطانیہ اور امریکہ سے زیادہ دیرپا اور مہلک زخم کھائے تھے کیونکہ پورے چار برس تک یہ لڑائی فرانس کی سرزمین پر لڑی گئی تھی۔ اور اس کے شمالی صوبوں کے تمام شہر اور گاؤں کھنڈر بن چکے تھے۔ جنگلات میں سوائے جلے ہوئے جھاڑ جھنکار کے کچھ نہیں بچا تھا۔ پانچ برس کے بعد جب کھیت دوبارہ جوتے جانے لگے تو ان میں پچھلی تباہی کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ کسی کو نہیں معلوم تھا کہ ہل چلاتے وقت ماضی کا کوئی ہولناک نشان کب نکل آئیگا چنانچہ یہ خیال ہر فرانسیسی کے دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا۔ کہ یہ بات دوبارہ نہیں ہونی چاہیئے اور اس کی ہمارے پاس پکی ضمانت ہونی چاہیئے۔ کہ اب ایسا نہ ہوگا

وہ اس لڑائی کا ذمہ دار صرف جرمنی کو ٹھہراتے تھے۔ اور ان کو ڈر تھا۔ کہ جرمنی اپنی اس ذلت کا بدلا لینے کے لئے کبھی نہ کبھی پھر سر اٹھائیگا۔ اور یہی ان کو منظور نہیں تھا۔ کیونکہ اس لڑائی کی تباہی نے ان کی کمر توڑ دی تھی۔ اور وہ پھر اس تباہی سے گلے ملنے کو تیار نہیں تھے۔ چنانچہ اس چیز کی ضمانت کا کہ جرمنی پھر حملہ نہیں کرے گا۔

ان کے خیال میں ایک ہی طریقہ تھا۔ وہ یہ کہ جرمنی کو بالکل پیس ڈالا جائے اتنا کچلا جائے کہ وہ حملہ کا خیال چھوڑ دے۔ کچھ لوگ اس کے جواب میں قوموں کی جماعت کی طرف اشارہ کر دیتے تھے۔ کہ یہ ہے تمہاری ضمانت۔ پچاس سے زیادہ قومیں اس نئے اور بہتر راستہ پر چلنے کی پابند ہیں۔ اور اس بات پر متفق ہیں کہ اب پھر لڑائیاں نہیں لڑی جائیں گی لیکن فرانسیسیوں کے لئے صرف یہی بات کافی نہیں تھی۔

وہ سوچتے تھے کہ ممکن ہے کہ یہ نئی جماعت کامیاب ہو جائے اور آئندہ لڑائی نہ ہو۔ لیکن یہ بھی تو ممکن ہے کہ یہ ناکام ہو جائے اور اگر ایسا ہوا تو کیا ہوگا وہ اس خیال سے ہی کانپ اٹھتے تھے۔ اسی لئے وہ اس سے بھی زیادہ پکی ضمانت چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ جرمنی کو ہرگز ہرگز اس امر کی اجازت نہ دی جائے کہ وہ دوبارہ قوت حاصل کرے اور حملہ کرے۔ اور اگر یہ فرض محال اتنی قوت حاصل کر بھی لے اور حملہ کر دے۔ تو دوسرے ممالک اس کی حامی بھر لیں کہ وہ فرانس کی مدد کریں گے۔

فرانس کی اس خواہش ضمانت کو شروع میں ہی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ کیونکہ صلح کانفرنس میں تو امریکہ اور برطانیہ نے فرانس کو اطمینان دلا دیا کہ اس کی مشرقی سرحدوں پر حملہ ہوا تو وہ دونوں اس کی مدد کو پہونچ جائینگے۔ اور اسی وعدے سے مطمئن ہوکر موسیو کلیمنسو نے انہی ہی شرطوں پر صبر کر لیا اور اس سے زیادہ سخت شرطوں پر اصرار نہیں کیا۔ اور عہدنامے پر دستخط کر دیئے لیکن ان کو یہ خیال نہ آیا کہ تمام عہدنامے منظوری کے لئے اس ملک کی پارلیمنٹ میں بھی پیش کئے جاتے ہیں۔ جس کے نام پر اس پر دستخط کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ جب یہ عہدنامہ منظوری کے لئے امریکہ کی مجلس اعلیٰ کے سامنے پیش ہوا تو اس کے ممبروں نے فرانس کو ایسی ضمانت دینے سے صاف انکار کر دیا اب رہا برطانیہ تو اس کا مدد کا وعدہ ہی یہ تھا۔ کہ اگر امریکہ نے ضمانت دی تو برطانیہ بھی منظور کرے گا۔ چنانچہ جب امریکہ نے انکار کر دیا۔ تو برطانیہ نے بھی انکار کر دیا۔ ماہرین سیاست کی رائے ہے کہ اگر امریکہ کے مکر جانے کے بعد بھی برطانیہ اپنے وعدہ پر قائم رہتا۔ تو اس جنگ کے بعد کے واقعات کی تاریخ بہت کچھ بدلی ہوئی ہوتی

فرانس کو ایک اور دھکا اس صورت سے لگا۔ کہ امریکہ نے قوموں کی جماعت کی مجلس اعلیٰ کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اور یہ فیصلہ کیا۔ وہ قوموں کی جماعت سے الگ رہے گا۔ اس اعلان نے فرانس کی رہی سہی امیدیں خاک میں ملا دیں۔ چنانچہ اس کے بعد فرانس نے اپنا اطمینان کرنے کے لئے دوسرے داؤ پیچ کھیلنے شروع کئے اور وہ کچھ کیا۔ جو اسے نہ کرنا چاہیئے تھا۔ اور جو وہ یقیناً نہ کرتا۔ اگر امریکہ نے یہ اعلان نہ کیا ہوتا۔

پہلا داؤں جو فرانس نے کیا وہ یہ تھا۔ کہ اس نے مطالبہ کرنا شروع کیا کہ تاوان جنگ کی رقم جو بعد میں مقرر کرنے کے لئے چھوڑ دی گئی تھی۔ اب طے کی جائے۔ اور یہ رقم اتنی زیادہ مقرر کی جانی چاہیئے کہ جرمنی بالکل کچل کر رہ جائے اور اس کی ادائیگی اس کو اتنا کمزور کر دے کہ وہ کم از کم ایک نسل تک تو سر نہ اٹھا سکے۔ چنانچہ اتحادیوں کی ایک کمیٹی بیٹھی۔ تاکہ تاوان جنگ مقرر کرے۔ برطانیہ کے ماہرین مالیات نے بہت غور و خوض کے بعد یہ فیصلہ کیا تھا۔ کہ جرمنی زیادہ سے زیادہ جو رقم ایک سال میں ادا کر سکتا ہے۔ وہ دو ارب پونڈ (۲،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰) ہے (یعنی تقریباً ستائیس ارب روپے) لیکن فرانس نہ راضی ہوا۔ چنانچہ یہ اضافہ اور کیا گیا کہ جرمنی نہ صرف اس مالی نقصان کا تاوان ادا کرے۔ جو اس کی وجہ سے تمام دنیا کو برداشت کرنا پڑا ہے بلکہ وہ تمام پنشنیں بھی وہی ادا کرے جو ہلاک شدہ سپاہیوں کے وارثوں کو اور ایسے لوگوں کو دی جانے والی تھیں۔ جو اس لڑائی کی بدولت اپاہج ہو کر رہ گئے تھے۔ چنانچہ برطانیہ اور فرانس کے ماہرین مالیات اور ماہرین سیاست کے درمیان بہت سی کانفرنسوں میں بڑی رد و قدح اور کٹ حجتی کے بعد اس رقم کا فیصلہ ۶،۶۰۰،۰۰۰،۰۰۰ پونڈ (چھ ارب ساٹھ کروڑ پونڈ

یعنی تقریباً اٹھاسی ارب روپے) پہنچا

برطانیہ چونکہ اپنے کو زیادہ محفوظ سمجھ رہا تھا۔ اس لئے وہ ماضی کے واقعات کو درگذر کرنے کو تیار رہتا۔ اس لئے اور بھی کہ نہ تو اس کو اتنا زیادہ نقصان ہوا تھا۔ اور نہ ہی اس کو جرمنی سے کوئی فوری خطرہ تھا۔ اس لئے وہ دیکھ رہا تھا۔ کہ ایک باعزت اور مغرور قوم کو ایک لامحدود عرصہ کے لئے دبا کر نہیں رکھا جا سکتا۔ چنانچہ اس کا خیال تھا۔ کہ دوستانہ تعلقات ضمانت کا زیادہ بہتر طریقہ ہیں لیکن فرانس کا تو دل جلا ہوا تھا۔ اس لئے اس کی آنکھیں بالکل بند تھیں۔ اور اس کو سوائے اس کے کچھ خیال نہیں تھا۔ کہ جرمنی کو کچل ڈالو۔ ختم کر ڈالو۔ تاکہ یہ خطرہ ختم ہو جائے۔ اس کا کہنا یہ تھا۔ کہ برطانیہ کی باتیں تو پیٹ بھرے ساہوکار کی باتیں ہیں اس نے لڑائی ... یا تو کچھ نہیں۔ البتہ حاصل بہت کچھ کر لیا ہے جس کو وہ اپنے ... کے لئے جرمنی کو ناراض نہیں کرنا چاہتا۔ تاکہیں ایسا نہ ہو ... وہ اس سے یہ سب واپس لے لے۔ اور اس سبب ... یہ ہے کہ برطانیہ کی تو زندگی کا دارومدار ہی بیرونی تجارت ... ہے۔ جو فرانس کی تجارت سے کہیں زیادہ ہے اور اس کو تو یہ دکھائی دے رہا ہے کہ دیوالئے جرمنی سے تجارت ناممکن ہے۔ چنانچہ وہ اپنی بات پر اڑا رہا کہ صلح نامہ کی شرطوں کی سختی کے ساتھ پابندی کرائی جائے۔ کیونکہ اس کا یہ ایمان تھا کہ جرمنی تاوان جنگ کی اتنی بڑی رقم کبھی ادا نہ کر سکے گا اور تاوان کی ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں فرانس کو موقع مل جائے گا۔ کہ وہ جرمنی کو اور زیادہ اپنے چنگل میں پھنسا لے۔ اور یقیناً یہی نظریہ لیکر جرمنی کا سب سے بڑا دشمن پوانکارے ۲۲ء میں فرانس کا وزیر اعظم مقرر ہوا۔

یہ آنسوؤں کی جھڑی اور سکون محویت

ترے خیال کو جھولا جھلا رہا ہوں میں

آئندہ شمارہ کی ایک جھلک

خطبہ صدارت مولانا ابوالکلام آزاد (طلوع اسلام)

جدید ادب کی چند اصطلاحات (عبدالرحمٰن صدیقی)

ایک جنگ عظیم سے (مشتاق احمد چاندنہ)

مسلم لیگ کی ممبر سازی اور میرے تجربات (آفتاب بیگم)

پلوپی .... (فاطمہ سلطان)

اچھی سیر کی .... (انعام الرحمٰن چاندنہ)

؟ .... (طاہرہ بیگم)

؟ .... (مونس شبیر)

(مینیجر)

احمد سعید

شادی دو روحوں کے اس عزم کا نام ہے کہ وہ اپنے سے بہتر روح کی تخلیق کر سکیں۔ (نطشے)

بے جوڑ شادیاں

"بے جوڑ شادیوں" کے عنوان پر میرے کرم فرما اور دوست انوار الحق صاحب حقی بہت کچھ سپردِ قلم فرما چکے ہیں آپ نے مسئلہ کے صرف ایک پہلو پر روشنی ڈالی ہے ماہ گذشتہ کی نظم اور موجودہ مضمون اس سلسلہ کی کڑیاں ہیں ان کی اشاعت کا مقصد تضحیک نہیں بلکہ سمجھنا اور سمجھانا ہے ادارہ انوار صاحب کی آرا کا منتظر ہے تاکہ ہر دو قسم کے خیالات گزٹ کے صفحات پر پیش کر سکے۔

ادارہ کی اپنی رائے محفوظ ہے اور انشاء اللہ جلد ہی برادری کے افراد کے سامنے پیش کی جائے گی۔ امید ہے مضمون نگار علمی بحث کی حدود میں رہینگے اور ناظرین گزٹ خاطر خواہ استفادہ حاصل کریں گے۔ (مدیر)

عرصہ چند ماہ سے محترم عزیزی میاں انوار الحق صاحب حقی اڈیٹر رسالہ "قوم" زیرِ عنوان "گھر کی باتیں" بے جوڑ شادیوں پر لکھ رہے ہیں مگر ہنوز دونوں صنفوں کی تناسب عمر کی جدول تیار نہیں کی کہ جلسہ عام قوم پنجابیان میں پیش ہو کر منظوری حاصل کرتی اور یوتھ لیگ کے دستور العمل میں منسلک ہو کر قانونی صورت اختیار کرتی اور قوم اس پر عمل کر کے اُس سے فائدہ اٹھاتی امید ہے کہ محترم دوست اس کام میں جلدی کر کے قوم کو شکریہ کا موقع دیں گے۔

قوم کے نومبر کے پرچے میں صاحب موصوف نے اس موضوع پر اپنے خیالات بلند کا اظہار شروع کیا ہے تمہید میں آپ نے قوم کے سامنے تین واقعات پیش کئے ہیں (۱) قوم کی چند دختران کا اپنے والدین و عزیز و اقارب کی محبت کو اپنی نفسانی خواہش پر قربان کر کے گھر سے فرار ہونا (۲) برادری کی ایک دلیر دختر نے تبتی شادی کر کے قوم میں ایک نئی مثال پیش کی (ملک تبت میں دستور ہے کہ ایک عورت ایک وقت میں بارہ خاوند کر سکتی ہے اسکو کثرتِ ازدواج کہتے ہیں) اس طرح کہ موصوفہ علیہا ما علیہا نے اپنے نابینا خاوند کو جو کہ ایک متوسط درجے کا آدمی تھا ایک دم کوٹھی میں رہنے والے مالدار آدمی سے بدل لیا اس تبدیلی کو عیسائیت کی چادر کی آڑ میں کیا قانون انگریزی کی زد سے دونوں بچے رہیں۔ (۳) کسی صاحب نے معمر ہو کر

اپنی بیوی کو طلاق دیدی اور دوسری کرلی اس کو انوار صاحب "عیاشی" کے لفظ سے موسوم کرتے ہیں مگر دسمبر کے پرچے میں آپ اول الذکر دونوں باتوں کو چھوڑ کر صرف تیسری کی طرف لٹھ لیکر پڑ گئے اور اپنا تمام زور ختم کر دیا صاف ظاہر ہے کہ ترک کردہ دونوں باتیں تیسری کی نسبت بہت زیادہ اہم ہیں کہ جرائم سنگین ہیں اس سلسلہ میں میں نے انوار صاحب سے ملاقات کی اور ان کو بتایا کہ جس چیز کو وہ بُرا سمجھ رہے ہیں وہ اچھی ہے جس کو عیب بتا رہے ہیں وہ حسن ہے۔ اسلام کا کوئی حکم آجتک غلط ثابت نہو سکا آقائے نامدار کا فعل و قول اتمام حجت ہے منکرین کو اس کا اقرار ہے مگر خدا جانے حقی صاحب کو کوئی ذاتی تجربہ تلخ ایسا ہوا ہے یا کسی کمبخت دوا فروش نے ان کو اس قدر خوف زدہ کیا ہے کہ وہ برابر یہی فرماتے رہے کہ پیری میں قوت مردمی باقی ہی نہیں رہتی میں نے خیال کیا کہ مخلص قومی خادم جنہ ناظم کتب خانہ بھی ہے کوئی فن طب کی کتاب دیکھ لے گا سمجھ لے گا مگر دسمبر کے پرچے سے معلوم ہوا کہ برخود ایک جماعت بھی آپ کے پیچھے ہے اور آپ اس مصلح جماعت کے قائد ہیں یہ جماعت ان بزرگوں کا جو بڑھاپے میں شادی کے خواہشمند ہوں گلا گھونٹ کر خاتمہ کرنے کا تہیہ کر چکی ہے اور یہ قدم جو بڑھایا گیا ہے پیچھے نہیں ہٹایا جائے گا مجھے اس نقصان رساں تجویز اور گمراہ کن دعوے کا بہت رنج ہوا گذشتہ ماہ کی میری نظم اسی سے متاثر ہو کر لکھنی شروع کی گئی ارادہ تھا کہ بصورت قطعہ محترم دوست کی خدمت میں پیش کروں مگر مضمون طویل ہونے کے باعث قافیہ نبھ سکا اس لئے ترکیب بند میں بدل دیا مگر افسوس ترکیب بند بھی اتبک پورا نہ کر سکا اور یہ ترکیب بند ابھی تک نامکمل ہے اس وجہ سے وہ حصہ کہ جو خاص معزز دوست سے متعلق تھا پیش کر دیا اور خدا سے امید کرتا ہوں کہ بقیہ بھی جلد پیش کر سکوں گا۔

آپ کی اس جماعت میں سب سے زیادہ حیرت انگیز جو چیز دیکھنے میں آئی وہ یہ ہے کہ صنف نازک ہیں آپ کا اس معاملہ میں ٹانگ اڑانا آپ کے باپ اور خاوند کے لئے باعث ننگ ہے اگر واقعی علمی مذاق ہے تو انگریزی کی وہ کتابیں مطالعہ کیجئے جن میں ان پر علمی بحث تفصیل سے ہو پھر آپ جب پچاس کے سن سے تجاوز کر جائیں تو نہایت بے باکی سے اس موضوع پر قلم اٹھائیں۔ آپ کے لئے زیبا نہیں کہ ایسے رکیک مسئلے پر کسی کی مخالفت یا تائید بھی کریں۔

میرے محترم دوست میاں انوار الحق صاحب حقی نے مذکورہ بالا عنوان پر جس قدر لکھا ہے اس میں قدم قدم پر سرمایہ داری و غیر سرمایہ داری کے سوال سے جذبات کو ابھارا ہے اس کے متعلق علامہ اقبال مرحوم فرما گئے ہیں ؎

زمام کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا
طریق کوہکن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی
جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشہ ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

.... (اقبال)

اصلیت و[...] سامنے ہے واقعات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ ہتھیار ناکارہ ثابت ہو چکا ہے اور اب صرف انتخاب ارکان بلدیہ میں کمزور امیدوار اپنے حریف کے مقابلے میں زیادہ رائیں کھینچنے کے لئے کبھی کبھی استعمال کرتا ہے یا حکومت روس کسی آزاد مگر کمزور ملک کی دولت پر قبضہ کرنے کے لئے استعمال کرتی ہے اور کر رہی ہے پہلے وہاں کے مزدوروں اور کسانوں کو اسی سوال پر حکمران طبقے کے اور ذی اثر آدمیوں کے خلاف ابھارا جاتا ہے پھر ان کو دولت کی مساوی تقسیم کا سراب دکھا کر باہم دست و گریباں کر دیا جاتا ہے جب اندرونی نظام میں خلفشار پیدا ہو کر

بھی اس میں شامل ہے چنانچہ ایک مراسلہ مارچ کے پرچہ میں شائع ہوا ہے ان محترم بہن کی خدمت میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ اگر دا[...]

کافی کمزوری آجاتی ہے تو یہی روسی مزدور جس کی خوراک منچوریہ کے دارالخلافہ مکڈن کی مشینیں اور ایران کا تیل ہے کمزوروں کی حمایت کے بہانے وہاں پہنچ جاتا ہے پھر ہر دو فریق کے افراد پیرِ دا ستی الف لیلہ کے تسمہ پا کی طرح سوار ہو جاتا ہے اور اپنی تعلیم کا نشہ پلا کر خوب کام لیتا ہے یقین ہو تو ملاحظہ ہو مصطفےٰ کمال اور روس کا معاہدہ اور جنگ عظیم نمبر ۱ کے بعد درہ دانیال میں اڈوں اور صوبہ اردہان وغیرہ کا مطالبہ اتحادیوں اور ایران کا معاہدہ طہران اور شمالی ایران میں روسی افواج کی ۲ مارچ سنہ ۱۹۴۶ء کے بعد موجودگی چین کے آخری ۲۵ سال کی تاریخ۔ جنگ عظیم نمبر ۱ اور پولستان۔ منچوریہ کے دارالخلافہ مکڈن میں جاپان کے نصب کردہ کارخانوں کی مشینوں کا انجام ایران میں صوبہ آذربائیجان میں حکومت اور وہاں کے تیل کے چشمے وغیرہ اگر بہ نظرِ غور مطالعہ فرمائینگے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ ہتھیار تخریبی ہے تعمیری نہیں اصلاح کے لئے قوم کو ایک مرکز پر لانے کی ضرورت ہوتی ہے اس پر قوم دو طاقتوں میں بھٹ جاتی ہے جب دو طاقتوں میں پھٹ گئی تو ایک مرکز پر کیسے جمع ہو سکتی ہے پس اصلاح ناممکن آپ کا مقصد نوت ماشاء اللہ آپ بھی تو تاجر قوم سے تعلق رکھتے ہیں اور تجارت بغیر سرمایہ کے ہو نہیں سکتی پھر شیش محل میں بیٹھ کر دوسروں کی طرف پتھر پھینکنا عقلمندوں کا شیوہ نہیں۔

میرے محترم دوست کی تحریر اکثر مقامات پر اس قدر مبہم ہو جاتی ہے کہ مسند الیہ کا پتہ نہیں چلتا میرے خیال میں وہ تیزی تحریر اور نئے نئے لایعنی محاورے گھڑنے میں اس قدر منہمک ہو جاتا ہے کہ دوران تحریر خود بھی بھول جاتا ہے کہ وہ کیا لکھ رہا ہے۔ اور کس کس کی بابت مثلاً "شیر کے منہ میں کنکریاں ڈالنا" جامع اللغات۔ فیروز اللغات۔ فرہنگ آصفیہ اور دیگر اردو لغات کو چھان مارا یہ محاورہ کہیں نہیں ملا۔ مجبوراً عربک کالج اجمیری دروازہ کی (انجمن ترقی اردو کی طرف سے اردو زبان کی تعلیم کے لئے جو جماعتیں رات کو تعلیم پاتی ہیں) کی طرف رجوع کیا جملہ اساتذہ نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ اخلاق صاحب رئیس المعلمین نے فرمایا کہ مولوی عبدالحق صاحب سے عقدہ وا ہوگا۔ چنانچہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا معلوم ہوا کہ شاید کوئی نیا محاورہ ہو تازہ تازہ حیدر آباد دکن میں وضع کیا گیا ہو مگر چونکہ اس کا استعمال ادب کی کسی کتاب میں نہیں ہے اس لئے حضرت مولوی صاحب قبلہ کو علم نہیں پس مجھکو جناب برج موہن صاحب کیفی سے استفسار کرنا پڑا۔ پس ان کے در دولت پر حاضر ہوا آپ نے سنکر نہایت غصے میں فرمایا " اے تو پنجابی وتج بھی نہیں لے" لاچار رسالہ ہیئۃ سامعین کے دفتر پہنچا کہ شاید یہ کام کسی بھائی سورما کا ہو۔ وہاں پہنچا تو سب یک زبان ہو کر بولے " ہم کا جانے بھیا ہم کا نہیں ملوم" آجتک یہ کیفیت ہے کہ خود بھی فیصلہ نہ کر سکا ایک طرف دل گواہی دیتا ہے کہ ایک تعلیم یافتہ مدیر رسالہ ماہانہ " قوم " ناظم قومی کتب خانہ مصلح قوم (خصوصاً بزرگان قوم) کے قلم زر نگار کا نکلا ہوا ہے غلط نہیں ہو سکتا۔ شاید لکھنؤ کے اساتذہ میں کسی نے اس کو کسی مصرع میں باندھا ہو جو ان تمام بزرگوں کی نظر سے نہیں گذرا ہو یا یہ بھول گئے دوسری طرف سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شیر کے منہ میں کنکریاں کون ڈالے گا اور ڈالیگا تو کیوں اور کس طرح۔ شکار کا تو سنتے آئے ہیں۔ اچھا اگر شیر کے منہ میں کسی نے ڈال بھی دیں تو کہاں ڈالے گا۔ جنگل میں۔ سرکس میں یا بھس بھرے ہوئے کے منہ میں جو اکثر دکانوں اور مکانوں کی زیبائش ہوتے ہیں۔ جنگل میں انوار صاحب کا معجزہ ہو تو ہو اور کسی کا تو دل گردہ نہیں ہو سکتا سرکس یا کسی دوکان وغیرہ پر کوشش کی گئی تو ہر دو کے مالک مار لٹھوں کے سر پھلا دیں گے۔ رہا چڑیا گھر کا سوال تو وہاں کے جنگلے مانع ہونگے

اگر کسی نے ایسا کر بھی لیا تو کونسا تمغہ ملتا ہے۔ آب زم زم کے پانی سے کلیاں کرنا ظاہر ہے یہ کام دیوانوں کا ہے اور دیوانوں کے اقوال و افعال قلمبند نہیں کئے جاتے اس لئے یہ محاورہ تو قطعی نہیں ہو سکتا

ایک جگہ ارشاد ہوا "غرضیکہ ہم چاہتے ہیں کہ اس سلسلے میں آئنا لکھیں کہ یہ گڑیوں سے کھیلنے والے اپنی زندگی سے کھیلنے لگیں۔۔۔۔

قوم کے بزرگوں نے ہم کو مشورہ دیا ہے کہ اس وقت تک جو لیسے سپنے جذبہ نگا حی بندہن بندھ چکے ہیں انہیں نظر انداز کیا جائے۔۔۔۔

لہذا آج ہم قوم کے بزرگوں اور بہی خواہوں کے مشوروں پر عمل کرتے ہوئے کچھ نہیں لکھتے وغیرہ" ملاحظہ ہو "زندگی سے کھیلنا" جان پر کھیلنا تو لغت میں ملتا ہے مگر زندگی سے کھیلنا نہیں اول الذکر کے معنی ہیں نہایت خطرناک کام کرنا جس میں جان جانے کا خطرہ ہو کھیلنا ایک فعل ہے اور اس میں قید فاعل کے زندہ ہونے کی ہے کیونکہ مردہ سے فعل سرزد ہو نہیں سکتا پس جب آدمی مرگیا اور اس کی زندگی اس کے ہاتھ میں نہ ہوئی تو وہ کھیل ہی نہیں سکتا فرض کیا مضمون نگار کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کے خلاف اس قدر بہا لکھے گا کہ اس کو زندگی بری معلوم ہونے لگے گی اور یہ دل چاہیگا کہ مر جائے مگر موت کا صادر ہونا جب بھی لازم نہیں آتا کیونکہ اس کے لئے شرط ہے کہ وہ اس لکھے کو سمجھے اور وہ لکھا اس کے جذبوں پر سب نہیں جاکر اس کو روحانی اذیت پہنچے گی، موت جب بھی نہیں آئے گی، اگر ایسا ممکن ہوتا تو ہماری سرکار انگریزی سنڈے مشنڈے جوانوں کی بجائے پھڑے فوج میں بھرتی کرتی کہ مغلظات سنانے میں اس فرقے سے زیادہ دنیا میں کوئی نہیں ہے۔

مفتی صاحب کہاں ہیں آپ اور آپ کی جماعت بزرگوں کی پگڑی میں دھول جھونکنے کے لئے آپ کھڑے ہوئے ہیں۔ بزرگوں کی اصلاح تو آپ کے مدنظر ہے ان بزرگوں سے بزرگ تر اور کون سے بزرگ پیدا ہوگئے جنہوں نے آپ کو اس نیک کام سے باز رکھا پڑتے مجھے شک ہے کہ یہ مصلح بزرگ خواہ واحد ہوں یا جمع اپنا ذاتی ارادہ اس فعل کے کرنے کا تو نہیں رکھتے اور اسی مصلحت سے ہی وہ ناصح بنے ہوں اور یہ بزرگ وہی ہو سکتے ہیں یا تو جن کے خلاف آپ نے تحریر کیا ہے ان کے بزرگ سو وہ اس وقت سکان شہر خموشاں میں ہیں دوسرے جناب عزرائیل علیہ السلام البتہ ان سے یہ ممکن ہے خدارا یہ تو بتا دیجئے کہ موخرالذکر کس صورت میں جلوہ گر ہو کر ناصح بنے مگر سہ

آنے دو اُسے جس کے لئے چاک کیا ہے
ناصح سے گریباں کو سلانے کے نہیں ہم

اب سمجھ میں آیا "شیر کے منہ میں کنکریاں ڈالنا" اس کو کہتے ہیں میرا خیال ہے کہ سب کام حضرت عزرائیل علیہ السلام کا ہے یہی حضرت آپ کو اصلاح کا پیغام دے گئے پھر جماعت کی شکل آپ کی ہمت بندھا گئے اور جب کوئی فتنہ پیدا ہوتا نظر نہ آیا تو مذکورہ شکل میں آپ کو ڈرا گئے۔

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے "اگر نہیں اور یقین نہیں تو ہم پھر کیوں مان لیں کہ بیوی بھی اسی سانچے پالنے کی ہے اور بچے بھی اور جب کہ ہم مینڈک اور کوکھٹوں کے چرچے برابر سن رہے ہوں" اس جملے سے یہ تو پتہ چلتا ہے کہ جملہ تام ہے ناقص نہیں۔ مگر یہ نہیں معلوم کس خاص شخص کی طرف اشارہ ہے ہاں البتہ یہ ظاہر ہے کہ کسی فرد واحد کی طرف ضرور ہے اگر آپ کے بیان کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ سچا ہے اور یہ کہ کسی کی مرغی پڑ دس کے مرغ سے انڈے دے رہی ہے تو اس سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ جملہ بزرگان قوم مذکورہ بالا شخص کی طرح ہو تے ہیں یہ عارضہ ایک نوجوان کو بھی ہو سکتا ہے۔ حوالے کے لئے دیکھو علم امراض انسانی اور جسٹر ہوائش مطبوعہ دواخانہ دہلی بس معلوم ہوا کہ مستثنیات کلیات میں داخل نہیں ہوتیں دیگر ایک

رسالے کے اڈیٹر کو زیبا نہیں کہ اس قسم کے واقعات صرف سن سنا کر تشہیر کریں کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ قوم کی عورتیں —— کی تاریخیں جناب کے ہاں درج کرایا کریں کہ آپ حلال حرام کا فیصلہ کر سکیں اس قسم کے واقعات اس طرح سنی سنائی پر لکھنا دیانت و شرافت کے منافی ہے اس قسم کے الزامات میں اکثر عداوت کو بھی دخل ہوتا ہے۔

ملاحظہ ہو "کیوں چاہتے ہیں کہ ان کی میت پر چوڑیاں توڑنے والی ایک نوخیز لڑکی جوان بہوؤں اور بیٹیوں سے بھی چھوٹی ان کی ایک بیوہ بھی دنیا میں باقی رہ جائے" اس لئے کہ اسلام نے بیوہ کا نکاح اور مرد کے چار نکاح جائز کئے ہیں۔

ارشاد ہے "کہ ایسے ہوس پرستی کے ہر مریض کو قلم کی نشتری نوک سے انجکشن (سوئی لگانا یعنی مریض کے جسم میں بذریعہ سوئی دوا داخل کرنا) دیا جائیگا اور کوشش کی جائے گی کہ ایسے شکاری سے معصوم ہرنی کو بچا لیا جائے جس کے ہاتھ بندوق چلانے میں مرتعش ہوں" اگر بندوق مرتعش ہاتھوں سے چلائی جائے گی نشانہ خطا ہو جائیگا معصوم ہرنی خود بخود بچ جائے گی۔ چلو چھٹی ہوئی جھگڑا ختم بڑھاپے کی دوا فاؤنٹین قلم اٹھایا تب گھسیٹی اور سے ٹکٹکا دبایا۔ علاج ہو گیا دماغ میں قوت آ جائے گی۔ بڑھاپا کھا روشن ہو کر حافظہ تیز ہو گا۔ خون میں سیاہی پھیلے گی جلد کا رنگ پکا ہو گا برص کے مریض کے لئے اکسیر کا کام دیگا۔ دل سیاہ ہو کر مضبوط ہو گا۔ بزرگ صاحب ایک ہی رات میں چار نکاح کریں گے اب بندر کے غدود لگانے کی پیوند کی ضرورت باقی نہیں رہی کیوں ماشاء اللہ ایشیائی ایجاد ہے جاپانی تو کھلونے بناتے تھے مگر ہندوستان نے بھی اردو ابنائی ہے کہ ہنسلیں بنانے والے یورپ اور امریکہ کیوں ہو قومی کتب خانہ اور اس کی کتابوں "ملاحظہ ہو اور پھر کی عمارت کا جائے وقوع لب نہر سعادت خاں بمقابل پل گلشن گنج اللہ اللہ کیا مقام ہے باسفورس کے کنارے زرکشک کو شرماتا ہے نہر میں پانی جس وقت طور سے لیتا ہے اس وقت اگر باسفورس کا پانی دیکھ پائے تو آب آب ہو جائے اگر فاضل دوست کی مراد فاکنگو لڑکی سے ہے تو شب زفاف میں جناب کے ہمراہ کون سلائیگا کہ فاؤنٹین قلم بنا کام کر سکے کیا کوئی اس تجویز پر غور کریگا؟

ملاحظہ ہو" یہاں میں ان صاحب دل سے جنہوں نے آقائے نامدار نبی کریم کی شادیوں میں تفاوت عمر تلاش کرتے ہوئے ہمارے بزرگوں کی حمایت کی ہے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا شرعی نقطہ نگاہ سے یہ بات بھی صحیح ہے کہ جب قدرت کی ودیعت کی ہوئی قدرت آپ میں باقی نہ رہے تو آپ دوایات سے استفادہ کریں۔ بڈی کے دانت ہڈی توڑ سکتے ہیں"؟ یہ صاحب دل میں ہوں کہ میں نے کبھی حمایت نہیں کی۔ یہاں میں حقی صاحب سے ایک سوال کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اگر چالیس سالہ ادھیڑ عورت ایک ۲۵ سالہ جوان سے نکاح کر لے تو اس جوڑ کو کیا کہینگے؟ نبی اکرم صلعم نے دونوں صورتیں عملاً کر کے ثابت کر دیا کہ جوڑ کی کوئی حقیقت نہیں اور یہ بھی فرمایا ہے کہ میں تمہارے جیسا انسان ہوں صرف مجھ میں اور تم میں یہ فرق ہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے اور تم پر نہیں آتی جب آپ نے بڑی عمر میں ایک چھوٹی عمر کی کنواری عمر کی لڑکی سے شادی کی تو ثابت ہوا کہ یہ قوت باقی رہتی ہے اگر کسی شخص کی آنکھ جاتی رہے تو یہ نہیں کہا جائیگا کہ فلاں عمر میں آنکھ ضرور ہی جاتی رہتی ہے۔ یا بنی نوع انسان کا نئی ہوتی ہے۔

میرا خیال ہے کہ اتنی تشریح آپ کے سمجھانے کو کافی ہوگی مگر چونکہ آپ قومی کتب خانے کے ناظم ہونے کے بجائے نیشنل پبلک لیبریری کے سیکرٹری ہیں جن کے متعلق علامہ اقبال فرما گئے ہیں۔

ہم یہ سمجھے تھے کہ لائیگی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

گھر میں پرویز کے شیریں تو ہوئی جلوہ نما
لے کے آئی ہے مگر تیشۂ فرہاد بھی ساتھ

حیرت کا مقام ہے اتنے بڑے کتب خانے میں کوئی کتاب ایسی مہیا نہ ہو سکی کہ مجلس منتظمہ کتب خانے کو کتب خانے کا نام اردو

عصمت جہاں تیموری

مصوّر

ایک اُجڑے ہوتے آشیانے کی طرح جس کو بجلیوں کی پیہم یورشوں نے برباد کر دیا ہو۔ ٹوٹے ہوتے برج میں جس کے قریب ایک بڑ کا درخت تھا۔ جو زمانے کی نیرنگیوں اور فلک کج رفتار کی بے التفاتیوں سے تنگ آچکا تھا۔ جس کا بچپن شاہان مغلیہ کے آخری دور کی گود میں گذرا تھا۔ نہ صرف اس کی آغوش طمانیت کو آسمان کی گردشوں نے کچل کر دم لیا تھا۔ بلکہ جلا کر خاک کر دیا تھا۔ اُسے اکثر وہ مسرت آگیں ایام یاد آتے تھے۔ جب لوگ اس کی پوجا کرتے تھے، اور جب اس کے پرستار و عقیدت مند اس پر چڑھانے کی خاطر بڑے بڑے خوان سجا کر لایا کرتے تھے، وہ ہنستا اور قہقہے لگاتا اور اُس بھولے ہوتے زمانہ پر ناز کرتا۔ اُس کی یاد اب بھی اس کے دل کو مسرت سے لبریز کرتی اور دماغ کو خاطر خواہ فرحت بخشتی اس کا ایک زمانہ وہ بھی گذرا تھا جب وہ اپنے بیش بہا نذرانے فقیروں اور حاجتمندوں میں اس طرح تقسیم کر دیتا تھا۔ کہ حاتم کی سخاوت اس کے سامنے مات تھی۔

اُسے کیا معلوم تھا کہ ایک وہ بھی دن آتے گا کہ لوگ اُس پر ہنسیں گے، اس کا مضحکہ اڑائیں گے۔ اس پر آوازیں کسیں گے اور یہی بھولا زمانہ اس کی سخاوت کو نوچ لے گا۔ اسے کیا معلوم تھا وہی پرندے جن کی خوش آئند چہکار سے سارا جنگل گونج اٹھتا تھا۔ اور جن کے آشیانوں کا وہ مرکز تھا۔ آج اُس کے پاس آنے سے گریز کریں گے۔ اُسے معلوم نہ تھا کہ وہ مسافر جو لو کے تھپیڑوں اور بارش کے طوفان سے پناہ لینے کے لئے اکثر اُس کے گوشۂ عافیت میں آکر بیٹھا کرتے تھے۔ اب اُس سے چھوت کریں گے۔ وہ چیختا۔ چلاتا مگر آہ کوئی اس کی پیری اور تنہائی میں اس کا یاور نہ ہوتا۔

مگر وہ جہاندیدہ تھا اور اس پُر فریب زمانے کی رفتار کو تاڑ لینا اس کے لئے کوئی مشکل امر نہ تھا۔ ایسی صورت میں بھلا کوئی کیونکر اس کی دلبستگی کر سکتا تھا کیونکہ زمانے کے نشیب و فراز اور زندگی کے تلخ انقلاب کے دلنشیں تجربوں نے اُسے ظاہریت سے بہت دور کر دیا تھا اور اُس کی حقیقت بیں نظریں اصلیت کی جویا تھیں، اگر کوئی بھولا بھٹکا پرند کہیں اس کے قریب آبیٹھتا اور کوئی سوز بھرا گیت الاپنے لگتا تو وہ ایسی طنز آمیز داد دیتا کہ پرند اڑ جاتا کیونکہ وہ اس کی ظاہری [حقیقت] اظہار سوز و خلش کی رٹ سے اکتا چکا تھا۔ بلکہ یہ ہوکا اس کی داد میں بجائے خود کہیں زیادہ سوز تھا۔ جسے کاش کوئی سمجھنے کی اہلیت رکھتا وہ تڑپ کر خود اپنی دکھ بھری کہانی کا اظہار کرتا ورنہ بھلا کون ایسا مطرب تھا۔ جو اس کے تمناؤں سے لبریز ساز کو چھیڑتا۔

مصور ــــ مصور ــــ مصور۔ جو شہر سے دور بیٹھے پرانے کپڑے پہنے دیوانہ وار ویرانوں میں ٹھوکریں کھاتا پھرتا صحراؤں کی خاک چھانتا اور پرانے سے پرانے درختوں کا اپنے خاص انداز میں مطالعہ و مشاہدہ کرتا پھرتا تھا آرام و آسائش سے دور خانہ

بربادی کا وہ مجسمہ بالاخر تھک کر کبھی کبھی اجڑے اور خزاں رسیدہ درختوں کے نیچے بیٹھکر پناہ لیتا۔ وہ ایسے درختوں کا متلاشی تھا جنہوں نے اس کے آباد و اجداد کو دیکھا ہو اور جو اُسے حقیقی سکون و اطمینان دے سکتے ہوں

سکون ۔ ہاں سکون ۔ مصور کو سکون کہاں۔ وہ اپنے دل کو دلاسا دیتا اور پھر دشت نوردی میں مست کہیں دور نکل جاتا ۔ اپنے مایوس و غمگین دل کو جو زمانے کی پُر فریب نیرنگیوں کا شکار ہو کر پارہ پارہ ہو چکا تھا۔ بہلانے کی کوشش کرتا ۔ وہ ایسے ہمنوا کا متلاشی تھا جو اس کے جنون کو حقیقت کی کسوٹی پر پرکھ کر اس کا راز سمجھ سکتا ۔

لق دق میدانوں کی خاک چھانتا، ویرانوں اور کھنڈروں میں جگہ گھومتا پھرتا بیشمار بوسیدہ درختوں کی جڑیں کریدتا آخیر کار وہ اُس بڑ کے درخت کے پاس پہنچا ۔جس کو وہ عرصہ سے ڈھونڈ رہا تھا۔

مصور نے نہایت متین لہجہ میں آغاز گفتگو کرتے ہوتے اس بڑ کے درخت کو مخاطب کیا اور کہا "کیا تم مجھے جانتے ہو۔ میں کون ہوں ؟"

بڑ کی ڈاڑھیاں تھرائیں اور اس کے استقبال کے لئے اس طرح ہلنے لگیں گویا اس کو عرصے سے جانتی ہیں ۔

مصور یہ دیکھکر ہنسا اور کہا کہ میں اسی خاک کا ایک ذرہ ہوں ۔میں اُس شمع کی ایک شعاع ہوں جس کی آغوش میں تم پروان چڑھے ۔کیا تم مجھے جانتے ہو ؟

بڑ کی داڑھیاں زور زور سے ہلنے لگیں گویا اُسے اس بات کا پورا اعتراف ہے کہ وہ اُسے جانتا ہے کہ کون ہے۔

مصور دیوانہ وار اس کی ایک ایک شاخ کو پکڑتا اور غور سے دیکھتا کہ گویا ان پر کہیں لکھا ہوا اپنے آباد و اجداد کا نام پڑھ رہا ہو ۔ ساتھ ہی ساتھ جوش مسرت سے چلاتا ہاں تم جانتے ہو۔ ہاں تم مجھے جانتے ہو۔ اُس بڑ کے ریشے بہت بڑے تھے ، اور وہ کم از کم سو برس کا پرانا معلوم ہوتا تھا ۔ اس کا ایک ایک ریشہ گواہی دیتا تھا کہ وہ شاہان مغلیہ کا نمک حلال ہے ۔

ہوا کے تیز بہت تیز جھونکوں نے مصور کے جنون کو سکون سے بدل دیا۔ مصور نے اُس بڑ کے درخت کے نیچے رہنا شروع کر دیا ۔کبھی کبھی لُو کے جھونکوں اور بارش سے بچنے کے لئے کبھی ٹوٹے برج میں چلا جاتا اور گاہے بگاہے بھوک اور پیاس سے پریشان ہو کر شہر کی جانب جا نکلتا ۔ لڑکے اسے دیوانہ سمجھکر اسے پتھر مارتے ، وہ ان پتھروں کو چُن چُن کر جھولی میں بھر لیتا اور ٹوٹے برج اور بڑ کے درخت کے نیچے اُن سے محل بناتا اور خیال ہی خیال میں خود کو ان کا ذی شان مالک و مکیں سمجھتا ۔ بڑے بڑے مصور اس کے خیالی دربار میں آکر عقل مندی کا اظہار کرتے ۔ مگر وہ اس شاہی مصور کی کہاں تاب لا سکتے ۔ کبھی کبھی وہ قرب و جوار جنگلوں میں گھومتا اور درختوں کے تنوں اور سطح زمین پر تصویریں بنایا کرتا ۔

وہ بہت دلیر تھا ۔ بارش کے طوفان۔ بجلی کی گرج ۔ دھوپ کی تپش ۔ ساون کی کالی گھٹا اور اندھیری رات کی کسی چیز سے بھی اس کو ڈر نہیں لگتا ۔ وہ مصور تھا۔ اور مصوری میں کھو چکا تھا ۔

وہ جانتا تھا کہ اُسے کس نے ٹھکرایا ہے ۔ وہ جانتا تھا کہ وہ کیوں دیوانہ ہو گیا ہے ۔ وہ جانتا تھا کہ وہ کیوں عجیب و غریب مصور ہو گیا ہے ۔ معلوم تھا کہ اس نے شہر اور اس کی نیرنگیوں کو کیوں خیرباد کہا ۔ ان تمام باتوں سے بخوبی واقف ہوتے ہوتے بھی وہ ہمیشہ اسی کی تصویر بنایا کرتا جس نے اس کی زمین میں ایک تلاطم برپا کر دیا تھا ۔

اُسے یاد تھا کہ اس کی بیوہ و بیکس ماں مزدوری کر کے

اُس کا پیٹ پالتی اور جب کبھی وہ کھلونوں کے لئے ضد کرتا تو وہ اُسے تنکوں اور پتوں کے کھلونے بنا کر دے دیتی، وہ انہیں لے جاکر اپنی نگار کو دے آتا۔ نگار انہیں پاکر خوش ہوتی اور انہیں اپنے کمرے میں سجاتی۔ اُسے یاد تھا کہ جب وہ جنگلی پھولوں کا گلدستہ بناکر نگار کو دیتا تو وہ ہنس کر اُسے لے لیتی اور کہتی کہ تم پورے مصور ہو۔

اُسے یہ بھی یاد تھا کہ اُس کی ماں اکثر اُس سے کہتی کہ تو بڑی حویلی کے چکر مت لگایا کر۔ اگر بیگم کو خبر ہو گئی تو میری نوکری پر بن آتے گی۔ اسے وہ دن یاد تھے جب اس کی ماں کہتی تو نوکری کیوں نہیں کرتا۔ میں اس بڑھاپے میں کب تک ماری ماری پھروں دنیا کے بیٹے ہوتے ہیں، ماؤں کی خدمت کرتے اور انہیں آرام پہونچاتے ہیں، تو ... ہر وقت تصویریں بنایا کرتا ہے، وہ اس میں ... کمبخت تو جنگلی تصویر بناتا ہے کہیں وہ تیری ہوسکتی ... پیسے کی ہے۔ جا نوکری تلاش کر مگر وہ ہنس ... میں نے نوکری کرلی۔ کس کی؟ نگار کی ...... تصویری۔ بس یہی میرا کام ہے۔

اس غریب بوڑھی ماں کا کب تک سہارا رہتا۔ مصور اپنی مصوری ہی میں مست رہا اور اس کی ماں کس مپرسی کے عالم میں ایکدن دنیا سے چل بسی۔ مگر ماں کے مرتے وقت کے الفاظ کہ "تم دلی کی آخری شمع کی ایک شعاع ہو" ہمیشہ اس کے کانوں میں گونجتے رہتے۔

لیکن .... جب اس نے نگار کو یہ کہتے سنا۔ "تو بدمعاش ہے لفنگا ہے!" تو اس کا جسم تھرا گیا۔ وہ کانپ اٹھا۔ "مجھے میری تصویر بنانے کا کوئی حق نہیں۔ حق —" وہ غصے سے لال پیلا ہوگیا اور چیخ کر بولا "یہ حویلی کس کی ہے؟ یہ زمین کس کی ہے؟ تم کیا جانو میں کیوں ہوں؟" گھڑی گھڑی اس کے کانوں میں وہ الفاظ چکر لگاتے۔ "بدمعاش۔ لفنگا۔ شمع شعاع" وہ بھر بھر کر بولا۔ "بناؤنگا۔ ضرور بناؤں گا۔ دیکھوں مجھے کون روکتا ہے؟" یونہی چیختا ہوا وہ جنگل کی طرف نکل گیا۔

پرانے اور جہاندیدہ درختوں کی چھاؤں میں پناہ گزیں ہوا۔ بڑ کی ایک ایک شاخ پر نگار کی تصویریں بناتا اور اپنا نام نقش کرتا۔ بس یہی اب اس کا دلچسپ ترین مشغلہ تھا۔

مصور — مصور نے بڑ کے درخت کے ہر حصے میں نگار کی تصویر بنا رکھی تھی۔ آہ۔ مصور۔

ایک دن بازار میں ایک اودھم مچا اور بجلی گری، بجلی گری کی آوازوں سے فضا گونج اٹھی۔ لعدازاں لوگوں کی توجہ اس بات کی طرف ہوئی کہ بجلی آخر کہاں گری۔ لوگ شہر سے باہر چاروں طرف میدان میں نظر دوڑانے لگے، چنانچہ دور سے وہ بڑ کا درخت جھلسا نظر آیا۔ جب وہاں پہونچے تو دیکھا کہ بجلی کے گرنے سے مصور ختم ہوگیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ اس کا عزیز درخت بھی راکھ کا ایک ڈھیر ہوکر رہ گیا۔

منظور احمد — اپنی انجم سے

(۱) زندگی حسرت نہیں یاس نہیں ہے انجم
اپنے جینے کا یہ انداز نہیں ہے انجم
دوری منزل مقصود سے اس درجہ ملول
تجھ میں کیا طاقت پرواز نہیں ہے انجم

(۲) میں ہوں اظہار محبت سے گریزاں سچ ہے
شعلۂ عشق شرربار نہیں ہے سچ ہے
پلکیاں سوز میں لپٹی ہوئی آنکھیں پرنم
تجھ میں کیا طاقت گفتار نہیں ہے انجم

زیرِ سرپرستیِ انجمن وکیل قوم پنجابیان دہلی

زیرِ اہتمام پنجابی یوتھ لیگ دہلی

ماہنامہ

پنجابی گزٹ دہلی

قوم پنجابیان کا واحد ترجمان

سرپرستانِ خصوصی

(۱) شیخ فیروز الدین صاحب جاپان والے
(۲) محمد زکی صاحب معرفت پیرجی محمد یوسف صاحب
(۳) ایس نور الہی صاحب اینڈ کو ہرسین روڈ
(۴) خان بہادر شیخ محمد جان صاحب
(۵) شیخ محمد صدیق صاحب تار والے
(۶) حاجی ابوالحسن تار والے
(۷) محمد یونس صاحب بارٹی
(۸) محمد صدیق صاحب رئیسِ اعظم کانپور
(۹) حاجی محمد سعید صاحب ملک
(۱۰) مقبول الہی صاحب جاپان والے معرفت ایس نور الہی اینڈ کو
(۱۱) عبد المالک صاحب سگریٹ والے
(۱۲) حافظ مقصود احمد صاحب معرفت ایس اکرام الہی اینڈ سنز
(۱۳) ایس ایم حنیف صاحب
(۱۴) میسرز رحیم الدین اینڈ عبد الکریم
(۱۵) شیخ عبد الستار صاحب گھڑی والے
(۱۶) حاجی رحمت الہی صاحب گھڑی والے صدر بازار
(۱۷) شیخ محمد یوسف صاحب گھڑی والے رادھا بازار
(۱۸) شیخ محمد الیاس صاحب گھڑی والے رادھا بازار
(۱۹) شیخ سراج الدین صاحب گھڑی والے
(۲۰) شیخ محمد سعید صاحب گھڑی والے رادھا بازار
(۲۱) شیخ محمد عمر صاحب گھڑی والے
(۲۲) شیخ ممتاز الدین صاحب ملک۔

قیمت فی پرچہ ۱۲ / آنے

شیخ جمیل الرحمٰن صاحب پرنٹر پبلشر نے ڈیل پریس میں چھپوا کر دفتر پنجابی گزٹ دہلی سے شائع کیا۔

معاونین خصوصی

۱۰۱۔ جناب شیخ محمد احمد صاحب خلف فیاض الدین صاحب — دہلی
۱۰۲۔ پیر جی عبدالخالق صاحب — 〃
۱۰۳۔ شیخ محمد سعید صاحب مالک فرم کمرشل اپٹیکل کمپنی — 〃
۱۰۴۔ محترمہ پیر جی، عبدالخالق صاحب — دہلی
۱۰۵۔ جناب شیخ محمد اسمٰعیل دوائی والے — کلکتہ
۱۰۶۔ جناب حاجی رحمت الٰہی صاحب مسکٹ — دہلی
۱۰۷۔ جناب محمد سعید صاحب مسلم — کلکتہ
۱۰۸۔ جناب سراج العارفین صاحب کپڑے والے — دہلی
۱۰۹۔ محمد اقبال صاحب ولد شیخ احسان الٰہی صاحب دوائی والے — دہلی
۱۱۰۔ جناب گرانڈ واچ کمپنی — کلکتہ
۱۱۱۔ جناب محمد رفیع صاحب — 〃
۱۱۲۔ جناب حاجی کرم الٰہی و رحمت الٰہی صاحبان گھڑی والے — دہلی
۱۱۳۔ جناب محمد اُتی صاحب بارٹی - بی اے — کلکتہ
۱۱۴۔ جناب مقبول برادرس — 〃
۱۱۵۔ جلال الدین اسٹاکر — 〃
۱۱۶۔ جناب محمد اسمٰعیل صاحب دوائی والے — 〃
۱۱۷۔ جناب فیاض الدین صاحب اینڈ کو — کانپور
۱۱۸۔ جنابہ محترمہ مسرت کلام صاحبہ معرفت اسلام احمد صاحب اینڈ سنز — کانپور
۱۱۹۔ حاجی رحمت الٰہی صاحب جاپان والے — کلکتہ
۱۲۰۔ جناب عبدالرشید صاحب کلکتہ والے — 〃
۱۲۱۔ جنابہ المحترمہ بیگم محمد شبیر صاحب معرفت حاجی الٰہی بخش اینڈ کو — دہلی
۱۲۲۔ جناب میسرز ایس۔ ایم سعید دہلی والے — کسولی
۱۲۳۔ جناب چودھری سمیع اللہ صاحب کپڑے والے — دہلی
۱۲۴۔ جناب عبدالرحیم صاحب سنگاپور والے — 〃
۱۲۵۔ جناب ضمیر الحق صاحب الٰہ والے — کلکتہ
۱۲۶۔ جناب محمد اسمٰعیل صاحب چاولہ — 〃
۱۲۷۔ جناب سراج الحق صاحب خضاب والے — دہلی
۱۲۸۔ جناب محمد یوسف صاحب چشمے والے معرفت محسن اپٹیکل کمپنی — کلکتہ
۱۲۹۔ جناب محمد الیاس صاحب نیو لیجنڈ اسٹور — 〃
۱۳۰۔ جناب محمد یونس صاحب گھڑی والے — دہلی
۱۳۱۔ جناب حافظ محمد عمر صاحب — کلکتہ
۱۳۲۔ جناب محمد عثمان صاحب چاندنہ — 〃
۱۳۳۔ جناب محمد عاشقین صاحب مالک فرم عاشق کمپنی — 〃

۱۳۴۔ فضل احمد صاحب معرفت شفیع کمپنی
۱۳۵۔ محمد احمد صاحب معرفت ایس ایم احمد اینڈ کو
۱۳۶۔ محمد ابراہیم صاحب معرفت برٹش ہاؤس
۱۳۷۔ محمد اشفاق صاحب چاندنہ
۱۳۸۔ میسرز شیخ محمد ادریس صاحب ملتانی
۱۳۹۔ عبدالحمید صاحب دوائی والے
۱۴۰۔ محمد اسمٰعیل صاحب سگریٹ والے
۱۴۱۔ میسرز محمد عمر صاحب محمد شفیع صاحب
۱۴۲۔ محمد تقی صاحب باٹوی
۱۴۳۔ محمد صادق صاحب بریلوی
۱۴۴۔ شاہد احمد صاحب بریلوی
۱۴۵۔ ایس، ایم نور احمد صاحب بریلوی
۱۴۶۔ انور سعید صاحب بریلوی
۱۴۷۔ عبدالحمید صاحب چوڑی والے
۱۴۸۔ عبدالاحد صاحب مینیجنگ پروپرائٹر کامریڈ اپٹیکل کمپنی (دہلی)
۱۴۹۔ انوار الحق صاحب چشمے والے
۱۵۰۔ السید سلیم الدین صاحب
۱۵۱۔ محمد شفیع صاحب
۱۵۲۔ محمد رفیع صاحب ملتانی آنریری مجسٹریٹ
۱۵۳۔ ایس رحمان گھڑی والے
۱۵۴۔ اے رحمان گھڑی والے
۱۵۵۔ شیخ حافظ محمد شفیع اللہ والے
۱۵۶۔ حاجی احمد حسن اللہ والے مرحوم
۱۵۷۔ شیخ محمد توفیق صاحب
۱۵۸۔ ایک با اصول
۱۵۹۔ عبدالستار صاحب
۱۶۰۔ این، ایچ مہر الٰہی اینڈ سنس
۱۶۱۔ ایم آر، ڈی
۱۶۲۔ صالحین برادرز
۱۶۳۔ ایس، ایم تقی۔
۱۶۴۔ شیخ جمیل احمد صاحب
۱۶۵۔ نواب محمد جان گھڑی والے

جلد ۱۰ شمارہ ۹

خاص نمبر ماہنامہ پنجابی گزٹ دہلی

بابت ماہ اگست و ستمبر ۱۹۴۶ء

ادارہ تحریر

منظور احمد ایم اے　　سلطان احمد

ناظم:- آفتاب احمد چشمے والے　　مدیر شمع کلب:- انیس الرحمن کالیشم

ترتیب

۳

منظومہ

گردوپیش

ایک سوال

دنیا کیا تھی؟ —— محقق نے دماغ کی تیز روشنی ہزاروں سال پرانی زمین کی خاکی چادر پر ڈالی اور چند حالات معلوم کر لئے لیکن علم میں اتنی وسعت، صحت اور پختگی اب تک معدوم ہے کہ تنقید کی کڑی نگاہیں تاریخ کے صفحات سے ایسے پھسل جائیں جس طرح کسی سنسان گوشہ میں گھومنے والے رومانس کے متلاشی نوجوان کی آنکھیں کسی شگفتہ رخ لڑکی کی ریشمی ساڑھی کے پلو سے الجھ کر پھسلتی ہیں اور اٹھنے کا نام نہیں لیتیں —— کیا ہو جائے گی؟ —— کون جانے، انقلاب کی رفتار اس قدر خاموش اور اتنی تیز ہوتی ہے کہ کچھ نہ کہا جا سکتا ہے دنیا یا —— دنیا کیا ہے؟ —— یہ ایک واحد سوال ہے جس پر دنیا غور کر رہی ہے اور جس پر غور کرنے کی ضرورت تمام ضروریات سے اہم اور یا مقصد نظر آتی ہے۔

ہندوستان —— بلکہ دنیا کے بسنے والے خواہ وہ عصمت چغتائی کے زمین پر رینگنے والے بال جھپٹے ہوں یا فضا میں پھڑپھڑاتے ہوئے گدھ اس سوال اس عقدہ کو حل کرنا چاہتے ہیں۔ ان دونوں طبقوں میں ایک بیّن فرق ہے۔ ظاہر ہے ان کے اندازوں اور نقطۂ نگاہ میں بعد المشرقین ہوگا۔ ایک کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہے جو تمام چہرے کو شگفتہ کئے ہوئے ہے لیکن قہقہہ بنتی نظر نہیں آتی۔ ایک کے خشک لبوں پر تبسم ہے، نیم شگفتہ —— اداس، لیکن تیور بتاتے ہیں کہ یہ تبسم جس میں اداسی کی آمیزش ہے جس میں دبی ہوئی آرزوؤں کی پامال سسکی ہے —— قہقہہ نہیں ایک آواز، ایک پیام، ایک کہربائی قوت بن کر رہے گا۔ اور یہ مسکراہٹ جو آج یتیم معلوم ہوتی ہے ان پھیلے ہوئے ہونٹوں کو اس طرح میٹ دے گی جس طرح بیرونی قوت کے ہٹتے ہی ایک پھیلا ہوا، تنا ہوا، فیتہ سکڑ جاتا ہے۔

طبقاتی کشمکش کوئی نئی چیز یا نیا سوال نہیں لیکن وقت کے بدلے ہوئے دھاروں نے جو نئی شکل اس مسئلہ کو دی ہے اس کے سبب یہ کشمکش کا تصور ذہن انسانی کی قوتوں کو جاذب کی طرح چوس رہا ہے —— دنیا کیا ہے؟ —— آج کی دنیا طبقاتی مفاد کی کشمکش میں پھنسا ہوا ایک سفینہ ہے جسے مختلف قوتوں کے ریلوں نے شکستہ اور کمزور بنا دیا ہے۔ ایک طبقہ کا مقصد حیات اس ڈوبتی ہوئی کشتی کو آغوش ساحل کی حفاظت میں پہنچا دینا ہے۔ دوسرے طبقہ کو ساحل کی تمنا نہیں اس نے ساحل حیات پر ناچتے ہوئے حقیقت کے وہ بھوت دیکھے ہیں جس سے دوچار ہونا اس کی توانائی اور قوت سے باہر ہے ان تند، بے باک، اور بپھری ہوئی موجوں سے بچنے کے لئے چند سالم تختے اُن کو مل گئے ہیں باقی ان کی رو برو پانی کی تہہ میں بچھ گئے ہیں، بٹھے رہے ہیں لیکن ان کے سینے میں ہمدردی کا جذبہ بیدار نہیں ہوتا۔ کیونکہ ساحل حیات کے اُن عفریتوں سے دست و گریباں ہونا جن کا حسن چرا کر یہ لوگ بھاگے ہیں کوئی آسان کام نہیں —— اور پھر ڈوبتے ہوئے لوگ آخر پانی کا کفن اوڑھ کر، کیچڑ کی غلیظ قبر میں کیوں سو جائیں؟ —— زندگی کس کو عزیز نہیں ہوتی، لیکن اگر ڈوب جائیں، مر جائیں اور مچھلیاں اُن کو نگل کر ختم بھی کر دیں تب بھی یہ سوال یہ کشمکش تو ختم ہونے والی نہیں، یہ جتنے ڈوب جائیں گے، مرتے جائیں گے ان کی تعداد میں اضافہ ہوگا۔ ان کی تعداد بڑھے گی اور یہ اسی طرح ڈوبتے رہیں گے پیدا ہوتے رہیں گے۔ پیدا ہوں گے اور ڈوبیں گے ——

کیونکہ یہ ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات " اس لئے ہم لوگ چاہتے ہیں کہ آج اس مسئلہ کو حل کر لیا جائے خواہ اس آج کو گذرنے میں ایک نسل کی مدت حیات ہی کیوں نہ درکار ہو تاکہ زندگی میں کچھ نئی قوتیں پیدا ہو سکیں ۔ زندگی پھر آگے بڑھ سکے ، پھر پھیل سکے اور پھر اُفق جمود و تعطل پر چھا جائے ۔

اندھے ، بہرے ، گونگے دنیا کے ہر گوشہ اور ہر قوم میں پائے جاتے ہیں جب سے دنیا نے آنکھ کھولی ہے ان کی پوجا ہو رہی ہے ان کے قدموں میں پھول چڑھائے جا رہے ہیں ، سجدے ہو رہے ہیں ، سنکھ بج رہے ہیں ۔ جس قدر دنیا اس راستہ پر آگے بڑھتی گئی یہ پیچھے ہٹتے گئے ۔ لوگوں کے گیان ، دھیان ، عقیدت اور پرستش میں جتنا خلوص راہ پا گیا اُن کی محبت کو نیند آتی گئی اور اس کی جگہ نفرت اور اعتماد نے کروٹ لینی شروع کی لیکن آج آہستہ آہستہ ، بتدریج ، یہ سنکھ ، یہ گھنٹے اور ان کا شور پس منظر میں ڈوب رہا ہے یہ عبادت سرکشی سے گلے مل رہی ہے ۔ اور اس کی جگہ ایک عزم ایک آہنی آرادہ لے رہا ہے جس کا مقصد ہے کہ ان اندھے ، بہرے اور گونگے مجسموں کے چہرے سے دیبا و حریر کے وہ پردے نوچ لے جو اُس نے اندھی عقیدت کی آسودگی کے لئے اپنی کھال دھنک کر تیار کئے تھے ۔ سرخ سونے کی وہ زنجیریں اُتر جو ایک دن بیاہی دلہن کی مانگ کے سیندور اور سہاگ رات سے لوٹی ہوئی نو عروس کے ہاتھوں ۔ کی سرخی سے چھین کر فراہم کی گئی تھیں ——

ایک آواز ہے —— بہت ہلکی ایک شور ہے ۔ بہت دھیما ایک چاپ ہے بہت خاموش ، ایک دھڑکن ہے مہر بہ لب ۔ کیا ہوگا ؟ کیا ہونے والا ہے کون جانے ۔

یہ اندھے بہرے اور گونگے لوگ جو چاند میں رہنے والی مخلوق کی طرح اس سخت اور میلی زمین پر پاؤں نہیں رکھتے جو اس بدبودار لیکن سونا اُگلنے والی زمین پر بسنے والوں کے صحیح حالات سے ناواقف ہیں دنیا کے ہر گوشے اور ہر قوم میں پائے جاتے ہیں اور یہ چاپ ، یہ آواز ، یہ دھڑکن یہ شور جو ترقی پسند قوتوں کے آگے بڑھنے سے پیدا ہو رہا ہے ۔ اس کی بازگشت بھی آج دنیا کے ہر گوشہ میں موجود ہے ان اندھے ، بہرے اور گونگے لوگوں کی خاصی تعداد پنجابی برادری کے دامن سے بھی وابستہ ہے اور پنجابی برادری کا وہ طبقہ ، وہ جدید وہ نوجوان جو ترقی پسند قوتوں کو دھکیل کر منظرِ عام پر لانے میں کوشاں ہیں منظم ہو کر اس مفلوج طبقہ کے لئے ایک مستقل خطرہ بن رہا ہے ، ڈر کافی حد تک بن چکا ہے ۔

کچھ پنجابی برادری سے

نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی

برادری کے متعلق ایک سوال بار بار میرے ذہن میں چکر لگاتا ہے ——

پنجابی برادری کی تنظیم اور تشکیل کن بنیادوں پر ہے ؟ ۔ یہ صحیح ہے کہ پنجابی برادری کے افراد ایک علیحدہ قوم ہونے کے مدعی ہیں ۔ لیکن اس برادری کی گروہ بندی کس بنیاد پر ہے اس کا پتہ آج تک نہ مل سکا ۔ برادریوں کی تاریخ بتاتی ہے (خواہ وہ فرضی اور مصنوعی ہی کیوں نہ ہو) کہ ان کے کلچر ، تمدن ، پیشے ، زبان ، رسومات غرض کسی چیز میں دوسری برادری سے ایک واضح مغائرت اور آپس کی ہم آہنگی ہوتی ہے ۔ اور اس ہی اساس پر وہ گروہ بندی کر کے اپنے حلقہ میں ایسی اصلاحات نافذ کرتے ہیں جو انسانیت کے بلوغ میں معاون ہو سکیں لیکن اس برادری کی کسی چیز میں (جو قابلِ فخر ہوں) مجھے دوسروں سے مغائرت اور آپس کی ہم آہنگی نظر نہیں آتی —— برادری کیا ہے ؟ اس بارے میں یقیناً کوئی نئی چیز نہیں بتا سکوں گا ۔ لیکن اگر آپ کے سینہ میں حساس دل اور دماغ میں غیر متعصبانہ انداز سے سوچنے کی قوت باقی ہے تو اتنا غور فرمائیے کہ کیا برادری کی تشکیل

بنتے ہیں جو تپاخمہ خیاد کا کام دیتے ہیں - پنجابی برادری کے ترقی پسند اور وسیع النظر نوجوانوں سے برادری کے متعلق گفتگو کرنے کا اکثر موقع ملا ہے اور میں نے متعدد بار برادری کے متعلق اُن کی رائے معلوم کرنے کی کوشش کی لیکن کسی نے بھی امید افزا رائے کا اظہار نہیں کیا۔ شیخ محمد امین صاحب برادری کے ہونہار ترین فرزندوں میں سے ہیں۔ لیکن انہوں نے فرمایا۔

" میں اس برادری سے منسلک ہونے میں کچھ فخر محسوس نہیں کرتا بلکہ میں نے اس سے تمام رشتہ توڑ لیے ہیں میں اس کا فرد نہیں ہوں" شبیر صاحب کے لبوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی - ایس۔ ایم یوسف صاحب باغپتی کا خیال ہے " برادری سرمایہ داروں کا ڈا ہے" - یونس باغپتی صاحب کی دانست میں " برادری بیوقوفوں کی جماعت ہے " سمجھدار اور ترقی پسند نوجوانوں میں صرف عمر الٰہی اس سوال کے جواب میں اقبال کا یہ شعر دہراتے ہیں ؎ نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے - ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی لیکن سوال ہے " یہ نم " کیسے ہو؟ دنیا نے بار بار یہ سبق دہرایا ہے کہ کسی قوم جماعت یا برادری کی ترقی میں نوجوانوں کا حصہ سب سے زیادہ ہوتا ہے اور نوجوان اسی وقت آگے بڑھتے ہیں جب موجودہ قوتیں اُن کی معاونت سے گریز نہ کریں یہ درست ہے کہ اصلاح اور ترقی کی بھٹی سے روح نکلتی ہے وہ ان وقتی اور ہنگامی دشواریوں سے پریشان نہیں ہوتی لیکن جب قومی کے جسد مردہ میں کیڑے چل رہے ہوں - جب دنیا دو طبقوں میں تقسیم ہو چکی ہو اور ایک عالمگیر تبدیلی کروٹیں لیتی ہوئی نظروں کے سامنے ہو اس وقت نوجوانوں کے ذہن اس محدود دائرہ میں رہ سکتے ہیں ؟ ان حالات میں نوجوانوں کے ذہن کو مفید کرنے کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ یہ کہ کم از کم اس گردش کے موجودہ عالمگیر بے چینی کی بیخ کنی کر دی جائے تاکہ ان کے ذہن سے اس بوجھ کی شدت کم ہو جائے جس نے دنیا کو بے چین کر رکھا ہے -

لیکن جس برادری کا نیم شکستہ مقبرہ اس تقسیم پر کھڑا ہو وہ کیوں کر برداشت کر سکتی ہے کہ ان نوجوانوں کو جو ہر انداز اور ہر عنوان سے کمتر نظر آتے ہیں اپنے برابر جگہ دیدے یہاں صرف ایک چیز کی پوجا ہوتی ہے ___ پیسہ ___ پیتل، رانگ، تانبہ، کانسی اور کاغذ کا ٹکڑا جس پر برٹش شہنشاہیت کے مرکزی ستون کی چھاپ موجود ہو ___ یہاں عزت کی نگاہ سے وہ شخص دیکھا جاتا ہے جس کے رت میں پتھر اور چونے کے ان گنت گھروندے ہوں، یہ سوال نہیں کہ حصول کے لئے کون سے ذرائع استعمال کئے گئے، کوکین فروشی پر محتساب نہیں، دیوالے نکلنے قابل گرفت نہیں، یتیم اور بیوہ کا مال مار لینا پر اعتراض حماقت، قومی جماعتوں سے ذاتی منفعت کے لئے استفادہ نادرست لیکن دولت کے بغیر تم اور تمہاری صلاحیت ناقابل اعتنا، ناقابل اعتبار، اور اخلاق ایک اضافی چیز ہے، مذہب کی ضرورت اس لئے ہے کہ چند کنوؤں اور مسجدوں کی تعمیر سے فراغت پاکر معترضین پر ان ترقی پسندوں پر جو زباں بے زبانی کی اپیلوں سے اکتا کر سرمایہ پرستی کے لئے گور و کفن کا بندوبست کر رہے ہیں مذہب دشمنی کا الزام عائد کر سکیں۔

سرمایہ کی مرکزیت نے متوسط طبقہ کو جنم دیا جو مستقلاً روحانی عذاب سے ہمکنار رہتا ہے، یوتھ لیگ کی بنیاد پڑی کہ بیاہ شادی رسموں کو ختم کرکے برادری کے افراد کی عزت کو برقرار رکھ سکے - متمول حضرات اس پابندی کو نہ سہہ سکے - کچھ حضرات کی کشادہ کوٹھیوں کے تنگ دروازوں پر یوتھ لیگ کے ممبران کو مجروح ہونا پڑا، کچھ حضرات کے عالیشان مکانوں کے سامنے ان نوجوانوں کے جذبہ خدمت کو عزت و غرور کے شکنجے میں کسا گیا جو ان سے زیادہ ہوشیار تھے انہوں نے ان سرمایہ پرستوں کی مدد لی جو اپنی ہوشیاری کے سبب اس لئے بھی تھے روحانیت کے حقدار بھی وعدے اب تک باقی ہیں جرمانے وصول ہونے کا سوال ___ سوال ہے جس کا جواب ایک طنزیہ مسکراہٹ سے ملتا ہے ___ دیکھا کیسا بیوقوف بنایا۔

خاص نمبر ماہنامہ پنجابی گزٹ سنہ ۱۹۴۶ء

جہلا کے اس گروہ میں اب تعلیم یافتہ طبقہ کی قدر ہونے لگی ہے، یہ لڑکا تعلیم یافتہ ہے، اس کا ذہن بیدار ہے، اپنی اولاد کے آرام کے لئے اس کی بولی لگائی جاتی ہے، ان منزوی اور بدنام لڑکیوں کے لئے انہیں خریدا جاتا ہے جنہیں گفتگو کا طریقہ تو کجا نشست و برخاست کا سلیقہ نہیں معلوم جو حکومت کرنا چاہتی ہیں کیونکہ ان میں اخلاقی قوت نہیں کہ کسی کو جیت سکیں اور نوجوان —— نوجوان بکتے ہیں کیونکہ ان کے ہوائی قلعے اُن کے سنہری خواب جو اُن کی دستبرد سے باہر ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ پورے ہو جائیں گے اور قوم کا وہ متوسط طبقہ جو ضروریات زندگی کی قربانی دیکر اولاد میں جوہر قابل پیدا کرتا ہے پھر بھی دامن رہ جاتا ہے —— اور ہم کہتے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ قوم کا شیرازہ منتشر نہ ہو پراگندہ نہ ہو کیونکہ دولت اور شہرت کا وہ طبقہ آسمان آپڑے گا جو متوسط طبقہ کے زخمی کاندھوں پر دھرا ہے۔

قوم کے ایسے ہی مغز دتہی پوست نوجوانوں کی شکایت فضول ہے۔ کمتر ہیں جنہوں نے اپنی روح اور خودداری کو نیلام ہونے سے بچا لیا کم ہوں گے جو عطا اسم تو بتقاضے تو کہنے کی حیات پرورش کر سکتے ہیں —— سیفرے کہ ہم میکسم گورکی کے ہمنوا ہیں ہم روسو اور لینن کو سمجھتے ہیں۔ ہم انقلاب فرانس کی روح سے واقف ہیں۔ ہم صحیح راہ ہیں۔ ترقی پسند ہیں —— بے معنی ہیں اور بے معنی رہیں گے —— دولت کے روح و جسم کی ہم آہنگی فروخت کرنے والے ایک ذہنی فروخت کو نہیں سمجھتے گورکی، لینن، روسو اور والٹیر کو اس نصاب تعلیم موجودگی میں سمجھنا تو یقیناً کار دشوار ہے، اسلامی تعلیمات جس کی ترویج کے لئے یہ مجسم گناہ انسان مسجدیں تعمیر کرکے گوشت و پوست کے مجسمے پرورش کرتے ہیں آج ہمارے سینوں کو منور نہیں کرتیں کیونکہ کالا پیسہ جو اس کی تعمیر میں صرف ہوا اور وہ ذلیل مقصد جو اس سے وابستہ ہے کسی بلند نتیجہ کا ماخذ نہیں بن سکتا۔ یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے کہ ہمارے سینوں میں الحاد کی تاریکی اور کھوٹ پوشیدہ ہے

پھر دہراتا ہوں

یہ سب کچھ پڑھنے کے بعد (گو مجھے بہت کم امید ہے کہ لوگ اسے پڑھنا پسند کریں گے) آپ نالاں ہو گئے ہیں لیکن میں اسی ہی چیز کو پھر دہراتا ہوں۔ جو مئی اور جون کے شماروں میں کہی جا چکی ہے اگر آپ چاہتے ہیں کہ قوم میں حیات نو پیدا ہو اور اکابرین قوم کا وقار بڑھے تو اس کا واحد طریقہ یہی ہے کہ قوم کے جوان اور تازہ خون کو ڈھالنے کی کوشش کیجئے۔ برادری کے اکثر حضرات بڑی بڑی فرموں، کارخانوں، اور دفتروں کے مالک ہیں۔ ان کے ذہن ان سانچوں میں ڈھل کر پختہ ہو چکے ہیں: ان راہوں وہ کہنہ مشق سوار کی طرح گھوڑے دوڑاتے ہیں اور راستہ کی تمام دقتوں پر عبور حاصل ہو چکا ہے۔ وہ چاہیں تو قوم کے یہی نوجوان جو آج دفاتر کا رخ کئے افتاں و خیزاں چل رہے ہیں، صنعت اور تجارت کے ذریعہ نہ صرف برادری بلکہ اسلامی ہندوستان کی زبردست خدمت انجام دے سکتے ہیں اور یہی اکابرین جو اپنی خون آلود نگاہیں دکھا کر مسکرانے پر مجبور کرتے ہیں کہ وسعت خودی اور اظہار شخصیت کے لئے اس آمرانہ طریقہ سے نجات پا سکتے ہیں —— شکایت ہے کہ اکثر نوجوان کام سیکھ کر اور رازہائے سربستہ کے انکشاف کے بعد خود ان بزرگوں کے کاروبار پر رہزن بن کر بیٹھ گئے جن کی نظر عنایات نے خاک رہگذر کو فراز آسمان سے آگاہ کیا۔ ایسی اکثر مثالیں موجود ہیں: دوسرے یہ الزام کسی عنوان دور نہیں کیا جا سکتا لیکن اس کی تمام تر ذمہ داری —— اگر معاف فرمایا جائے —— ان لوگوں پر ہیں جو محسن کش ہیں۔ ظاہر ہے قوم کے بڑے بڑے سرمایہ دار اور کاروبار کا لوگ صرف اس لائن اور اس ہی بزنس سے واقف نہیں ہوتے جس کا بورڈ اُن کی دوکان پر آویزاں ہوتا ہے بلکہ وسیع تجربہ، تعلقات اور سرمایہ کی بدولت وہ ایسی متعدد لائنیں تجویز کر سکتے ہیں جن کی بدولت نہ صرف ایک برادری کا نوجوان برسر روزگار ہو سکتا ہے بلکہ ان کا سرمایہ جو تجوریوں میں مقفل ہے کمائی اور آمدنی کا ذریعہ

مثال کے طور پر شیخ انیس الرحمٰن صاحب گھڑی والے مدت دراز سے گھڑیوں کا کاروبار کر رہے ہیں لیکن آپ نے چند ماہ پیشتر ریشمی کپڑا بیچنے کے حقوق حاصل کئے کیونکہ آپ کا رسوخ اتنا وسیع تھا کہ آپ کو اس کا موقع حاصل ہو سکے۔ شیخ سراج الدین گھڑی والے بھی عرصہ سے گھڑیوں کی فروخت میں معروف ہیں لیکن آپ نے بھی حال ہی میں چشمہ کا کاروبار شروع کیا اور اپنے تجربہ کی مدد سے حیرت انگیز کامیابی حاصل کی۔ شیخ محمد حنیف صاحب دوائی کا کام کر رہے تھے لیکن پچھلے چند سالوں میں مختلف کاروبار اپنانے کی کوشش کی اور خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی۔ دہلی میں ناقابل تردید مثال جناب انوار الحق چشمے والوں کی ہے کہ گو آپ نے اس ہی کام کی طرف توجہ کی اور والد صاحب سے ورثہ میں چشمے کی دوکان پائی لیکن آج آپ اس محدود کاروبار کے ساتھ فنی لائن میں بھی بڑھ چکے ہیں اور آپ کا Domestic Industries Department Information Office ڈومیسٹک انڈسٹری بیورشن آفس دہلی میں موجود ہے۔ چنانچہ برادری کے ان نوجوانوں کو جن کے دل میں آگے بڑھنے کی تڑپ ہے وہ کام سکھائے جائیں یا اُن لائنوں میں انہیں مواقع دئے جائیں جن سے وہ واقف ہوں تو یہ شکایت کبھی پیدا ہو ہی نہیں سکتی۔ انسان مجبور ہے کہ جو کام اسے آتا ہے وہ کرے اگر کام سیکھنے کے بعد ضروریات زندگی کی افزونی اُسے مجبور کرے تو وہ سوائے اس کام کے دوسرا کام کر ہی نہیں سکتا۔

آج ہندو اپنی قوم کے ذہن فعال کو بیدار کرنے میں زبردست جانفشانی دکھا رہا ہے۔ قوم کے وہ نوجوان جو تعلیم سے فارغ ہو کر کسی کاروبار سے لگنا چاہتے ہیں اور کسی خاص لائن میں اُن کے لئے دلچسپی اور کشش ہوتی ہے تو ہندو سرمایہ دار اپنے سرمایہ اور دیگر چیزوں سے اس کی مدد کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے دس ہزار روپیہ لگانے کے بعد وہ صرف ایک ضرورتمند نوجوان کی مدد ہی نہیں کرتا بلکہ شریک کار کی حیثیت سے اپنی آمدنی میں اضافہ بھی کرتا ہے اور پھر سرمایہ اُس کی اپنی نگاہوں کے سامنے اس کی اپنی منشا اور سوجھ بوجھ کے مطابق خرچ کیا جاتا ہے۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ کاروبار میں نقصان ہوا اور دس ہزار روپے کی رقم کا نصف باقی رہ گیا لیکن ایک مکمل کاروباری کی طرح وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا کیونکہ اُس کا اپنا کاروبار جس نے اسے لاکھوں کا مالک بنا دیا بدستور چل رہا ہے اور ایک نوجوان جس کی اُس نے مدد کی تھی ایک کہنہ مشق تاجر بن گیا جس کی امداد سے اور سینکڑوں نوجوان تجارت اور صنعت سیکھ سکیں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقتی نقصان کے بعد اس نوجوان نے کھوئی ہوئی رقم سے کئی گنا زیادہ کما دیا۔

میں پھر دہراتا ہوں کہ حیات قومی کے تخیل کو اگر زندہ کرنا مقصود ہے تو مستحق لوگوں کو محروم بنانے کی کوشش مت کرو۔ یہ درست ہے کہ موجودہ نظام حکومت اور موجودہ اقتصادی حالات اُن کی روح کو کچل دیں ہاتھ پیر پابند رسن ہو جائیں لیکن بغاوت کا وہ جذبہ جو ان کے دماغ میں پرورش پا رہا ہے ٹھنڈا نہیں ہو سکتا اس کو بجھانے کے لئے خون کے چھینٹوں کی ضرورت ہوگی ــــ وہ سفید خون جس نے یہ آگ لگائی اور شعلے بھڑکائے تھے۔

قوم کی اہم ترین درسگاہ مدرسہ اصلاح البنات

دورِ انحطاط کی ابتدا اور مغلیہ حکومت کے اختتام نے ہندوستان کے مسلمان کو چڑچڑا اور زود رنج بنا دیا تھا اس لئے مٹی ہوئی تہذیب کے نقوش پہ نوحہ خوانی جاری رہی اور تعلیم و تربیت کی نئی شکل کی طرف توجہ نہیں دی جا سکی۔ سر سید احمد نے اس ضرورت کا احساس پیدا کیا اور مسلمانوں نے مسلم یونیورسٹی کی بنیاد رکھی۔ یہ مسئلہ تو حل ہو گیا لیکن تعلیم نسواں کا مسئلہ جو اس کا دوسرا رخ تھا فوراً نظروں کے سامنے آ گیا۔ روایات کی غلط بندشوں کے سبب تمام ملک میں

اس کے خلاف ہنگامے شروع ہوئے یہ ایک نفسیاتی اور وقتی ضرورت تھی اس لئے جلد یا بدیر ملک نے اسے اپنا لیا اور طبقہ نسواں میں تعلیم شروع ہو گئی لیکن پنجابی برادری جو رجعت پسندوں کا سب سے بڑا گروہ ہے تمام اسلامی ہند کے فیصلے کے باوجود اپنی ضد پر اڑا رہا۔ آخر کار برادری کے نوجوان تنگ آ کر برادری کے باہر لڑکیوں کے متلاشی نظر آنے لگے اگر کچھ شادیاں برادری میں ہوئیں بھی تو لڑکی کی زندگی اجیرن ہو گئی لڑکے اور لڑکی کے ذہنی تفاوت نے برادری کو مجبور کیا کہ وہ اس اہم ضرورت کی طرف توجہ دے ۔

برادری کے نوجوان جو اس ضرورت کو مدت سے محسوس کر رہے تھے فوراً آگے بڑھے اور بزرگوں کے زیر سایہ اس کام میں مصروف ہو گئے یہ مدرسہ انجمن وکیل قوم پنجابیاں (جو برادری کی سب سے بڑی انجمن ہے) کے زیر اہتمام کھولا گیا ہے ۔ اور مالی امداد کے لئے گورنمنٹ کا محتاج نہیں ۔ نصاب تعلیم جس کی کمزوری کے سبب تعلیم کا صحیح مقصد فوت ہو جاتا ہے گورنمنٹ کا مقرر کردہ ہونے کی بجائے خود برادری کے افراد نے بنایا ہے تاکہ قومی روایات کو برقرار رکھنے میں مدد مل سکے ۔ عمر الٰہی صاحب نائب ناظم جو قومی کاموں میں بہت زیادہ دلچسپی لیتے ہیں عرصہ دراز تک مختلف تعلیمی اداروں، طریقہ تعلیم اور نصاب کو بہ نظر غائر دیکھتے رہے اور اس کے بعد آپ نے متواتر کئی ماہ کی شبانہ روز محنت کے بعد اسکول کا نصاب بنایا ۔ اور سربرآوردہ حضرات کے سامنے منظوری کے لئے پیش فرما دیا ۔ فی الحال اس اسکول میں پانچ جماعت تک تعلیم دی جاتی ہے لیکن امید ہے کہ بہت جلد یہ تعلیمی ادارہ دسویں جماعت تک کام شروع کر دے گا ۔ تعلیم نسواں کے لئے انجمن کے پیش نظر اور چند اسکیمیں بھی ہیں۔ اگر برادری کے افراد نے اسکول کی اعانت کی اور اپنی بچیوں کو داخل کرانے میں سرگرمی کا اظہار کیا تو امید ہے بہت جلد یہ تمام اسکیمیں منظر عام پر آ کر عملی جامہ اختیار کر لیں گی اگر اس سلسلہ میں برادری کے دوسرے اسکول جو مختلف افراد برادری کے اخراجات سے چل رہے ہیں مرکز کے تحت آنا منظور کر لیں تو تکمیل مقصد کے مراحل بہت تیزی سے طے کئے جا سکتے ہیں۔

آنے والی نسلیں تعلیم نسواں کے لئے عمر الٰہی کی ممنون ہوں گی جن کی توجہ اور ایثار نے اس اسکول کی ترقی کے لئے ان تھک جدوجہد شروع کر رکھی ہے ۔

پنجابی اسلامیہ ہائر سکنڈری اسکول

کچھ باتیں کانوں سے سنی جاتی ہیں ۔ کچھ چیزیں آنکھوں سے دیکھی جاتی ہیں کچھ کو دل محسوس کرتا ہے ۔ پنجابی اسکول کی داستان کانوں سے سنی جا سکتی ہے آنکھوں سے دیکھی جا سکتی ہے اور دل محسوس کرتا ہے ۔ پنجابی اسکول کا قیام صدیوں کی بات نہیں ۔ ایسا کوئی نہیں جو اسکول سے وابستہ کسی راز کو سینہ میں چھپا کر شہر خموشاں کا مکیں ہو گیا ۔ اسکول کے قیام کو اتنی مدت بھی نہیں گذری کہ کسی (Period) کو جن آنکھوں نے دیکھا تھا وہ آج پتھرا گئی ہیں اور ہم اس زمانہ کو صرف مورخ کی تحریروں سے دیکھ سکتے ہیں ۔ وہ لوگ جو اسکول کے خلاف تنقیدی انداز سے گفتگو کر رہے ہیں ۔ جن کے دماغ اسکول کی چہار دیواری کو برادری کی روایات پرورش کرنے کا Nursing Home بنائے جانے کی تجاویز سوچنے میں مشغول ہیں اور وہ جو اسکول کی موجودہ رفتار اور موجودہ نظام سے مطمئن ہیں دونوں گروہ کے تمام افراد نے اسکول کا عہد طفلی دیکھا ہے اور بعض حضرات نے اپنی تعلیمی گتھیاں یہاں ہی کھولنی شروع کی ہیں اور وہ لوگ بھی جو ان دونوں گروہ کے مخاطب ہیں اس تمام ارتقائی دور سے بخوبی واقف تھے ۔

اسکول جیسا کہ تمام پبلک ادارے شروع ہوتے ہیں بہت چھوٹے سرمایہ اور تعلیمی معیار سے شروع کیا گیا تھا ۔ طلبا کے

لیے کوئی شاندار بلڈنگ یا عمدہ فرنیچر میسر نہیں تھیں اس کے کچھ عرصے بعد برادری کے افراد نے اس میں دلچسپی لینی شروع کی اور اسکول کے تمام شعبوں میں وسعت پیدا ہونے لگی اور آج پنجابی اسکول ہائر سیکنڈری ہے۔ اس کی بلڈنگ کی قیمت دو لاکھ کے قریب اور اس میں کئی سو لڑکے تعلیم پاتے ہیں۔ برادری کے افراد کے حیرت انگیز ایثار نے اسکول کو بہت جلد ارتقائی منازل طے کرا دیئے اور آج یہ ہی اسکول جو اگر ہم مڑ کر دیکھیں ــــ گمنیوں کھسکتا اور مدقبورتا نظر آسکتا ہے بہت جلد آگے بڑھ گیا اور یہاں تک کہ آج ہمیں نتائج معلوم ہیں دہلی کے تمام اسکولوں کو تعلیم اور کھیل کے میدانوں میں للکار رہا ہے۔ امسال کے نتائج بتاتے ہیں کہ طلبار کے ذوق اساتذہ کی محنت اور افراد برادری کی توجہ نے اسے اسلامی اسکولوں میں اول آنے کا اعزاز بخشا ہے۔

لیکن ذاتی عناد اور شخصی مخاصمت کی کمین گاہ سے نکل کر صرف اتنا سوچنا گوارا کیجئے کہ آخر افراد برادری کو جگانے والے وہ جنہوں نے ہیں ضرورت کا احساس پیدا کیا ہیں قابل نہیں ہیں کہ ان کی خدمات کو سراہا جائے۔ دہلی میں مختلف پبلک ادارے موجود ہیں اور اگر دہلی کے پبلک اداروں کے نام اور ان کی مختصر تاریخ سے برادری کے پندار کو ٹھیس پہنچتی ہے تو کہ روایات کی لوزائیدہ بچی کے مجروح ہونے کا اندیشہ ہے تو برادری کے پبلک اداروں پر نظر دوڑا لیجئے۔ کتنے ایسے ادارے ہیں جو ادارے کی ترقی کو برادری کے التفات کا ثمر سمجھتے ہیں۔ میں جانتا ہوں اور آپ بھی دوسرے بھی انکار نہ کرسکیں کہ تمام ترقی صرف ایک ذات سے منسلک سمجھی جاتی ہے اور اس کا باقاعدہ پروپیگنڈہ ہوتا ہے۔ لیکن اسکول کی تاریخ میں کبھی کسی فرد نے اپنی آمریت اور خود مختاری کا اعلان نہیں کیا۔ اسکول کا نظام وہ لوگ چلاتے ہیں جنہیں انجمن وکیل قوم پنجابیاں مقرر کرتی ہے اور انجمن کے افراد براہ راست برادری کے جمہور کی رائے سے منتخب کئے جاتے ہیں اور اس طرح اسکول کا تمام نظام برادری کی مرضی سے اس کے اپنے مقرر کردہ لوگوں کے ہاتھ میں رہتا ہے اس کے باوجود شور مچتا ہے کیونکہ مچایا جاتا ہے بازار کے لوگ جو اسکول کی ترقی کے لئے اس قدر مضطرب ہیں آئین اور آئینی جد و جہد سے واقف نہیں اور اگر واقف ہونے کے باوجود وہ عوام کی معصومیت کو غلط اور گمراہ کن نشر و اشاعت کا ہدف بنانا چاہتے ہیں تو اسکول سے متعلقہ لوگوں کو اپنی زریں رائے سے فیضیاب کرنے سے بیشتر خود انہیں علم الاخلاق کا سبق خواں ہونا ضروری ہے۔

ایک نعرہ بے معنی ایک شور ہے ـــــ غیر پنجابی طلبا کو اسکول سے نکال دو ـــــ کہنے والے کی نیت کیسی ہے نہیں معلوم نتائج کیا ہوں گے کوئی نہیں سوچتا۔ ایک رو ہے ایک لہر ہے جو چند دماغوں میں پیدا ہوئی اور اتنی شدت اختیار کی کہ پاگل پن کی حدوں کو چھو لیا۔ غیر پنجابی طلبہ کو اسکول سے نکال دو ـــــ کیوں؟ ـــــ کیونکہ اس کی بلڈنگ پنجابیوں نے بنوائی ہے۔ ظاہر ہے دہلی کے کسی تعلیمی ادارے کی عمارت گورنمنٹ کے پیسے سے نہیں بنی جس طرح آج ہمیں یہ حق حاصل ہے کہ ہم بلڈنگ کی وجہ سے دوسروں کو نکال دیں اس ہی طرح سینٹ کالج کو یہ حق حاصل ہونا چاہئے کہ وہ آپ کے طلبار کو کان پکڑ کر اپنے احاطہ سے باہر کردے۔ اندرپرستھ آپ کی معدودے چند خواتین کو دھکے دیکر نکال دے۔ سینٹ اسٹیفن اپنے دروازے بند کردے اور آپ کے لئے ہر تعلیمی ادارے کا دروازہ بند کر دیا جائے اور صرف یہی نہیں بلکہ نیشنل پبلک لائبریری جس کی بلڈنگ فنڈ کے لئے آج کل کافی کوششیں ہو رہی ہیں اس کے دروازے پر آویزاں ہو:- "یہ لائبریری صرف پنجابی برادری کے لئے ہے کیونکہ اس کی عمارت ان کے پیسے سے بنی ہے"۔ اور آج بھی اس میں غیر پنجابی مطالعہ کنندگان کا داخلہ ممنوع ہونا چاہئے کیونکہ وہ تمام اخبارات و رسائل یا تو افراد برادری کے سرمایہ سے خریدے جاتے ہیں یا کمیٹی کا گرانٹ اس ضمن میں خرچ ہوتا ہے۔

اسکول کو گورنمنٹ گرانٹ سے آزاد کر کے قومی سرمایہ کے بل پر چلانے کا فیصلہ کرنے سے پیشتر ہمیں یہ چیز پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ آیا ہندوستان کے کسی اور گوشے میں یہ تجربہ کیا گیا ہے ؟ اس کے نتائج کیا ہیں ؟ ہندوستان میں مسلم یونیورسٹی علیگڑھ اور جامعہ ملیہ اسلامیہ دونوں موجود ہیں مسلم یونیورسٹی کو گورنمنٹ گرانٹ دیتی ہے ۔ جامعہ ملیہ اس سے بے نیاز رہی ہے ۔ دونوں عرصہ دراز سے ملک و ملت کے افراد کو ایک اچھے شہری اور کار آمد انسان بنانے میں مصروف ہیں ادارہ نے بہتر دماغ اور انسان پیدا کئے ۔ ظاہر ہے مسلم یونیورسٹی کے مقابلہ میں اس کی اہمیت کچھ بھی نہیں ہے لیکن یہ مسئلہ صرف ان دلائل سے فیصل نہیں ہو جاتا ۔ ہم کو دیکھنا ہے آیا دیگر اقوام یا برادریاں ایسی ہیں جو اپنے ذاتی ادارے قائم کرنے کی ہمت رکھتی ہیں پھر انہوں نے ایسا کیا یا نہیں ؟ ہندو کالج دہلی میں موجود ہے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ہندو نہ صرف ایک کالج بلکہ تمام ہندو اداروں کو قومی بنانے کی سکت اور دولت رکھتی ہے لیکن وہ ایسا نہیں کرتے کیونکہ ایسا کرنے سے آج ان کی ضروریات پوری نہیں ہوتیں ۔ آج داعیات کو پورا کرنے کے لئے وہ جو قدم اٹھاتے ہیں اس کی مثال ہندو کالج ہے اور پھر وہ حضرات جو اعتراض کرتے کرتے خود اپنے اعتراض کا ہلکا پن محسوس کرنے لگے ہیں اگر گستاخی تصور نہ کریں تو اپنی معلومات کی بنا پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ نصاب تعلیم بنانے مختلف طریقہ تعلیم چلانے اس کی جزوی ضروریات اور بنیادی عناصر کے متعلق ان کے کیسہ ذہن میں کچھ بھی نہیں ہے ۔ اور اگر وہ معزز افراد قوم اس بارے میں زیادہ دقت نظر کا ثبوت دیتے تو یہ کہنے سے پہلے کہ برادری کے اس ادارے کو برادری کے نوجوانوں کے لئے مخصوص کر کے تجارتی اور صنعتی تعلیم کے لئے وقف کر دو اپنی دلیل اور نقطہ نظر کا ہلکا پن محسوس کر لیتے

کسی بھی شعبہ زندگی میں جانے کے لئے کسی خاص برادری یا خاندان کا فرد ہونا کبھی ضروری نہیں ہوتا ۔ وراثت اور ماحول کے بارے میں آج یورپ کے حکماء اور گروہ فلسفہ کچھ نہ جاننے کے باوجود بہت کچھ معلوم کر چکے ہیں ۔ انسان کا ذہنی رجحان اور طبعی میلان نہ صرف وراثت کا رہین منت ہے ۔ نہ ماحول کا بعض اوقات نوجوان کی مخصوص فطرت اپنے لئے عجیب و غریب راستے نکالتی ہے اور رکاوٹوں کے باوجود ان راستوں کی پیدائش کرتی ہے اور پھر آج کی دنیا میں جب کہ فرسودہ نظام دم توڑ رہا ہے اس قسم کی باتیں کرنا عروج و ترقی کے لئے کارآمد نہیں ہے ۔ تجارتی اور صنعتی اسکول کسی خاص طبقہ کے لئے مخصوص نہیں کئے جا سکتے اور اگر کئے جا سکتے ہیں تو صرف اس طبقہ کے لئے جو تجارتی اور صنعتی ذوق رکھتا ہو ۔ اور وہ طبقہ ضروری نہیں کہ صرف پنجابی نوجوانوں پر مشتمل ہو ۔

آج کے حالات میں ہمیں مل جل کر کام کرنا اور آگے بڑھنا ہے جو ہم دوسروں کے لئے کر سکتے ہیں اس سے دریغ کرنا نہ صرف انسانیت بلکہ آج کے تقاضوں کے خلاف ہے ۔ ہمیں وہ کرنا چاہیئے جو ہمارے گرد و پیش کی دنیا کا تقاضا ہو فطرت کے مطابق عمل کرنا انسان کے لئے باعث ننگ ہے اور بقول علامہ اقبال "فطرت تو بس ہے اور اس کا کام ہے انسانی ذہن کے" ۔ ان حالات میں روڑے اٹکانا ... میں افراد برادری سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ کسی مسئلہ کا حل تلاش کرنے سے پہلے ٹھنڈے دل اور سائنٹیفک نقطہ نظر سے غور کرنے کی عادت ڈالیں ۔ زندگی میں کامیابی کا پہلا اصول ایک متوازن ذہن ہے ۔

ہماری سیاست

آج سے پیشتر ہماری سیاست آسمان کی طرح ساکت و جامد اور آغوش فلاکت میں رہنے والے غریبوں کی ضروریات سے بے خبر تھی لیکن آج وہ آسمان کی بلندیوں سے زمین کی خاک آلود سطح پر لوٹ آئی ہے اور اب اس میں تپش بھی ہے اور حرکت بھی سوز بھی ہے اور زندگی بھی ۔ سیاست دان عوام کو پس پشت ڈال کر ذاتی مفاد کے لئے برٹش شہنشاہیت سے ساز باز کرنے کے قابل نہیں رہا

کیونکہ عوام کے بڑھتے ہوئے سیلاب اور آہنی عزم نے اُن پر واضح کر دیا ہے کہ ہر وہ قدم جو اُن کی خواہشات کے برخلاف اٹھایا جائے گا فضا میں ٹھٹھر جانے سے بیشتر حرکت کے قابل نہیں رہے گا۔ اندھی عقیدت کا دور گزر چکا اب جمہور میں احتسابی شعور اور تنقیدی قوت جاگ گئی ہے۔ وہ آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ دماغ سے سوچتا ہے اس کا انداز اب نتیجہ کی شکل اختیار کر چکا ہے اب نتیجہ جس کے خلاف کوئی چیز ظہور پذیر نہیں ہوتی۔

کیبنٹ مشن کی آمد پر لیڈروں نے جس طرح اظہارِ خیال کیا وہ ایک زندہ قوم اور اس کے رہنماؤں کے شایانِ شان نہ تھا۔ ان کی تشریف آوری کے بعد ملاقات کا لامتناہی سلسلہ اور کشکول گدایانہ لے کر بھیک مانگنے کا جو طریقہ لیڈروں نے اختیار کیا وہ عوام کی فہم سے بالا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ حق مانگا نہیں جاتا حاصل کیا جاتا ہے۔ دوسری طرف سامراج جمہور کے اس جذبہ کو بدلنا چاہتی تھی اس کا اولین مقصد یہ تھا کہ عوام جو ایک دوسرے سے بلحاظ مذہب و ملت مختلف ہونے کے باوجود حصول آزادی کے لئے متحد ہوتے جا رہے ہیں اس اتحاد کو پارہ پارہ کیا جائے چنانچہ انہوں نے مختلف جماعتوں کے لیڈروں کی استقامت اور اخلاقی بلندی کا جائزہ لینے کے بعد ایک منشور شائع کر دیا جس کی ہر سطر میں ایک دام ہمرنگ زمین پوشیدہ اور ہر لفظ میں ایک قفس پنہاں تھا قفس کو آشیانہ سمجھ کر ہر جماعت ہر لیڈر لپکا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس جال میں پھنس گیا جس میں سے نکلنے کی سعی جدوجہد ہو رہی تھی قفس کی فضا میں کبوتر کی منقار اور شاہین کے بازو کا فرق ظاہر ہوا اور بمبئی کے اجلاس میں مسلم لیگ کونسل نے منشورِ غلامی کو ٹھوکر مار کر اس پھندے سے گلو خلاصی کر لی جس کے آخری حلقے میں آج ملک کی سب سے منظم سب سے پرانی سب سے طاقتور اور بقول شخصے حریت پسند جماعت پھنس چکی ہے۔

ایسا کیوں ہوا؟ —— یہ بتانا مورخ کا فرض ہے میں اتنا جانتا ہوں کہ جو کچھ نہ ہونا تھا وہ ہوا اور جواہر و پٹیل جیسے دماغ آج وائسرائے کے تابع فرمان ہو کر کام کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔ یہ ہندو لیڈرشپ اور ہندو عوام دونوں کی شکست ہے مسلم لیگ کے رویہ نے مسلم قوم اور مسلم لیڈرشپ دونوں کو محفوظ رکھا۔ اور آج ملک کا ہر شخص جو اس قسم کی عارضی حکومت کے نتائج سے واقف ہے اس راز کو جانتا ہے —— خواہ اس کا سینہ ان اسرار کا مدفن بن کر رہے۔

ہندو مسلم فساد وہ خفیہ ہتھیار ہے جس کی مدد کی بدولت آج تک برطانوی اقتدار ہندوستان میں موجود رہے اور جب تک ہندوستان کے برہنہ جسم پر سنگ و آہن کی ضربات پڑتی رہیں گی اس کی ذمہ داری ہندو مسلم نااتفاقی پر ہوگی۔

ظاہر ہے کہ ہندو مسلمان اس ملک کو چھوڑ کر باہر نہیں جا سکتے ان کے مفاد ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ روزمرہ کی زندگی میں وہ ایک دوسرے سے کافی قریب رہتے ہیں لیکن اس کے باوجود جب فرقہ وارانہ فساد شروع ہوتے ہیں تو وحشت و بربریت کے ایسے بھیانک مظاہرے ہوتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت کے انسانوں کی تاریخ بھی اس سے خالی ہوگی اور پھر یہ چیز عوام تک ہی محدود ہو کر نہیں رہ جاتی بلکہ صفِ اوّل کے لیڈر اور تمام پریس جو عوام کا رہنما ہونے کا دعویدار ہے اصلی دشمن کو فراموش کر کے ایک دوسرے کو غدار ثابت کرنے میں سارا زورِ قلم صرف کر دیتا ہے۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ ان تخریبی حرکات سے جو کچھ ظہور پذیر ہوگا اس سے دونوں کے دشمن کے ہاتھ مضبوط ہوں گے جو کچھ ضائع ہوگا وہ دونوں کی Common Property اور Common Wealth ہے۔ کلکتہ کے فسادات ہفتہ بھر کی بات نہیں لیکن ہندو پریس اور ہندو لیڈر

اس کا تمام الزام شہید حسن سہروردی وزیر اعظم بنگال اور مسلمانوں کے سر تھوپ رہے تھے لیکن اس وقت بھی اگر کسی نے اولوالعزمی اور ترقی پسندی کا ثبوت دیا وہ مسلم قوم اور شہید حسن سہروردی ہی تھا - انہوں نے کہا اور ببانگ دہل کہا کہ یقیناً برٹش شہنشاہیت اور ہندو سرمایہ دار کا آوردہ ہے - سرمایہ دار خواہ وہ کسی طبقہ سے متعلق ہو کبھی یہ نہیں چاہے گا کہ اس کے دست تصرف سے تجارتی اور صنعتی اجارہ داری نکل کر عوام کی ملکیت ہو جائے -

اور فسادات کے بعد بے گناہ شہریوں کی اپنوں کے ستم سے شکوہ سنج اور ماتم کناں لاشوں کو اٹھانے کا انتظام بھی ان کو ہی کرنا پڑا - اگر مرے ہوئے بھائیوں کو اٹھانے سے پہلے وہ زندہ دوستوں کو سہارا دینے کی کوشش کرتے تو کیا اس سے بہتر نہ ہوتا لیکن کون ہے جو ان باتوں پر غور کرے اور کون ہے جو انہیں یہ باتیں یاد دلائے - لیڈر آج سودے بازی میں مصروف ہیں رہ رہ کر صرف ایک آواز گونجتی ہے اور وہ قائد اعظم کی ہے کہ ——— بامن رہو ہماری لڑائی ہندو عوام سے نہیں بلکہ برٹش شہنشاہیت اور ہندو سرمایہ دار سے ہے - اور تعجب نہیں اگر کچھ عرصے کے بعد اچھوت کی طرح ہندو بھی انہی کی قیادت میں آگے بڑھنے کا عزم کرلے -

اس وقت مسلمان کے سامنے ایک سوال ہے ——— وہ کیا کرے اس کا صرف ایک ہی جواب ہے اور وہ یہ کہ اپنے واحد رہنما قائد اعظم اور واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ کے حکم کی پیروی کرے جو قوم خون دینا جانتی ہے اسے زیادہ گھبرانے اور پریشان ہونے کی کبھی ضرورت لاحق نہیں ہوتی -

برادری کے خطاب یافتہ

آج عوام اور جمہوریت سے وابستگی کا اعلان کرنے والے لوگوں میں سرکار پرست لوگوں کی تعداد دوسرے لوگوں سے کافی زیادہ ہے - مسلم لیگ نے برطانوی خطابات کی واپسی کا فیصلہ کرکے ان پبلک لائف بسر کرنے والے انسانوں کے چہرے سے مکاری کا نقاب نوچنے کی عدیم المثال جرأت کی ہے - پنجابی برادری میں بھی چند خطاب یافتہ لوگ موجود ہیں لیکن پنجابی نوجوانوں کی بے حسی کے پیش نظر میری دانست میں وہ لوگ اپنے خطابات واپس کرنے کے لئے کبھی تیار نہ ہوں گے - میں نہیں چاہتا تھا کہ اس موضوع پر کچھ لکھا جائے لیکن ہندوستان کے ہر گوشے سے جہاں پنجابی برادری کے افراد آباد ہیں ادارہ کے نام ان گنت خطوط اس مقصد کے لئے آئے ہیں کہ ادارہ اس بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرے میں ان خطوط میں سے ایک خط یہاں نقل کرتا ہوں تاکہ برادری کے ان اکابرین کو جن کے دل آج بھی برادری کے عوام کے تاثرات سے واقف ہیں باقاعدہ آگاہی ہو جائے -

سخدمت گرامی ایڈیٹر صاحب

اسلام علیکم - آج برادری کے ہر شعبۂ زندگی پر خطاب یافتہ بزرگوں کا قبضہ ہے لیکن مسلم لیگ کے فیصلے کے بعد مری دانست میں

لے پنجابی برادری کے افراد نے جس طرح کلکتہ میں عوام کی مدد کی ہے وہ قابل ستائش ہے اور بے گور و کفن لاشوں کو اٹھانے میں بیگم عبدالرزاق نے جس انہماک کا اظہار کیا ہے وہ ان کے بلند کیریکٹر اور بے پناہ جذبۂ خلق کا باعث ہوا ہے ایسی خاتون واقعی پنجابی برادری کے لئے باعث ناز و افتخار رہے اور ہمیں فخر ہے کہ اس وقت جب کہ پنجابی برادری کے طبقۂ نسواں میں تعلیم کم ہے - برادری نے ایسی نیک خاتون کو جنم دیا - منظور

جو لوگ خطابات چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوں گے جن کا مقصد حیات برٹش شہنشاہیت کی خوشنودی ہے میں سمجھتی ہوں کہ ہماری برادری کے اس طبقے میں اخلاقی جرأت موجود نہیں ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ایسے لوگوں کو جو کاروباری بہانے اور اولاد کے مستقبل کی آڑ لے کر ملک کے اس فیصلے کو ٹھکرا دیں۔ یہ قدم اٹھانے پر مجبور نہ کریں بلکہ جس طرح ممکن ہو اُن کی پبلک لائف ختم کر دیں اور تمام ادارے (خاص برادری سے متعلق) جن کی بدولت آج انہوں نے گورنمنٹ کے علاوہ سادہ دل لوگوں کو عقیدت مند بنایا ہے اُن کے لئے بند کر دیئے جائیں۔ آج نہیں تو کل ہمیں ان ذمہ داریوں کو اٹھانا ہے کیوں نہ ہم آج پنجابی برادری کی عزت کے تحفظ کے لئے آگے بڑھیں۔

خیر طلب فریدہ عارف

بقیہ اشارات

اتنی بڑی دنیا میں بغیر ساتھی کے اس کی زندگی بے کیف اور ایک ٹمٹماتا ہوا چراغ ہی تو ہے جسے کھلی ہواؤں کے تھپیڑوں کے درمیان جلا کر رکھ دیا گیا ہو۔ قسمت میں ایک ساتھی عطا کرتی ہے، دکھ سکھ کا ساتھی شادی و غمی کا شریک، رفیق زندگی! مونس غمخوار — ہمدرد اور دوست، ناکامیوں میں ہمت بڑھانے والا، الجھ کر گر پڑنے پر سہارا دینے والا، آنسو پونچھنے والا۔ تھپکنے والا۔ دلاسا دینے والا، اپنے ساتھی کی سچی قدر کیجئے، اس کو سر آنکھوں پر بٹھایئے، دل میں جگہ دیجئے۔ دیکھیئے آپ کا کوئی راز اس کے لئے اور اس کی کوئی بات آپ کے لئے بھید نہ رہنے پائے۔ آپ دونوں عہد کیجئے کہ ساتھ جئیں گے اور سنگ سنگ مریں گے۔ اس طرح آپ میں ایک نئی قوت پیدا ہو جائے گی۔ اور اب ہاتھوں میں ہاتھ دے کر زندگی کی شاہراہ پر بڑھیئے۔ راہ کے کانٹے بھی پھول بن جائیں گے۔

آمدہ شمارہ

بلحاظ مضامین ایک خاص اہمیت کا حامل ہوگا اس شمارہ کیلئے پنجابی برادری کے پانچ افراد عمر الٰہی سلطان احمد۔ منظور احمد۔ مونس شبیر۔ اور مسرت کلام

(پنجابی برادری کے نقائص اور ان کا حل)

کے عنوان پر مفصل مضامین لکھ رہے ہیں۔

ادارہ کی جانب سے اول مضمون کے لئے مبلغ پچیس ۲۵ روپے اور دوسرے مضمون کے لئے مبلغ پندرہ ۱۵ روپیہ کی کتابیں پیش کی جائیں گی۔

منصف کے فرائض انجمن وکیل قوم کے صدر اعلیٰ جناب شیخ محمد صدیق صاحب ملتانی کو تفویض کئے گئے ہیں۔

(منیجر)

لہ خط کا متعلقہ حصہ نقل کیا گیا ہے (منتظمہ)

سلطان محمد

اشارات

ہمارے ماحول میں روز کتنے ہی گھر بستے ہیں اور ٹوٹتے ہیں۔ شادیاں ہوتی ہیں اور بدمزگی کے ساتھ ختم ہو جاتی ہیں۔ نکاح پڑھے جاتے ہیں اور فسخ ہو جاتے ہیں اور اس قدر خاموشی کے ساتھ، جیسے یہ کوئی ایک روز مرہ کا کاروبار ہو۔

اخبار اٹھا کر دیکھئے اس قسم کے واقعات سے پُر نظر آئیں گے — گلوں میں رسّی کے پھندے ڈال کر، زہر کے پیالے ہونٹوں سے لگا کر اور ریل کی پٹڑیوں پر لیٹ کر روز بیسیوں مایوس نوجوان اپنی خوشی موت کو گلے لگاتے ہیں۔ گھٹ گھٹ کر، سسک سسک کر اور خون تھوک تھوک کر روز بیسیوں نامراد لڑکیاں زندگی کو خیرباد کہہ دیتی ہیں — آخر کیوں؟ —
کیا زندگی اتنی سستی اور غیر ضروری چیز ہے؟ — نہیں۔ عدالت کی مسلیں، نان و نفقہ کے دعووں اور طلاق کے فیصلوں سے پٹی پڑی ہیں۔ کیا یہ سب دعوے محض جھوٹ ہیں؟ — نہیں! دراصل ان تمام واقعات کے پس پشت گھروں کی بدمزگیاں اور ناچاقیاں کام کرتی ہیں جو گھروں کو جہنم اور زندگیوں کو عذاب بنا دیتی ہیں اور انہیں روز روز کے جھنجٹوں سے تنگ آ کر جذباتی لڑکے اور لڑکیاں اپنی زندگیاں خود اپنے ہاتھوں ختم کر لیتی ہیں۔ ہمارے گھروں کی بنیادیں ریت کی دیواروں پر قائم ہوتی ہیں۔ ہوا کے ذرا ہی تھپیڑوں سے یہ کچے گھروندے دھم دھم کئے زمین پر آ رہتے ہیں۔ ان سے زیادہ پائیدار تو چڑیوں کے گھونسلے بھی ہوتے ہیں۔ تنکوں اور گھاس کا ایک مٹھی ڈھیر — مگر کیا پُر امن —!

شادی ہوئی — ایک عورت اور ایک مرد — ایک دوسرے کے لئے اجنبی اور بے جانے بوجھے۔ کچھ دن تو جیسے تیسے چلتا مگر جوں جوں شرم کھلتی جاتی ہے طبیعتوں کے فرق رنگ لانے لگتے ہیں۔ معمولی معمولی باتیں بڑے بڑے جھگڑوں کی صورت اختیار کرنے لگتی ہیں اور ایک دن آتا ہے جب کہ وہ دونوں محسوس کرتے ہیں کہ اب ان کے لئے دو ہی صورتیں باقی رہ گئی ہیں — طلاق — یا خودکشی۔ آہ ایک پُر مسرت ابتدا کا کیا حسرتناک انجام!

دراصل اس کا سبب طریقۂ فکر ہے جو ہم اس باب میں اختیار کرتے ہیں۔ ہمارے دماغوں میں ایک دوسرے کے متعلق کچھ عجیب خیالات ہوتے ہیں۔ مرد کو سمجھایا جاتا ہے کہ بیوی صرف اس لئے ہوتی ہے کہ وہ تمہاری نفسانی خواہشات پوری کرے اور تمہارے بچے جنے — عورت کو بتایا جاتا ہے کہ شوہر کا کام کمانا اور تمہیں کھلانا ہے اور بس —! آپ ہی بتائیے کہ یہ دونوں جب اس سے آگے سوچ ہی نہ پائیں گے تو ان سے کیا نیک توقعات کی جا سکتی ہیں؟ اگر ان سماجی برائیوں کا سدباب کرنا ہے تو ہمیں اپنے بچوں اور آئندہ نسلوں کے طریقۂ فکر کو بدلنا ہوگا۔ ان کو سمجھانا ہوگا کہ عورت اور مرد کا تعلق صرف جنسی ہی نہیں قلبی اور روحانی بھی ہونا چاہئے۔

ــ دنیا بہت وسیع ہے اور بڑی پُر پیچ۔ یہاں انسان پر طرح طرح کی کیفیتیں گذرتی ہیں۔ خوشی، رنج، دکھ، سکھ، کامیابی، ناامیدی، آنسو، قہقہے، ٹھوکریں، بھوک، خودداری، زندگی اور موت —! یوں تو انسان اکیلا آیا ہے اور تنہا ہی جائے گا

(بقیہ صفحہ ۱۵

انجمن وکیل قوم پنجابیان دہلی

دہلی کی پنجابی برادری کی وہ سب سے بڑی تنظیم ہے جو اپنے آغازِ قیام (۱۹۰۶ء) سے قوم کی غریب لاوارث اور ضعیف خواتین اور بے روزگار مردوں کی ہزاروں روپیہ سالانہ کی صورت میں امداد و اعانت اور قوم کے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں اصلاحی جدوجہد کرتی رہی ہے۔ انجمن کے زیر اہتمام قومی قبرستان کا انتظام قائم ہے جہاں قومی افراد کو ہر قسم کی سہولیت اور غریب افراد قوم کو مفت آسانیاں فراہم کی جاتی رہی ہیں۔ اس قومی مجلس نے ۱۹۰۷ء میں قوم سے جہالت دور کرنے کا عزم کیا اور "**پنجابی اسکول**" کے نام سے ایک ابتدائی مدرسہ کی بنیاد ڈالی جس نے گذشتہ برسوں میں مڈل اور پھر ہائر سکنڈری اسکول کے درجات تک ترقی کی اور جو آج اپنی دو لاکھ روپے سے زیادہ کی شاندار عمارت میں سرگرم عمل ہے۔ اس اسکول اس کی شاخوں اور انجمن کے جدید بنا کردہ پنجابی گرلز اسکول میں اس وقت ایک ہزار لڑکے اور لڑکیاں زیر تعلیم ہیں۔ انجمن نہ صرف ابتدائی درجات سے ہائر سیکنڈری تک قوم کے غیر مستطیع طلباء اور قومی بچیوں کے ابتدائی مدرسہ کی غیر مستطیع طالبات کی تعلیم اور کتب درسیہ کی صورت میں امداد کرتی رہی ہے بلکہ انجمن کے مقاصد میں فارغ التحصیل طلباء قوم کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے میں ان کی اعانت بھی داخل ہے اور انجمن نے بیشتر ہونہاران قوم کو اعلیٰ تعلیم دلائی اور وہ آج ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔ انجمن وکیل قوم پنجابیان صرف اپنے شعبہ تعلیم پر آج ۲۵ ہزار روپیہ سالانہ خرچ کر رہی ہے۔

عمر الٰہی

حکیم الامت

ابلیس کی مجلسِ شوریٰ

ابلیس

یہ عناصر کا پرانا کھیل! یہ دنیائے دوں!
ساکنانِ عرشِ اعظم کی تمناؤں کا خوں!
اس کی بربادی پہ آج آمادہ ہے وہ کارساز
جس نے اس کا نام رکھا تھا جہانِ کاف و نوں
میں نے دکھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب
میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسوں
میں نے ناداروں کو سکھلایا سبق تقدیر کا
میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں
کون کر سکتا ہے اس کی آتشِ سوزاں کو سرد
جس کے ہنگاموں میں ہو ابلیس کا سوزِ دروں

جس کی شاخیں ہوں ہماری آبیاری سے بلند
کون کر سکتا ہے اس نخلِ کہن کو سرنگوں؟

پہلا مشیر

اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابلیسی نظام
پختہ تر اس سے ہوئے خوئے غلامی میں عوام
ہے ازل سے ان غریبوں کے مقدر میں سجود
ان کی فطرت کا تقاضا ہے نمازِ بے قیام
آرزو اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
ہو کہیں پیدا تو مر جاتی ہے یا رہتی ہے خام!
یہ ہماری سعیِ پیہم کی کرامت ہے کہ آج
صوفی و مُلّا ملوکیت کے بندے ہیں تمام
طبعِ مشرق کے لئے موزوں یہی افیون تھی
ورنہ "قوالی" سے کچھ کمتر نہیں "علمِ کلام"
ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا
کند ہو کر رہ گئی مومن کی تیغِ بے نیام!

کس کی نومیدی پہ حجت ہے یہ فرمانِ جدید
"ہے جہاد اس دور میں مردِ مسلماں پر حرام"

دوسرا مشیر

خیر ہے سلطانیِ جمہور کا غوغا کہ شر؟
تو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے باخبر!

خاص نمبر ماہنامہ پنجابی ...

پہلا مشیر

ہوں مگر میری جہاں بینی بتاتی ہے مجھے
جو ملوکیت کا اک پردہ ہو، کیا اس سے خطر
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر
کاروبارِ شہریاری کی حقیقت اور ہے
یہ وجودِ میر و سلطاں پر نہیں ہے منحصر
مجلسِ ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو
ہے وہ سلطاں، غیر کی کھیتی پہ ہو جس کی نظر
تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام؟
چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک تر

تیسرا مشیر

روحِ سلطانی رہے باقی تو پھر کیا اضطراب
ہے مگر کیا اس یہودی کی شرارت کا جواب؟
وہ کلیمِ بے تجلی! وہ مسیحِ بے صلیب!
نیست پیغمبر و لیکن در بغل دارد کتاب!
کیا بتاؤں کیا ہے کافر کی نگاہِ پردہ سوز
مشرق و مغرب کی قوموں کے لیے روزِ حساب

اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا طبیعت کا فساد
توڑ دی بندوں نے آقاؤں کے خیموں کی طناب

چوتھا مشیر

توڑ اس کا رومۃ الکبریٰ کے ایوانوں میں دیکھ
آلِ سیزر کو دکھایا ہم نے پھر سیزر کا خواب
کون بحرِ روم کی موجوں سے ہے لپٹا ہوا
گاہ بالد چوں صنوبر، گاہ نالد چوں رباب

تیسرا مشیر

میں تو اس کی عاقبت بینی کا کچھ قائل نہیں
جس نے افرنگی سیاست کو کیا یوں بے حجاب

پانچواں مشیر (ابلیس کو مخاطب کرکے)

اے ترے سوزِ نفس سے کارِ عالم استوار
تو نے جب چاہا کیا ہر پردگی کو آشکار
آب و گل تیری حرارت سے جہانِ سوز و ساز
ابلہِ جنت تری تعلیم سے دانائے کار
تجھ سے بڑھ کر فطرتِ آدم کا وہ محرم نہیں
سادہ دل بندوں میں جو مشہور ہے پروردگار
کام تھا جن کا فقط تقدیس و تسبیح و طواف
تیری غیرت سے ابد تک سرنگون و شرمسار

گرچہ ہیں تیرے مرید افرنگ کے ساحر تمام
اب مجھے ان کی فراست پر نہیں ہے اعتبار
وہ یہودی فتنہ گر وہ روحِ مزدک کا بروز
ہر قبا ہونے کو ہے اس کے جنوں سے تار تار
زاغِ دشتی ہو رہا ہے ہمسرِ شاہین و چرغ
کتنی سرعت سے بدلتا ہے مزاجِ روزگار!
چھا گئی آشفتہ ہو کر وسعتِ افلاک پر
جس کو نادانی سے ہم سمجھے تھے اک مشتِ غبار
فتنۂ فردا کی ہیبت کا یہ عالم ہے کہ آج
کانپتے ہیں کوہسار و مرغزار و جوئبار
میرے آقا وہ جہاں زیر و زبر ہونے کو ہے
جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

ابلیس ——— (اپنے مشیروں سے)

ہے مرے دستِ تصرف میں جہانِ رنگ و بو
کیا زمیں کیا مہر و مہ کیا آسمانِ تو بتو
دیکھ لیں گے اپنی آنکھوں سے تماشا غرب و شرق
میں نے جب گرما دیا اقوامِ یورپ کا لہو!
کیا امامانِ سیاست، کیا کلیسا کے شیوخ
سب کو دیوانہ بنا سکتی ہے میری ایک ہو
کارگاہِ شیشہ جو ناداں سمجھتا ہے اسے
توڑ کر دیکھے تو اس تہذیب کے جام و سبو
دستِ فطرت نے کیا ہے جن گریبانوں کو چاک
مزدکی منطق کی سوزن سے نہیں ہوتے رفو
کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد
یہ پریشاں روزگار، آشفتہ مغز، آشفتہ ہو
ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشکِ سحر گاہی سے جو ظالم وضو
جانتا ہے جس پہ روشن باطنِ ایام ہے
مزدکیت فتنۂ فردا نہیں اسلام ہے

——— ۲ ———

جانتا ہوں میں یہ امت حاملِ قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں
جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں
بے یدِ بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں
عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں

ۓ الحذر آئینِ پیغمبر سے سو بار الحذر
حافظِ ناموسِ زن، مرد آزما، مرد آفریں
موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لئے
نے کوئی فغفور و خاقاں، نے فقیرِ رہ نشیں
کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک صاف
منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
پادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمیں
چشمِ عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب
یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محرومِ یقیں
ہے یہی بہتر الہیات میں الجھا رہے
یہ کتاب اللہ کی تاویلات میں الجھا رہے

۳

توڑ ڈالیں جس کی تکبیریں طلسمِ شش جہات
ہو نہ روشن اس خدا اندیش کی تاریک رات
ابنِ مریم مر گیا یا زندۂ جاوید ہے؟
ہیں صفاتِ ذاتِ حق، حق سے جدا یا عینِ ذات؟
آنے والے سے مسیحِ ناصری مقصود ہے
یا مجدد جس میں ہوں فرزندِ مریم کے صفات؟
ہیں کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم
امتِ مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات
کیا مسلماں کے لئے کافی نہیں اس دور میں
یہ الہیات کے ترشے ہوئے لات و منات
تم اسے بیگانہ رکھو عالمِ کردار سے
تا بساطِ زندگی میں اس کے سب مہرے ہوں مات
خیر اسی میں ہے قیامت تک رہے مومن غلام
چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہانِ بے ثبات
ہے وہی شعر و تصوف اس کے حق میں خوب تر
جو چھپا دے اس کی آنکھوں سے تماشائے حیات
ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات

مست رکھو ذکر و فکرِ صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے

فرار

منظور احمد

دوستا رہے
آسماں کی وسعتیں ہیں بے کراں
لرزاں، لرزاں، ترساں، ترساں اور پھر انجام کیا؟"
عشق کو انجام سے نسبت نہیں
ہے یہ اس سے ماورا
یہ گروہ فلسفہ یہ رہنما
زندگی کے راز سربستہ کو حل کرتے نہیں
سوچتے ہیں بے کراں
تاکہ جا پہنچیں کسی انجام تک
سوچنے کی ہم کو اب فرصت کہاں
چل پڑے ایک راہ پر
رک نہیں سکتے پلٹ سکتے نہیں
یہ ہے عزم آخری
آرزوؤں اور امیدوں کا ملاپ
رشتہ نازک سہی پائندہ ہے
انجم مایوس آنسو پونچھ دے
کیوں ہے اتنی بے قرار؟"
"اپنی منزل پر پہنچنا ایکدم ممکن نہیں"
"لیکن منزل ایکدم آتی ہے کب
انجم بے باک کیوں ہے اسقدر سہمی ہوئی
یہ نظام دہر یہ ذاتی قیود
ایک زمانہ تھا کہ جس کے ہیں نقوش
بے بسی جمہور کا انعام تھی
آج پھر انسانیت کو ہے فروغ
طلب حق کی آرزو ہے ناشکیب
پھر بھی ہے تو اسقدر سہمی ہوئی
تجھے یقینی عقل کا انجام ہے۔

پول انجم پکچر ٹرنل
۱۴

خاص نمبر ماہنامہ پنجاب گزٹ ۱۹۳۷ء

خاص نمبر ماہنامہ [illegible]

جعفری

دفتر کے ملازم کا ترانہ

رہنے کو گو نہیں ہے لاہور میں سہارا | چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا
رہتے ہیں اس مکاں میں چھت جس کی آسماں ہے | خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا
دفتر دیا ہے ہم کو چھین اور جھپٹ کر لیا | ہم پاسباں ہیں اس کے وہ پاسباں ہمارا
جن کو مکاں ملے تھے کہتے تھے ان سے جو ہے | آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

منظور

تبدیلی

(۱)

شاعر کا تخیل نہیں پابند سلاسل | ادراک کا طائر کہیں آتا ہے نہ دام
ہر لحظہ نیا طور نئی برق تجلی | تبدیلی افکار زمانہ کا رہا کام

۲

[illegible] گل و عارض بھی ہم نے دیکھی ہے | کسی کا خون تمنا شفق میں ہے مستور
[illegible] دل مفلس کا تدبیاں عجب | نظام دولت و حشمت کا یہ نہیں دستور

دہلی کی پنجابی برادری

مختصر تاریخ

انشا

پروفیسر محمد عاقل ایم اے

[illegible]

پروفیسر محمد عاقل ایم اے (علیگ) استاد معاشیات
جامعہ ملیہ اسلامیہ ہندوستان کے مختلف شہروں میں
آباد مختلف برادریوں کے حالات قلمبند فرما رہے ہیں اور اس
عنوان پر ایک کتاب مرتب فرمانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔
گذشتہ دو سال سے ہمارے رسالہ جامعہ میں اسی عنوان پر مضامین
طبع ہوتے رہے ہیں اور تقریباً درجن بھر برادریوں کے حالات
شائع ہو چکے ہیں۔ یہ سلسلہ رسالہ جامعہ میں برابر جاری ہے۔ ہم
انتہائی شکر گزار ہیں کہ پروفیسر محمد عاقل نے ہماری درخواست پر
دہلی کی پنجابی برادری کے عنوان پر اپنا بیش بہا مقالہ ہمیں شائع
کرنے کی اجازت دی۔

(منظور احمد)

برادری کی تاریخ

برادری کے بارے میں مقررہ سوال نامے کے مطابق عبدالٰہی صاحب جامی اور ان کے چھوٹے بھائی محمد عبدالالٰہی صاحب جامی کے ذریعہ حالات معلوم کئے گئے۔ یہ دونوں بھائی صدر بازار میں فضل الٰہی محبوب الٰہی سوت والوں کی دوکان اور یہ۔ اسے فمیتن اینڈ کمپنی کے سوت گولے کے کارخانے کو نہایت کامیابی کے ساتھ چلا رہے ہیں۔ پنجابی برادری کی سب سے بڑی تنظیم انجمن وکیل قوم پنجابیان کے نہایت سرگرم عہدہ دار ہیں۔ یہ جائزہ اپریل [illegible] میں لیا گیا تھا اور [illegible] میں اس پر نظرثانی کی گئی تھی۔

(اے) برادری کی تاریخ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ اس برادری کے لوگ ضلعی پنجاب میں خوشاب کے مقام پر آباد تھے تجارت ان کا پیشہ تھا یہ ہندو تھے اور اروڑہ کھتری کہلاتے تھے۔ "چاولے" "نہ لیجے" "مہندی رتے" کے ناموں سے دلی کی پنجابی برادری میں بہت سے خاندان معروف ہیں۔ خوشاب کے "اروڑے کھتری" آج بھی ان گوتوں (اور ناموں) سے موسوم ہیں۔ ۱۴ ویں صدی ہجری (چودھویں صدی عیسوی) میں آج سے چھ سو سال قبل تقریباً تین سو زن و مرد اور بچے گنگا اشنان کے ارادے سے یہاں آئے اور حضرت شاہ نصیر الدین روشن چراغ دلی کے خلیفہ سوم حضرت شاہ شمس الدین رحمۃ علیہ کے دست مبارک پر مشرف باسلام ہوئے۔ حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد دہلی ہی میں مستقلاً آباد ہو گئے اور اس تاریخی شہر کو اپنا مرکز بنا کر دہلی میں اور بیرون دلی سے تجارت کرنے لگے۔

(بی) لیکن برادری کی کسی مستند تاریخ کا پتہ نہیں چلتا۔ نہ اس کی تحقیقات ہمارا اصل موضوع ہے۔ ہمارے لئے اس قدر کہنا کافی ہے کہ یہ ایک نومسلم برادری ہے اور مذہب اسلام کے ساتھ دلی تعلق رکھتی ہے اور اس کی بقا اور ترقی کے لئے برابر کوشش کرتی رہتی ہے

ہندوستان کے مختلف شہروں میں آبادی کی تقسیم

اس برادری کے افراد سب سے زیادہ دہلی میں ہیں اس کے بعد دوسرا مرکز کلکتہ ہے جہاں زیادہ تر دہلی ہی کے لوگ تجارت کرنے گئے ہوئے ہیں۔ دوسرے صوبوں میں زیادہ تر آبادی یوپی میں ہے۔ جہاں یہ لوگ میرٹھ، بریلی، مرادآباد، ہاپڑ، امروہہ، سہارنپور، آگرہ، بنارس، علیگڈھ، کانپور اور لکھنؤ میں ہیں۔ آنولہ میں بھی بڑے بڑے لوگ ہیں پنجاب میں انبالہ اور لدھیانہ میں ہیں جہاں رہتے ہیں وہیں کے پنجابیوں سے تعلقات ہوتے ہیں۔ البتہ دہلی والوں کا ہاپوڑ اور میرٹھ کے لوگوں سے تعلق ہے۔

دہلی کے مختلف محلوں میں تقسیم

دہلی میں ان کی کل آبادی تقریباً پندرہ ہزار ہے۔ کچھ محلے پورے کے پورے ان کے ہیں اور کچھ میں ان کی اکثریت ہے۔ غدر سے پہلے بتلیوں والی گلی اور کوچہ میں رہتے تھے وہیں سے بعد میں سارے دہلی میں پھیل گئے جو محلے سارے کے سارے ان کے ہیں وہ یہ ہیں:—

(۱) پھاٹک حبش خاں (۲) حویلی حسام الدین حیدر (۳) احاطہ کالے صاحب (۴) محلہ کشن گنج (۵) باغیچی اچھے جی۔

پنجابی [illegible] حسب ذیل ذیلی محلے ہیں۔

(الف) [illegible] (ب) [illegible] (ج) زنگ محل (د) طوطا میدہ (ک) بارہ دری لال (ل) حقہ عبدالرزاق

ماخذ: [illegible] پنجابی گزٹ ۱۹۴۰ء

م (جیسے محلہ کھاری دفندان) گلی لنگ والی، گلی محمد ذکریا (ف) گلی ایپا والی (۵) گلی باتروالی (ی) گلی کاٹنا دروالی۔
محلوں میں ان کی اکثریت ہے وہ یہ ہیں۔ ۱۔ شیش محل (۲) لوب گنج ۳ نیا محل ۴ پیر کا ملا ہاتا ۵ بازو منہیلاک۔
۶ فیض گنج ۷ حوض گنج۔

انہ منہیلاک میں ان کے حسب ذیل محلے ہیں۔ (الف) باغیچی الشیوری پرشاد (ب) کی گلی (ج) کوٹھی میم (د) پنچ مل کا احاطہ کنارہ۔

ان سب محلوں میں جن مکانات میں رہتے ہیں وہ یا تو اپنی ذاتی ملکیت ہیں یا اپنے کسی دوسرے بھائی کے ہیں اور یہ کرایہ پر ہیں کسی غیر برادری کے مکان میں غالباً کوئی نہیں رہتا۔ عقیدہ کے لحاظ سے زیادہ تر حنفی مسلمان ہیں۔ کچھ اہل حدیث بھی ہیں۔

پیشے اور کام } یہ تجارت پیشہ قوم ہے اور شروع زمانے سے تجارت کرتی چلی آرہی ہے۔ اب ان کے یہاں ڈاکٹر بھی ہوگئے ہیں۔ وکیل بھی ہیں۔ گورنمنٹ سروس میں بھی آگئے ہیں لیکن آئی سی ایس اور پی سی ایس میں ابھی تک کوئی نہیں ہے۔ امپیریل ایجوکیشنل سروس میں بھی تھے لیکن اب ریٹائر ہوگئے ہیں۔ سکریٹریٹ میں سپرنٹنڈنٹ دونوں سروسوں میں ہیں۔ ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں بھی ہیں اور میونسپلٹی میں بھی۔ جائداد کی آمدنی پر بھی بہت سے لوگ گذر کرتے ہیں۔ یہ لوگ فوج میں بھی ممتاز عہدوں پر ہیں۔

تجارت کے کام میں لوگ حسب ذیل طریقہ پر لگے ہوئے ہیں۔

بساط خانے کے کام میں:- اس میں کنگھی، کنگھا، ٹوتھ پیسٹ، ٹوتھ پاؤڈر، ٹوتھ برش، چاقو، تالہ، اسٹیشنری، خوشبویات، سیلین کریم، سنگار کا دوسرا سامان، تاش، شیونگ کا سامان، بلیڈز، ہر قسم کے بٹن، ریل، سوئی، کروشیا، بننے کی سلائیاں شامل ہیں۔ ان کے علاوہ جو چیز بھی فروخت کے قابل مل جائے اسے بیچنا شروع کر دیتے ہیں۔ دہلی میں بساط خانے کا جتنا کام ہوتا ہے اس کا پچھتر فی صدی حصہ اس برادری کے لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ اس سے پہلے سو فی صدی کام اس برادری کے ہاتھ میں تھا لیکن اب وہ کل اور دوسری برادریوں کے لوگوں کے ہاتھوں میں چلا گیا ہے۔

(۲) ہوزری کے کام میں:- اس میں صدریاں، بنیان، رومال، دستانے، اور جرابیں شامل ہیں۔ یہ کام پچیس فی صدی اس برادری کے پاس ہے، سوائے ایک ہوزری بنگ مل کے باقی تمام کارخانے چونکہ ہندوؤں کے ہاتھ میں ہیں اس لئے وہ اپنا مال دوکانداروں کو دیتے ہیں یا خود قائم کر لیتے ہیں اس کے باوجود دکانیں پچاس فی صدی مسلمانوں کی ہیں لیکن اس تجارت میں ان کا تناسب بصورت مجموعی پچیس فی صدی ہی سمجھنا چاہیئے۔ پہلے جب مال جاپان سے آتا تھا تو اس برادری کے لوگوں کا تناسب اس تجارت میں پچھتر فی صدی کے قریب تھا۔

(۳) ادھیٹی کے کام میں:- اس میں شیشہ، چینی، تمام چینی کے برتن، چمچے، کانٹے، چھری، لالٹین، اسپرٹ لیمپ، اسٹوو، آئس کریم کی مشین اور دوسری گھریلو مشینیں شامل ہیں، یہ کام سو فی صدی اسی برادری کے ہاتھ میں ہے مگر یہ مال ہندوؤں کے کارخانے کے ہیں۔ البتہ ایک کارخانہ مشین آئل کے نام سے اسی برادری کے ہاتھ میں ہے۔

[illegible] کی کام کے سامان میں:- اس میں لباس کے ساتھ، بوٹ، جاکٹ، کمیس، جام، پتلون، فرنٹ، گیلی اسکریٹ [illegible]

قاس پنجر ما منتظمہ بچوں [illegible]

وغیرہ شامل ہیں۔ یہ کام پچھتر فی صدی اس برادری کے ہاتھ میں ہے۔ کشمیری دروازے اور کناٹ پلیس کے متعدد دکاندار بھی چلنے والی چیزیں صدر بازار ہی سے لیتے ہیں۔ یہ کام پہلے بھی پچھتر فی صدی اسی برادری کے ہاتھ میں تھا۔ ایک فیکٹری پیرا ڈائز سکٹ فیکٹری کے نام سے برادری کے ایک شخص کی ہے۔ اور کاٹیج انڈسٹری کے طور پر عام حیلی وغیرہ کے بہت سے کارخانے ہیں۔

۵۔ سوت گولے کے کام میں:- یعنی سوت کا ریل اور پھرکی بنانا جو سلائی کی مشین وغیرہ میں کام آتا ہے اسی میں مرسرائز کیا ہوا کڑھائی بنائی کا گولہ بھی شامل ہے۔ یہ کام اس برادری کے پاس پچھتر فی صدی ہے۔ اس کام کے بارے میں ایک نہایت اچھا مضمون "دہلی کی سوت گولے کی صنعت" کے عنوان سے ماہنامہ "پنجابی گزٹ" دہلی بابت نومبر ۱۹۶۱ء میں محمد عمر الٰہی صاحب نے اپنی ذاتی واقفیت تجربہ اور تحقیقات کی بنا پر شائع کیا ہے۔ اس مضمون میں انہوں نے بتلایا ہے کہ سوت کا گولہ پہلے انگلستان سے آیا کرتا تھا۔ ہندوستان میں سوت گولہ بنانے کا کام سب سے پہلے بیسویں صدی کے آغاز میں دہلی کی پنجابی مسلمان برادری نے شروع کیا اور جنگ عظیم اول کے زمانے میں اس کام سے انہوں نے خوب نفع حاصل کیا۔ بعد میں ہندو برادران وطن بھی اس صنعت میں شریک ہو گئے لیکن ابھی تک اس کا پچھتر فی صدی کام پنجابی برادری ہی کے ہاتھ میں ہے۔ یہ کام ابتداءً کاٹیج انڈسٹری کے طور پر شروع کیا گیا تھا لیکن جنگ عظیم اول کے بعد سے اس نے اچھے خاصے کارخانوں کی صورت اختیار کر لی ہے۔ پہلے دہلی کے کارخانے والے موٹا سوت ہندوستان سے اور باریک سوت انگلستان سے حاصل کیا کرتے تھے لیکن ۱۹۳۰ء میں انگریزوں اور ہندوستانیوں کی مشترک ملکیت میں کوہ نور مل بمبئی کے قائم ہو جانے کے بعد باریک سوت بھی ہندوستان ہی سے حاصل کیا جانے لگا۔

عمر الٰہی صاحب کا بیان ہے کہ انگلستان کے سوت گولے ریل پھرکی بنانے والے کارخانوں کو جب ہندوستان کی مارکیٹ میں شکست ہوئی تو انہوں نے ایک منظم اسکیم کے مطابق ۱۹۳۶ء میں دہلی اور بمبئی میں اپنے دو کارخانے جمنا تھریڈ مل کے نام سے قائم کئے اور ان میں وہی اقسام بنانی شروع کیں جو دہلی کے کارخانے بنا رہے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کارخانوں کے لئے چودہ لاکھ روپیہ مخصوص کیا گیا تھا جب کہ دہلی کے تمام چھوٹے بڑے کارخانوں کا کام میں آنے والا سرمایہ (ورکنگ کیپٹل) قبل از جنگ بمشکل اس کے برابر تھا لیکن چونکہ اس انگلستانی کارخانے کا قیام ایک انتہائی انتشار کے دور میں ہوا تھا اس لئے دہلی کی صنعت پر یہ ابتدا میں اثر انداز نہ ہو سکا"۔

"۱۹۳۹ء کی جنگ عظیم ثانی نہ صرف دہلی کے بڑے بلکہ گرتے ہوئے متوسط درجے کے کارخانوں کے لئے امید اور زندگی کا پیغام لے کر آئی سوت کی سپلائی کے سب سے بڑے مرکز کوہ نور مل کے مال کا بیشتر حصہ جنگی ضروریات کے لئے مخصوص ہو گیا۔ سوت بمشکل اور کمی کے ساتھ دستیاب ہونے لگا۔ اس کمی کے سبب مسلسل قیمتیں بڑھ گئیں۔ کمیابی کے اس دور میں جمنا تھریڈ مل کے انگریزی کارخانے نے جس کی شاخیں دہلی اور بمبئی میں قائم تھیں خوب ہاتھ پیر پھیلائے انہوں نے اپنے خاص اثر و رسوخ سے کوہ نور مل سے زیادہ سے زیادہ سہولت حاصل کی۔ مسٹر جینکز بمبئی کے ایک دوسرے مل کو بھی اپنے سرمایہ کی قوت پر اپنے لئے اچھے قسم کا سوت بنانے کے لئے تیار کیا اور اپنے کارخانے کی پیداوار بڑھاتا چلا گیا۔ دہلی کے سوت گولے کے کارخانے دار اس بات پر مگن رہے کہ ان کی پیداوار کم ہو رہی ہے تو پرواہ نہیں نفع تو کافی ہو جاتا ہے۔ اس غفلت سے اس انگریزی کارخانے نے بڑا فائدہ اٹھایا اور نسبتاً ان سے کچھ کم نرخ پر ہندوستان کی ہر چھوٹی بڑی منڈی میں اپنا مال پھیلا دیا اور چھا گیا۔ اس عرصے میں ایکمی تھریڈ مل لمیٹڈ کے نام سے بمبئی میں ایک اور انگریزی کارخانہ قائم ہوا اور ۱۹۴۲ء سے

[illegible] میں: تیل صاف کرنے کے کارخانے، ادویات کے دو بڑے کارخانے جس میں نہ صرف [illegible] تک فارل کی گولیاں تیار ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک فرم کے مالک پنجابی محمد نصیر الدین صاحب ہیں جو علم کیمیا سے غیر معمولی شغف رکھتے ہیں اور سماجی کاموں کے اور تعلیمی کاموں کے لئے فیاضی کے ساتھ روپیہ دیتے ہیں۔

برادری کا کام اور اس کی انجمنیں:- برادری کا نظام بہت اچھی طرح سے قائم ہے۔ صرف نصف فی صدی موقع ایسا ہوتا ہے کہ برادری کے باہر شادی ہوتی ہے ورنہ باہر شادی نہیں ہوتیں جن لڑکیوں کی شادی باہر ہو جاتی ہے تو ان کی اولاد برادری میں ایک طرح کی اچھوت سمجھی جاتی ہے اور برادری کی انجمنوں سے ان کو کسی قسم کی امداد نہیں ملتی اور نہ برادری کے لوگ ان کے ساتھ کوئی تعلق رکھتے ہیں۔ باہر سے لڑکی اگر اتفاق سے آجاتی ہے تو وہ رفتہ رفتہ برادری میں شامل ہو جاتی ہے۔ اور اس کے بچوں کے ساتھ کسی قسم کا کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا۔

برادری میں باہر شادی نہ کرنے کا رجحان صرف معاشی وجوہ سے ہے یعنی اس لئے کہ جائداد اور پیسہ برادری سے باہر نہ جائے ورنہ دوسرے تمام تعلقات اور معاملات میں کسی دوسری برادری کے لوگوں کو پنجابی برادری کے لوگ اپنے سے کمتر یا بہتر نہیں سمجھتے۔

برادری کی صرف ایک انجمن ہے یعنی انجمن وکیل قوم پنجابیان۔ یہ انجمن ان اوقاف کا انتظام کرتی ہے جو اس کی نگرانی میں دیئے جاتے ہیں۔ انجمن کے انتظام میں جو اوقاف ہیں اور انجمن کی خریدی ہوئی اور بنائی ہوئی جو جائداد ہے ان سب کی مالیت تقریباً آٹھ لاکھ روپیہ ہے اور ان سے سالانہ مستقل آمدنی تقریباً بارہ ہزار روپیہ کی ہے۔ اس آمدنی سے مدرسے چلائے جاتے ہیں۔ امداد بیوگان کا کام کیا جاتا ہے اور قبرستان کا کام کیا جاتا ہے۔ یہ انتظام غیر مستطیع لوگوں کے لئے مفت کیا جاتا ہے۔ پنجابی اسکول سے جو میٹرک پاس کرکے جو پنجابی طلبہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا چاہیں ان کو وظائف دیئے جاتے ہیں جن کے لئے پانچ سو روپیہ کی رقم مخصوص کردی گئی ہے۔ اس فنڈ میں اس وقت کافی روپیہ جمع ہے جو لوگ صنعت کا کام شروع کرتے ہیں ان کی بھی سرمایہ سے امداد کی جاتی ہے اور اس کی صورت ابھی تک معطل رہی ہے شادی کے موقع پر غریب قوم کی لڑکیوں کو ضروریات شادی کے لئے امداد دی جاتی ہے۔ یہ انجمن [illegible] میں قائم کی گئی تھی۔ اور اس نے پنجابی اسکول کو [illegible] میں قائم کیا تھا۔

برادری سے خارج کرنے کا کام انجمن نہیں کرتی۔ نہ خاندانی جھگڑے انجمن طے کرتی ہے قوم کے بزرگ انفرادی طور پر ان جھگڑوں کا تصفیہ کر دیتے ہیں کوئی شخص اگر برادری سے باہر شادی کرتا ہے تو انجمن اس میں بحیثیت انجمن دخل نہیں دیتی اگر کوئی ایسا مسئلہ اٹھا جس کا برادری پر بحیثیت قوم اثر پڑتا ہو یا برادری کے تجارتی کاروبار پر اثر پڑتا ہو تو انجمن ارباب حکومت سے خط و کتابت کرکے یا نمائش کرکے قوم کے جذبات کی نمائندگی کرتی ہے۔

پیدائش، شادی اور موت کے اندراجات کرنے کے لئے انجمن کی طرف سے تین رجسٹر رکھے جاتے ہیں ان اندراجات کو مکمل کرنے کے لئے منشی گھومتے رہتے ہیں۔ شادی کے لئے کوئی باقاعدہ قاضی نہیں ہوتے بلکہ جس مولوی سے عقیدت ہوتی ہے اس سے نکاح پڑھوا لیا جاتا ہے۔ مہر عام طور پر گیارہ سو روپے سے لے کر اکیاون سو روپے تک ہوتا ہے اور یہ موجل ہوتا ہے۔

اس بڑی انجمن کے علاوہ کچھ اور دوسری اصلاحی انجمنیں بھی ہیں مثلاً (۱) یوتھ لیگ جس کے ساتھ ماہنامہ پنجابی گزٹ منسلک ہے (۲) بزم ادب جس کے ساتھ پنجابی پبلک لائبریری منسلک ہے اور (۳) انجمن ضیاء الادب جس کے ساتھ نیشنل پبلک لائبریری منسلک ہے۔

(۱) پنجابی یوتھ لیگ:- [illegible] میں ان لغو اور فضول رسموں کی اصلاح کے لئے جو برادری میں خلاف شریعت رائج ہو گئی تھیں اور جو گھن کی طرح برادری کے سرمایہ کو نقصان پہنچا رہی تھیں ایک انجمن پنجابی یوتھ لیگ کے نام سے قائم کی گئی

[illegible] میں اس لیگ کا کام بہت زور شور سے چلا لیکن [illegible] میں یہ ختم ہو گئی اور اس کے بعد سے اس کا کام ابھی تک یوتھ لیگ کر رہی ہے۔ اس نے بہت سی رسومات کے سلسلے میں خرچ کی حد بندی کر دی ہے کہ اس سے زیادہ اب کوئی برادری کا رکن خرچ نہیں کر سکتا۔

ذیل میں ان کی تفاصیل بیان کی گئی ہیں:

زیور میں اسراف کو دور کرنے کے لئے [illegible] میں اسّی تولے سونا بیٹے والے اور ۶۰ تولے سونا بیٹی والے کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ ایسے سات آٹھ جوڑوں کی جگہ جن کی لاگت ڈھائی ڈھائی سو پانچ پانچ سو فی جوڑے سے کم نہیں ہوتی تھی اور صرف دیکھنے کے لائق ہوتے تھے۔ دو جوڑے کر دیے گئے تھے۔ اس کے بعد بھی برابر اصلاح ہوتی رہی۔ اور بہت سی رسمیں بند ہوتی رہیں۔

[illegible] میں ان رسموں کے خلاف پورے طور پر کاروائی شروع کی گئی تھی پنجابی لیگ نے تین بنیادی باتیں پیش کی تھیں۔

(۱) زیور میں زیادہ سے زیادہ سونا بیٹے والا چالیس تولے بیٹی والا تیس تولے دے سکتا تھا۔

(۲) جوڑے ستر روپے کی لاگت کے دیے جائیں اس حد کے اندر جتنے چاہے جوڑے دے سکتے ہیں۔

(۳) برات کا کھانا بند کر دیا گیا۔ یہ کھانا پوری برادری کو کھلایا جاتا تھا اور اس میں دو ہزار کے قریب خرچ ہو جایا کرتے تھے۔

پنجابی لیگ نے جو جرمانے وصول کئے ان کی رقم کو پنجابی اسکول کی بلڈنگ فنڈ کے لئے مخصوص کیا گیا۔ ان سختیوں کی وجہ سے برادری کے لوگ پنجابی لیگ کے مخالف ہو گئے۔ اور اس نے اس مخالفت کو برداشت نہ کر کے اپنا کام چھوڑ دیا۔

اس لیگ کے کارکن بڑی عمر کے لوگ تھے۔ ان سے جھگڑا کھانے کی مخالفت پر ہوا تھا جس میں عبدالسلام صاحب کو بھی ضربات آئی تھیں غرض اسی طرح پنجابی لیگ ٹوٹ گئی۔

اس کے بعد یوتھ لیگ نے جو نوجوانوں پر مشتمل تھی اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ یوتھ لیگ نے کھانے کی مکمل بندش پر تو زور نہیں دیا۔ البتہ یہ پابندی لگا دی کہ ساری برادری کو صلائے عام نہیں ہو گی۔ بلکہ جس کو دعوت دی جائے گی وہی لوگ دعوت میں آئیں گے اب پنج سن کھانا پکوایا جاتا ہے اور صرف ایک کھانا پکوایا جاتا ہے۔ پہلے دس دس قسم کے کھانے ہوتے تھے اور ساری برادری کے لوگ چاہے انہیں بلایا ہو یا نہ ہو آ جاتے تھے اور زیادہ کھانے میں باہمی مقابلہ ہوتا تھا۔

برادری کے نائی ڈوم برات کے کھانے کا اعلان کرتے تھے۔ برات کا کھانا دینے کے لئے اب ایک اور شرط لگا دی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جو برات کو کھانا دے وہ پچاس روپے پنجابی اسکول کو چندہ بھی دے۔

زیور کے سلسلے میں یوتھ لیگ نے ۲۰ تولے سونا بیٹے والے اور پندرہ تولے سونا بیٹی والے کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ باقی سب رسوم شادی سے قبل، شادی کے دوران، اور شادی کے بعد کی یک قلم موقوف کر دی گئی ہیں۔

(۴) بزم ادب:— پنجابی نوجوانوں کا ادبی شعبہ ہے جہاں نہ صرف قوم کے نوجوان مختلف عنوان پر تبصرے اور تقریریں باقاعدہ جلسوں کی صورت میں کرتے ہیں بلکہ ملک کے اہل علم اور ممتاز مقرر سیاسی، معاشی، ادبی موضوعات پر نہ صرف بزم ادب کے اراکین بلکہ علاقے کے دوسرے نوجوانوں کے سامنے تقریر کرتے ہیں۔ اس بزم کے ساتھ پنجابی پبلک لائبریری بھی وابستہ ہے جس کے پاس تقریباً چار ہزار کتابوں کا ذخیرہ ہے۔

... اس سے پہلے میونسپلٹی سے امداد لینے کی کوشش جاری ہے۔ اس کتب خانہ کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ اس میں عورتوں کی دلچسپی کی کتابوں کی ایک خاص فہرست علیحدہ تیار کی گئی ہے تاکہ عورتیں گھر میں بیٹھی کتابیں منگا سکیں۔ اس طرح بچوں کی کتابوں کی فہرست بھی علیحدہ ہے اس کی آمدنی [illegible] سو روپیہ سالانہ ہے۔ یہ ادارہ [illegible] سے قائم ہے۔

(۳) اسی قسم کے کام انجمن [illegible] بھی کر رہی ہے لیکن اس کے کتب خانہ یعنی نیشنل پبلک لائبریری کے پاس کتابوں کا ذخیرہ زیادہ ہے پنجابی پبلک لائبریری کے مقابلہ میں اس کی تقریباً سب چیزیں ڈبل ہیں۔ نیشنل پبلک لائبریری کو تقریباً ڈیڑھ ہزار روپیہ سالانہ میونسپلٹی سے امداد بھی ملتی ہے۔

غرض برادری کا نظام اپنی جگہ پر قائم ہے اور اس کی انجمنیں اس نظام کو نئی ضرورتوں کے مطابق کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔

محلوں اور گھروں کی صفائی: سوائے پھاٹک حبش خاں کے اور تمام محلے جن میں پنجابی برادری کے لوگ آباد ہیں عموماً صاف رہتے ہیں۔ ہر محلہ میں محلہ کمیٹی ہوتی ہے اور وہ صفائی کا یا تو خود انتظام کرتی ہے یا میونسپلٹی سے کراتی ہے۔ ہر محلہ میں ورزش، پریڈ، والنٹیر کور، اسکاؤٹ وغیرہ کا بھی انتظام رکھا جاتا ہے۔ حویلی حسام الدین میں اور کالی صاحب میں اسکاؤٹس کا انتظام زیادہ باقاعدہ ہوتا ہے۔ برادری کے لوگوں کے گھر بھی دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ صاف رہتے ہیں۔ گھر کی عورتیں گھر کو بہت صاف رکھتی ہیں۔ کپڑے چاہے سادہ ہوں لیکن گھر کو بہت صاف رکھا جاتا ہے۔

تندرستی: زیادہ اچھی نہیں ہے کیونکہ کھاتے پیتے تو زیادہ ہیں لیکن ورزش زیادہ نہیں کرتے۔ ان کا دکان پر یا گھر میں بیٹھنے کا کام ہوتا ہے۔ صحت کی خرابی صفائی کی کمی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ورزش کی کمی کی وجہ سے ہے۔ پردہ بھی بہت سخت ہے سوائے مخصوص رشتہ داروں کے سب سے پردہ کیا جاتا ہے۔ خالہ کے بیٹوں، شوہر کی بہن کے شوہر سے بھی پردہ کیا جاتا ہے۔ چچا کے بیٹوں سے بھی پردہ کیا جاتا ہے۔ ڈولی میں، موٹروں، تانگوں میں پردہ لگا کر جاتی ہیں لیکن جاتی ہر جگہ ہیں۔ سیر و تفریح کے مقامات پر بھی جاتی ہیں لیکن برقعہ اور پردہ ضرور ہوتا ہے۔ برقعے عموماً سادہ ہوتے ہیں۔ بچوں کی تندرستی کو بہتر کرنے کی کوشش جاری ہے۔ پنجابی اسکول میں بچوں کا انتظام اچھا ہے۔

تعلیم: پنجابی قوم میں عورتوں اور مردوں کی تعداد تقریباً برابر ہے یعنی سات سات ہزار ہے۔ ان سات ہزار مردوں میں سے جن کی عمر دس سال سے زیادہ ہے ان میں تعلیم کا تناسب یہ ہے۔ ناخواندہ ۲۲ فی صدی ... [illegible] ... خواندہ ... فی صدی۔ خوب ... فی صدی۔ میٹرک ... [illegible] ... فی صدی اعلیٰ تعلیم یافتہ ۵ فی صدی۔

پنجابی ہائی اسکول مکمل طور پر پنجابی برادری کی نگرانی میں نہیں چل رہا ہے اور اس کے علاوہ فتحپوری مسلم ہائی اسکول اور [illegible] اسکول پنجابیوں کی ہی انتظام میں چل رہا ہے۔ مدرسہ [illegible] عربی مدرسہ جو پنجابی [illegible] سے ... ان میں سے [illegible] پنجابی ہائیر سکنڈری اسکول کی اسکیم میں شامل ہو گیا ہے۔ بڑی انجمن قوم کی سرپرستی میں چلتے ہیں اور ان میں اہل حدیث کے مدرسوں کو سو فی صدی پنجابی قوم چلاتی ہے ... [illegible] کام جنگ سے پہلے ... [illegible]

ہے ۔۔ ہنگامی زمانہ میں جب تحقیقات کی گئی تھی باقاعدگی سے کیے گئے تھے اب یہ سب ختم ہو گئے ہیں۔

[illegible] پنجابی [illegible]

پنجابی برادری ... [illegible]

تا مدرسے چلتے ہیں جن میں چھ سو طلبہ باہر کے پڑھتے ہیں۔ ان مدرسوں میں کھانے رہنے سب چیزوں کا انتظام اہل حدیث کی طرف سے ہوتا ہے۔ احناف کے مدرسوں کی تعداد اہل حدیث سے زیادہ ہے۔ طلبہ کی تعداد بھی زیادہ ہے لیکن ان کا انحصار پنجابی قوم پر نہیں ہے۔

میونسپلٹی کے مدرسوں میں پنجابی لڑکے بہت کم پڑھتے ہیں۔ قرآن خوانی کے مکتب ہر محلہ اور ہر مسجد میں ہوتے ہیں لیکن ان میں پنجابی کمی نہیں ہوتی۔ حافظ بے انتہا ہیں۔ پولی ٹکنیک میں پنجابی قوم کے دس بارہ سے زیادہ بچے نہیں ہوں گے۔ گریجویٹ دو سو ہوں گے۔ بی اے پندرہ بیس۔ وکیل دس پندرہ ہیں ایک کیمسٹ بھی ہے دو ایک عالم بھی ہیں۔

عورتوں میں تعلیم کا تناسب مردوں سے کم ہے۔ نوجوان لڑکیوں میں خواندہ کا تناسب ۷۰ فی صدی ہوگا۔ عمر رسیدہ عورتوں میں سب ہی قرآن شریف پڑھی ہوئی تقریباً سو فی صدی ہوتی ہیں میٹرک تیس چالیس ہیں گریجویٹ بھی ایک دو ہیں۔

لڑکیوں کے لئے تین مدرسے ہیں۔ ایک بڑا اسکول حافظ کالیہ صاحب کے سامنے اینگلو گرلز اسکول کے نام سے ہے جس کے لئے دو لاکھ روپے کی جائداد وقف کر دی گئی ہے اور اس سے یہ مدرسہ ہر قسم کی امداد سے بے نیاز ہو کر چلتا رہتا ہے اس کی نگرانی کے لئے ایک کمیٹی مقرر ہے۔ اس کی صدر محمد امین صاحب سنگاپور والوں کی بیگم ہیں جنہوں نے دو لاکھ روپے کی جائداد وقف کی ہے۔ اس کے سکریٹری ممتاز الدین ممتا نیچے والے ہیں اور اراکین میں کچھ مرد اور عورتیں ہیں۔ اس میں تین سو لڑکیاں پڑھتی ہیں اور دہلی کے ہر کونے سے رکشاؤں اور ڈولیوں میں یہاں پڑھنے کے لئے لڑکیاں آتی ہیں، استانیوں اور استادوں میں پنجابی قوم کی کوئی قید نہیں ہے صرف پنجابی مہندی سکھانے کے لئے ایک پنجابی استاد ضرور رکھا جاتا ہے۔ لڑکیوں کے لئے اینگلو کے علاوہ دو مدرسے اور ہیں ایک حافظ حمید اللہ کا قائم کیا ہوا محلہ کشن گنج میں اور دوسرا اہلیہ فضل الرحمن کا قائم کیا ہوا پھاٹک حبش خاں میں لیکن ان کا بار ان دونوں حضرات کی ذات پر ہے ان کے لئے کوئی مستقل وقف نہیں ہے۔

عورتوں اور لڑکیوں میں یہ رجحان ہے کہ زیادہ تعلیم حاصل نہ کی جائے لیکن مردوں میں عورتوں کی تعلیم کی کمی کا احساس ہے اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ لڑکیوں کی تعلیم کا معیار بھی مردوں کے برابر ہو۔

اخلاقی حالت :- پنجابی قوم میں من حیث القوم کوئی برائیاں نہیں ہیں کچھ لوگوں میں ضرور برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں لیکن رائے عامہ ان کے اس قدر خلاف ہے کہ ان کو یہ برائیاں چھوڑنا پڑتی ہیں۔ نوجوانوں میں اصلاح کا اتنا جذبہ ہے کہ وہ تو عام طور پر سگریٹ پینے کے روادار نہیں ہیں۔ بزرگوں میں کچھ لوگ رنگین مزاج تھے لیکن نوجوانوں میں بالکل نہیں ہیں۔ بارات میں ڈھول باجا تک نہیں بھیجا جاتا

اعزازی عہدے :- برادری میں سات خاں بہادر ہیں۔ چھ میونسپل کمیٹی کے ممبر ہیں میونسپلٹی کے معاملات میں ان کا خاصا دخل رہتا ہے نیز مسلمان ممبروں میں سے پانچ پنجابی منتخب ہوئے ایک نمائندہ انجمن وکیل قوم پنجابیان کی طرف سے میونسپلٹی میں پہنچا۔

مقامی مسلم لیگ کے سکریٹری عبدالسلام صاحب بی۔ اے بھی برادری سے تعلق رکھتے ہیں۔

برادری کے ممتاز لوگ اس برادری میں تین حیثیتوں سے لوگ ممتاز سمجھے جاتے ہیں کچھ سوشل کام کرنے کی وجہ سے، کچھ پولیٹیکل کام کرنے کی وجہ سے اور کچھ لٹریری کام کی وجہ سے۔

سوشل کام کرنے والوں میں جس میں تعلیم بھی شامل ہے خان بہادر حافظ محمد صدیق صاحب ملتانی، خان بہادر حاجی رشید احمد صاحب اور حاجی کرم الٰہی گھنٹہ والوں نے کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں۔ درمیانی عمر کے لوگوں میں شیخ عبدالسلام بی۔ اے۔ شیخ ممتاز الدین

پڑھے والے [illegible] محمد عمر صاحب لبیں والے اور نفضل تیں صاحب کے نام لائق ذکر ہیں۔ نئی عمر کے لوگوں میں محمد رفیع کپڑے والے،
محمد عمر الٰہی صاحب، عبداللطیف صدیقی، محمد عبدالالٰہی صاحب، محمد یوسف فیروزی، شہاب الدین صاحب، محمد نواب حسنی، محمد یونس بھیا
نواب یوسفائی، عبدالحق سنسی لائق ذکر ہیں۔

پولیٹیکل کام کرنے والوں میں ہر خیال کے لوگ پائے جاتے ہیں، مسلم لیگی بھی ہیں، جمعیۃ العلماء کے ماننے والے بھی ہیں اور چند کا
ہیں اور چند کمیونسٹ بھی ہیں۔ کانگریس اور جمعیۃ العلماء کے خدمت کرنے والے صرف بڑی عمر کے لوگ ہیں، حافظ رحمت الٰہی صاحب
نف اور محمد عثمان صاحب گڑھی والے جمعیۃ العلمائے ہند اور شیخ محمد تقی صاحب وکیل کانگریس سے تعلق رکھتے ہیں اور [illegible] بہادر
ات صاحب آل انڈیا مسلم مجلس کے جائنٹ سکریٹری ہیں، مسلم لیگ سے دلچسپی لینے والوں میں بڑے سے بچے تک تقریباً نوے فی صد
رجعت ہیں جن میں عبدالسلام صاحب بی اے کا نام خاص شہرت کا مالک ہے۔ تعلیم یافتہ نوجوانوں میں کچھ کمیونسٹ بھی ہیں ان
میں محمد جاتمین صاحب جاسمی دہلی کی کمیونسٹ پارٹی کے سکریٹری ہیں۔

لٹریری کام کرنے والوں میں صرف نئی نسل کے نوجوان ہیں جو اچھا خاصا لکھ لیتے ہیں۔ بڑی عمر کے اور درمیانی عمر کے لوگوں میں اس قسم کا ذوق
نہیں ہے ان میں لائق ذکر نام مسرت کلام صاحبہ اور مونس شبیر صاحبہ خواتین میں ہیں اور نوجوان مردوں میں۔ محمد تقی نور۔ محمد احمد صاحب۔
منظور احمد صاحب۔ عمر الٰہی صاحب۔ جمیل الرحمن صاحب۔ عبدالالٰہی صاحب اور سلطان احمد صاحب الشعلہ والے ہیں۔

شعراء میں حافظ محمد صدیق صاحب رئیس اعظم کانپور۔ اور شیخ محمد صالحین صاحب انبالہ والوں کے نام لائق ذکر ہیں۔

برادری کی مالی حیثیت[5] برادری میں کم سے کم ایک کروڑ پتی ہیں۔ چھ سات پچاس لاکھ اور ایک کروڑ کے درمیان حیثیت رکھتے
ہیں دس لاکھ اور پچاس لاکھ کے درمیان حیثیت رکھنے والے پچاس کے قریب ہیں ایک لاکھ اور دس لاکھ کے درمیان ڈیڑھ سو سے زیادہ ہیں
پچاس ہزار اور ایک لاکھ کے درمیان تین سو سے زیادہ ہیں۔ دس ہزار اور پچاس ہزار کے درمیان ایک ہزار کے قریب ہیں اور ایک ہزار اور دس ہزار
کے درمیان ہر اس شخص کو سمجھنا چاہیے جس کی شادی ہو گئی ہے کیونکہ ایک ہزار کا تو جہیز ہی مل جاتا ہے اور اس سے نیچے بقیہ سب ہیں۔

برادری کا سرمایہ مختلف کاموں میں :- برادری کا سرمایہ صحرائی جائداد میں بہت کم لگا ہوا ہے۔ اندازاً دو فی صدی، شہری
جائداد میں تقریباً پچاس فی صدی لگا ہوا ہے۔ فیکٹری کارخانوں میں پندرہ فی صدی، دکانوں وغیرہ میں پچیس فی صدی اور
ملوں کے حصوں اور سرکاری قرضوں میں ایک فی صدی سے کم سمجھنا چاہیے۔ چار پانچ آدمی سود کا لین دین بھی غیروں کے ساتھ کرتے
رہتے ہیں لیکن قوم میں ان کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا ان میں سے پانچ فی صدی نوجوان ہیں کافی کی دوکانوں کے اور دوسرے ملٹری
کے کنٹریکٹر بھی ہیں۔ سونا اس برادری کے پاس کافی رہتا ہے لیکن جواہرات وغیرہ بہت کم ہیں جن لوگوں کی حیثیت ایک لاکھ سے زیادہ ہے وہ
موٹر بھی رکھتے ہیں۔ عورتوں کے کپڑوں کا خرچ بھی زیادہ ہوتا ہے۔ کافی قیمتی کپڑے ہوتے ہیں اور بسا اوقات حیثیت سے زیادہ ہوتے
ہیں گھر میں تانبے کے برتن استعمال کیے جاتے ہیں۔ چینی، تام چینی اور شیشوں کے برتنوں کا استعمال کم ہوتا ہے عورتیں کفایت شعار ہوتی
ہیں۔ آرائش کے سامان میں قالین، دری، چاندنی، پلنگ پوش، وغیرہ بہت اچھے ہوتے ہیں۔ کئی گھر دری اور چاندنی سے

---

[5] یہ صورت حال اپریل ۱۹۴۵ء میں تھی اس کے بعد قیمتوں سے غیر معمولی اضافے کے وجہ سے انگلے کی مالی حیثیت میں بھی اسی نسبت ترقی ہو گئی ہے
خاص نمبر ماہنامہ پنجابی گوٹ ۱۹۴۶ء

خالی نہیں ہوتا ۔ موسیقی میں گراموفون اور ریڈیو کا استعمال ہوتا ہے ۔ قلمی کتابیں اور نوادر بہت کم ہیں ۔ قرضہ کاروبار کی ضرورت کے لئے دوسروں سے لیا دیا جاتا ہے لیکن دوسروں کے روپیہ پر قوم انحصار نہیں کرتی ۔

برادری کے چار پانچ افراد ملوں کے ڈائرکٹر بھی ہیں ۔

برادری کے فیملی بجٹ :۔ پنجابی برادری میں متمول اوسط اور غریب ہر ایک طبقہ کے افراد عام طور سے اپنے کنبہ والوں کے ساتھ مل جل کر مشترکہ کنبہ کی صورت میں نہیں رہتے بلکہ چھوٹے چھوٹے خاندانوں کی صورت میں علیحدہ علیحدہ رہتے ہیں اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ باپ اور بیٹا بیٹے کی شادی ہو جانے یا زیادہ سے زیادہ ایک آدھ اولاد ہو جانے کے بعد علیحدہ ہو جایا کرتے ہیں ۔

برادری کا غریب طبقہ :۔ پنجابی برادری کے غریب طبقہ سے مراد ایسے اہل و عیال والے افراد ہیں جو بیس روپے ماہوار سے ساٹھ روپے ماہوار تک نوکری یا کسی دستکاری سے حاصل کرتے ہیں ۔ یہ لوگ عام طور پر اپنی آمدنی اپنی بیوی کے ہاتھ دے دیتے ہیں جو نہایت کفایت شعاری سے اسے خرچ کرتی ہے ۔ مرد سوائے کبھی بائیسکوپ جانے کے اور اپنے برابر والوں سے گپ شپ کہنے کے کوئی خاص شوق نہیں رکھتے ۔ بازاروں کا ناچنا عیب نہیں سمجھتے تو کچھ اچھا بھی نہیں سمجھتے ۔ مرد پہننے اور اوڑھنے کے معاملے میں بہت سادہ مزاج ہوتے ہیں ان کی پوشاک پر اوسطاً تین چار روپے ماہوار سے زیادہ خرچ نہیں ہوتا بعد عورتیں کپڑوں پر کافی خرچ کرتی ہیں عام طور سے ولائتی باریک کپڑا پہنا جاتا ہے ۔ گھر میں سفید مائل چکن اور تقریبات کے موقع پر کریب ۔ جارجٹ ۔ نٹ وغیرہ پہنا جاتا ہے ۔ غذا میں گوشت بہت کافی کھایا جاتا ہے ۔ پنجابی عورتیں کھانا پکانے میں بڑی ماہر ہوتی ہیں ۔ مرد عام طور سے اپنی حیثیت کو سمجھتے ہیں لیکن عورتیں برادری کے مظاہروں میں مالدار خواتین کے آگے اپنی کم مائیگی کے اظہار کے مواقع نہیں آنے دیتیں ۔ ان کے ماہوار خرچ کا اوسط حسب ذیل ہوتا ہے ۔

خوراک ۴۰ فی صدی ۔ کپڑا ۱۰ فی صدی ۔ رہائش ۲۵ فی صدی ۔ رسومات ۵ فی صدی پس انداز ۲ فی صدی ۔

برادری کا متوسط طبقہ :۔ متوسط طبقے سے ایسے خاندان مراد ہیں جن کی وسائل آمدنی ایک سو سے ۲ سو روپے ماہوار تک ہے ۔

پنجابی برادری میں یہ طبقہ تعداد میں دوسرے طبقوں سے زیادہ ہے ۔ یہ اپنی آمدنی کا ۷۵ فی صدی حصہ اپنی شریک زندگی کو دیتے ہیں جو جملہ اخراجات تناسب کرتی ہے البتہ رسومات کے موقع پر کسی تناسب کا خیال نہیں رکھا جاتا ۔ ان کے گھروں میں گھریلو کام کرنے بچے کھلانے کے لئے بازار کا سودا سلف لانے کے لئے بوڑھے یا کم عمر لڑکے ملازم ہوتے ہیں ۔ گھر کی صفائی اور روٹی پکانے کے لئے نوکرانیاں مقرر ہوتی ہیں ۔ عام طور سے متوسط طبقے کی عورتیں ہنڈیا خود نہیں پکاتی ہیں ۔ ان کا کام محض نگرانی کرنا اور کام کرانا رہتا ہے اور یہ بیٹھے بیٹھے حکم چلانے کی عادی ہو جاتی ہیں ۔

مکان بہت صاف فرنیچر اور فرش فروش سے آراستہ ہوتے ہیں سفید چاندنیاں بچھی ہوتی ہیں جن پر ریشمی غلافوں کے تکیے لگے رہتے ہیں ۔ چینی کے ظروف طاقوں میں سجے ہوتے ہیں ۔ عورتوں کو بیاہ شادی سے خاص دلچسپی ہوتی ہے اور عام طور سے ان کا موضوع بحث یہی ہوتا ہے ۔ موقع آنے پر اپنی لیاقت سے زیادہ اور مستقبل کے نتائج سے بے پرواہ ہو کر خرچ کیا کرتی ہیں ۔ مرد سادہ لباس مگر صاف پوش ہوتے ہیں اور ان کی زندگی کا مشغلہ محض کام دھندا اور گھریلو سیاست ہوا کرتا ہے ۔ البتہ اس طبقے کے نوجوانوں میں ادبی اور سماجی خدمت کرنے کا کافی حوصلہ موجود ہے اور وہ اس میدان میں کام کیا کرتے ہیں ۔ لڑکیاں پڑھی لکھی ہوتی ہیں لیکن ان کو کوئی اعلیٰ تعلیم نہیں دلائی جاتی ۔

عورتیں سلیقہ مند ہوتی ہیں ۔ گھروں میں صاف مگر سادہ لباس پہنتی ہیں اس طبقہ کے اخراجات کا تناسب عموماً حسب ذیل رہتا ہے ۔

[illegible] فی صدی - کپڑا ۲۰ فی صدی - [illegible] ۔ ۲۰ فی صدی مکان و ملازم وغیرہ ذاتی [illegible] فی صدی [illegible] تعلیم
[illegible] فی صدی - سیر و تفریح ۱۰ فی صدی ۔

برادری کا طبقہ امراء :- تیسرے طبقہ یعنی امراء کے افراد پنجابی برادری میں طبقہ متوسط اور طبقہ متوسط سے کم پائے جاتے ہیں ۔ اس طبقہ کو دو واضح حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے ۔ ایک وہ جو بڑے پیمانہ پر تجارت کر رہے ہیں ۔ اور دوسرے وہ جو محض جائداد پر تکیہ کئے بیٹھے ہیں ۔ اور کوئی کام نہیں کرتے گروہ اول کی کمزوری یہ ہے کہ وہ زمانہ کی رفتار کے مطابق صنعت کی طرف متوجہ نہیں ہے ۔ گروہ دوم کے افراد عضو معطل کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ اس کے افراد عام طور پر کسی کلب کے ممبر ہوتے ہیں اور اکثر صبح سے شام تک کسی کلب کی فضا میں اپنا وقت گذار دیتے ہیں ۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ گروہ اعلیٰ تعلیم سے بہرہ مند نہیں ہے ۔ البتہ اس کے نوجوان اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور صنعت و تجارت کی طرف متوجہ ہیں ۔

طبقہ امراء کی ماہانہ آمدنی تین سو روپے سے ہزار ڈیڑھ ہزار روپے تک اور کہیں اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے[1] ۔ گھریلو اخراجات کہیں بھی چار سو سے زیادہ نہیں ہوتے ۔ خرچ کا تناسب وہی رہتا ہے جو متوسط طبقہ کا اوپر بیان کیا گیا ہے ۔ گھریلو زندگی بھی بڑی حد تک متوسط طبقہ سے ملتی جلتی ہے البتہ اس میں عیش پرستی اور کاہلی کے اثرات نمایاں ہوتے ہیں ۔ گھریلو ساز و سامان میں چھپر چھپر کھٹ لگے ہوتے ہیں کمروں کے دروازوں پر ریشمی پھول دار پردوں کا اضافہ ہوتا ہے ۔ مکان میں مختلف ضروریات کے لئے کمرے مخصوص ہوتے ہیں اور مختلف مناظر کی تصاویر ان میں آویزاں ہوتی ہیں ۔ ریڈیو اور گراموفون ان کی ضروریات زندگی میں شامل ہوتا ہے

برادری کی عام حالت پر تبصرہ :- لباس فروخت کرنے کی تجارت اس برادری کی خصوصیت ہے اور ہر پنجابی بچہ کو لباس بنانے کا کام شروع سے سکھایا جاتا ہے ۔ چنانچہ ان کے محلوں میں چھوٹے چھوٹے بچے خوانچے میں سامان بیچتے دکھائی دیتے ہیں اس تجارت میں پہلے تقریباً تمام تر مال انگلستان جرمنی، جاپان، امریکہ سے آتا تھا لیکن ۱۹۲۱ء اور ۱۹۲۲ء کے درمیان کا وہ میں ایک زلزلہ سا آیا ۔ مال کے بنانے والے بہت سے دیسی لوگ پیدا ہوگئے اور انہوں نے اپنے مال کے فروخت کرنے کے لئے اپنے ذاتی دکاندار مقرر کر دیئے اس لئے سول ایجنٹ ہونے کا جو فائدہ اس برادری کے لوگوں کو ملا ہوا تھا وہ باقی نہیں رہا ۔

تجارتی کام میں بھی بہت سے ہندو شریک ہوگئے اور دوسرے اضلاع کے لوگوں نے تحریک زرشوں سے مال منگانے کی جگہ براہ راست ہندوستانی کارخانوں کے ہندو ایجنٹوں سے چیزیں منگانا شروع کر دیں ۔ جب دیسی مال شروع میں چلا تھا تو کچھ کارخانے والوں نے اپنا مال صدر بازار کے پنجابی دکانداروں کو دینا چاہا تھا لیکن انہوں نے یہ خیال کر کے کہ یہ مال چلنے والا نہیں ہے اور انگلستان امریکہ اور جاپان کے مال مہیا کرنے والوں سے بگاڑ کرنا ٹھیک نہیں ہے مال کو قبول نہیں کیا تھا ۔ دوسرے ہندو کارخانہ والوں نے فرقہ پرستی کے جذبہ کے ماتحت ان کو مائل کرنے کی کوئی خاص کوشش نہیں کی تھی ۔ اس لئے ہندو کارخانہ داروں کے ہندو دکاندار پیدا ہوگئے اور ان کا مال بھی چل نکلا ۔ چنانچہ اب صدر بازار اور چاندنی چوک کے مسلمان دکانداروں کو بھی دیسی مال منگانا پڑتا ہے لیکن کارخانے سے براہ راست ان کے پاس مال نہیں آتا ۔ اور نہ وہ اس کے سول ایجنٹ ہیں اس لئے اس مال کی تھوک تجارت ان کے ہاتھ میں زیادہ نہیں ہے صرف مقامی تجارت ہے اور اس میں بھی ہندوؤں کا مقابلہ ہے ۔

---

[1] یہ اعداد اپریل ۱۹۴۳ء کے ہیں جب تحقیقات کی گئی تھی ۔

لیکن یہ بات نہیں ہے کہ ان کی وجہ سے ان کی حالت بہت گر گئی ہو۔ فرق یہ ہوا کہ ان کی دکانیں تو اپنی جگہ پر قائم ہیں اور تقریباً اتنا ہی بلکہ زیادہ کما رہی ہیں جتنا پہلے کماتی تھیں۔ لیکن ان کے ساتھ نئی دکانیں ہندوؤں اور دوسرے لوگوں کی قائم ہو گئی ہیں۔ کاروبار کا پیمانہ بڑھ گیا ہے پہلے اگر مجموعی بیوپار بیس لاکھ کا تھا تو اب ایک کروڑ روپیہ کا ہو گیا ہے۔ پہلے سارا کاروبار تقریباً ان کے ہاتھ میں تھا تو اب اس میں دوسرے بھی شریک ہو گئے ہیں یعنی ان کا نسبتی حصہ کم ہو گیا ہے۔

ہندوؤں کے مقابلہ میں پہلے لباس خانے میں ان کا تناسب تقریباً پچاس فی صدی تھا تو اب کچھ کم فی صدی رہ گیا ہے۔ لیکن صدر بازار کی جائداد کے مالک ابھی تک مسلمان ہی ہیں اور ہندو کرایہ دار کی حیثیت سے ان کے مکان میں اپنی دکان کرتے ہیں۔ جائداد میں پنجابی برادری نے خاصا اضافہ کر لیا ہے تجارت سے زیادہ اب اس برادری کا روپیہ جائداد میں لگا ہوا ہے۔ رہنے کے ذاتی مکانوں کے علاوہ صدر بازار کی دکانیں، کشمیری دروازہ کی آدھی دکانیں، نئی دہلی کی بہت سی کوٹھیاں، نیو روشنی ہوٹل، میرینا ہوٹل، حوض قاضی کے پاس کی بڑی عمارت، کلاں محل وغیرہ۔ یہ سب مکان پنجابی برادری کے لوگوں کے پاس ہیں۔ اس برادری کے بڑے سرمایہ دار لوگ اب صنعت کی طرف مائل ہیں البتہ جو لوگ محض مکانوں کے کرایہ یا جائداد کی آمدنی پر تکیہ کئے ہوئے ہیں وہ اپنے زائد اخراجات اور کم آمدنی کی وجہ سے پریشان ہیں۔ اوسط طبقہ کی تعداد زیادہ ہے لیکن اونچے درجہ کے ان لوگوں کی دولت و تجارت اور صنعت کرتے ہیں بڑھ رہی ہے۔ اب ۱۹۴۷ء کے مقابلہ میں ملازموں یعنی دوکان پر ملازم کی حیثیت سے کام کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہو گئی ہے۔ وہ اسباب جو ہر جگہ ہیں وہی یہاں بھی کام کر رہے ہیں۔ دوکان کے کام میں اب سرمایہ لگانے کی ضرورت زیادہ ہونے لگی ہے۔ پہلے صنعت یعنی کہ دوسرے ملکوں کا مال منگایا جاتا تھا۔ اور جو شخص بازار میں ایک دفعہ ساکھ پیدا کر لیتا تھا اسے پھر کاروبار میں اپنا زیادہ روپے لگانے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ مال اعتبار پر آ جاتا تھا اور وہ اسے تھوک فروخت کر کے سہولت کے ساتھ دام ادا کرتا تھا اور درمیان میں اپنی آڑھت کا منافع رکھتا تھا اس طرح لوگوں نے بغیر زیادہ روپیہ لگائے خوب نفع کمائے اور اپنے خرچ بھی اپنی آمدنی کے لحاظ سے خوب بڑھا لئے۔ یہ سمجھا کہ جو مالی حالت آج ہے وہ ہی ہمیشہ رہے گی۔ لیکن جب باہر کا مال چلنا بند ہو گیا اور ملکی کارخانوں کا مال چلنے لگا تو ایک طرف تو مال حاصل کرنے کے لئے زیادہ روپیہ لگانے کی ضرورت پیش آئی کیونکہ کارخانے والے نقد ادائی چاہتے تھے اور دوسری طرف خردہ کے دکاندار جن کے ہاتھ مال فروخت کیا جاتا تھا ادھار خریدنے کا مطالبہ شروع کیا اور اس طرف بھی روپیہ لگانا ضروری ہو گیا اس کی وجہ سے صرف والے لوگ ہی کام کو اپنے ہاتھ میں رکھ سکے اور دوسرے لوگوں نے اپنا کام بند کر کے ان روپیہ والوں کی ملازمت کرنا شروع کر دی۔

یہی حال سوت گوٹہ والوں میں بھی ہوا لیکن اوسط درجے کے جو لوگ ختم ہوئے۔ اُن کے کاروبار کو برادری سے باہر نہیں جانے دیا گیا بلکہ برادری کے لوگوں کے ہاتھ ان کا کاروبار آ گیا اور آج جو لوگ بعض دکانوں پر ہیڈ منشی کا کام کرتے ہیں وہ کسی زمانے میں اپنا ذاتی کاروبار خود کیا کرتے تھے

ضمیمہ متعلق بہ سکنائی جائداد!

زیادہ جائداد والے لوگ:۔ اس برادری میں زیادہ جائداد والے لوگوں میں حسب ذیل ممتاز اور قابل ذکر ہیں۔

(۱) محمد امین صاحب سنگاپور والے (۲) سراج الدین صاحب کلکتہ والے (۳) محمد اسمٰعیل صاحب (۴) سلطان احمد صاحب جاپان والے

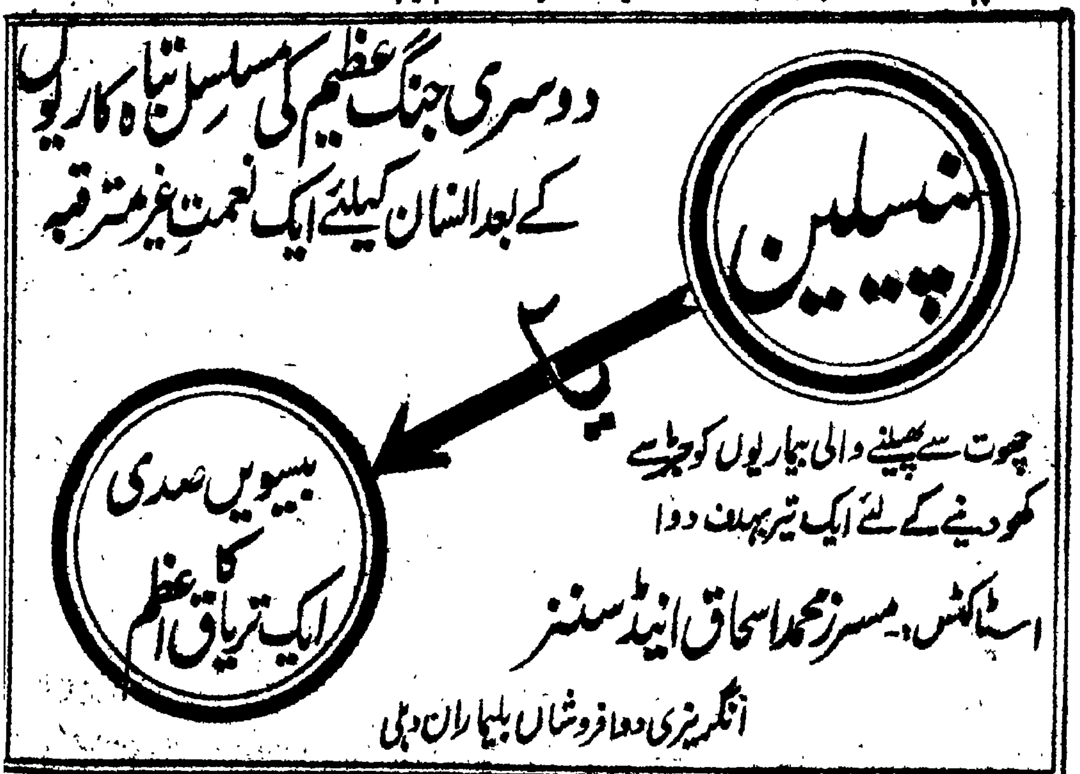
(۵) حبیب الرحمن عبدالوہاب صاحبان (۶) حافظ محمد صدیق صاحب ملتانی (۷) سراج الدین صاحب لاہور والے (۸) فضل الٰہی چنیوٹ والے (۹) حافظ حمید اللہ صاحب مہاجرے (۱۰) الیس ایم عبداللہ صاحب۔

انکا طریقہ کار بھی درج ذیل ہیں۔

دہلی شہر میں سکنائی جائداد کی قیمت میں اضافہ ہوا۔ جائداد کا بھاؤ چاندنی چوک میں تقریباً دو سو گنا ہو گیا ہے۔ عام طور پر بیشتر ایسی جائداد بھرا ہوا ہے فروخت ہو جاتی ہیں۔ محلوں کے شہروں کے مکان ہر ملک اور دوسرا جگہ تک پہلے جو معمولی بات تھی اب وہ بھی بہت کم رہ گیا ہے۔

جائداد سے اس زمانے میں لوگوں نے خوب روپیہ کمایا ہے لیکن یہ کرایہ کی آمدنی سے نہیں۔ اس لئے کہ کرایہ کنٹرول کی وجہ سے کرایہ میں اضافہ کرنا ممکن نہیں تھا بلکہ مکانوں کو بیچ کر۔ لوگوں کے پاس جنگ کے زمانے میں روپیہ کی افراط ہو گئی تھی اور روپیہ کے خرچ کرنے یا کاروبار میں لگانے یا نئے مکان تعمیر کرنے کے مواقع کم ہو گئے تھے۔ روپیہ کی قیمت تیزی سے گر رہی تھی اس لئے لوگ قیمت کے زوال سے بچنے اسکا نقدی یا نوٹوں کی جگہ ٹھوس جائداد رکھنے کے خیال سے سکنائی جائداد خریدنا چاہتے تھے چنانچہ دو ہزار کی جائداد بارہ ہزار تک میں فروخت کی گئی اور اس سے لاکھوں روپیہ لوگوں نے کما لیا۔

پہلے کے اوسط کے مقابلے میں اب جائداد کی قیمت میں اوسطاً چار گنا اضافہ ہو گیا ہے۔[1]



[1] یہ اعداد اپریل ۱۹۴۶ء کے ہیں جب تحقیقات کی گئی تھی

پاکستان کیا اور کیوں؟

ہرچند کہ آج "آزاد ہندوستان" اور آزاد ہندوستان میں آزاد پاکستان کے نعرے مدھم پڑ گئے ہیں لیکن تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ قوموں کی آزادی کی جدوجہد میں اس قسم کے مدوجزر آتے رہے ہیں۔ اقوام ہند کی سیاسی اور معاشی آزادی کی لڑائی میں مخالف قوتیں انتشار پیدا کر سکتی ہیں لیکن ان کے اس مقدس جہاد کو ختم نہیں کر سکتیں۔ اس سرزمین پر بسنے والوں کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ ہندوستان میں بسنے والی اقوام کے اکثر رہنما آپس میں سمجھوتے کی بجائے انگریز کے "دست کرم" پر نظریں جمائے رہے۔ اور گذشتہ برسوں کے تلخ تجربوں کے باوجود ہندوستان کی دو بڑی سیاسی جماعتیں کانگریس اور لیگ متحد نہ ہو سکیں۔ کہ سامراج شاہی کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملایا جا سکتا اور اس کو ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کیا جا سکتا۔

آج ہر فرد قوم پر ایک قسم کی یاسیت طاری ہے اس یاسیت کو زندگی کی دھڑکنوں اور ولولوں میں تبدیل کرنا آج ہم سب کا قومی فریضہ ہے۔

عمر الٰہی

(ممبر آل انڈیا مسلم لیگ کونسل)

مسلمانوں کی آزادی کی جد و جہد کی تاریخ کو مسلم لیگ کی ۱۹۳۰ء کی آزادیٔ کامل کی تجویز سے شروع کرنے والے ہندوستان کے مسلمانوں کی سیاسی تاریخ سے ناواقف ہیں۔ مسلمانوں کی آزادی کی جد و جہد کی تاریخ اٹھارویں صدی میں مسلمان حکمرانوں کے سیاسی اقتدار کے زوال کے ساتھ شروع ہوتی ہے۔ اس صدی کے آخری سالوں میں ایک طرف بہادر افغان سردار غلام قادر روہیلہ کو مرکز کے اقتدار کو بحال کرنے کے لئے تلوار نکالتے اور اس جد و جہد میں فنا ہوتے دیکھتے ہیں۔ دوسری طرف زرخیز اور خوشحال ہندوستان کو انگریز لٹیروں کے غاصبانہ قبضے سے نجات دلانے کے لئے جنگِ آزادی کی ایک اور تصویر ہمارے سامنے آتی ہے۔ غیر ملکی ڈاکوؤں کے خلاف آزادی کی یہ سب سے بڑی لڑائی ہندوستان کی جمہوری ریاست سلطنتِ خداداد میسور کی طرف سے لڑی گئی۔

ٹیپو سلطان ملاؤں کے کفر کے فتووں کے باوجود ریاست کے اندر ایک طرف زمینداری سسٹم کو ختم کرکے زمین کو کسان کی ملکیت قرار دے رہا تھا۔ اور زمینداروں سے جنگ کر رہا تھا دوسری طرف وہ ہندوستان کی تمام قوموں اور قوتوں کو انگریزوں کے خلاف ایک محاذ بنانے کے لئے اتحاد کا نعرہ بلند کر رہا تھا۔ اور نہ صرف ہندوستان بلکہ مشرق کی ہر قوت کو اس مقدس جہاد میں اشتراک کی دعوت دے رہا تھا۔

آزادی کی یہ خونریز لڑائی ۱۷۶۷ء سے ۱۷۹۹ء کے درمیان تین بار ہوئی اور کئی کئی سال جاری رہی۔ ہماری آزادی کی اس لڑائی کا سب سے بڑا غدار "ننگِ قوم" اس وقت کا نظام دکن تھا جو انگریز کے شانہ بشانہ ٹیپو سلطان کے خلاف لڑ رہا تھا۔

۴ مئی ۱۷۹۹ء کی صبح کو ٹیپو نے اپنی آخری تقریر میں کہا تھا "کہ مجھے اس بات کا اندازہ ہے کہ میری زندگی کے اب چند گھنٹے باقی ہیں لیکن میں اس ملک کے دشمنوں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس غداری کا نتیجہ تمہیں اس وقت معلوم ہوگا کہ جب اس دیس کے لینے والے چاولوں کے ایک ایک دانے اور پیاز کی ایک ایک گٹھی کو ترسیں گے"۔ اسی روز قلعہ سرنگا پٹم سے باہر نکل کر وہ انگریزوں پر ٹوٹ پڑا۔ دن کے ۲ بجے سے رات کے ۸ بجے تک خونریز جنگ ہوئی۔ بارہ ہزار شہیدوں کے درمیان ٹیپو سلطان کی نعش تھی۔ ان شہیدوں کے خون سے ہماری آزادی کی جد و جہد کی تاریخ شروع ہوتی ہے

انیسویں صدی میں ہماری تحریکِ آزادی میں مختلف رجحان پیدا ہوئے۔ اس صدی کے ابتدائی سالوں میں مخلص مسلمانوں کی ایک جمعیت نے احیاءِ مذہب کا نعرہ بلند کیا۔ وہ کہتے تھے کہ فاسق فاجر بادشاہوں اور جاہل اور بدعتی ملاؤں کی وجہ سے ہم اپنے مذہب کی اصل تعلیمات کو بھلا بیٹھے ہیں اور اسی لئے آج ہم انگریزوں کے غلام ہیں۔ ہمیں اپنے مذہب کی روح کو زندہ کرنا چاہئے، مذہبی تعلیم کو خالص شکل میں رواج دینا چاہئے تب ہی ہم میں وہ جذبۂ ایمانی پیدا ہوگا کہ ہم اپنی آزادی کی لڑائی لڑ سکیں۔ احیاءِ مذہب کا نعرہ بلند کرنے والوں نے ہماری موجودہ پستی اور انحطاط کے مقابلہ میں ہماری ماضی کے شاندار کارناموں کی یاد تازہ کی اور اس طرح ہم میں قومی عظمت کا احساس اور سامراجیوں سے نفرت کا جذبہ پیدا کیا۔ ان کی باتیں مذہبی ہوتی تھیں مگر اس کی تہہ میں سامراج دشمنی کا جذبہ کام کر رہا تھا انیسویں صدی میں مسلمانوں کی آزادی کا نعرہ سب سے پہلے وہابیوں نے بلند کیا۔ اس تحریک کا ایک سرا بنگال اور دوسرا سرحد کی پٹھانوں سے ملتا تھا۔ اس جد و جہد کے روحِ رواں مولوی سید احمد اور مولانا اسمٰعیل شہید تھے۔ اور اس کے کھنڈرات آج تک پٹنہ کے متروک علاقوں اور کالے پانی کے جزیرہ پر قبروں کی شکل میں موجود ہیں۔

اس کے بعد ۱۸۵۷ء کی بغاوت نمودار ہوتی ہے غاصب انگریزوں کو نکالدو کی پکار مشرق سے چلکر مغرب اور جنوبی ہندوستان تک گونج جاتی ہے۔ مسلمان اس انقلاب میں بھی پیش پیش تھے۔ دوستوں کی جنگ غیر منظم اور دشمن کی مخالفت اور چالبازانہ ہوائی نقشے

مطابق ہوتی ہے۔ فروری ۱۹۹۰ء سے ستمبر ۱۹۹۰ء تک ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں میدان کارزار میں گولیوں کا نشانہ بنتے ہیں، پھانسی کے پھندوں کی گرفت کی راہ ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سلا دیئے جاتے ہیں اور زندہ آگ میں جلا دیئے جاتے ہیں۔ نوجوانوں کی ابھرتی ہوئی قوتوں کو ابھرنے سے کچل کر برسوں کے لئے دفن کر دیا جاتا ہے۔

ہماری اس تاریخی جدوجہد نے مختلف دور میں وقت و حالات کے مطابق مختلف روپ اختیار کئے۔ چنانچہ انیسویں صدی کے آخری دور کے اندھیارے میں جب کہ دشمن کے پنجہ کی گرفت مسلسل مشق ستم کے باعث کافی مضبوط ہو گئی تھی۔ روشنی کی ایک نئی کرن نظر آئی مسلمانوں میں ایک نیا رجحان پیدا ہوا۔ اس کے ماننے والے نئے خیالات کے حامی تھے وہ زندگی کی حقیقتوں کو سمجھنے کے لئے عقیدے کی بجائے عقل سے کام لینا چاہتے تھے۔ ان کی کوشش تھی کہ اس ملک کی قوموں میں جمہوری خیالات پھیلیں جاگیری نظام کا خاتمہ ہو وہ چاہتے تھے کہ ہم اپنے پرانے اور فرسودہ خیالات کو ترک کریں اور جتنی اچھی باتیں ہمیں مغرب سے ملیں ان کو بھی اپنا لیں اور اختیار کریں۔ مسلمانوں میں اس خیال کے علمبردار سر سید احمد خاں تھے ان کی باتیں سچی تھیں ان کے خیالات جمہوری تھے اور وہ چاہتے مسلمانوں میں علم کی روشنی پھیلانا چاہئے۔

بیسویں صدی میں ہماری تحریک آزادی شہروں میں درمیانی طبقے کے پڑھے لکھوں تک محدود تھی کانگریس کا قیام عمل میں آ چکا تھا ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا اس وقت لیگ اور کانگریس کی طرف سے ذمہ دار حکومت اور پورے ملک میں نمائندہ اداروں کے قائم کرنے کا مطالبہ کیا گیا لیکن جب یہ سوال اٹھا کہ یہ نمائندہ ادارے کس بنیاد پر قائم کئے جائیں تو انگریز نے کہا ووٹ دینے کا حق ان لوگوں کو ہو گا۔ جو سمجھداری سے اس حق کو استعمال کر سکیں مطلب یہ تھا کہ ووٹ صرف وہی لوگ دے سکیں گے جو دولتمند اور تعلیم یافتہ ہیں۔ اس وقت مسلمانوں کی کیفیت یہ تھی کہ نہ تو وہ دولتمند تھے نہ تعلیم یافتہ۔ تعلیم میں ان کا تناسب ۲٫۵ فی صدی تھا۔ کانگریسی اور ہندو اس بات پر اڑے ہوئے تھے کہ ووٹ دینے کا حق دولتمند اور تعلیم یافتہ لوگوں تک محدود رہنا چاہئے۔ اس وقت کانگریس کا فرض تھا کہ محدود حق رائے دہی کی خرابیوں کو دور کرنے کے لئے خاص تحفظات وضع کرتی اور مسلمانوں کو متناسب نمائندگی کا حق دیتی اور پھر دونوں مل کر برطانیہ سے مطالبہ کرتے کہ وہ حق رائے دہی بالغاں کے اصول کو تسلیم کرے لیکن ہندو اور کانگریسیوں نے ذرا نہ سوچا کہ مسلمانوں کے ساتھ ناانصافی ہو رہی ہے اور وہ محدود اور مخلوط انتخاب کی حمایت کرتے رہے یہ ہماری تحریک آزادی کے دور کا سب سے پہلا الجھاؤ تھا۔ اگر تمام بالغ مردوں اور عورتوں کو حق رائے دہی دیا جاتا تو مخلوط اور جداگانہ انتخاب کا مسئلہ بالکل مختلف صورت اختیار کر لیتا۔

مسلم لیگ کے پورے دور پر نظر ڈالنے سے ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ لیگ ہمیشہ دو مسئلوں پر زور دیتی رہی ہے۔ پہلے ہندوستان کے ان مطالبات پر جو مسلمانوں اور غیر مسلموں کے برطانوی حکومت کے مقابلے پر مشترکہ مطالبات تھے دوسرے اس مطالبے کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی پیش کی جاتی رہی ہے کہ مسلمانوں کو چند ایسے حقوق ملنے چاہئیں جو ایک آزاد ہندوستان میں انہیں آزادی سے زندگی بسر کرنے کا موقع دیں۔ مثلاً جداگانہ انتخاب، مسلمانوں کے لئے مجلس قانون ساز میں نشستوں کا تحفظ، سرکاری نوکریوں میں ان کا مناسب تناسب ان کی زبان اور مذہب کا تحفظ۔ یہ تھے وہ مطالبات جو مسلمانوں کی آزادی کا جزو قرار دئے گئے۔ مسلمانوں کو ان مخصوص مطالبات پیش کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں وطنی آزادی کے جذبہ کی کمی ہے اور وہ ہندوستان کے غیر مسلموں سے

... سے قوم پرور رہنما تسلیم کرتے ہیں خیال ہے وہ لکھتے ہیں کہ ۱۹۰۹ء میں منٹو مارلے اصلاحات کے ذریعے جداگانہ انتخاب کا حق جو مسلمانوں کو ملا یہی فرقہ بندی اور تمام جھگڑوں کی جڑ ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس طرح انگریزی حکومت نے ایک منصوبے کے تحت ہندو مسلمانوں کو لڑا کر اپنا اقتدار مضبوط کیا اور اس طرح وہ ہندو مسلم اتحاد کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

حالات کو حقیقت کی روشنی میں دیکھنے سے بالکل دوسری تصویر نظر آتی ہے جو یہ کہ ہندوستان کے وہ علاقے جہاں مسلمان بڑی تعداد میں بستے ہیں۔ مثلاً مشرقی بنگال۔ مغربی پنجاب۔ سرحد۔ سندھ۔ بلوچستان۔ جب صنعتی تجارتی اور تعلیمی ترقی کے اعتبار سے بمبئی۔ کلکتہ۔ احمد آباد۔ اور مدراس وغیرہ کے پچھڑے ہوئے ہیں ان آگے بڑھے ہوئے خطوں میں ہندو بڑی اکثریت میں آباد ہیں اور جدید ہندوستان کی قومیت کی تحریک بھی ان ہی علاقوں سے شروع ہوتی ہے۔ یہی لوگ کانگریس کی بنیاد بھی رکھتے ہیں پھر اگر اس بات کو ذہن نشین رکھا جائے کہ جب قومی مطالبات کی صورت یہ ہو کہ صرف صاحب جائیداد کو ووٹ کا حق ملے اور صرف انگریزی پڑھے لکھے لوگ سرکاری عہدوں پر فائز ہو سکیں تو مسلمان جو ہر اعتبار سے پچھڑے ہوئے تھے اگر اپنے لئے علیحدہ مطالبات پیش نہ کرتے تو کس طرح وہ اس قومی ترقی سے فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ یہ مطالبات خود غرضی اور قومیت کے اصول کے منافی نہیں بلکہ ایک پچھڑی ہوئی جماعت کے لئے جائز اور جمہوری مطالبات تھے۔

جنگ بلقان اور ترکی سلطنت پر یورپین شہنشاہیت کی یلغار سے عالم اسلام اور ہندوستان کے مسلمانوں میں ایک ہیجان پیدا ہوا۔ علی گڑھ کالج کے نوجوانوں میں ترکی کی مدد کے لئے ایک زبردست تحریک شروع ہوئی جسے مولانا محمد علی کے اخبار کامریڈ نے ایک منظم شکل دی ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی رہنمائی میں ایک میڈیکل مشن ترکی گیا۔ مولانا آزاد کے اخبار الہلال نے مسلمانوں میں آزادی کے جذبات پھیلائے دراصل بیرونی شہنشاہیت کی مخالفت کی یہ مختلف شکلیں تھیں۔

۱۹۱۵ء میں ہندوستان کے انتہا پسند انقلابیوں کا ایک گروہ جس میں ہندو اور مسلمان دونوں شریک تھے۔ ہندوستان سے باہر تھا اس گروہ نے ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے انگریزوں سے لڑنے کا ارادہ کیا اور اس غرض سے کابل میں ایک عارضی حکومت قائم کی اس کے رہنماؤں میں مولانا عبید اللہ سندھی راجہ مہندر پرتاب۔ مولوی برکت اللہ اور دیگر چند پارٹیاں ... بھائی) وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔

ہندوستان کے اندر بھی لوگ محسوس کرنے لگے تھے کہ انگریزوں سے اختیار حاصل کرنے کے لئے ایک متحدہ محاذ بنانا ضروری ہے۔ آغا خان اور اُن کے ساتھی جو اس وقت مسلمانوں کے رہنما بنے ہوئے تھے پیچھے ہٹا دیئے گئے نئے رہنما سامنے آئے جن میں مولانا محمد علی مولانا ابوالکلام آزاد اور مسٹر محمد علی جناح سب سے ممتاز حیثیت رکھتے تھے یہی لوگ اب مسلم لیگ کی ناؤ کھینے لگے۔ کانگریس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا گیا کوشش کامیاب ہوئی چنانچہ ۱۹۱۶ء میں کانگریس اور لیگ دونوں نے لکھنؤ میں اجلاس کئے اور دونوں میں جو معاہدہ ہوا اس کی توثیق کی اس معاہدہ میں متفقہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ ہندوستان کو سلطنت برطانیہ کے ایک آزاد رکن کی حیثیت سے مساوی حقوق اور ذمہ داریاں دی جائیں اور ایک خود مختار ریاست کا درجہ دیا جائے اس معاہدہ کے ذریعہ مطالبہ کیا گیا کہ جو لیجسلیٹو کونسلوں میں منتخب ممبروں کی تعداد بڑھائی جائے اور اکثریت ایسے لوگوں کی ہو جو منتخب ہو کر آئیں۔ کانگریسی لیڈروں نے جداگانہ انتخاب کے اصول کو مان لیا اور اُسے صوبہ متوسط اور پنجاب میں بھی نافذ کرنے پر رضامند ہو گئے۔ لیگ اور کانگریس دونوں جماعتوں کے لیڈروں کو بڑی خوشی تھی کہ سمجھوتہ ہو گیا۔ لیگ کے رہنماؤں نے کانگریس کے اجلاس میں شرکت کی اس موقعہ پر لوکمانیہ تلک نے تقریر کرتے

بہت سے لوگ ہم سے کہتے ہیں کہ ہندو اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ ضرورت سے زیادہ جھک گئے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ہم ضرورت سے زیادہ جھک ہی نہیں سکتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں پوری ہندو جاتی کے جذبات کی ترجمانی کر رہا ہوں ہم کو جب ایک تیسری جماعت سے لڑنا ہے تو یہ ایک بہت بڑی چیز اور بڑا اہم واقعہ ہے کہ ہم اس جگہ متحد کھڑے ہوئے ہیں ہم نے نسلی مذہبی اور سیاسی تمام اختلافات کو بھلا دیا ہے۔

اس موقعہ پر سر سیندر ناتھ جی، گاندھی جی، سروجنی نائیڈو، اور بپن چندر پال نے تو لیگ کی کاروائی میں حصہ لیا۔ مسٹر جناح نے اس موقعہ پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا "اگر کسی اقلیت کے سیاسی شعور کو صحیح راستے پر لگانا ہے اور قومی انجام دہی میں اسے مل جل کر کام کرنے پر آمادہ کرنا ہے تو سب سے پہلے اس اقلیت کے دل میں یہ احساس پیدا کرنا چاہئیے کہ اس کے تمام حقوق محفوظ ہیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو یہ اطمینان اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ ایک فرقہ کی حیثیت سے ان کے سیاسی وجود کو قائم رکھنے کے لئے مناسب اور موثر تحفظات منظور کئے جائیں"۔

جنگ عظیم کے خاتمہ پر انقلاب اور آزادی کی ایک زبردست لہر اٹھی۔ ساری دنیا میں قومی تحریکات کا ایک ابال آیا۔ انقلاب روس نے روسی شہنشاہیت کی دھجیاں اڑا دیں اور دنیا کی تاریخ میں پہلی بار محنت کش عوام (مزدوروں اور کسانوں) کی حکومت قائم ہوئی۔

روس کے ہمسایہ اسلامی ممالک مثلاً ترکی، ایران، افغانستان، وسطی ایشیا کے مسلمان نے اپنی آزادی کی جدوجہد شروع کی جس میں انہیں براہ راست روس کی پنچایتی حکومت سے مدد ملی۔ عربی ممالک میں مغربی سامراجی تسلط کے خلاف پرزور احتجاج شروع ہوا۔ اسلامی دنیا کی اس انقلابی ہلچل سے ہندوستان کے مسلمان بھی متاثر ہوئے۔ نیز ہندوستان میں برطانوی تشدد و سخت گیری ایک طرف معاشی گراوٹ دوسری طرف ان واقعات نے عوام میں ایک ہیجان پیدا کر دیا۔

ہماری تحریک آزادی نے ایک قدم اور آگے بڑھایا۔ کانگریس اور خلافت کمیٹی کے ملنے سے انگریزی حکومت کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم ہوا اور ایک بڑی زبردست عوامی تحریک شروع ہوئی۔ اس تحریک کے رہنما علی برادران اور گاندھی جی تھے۔ گو کہ سوراج کا نعرہ بلند ہونے لگا۔ یہ ایک ناقابل فراموش حقیقت ہے کہ مسلمانوں اور ہندوؤں نے اور میدانوں میں اگرچہ برابر ترقی نہیں کی تھی۔ لیکن مکمل آزادی کی آواز پہلے پہل مسلمانوں نے ہی اٹھائی تھی۔ خلافت کی تحریک کے لیڈروں نے سب سے پہلے یہ مطالبہ کیا کہ سوراج کی تشریح کر دو اور اعلان کر دو کہ اس کا مطلب مکمل آزادی ہے۔

سنہ ۱۹۲۱ء میں احمد آباد میں کانگریس کا اجلاس ہوا تو مولانا حسرت موہانی نے یہ مطالبہ پیش کیا۔ گاندھی جی نے اس کی زبردست مخالفت کی انہوں نے کہا "کہ مکمل آزادی کے مطالبہ سے مجھے تکلیف ہوئی یہ غیر ذمہ داری کی علامت ہے"۔ اسی طرح سب سے پہلے مسلم لیگ نے سنہ ۱۹۱۹ء میں امرتسر کے اجلاس میں یہ تجویز منظور کی کہ "مسلمان انگریزوں کی فوج میں بھرتی نہ ہوں"۔

سنہ ۱۹۲۲ء میں لکھنؤ میں خلافت کمیٹی اور جمعیۃ العلمائے ہند کی مجلس عاملہ کا ایک مشترکہ جلسہ ہوا جس میں ایک قرار داد منظور ہوئی کہ "ہندوستان اور ہندوستان کے مسلمانوں کے مفاد کا تقاضہ ہے کہ کانگریس سوراج کی بجائے مکمل آزادی کو اپنا نصب العین قرار دے"۔

اس زمانہ میں کانگریس کا ایک حصہ اس بات کی مخالفت کرتے تھے اور یہ عذر پیش کرتے تھے کہ اس سے کانگریس کے دستور میں بنیادی تبدیلیاں کرنی ہوں گی۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مسلمان گو تعداد میں کم تھے اور ان کی مالی حالت بہت خراب تھی مگر خلافت کی تحریک کے سلسلے ایک کروڑ روپیہ انہوں نے جمع کیا۔ تلک سوراج فنڈ کے لئے بھی ہندوؤں نے اتنا ہی روپیہ جمع کیا تھا۔ مسلمان لاکھوں کی تعداد میں جیلوں میں گئے ہزاروں کی تعداد میں گولیوں کا نشانہ بنا دیئے گئے۔ فوج کو بغاوت کی تعلیم بھی پہلے پہل مسلمان لیڈروں علی برادران مولانا حسین احمد مدنی نے دی اور اس کی پاداش میں انہیں چھ سال قید فرنگ نصیب ہوئی پھر اسی کے ساتھ مالابار کے مسلمان موپلا کسانوں کو بھی یاد رکھیئے جنہوں نے زمینداروں اور انگریز حکمرانوں کے خلاف بغاوت بلند کیا اور نہایت بہادری سے جدوجہد اور قربانی کے میدان میں ڈٹے رہے۔ برطانوی سامراج پر لرزہ طاری ہو گیا اور اس نے خوفزدہ اور ہو کر تحریک کو کچلنا شروع کیا۔

فروری ۱۹۲۲ء میں جب گاندھی جی نے عدم تعاون کی تحریک کو ختم کرنے کا اعلان کیا تو خلافت کی تحریک کے تمام لیڈروں نے اس کے خلاف سخت احتجاج کیا وہ انگریزی سامراج کے خلاف جدوجہد جاری رکھنا چاہتے تھے چنانچہ ایک اعلان کے ذریعہ انہوں نے جنگ آزادی کو جاری رکھنے کے لئے ایک کروڑ ستیہ گرہی مسلمانوں کے نام طلب کئے (ملاحظہ ہو مرکزی خلافت کمیٹی کی کارروائی)

مسلمانوں کے اس مجاہدانہ جوش و خروش کو گاندھی جی اور دوسرے کانگریسی لیڈروں نے دبا دیا —

ترک موالات اور خلافت کی تحریک سے جہاں ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں سیاسی شعور بڑھا وہاں ایک بڑا نقصان یہ ہوا کہ اس تحریک کی ناکامی پر مسلمانوں کا شیرازہ بکھر گیا خلافت کمیٹیاں ختم ہو گئیں۔ مسلم لیگ بھی اپنی تنظیمی کمزوری کی وجہ سے مسلمانوں کی اکثریت کو اپنے اندر نہ کھینچ سکی برطانوی شہنشاہیت اور رجعت پسند جاگیری اور سرمایہ پرست طبقہ نے اس سیاسی جمود سے فائدہ اٹھایا اور ہندو مسلم فسادات کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ آئینی بحثیں ہونے لگیں اور آزاد ہندوستان کے دستور اساسی کے خاکے مرتب ہونے لگے۔ یہاں سے یہ سوال اٹھا کہ مسلمانوں کے حقوق کیا ہوں گے۔ اور آزاد ہندوستان کے جمہوری نظام میں ان کی حیثیت کیا ہو گی۔

کانگریس کا تصور یہ تھا کہ ہندوستان کی سوراجی حکومت انگریزی نمونہ کی جمہوری حکومت ہو گی جہاں میں صرف ایک قوم اور ایک مرکزی حکومت ہوتی ہے اور صوبائی حکومتوں کے اختیارات بہت محدود ہوتے ہیں چنانچہ جب نہرو کی صدارت میں کل جماعتی کمیٹی نے دستور مرتب کرنا شروع کیا تو اس کی کوشش محض یہ تھی کہ کسی برطانوی نو آبادی سے ملتا جلتا دستور بنایا جائے۔ اس کمیٹی نے بالکل یہ نہ سوچا کہ یہ دستور ایسا ہونا چاہیئے جس میں مسلمانوں کے مطالبے پورے ہوں۔ مسلمانوں کے مطالبے کا لب لباب یہ تھا کہ ہندوستان کا دستور وحدانی نہ ہو بلکہ وفاقی ہو۔ صوبوں کو پوری خود مختاری ہو اور جن اختیارات کی تصریح نہ ہو وہ سب صوبوں کے ہاتھ میں ہوں کانگریس اور ہندو چاہتے تھے کہ ہندوستان کا دستور وحدانی ہو اور یہاں ایک مضبوط مرکزی حکومت قائم کی جائے۔
انہیں امید تھی کہ انگریز مرکز میں ایک مضبوط حکومت قائم کر جائیں گے وہ مسلمانوں کے مطالبات کو شک کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور کہتے تھے

جامعہ نگر (دہلی)

ہیں کو خود مختاری دینا بہت خطرناک ہے۔ دوسری طرف مسلمانوں نے دیکھا کہ کانگریس ایک مضبوط مرکزی حکومت قائم کرنے پر اصرار کر رہی ہے اور غیر تشریح شدہ اختیارات بھی صوبوں کے ہاتھ میں چھوڑنے پر تیار نہیں تو انہیں بھی بدگمانی ہونے لگی۔ کہ ہندو اپنا غلبہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔

دسمبر ۱۹۲۸ء میں آل پارٹیز کنونشن کے اجلاس ہوئے اسی اجلاس میں تمام جماعتوں کا اتحاد ہمیشہ کے لئے درہم برہم ہوگیا۔ انگریزوں کی منظوری حاصل کرنے کی غرض سے کانگریس نے اپنی اسکیم میں ہر طرح کی ترمیم اور تبدیلی کی مگر مسلمانوں کے اعتراض پر کوئی دھیان نہیں دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علی برادران اور مسٹر جناح سب ہی ناراض ہو کر علیحدہ ہو گئے۔ کانگریسی لیڈر اسی خوش فہمی میں مبتلا رہے کہ ہندوستان میں فرانس اور انگلستان کی طرح ایک قوم بستی ہے وہ یہ نہ دیکھ سکے کہ یہ متعدد قوموں کا مسکن ہے اور ان میں سے ہر قوم کی زبان طرز معاشرت اور تاریخی روایات علیحدہ ہیں۔ ہندوستان کی آزادی کا مطلب یہ ہے کہ یہاں ہر قوم آزاد ہو۔ ایسے ہی دوسرے ملک کی طرح ترقی کرنے کا موقع ملے۔ اس ملک میں ایک مضبوط حکومت صرف اس طرح قائم ہو سکتی ہے کہ خود مختار صوبے اپنی مرضی سے اپنے اقتدار اعلیٰ اور اپنے اختیار کا کچھ حصہ مرکز کو سونپ دیں۔ یہی ایک منصفانہ طریقہ ہے جس پر عمل کر کے ہندو مسلم مسئلہ کو حل کیا جاسکتا تھا۔ یہ ایک قابل ذکر بات ہے کہ ہندوستان کے مایہ ناز انقلابی مسلمان مولانا عبید اللہ سندھی ۱۹۲۶ء میں اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے وہ سوویٹ یونین کو انقلاب کے بعد دیکھ چکے تھے۔ چنانچہ ۱۹۲۶ء میں جب وہ قسطنطنیہ میں جلا وطنی کے دن گذار رہے تھے تو انہوں نے ہندوستان کے لئے ایک دستور کا خاکہ مرتب کیا تھا جسے وہ سرودیہ "دستور یعنی عام لوگوں کی حکومت قائم کرنے والا دستور کہتے تھے۔ ان کی رائے میں مستقبل کے ہندوستان میں بنگالی، سندھی، بلوچی، پختون (پٹھان)، مغربی پنجابی، وسطی پنجابی، اور کشمیری، اور ان میں سے ہر ایک قوم کی اپنی [illegible] ہے۔

انہوں نے ہندو مسلم مسئلہ کو حل کرنے کے لئے جو تجویزیں پیش کی تھیں اس کے اہم نکتے یہ ہیں۔

(۱) ہر قوم کو حق خود اختیاری ملے۔

(۲) ہندوستان کی متحدہ ریاست ایسی ہو کہ اس میں اقتدار اعلیٰ رکھنے والی قومی جمہوریتیں اپنی مرضی سے شامل ہوں۔

(۳) زمینداری نظام مٹا دیا جائے۔

(۴) بھاری صنعتیں قوم کی ملکیت قرار دی جائیں۔

کانگریس میں اب ڈاکٹر انصاری اور ان کے ساتھ چند گنتی کے مسلمان رہ گئے تھے۔ کانگریس نے ۱۹۳۰ء میں جب عدم تعاون کی تحریک شروع کرنے کا فیصلہ کیا تو ڈاکٹر انصاری کا آخر تک اصرار تھا کہ مسلمانوں سے سمجھوتہ کر لو۔ لیکن کسی نے ان کی بات نہ سنی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب تحریک شروع ہوئی تو ۱۹۲۱ء کے مقابلہ میں بہت کم مسلمانوں نے اس میں حصہ لیا۔ سرحد کے پٹھانوں اور کشمیر کے مسلمانوں میں قومی تحریک کی جڑیں پھیلیں وہ کانگریس کی کوششوں کا نتیجہ نہیں تھیں سرحد کے پانچ ہزار خدائی خدمتگار "پٹھان لیڈر کے قصہ خوانی بازار میں انگریزی گولیوں کا نشانہ بنا دیے گئے۔

جب گاندھی جی نے ۱۹۳۱ء میں لارڈ ارون سے معاہدہ کرنے کے بعد سول نافرمانی کی تحریک ختم کر دی۔ تو گول میز کانفرنس میں ایک بار پھر ہندو مسلم اتحاد کا سوال اٹھا۔ گاندھی جی کانگریس کی نمائندگی کر رہے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ برطانیہ کی لیبر گورنمنٹ کانگریس کی مقبولیت اور ہمہ گیر اثر کو دیکھتے ہوئے صرف کانگریس سے سمجھوتہ کرے گی لیکن انگریز نے ایسا نہ کیا۔

وہ تمام مسائل جن پر ابھی تک سمجھوتہ نہ ہو سکا تھا پھر اٹھ کھڑے ہوئے متحدہ محاذ قائم کرنے کی زبردست کوششیں ہونے لگیں۔ اقلیتی کمیٹی میں مسلم رہنماؤں نے تجویز پیش کی کہ پنجاب کی

سرحد کو تبدیل کر کے انبالہ ڈویژن کو جہاں اکثریت ہندوؤں کی ہے علیحدہ کر دیا جائے تاکہ پنجاب میں مسلمانوں کی واضح اکثریت ہو جائے۔

یہ تجویز نامنظور کر دی گئی۔ بنگال کی مسلم اکثریت کی پوری نمائندگی کا سوال بھی حل نہیں کیا گیا۔ مہاسبھائی لیڈروں کی کوششیں کامیاب ہوئیں۔ برطانوی وزیراعظم کو ثالث مقرر کیا گیا اور اس نے "بانٹو اور حکومت کرو" کے مقدس اصول کی روشنی میں اپنا فیصلہ نافذ کر دیا۔

ہندو اور مسلمان دونوں جماعتوں کے لیڈروں نے دیکھ لیا کہ "فرقہ وارانہ فیصلہ" دونوں فرقوں کے لئے تباہی کا پیغام لے کر آیا ہے۔ دونوں نے انگریز کی چال کو مات دینے کے لئے متحدہ محاذ بنانے کی ضرورت محسوس کی۔ دسمبر ۱۹۳۲ء میں الہ آباد میں اتحاد کانفرنس ہوئی۔ جس میں مدن موہن مالویہ اور ڈاکٹر مونجے جیسے کٹر مہاسبھائیوں نے مسلمانوں کا مطالبہ تسلیم کیا کہ (۱) ہندوستان میں وفاقی حکومت بنائی جائے ذریعہ
صوبوں کو مکمل خود مختاری اور تمام غیر تصریح شدہ اختیارات حاصل ہوں۔ (۲) سندھ شمال مغربی سرحد اور بلوچستان علیحدہ صوبے بنا دیئے جائیں۔ (۳) بنگال اور پنجاب میں مسلمانوں کی اکثریت ہے ان کی صحیح نمائندگی ان صوبوں کی مجلس قانون ساز میں ہونی چاہیئے۔

(۴) مرکز میں مسلمانوں کو ۳۲ فی صدی نمائندگی ملنی چاہیئے۔ لیکن سرکار، سکھوں اور بنگال کے مہاسبھائیوں نے اس سمجھوتہ کی سختی سے مخالفت کی۔

کانگرس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ مسلم رہنماؤں کا دل ٹوٹ گیا۔ انہوں نے سمجھوتہ کی تمام امیدیں منقطع کر دیں۔

۱۹۳۵ء میں بابو راجندر پرشاد اور مسٹر جناح کے درمیان ایک اور سمجھوتہ ہوا لیکن پنجاب کے مہاسبھائیوں کی مخالفت کی وجہ سے وہ بھی ختم ہو گیا۔

۱۹۳۷ء میں نئے دستور کا نفاذ ہوا الیکشن کے دوران میں عوام میں ایک نئی بیداری کے آثار پیدا ہوئے۔ کانگرس اور لیگ کو دونوں نے انتخاب میں حصہ لیا۔ یوپی میں دونوں میں یہ سمجھوتہ ہو گیا کہ وہ ایک دوسرے سے انتخاب میں نہیں لڑیں گے۔ کانگرس کی بہت بڑی کامیابی ہوئی۔ اس وقت ضرورت تھی کہ کانگرس اور لیگ کی متحدہ وزارتیں بنتیں۔ ہندو مسلم سمجھوتہ ہوتا۔ غریب اور محنت کش عوام کو ان کے معاشی مطالبات کی بنا پر منظم کیا جاتا لیکن کانگرس نے اقتدار اعلیٰ کے نشہ میں سب کچھ بھلا دیا۔ کانگرسی رہنماؤں نے یو پی جیسے صوبہ میں لیگ اور کانگرس کی ملی جلی وزارت بنانا قبول نہیں کیا۔ ضد یہ پیش ہوا کہ "ایک ہی خیال" کے رکنوں پر مشتمل وزارت بننی چاہیئے۔

کہا گیا کہ کانگرس لیگ کے چند ممبروں کو وزارت میں لے سکتی ہے بشرطیکہ وہ اسمبلی میں اپنی پارٹی ختم کر دیں۔ اپنا پارلیمنٹری بورڈ توڑ دیں۔ کانگرس کے عہد نامہ پر دستخط کریں۔ کانگرس کے ڈسپلن کو قبول کریں۔ یہ شرطیں کانگرس پارلیمنٹری بورڈ کی طرف سے چودھری خلیق الزماں کے سامنے پیش کی گئی تھیں۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ مسلمانوں میں کانگرس کے خلاف ایک عام بداعتمادی پیدا ہو گئی

۱۹۳۷ء کی قرارداد کے مطابق مسلم لیگ کا نصب العین "ہندوستان میں آزاد جمہوری ریاستوں کا وفاق قائم کرنا تھا۔ جس میں مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے حقوق اور مفاد کے لئے مناسب اور موثر تحفظات موجود ہوں گے۔" ورکنگ کمیٹی کو ہدایت کی گئی کہ مکمل آزادی کے لئے کوئی تدبیر نکالے اور اس خیال کی سب سیاسی انجمنوں کو باہمی حمایت کی دعوت دینا اس کا فرض منصبی قرار دیا گیا۔

لیگ نے مسلمانوں کی قومی زندگی میں مرکزی حیثیت اختیار کر لی۔ دراصل لیگ ہی کی قومی بیداری کا سرچشمہ تھی۔ کانگرس والے اور ہندو یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ مسلمان کیوں اپنی اکثریت کے صوبوں، مثلاً سندھ، سرحد، پنجاب، بلوچستان وغیرہ کے لئے اقتدار اعلیٰ اور خود مختاری کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ دراصل اس مطالبہ کی تہہ میں ان قوموں کا یہ جذبہ کام کر رہا تھا کہ وہ اپنے وطنی علاقوں میں آزادی سے زندگی بسر کریں۔ اس وقت تک مسلمانوں نے ہندوستان سے علیحدہ ہونے کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔

۱۹۲۸ء میں کل جماعتی کنونشن کی ناکامی کے بعد آل انڈیا خلافت کانفرنس نے مطالبہ کیا تھا کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کی طرح آزاد ہندوستان میں بھی آزاد جمہوریتوں کی ریاست قائم کی جائے۔

۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ نے بھی آزادی کے نصب العین کی تشریح کرتے ہوئے اسے "آزاد جمہوری ریاستوں کے وفاق" سے تعبیر کیا۔ صوبائی وزارتوں کے زمانہ میں سارا ملک سامراجی وفاق کی مخالفت پر آمادہ تھا اس وقت آزاد اور خود مختار ریاستوں کے رضاکارانہ اور جمہوری وفاق کے اصول کی بنیاد پر کانگرس اور مسلمانوں کا متحدہ محاذ بڑی آسانی سے قائم کیا جا سکتا تھا۔ لیکن ۱۹۲۸ء سے ۱۹۳۹ء تک لیگ کانگرس گفت و شنید کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اس وقت بھی لیگ اور کانگرس فیڈریشن (انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء) کی مخالفت اور مکمل آزادی کا مطالبہ کرتے رہے لیکن دونوں آپس میں متحد نہ ہو سکے۔

۱۹۳۹ء میں لڑائی چھڑی اور جنگی ضروریات سے مجبور ہو کر برطانوی حکومت نے کانگرس اور لیگ سے اصلاحات کے سلسلے میں گفتگو کی لیکن چونکہ کانگرس اور لیگ متحد نہ تھے اس لئے دونوں طاقت سے محروم رہے۔ باربار کی ناکامیوں نے مسلمانوں میں انتہائی مایوسی کا جذبہ پیدا کر دیا۔ اس جذبہ نے علیحدگی پسندی کی صورت اختیار کر لی ۱۹۴۰ء میں لیگ نے لاہور کے تاریخی اجلاس میں وہ ریزولیوشن منظور کیا جو بعد میں "پاکستان" کے ریزولیوشن کے نام سے مشہور ہوا۔ اور جس میں شمال مشرق اور مغرب کے ان علاقوں میں جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں انہیں خود مختار اور مکمل آزاد ریاستیں بنانے کا مطالبہ کیا اس تجویز میں اس امر کا اعلان کیا گیا تھا کہ "پاکستانی ریاست جن وحدتوں (یا علاقوں) سے مل کر بنے گی وہ سب" خود مختار اقتدار اعلیٰ کی مالک ہوں گی"۔ اس موقع پر مسٹر جناح نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم صاف لفظوں میں ہندوستان کی آزادی کے طالب ہیں لیکن ہم آزادی ایسی کہ ہندوستان کی آزادی جو کسی ایک گروہ یا اکثریتی گروہ کی آزادی نہ ہو اس کے پردہ میں مسلمان اور ہندوستان کی دوسری اقلیتیں غلام نہ بنائی جائیں جمہوریت کا کوئی اصول لیگ کے اس مطالبہ کے منافی نہیں ہے۔ یہ مطالبہ دراصل ان مسلم عوام کی آزادی کا مطالبہ ہے جو جلیانوالہ باغ میں ہندو اور سکھوں کے ساتھ انگریزی گولیوں کے سامنے سینہ سپر کھڑے تھے جنہوں نے خلافت اور کانگرس کی ۱۹۲۰ء کی تحریک میں انگریزی جیل خانوں کو بھر دیا تھا اور جو قصہ خوانی بازار میں انگریزی گولیوں کی بوچھاڑ میں آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے آج وہ مسلم عوام لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہیں اور ان کے احساسات اور جذبات کی ترجمانی مسلم لیگ کر رہی ہے۔

مسلم لیگ دراصل ہندوستان کی قومی تحریک آزادی کی پیداوار ہے یہاں اس حقیقت کو ہمیں کسی وقت بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیئے کہ مسلم قوموں کی آزادی کا مطالبہ اور ہندوستان کی آزادی کا مطالبہ ایک ہی وسیع تحریک آزادی کے دو پہلو ہیں جس طرح ہندوستان کے عوام برطانوی شہنشاہیت سے علیحدہ ہونا چاہتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح ہندوستان میں بسنے والی ہر قوم کی یہ خواہش ہے کہ ان کو یہ حق ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے حلقوں میں آزاد ہوں۔ قوموں کی آزادی کے مطالبہ کو مان لینے سے ہندوستان ہرگز ہرگز ٹکڑے ٹکڑے نہ ہوگا بلکہ اسی طرح رواداراں اور مساویانہ بنیادوں پر تمام ہندوستانی قوموں کا اتحاد ہوگا اور یہ اتحاد زبردستی کے اتحاد سے ہزار گنا مضبوط اور پائیدار ہوگا۔ بیرونی حملہ آوروں سے بچاؤ کے لئے بلاشبہ اتحاد کی ضرورت ہے اور یہ کوئی ناممکن بات نہیں۔ سوویٹ روس کی شاندار مثال ہمارے سامنے ہے جہاں ہر قوم کو اپنے حلقوں میں آزادی حق خود اختیاری اور حق علیحدگی حاصل ہے۔ اور پھر وہ (۱۶ آزاد ریاستیں) بیرونی حملہ آوروں کے خلاف ایک متحدہ محاذ پیش کر رہی ہیں یہاں پر اس امر کی وضاحت کر دینا بھی مناسب ہوگا کہ اس وقت بھی ہندوستان کی فوج میں مسلمانوں کا تناسب ۵۵ فی صدی ہے۔

اس ملک کے کروڑوں انسان میں ہوکت پاکستان ہمارا حق ہے"۔
کا نعرہ بلند کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو
بھی اور نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ اس ملک کی ہر قوم کو آزاد ہندوستان
میں ایک آزاد قوم کی حیثیت سے زندہ رہنے اور اپنے تخیلات
کے مطابق اپنے حلقوں اور سرحدوں میں آزاد جمہوری ریاستیں بنانے
کا حق حاصل ہونا چاہیے۔ آیئے ذرا مسلم حلقوں کے اعداد و شمار
کا مطالعہ کریں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ پنجاب میں اگر انبالہ ڈویژن کو
علیحدہ کر دیا جائے تو مسلمانوں کی آبادی ۷۰ فی صدی ہے (بقیہ میں
۱۴ فی صدی سکھ اور ۱۵ فی صدی ہندو ہیں) اور پھر سندھ میں
۷۱ فی صدی بلوچستان میں ۸۷ فی صدی سرحد میں ۹۲ فی صدی
اور انبالہ ڈویژن کو علیحدہ کر کے بغیر شمال مغرب کے پورے مسلم
حلقہ میں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب ۷۷ فی صدی ہے۔ اسی طرح
مشرقی بنگال (جس میں بنگال کا زیادہ حصہ شامل ہے) میں اگر
آسام کے سلہٹ اور گوالپاڑہ کے مسلم ضلعوں کا الحاق کر دیا جائے
تو ستر ہزار مربع میل کی چار کروڑ کی آبادی میں ۷۰ فی صدی مسلم
اکثریت ہے۔ ۱۹۴۶ء کے صوبائی اور مرکزی انتخاب کے موقعہ پر
لیگ نے اپنا "منشور" صرف مسلمانوں کے آزاد جمہوری ریاستیں
(پاکستان) قائم کیا تھا۔ اور اسی نام پر مسلم عوام سے ووٹ
مانگے تھے۔ لیگ کو صوبائی انتخابات میں ۹۵ فی صدی اور
مرکزی انتخاب میں سو فی صدی کامیابی حاصل ہوئی یہ ووٹ
دراصل پاکستان کے لئے تھے۔ دنیا کے کسی ملک کی جمہوری اور
سیاسی پارٹی کو آج تک [illegible] اکثریت میں کامیابی
[illegible] انتخابات کا [illegible] مسلمانوں کے احساسات
[illegible] کا بہتر ترجمان ہے۔

مسٹر [illegible] کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ پاکستان اقتصادی
حیثیت سے بدحال رہے گا اور اس کی آمدنی کے ذرائع اتنے نہیں
ہوں گے کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکے۔ مناسب ہوگا کہ

کہ آزاد پاکستانی علاقوں کا حصہ کے ہاتھ میں ایک خود مختار ریاست
کی حیثیت سے چنگی، ایکسائز ڈیوٹی، نمک، کرنسی، ڈاک، تار
نیز ریلوے کی آمدنی ہوگی۔ چار آزاد مسلم ریاستوں سے موازنہ کیا

ریاست	سالانہ آمدنی
ترکی	۴۴ کروڑ
مصر	۳۵ کروڑ
ایران	۱۵ کروڑ
افغانستان	۹ کروڑ
مغربی پاکستان	۴۵ کروڑ
مشرقی پاکستان	۳۵ کروڑ

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس اعتراض کے وقت ثبوت میں
بلوچستان، صوبہ سرحد اور سندھ کو پیش کیا جاتا ہے کہ وہ
مرکزی حکومت سے قرض لے کر کام چلاتے ہیں لیکن حقائق اس
سے مختلف جواب رکھتے ہیں۔

آیئے ان حلقوں کی حالت کا بھی جائزہ لیں۔ سب سے پہلے بلوچستان
اور صوبہ سرحد کو لیجئے جن کو مجموعی طور سے ۱½ کروڑ روپیہ مرکزی
حکومت سے لینا پڑتا ہے لیکن یہ روپیہ ان کو اپنے یہاں کے
اندرونی نظام کے لئے درکار نہیں ہوتا۔ صوبہ سرحد کے ۱۹۴۲ء کے
اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ ۱ کروڑ ۲۲ لاکھ کے اخراجات میں سے
۲۳ لاکھ ۹۵ ہزار روپیہ قبائلی علاقہ پر خرچ ہوا۔ ایک کروڑ
۲۲ لاکھ روپیہ سرحد کے حفاظتی انتظامات پر، ۳۴ لاکھ ۶۷ ہزار
روپیہ پولیس پر اور ۴۸ لاکھ ۱۱ ہزار روپیہ سول کاموں کے لئے۔ یہ
اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ ان اخراجات کا بڑا حصہ دراصل مرکزی
حکومت کے محکمہ مدافعت سے تعلق رکھتا ہے۔

سندھ کو اپنے [illegible] کے لئے ایک کروڑ روپیہ سالانہ
لینا پڑتا ہے [illegible] سکیم کا نفاذ عمل
میں آنے سے نہ صرف [illegible] بلکہ آمدنی بڑھ جائے گی

خاص نمبر

دریائے سندھ کے پانی سے پیدا ہونے والی زمینوں کو سیراب کرنے کے لیے نہ صرف پانی کا شکمن حاصل ہوگا بلکہ پیداوار سے لگان بھی وصول ہوگا۔ سندھ کے اس خسارہ کو گنوانے والے اس بات کو فراموش کر دیتے ہیں کہ اس وقت سندھ ۵ کروڑ ۶۰ لاکھ روپیہ چنگی اور انکم ٹیکس کی صورت میں مرکزی حکومت کو دیتا ہے ریلوے کی آمدنی اس کے علاوہ ہے جو سندھ کے علاقے سے مرکزی حکومت کو حاصل ہوتی ہے اگر اس کا بیس فی صدی بھی سندھ کو دے دیا جائے تو اس کے اخراجات نہایت آسانی سے پورے ہو جاتے ہیں پاکستان کی ایک آزاد وحدت کی صورت میں یہ کل آمدنی سندھ کی ہوگی۔

اگر ہم مسلمانوں کے مطالبہ پاکستان کا نفسیاتی طور سے جائزہ لیں تو ہمیں وہ جذبہ صادق نظر آ جائے گا جس نے اس مطالبہ کو اس قدر تقویت دی ہے ـ وہ ہے اپنی پستی کا احساس اور اپنی معاشی بدحالی اور اس کا مداوا وہ صرف اسی طرح دیکھتے ہیں کہ اپنی وحدتیں بنا کر اپنی اقتصادی حالت کو نہ صرف بہتر بنایا جائے بلکہ دنیا کی دوسری قوتوں کی طرح ترقی کے میدان میں آگے بڑھا جائے اور یہ ترقی بغیر حد بندی کے قطعی ناممکن ہے۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد سے ہندوستان میں صنعتی فروغ ہوا اور اس سے ایک سرمایہ دار قوت کے باعث صرف ہندو مستفید ہوئے۔ کانپور۔ احمد آباد۔ بمبئی۔ مدراس اور ہندوستان کے دیگر مقامات پر بڑے بڑے صنعتی مراکز قائم ہوئے ان سب کے خالق ہندو تھے اور ان خالقوں نے ہندوستان میں اس ملک کو فوقیت [illegible] اور تقسیم کے بعد جس مخلوق کو منتخب کیا وہ بھی ہندو تھے۔ آج بھی ہندوستان اور ایک مرکزی حکومت کی صورت میں مرکزی حکومت ایک اقتصادی نقشہ بندی کرے گی۔ اس وقت ہندوستان کی کیفیت یہ ہے کہ ہندو اکثریت والے علاقے صنعتی اعتبار سے [illegible] اور مسلم علاقے

بالکل ویران پڑے ہیں مرکز میں اکثریت کی حکومت قائم ہونے کے یہ معنے ہوں گے کہ وہ اپنے موجودہ سرمایہ دارانہ نظام کو برقرار رکھنے کے لیے نقشہ بندی کے وقت اس بات کو ملحوظ رکھیں کہ صنعتی ترقی یافتہ علاقوں کی نہ صرف مرکزیت برقرار رہے بلکہ وہ برابر ترقی کرتے رہیں پھر یہ لازم ہو جاتا ہے کہ باقی ماندہ علاقوں کو کچا سامان مہیا کرنے کا ذریعہ بنایا جائے اور ان کو کھپت کی منڈی قرار دیا جائے ایسی صورت میں مسلم اکثریت والے صوبوں کا استحصال کیا جاتا رہے گا ان کی بدحالی قائم رہے گی اور مسلم علاقوں کی دولت ہندو علاقوں کو برابر منتقل ہوتی رہے گی۔

یہاں یہ امر یقیناً قابل ذکر ہے کہ مسلمانوں کے سب سے بڑے سیاسی رہنما قائد اعظم محمد علی جناح مسلمانوں کی آزاد جمہوری ریاستوں (پاکستان) کے متعلق اپنے ذہن میں ایک نہایت ترقی پسند خاکہ رکھتے ہیں۔

۸۔ نومبر ۱۹۴۵ء کو ایسوسی ایٹڈ پریس امریکہ کے نمائندے کو بیان دیتے ہوئے فرمایا کہ "پاکستان جمہوری ریاستیں ہوں گی"۔ "پاکستان کی علیحدہ وحدتیں خود مختار ہوں گی"۔ "اقتصادی حیثیت سے پاکستان کی ریاستیں دنیا کی مضبوط ترین ریاستوں میں سے ہوں گی" انہوں نے فرمایا "ہمارے پیش نظر ایک شاندار مستقبل ہے"۔ "پٹرول لوہا۔ گندھک، کوئلہ، اور دیگر معدنیات کے خزائن اس وقت تک ہمارے سامنے آ چکے ہیں"۔

پنجاب میں دنیا کا سب سے بڑا ہیڈ و الیکٹرک پاور اسٹیشن قائم ہو سکے گا۔ جو نہ صرف دیہی علاقوں کی زرعی پیداوار میں انقلاب عظیم پیدا کرے گا بلکہ صنعتی پروگرام کو ترقی دینے میں بھی بڑا معاون ثابت ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ اس ترقی کے دور میں تمام بنیادی صنعتیں اور عوام کے کام آنے والے ادارے جمہوری ریاست کی ملکیت قرار دے دیے جائیں گے"۔
لیکن قائد اعظم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جس وقت ہندوستان

ہندوستان پاکستان نہیں بن سکتا بلکہ اب ہمیں سیاسی سمجھ بوجھ [illegible] پر ایک نظر ڈالیں۔

سنہ ۱۹۲۲ء سے سنہ ۱۹۴۶ء تک ہندوستان کی کیفیت ناٹک کے ایک اسٹیج کی سی رہی ہے جس میں تماشہ دکھا کر کھلاڑی جاتے رہے اور آتے رہے۔ کرسیوں پر تشریف فرما اور مسکرا مسکرا کر میٹھی میٹھی باتیں کرتے رہے۔ لیکن شطرنج کی بساط یہاں کے ہاتھ کی حرکت ڈاؤننگ ہاؤس کے اشاروں کے مطابق تھی۔ بشملہ کانفرنس ہوئی سامراج شاہی کا گماشتہ دونوں سیاسی پارٹیوں کے رہنماؤں کو علیحدہ علیحدہ خلوت میں بلا کر محبت بھری باتیں کرتا رہا اور جب دونوں اس کو اپنا "عاشق صادق" سمجھنے لگے تو الوداع کہتا ہوا داغ مفارقت دے گیا۔ اب دل سوزی کے لیے کچھ دکھاوے کی ضرورت تھی۔ پارلیمنٹری ڈیلیگیشن آیا وہ متحدہ ہندوستان کے گیت بھی گاتا تھا اور پاکستان کے حق میں قصیدہ خوانی بھی کرتا تھا۔ گاندھی جی کی روحانی کرامات، ابوالکلام آزاد کی علمیت۔ اور مسٹر جناح کی سیاسی سمجھ بوجھ ہر ایک کی تعریف۔ ہر ایک کے راگ الاپتا ہر ایک کو خوش کرتا۔ مسخرے کا کامیاب پارٹ ادا کرتا چلا گیا۔ ہندوستان کی قوموں کو کافی عرصہ تک بیوقوف بنانے کے باوجود برطانوی ملوکیت کے خلاف بے پناہ جذبہ تھا۔ آپس کے اتحاد کی باتیں ہونے لگی تھیں کہ کیبنٹ مشن کو بھیجا گیا انہوں نے نہایت عیاری سے ہندوستان میں بسنے والی اقوام کا رخ برطانیہ کی طرف سے موڑ کر ایک دوسرے کی طرف کر دیا۔ اور فتح و کامرانی کے جھنڈے لہراتا لندن سدھارا۔

انگریزی سامراج اپنی عادت کے مطابق ابتدا سے [illegible] حکومت کا [illegible] تفرقہ پروری سے کام لیتا رہا ہے تو وہ بھی سمجھتا ہے کہ ہندوستان کی قومیں اس حد تک بیدار ہو چکی ہیں کہ ان کو اب زیادہ دیر تک غلام نہیں رکھا جا سکتا اس لئے ان کو ایک دوسرے سے علیحدہ رکھنے [illegible] قوتوں کو مختلف محاذوں پر بانٹے رکھنے میں ان کی بہتری ہے۔ اس لئے وہ ہر وقت ہر طرح کی تدبیریں کرتے رہتے ہیں۔

یہ بات ہم خوب اچھی طرح سے سمجھتے ہیں کہ انگریز مسلمانوں کی آزاد جمہوری ریاستیں آسانی سے نہیں بننے دیگا بلکہ اس کو آزادی کی مشترکہ لڑائی کے بعد ہی حاصل کیا جا سکے گا۔

آج کے حالات میں ہندوستان کی سب سے بڑی سیاسی جماعت کو بجائے یہ دیکھنا چاہیئے کہ اسی ملک کی ایک چوتھائی آبادی کو آزادی کی اس آخری جنگ میں جو برطانوی ملوکیت کو دفن کرنے کے لئے لڑی جانے والی ہے کیسے شریک کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ آج اگر اس حقیقت سے روگردانی کی گئی تو جنگ عظیم ثانی کی پیدا کردہ عظیم آزادی اور عوام کا سنے ہوئے جوش و خروش سے مناسب فائدہ نہ اٹھایا جا سکے گا۔ اس کے علاوہ ہندوستان کا اسی شعور جو پروان چڑھ چکا ہے عہد طفلی کی طرف لوٹ جائے گا۔

(ن س۔ ر)

پرچھائیاں

کچھ چہرے جو میری زندگی میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں

(۱)

مسکراتی ہوئی ایک مشفق و ہمدرد عورت
ناتواں — بوڑھی — ضعیف!
جاگ کر جو کاٹ دیا کرتی تھی۔
اُف وہ جاڑے کی سیاہ، سرد، وہ لمبی راتیں!
میں اگر کچھ بھی جو بیمار ہوا۔
میری آیا — وہ مجھے دودھ پلانے والی —!
کون تھا میں اس کا؟

۲

خوب غصیل — بڑے سرخ — بڑے موٹے سے
میرے استاد — کہ قرآن پڑھایا مجھ کو۔
سب کو ہی مارتے تھے مجھ کو کبھی کچھ نہ کہا۔
کیوں کہ میں ان کے لئے روز چھپا کر گھر سے
کچھ نہ کچھ باندھ کے لیجاتا نذر کرنے کو۔
ہاں — خربوزے — ملیح آباد کے آم!

۳

میرے کوچہ میں سرِ شام چلا آتا تھا۔
ایک اندھا کبابی — کہ وہ بیچارا غریب —
ہم شریروں سے تو بے حد تنگ تھا۔
اُس پہ پل پڑتے تھے ہم سب مل کر۔
اور جھپٹ لیتے تھے سارا چھپا۔

اور وہ اندھا غریب
ننھا، گالیاں دیتا رہ جاتا ہے

۴

ایک بڑی پیاری سی ننھی لڑکی
اس کی آنکھوں میں سمندر کی سی نیلاہٹ تھی ۔
آمنہ تھی وہ میرے بچپن کی شریک !
اُف وہ بچپن کی سہانی یادیں ——!
کھیل ہی کھیل میں ہم شادی رچانے لگتے تھے ۔
وہ تو بن جاتی دلہن کھینچ کے منہ پر آنچل ——
اور میں دولہا —— کوئی موٹا سا لڑکا قاضی ۔
اور لوگ دیکھتے ہی دیکھتے گھر بس جاتا ۔
آہ —— مگر وقت کے تند اور اتھاہ دھارے
لے گئے ہم کو بہا کے الگ سمتوں میں
کون جانے کہ کہاں ہے اب وہ ؟

۵

میرا ہم مکتب و ہمدم —— وہ میرا دوست خلیل ۔
کیسا خوش خلق، شریر اور ہنس مکھ ۔
دیئے ہاتھوں میں ہاتھ ساتھ پھرا کرتے تھے ۔
لمحہ بھر کو بھی جدا ہونا تھا کتنا دشوار
ہم نے یہ عہد کیا تھا کہ سدا ساتھ رہیں گے دونوں ۔
وہ مگر عہد کا کچا نکلا —— پھر لیں یوں نظریں جیسے کہ کچھ تھا ہی نہیں
مجھ کو تنہا ہی یہاں چھوڑ کے وہ چل بھی دیا ۔
میں نے دیکھی ہے وہ ننھی سی لحد
اور اس مٹی کے تودے پر اُگا ایک چمکدار حسین سرخ گلاب ۔

طاہرہ بیگم

چرا

گرمی کی ایک اداس اور اندھیری شام کو طل افروز کے مغربی گوشے والے کہکشاں نامی کمرے میں چچا قرمزی کے گئے بھیجے ہوئے لاجورد رنگ کے صوفے پر بیٹھی ہایک انگریزی ناول پڑھنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی اچانک دروازہ کھلا اور روحی خلاف عادت چپ چاپ آرام کرسی میں دھنس گئی۔

"کیا ہوا روحی" — میں نے اُس کے سنہرے بالوں پر پھونک مارتے ہوئے کہا۔

"بکو مت تم تو ہر وقت مطالعے کے عذاب میں گرفتار رہتی ہو اور ادھر عارف بجی کو نگلنے کی فکر میں لگا ہوا ہے"

"تمہیں معلوم ہے میں ان سطحی باتوں سے ہمیشہ بیزار رہتی ہوں — اور میں نے غصے سے ناول دور پھینک دیا —— اور پھر تم ہی بتاؤ میں کیا کر سکتی ہوں"

"کیوں نہ دادا ابا سے شکایت کی جائے" روحی نے ناراضگی کے لہجے میں کہا۔

"مگر آخر کوئی وجہ بھی — اگر عارف اور بجی شادی کے لئے تیار ہیں تو ہمارا دخل دینا بالکل حماقت ہے"

"خوب — اور ہماری چیزیں جو بجی کے بھینٹ چڑھ رہی ہیں وہ بھی بلا سے" روحی نے کہا۔

"ہائیں" اور میں گھبرا کے کھڑی ہو گئی۔

"جی وہ آپ کے ہیرے کے بندے جو دان دی تارس سے تم نے ساحل سسلی پر خریدے تھے اور وہ قیمتی ہیرے کا ہار جس کے خاطر تم نے اپنی پیاری سہیلی نلک پیا سے لڑائی مول لی - بجی کے بجی کی نذر ہو چکے ہیں - خود میری مصنوع پیشہ کی کتابیں اور تلاشقندی سوداگر سے خریدی ہوئی تین آسمانی ساریاں غائب ہیں"

"روحی" —— میں بیقراری سے چلائی "خدا کے واسطے کوئی حل سوچو - میں تباہ ہو گئی برباد ہو گئی"

"دادا ابا سے شکایت" روحی کا مختصر جواب تھا۔

"لیکن دادا ابا سے شکایت اور وہ بھی عارف کی - کوئی معمولی بات تو نہیں روحی ڈیر"

"روحی بیر معصوم بن جانا بھی۔

"اگر تم مجھے یشب کے پھولدان دینے کا وعدہ کرو تو میں دادا ابا سے شکایت کرنے کو تیار ہوں"

میں نے میز کی طرف گھوم کر دیکھا — ارے صرف دو گلدان بقیہ دو کہاں گئے"

"بجی کی نذر ہو چکے ہیں —— آج صبح عارف کو میں نے بہت سے کمرے سے لیجاتے دیکھا تھا - اور وہ تمہارا چاندی کا سیٹ جو تم نے ... کے جہیز سے چرایا تھا اور وہ نقرئی فریم جس میں تمہارا فوٹو لگا ہوا تھا اب اس میں بجی کا فوٹو لگا ہوا ہے"

میں دوڑ کر گلدان اٹھا لائی — "روحی خدا کے واسطے تم یہ لے جاؤ لیکن عارف سے میرا وہ فوٹو فریم دلوا دو - وہ میرے ایک دوست کی نشانی ہے۔"

روحی نے مسکرا کر دونوں گلدان اٹھا لیے — "اب ایک فریم کو کیا میں تمہاری تمام چیزیں دلوا دوں گی۔"

دوسرے دن جو میں کسی کام سے دادا ابا کے کمرے کی طرف گئی تو روحی اُن کے پیٹ پر لوٹ کر عارف کی شکایت کر رہی تھی۔ میں سننے کی غرض سے دیوار سے لگ کر کھڑی ہو گئی — لیکن اُف بدبخت روحی۔ وہ تو مجھے ہی ذبح کرنے کی فکر میں تھی — وہ کہہ رہی تھی۔

"دادا ابا۔ عارف کی شادی کر دیجئے نا۔"

دادا ابا ہنسے "ہاں میری چڑیا میں تمہاری شادی عارف سے ضرور کر دوں گا۔"

روحی دادا ابا کے پیٹ پر بیٹھ گئی — "لیکن دادا ابا میں نے پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ میں تمام عمر آپ کی خدمت کروں گی اور شادی نہیں کروں گی۔"

"ہاہا" دادا ابا بری طرح ہنسنے لگے۔

"آپ عارف کی شادی نیلوفر سے کر دیجئے نا۔"

میں سر پکڑ کر اپنے کمرے میں چلی آئی — یا اللہ وہ پاگل تو میری ساری جائداد ایک دن میں نیلام کر دے گا۔ مجھے روحی کی بیہودگی پر سخت غصہ آ رہا تھا۔

شام کو روحی اور عارف میرے کمرے میں آ دھمکے۔ "ارے بھئی چلو شادی کے لئے کچھ سامان وغیرہ خرید لائیں" عارف نے کہا۔

"روحی" میں چلائی — "یہ تم نے کیا کیا — میں عارف سے ہرگز شادی نہیں کرنے کی۔"

عارف مسکرایا "لیکن بھئی اگر تم مجھ سے شادی نہیں کرو گی تو روحی کا کیا بنے گا۔ میرے پاس تو تم جانتی ہو ایک پیسہ بھی نہیں ہے اور روحی بغیر دولت شادی کے لئے تیار نہیں ہوتی۔ اس لئے میرا ارادہ ہے پہلے تم سے شادی کروں اور جب تمہارا کروڑوں روپیہ میرے ہاتھ آ جائے تو روحی سے —"

میں نے کتاب اٹھا کر اس کے منہ پہ دے ماری۔ عارف میرے برابر والی کرسی پر آ بیٹھا۔

"اچھا بھئی میں پانچ ہزار پر فیصلہ کرنے کو تیار ہوں۔" عارف نے کہا۔

"وہ کیسے" میں نے ترشی سے دریافت کیا۔

"روحی اتنی سخت گرمی برداشت نہیں کر سکتی وہ کشمیر جانا چاہتی ہے اور میرے پاس پیسہ نہیں ہے۔ تمہارے بندے اور [illegible] فروخت کر کے کاروبار کے لئے کچھ روپیہ بینک میں جمع کرا دیا ہے۔ تمہارے کل کے گلدان جو روحی نے اپنی خداداد ذہانت سے حاصل کئے تھے بیچ دیے گئے لیکن چند جوڑے کپڑے سے زیادہ کفیل ہو سکے۔ اب اگر تم پانچ ہزار دے دو تو ہم اطمینان سے کشمیر کی دلکش وادیوں میں ہنی مون منا آئیں اور پھر کون کرتا ہے تم [illegible] سے شادی۔"

میں نے چپ چاپ پانچ ہزار کا چیک اُن کے ہاتھ میں دے دیا اور وہ ہنستے ہوئے چلے گئے۔

"میرے دل نے پکارا لیکن کتنے کامیاب اور کتنے ترقی پسند۔"

[illegible] صاحبہ [illegible]

عبدالٰہی

رفتارِ زمانہ

نوے سال پہلے انگریزی سنگینوں کی مدد سے لہرایا جانے والا "یونین جیک" فضاؤں میں گم ہو جانے کے لئے آخری ہلکورے لے رہا ہے
افق پر شفق پھولی ہوئی ہے۔ سرزمین ہند نوابوں اور جاگیرداروں کی رقابتوں کی بجائے منظم جماعت بندیوں کا پرعظمت منظر پیش
کر رہی ہے۔ کانگریس کہتی ہے انگریز جائے گا مسلم لیگ کہتی ہے انگریز کو جانا پڑے گا۔ انگریز کہتا ہے کہ وہ جا رہا ہے۔ سامراجیوں کی
اس تبدیلی کو دیکھ کر ہر ایک دماغ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کانگریس اور مسلم لیگ تو عوام ترجمان کی حیثیت سے جو کچھ کہہ رہی ہیں
وہ ٹھیک ہے۔ لیکن زمین کے ان پیشہ ور بھوکوں کے اخلاق میں اتنی بلندی کیسے پیدا ہو گئی کہ جس ملک پر قبضہ رکھنے کے لئے کوئی بھی
ننگِ انسانیت حرکت اٹھا کر نہ رکھی تھی۔ آج اس کو محض اس لئے آزاد کر رہے ہیں کہ ہندوستانی اپنی حکومت خود بنا لینا چاہتے ہیں۔ اس
بات کو سمجھنے کے لئے پس منظر پر ایک نظر ڈالنی ضروری ہے۔ انگریزی شہنشاہیت کے ہندوستان سے دو بڑے مقاصد وابستہ تھے۔ ایک اقتصادی
لوٹ دوسرا مشرقِ وسطیٰ پر اقتدار۔ موجودہ حالات کچھ ایسے بدل گئے ہیں کہ اگر شہنشاہیت کا ڈھانچہ یہی رہتا ہے تو یہ مقاصد حاصل نہیں
ہوتے بلکہ الٹی الجھنیں پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً اقتصادیات کو لیجئے۔ غیر منظم اور گرے ہوئے ہندوستان میں انگریز کا یہاں کے تمام وسائل پر قبضہ
تھا۔ وہ ہندوستان سے ہر طرح تجارت کے ذریعہ، ٹیکسوں کے نام سے، فوجوں کے نام سے، ضبطیوں کے بہانے دولت لوٹتا تھا۔ اور
شہنشاہی کارخانے کو چلاتا تھا۔ لیکن آج حالت یہ ہے کہ ہندوستانی اپنے ہر شعبہ زندگی میں منظم ہیں ان کو اندھا دھند لوٹا نہیں جا سکتا۔
ان سے ٹیکس اور دیگر ذرائع آمدنی سے جو کچھ بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس کا بڑا حصہ ان کے فلاح بہبود یا ان کے مصروف رکھنے پر
کرنا ضروری ہے۔ ہندوستانیوں نے انگریزی راج کو کبھی دل سے قبول نہیں کیا۔ اس لئے ایک کثیر رقم ان فوجوں پر صرف کرنی پڑتی
جو حکومت قائم رکھنے میں مدد دیں۔ پھر ہندوستان کو بیرونی حملوں سے بچانے کا سوال۔ انگریز اس بات کو خوب سمجھتا ہے کہ اس ملک کے تو
والے اس وجہ نالاں ہیں کہ ہر ایک بیرونی طاقت کو ان کے اس جذبے سے مدد ملتی ہے اس کے لئے آمدنی کا بڑا حصہ صرف کرنا پڑتا ہے۔
حکومت کے انتظامی شعبہ جات کے آمد و خرچ کا اندازہ ہم سنٹرل اسمبلی کے بجٹ سے لگا سکتے ہیں جو گذشتہ سالوں سے ڈیڑھ سو ارب
بہ سال گھاٹے میں جا رہا ہے۔ اس کمی کو اب تک ہندوستانیوں سے قرض لے کر دور کیا جاتا رہا۔ لوٹ کا دوسرا ذریعہ تجارت ہے۔ اس سلسلہ میں نہ
کافی مضبوط ہیں۔ ان کی اپنی صنعت و حرفت اس درجہ پر ہے کہ ولایتی تجارت کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ حالات کے معمول پر آتے ہی وہ مقابلہ پر
ٹھہر سکتی۔ جہاں تک مشرقِ وسطیٰ پر قبضہ رکھنے کا سوال ہے وہ بھی ان حالات میں بے معنی ہو جاتا ہے۔ ایک ایسا ملک جس پر اقتدار برقرار ر
مشکل ہے۔ کیا ادا کر سکتا ہے بلکہ الٹا خطرہ درپیش ہے کہ ہندوستان کی سیاسی تحریکات اپنی مضبوطی کے لحاظ سے اتنی اہمیت رکھتی
کہ ان ممالک کے جذبۂ آزادی کو براہ راست مدد دیں گی اور کسی بھی ایسے عالمگیر جدوجہد کے پیدا ہو جانے کا ہر وقت امکان ہے جس کا ایک
انڈونیشیا میں ہوگا تو دوسرا مصر میں جس کا ایک ہی دھچکا برطانوی شہنشاہیت کو ہمیشہ کے لئے فنا کے گھاٹ اتار دیگا۔ پرانے تعمیر شدہ ڈھ
حکومت چلانے سے مالی فائدہ نہ تو حکومت سے حاصل ہوتا ہے نہ تجارت سے بلکہ وہ تمام قرضہ ادا کرنے کا بار سر پر ہے جو اب تک لے کر کام

گیا۔ موجودہ حالت میں ہندوستانی سرمایہ داروں سے عدم تعاون کی بنا پر حکومت کوئی بڑی نقشہ بندی نہیں کر سکتی جس کے ذریعے عوام میں ہونے والی بیکاری کو روک سکے جو زبردست انقلاب کا پیش خیمہ بن کر بڑھتی چلی آ رہی ہے اور ہندوستانیوں کی دلی نفرت کے سبب کسی بھی وقت اس کے خلاف ایک ایسی تحریک پیدا کر سکتی جو مشرق بعید و قریب کو اپنی لپیٹ میں لے لیگی۔ اور اس کے وجود کو مٹا دے گی۔

انگریز کہتا ہے کہ وہ جا رہا ہے۔ ان حالات میں اگر سامراجی نعرہ لگانے لگے ہیں تو یہ ان کی ایمانداری نہیں بلکہ مجبوری ہے لیکن ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ وہ آج بھی اپنی بقا کے لئے سب کچھ کر سکتے ہیں۔ وارن ہیسٹنگز، کلائیو، گلیڈ اسٹون، میکالے کی جگہ اٹلی، لارنس، کرپس، الگزینڈر، ویول کے آجانے سے وہ فطرت نہیں بدل سکتی وہ آج بھی شہنشاہیت کی بقا کی کوشش میں مصروف ہیں ان کی سب سے بڑی عیاری ان کا یہی نعرہ ہے جس نے نہ صرف ہندوستانی جھگڑوں کے توپوں کے منہ بند کر دیے بلکہ ان کے رخ اس کی طرف سے ہٹ کر ایک دوسرے کی طرف ہو گئے تھے۔ اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر وہ ایسی شرائط طے کر لینا چاہتا ہے جو اس کی شہنشاہیت کو مزید ایک سو سال تک چلنے میں مدد دیں

وہ کہتا ہے کہ ہندوستان میں اس کو تجارتی مراعات اس ڈھنگ سے دی جائیں کہ وہ اس ملک میں بڑی بڑی کمپنیاں قائم کر سکیں اس سے وہ ذرائع پیداوار اور نقل و حمل رسل و رسائل کے شعبہ جات میں اثر رکھ سکیں۔ اور ملک کی اقتصادیات میں ان کا ایک درجہ ہو اور اس سے وہ ہندوستانیوں کی کمائی لوٹ کر انگلستان لیجا سکیں۔ دوسری طرف اس صنعتی پیداوار کے ذریعہ ساری مشرقی منڈیوں کو اپنے جال میں رکھیں۔ ہندوستان کے بچاؤ کے نام سے ان کو عظیم الشان فوج بحریہ اور ہوائیہ رکھنے کا حق ہوگا۔ جس کا پورا خرچ ہندوستان کو برداشت کرنا پڑے گا۔

یہ فوج ہندوستان کی سلامتی کی جس حد تک ضامن ہوگی وہ تو ظاہر ہے البتہ برطانوی سرمایہ داروں کی حفاظت اور مشرقی ممالک کی گمارشتہ فرو رہیگی۔ اس کے بدلے انگریزی سامراج ہندوستانیوں کو ان کے ملک کا نظم و نسق سونپ دے گا جس کو وہ اب خود چلانے کا نااہل ہے۔ وہ سب کچھ حاصل کر لے گا جو وہ حکومت کے نام سے حاصل نہیں کر سکتا۔

انگریز جاتے گا؟ انگریز کے نعرہ کا سب سے زیادہ اثر ملک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت انڈین نیشنل کانگریس پر ہے۔ وہ انگریزوں کی ہیرا پھیریوں کو جانتی ہے۔ اس کو اپنی جدوجہد کی تاریخ پر اعتماد اور عظیم الشان تنظیم پر بھروسہ ہے۔ آج اس کا ہر قدم انگریز کے اعلان کے ساتھ اٹھ رہا ہے۔ کانگریس نے ان کی سامراجی روایات کو بھلا دیا ہے اور آئندہ کے عزائم سے آنکھیں بند کر لی ہیں۔ کانگریس میں گاندھی سے لیکر عام کارکن اس کی ایمانداری پر بھروسہ کئے ہوئے ہے اور اس فکر میں نظر آتے ہیں کہ جو کچھ بھی اس کے ہاتھ سے چھوٹے وہ ان کو ملے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ سارے ملک میں جماعتوں کو انفرادی خیال کا بچاؤ پیدا ہو گیا۔ ہندوستان کی ہر قوم یہ سمجھنے لگی ہے کہ کانگریس ایک قوم کی حکومت قائم کر کے اقوام ہند کو غلام بنانا چاہتی ہے۔

کیبنٹ مشن نے آئندہ کے ہندوستان کے لئے والیان ریاست کو شامل کر کے ایک قانون بنانے کی جو اسکیم پیش کی تھی۔ کانگریس کا فرض تھا کہ ہندوستان کی ذمہ دار جماعت کی حیثیت سے اس پر اعتراض کرتی اور اس شیطانی جال کو توڑنے کے لئے مسلم لیگ کو دعوت عمل دیتی لیکن اس نے آپس کی رقابت کے پیش نظر اس کو منظور کر لیا۔ اس طرح سے انگریز کو بچا کر خود دب گئی آج کانگریس وطن عزیز کی آزادی کی لڑائی کی بجائے ایک طرف تو انگریزوں کو نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے مشرق پر قبضہ رکھنے میں مدد دے رہی بلکہ ہندوستان کی دوسری بڑی قوموں یعنی مسلمانوں اور اچھوتوں کو دبائے رکھنے کا کام بھی کر رہی ہے کیا ہمارا ملک ایسی آزادی چاہتا تھا۔ یا اس کو حقیقی آزادی

خاص نمبر ماہنامہ پنجابی گزٹ سنہ ۱۹۴۶ء

کہہ سکتے ہیں اس کا جواب ہم کو غلامی کی زنجیروں کا وہ کسا ؤ دیگا جو مستقبل میں ہمارے گرد اور کس جائے گا۔

انگریز کو جانا پڑے گا ۔ مسلم لیگ نے یہ کوئی نیا نعرہ بلند نہیں کیا ۔ بلکہ مسلمان نے یہ نعرہ انگریزی سامراج کا سایہ دیکھ ہی بلند کردیا تھا ، پلاسی میں دھوکے سے ہرایا گیا ۔ سرنگاپٹم کی خاک لالہ زار بنادی گئی ، دہلی کے گلی اور محلہ اس کی لاشوں سے پاٹ دیے گئے ، روہیل کھنڈ کے میدانوں میں اس کے خرمن جلے گھر مسمار ہوئے اس کا تعاقب کرکے استعمال کیا گیا ۔ لیکن یہ نعرہ بند نہ ہوا ۔ جب جلیانوالہ باغ میں اس نے کسی اور کی نہ سنی تو انگریز کی بندوق پر سینہ تان دیا ۔ موپلہ مجاہد انگریزی توپوں پر چڑھ گئے ۔ سرحد کے پٹھان نے قصہ خوانی بازار میں اپنے خون سے وہ داستان لکھی جس کی رنگینی قیامت تک ختم نہ ہوگی ۔ اس جد وجہد اور قربانی کے پیش نظر ہمیشہ اپنی آزادی اور سربلندی ، اور وطن عزیز کا استخلاص رہا ہے جس جماعت نے اس کی ترجمانی کی وہ اس کے ساتھ رہا ۔ جو فرد اس کا ہمنوا ہوا وہ اس کے ساتھ چلا ۔ آج یہ سن کر بڑی حیرت ہوتی ہے کہ مسلم لیگ نے چونکہ جماعت کے نام سے کوئی جنگ نہیں لڑی اس لئے اس کو مسلمانوں کے جذبہ آزادی اور سربلندی کی ترجمانی کا حق نہیں ۔ اعتراض کرنے والے اس حقیقت سے بالکل آنکھیں بند کرلیتے ہیں کہ مسلمان قوم نے ہمیشہ اپنی مقاصد کے ماتحت اپنی جانیں قربان کی ہیں ۔ اگر ہندوستان کے مسلمان منظم ہو کر اپنی تنظیم کے نام سے اپنا حق منوانا چاہتے ہیں تو جماعت کے نئے نام کی وجہ سے ان کی تمام قربانیوں کو کیوں کر نظر انداز کیا جاسکتا ہے ۔ اور ان کی قربانیاں کیسے فراموش کی جاسکتی ہیں جو ہر میدان میں بیش از بیش دی گئی ہیں یا کسی بھی جد وجہد کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ انگریزوں سے دشمنی کے سبب تھی مسلم قوم کی آزادی کا جذبہ اس میں کارفرما نہ تھا ۔

مسلم لیگ نے بمبئی کے اجلاس میں برطانوی مشن کی تجاویز کو ٹھکرا کر براہ راست کاروائی کا فیصلہ کیا ہے ۔ مسلمان اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ انگریز اپنی شہنشاہیت کو برقرار رکھنے کے لئے ہر قسم کی سازشوں ، ریشہ دوانیوں اور جعلسازیوں سے کام لیتے ہیں ۔ آج وہ ہندوستان اور مشرق کے علاقہ جات پر قبضہ رکھنے کے لئے کانگریس سے ایک سودا کر رہے ہیں ۔ کانگریس میں ایک طرف طبقاتی مفاد کارفرما ہیں تو دوسرا طرف لیڈروں کی وجاہتیں تھیں ۔ ان باتوں نے کانگریسی رہنماؤں کو انتہائی کوتاہ بیں بنا دیا ہے آپس میں لڑنے کی بجائے ایک ہی راستہ تھا کہ اس زہریلے درخت کی جڑ پر کلہاڑا چلایا جائے جس کے گر جانے سے دنیا کو نجات مل جاتی ۔ بمبئی ریزولیوشن کا یہی مقصد ہے لیگ کے اقتدار اعلیٰ نے یہ اعلان کرکے انسانیت کی ایک زبردست خدمت کی ہے لیکن یہ اعلان تاریخ میں جگہ جب ہی حاصل کرے گا جب عملی اقدام اس کے ساتھ ہو جس کو بروئے کار لانے کی ذمہ داری ہمارے لیڈر لے چکے ہیں ۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم تنظیم قائم رکھیں ۔ ہماری سیاسی تحریکوں کی ناکامی کا سبب ہماری عدم تنظیم رہا ہے ہم اکثر بے موقعہ جوش میں آنے سے نقصان اٹھا چکے ہیں ۔ ہم اپنی قربانیوں کا پھل عدم مرکزیت کے سبب نہ پا سکے ہیں ۔ تجربات ہمارے سامنے ہیں ہم کو پختہ ارادے کے ساتھ آگے بڑھنا ہے ۔ ہمیں اپنے رہنماؤں سے پروگرام کا مطالبہ کرنا ہے اور اسے لیکر اس تاریخی کارنامہ کو انجام دینا ہے جس کا پورے مشرق کو انتظار ہے ۔

ڈائریکٹ ایکشن کے لئے تیار رہئیے

اسلام کی حفاظت کے لئے مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے کھڑے ہو کر آپ کو سب کچھ قربان کرنا ہے

خاص نمبر ماہنامہ پنجابی گزٹ ۱۹۴۶ء

گرل اسکول سب کمیٹی

(زیرِ سرپرستی انجمن وکیل قوم پنجابیان)

۱۔ خان بہادر؎ حاجی حافظ محمد صدیق صاحب ملتانی (صدر)

۲۔ حاجی محمد دین صاحب (سکریٹری)

۳۔ شیخ عمر الٰہی صاحب (نائب سکریٹری)

۴۔ شیخ عبد السلام صاحب

۵۔ حاجی محمد صدیق صاحب بٹلہ

۶۔ شیخ فضل مبین صاحب

۷۔ حاجی عبد الکریم صاحب ملتانی

؎ ادارہ کا خیال ہے کہ خاص نمبر کے شائع ہونے تک آپ اپنا خطاب واپس کر چکے ہوں گے۔
خاص نمبر ماہنامہ پنجابی گزٹ ۱۹۴۶ء

سلمان الارشد کہتا ہے کہ

زندگی بجائے خود نہ رجائی ہے نہ قنوطی۔ بلکہ ایک مسلسل کشاکش اور
پیہم جدوجہد ایک خوشگوار مستقبل کی رہنما بن سکتی ہے۔ بشرطیکہ
رقی پسند ادیب ماحول کی تلخی کو اپنے ذہن کی بھٹی میں پگھلا کر اس طرح
یش کریں کہ انسانیت اپنی قدر و قیمت جان لے۔

"نئے تیور"

کے افسانے ان ہی نقوش کے آئینہ دار ہیں۔

یہ کتاب ہندوستان کے حسب ذیل انقلابی اور ترقی پسند ادیبوں کے بہترین افسانوں کا مجموعہ ہے:۔

منظور احمد، ارشاد چغتائی، تصدیق سہاوری، امین شرقپوری، سلمان الارشد فاروقی، سید محمد تقی، وحشی آروی، پرتھوی ناتھ شرما

مقدمہ سید حسن عسکری لکھ رہے ہیں۔

منتظمہ کمیٹی

پنجابی اسلامیہ ہائر سکنڈری اسکول

۱۔ خانؒ بہادر حاجی حافظ محمد صدّیق ملتانی (صدر)

۲۔ خانؒ بہادر حاجی رشید احمد صاحب

۳۔ شیخ عبد السّلام صاحب (سکریٹری پنجابی اسلامیہ ہائی اسکول)

۴۔ شیخ عمر الٰہی صاحب (سکریٹری پنجابی اسکول شاخ باڑہ ہندوراؤ)

۵۔ شیخ فضل مبین صاحب (سکریٹری پنجابی اسکول پھاٹک حبش خاں دہلی)

۶۔ شیخ منظور احمد صاحب

۷۔ شیخ عبد المتین صاحب [اسکے ادارہ کا خیال ہے کہ خاص نمبر کے شائع ہونے سے پیشتر آپ اپنا خطاب واپس کر چکے ہونگے۔]

۸۔ شیخ خلیل الرحمٰن صاحب

[illegible]

منظور

اپنی انجم سے

(۱)

نئی دہلی کہ ہے رومان و محبت کی زمیں
انجمؔ تجھے دیکھا تھا وہیں محوِ خرام

اپنی بھولی سی تھی سرخ دوپٹہ اوڑھے
بصد اخلاص و محبت محوِ کلام

کیف بر دوش نگاہیں جو اٹھائیں تو نے
ملا فی الفور مجھے تیری محبت کا پیام

کاش انجمؔ تو مجھے پھر وہیں ایک بار ملے

(۲)

عشق اور مشک چھپائے سے چھپیں یا نہ چھپیں
تیری بے تابیٔ فطرت کا گلہ ہے مجھ کو
ہمنِ ناراض ہے احباب سے شکوہ سنجی
یہ تیرے عشق کا انعام ملا ہے مجھ کو

رضوی خیرآبادی

غریب الوطن کی عید!

آئی ہے باغِ دہر میں مثلِ بہارِ عید
یعنی ہے بے قرار دلوں کا قرارِ عید
گردش میں ہیں شرابِ مسرت کے جام پھر
ہر تشنہ کام خیر سے ہے شاد کام پھر
جو دل کبھی غمزدہ تھا وہ ہے غم سے بے نیاز
اہلِ جہاں ہیں فکرِ دو عالم سے بے نیاز
ہے نعرہ ہائے عید مبارک بلند آج
پہنے ہوئے لباس ہیں سب دلپسند آج
یوں عید کی خوشی میں ہر اک باغ باغ ہے
اہلِ زمیں کا عرش پہ گویا دماغ ہے
ہمدم! نہ پوچھ مجھ سے کہ کیوں بے قرار ہوں!
یوں بے قرار ہوں کہ غریب الدیار ہوں۔
یوں آج آ رہی ہے مجھے بھی وطن کی یاد
بلبل کو جیسے آئے قفس میں چمن کی یاد
ہوں آہ دور عید کے دن بھی کسی سے میں
بیزار اسی لئے تو ہوں بس زندگی سے میں
کیا خاک ہمنشیں! ہو خوشی مجھ کو عید کی
پوری جب آرزو نہ ہوئی آہ دید کی
بن جائے کاش بادِ صبا نامہ بر مری
اُن سے کہے کہ ڈھونڈ رہی ہے نظر مری

اتنا کسی کے نام ہے میرا پیامِ عید
کر لیجئے قبول خدارا سلامِ عید

تجھ کو دیکھ کر

یاد آتی ہے خدا کی شان تجھ کو دیکھ کر
ہو گیا تازہ مرا ایمان تجھ کو دیکھ کر
مطمئن ہیں کچھ اُمنگیں، آرزوئیں حسرتیں
دل کو چین آیا ترے قربان تجھ کو دیکھ کر
رہتا تھا افسردہ سا میں تیرے بغیر
جان میں آئی ہے گویا جان تجھ کو دیکھ کر
ہے غضب کا حسن تیرا جاذبِ قلب و نظر
دیکھتا رہ جائے ہر انسان تجھ کو دیکھ کر
مدعائے دل مرے ہونٹوں تک آ کر رہ گیا
کیا کہوں جاتے رہے اوسان تجھ کو دیکھ کر
ہجر میں تھا موت کا ہر لحظہ مجھ کو انتظار
ہو گئے جینے کے کچھ ساماں تجھ کو دیکھ کر

کاش دیکھے جائے ایسے خواب رضوی عمر بھر
جاگ اُٹھے سوئے ہوئے ارمان تجھ کو دیکھ کر

ایک مختصر ڈرامہ

ٹیگور کے ایک بنگالی افسانے کا ترجمہ

اردو ڈرامے کے روپ میں

کھٹکتی روحیں —!

سلطان احمد

کردار

سلیمہ بیگم — زینت بیگم — نصیر جہاں پناہ

کنیز ساقی — اور خدام

(پہلی جھلک)

سلیمہ بیگم کے سنگ مرمر کے ستونوں اور رنگین محرابوں والے محل کا ایک پر تکلف دالان۔ خوشبوؤں اور ریشمی پردوں کے اڑتے ہوئے آنچلوں نے فضا کو بے حد رومانی بنا دیا ہے — ایک گرم شام ہے مگر دلکش! سلیمہ بیگم کچھ بیزار بیزار سی اپنی مسہری پر نیم دراز ہیں خوبصورت اور کمسن کنیز ساقی بربط کے تاروں کو چھیڑ رہی ہے اور فضا تھر تھرا اٹھتی ہے۔

سلیمہ۔ (بڑبڑاتے ہوئے انہیں غیروں سے کب نسبت — ہم پوچھتے ہیں کم خلق چلیں ہو چکا ملنا، نہ تم خالی، نہ ہم خالی — اُف!

ساقی: (چونک کر) مجھ سے کچھ فرمایا حضور نے؟

سلیمہ: (چونک کر) نہیں تو — نہ جانے کیا کہہ گئے ہم؟ — طبیعت اداس اداس ہے کچھ دم گھٹ رہا ہے ہمارا — میری ساقی! محل کے سب دریچے اور کھڑکیاں کھول دے — مومی شمعیں روشن کر دے اور یہ نرم تکیے میری کمر کے نیچے لگا دے — شاید کچھ سکون نصیب ہو — آہ! — (وقفہ) کیسی اندھیری راتیں ہیں اور کس قدر طویل —! جو کاٹے نہیں کٹتیں، در و دیوار کھانے کو آتے ہیں — اُف یہ تنہائی —! ایسے میں ان طویل و عریض محلوں کے سجائیں سجائیں کرتے دالانوں میں کس کا جی نہ اکتا جائیگا؟ یہاں ہم کس سے بولیں چالیں؟ — اری تو ہی کچھ منہ سے بول — آج تیری رباب کو کیا ہوا؟

ساقی (اداسی سے) گستاخی معاف — حضور کی توجہ نہ جانے کدھر ہے؟ میں ڈری کہ حضور جھڑک نہ دیں — کچھ دنوں سے حضور بہت اداس اور کچھ کھوئی کھوئی سی نظر آ رہی ہیں — یہ میری بدنصیبی ہے کہ آپ سے اتنے قریب رہ کر بھی آپکے دکھ درد سے واقف نہیں، کاش میں آپکے کسی کام آ سکتی۔

سلیمہ۔ تبا ساقی! — کبھی ہم نے تجھے کڑوے تیوروں سے دیکھا ہے؟ ایک تو ہی اس ویرانے میں ہمارے حال کی شریک ہے — اللہ کو معلوم ہے کہ ہم تجھے کس قدر عزیز رکھتے ہیں — کبھی تجھے کچھ کہا؟ کبھی تجھ سے اپنے دل کی بات چھپائی؟ ناحق دل میلا کرتی ہے۔ بھلا طبیعت تو کچھ اس سبب مکدر ہے کہ حضور جہاں پناہ کی توجہ ہم سے ہٹ کر کسی اور کے قبضے میں چلی گئی ہے — یہاں کشمیر کی حسین وادیوں میں لا کر ہمیں تنہا چھوڑ دیا ہے اور خبر نہیں لیتے۔ کئی دن ہوئے مگر حضور نے صورت تک نہیں دکھائی۔ زینت بیگم کے نصیب —! سرکار کی توجہ کچھ ادھر ہی ہے آجکل — (آہ سرد) خیر ہم بھی صبر کئے بیٹھے ہیں۔ مگر ہمارا جذبہ محبت بھی سچا ہے تو ایک نہ ایک دن خود سے کھنچے چلے آئیں گے —!

ساقی (آہ سرد) آپکا دکھ بھی سچا ہے — اپنوں کی بے پروائی بڑا دکھ دیا کرتی ہے — محبت کہیں کا نہیں رکھتی — [illegible]

اور وہ محبت جو پاؤں میں بیڑیاں ڈال دے۔ دل کھے ہوئے چہرہ اور صلیبی پاؤں کچلے ملیں۔ ہونٹ کچھ کہنا چاہیں اور پھڑ پھڑا کر رہ جائیں۔ نگہیں اٹھیں اور جھک جھک جائیں۔ اُف وہ مجبور محبت!

سلیمہ۔ میرے قریب آ ساقی! ۔ کیا تو بھی کسی کی محبت میں مبتلا ہے؟ کون ہے وہ؟ ہمیں اس کا نام بتا۔ ہم اُسے بلائیں گے اور اُس سے پوچھیں گے کہ وہ کیوں ہماری کنیز کا دل دکھاتا ہے۔ اگر وہ پھر بھی تیار نہ ہوگا تو ہم اسے مجبور کر دیں گے کہ وہ تجھے اپنے ساتھ لے جائے۔

ساقی (گھبرا کر) نہیں نہیں حضور غلط سمجھ رہی ہیں۔ میں آپ کے قدموں سے دور نہیں جانا چاہتی۔

سلیمہ۔ تو جھوٹ بولتی ہے۔ ہم سے اپنے دل کی بات چھپانے کی کوشش کر رہی ہے۔ ہم تیری آنکھوں میں اداسی اور بے چینی صاف دیکھ رہے ہیں۔ تیری کنپٹیاں دھک دھک کر رہی ہیں۔ تیرے گلابی ہونٹ کانپ کانپ کر رہ جاتے ہیں۔ کیا تو اس سے انکار کر سکتی ہے ——

—— کیوں؟ آخر ایسا کیوں ہے؟ جب سے تو ہمارے حرم میں داخل ہوئی ہے کچھ کھوئی کھوئی سی اور چپ چاپ رہتی ہے۔ دوسری باندیوں کی طرح ہنستے بولتے یا آپس میں چہلیں کرتے ہم نے تجھے کبھی نہیں دیکھا۔ راتوں کو ہم نے تیرے رباب کی غمگین لے ہواؤں میں تیرتی سنی ہے ——

اور تیرے اداس گیت بھی ——! جو ہمیں ان نرم بچھونوں میں بے چین کر دیتے ہیں —— کیا اب بھی ہم یہی سمجھیں کہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے؟۔

ساقی۔ کیا اچھا ہوتا اگر آپ مجھے بتلانے پر مجبور نہ کرتیں۔ آپ مجبور کرتی ہیں تو سنئے۔ میں نے صرف ایک مرتبہ محبت کی ہے اور صرف ایک ہستی سے۔ اور وہ ہیں آپ!

سلیمہ۔ ہم؟ —— (بڑے زور سے ہنستی ہے) ہم مانتے ہیں ساقی! تو باتوں میں ٹال جانا خوب جانتی ہے۔

ساقی۔ کچھ سنئے گا؟

سلیمہ۔ ہاں کوئی ایسا نغمہ جو تیرے اور میرے تشنہ لبوں کو سکون بخشے۔ سہارا سپاسے ہونٹوں کو تر کر دے اور میں تھوڑی دیر سو سکوں۔

(ساقی رباب چھیڑ دیتی ہے اور جب تانیں اپنے شباب پہ آتی ہیں ایک گیت شروع کر دیتی ہے۔ جو بے حد اداس بھی ہے اور پُر تاثیر بھی)

نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں۔ نہ کسی کے دل کا قرار ہوں۔
جو کسی کے کام نہ آ سکا میں وہ ایک مشتِ غبار ہوں۔

سلیمہ۔ بس بس ساقی یہ تو نے کیا چھیڑ دیا؟ نہ کسی کی آنکھ کا نور نہ کسی کے دل کا قرار ہوں۔ (اُف!)

ساقی۔ آپ کو شربت دوں؟

سلیمہ۔ ہاں ایک مختصر پیمانہ —— بس اتنا کہ لب تر ہو جائیں اور میں لیٹے لیٹے حلق میں انڈیل سکوں۔

(وقفہ —— شیشے ٹکرانے اور شربت انڈیلنے کی آواز)

ساقی۔ نوش جان فرمایئے۔

(دو تین چسکیاں چڑھانے کی آواز۔ اور پس منظر میں ستار کی دھیمی دھن)

سلیمہ۔ ساقی ——! یہ تو نے ہمیں کیا ملا دیا؟ —— ہماری آنکھیں مندی جا رہی ہیں —— ہم ——؟ ہم چاہیں بھی تو آنکھیں کھلی نہیں رہ سکتیں —— ہم گم سے ہو رہے ہیں —— تو ہے تو کہاں ہے ساقی؟ تو کہاں ہے؟

(آواز ڈوب جاتی ہے)

ساقی۔ (دھیمے دھیمے قدموں سے) کھلے دریچوں سے پھیکی پھیکی چاندنی چل کر قالینوں پر پھیل گئی ہے۔ باغ کی روشوں میں سے گلاب کی تیز مہک کے جھونکے اٹھے چلے آ رہے ہیں۔ موم کی فانوس ٹمٹما رہے ہیں اور شہزادی سو گئی ہے۔ نرم تکیوں میں سر رکھ کر ——! وہ کتنی حسین نظر آ رہی ہے —— اور کس قدر پُر جلال۔ مگر بے خبر! اس کا لباس بے ترتیب ہے۔ اوڑھنی ڈھلک آئی ہے —— رخسار تمتما رہے ہیں اور پتلے پتلے گلابی ہونٹ نیم وا —— (گھبرا کر) یہاں کوئی بھی نہیں؟ —— میرا یہ مجھے کیا ہو رہا ہے —— میرے اندر یہ کیسی خواہش کروٹیں لے رہی ہے

دس سال پہلے ۱۹۶۷ء میں ایشیا کے عظیم ادیب کرشن چندر کی زندگی میں

"شاعر" نے ۲۲۷ صفحات کا "کرشن چندر نمبر" پیش کیا تھا

اب کرشن چندر کی موت کے بعد ۱۹۷۷ء میں ایک اور

کرشن چندر نمبر

کرشن چندر کی بے پناہ مقبول و محبوب شخصیت اور فکر و فن پر مشاہیر اہلِ قلم کی تازہ ترین تحریریں

جذبات و تاثرات کی تھرتھراہٹیں اور فکر و نظر کے انمٹ نقوش

عقیدت کے نذرانے ——— عظمت کے گُل بُوٹے ——— محبت کے آنسو

مقالات و تاثرات

عصمت چغتائی
قرۃ العین حیدر
خواجہ احمد عباس
ڈاکٹر گیان چند
اعجاز صدیقی
خواجہ احمد فاروقی
ڈاکٹر محمد حسن
کنھیا لال کپور
آغا رشید مرزا
ڈاکٹر منظر اعظمی
شفیقہ فرحت
کلام حیدری
پروفیسر ایم۔ جی۔ جوشی
ڈاکٹر ایس۔ ایس نشاط
حسین شاہین
عبد القوی دسنوی
مناظر عاشق ہرگانوی
ڈاکٹر کے۔ ایل سنگل

ہندوستان کے
پچاس سے زیادہ سیاسی رہنماؤں، دانشوروں، ادیبوں اور شاعروں کے تعزیت نامے

پاکستان سے خطوط
فیض احمد فیض۔ سبطِ حسن
ابن انشا۔ اختر جمال۔ حامد حسن حامد

کرشن چندر کی آخری تحریر
"ایک لڑکی بگھارتی ہے دال"
(طنزیہ و مزاحیہ)

مالک رام آنند
تاجدار احتشام صدیقی
فیروز عابد
خورشید جہاں اشرف
حیدر کرمری

جیلانی بانو
غلام ربانی تاباں
کشمیری لال ذاکر
ڈاکٹر گوپی چند نارنگ
رام لعل
جوگندر پال
ڈاکٹر عنوان چشتی
سہیل عظیم آبادی
پرکاش پنڈت
ڈاکٹر عظیم الشان صدیقی
یوسف ناظم
خواجہ عبد الغفور
ڈاکٹر دھرم دیر بھارتی
سید ضمیر حسن دہلوی

نظمیں

پریم وار برٹنی
نصرت قریشی
علقمہ شبلی
ظہیر غازی پوری
رونق دکنی سیمابی
مہندر پرتاب گڈھی
خلش بڑودوی
نیاز گرالیاری
ملکہ خورشید
نعیم حمیدی
انس مسرور
حنان محیط

کرشن چندر کی وفات پر
لندن میں تعزیتی جلسہ
تفصیلی رپورٹ — از سوہن راہی (انگلستان)

۱۱۲ صفحات
قیمت
تین روپے پچاس پیسے

تیزی کے ساتھ طباعت کی منزل میں

کانپ جاتے ہیں یہ سوچ کر کہ ہم بڑے بڑے منہ زور دشمنوں کے قلعے فتح کرتے پھرے، خطرناک سازشیوں سے نبرد آزما ہوتے پھرے اور ان کی جڑیں تک اکھاڑ پھینکیں مگر یہ جاننے کی کوشش کبھی نہ کی کہ خود ہمارے گھر میں ہمارے خلاف ایک بڑی سازش ہو رہی ہے۔ ہمارے سر پر تلوار لٹکتی رہی اور ہم پاؤں پھیلائے سوئے رہے۔ ہم نے جسے اپنا سمجھا اسی نے ہماری کمر میں چھرا گھونپ دیا۔ ہماری محبت کو کھلونا بنایا گیا۔ ہمارے جذبات کو منہ چڑایا گیا ہماری وفاؤں کا گلا گھونٹ دیا گیا اور وہ بھی ہمارے سب سے محبوب حرم میں —! ہم کیسے یقین کریں کہ سلیمہ نے ہمیں دھوکہ دیا۔ اس سلیمہ نے جو ہمارے انتظار میں جاگ جاگ کر راتوں کے پہر دوں گزار دیا کرتی تھی۔ جو ہمارے قدموں پر پلکیں بچھایا کرتی تھی۔

مگر ہم اس کا کیا کریں۔ کہ ہم نے خود اپنی آنکھوں سے اُسے شراب کے نشے میں دھت پڑے دیکھا ہے اور ایک نامحرم کو اس کی مسہری پر جھکے اس کا منہ چومتے ہوئے —! اے اللہ، تو نے اس سے پہلے ہی ہمیں اٹھا کیوں نہ لیا؟ —

زینت:- صبح صادق نمودار ہو رہی ہے اب آپ کچھ دیر آرام کیجئے آپ کو سکون کی ضرورت ہے —!

(خادمہ اندر آتی ہے)

خادمہ:- (آداب بجا لاکر) جہاں پناہ کا اقبال بلند رہے۔ حرم سرا کا داروغہ فوری باریابی چاہتا ہے۔

زینت:- جہاں پناہ آرام میں ہیں — اس سے کہو پھر آئے۔

شہنشاہ:- نہیں بیگم۔ اسے آنے دو — تم ذرا اِدھر ہٹ جاؤ —

(وقفہ — داروغہ گھبرایا ہوا داخل ہوتا ہے)

داروغہ:- (آداب بجا لاکر) جہاں پناہ کا اقبال بلند رہے — حرم سرا کی چار دیواری ایک تشویشناک خبر دے کر بھیجا گیا ہوں: اجازت ہو تو عرض کروں۔

شہنشاہ:- جلد کہو —؟

داروغہ:- نور محل کی باندیوں نے خبر دی ہے کہ حضور ملکہ سلیمہ بیگم — نے بھی

شہنشاہ:- جلد کہو —؟

داروغہ:- عرض کرتا ہوں — حضور ملکہ سلیمہ بیگم نے اپنی انگشتری کا ہیرا چاٹ لیا ہے اور اب ان کی حالت غیر ہے —!

شہنشاہ: (چیخ کر) سلیمہ یہ تم نے کیا کیا —؟

(تیسرا سین)

(سلیمہ بیگم کے ایوان کا ایک دالان)

شہنشاہ:- (روندھے ہوئے گلے سے) سلیمہ یہ تم نے کیا کیا؟

سلیمہ:- جہاں پناہ — میں شرمندہ ہوں — آپ آئے ہیں اور بدن میں اتنی سکت نہیں کہ سروقد کھڑے ہو کر آپ کا استقبال کر سکوں۔ مجھے معاف کر دیجئے —

شہنشاہ:- (رو کر) سلیمہ — ہمیں شرمندہ نہ کرو —

سلیمہ:- جی چاہتا ہے آپ سے بہت سی باتیں کروں مگر معلوم ہوتا ہے کہ اب اتنا وقت نہیں ہے — میری انتڑیاں کٹنے لگی ہیں، اور خون کی ننھی دھاریں میرے بھینچے ہوئے ہونٹوں کے کونوں سے رس چلی ہیں — بس اتنا وقت ہے کہ دونوں ہاتھ پھیلا کر اپنے قصور کی معافی چاہوں اور کہوں "مجھے درگزر کر دیجئے" —!

شہنشاہ:- سلیمہ۔ ہماری سلیمہ —!

سلیمہ:- میں نہیں جانتی کہ میری خطا کیا تھی؟ شاید اس روز جب آپ آئے تو میں سر پیر سے بے خبر گہری نیند میں گم تھی اور آپ کے استقبال کے لئے بیدار نہ ہو سکی — اسی پر شاید جہاں پناہ کبیدہ خاطر ہو کر واپس لوٹ گئے اور فرما گئے کہ سلیمہ اٹھے تو اس سے کہہ دو کہ اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ کچھ کھا کے سو رہے۔

شہنشاہ:- (چونک کر) سلیمہ؟ یہ کیا کہہ رہی ہو؟ تو وہ سب کچھ کیا تھا؟ اف یہ ہم نے کیا کیا؟

سلیمہ:- مجھے بتایا گیا ہے۔ کہ میری عزیز کنیز ساقی بھی اسی جرم کی پاداش میں تاریک زنداں میں ڈال دی گئی ہے — آپ مجھے جو بھی سزا دیں مگر

آنکھوں پر۔ مجھ اُف کی مجال نہیں ۔ مگر ہاتھ باندھ کر اتنا ضرور عرض کروں گی کہ ساقی بے قصور ہے ۔ اُسے آزاد کر دیجئے۔

شہنشاہ:- تو کیا تم نہیں جانتیں کہ وہ کون ہے؟

سلیمہ:- وہ میری جانثار کنیز تھی اور میری بچپن کی رفیق ۔! پہروں میرا منہ تکا کرتی تھی ۔ میری مسکراہٹ سے کھل اٹھتی تھی ۔ اور میری کبیدہ خاطری سے اداس ہو جاتی تھی ۔ اس کی خدمتوں کا یہ صلہ ہرگز نہ ہونا چاہیئے جو اسے دیا گیا۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں دنیا سے شرمسار نہ جاؤں تو اُسے آزاد کر دیجئے۔

شہنشاہ:- (رو کر) ہماری سلیمہ ۔ ہمارا دل پھٹا جا رہا ہے ۔ ہم نے وہ جرم کیا ہے جو کبھی معاف نہ ہو سکے گا ۔ ہم تمہارے مجرم ہیں ۔ ہمیں سزا دو ۔ ایسی سزا جو آج تک کسی نے دیکھی ہو نہ سنی ہو۔ دیکھو ہمیں معاف نہ کرنا ۔ کہو سلیمہ میں نے آپ کو معاف نہیں کیا۔ کہو نا ۔ کہو میں نے تجھے معاف نہیں کیا۔

سلیمہ:- خدا آپ کو صحیح سلامت رکھے۔ میں اور میرے خدا نے آپ کو معاف کیا ـــ

شہنشاہ:- (چیخ کر) سلیمہ ـــ!

(چوتھا سین - زندان خانہ)

شہنشاہ:- بدبخت انسان! کیا جاگتے ہو؟

ساقی:- کون؟

شہنشاہ:- تمہارا بادشاہ!

ساقی:- آپ؟ کیسے تشریف لائے؟ مجھے ہی کھینچ بلایا ہوتا کیا تعظیم کروں؟ اس اندھیری اور بدبودار کوٹھری میں ۔ تو ٹاٹ کا بالشت بھر ٹکڑا بھی نہیں ۔!

شہنشاہ:- تمہاری کہانی نہیں کھلی تھی وہ سننے آیا ہوں ۔ سناؤ گے؟

ساقی:- میری کہانی ـــ کیا مرے منہ پر تھوکنے آئے ہیں ـــ خدا کی قسم! یہ راز ہونٹوں پر کبھی نہ آسکے گا ۔ آپ چلے جائیں

شہنشاہ:- (قہقہہ) ـــ اگر تم سنانا نہیں چاہتے تو ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تمہیں مجبور کریں۔ مگر سوچو تو کہ تمہاری خاموشی سلیمہ بیگم کی جدائی کا سبب نہیں بن جائے گی؟ اگر اپنے لئے نہیں ۔ ہاں تجھے نہیں تو سلیمہ بیگم کے لئے تمہیں سب کچھ بتا دینا چاہیئے ـــــ

ـــــ وہ مظلوم عورت!

ساقی ۔ سلیمہ بیگم؟ ـــ وہ بے قصور ہیں ۔ وہ نہیں جانتی تھیں کہ ایک مرد عورت کے روپ میں ان سے اس قدر قریب موجود ہے۔

ـــ خدا کی قسم وہ اتنی ہی پاکیزہ ہیں جیسے حضرت مریم ـــ

آپ کا مجرم میں ہوں ـــ مجھے سزا دیجئے۔

شہنشاہ:- ہم منتظر ہیں ـــ!

ساقی:- سوچا تھا کہ یہ راز قبر میں ساتھ جائے گا ۔ اللہ کی یہی مرضی ہے تو سنئے ـــ (وقفہ) ـــ ہم ننھے ننھے سے تھے ـــ میں اور سلیمہ! خوب کھیلے کودتے تھے ہاتھوں میں ہاتھ دیئے خوب گھومتے پھرتے تھے خوب باتیں کرتے تھے ـــ سلیمہ کے ابا کی حویلی اور ہمارے گھر میں بس ایک دہلیز کا پردہ تھا اور پھر دونوں گھروں میں خوب اچھے تعلقات تھے ـــ ہاتھوں ہی ساتھ ساتھ پھرنے پر ابا کبھی کبھی ناراض ہو جاتے اور مارتے بھی ـــ مگر ہم کسی نہ کسی طرح آنکھ بچا کر نکلتے گھر سے کچھ دور آموں کے ایک ننھے منے باغ کے ایک ٹیلہ کی میڈ پر بیٹھے ہوئے پہروں باتیں کیا کرتے ۔ بہت باتیں ـــ جانے کہاں کہاں کی ـــ! باتیں ختم ہو جاتیں تو ٹکر ٹکر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگ جاتے ـــ اور پھر خود بخود ہنس دیتے ـــــــ

ـــ ایک اندھیری شام کو ہاتھوں میں ہاتھ دے کر ہم ننھی ننھی لڑکھڑاتی زبانوں سے عہد کیا کہ کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے ۔

ـــ سدا ساتھ رہیں گے اور ساتھ ہی مریں گے ۔! ـــ سلیمہ اپنا دوپٹہ منہ پر کھینچ کر دلہن بن جاتی اور میں ننھا سا دولہا ۔ پھر دونوں دولہا دلہن بن کر پاس پاس ہو بیٹھتے ۔ یہ ہماری معصوم شادی تھی

ـــ بے فکری اور مسرت کے دن اڑتے چلے گئے ـــ ہم نے ہوش سنبھالا

شروع کیا — اب ہماری ملاقاتوں میں وہ پہلی سی لاپرواہی اور بےنیازی نہ رہی تھی۔ بلکہ کچھ جھجک، کچھ حجاب، کچھ گھبراہٹ سی تھی۔ ہم باتیں اب بھی کرتے مگر کم — خاموش بیٹھے خلا میں گھورا کرتے۔ مگر ہمیں اطمینان تھا کہ ہم ایک دوسرے سے دور نہیں ————

———— مگر جلد ہی ایسے حالات سامنے آنے لگے کہ ہمیں اپنا تصور خواب بنتا نظر آیا۔ سلیمہ کے ابا جان شہر چھوڑ کر کہیں دور جا بسنے کا ارادہ کرنے لگے ————

———— ایک دن سامان چھکڑوں پر لاد دیا گیا۔ اور وہ سب گھر والے کھڑے کھڑے ہوئے — میرا دل الٹا جا رہا تھا۔ سلیمہ سے دو لفظوں کا بات کرنے کا موقع ملا — وہ بھی اداس تھی —

— میں نے اسے اس کا عہد یاد دلایا۔ وہ روندھے ہوئے گلے سے بولی "میں مجبور ہوں"! اور وہ چلی گئی —! ————

میں ان لوگوں کو جاتے ہوئے دیکھتا کھڑا رہ گیا۔ دل رو رہا تھا — طبیعت کو بہلانے کی بہتیری کوشش کی مگر وہ اچاٹ تھی — دن گذرتے گئے مگر دل سے یاد محو نہ ہوتی تھی۔ گھر والوں نے ہتیرا سر پٹکا، علاج معالجے کیے، میری شادی کی فکر کی مگر میں نے انکار کر دیا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ تمام زندگی یوں ہی گذار دوں گا۔ جب ان کا اصرار حد سے بڑھ گیا اور مجھے کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ ایک رات ستو ڈالے اور کھجوروں کی چھوٹی سی پوٹلی باندھ کر میں گھر سے نکل کھڑا ہوا — ادھر کو منہ اٹھا چلتا رہا — آخرکار میں نے یہاں آ کر دم لیا۔ ————

مجھے معلوم ہوا کہ سلیمہ کے والد ترقی کر کے دربار میں اچھی حیثیت پا گئے ہیں — ایک جھلک دیکھنے کی تمنا میں دل تڑپ گیا۔ قدم نہ اٹھے — پھر اطلاع ملی کہ سلیمہ حرم میں داخل کر لی گئی۔ مجھے صبر کرنا چاہیے تھا۔ مگر میں دل کے ہاتھوں مجبور تھا — میں نے اس ذریعہ سے حرم تک رسائی حاصل کی اور اپنی کم عمری، خوش رنگی اور صاف چہرے کی مدد سے ایک کنیز کے بھیس میں سلیمہ کے نزدیک تر پہنچ گیا — اس کی صورت سامنے رہتی تو دل کو قرار ہوتا۔ بس اب مجھے کوئی تمنا نہ تھی — ارادہ تھا کہ زندگی اسی طرح نبھا دوں — مگر میری بےقراریاں رنگ لائیں — دل کو مار چکا تھا مگر وہ چاندنی رات، خوشبو، تارے، میرے دل کا جنون، خاموشی، تنہائی اور سلیمہ کا ہوش ربا حسن مجھے بہکا گئے — میں اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا اور بےاختیار ہو کر سلیمہ کی پیشانی چوم لی — شربت کے پیالے میں نیند آور دوا میں پہلے سلیمہ کو پلا چکا تھا اور وہ بےسدھ پڑی تھی — ایسے موقعہ پر آپ نمودار ہو گئے۔ اور آپ نے وہ سب کچھ دیکھا — یہ تھی میری کہانی — اور بس —

شہنشاہ: (گلا رندھے ہوئے گلے سے) قیدی — اپنے ہاتھ بڑھاؤ میں تیرے زنجیریں خود اتاروں گا — تو بےقصور ہے — سلیمہ بھی بےقصور تھی دروازہ کھلا ہے — تم جا سکتے ہو — سنو! کبھی کبھی ہمارے لیے بھی دعا کرنا کہ خدا ہمارے گناہوں کو معاف کر دے —— میں بھی دعا کروں گا کہ خدا تمہاری بھٹکتی روحوں کو قرار نصیب کرے — تم کو — اور سلیمہ کو وہ جہاں بھی ہو — !!! —

(پردہ گرتا ہے)

(عباسی)

تجارت

"اس کے کیا دام ہیں"
"آپ کے واسطے صرف پانچ روپے۔
ورنہ یہ مال تو بازار میں ملتا ہی نہیں
عورتیں اور بھی مل جائیں گی لیکن سرکار
آپ کی مست جوانی کی قسم
ایسی مل سکتی نہیں۔
میں نے دیکھے ہیں بازار
عمر گذری ہے اِسی دشت کی سیاحی میں"

"آپ کیا کام کیا کرتے ہیں؟
"چند افسانے، مضامین، ڈرامے، ناول۔
بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساماں نکلا"۔
"اچھا تو ذوقِ ادب ہے تمہیں
پہلے کچھ اپنے نمونے تو ہمیں دکھلاؤ۔
"آپ نے چند رسالوں میں میرا نام تو دیکھا ہوگا۔
مجھ کو دفتر ہی سے فرصت ہے کہاں
تم سے پہلے ہی بازار میں چلا آیا تھا
اور اب اپنے خریدار کی مرضی کیلئے
روح کو مردہ کئے جاتا ہوں"

"یہ جو کل آیا ہے شاعر کا دماغ
اس سے شعلے بھی اٹھا کرتے ہیں۔
اس پہ چاندی کا تم ایک خول چڑھا دو
کہ اگر شعلے اٹھیں بھی تو دب جائیں یہیں۔
اور بازار کو نقصان نہ ہونے پائے"

"کون"؟
"مجھ کو بھی کیا ہے تعارف کی ضرورت اب تک
میں کہ ایک قوم کی باگیں ہیں مرے ہاتھوں میں
اور وہ قوم جو طوفان اٹھا سکتی ہے
ایک لمحے میں گرا سکتی ہے یہ اونچے محل
لیکن اس قوم میں احساس نہیں۔
میں جو چاہوں تو یہ احساس جگا سکتا ہوں۔"
"جاؤ منہ مانگی ملے گی قیمت
اور وہ قوم کہ ہیں جس کے نمائندہ جناب
اب کبھی سر نہ اٹھانے پائے"

خاص نمبر ماہنامہ پنجابی گزٹ ۱۹۶۷ء

شروع کیا ـــ اب ہماری ملاقاتوں میں وہ پہلی سی لاپرواہی اور بےنیازی نہ ہوتی تھی ۔ بلکہ کچھ جھجک، کچھ حجاب، کچھ گھبراہٹ سی تھی ۔ ہم باتیں اب بھی کرتے مگر کم کم ۔ خاموش بیٹھے خلا میں گھورا کرتے ۔ مگر ہمیں اطمینان تھا کہ ہم ایک دوسرے سے دور نہیں ــــــــــ

ـــــ مگر جلد ہی ایسے حالات سامنے آنے لگے کہ ہمیں اپنا تصور خواب بنتا نظر آیا ۔ سلیمہ کے اباجان شہر چھوڑ کر کہیں دور جانے کا ارادہ کرنے لگے ـــــــــــــــــــ

ـــــ ایک دن سامان چھکڑوں پر لاد لیا گیا ۔ اور وہ سب گھر والے کھلے کرائے کھڑے ہوئے ـــ میرا دل الٹا جا رہا تھا سلیمہ سے دو لمحوں کا بات کرنے کا موقع ملا ـــ وہ بھی اداس تھی ـــ

ـــ میں نے اسے اس کا عہد یاد دلایا وہ رندھے ہوئے گلے سے بولی "میں مجبور ہوں" ! اور وہ چلی گئی ـــ! ــــــــــ

میں ان لوگوں کو جاتے ہوئے دیکھتا کھڑا رہ گیا ۔ دل رو رہا تھا ـــ طبیعت کو بہلانے کی بہتیری کوشش کی مگر وہ اچاٹ تھی ـــ دن گذرتے گئے مگر دل سے یاد محو نہ ہوتی تھی ۔ گھر والوں نے بہتیرا سر پٹکا، علاج معالجے کئے، میری شادی کی فکر کی مگر میں نے انکار کر دیا ۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ تمام زندگی یوں ہی گذار دوں گا ۔ مگر جب ان کا اصرار حد سے بڑھ گیا اور مجھے کوئی چارہ کار نظر نہ آیا ۔ تو ایک رات ستو ڈالی اور کھجوروں کی چھوٹی سی پوٹلی باندھ کر میں گھر سے نکل کھڑا ہوا ۔ ادھر کو منہ اٹھا چلتا رہا ـــ آخرکار میں نے ... نکالا ۔ ــــــــــــــــــــ

مجھے معلوم ہوا کہ سلیمہ کے والد ترقی کرکے دربار میں اچھی حیثیت پا گئے ہیں ۔ ایک جھلک دیکھنے کی تمنا میں دل تڑپ گیا ۔ مگر قدم نہ اٹھے ـــــ پھر اطلاع ملی کہ سلیمہ حرم میں داخل کر لی گئی ۔ مجھے صبر کرنا چاہیئے تھا ۔ مگر میں دل کے ہاتھوں مجبور تھا ۔ میں نے ایک ذریعہ سے حرم تک رسائی حاصل کی اور اپنی کم عمری، خوش رنگی اور بے ریش چہرے کی مدد سے ایک کنیز کے بھیس میں سلیمہ کے نزدیک تر پہنچ گیا ـــ اس کی صورت سامنے ہوتی تو دل کو قرار ہوتا ۔ بس اب مجھے کوئی تمنا نہ تھی ـــ ارادہ تھا کہ زندگی اسی طرح نبھا دوں ـــ مگر میری بے قراریاں رنگ لائیں ۔ دل کو مار چکا تھا مگر وہ چاندنی رات خوشبو، تارے، میرے دل کا جنون، خاموشی، تنہائی اور سلیمہ کا ہوش ربا حسن مجھے بہکا گئے ـــ میں اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا اور بے اختیار ہو کر سلیمہ کی پیشانی چوم لی ۔ شربت کے پیالے میں نیند آور دوا میں پہلے سلیمہ کو پلا چکا تھا اور وہ بےسدھ پڑی تھی ـــ ایسے موقعہ پر آپ نمودار ہو گئے ۔ اور آپ نے وہ سب کچھ دیکھا ۔ یہ تھی میری کہانی ـــ اور بس ـــ

شہنشاہ : (گلا رندھے ہونے لگے ہے) قیدی ۔ اپنے ہاتھ بڑھاؤ میں تیرے زنجیریں خود اتاروں گا ـــ تو بے قصور ہے ـــ سلیمہ بھی بے قصور تھی دروازہ کھلا ہے ـــ تم جا سکتے ہو ـــ سنو ! کبھی کبھی ہمارے لئے بھی دعا کرنا کہ خدا ہمارے گناہوں کو معاف کر دے ـــــــ میں بھی دعا کروں گا کہ خدا تمہاری بھٹکتی روحوں کو قرار نصیب کرے ۔ تم کو ـــ اور سلیمہ کو وہ جہاں بھی ہو ـــ !!! ۔ (پردہ گرتا ہے)

(عباسی)

تجارت

"اس کے کیا دام ہیں"
"آپ کے واسطے صرف پانچ روپے۔
ورنہ یہ مال تو بازار میں ملتا ہی نہیں
عورتیں اور بھی مل جائیں گی لیکن سرکار
آپ کی مست جوانی کی قسم
ایسی مل سکتی نہیں۔
میں نے تو دیکھے ہیں بازار
عمر گذری ہے اسی دشت کی سیاحی میں"

"آپ کیا کام کیا کرتے ہیں؟"
"چند افسانے، مضامین، ڈرامے، ناول۔
بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساماں نکلا"
"اچھا تو ذوقِ ادب سے ہے تمہیں
پہلے کچھ اپنے نمونے تو ہمیں دکھلاؤ"
"آپ نے چند رسالوں میں میرا نام تو دیکھا ہوگا۔
مجھ کو دفتر ہی سے فرصت ہے کہاں
تم سے پہلے ہی بازار میں چلا آیا تھا
اور اب اپنے خریدار کی مرضی کیلئے
روح کو مردہ کئے جاتا ہوں"

یہ جو کل آیا ہے شاعر کا دماغ
اس سے شعلے بھی اٹھا کرتے ہیں۔
اس پہ چاندی کا تم ایک خول چڑھا دو
کہ اگر شعلے اٹھیں بھی تو دب جائیں یہیں۔
اور بازار کو نقصان نہ ہونے پائے"

"کون"؟
"مجھ کو بھی کیا ہے تعارف کی ضرورت اب تک
میں کہ ایک قوم کی باگیں ہیں مرے ہاتھوں میں
اور وہ قوم جو طوفان اٹھا سکتی ہے
ایک لمحے میں گرا سکتی ہے یہ اونچے محل
لیکن اس قوم میں احساس نہیں۔
میں جو چاہوں تو یہ احساس جگا سکتا ہوں۔"
"جاؤ منہ مانگی ملے گی قیمت
اور وہ قوم کہ ہیں جس کے نمائندہ جناب
اب کبھی سر نہ اٹھانے پائے"

ہر طریقے سے قابل اعتماد

شیروانی اور سوٹنگ کا

کپڑا

پنجابی کلاتھ ملز لمیٹڈ کا تیار کردہ لیجئے

ہر گز پر

پی۔سی۔ایم دیکھ لیں

اسٹاکسٹ: محمد ابراہیم محمد صدیق چاندنی چوک کٹرہ قطب الدین دہلی

مٹر کی پھلیاں

سلمان آل ارشد فاروقی

زیر تحریر کتاب "تیغ و قلم" کا
ایک افسانہ

شیروانی اتار کر وہ بڑے شوق سے باورچی خانہ کی طرف بڑھا
ہاں چولہے پر رکھی ہوئی ایک بڑی پتیلی اس بات کا اعلان کر رہی تھی
اس میں کوئی ایسی چیز پک رہی ہے جو نہ صرف پیٹ کی آگ بجھانے
کام دے گی بلکہ ایک خاص لذت بھی مہیا کر سکے گی -
اس خیالی غذا کے تصور نے اس کی زبان میں چٹخارے پیدا کر دیئے
ہے خود بخود یہ یقین ہو گیا کہ اس پتیلی میں ضرور مٹر پلاؤ پک رہا ہے
شاید اسی لیے بازار میں مٹر کی پھلیاں دیکھ کر اس کو خریدنے کے لئے اس کا
دل مچل رہا تھا مگر جیب میں دو آنہ بھی نہ نکلے کہ وہ اس کو خرید لیتا -
مٹر بھی کیا چیز ہے معمولی سی پھلی کے یہ چند دانے جس چیز میں ڈال
دیئے جائیں وہ چیز اس قدر مزہ دار ہو جاتی ہے کہ نہ صرف زبان ہی
سے محسوس کرتی ہے بلکہ روح کی قوت حس تک اس سے لطف اندوز
ہوتی ہے —— مٹر اسے بچپن ہی سے پسند تھے جب وہ بچہ
تھا اس وقت بھی وہ ہمیشہ اپنے ایک پیسہ کی مٹر کی پھلیاں خرید کر کھایا
کرتا تھا۔ طالب علمی کے زمانے میں اس نے کبھی امرود، بیر یا چنے چرانے
کی کوشش نہیں کی نہ اس نے کبھی املیاں توڑ کر کھائیں مگر جب کبھی
کھیت میں اسے مٹر کی پھلیاں لگی نظر آ جاتیں تو وہ سب کچھ بھول جاتا
اور چوری کو بری بات سمجھنے کے باوجود صرف ان قاتل اور ظالم پھلیوں
کی وجہ سے چوری کرنے پر مجبور ہو جاتا - وہ اپنے گھر میں بھی "مٹر پسند" مشہور
تھا۔ جس دن اس کی ماں مٹر پلاؤ پکاتی اس دن اس کی خوشی کا کوئی
ٹھکانہ نہ ہوتا اور یہ دن اس کے لیے کسی بڑے تہوار سے کم نہ ہوتا اس کا
تو یہ دل چاہتا تھا کہ شبرات پر حلوے اور عید پر سویوں کی بجائے
مٹر پلاؤ پکا کرے بھلا حلوے اور سویوں میں سوائے مٹھاس کے

اور رکھا ہی کیا ہے اور مٹھاس کی خواہش کی صورت میں تھوڑی
سی شکر پھانک لینا اس کی رائے میں کافی تھا۔ شکر کا مصرف
اس نے صرف چائے تک محدود کر دیا تھا۔
یکایک اس کی بیوی ہمسائی کے گھر سے واپس آ گئی اور اس کی
گرسنہ نظروں کی چبھن محسوس کر کے اس نے سوال کیا۔
" کھانا نکالوں "
" ہاں بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے اور یہ مٹر کی پھلیاں کہاں سے
آ گئیں " اس نے بیتابانہ سوال کیا سوائے مٹر پلاؤ کے دنیا کی ہر چیز سے
خالی الذہن ہو کر۔
" مٹر کی پھلیاں ! اس کی بیوی نے اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا " کیسی
مٹر کی پھلیاں کہاں ہیں ؟ " اور متعجب ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی
" تو اس میں کیا ہے ؟ " اس نے پتیلی کی طرف اشارہ کیا ! اسے
یقین تھا کہ اس کی بیوی کہے گی مٹر پلاؤ ! مگر اس نے ذرا ترش لہجے میں
جواب دیا -
" ہوتا کیا ؟ —— سوکھے روٹی کے ٹکڑے ہیں محلے سے پاؤ بھر ارہر
کی دال مانگ لے کر اس کو پکایا ہے۔ پیٹ تو بھرے کسی طرح مجھ سے
تو بچوں کی بلبلاہٹ نہیں دیکھی جاتی "
" روٹی کے سوکھے ٹکڑے !!! جیسے ایک حسین خواب دیکھتے دیکھتے
یکایک اس کی آنکھ کھل گئی ہو۔
" کھانا کھائیں گے آپ !" اس کی بیوی نے اپنے پیٹ میں گھرچن
محسوس کرتے ہوئے مکرر سوال کیا۔ " نہیں مجھے ابھی ایک جلسہ میں
جانا ہے " وہ اپنی کھادی کی میلی شیروانی اور مسلی ہوئی کناروں

تمغہ میں ملی ٹوپی پہن کر باہر آگیا۔

جلسہ سے تو وہ ابھی واپس آیا تھا۔ یہاں تو اُس نے صرف احتجاج کیا تھا مگر یہ احتجاج بیوی کے مقابلے میں نہیں بلکہ خود اپنے مقابلے میں تھا کیونکہ اس کے دماغ میں تو مرغ پلاؤ کا تصور پیدا ہوا تھا — گلی کے نکڑ پر وہ فاموش کھڑا ہو گیا۔

نیم کے درخت کے تنے میں بہت سے کتے کے پلے کلبلا رہے تھے کھوکلے تنے میں ایک غار سا ہو گیا تھا کسی کتیا نے اس کو اپنا زچہ خانہ قرار دے لیا۔ اور بچے دیدئے۔ کتیا کا اس سے زیادہ آرام دہ اور کوئی زچہ خانہ نہیں ہو سکتا تھا شاید یہ کتیا کی قدامت اور رجعت پسندی کے خلاف بغاوت تھی مکمل بغاوت! —

وہ سوچنے لگا۔ لوگ اسے خواہ مخواہ باغی سمجھتے ہیں۔ حکومت کا دشمن تصور کرتے ہیں۔ ملک کا خادم اور قوم کا ہمدرد جان کر اس کی عزت کرتے ہیں۔ صرف عزت! عزت کرنے میں کوئی روپے تھوڑا ہی خرچ ہوتے ہیں حالانکہ نہ وہ باغی تھا نہ اسے حکومت سے کوئی بیر تھا۔ ملک کی خدمت کی تو اُس نے کبھی اپنے میں ہمت نہیں پائی اور قوم کی ہمدردی کو تو وہ کالج میں اسی دن خیرباد کہہ چکا تھا جس دن سٹرائک کے سلسلے میں اس کے ساتھیوں نے اس کے ساتھ غداری کر کے اُسے کالج سے چار سال کے لئے نکلوا دیا تھا اب تو وہ پیٹ بھرتا ہے جب حکومت نے اُسے کلرکی تک کا اہل نہیں سمجھا تو اُس نے بقول اکبر الہ آبادی پڑھ لکھ کر لیڈر بننے اور وقت نہ چلنے سے پہلے ہی لیڈر بننے کی کوشش شروع کر دی تاکہ وہ —

صحیح لیڈر کو بہت ہی مگر آرام کے ساتھ! کا تجربہ کر سکے مگر مشکل یہ آن پڑی کہ لیڈری کی صنعت پر بھی سرمایہ داروں کا قبضہ ہو چکا تھا اس لئے وہ سماجی لیڈر کے ایک مقامی قوم پرست جماعت کا اسسٹنٹ سکرٹری بن گیا اور قوم نے پچیس روپے ماہوار کی گراں قدر رقم دینا منظور کر کے گویا اس کی خدمات کا اعتراف

کر لیا۔ اس کا اصلی عہدہ تو اسسٹنٹ سکرٹری تھا مگر عہدہ اور کام میں بہت فرق ہوتا ہے وہ تو دراصل والنٹیروں کا دروغہ تھا بالکل میونسپلٹی کے دروغہ صفائی کی طرح! حالانکہ میونسپلٹی کا دروغہ ہمیشہ دروغہ رہتا ہے اور مہتر کا کام وہ کبھی خود نہیں کرتا ہے۔ مگر اُسے والنٹیروں کی کمی کی صورت میں اکثر بہت سے کام والنٹیروں کی طرح خود کرنا پڑتے۔ مثلاً فرش بچھانا، ڈائس تیار کرنا، جلسہ کا اعلان کرنا، تقریروں کے درمیان میں زندہ باد کے فلک شگاف نعرے بلند کرنا اور کبھی کبھی بڑے بڑے لیڈروں کو پانی پلانا اُن کے لئے بازار سے اعلیٰ اور قیمتی سگریٹ لانا اور اکثر چائے بنانا مگر لالہ چھیدی لال رئیس جو جماعت کے پریزیڈنٹ تھے ہمیشہ اس کی تعریف کرتے اور کہتے

نسیم اختر قوم کا سچا خادم اور شمع آزادی کا سچا پروانہ ہے

وہ یہ سن کر مسکرا دیتا کیونکہ اس تعریف کے بعد بطور شکریہ اس کا مسکرانا فرض تھا۔ یکایک اس کی آنکھوں کے سامنے قوم کا درد ایک کتیا کی شکل میں پھرنے لگا اور اسے محسوس ہوا کہ یہ سب لیڈر اس کتیا کے بچے ہیں جو اپنا پیٹ بھرنے کے لئے دودھ پینے کی بجائے قوم کا خون چوس رہے ہیں اور پھر اس کے تخیل میں لالہ چھیدی لال اور اُن کی نئی پندرہ ہزار روپے والی کار گھومنے لگی اس تیزی سے جیسے لالہ جی یہ کار خود اس کے دماغ میں چلا رہے ہوں۔ دوسری طرف جماعت کے سکرٹری حاجی نبی بخش سوداگر کی موٹر دوڑتی نظر آئی۔ جو اکثر اس سے خوش رہتے تھے اکثر اس لئے کہ یہ خوشی ہمیشہ اس وقت ختم ہو جاتی جب کہ اس کی ویت کا کبھی کبھی غیرت و حمیت سے متاثر ہو کر کم ہو جاتی۔ یکایک اُسے اپنے ذہن میں موٹروں کا ہولناک تصادم محسوس ہوا ——

مگر صدر اور سکرٹری مرنے کی بجائے ایک دوسرے سے بغلگیر ہو گئے۔

ہندو مسلم بھائی بھائی!

کی مکمل تفسیر بن کر اسے نفرت سے اپنے ذہن میں ان دونوں کو

دیکھا ۔!

کتے کے پلے ! ———

وہ بڑبڑایا ———

سامنے رجیا کی کوٹھڑی نظر آ رہی تھی ۔ رجیا محلہ بھر کی سب سے حسین لڑکی تھی نل پر پانی بھرتے ہوئے اُس نے اُس پر اکثر اپنی حریصانہ نظریں پھینکیں مگر کامیابی نہیں ہوئی لیکن کچھ ہی دن بعد وہ آوارہ ہوگئی اُس کی آوارگی کی ساری ذمہ داری خود اس کے بھائی پر تھی ایک ہی کوٹھڑی میں سارا خاندان رہتا تھا بالکل اسی طرح کلبلاتے ہوئے جیسے درخت کی کھوہ میں کتیا اور اس کے پلے ! ——
بھائی کو نوکری کیا ملی گویا جوانی جاگ اٹھی اور جوانی کا جاگنا قیامت ہوگیا ۔ قیامت تو قیامت ہوتی ہے نفسی نفسی کا عالم ہوتا ہے چنانچہ اسی نفسی نفسی میں اُس نے شادی کر لی ایک ہی کوٹھڑی میں ایک طرف ماں باپ اور جوان بہن کا ٹھکانہ تھا اور دوسری طرف نصف کوٹھڑی میں ٹاٹ کا پردہ ڈال کر حجلۂ عروسی تیار کیا گیا ۔
ٹاٹ کے پیچھے ہر شب کیا ہوتا رہا ۔ رجیا اپنی نظروں سے تو نہ دیکھ سکی مگر ہلکی ہلکی لذیذ سسکیوں اور میٹھی میٹھی آہوں نے اس کی معصوم جوانی میں تھرتھری پیدا کر دی بالکل ان سسکیوں کی طرح اس کی جوانی مرتعش ہوگئی اور بالآخر ارتعاش نے ایک دن سکون حاصل کر لیا ۔ نجو کی آغوش جیلے کے لئے گہوارۂ سکون ثابت ہوئی
——— بھائی کے یہاں لڑکی پیدا ہونے کے دو ہی ماہ بعد رجیا کے ہاں ایک عجیب سا لڑکا ہوا ۔ عجیب سا اس لئے کہ لوگوں نے اس لڑکے کو عجوبہ سمجھا ۔ دور دور کے محلوں کے بڑے بوڑھوں نے آ کر اس کو اس غور سے دیکھا جیسے وہ کسی فن کار کا کوئی خاص شاہکار ہو ۔ بچہ کا خیال آتے ہی اُسے رجیا کی گود میں اس کا دودھ پیتا بچہ دکھائی دینے لگا اُسے وہ بالکل کسی اصیل کتے کا پلہ معلوم ہوتا تھا ۔ عام کتوں کی طرح وہ بھی اپنے باپ کو نہیں پہچان سکتا تھا

کیونکہ رجیا کی منت و سماجت کے باوجود نجو نے اس سے شادی کرنے سے انکار کر دیا ۔ کیونکہ اگر وہ رجیا سے شادی کر لیتا تو اُس کے دونوں بڑے بھائی اُسے مار ڈالتے اُسے رہ رہ کر نجو اور اس کے بھائیوں پر غصہ آنے لگا ———

سالے کتے کے پلے ہیں ! ———
اس جملہ نے اس کے غصہ کی تلخی کو بڑی حد تک کم کر دیا ۔ کتے کے پلے مختلف شکلوں میں اس کے ذہن میں گھومنے لگے ، نیلے ، کالے ، چتکبرے ، سفید ، کتھئی ، بھورے ، نئے نئے رنگ کے ۔
" یہ گلی کے نکڑ پر کھڑے ہوئے کس جلسہ کا انتظام کر رہے ہو " وہ بیوی کی آواز سن کر چونک پڑا ۔ دروازہ میں سے اس کی بیوی آدھا جسم باہر نکالے اُسے دیکھ رہی تھی ۔
وہ چپ چاپ کمرے میں داخل ہوگیا ، بیوی نے کھانا سامنے رکھ دیا ۔ رکابی کے اندر دال میں پڑے ہوئے روٹی کے ٹکڑے اسے ایسے دکھائی دے رہے تھے جیسے کسی بہت چھوٹی کتیا نے ننھے ننھے بچے دئے ہیں جن کے جسم کے چاروں طرف آلائش لگی ہوئی ہے وہ بغیر کچھ سوچے ہوئے آنکھیں بند کر کے ان ٹکڑوں کو نگلنے لگا جیسے وہ واقعی کتے کے پلے کھا رہا ہو اور اسی لئے وہ ان کو اس ڈر سے نہیں چبا رہا تھا کہ کہیں وہ پیں پیں نہ کرنے لگیں ۔ چند منٹ بعد اُس نے اپنی بائیں نصف آنکھ کھول کر دیکھا ۔ اُس کے دونوں بچے اُس کی بیوی کے دائیں بائیں خاموش بیٹھے ہوئے تھے اس وقت اُسے اپنی بیوی بالکل کتیا معلوم ہو رہی تھی اور دونوں بچے اس کے پلے ۔
یکایک اُسے محسوس ہوا جیسے وہ خود بھی کتا ہے !!

نسرین

لیلیٰ لکھنوی

میں کیسے کہوں نسرین نے میری زندگی تباہ کر دی ہے مجھے اجاڑ دیا۔ میں تو اب بھی اس کو پیار کرتی ہوں اسی طرح جس طرح ہم دونو کالج میں ایک دوسرے کو چاہتے تھے ہنستے تھے کھیلتے تھے اور ایک ہی کمرے میں سو جاتے تھے اسی طرح ہنستے کھیلتے کالج کا زمانہ ختم ہو گیا نسرین کی جدائی میرے لئے تکلیف دہ تھی میں ہر چیز میں کمی محسوس کرتی اب میں اپنے گھر میں بالکل اکیلی تھی سوائے ممی کے اور نسرین مجھ سے کوسوں دور ——— ہم دونوں ایک دوسرے کو خط لکھا کرتے لمبے لمبے خطوط جو دنیا بھر کی باتوں سے پر ہوتے۔ ایک خط میں نسرین نے مجھے لکھا۔ بی اے تو کر لیا مگر اس کا فائدہ یہ ہے کہ بس اخبار یا کتابیں پڑھا کرتی ہوں۔ اور ممی نوکری نہیں کرنے دیتیں۔ ہر وقت گھر میں بند ہوں بس پڑی رہتی ہوں اور ممی ایک اعلیٰ خاندان کے لڑکے کے لئے ہر وقت پریشان رہتی ہیں تاکہ وہ اپنی زندگی میں اپنی نسرین کو دلہن بنا دیکھ لیں اور چاہے میں زندگی بھر اس بدھو کو رو دیا کروں جس کو میں جانتی تک نہیں کہ وہ ہیں کیسے، اُن کا مذاق کیا ہے اُن کے خیالات کیسے ہیں۔ اچھی نگار ذرا سوچو تو کس قدر ظلم ہے ہم ہمیشہ کے لئے اپنے جذبات و دل کے خلاف کام کرنے اور زندگی بھر کے لئے ذمہ داریاں اُٹھانے کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں میں سوچتی ہوں میں ایسی شادی ہرگز نہ کروں گی جو میرے معیار کے مطابق نہ ہو۔ کہو آج کل کیا شغل ہیں؟ کوئی رومانس تو نہیں کر رہی ہو؟ اتنے دیر کے بعد میرے خطوط کا جواب دیتی ہو؟" اور میں مسکرا اٹھی۔ تھا بھی جب ایسا ہی ایک ہفتہ سے میرے خالہ زاد بھائی آصف گرمیوں کی چھٹیاں گزارنے میرے گھر آئے ہوئے تھے۔ کیا محبت کرنا واقعی عورت کی زندگی کا جزو ہے؟ میں نے تو اپنی زندگی میں صرف نسرین اور ممی سے محبت کی تھی اُن کی آغوش میں مچل مچل کر سوئی تھی جذبیں کی تھیں مگر معلوم نہ تھا کہ ایک مرد کی مسکراہٹ جس کو نگاہوں نے چاہا ہو اور دل نے اپنا لیا ہو عورت کو کس قدر مدہوش بنا دیتی ہے۔ جو نگاہیں کچھ کہنا چاہتی ہوں مگر کچھ بھی نہ کہہ سکیں اگر بے خبری کے عالم میں کسی کو گھوریں تکا کریں اور وہ پھر چونک کر اُن نگاہوں کو دیکھ لے اور گھبرا کر کوئی بہانے سے اپنا منھ دوسری طرف پھیر لے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں اور یہی حال آصف کا تھا اور پھر ایک روز وہ خاموش نگاہیں بول اٹھیں۔

"نگار اب مجھ سے ضبط نہیں ہوتا میں مر جاؤں گا"

"اور میں بھی تمہارے بغیر جی نہ سکوں گی آصف"۔

"پھر ہم دونوں شادی کیوں نہ کر لیں"

"آپ ممی سے کیوں نہیں کہتے"

"اگر انکار کر دیا تو؟"

"تو میں زندہ نہ رہوں گی"۔ اور پھر اسی کے کچھ مہینے بعد میری شادی آصف سے ہو گئی۔ اور میرا دل مسکرا دیا۔ ہم دونوں ہنس رہے تھے اور کائنات نغمہ زن تھی جیسے کہہ رہا ہو "آصف نگار آصف نگار"۔ ہم ایک دوسرے کو پیار کرتے مر جائیں گے۔

ایک سال بعد میری گود میں ایک ننھا سا بچہ تھا۔ بالکل آصف کا جیسا وہی بڑی بڑی آنکھیں کتابی چہرہ اور سیاہ بال

ب ا روز نسرین کا مجھے تار ملا کہ وہ صبح کی ٹرین سے لاہور آ رہی ہے اور میرے منہ سے بے اختیار ایک چیخ نکل گئی۔ کالج کا ساتھ اور نسرین کی شریر نگاہیں ایک دم میرے سامنے آگئیں۔

"نسرین آ رہی ہے آصف"

"تو پھر میں کیا کروں"

"اُف آصف تم نہیں جانتے میں اُس کو کس قدر پیار کرتی ہوں"

صبح کی ٹرین سے نسرین کھٹ کھٹ کرتی آگئی اور میں اُس سے چمٹ گئی۔ کمبخت بالکل ویسی ہی لگ رہی تھی جیسے دو سال پہلے تھی میں نے نسرین سے آصف کا تعارف کراتے ہوئے پوچھا۔ "کہو نسرین میری پسند کیسی ہے؟"

"تمہارے انتخاب پر داد دینے کو جی چاہتا ہے" جس پر ہم تینوں ہنس دئے۔

ایک ہفتہ بعد ہم لوگ پکنک پر گئے بہت تفریح رہی آم کے پیڑ میں جھولا پڑا تھا بیچ میں ہم لوگوں نے آصف کو بٹھایا اور میں نے اور نسرین نے پینگ بڑھانے شروع کئے اتنے لمبے لمبے پینگ بڑھائے کہ ہم لوگوں کے سر شاخوں سے چھو جاتے تھے۔ آصف گھبرا گھبرا کر کہہ رہے تھے خدارا بس کرو۔ ورنہ زندہ گھر تک جانا مشکل ہے مگر نسرین نے ایک نہ سنی اور برابر پینگ بڑھاتی رہی پھر گانے کا پروگرام شروع ہوا۔ نسرین نے حفیظ جالندھری کا گیت "جاگ سوزِ عشق جاگ" گایا جو ہم لوگوں نے بےحد پسند کیا۔ شام کو ہم لوگ واپس آئے، رات کو سخت بارش ہوئی۔ بادل گھر گھر کر چھا گئے، اور اسی رات عارف کو نمونیہ ہو گیا۔ رات بھر میں منے کے پلنگ کے پاس بیٹھی جاگا کی۔ آصف اور نسرین سو چکے تھے جب عارف کی حالت زیادہ خراب ہوئی تو میں پریشانی کے عالم میں آصف کو جگانے اُن کے کمرے میں گئی مگر ان کا پلنگ خالی تھا میں نے زور سے پکارا تو میری آنکھوں کے سامنے آصف نسرین کے کمرے سے گھبرائے ہوئے نکلے وہ ابھی تک رات کے کپڑوں میں ملبوس تھے مگر اس وقت مجھے ذرا سامنا تک نہ ہوا کیونکہ میں عارف کی بیماری سے سخت پریشان تھی۔ صبح پھر ڈاکٹر آئے مگر اس کی طبیعت میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ قریب ۱۱ بجے میں سو گئی اور جب میری آنکھ کھلی تو کمرے میں سوائے عارف کے اور کوئی نہ تھا جو ابھی تک اکیلا پڑا کراہ رہا تھا میں نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں ـــــ پھر میرے کانوں میں نسرین کی آواز آئی جو قریب ہی کے کمرے سے بول رہی تھی۔

"ہٹئے بھی آپ بھی کس قدر شریر ہیں"۔

"سچ کہتا ہوں نسرین اب تو راتیں جاگ کر بسر ہوتی ہیں"

"اچھا تو آپ کا مطلب یہ ہے کہ میں نے آپ کی نیند بھی چھین لی ہے"

"حقیقت تو یہ ہے نسرین میں پاگل ہوا جا رہا ہوں جس قدر میں تم سے دور رہنے کی کوشش کرتا ہوں اسی قدر تم میرے قریب آتی جاتی ہو۔ میں ہر طرح چاہتا ہوں کہ تمہارا خیال اپنے دل سے نکال دوں۔ مگر اب تو یہ سب کچھ میرے بس کا نہیں"۔

"آصف للہ یہ نہ کہو ورنہ صبر کا دامن چھوٹ جائے گا۔"

"نسرین میری زندگی"

اور میرا سر چکرا گیا میں نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا کہ یہ آصف بول رہے تھے وہ جو مجھ پر مرتے تھے میری یاد میں لمبی لمبی نظمیں لکھا کرتے تھے، راتوں کو ٹہلا کرتے تھے اور میری ہر آہٹ پر چونک جاتے تھے جو مجھے چھپ چھپ کر دیکھا کرتے تھے اور آج وہ نسرین کو اپنی محبت کا یقین دلا رہے تھے مجھے اس کا احساس تک نہ رہا کہ نسرین کا شباب مجھے اُن سے جدا کر دے گا۔ وہ شوہر ہوتے ہوئے بھی ایک مرد ہیں اور نسرین میری محبت اور خوشیوں کی راہ میں دیوار بن کر کھڑی ہو جائے اور پھر عارف زور سے چیخا اور میں بلبلا کر اس سے چمٹ گئی وہ آخری بار رویا اور پھر ہمیشہ کے لئے سو گیا۔ ننھی سی گردن تکیہ کے نیچے گر گئی اور میں روتی رہ گئی میری آغوش خالی ہو گئی۔ اور پھر آصف بھی آئے اور نسرین بھی میں نے نفرت سے

منہ پھیر لیا۔ نسرین نے اپنی گردن نیچی کر لی۔ آصف بار بار میرے پاس آئے "نگار اب نہ رو۔ دیکھو تم نے اپنی حالت کیا بنالی" مگر میری محبت نفرت سے بدل چکی تھی میں آصف کی زندگی میں حائل ہونا نہیں چاہتی تھی اگر میری زندگی میں خزاں آگئی تو کیا ہوا۔ دنیا کا دستور یہی ہے۔ انقلاب کا دوسرا نام ہے زندگی۔

دوسرے روز صبح نسرین اپنے گھر واپس جا رہی تھی۔

"نگار میں جا رہی ہوں" میں نے دیکھا اس کی نگاہیں سرخ ہو رہی تھیں "مجھے معاف کر دو"

"نسرین تم مجھ سے معافی مانگ رہی ہو۔ تمہیں معلوم ہے تم نے مجھ سے میری زندگی کی سب سے زیادہ قیمتی چیز چھین لی۔ میری محبت میں کانٹا بن کر چبھ گئیں۔ اب مجھے آصف سے کوئی مطلب نہیں میں آج شام کو اپنے گھر واپس جا رہی ہوں تم ہمیشہ کے لئے ان کے ساتھ رہ سکتی ہو"

"نگار اللہ یہ نہ کہو"۔

"نسرین مجھے زیادہ نہ چھیڑو شاید میرے منہ سے کچھ ایسے الفاظ نکل جائیں جو ہماری دوستی کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیں تم جا سکتی ہو"

نسرین کے جانے کے بعد کئی بار آصف میرے پاس آئے مگر میں نے بات نہیں کی میں نے ان سے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ نسرین کے ساتھ شادی کر لیں۔ اب میں ان کے ساتھ نہیں رہ سکتی

دو برس بعد میں نے سنا نسرین ٹی بی میں مر گئی وہ آصف کی محبت میں فنا ہو گئی مگر شادی نہ کی کہ کہیں ہماری دوستی ہمیشہ کے لئے نہ ختم ہو جائے اور میں نے اس کو معاف کر دیا۔

ادارہ

تعارف

مونس شبیر: قوم کی واحد بیدار مغز خاتون آپ کے مضامین میں انقلابی رہنما کا تفکر اور فنکارانہ حسن پایا جاتا ہے۔

لیلیٰ لکھنوی: ملک کی مشہور افسانہ نگار خاتون آپ نے عروس ادب کی مشاطگی میں جمال و جلال کا حسین امتزاج پیدا کیا ہے۔

طاہرہ بیگم: بزرگی کی نو آموز مضمون نگار آپ کے خیال میں ندرت اور انداز نگارش میں لاابالی پن کی خفیف جھلک پائی جاتی ہے

ارشاد چغتائی: ہندوستان کا ذہین نوجوان جس کو قدرت نے فلسفیانہ شعور ودیعت کیا ہے ان دنوں آپ سے مختلف فلم کمپنیوں نے کنٹریکٹ کئے ہیں

سلمان الارشد: بے تاب اور مضطرب افسانہ نگار جنہیں ماحول کی شدت سے پریشان ہو کر متعدد بار اپنا دماغ فروخت کرنا پڑا لیکن روح کی حفاظت کی

منیر انصاری: نو وارد افسانہ نگار آپ سنجیدہ اور مزاحیہ ہر دو قسم کے اصناف پر حاوی ہونے کی سعی فرما رہے ہیں۔

عمر الٰہی: قوم کا درِ یتیم۔ ترقی پسند۔ زاویہ نگاہ کا مالک۔ آپ بے حد اصرار کے بعد مضمون لکھتے ہیں۔

عبد الٰہی: قوم کا سیاسی مبصر آپ کے مضامین میں تعمق نگاہ اور محاسبانہ سخن کے پہلو بہ پہلو ضبط فن کی ہم آہنگی قابل تعریف ہے۔

احمد سعید: قوم کا وہ ذرہ جسے حصول علم سے عشق ہے آپ کے مضامین انتہائی مدلل اور مبسوط ہوتے ہیں۔

یونس باغیتی: قوم کا بیدار نوجوان۔ آپ کو ادبیات سے ایک خاص لگاؤ ہے آپ کے افسانہ شگفتہ اور انوکھی طرز تحریر کے مالک ہوتے ہیں

جعفری: ہندوستان کے واحد مزاحیہ شاعر آپ کے کلام میں مزاح کے ساتھ مقصد اور اصلاح مدنظر ہوتی ہے۔

رضوی خیرآبادی: آپ نے طنز قدیم میں جدید خیالات کو سمویا ہے۔ عنقریب آپ کا دیوان شائع ہو رہا ہے۔

ارشاد بیگ چغتائی

غیر فانی

(ایک ایسا مضمون جو پڑھنے اور سمجھنے کے لئے نہیں ہے بلکہ نظر انداز کرنے کے لئے ہے ارشاد)

وہ ان آدمیوں سے تھا جو زندگی کی پیہم شکستوں بڑے بڑے صدموں اور اعتقادی طلسم شکنیوں کے ہاتھوں کبھی نہیں مرتے۔ جو زندگی سے کبھی نفرت نہیں کرتے۔ ہاں بوسیدہ عادات، بے روح انسان۔ توہم خیز اعتقادات، جبر مشیت۔ بے پرواہ خدا، ظالم تقدیر اور اندھے اذہان اسے پسند نہیں تھے۔ وہ محدود۔ مجبور حقیر اور مفلوک الحال زندگی سے اکتا گیا تھا۔ اس کی روح ان بلندیوں پر پہنچنا چاہتی تھی جہاں موت اور مجبوری کی آغوش میں سونے والے عاجز رہ جاتے ہیں تغافل حسن۔ روایاتی سچائی کی خاموشی اور محدود ذہانت کی بے حسی، روح ارتقا کے لئے ایک کھلا چیلنج معلوم دیتی تھی۔ . . . .

. . . .

اب تک اس کی داستان زندگی یہ تھی کہ اس کے خواب ٹوٹ گئے۔ عقائد توہمات نکلے۔ خدا خاموش رہا۔ محبوبہ تغافل برتتی رہی، حکومتیں لٹیری بن گئیں۔ دوست احباب اور رشتہ دار اجنبی ثابت ہوئے . . . . . . لیکن اسے زندگی سے نفرت نہیں ہوئی۔ زندگی کی یہ سرور انگیز کائناتی لہریں ہر شکست کے بعد اسے طرح لوریاں دیتی ہیں جس طرح کوئی بچہ تھک کر ماں کی گود میں سو جائے۔ سرمست اور ابدی لہریں احساسات کا روپ اختیار کر کے انسانی جسم میں قوت حیات۔ لطف صحت اور سرمستی بن کر مسکراتی ہیں۔ چنچل رہتی۔ اور احساس جو کائنات میں گھلا ہوا ہے کبھی نہیں مرتا۔ جسم مر جاتے ہیں لیکن یہ نئے جسموں کی شکل میں زندگی اختیار کر لیتا ہے۔ انسانی زخموں کو اس طرح بھر دیتا ہے جس طرح کوئی محبوبہ اپنی آمد سے محبوب کے سارے غم کو دور کر دے۔ زندگی کی رگ رگ میں ایک نشہ۔ بالیدگی، کیف اور گدگدی رقصاں ہو۔ موسموں کی لطیف تمازت کائنات کے حسین اور دلکش مناظر۔ نسائی حسن غذا اور خون کے خمار سے جو توانائی اور تازگی پیدا ہوتی ہے۔ اس کے سامنے زندگی کی بڑی سے بڑی کلفت ہار ماننے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ جسمانی صحت زندگی کا وہ شجر ہے جس سے رومان۔ ذہانت۔ لذت ہر چیز گویائی حاصل کرتی ہے۔ قوت حیات غیر فانی ہے اور فرد کا مقدر مٹ جاتی ہے اس فرد کا جو احساس زندگی کی ابدیت سے ہم آہنگ نہیں ہوتا۔ اس فرد کا جو احساس کی لطیف پرواز کے دوش بدوش سفر نہیں کرتا۔ بلکہ زماں اور مکان یہاں اور وہاں، ہاں اور نہ میں اپنے فکر کو قید کر دیتا ہے۔ وہ زندگی جو حسن کے کسی ایک پیکر کے سامنے سر جھکا دیتی ہے جو قدروں کے ایک مخصوص سانچے سے مانوس سے انس رکھتے ہیں۔ اس کی روح اپنا عجز، اپنی فنائیت اور اپنی مختصر حیات کا احساس کر کے تڑپ جاتی ہے۔ گویا اس چیلنج کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرے گی جو ابدی لہر نے فرد کے فانی جسم کو دیا ہے اسے زندگی کی یہ گدگدی پسند تھی جو اس کی رگ و پے میں جاری و ساری تھی وہ خود اس ابدی لہر کا جزو محسوس کرتا تھا جو اس کائنات کی معمار اور معلم ہے جو صدیوں سے ذہنی اور شعور کے تعاون سے مچلتی، تڑپتی اور ابھرتی چلی آئی ہے۔ وہ اپنی محبوبہ سے اس طرح محبت کرتا تھا گویا بجلی کی دو متضاد لیکن با احساس اور مسرور لہریں ایک دوسرے میں پیوست ہونے کے لئے تڑپ رہی ہیں اور اس کی محبوبہ ایک مخصوص پیکر نہیں تھا بلکہ یہ رومان وہ حسن جو ان گنت جسموں کی شکل میں جنم لے رہا تھا اور جنم لے چکا تھا۔ اس کی محبت جسم اور گوشت پوست تک محدود

محسوس نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ خود کو ایک مرئی کائناتی کرن محسوس کرتا تھا جو ان پیکروں کی قیدی نہیں ہے جو حلقات میں بستے ہیں جو بیٹھے بولتے، گاتے اور روتے ہیں اس کی زندگی ایک ایسی حیاتیاتی لہر تھی جو کائنات میں بے جسم اور وزن کے تیرتی ہے ایک سرمدی احساس ایک پراسرار وجدان۔ جہاں تڑپنا اور مچلنا مقدم ہے اور غور و فکر۔ موخر مقدس ہستیاں کہتی ہیں کہ محبت میں جسمانی قرب معیوب ہے۔ آہ کیا ارتعاش ہے یہ جو عشق کہلاتا ہے اور کیا مقناطیس ہے یہ جو حسن کہلاتا ہے ایک لہر دوسری لہر کی طرف کھنچی جا رہی ہے اور اس میں مدغم ہونے کے لئے تڑپ رہی ہے اس تڑپ میں طاقت ہے، شہزوری۔ مدہوشی ہے۔ یہ بھی حیات کی ایک جان اور حقیقت ہے۔ شعور اور فکر اس احساس کے پرتو سے جگمگاتے ہیں۔ محبت کبھی احساسات سے الگ نہیں ہوتی اور احساسات کبھی ساکن اور بے جان نہیں ہوتے وہ کسی ان جانے جذبہ اور ناقابل تسخیر قوت کے زیر اثر مچلتے ہیں اور شمع کا طواف کرتے ہیں وہ بے جان پتھر نہیں ہیں۔ کائنات کی متحرک لہریں ہیں۔ شعور کے سہارے جو لے نکلے تو آج اسے زندگی کا یہ سب سے پیارا سہارا لینا تھا۔ یہ شیریں ارتعاش۔ یہ سرور انگیز کیف۔ نہ معلوم کہاں سے رگوں میں امڈ آتا ہے۔ رگوں میں قوت حیات کی دوشیزہ انگڑائی لیتی ہے۔ لطف صحت کا پرچم لہراتا ہے اور ایک عجیب نشہ زندگی کا سہانا گیت سناتا ہے۔ نسائی حسن کی شبنم حیات کے نوشگفتہ پھول کو ایک دلکش تازگی اور پاکیزگی عطا کرتی ہے اسے زندگی کی صحت مند انگڑائیاں۔ روح انسانی کی بے ساختہ اور معصوم مسکراہٹیں، ابھوک اور جنس کی آہٹیں۔ زندگی کی جان معلوم ہوتی تھیں لیکن اس کے لئے ان کی حیثیت وہی تھی جو کسی بالاخانہ پر پہنچانے والے زینہ کی۔ اس کے ذہن کی پرواز جوارض دسماکی ہر انجان اور سرکش شے کو اپنے دامن میں سمیٹ لینا چاہتا ہے اور ایک احساس ادراک سے مسکرانا چاہتی ہے۔ وہ احاطات، اعتقادات، حسن اور حکومت کا شکار ہونا نہیں چاہتی۔ وہ جینا چاہتا تھا اپنی ہر لاعلمی کے علم میں بدلنے کے لئے اپنی ہر شکست کو فتح میں تبدیل کرنے کے لئے اور زندگی کے لازوال اور شیریں سانسوں اور دلکش فضاؤں کی موسیقی کے لئے جینا چاہتا تھا۔

سلطان احمد

رنگین پنکھی!

چین کے ساحلی شہر شنگھائی کی وہ ایک بیحد گرم شام تھی۔ گندے اور تنگ تنگ کوچے اور بازار دھول سے اٹے ہوئے تھے اور حسبِ معمول لوگوں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے قہوہ خانہ کی میزیں اور سڑک کی پٹریاں غلیظ اور بدحال مزدوروں سے پٹی پڑی تھیں۔ محاذ سے آئے ہوئے چینی سپاہی اپنے سینوں پر ربن کے فیتے لگائے اکڑتے پھر رہے تھے، دودھ کے پیالے اٹھائے ہوئے گوسی، گلے پھاڑ پھاڑ کر چلاتے ہوئے اخبار بیچنے والے، بڑی بڑی ٹوکریاں اٹھائے ہوئے قلی اور انہی کے دوش بدوش چرمی بیگ تھامے ہوئے غیر ملکی تاجر اور سیاح، بھی ہوئی رکشاؤں میں پھولدار چغے پہنے ہوئے رئیس، اخباروں کے نامہ نگار اور پالکیوں کے رنگین پردوں کے پیچھے بیٹھی ہوئی رقاصائیں اور بہت سے لوگ ۔۔۔ دوکانوں کے شوکیس، خوبصورت پھولدار برتن، باریک ریشمی کپڑوں کے تھان، جھم جھم کرتے ہوئے زیورات اور رنگین قالین اپنے اندر لئے دمک دمک کر رہے تھے۔ کوچوں کی فضا حبس اور قہوہ خانوں سے اٹھتے ہوئے قہوہ کے بھبکوں سے بوجھل تھی۔ شام اونگھ چلی تھی، دوکانوں کی مومی قندیلیں روشن کی جا رہی تھیں اور بازاروں سے، لوگوں کے ٹھٹ اپنے گھروں کی طرف لوٹنے لگے تھے۔

سڑک پر لگی ہوئی سرکاری لالٹین سے کمر لگائے ایک خوبصورت نوجوان چپ چاپ کھڑا تھا۔ اس کے کپڑے بے ترتیب تھے اور پرانے کوٹ کے کالر بدرنگ اور آستینیں گھسی ہوئی ۔۔۔ پتلون پر کریز نہ تھی اور داڑھی کچھ بڑھی ہوئی۔ سر کے بال بے ترتیب سے تھے اور دو انگلیوں کے درمیان سگریٹ کا ایک ادھ جلا ٹکڑا ۔۔۔ وہ نیم وا آنکھوں اور کچھ بیزار ادا سے چلتے ہوئے بازار کے ہر آنے جانے والے پر نگاہ ڈالتا تھا اور پھر سڑک کے اس طرف اس مداری کو دیکھنے لگتا تھا جو لوگوں کی ایک بھیڑ کو اپنے گرد اکٹھا کئے تاش کے کھیل دکھا رہا تھا ۔۔۔ آخر وہ اس چھوٹے سے چوبی پل کی طرف چل پڑا جو ایک تنگ جوہڑ پر کچھ مضبوط لٹھوں کو باندھ کر بنایا گیا تھا۔ اور کچھ دور چلکر ایک ٹوٹی ہوئی منڈیر پر بیٹھ گیا اور پل کے نیچے بہتے ہوئے گندے پانی میں تکنے لگا جس پر کچھ زہریلے مچھر منڈلا رہے تھے۔

وہ ایک غریب چینی طالب علم تھا جو پہاڑوں کے اس طرف ایک دور دراز گاؤں سے پڑھنے کے لئے شنگھائی آیا ہوا تھا یہاں نہ اسکا کوئی شناسا تھا، نہ دوست، نہ رشتہ دار اس نے خود بھی کبھی دوست پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی کیونکہ وہ طبعاً ایک خاموشی پسند اور سنجیدہ لڑکا تھا۔ اسے اس ہنگامہ پرور شہر میں آئے ہوئے تین سال گذر چکے تھے۔ تین طویل اور بیحد بوجھل سال ۔۔۔! اور شاید ابھی ایک سال اسے اور یہیں ٹھہرنا تھا۔ اس کا نام تھا لی آن ۔۔۔ اس کے بوڑھے

ماں باپ بیحد غریب تھے اور اپنے چھوٹے سے گاؤں میں اپنی آبائی زمینوں کی کاشت کر کے پیٹ پالتے تھے۔ آمدنی نہایت قلیل تھی اور پھر ہر ماہ ایک معقول رقم انہیں اپنے لڑکے کو اس کی پڑھائی کے لئے شہر بھیجنی پڑتی تھی اسی لئے بوڑھی عورت باقی وقت میں گاؤں والوں کے کپڑے سینے کے لئے لے آتی تھی اور کھانستا ہوا بوڑھا رنگین کاغذ کی پتنگیں بنا کر میلوں ٹھیلوں میں بیچنے کے لئے لیجاتا تھا اور اسطرح جو رقم جڑتی وہ اسے اپنے لڑکے کو شہر اس کی لکھائی پڑھائی اور خرچ کے لئے بھیجدیتے تھے۔ اگرچہ انہیں خود ہفتہ میں کسی وقت روٹی پانی کے ساتھ کھانی پڑتی اور کبھی کبھی بھوکا بھی رہنا ہوتا۔ اپنے بوڑھے ماں باپ کی حالت کا لی آن کو پورا علم تھا۔ اگر اسے پڑھائی کے ادھورا رہ جانے کا خیال نہ ہوتا تو وہ کبھی کا اپنے گاؤں کو لوٹ گیا ہوتا وہ جب رات کو اپنے بستر میں لیٹتا تو اس کے سامنے اس کے گھر والے اور اسکا چھوٹا سا گاؤں آکھڑا ہوتا۔ ایک اونچی پہاڑی پر لکڑی کا وہ خوبصورت جھونپڑا جسکے دروازے اور دریچے گہرے سبز تھے اور جسکی چھت کے ساتھ کاغذ کی رنگین قندیلیں لٹک رہی تھیں اور ان میں ننھے ننھے موم کے شعلے یوں کانپ رہے ہوتے جیسے جھیل کے ساکن پانی میں چاندنی۔ اور نیچے اترتی ہوئی ڈھلوان پر اس کی لہلہاتی ہوئی کھیتیاں اور پانی سے لبالب بھری ہوئی [illegible] کی کیاریاں — اس کی بوڑھی شفیق ماں، لکڑی کے سہارے جھکی ہوئی کمر لئے بوڑھا باپ اور ننھی بہن۔ جس کے بال سنہرے تھے اور آنکھیں گہری نیلی۔ بھوکے اور زرد — نڈھال اور بے دم سے تھکے ہوئے اور بے حال۔ اور وہ آبدیدہ ہو جاتا۔ سوچتا کہ صرف اس کی وجہ سے اس کے گھر والوں کو اتنی محنت اور مشقتیں کرنا پڑتی ہیں جنہوں نے انہیں وقت سے پہلے بوڑھا بنا دیا ہے۔ اور وہ عہد کرتا کہ میں اپنی تعلیم سے فارغ ہو کر جب بڑی جگہ پر لگ جاؤں گا تو اپنے بوڑھے ماں باپ اور ننھی بہن کی بس پھر خدمت کروں گا۔ اور انہیں اتنا آرام پہنچاؤں گا کہ وہ اپنے سب اگلے پچھلے دکھ اور پریشانیاں بھول جائیں گے۔ نہ کبھی کبھی اداس شاموں کو وہ تنہا اور بیزار سا بازار کی طرف نکل جاتا اور یونہی آوارہ پھرتا رہتا، اکتایا اکتایا سا اور بے مقصد۔ اور جب وہ تھک کر سرکاری باغ کی کسی تنہا بنچ پر یا چوبی پل کی ٹوٹی ہوئی منڈیر پر کچھ دیر کیلئے ٹک جاتا تو اس وقت بھی اس کے تصور میں وہ لوگ ہوتے۔ اس کے بوڑھے ماں باپ اور ننھی بہن جس کے بال سنہری تھے اور آنکھیں گہری نیلی۔

لی آن کتنی ہی دیر تک یونہی سر جھکائے بیٹھا رہا مگر کچھ دیر بعد جب اس نے سر اٹھایا تو چونک اٹھا۔ اس نے دیکھا کہ پل کی اس منڈیر کے پاس ایک خوبصورت لڑکی کھڑی تھی۔ اور اس کی طرف غور سے دیکھ رہی تھی — وہ شام کی دھندلائی ہوئی روشنی میں بیحد حسین نظر آ رہی تھی۔ بہت پیاری! اس کی آنکھیں بڑی بڑی تھیں اور ہلکی بھوری، سمندر کی سی گہرائی لئے ہوئے — اس کے بال گہرے سیاہ تھے اور بہت چمکیلے شانوں پر بکھرے بکھرے سے — اس کے ہونٹ پتلے پتلے تھے۔ سرخ اور نازک۔ وہ ایک ڈھیلا ڈھالا چغہ پہنے ہوئے تھی اور چھوٹے چھوٹے گلابی ہاتھوں کو آستینوں میں لپیٹے یوں سینہ پر باندھے ہوئے تھی جیسے کوئی پجاری بدھ دیوتا کے حضور ادب سے کھڑا ہو۔ اس کے جوڑے میں سفید گلاب کا ایک بڑا سا پھول دمک رہا تھا۔ اور چپ چاپ، خاموش، سیدھی اور ایستادہ کھڑی لی آن کو بغور دیکھ رہی تھی۔ لی آن اسے یوں مسلسل اپنی جانب تکتا ہوا دیکھ کر بوکھلا سا گیا۔ اس نے ایسا لافانی حسن آج تک نہ دیکھا تھا وہ رقاصہ تو یقیناً نہ تھی کیونکہ اس کے چہرے پر کچھ ایسی بات تھی جو رقاصاؤں کے مسخ چہروں پر کبھی پیدا نہیں ہو سکتی۔ وہ تو

یک ایسا تر و تازہ جنگلی پھول تھی جو کسی ٹھنڈے آبشار کے کنارے خود سے خود اُگ آیا ہو۔ نکھرا ہوا اور شوخ — ! لی آن اس کی یز گھورتی ہوئی نگاہوں کی تاب نہ لا سکا وہ احمقوں کی طرح اس کی طرف منہ پھاڑے دیکھ رہا تھا اور وہ لڑکی بھی مسلسل اسے تکے اری تھی اس کے پتلے پتلے سرخ ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ جاں بخش اور پر بہار !

لی آن نے دیکھا کہ وہ لڑکی اپنے گھٹنوں پر سیدھی کھڑی ہو گئی اور اس نے ایک مسکراتی ہوئی نگاہ لی آن پر ڈالی اور جھومتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ چند قدم چلکر کچھ ٹھٹکی پیچھے مڑ کر اس نے لی آن کو دیکھا اور اپنے ریشمین رومال کو ہوا میں ایک جھٹکا دیا اور ایک تنگ گلی کی طرف چل پڑی جو اندھیری تھی — خدا معلوم اس کے کیا معنی تھے ؟ مگر لی آن نے یہی سمجھا کہ وہ اسے اپنے پیچھے آنے کے لئے کہہ رہی ہے اور وہ کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر شرابیوں کی طرح لڑکھڑاتا ہوا اس لڑکی کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔

اس تنگ اور اندھیری گلی سے گذر کر وہ بڑی سڑک پر آگئے اور اسپر چلتے رہے۔ لڑکی گاہے گاہے مڑ کر لی آن کو دیکھتی اور مسکرا دیتی اور لی آن وحشیوں کی طرح اس کے پیچھے چلا جا رہا تھا۔ اسے خود بھی نہ معلوم تھا کہ وہ کیوں ایک انجان لڑکی کا تعاقب کر رہا ہے اور اس بھدّے طریقہ سے — ! وہ سڑک بھی طے ہو گئی اور اب وہ پھلوں کی مارکیٹ میں نکل آئے۔ لڑکی پورے اطمینان سے بازار میں اِدھر اُدھر نظر ڈالتی ہوئی اور کبھی کبھی پیچھے مڑ کر ایک عجیب طریقہ سے مسکراتے ہوئے آگے بڑھی جا رہی تھی اور لی آن اس کے پیچھے پیچھے کتے کی طرح دم ہلاتے ہوئے چلا جا رہا تھا وہ سوچ رہا تھا کہ اس کی چال میں کس غضب کی دلکشی ہے — سڑک کی بتیاں جھلملا اٹھی تھیں۔ اور اب وہ مزدوروں کی بستی سے گذر کر چاؤنی کے خوبصورت بازار میں نکل آئے تھے جس کی سڑکیں تار کول کی تھیں اور شیشے کی طرح چمکتی ہوئی — نفیس دوکانیں قیمتی اور خوبصورت سامانوں سے پُر تھیں اور بازار میں گھومتے ہوئے لوگوں کے لباس عمدہ اور نفیس تھے اور خوشبو میں بسے ہوئے — وہ خوبصورت لڑکی چلتے ہوئے ایک بڑی دوکان کے آگے ٹھہر گئی۔ جس پر ایک بڑا سا بورڈ لٹک رہا تھا اس پر لکھا تھا "فرم چی چی لائی چو" وہ شیشے کی الماری میں رکھی ہوئی ایک خوبصورت پنکھی کو دیکھ رہی تھی جو رنگین تنکوں اور ریشمی دھاگوں سے بنی ہوئی تھی۔ اس کا دستہ ہاتھی دانت کا تھا اور کلابتوں کی سنہری دھاریوں سے وہ اور بھی شوخ اور چمکدار ہو گئی تھی۔ وہ ایک نہایت خوبصورت پنکھی تھی — اور مخملی چوکی پر رکھی ہوئی دھک دھک کر رہی تھی۔ لی آن نے دیکھا کہ وہ لڑکی [illegible] ارد گرد سے بے نیاز ہو کر بڑی پر شوق نظروں سے اس پنکھی کو تک رہی ہے اور وہ کتنی ہی دیر تک کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ بوڑھا دوکاندار دوکان کے اندر اپنی میز پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ لڑکی نے اسپر ایک نظر ڈالی اور پھر اپنے ارد گرد اور پھر اس پنکھی کو تکنے لگی۔ لی آن نے دیکھا کہ لڑکی کی لمبی لمبی انگلیاں غیر ارادی طور پر الماری کی طرف بڑھیں اور پھر ایسا معلوم ہوا گویا پنکھی اس کے ہاتھوں میں آ گئی۔ اپنے ہاتھوں کو چہرہ کے گرد لا کر اس نے اس طرح حرکت دی گویا پنکھی کو جھل رہی ہو — اس کی یہ محویت کچھ لمحوں تک ہی رہی — اور پھر وہ چونک پڑی — اس نے گھبرا کر اپنے ارد گرد دیکھا۔ پیچھے مڑ کر لی آن پر ایک نظر ڈالی اور پھر تیز تیز چلتی سامنے کی گلی میں داخل ہو کر نظروں سے اوجھل ہو گئی — یہ سب کچھ اتنی جلد ہوا کہ لی آن اپنی جگہ ہی سہما کھڑا رہ گیا۔ لڑکی جا چکی تھی اور لی آن کھڑا فضا میں یوں تک رہا تھا۔ جس طرح کوئی غمزدہ بلبل بہار کے بیت جانے پر درختوں کی ننگی شاخوں کو پُر حسرت نظروں سے تکا کرے۔

[illegible] خاص نمبر [illegible] ۱۹۴۰ء

لی آن آگے بڑھ آیا۔ اس نے الماری میں ننھی چوکی پر رکھی ہوئی خوبصورت پنکھی پر نظر ڈالی اور پھر اپنے چہرے میں۔ جہاں ایک عجیب سی خواہش کروٹیں لے رہی تھی۔ لی آن کو یقین تھا کہ وہ لڑکی انہی بازاروں میں اسے ایک مرتبہ پھر ملے گی۔ اگر اس موقعہ پر لی آن اسے یہ پنکھی پیش کر سکے ؟؟ وہ سوچنے لگا۔

وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے دکان میں گھسا۔ اونگھتا ہوا بوڑھا دکاندار اپنی چوکی پر اچھل پڑا۔ اور دوڑا دوڑا آیا۔ لی آن نے اسے وہ پنکھی نکالنے کو کہا۔ بوڑھے باتونی دکاندار نے پنکھی کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملانے شروع کر دیئے۔ لی آن نے اسے روکتے ہوئے قیمت دریافت کی۔

"صرف ساڑھے بارہ روپے جناب!"

"ساڑھے بارہ روپے !؟؟ لی آن نے چیختے ہوئے کہا اور وہ دکان سے باہر نکل آیا۔ اس نے اپنی جیبیں ٹٹولیں — چند آنے پڑے تھے۔ صرف!

وہ دکان سے باہر دیوار سے کمر لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے سوچا "کاش! میں اسے یہ پنکھی پیش کر سکتا!" اور اسے اسی طرح کھڑے کافی دیر ہو گئی اس کے ماتھے پر بل تھے اور ہونٹ بھینچے ہوئے۔

بازار کے اس نکڑ سے کچھ عجیب سا شور اٹھا جو بڑھتا چلا گیا۔ اس نے دیکھا کہ لوگ بھاگ رہے ہیں۔ دکانداروں نے جھٹ پٹ اپنی دکانیں بند کرنی شروع کر دیں۔ قلی اپنی رکشائیں گھسیٹتے ہوئے بھاگ پڑے۔ لوگ بھاگ کر گھروں میں چھپنے لگے اور پھر کچھ ہوائی فیر سنائی دیئے۔ کچھ پہاڑی لٹیرے آپہنچے تھے جو دکانوں کو لوٹ رہے تھے۔ اور ہوائی بندوقیں سر کر کے لوگوں کو خوفزدہ کر رہے تھے۔ پولیس ان کے تعاقب میں تھی — دیکھتے ہی دیکھتے لٹیرے سامنے آ گئے۔ انہوں نے دکانوں کے شیشے توڑ کر سامان لوٹنا شروع کر دیا۔ ایک غضبناک شور تھا۔ کہ جس میں کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ ہر طرف افراتفری مچی ہوئی تھی اور لوگ بے دم ہو کر بھاگے جا رہے تھے۔ لی آن اسی دکان کی پچھلی دیوار کی اوٹ میں لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اسے سب کچھ نظر آ رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک موٹا سا آدمی جو ایک لمبی سی ٹوپی اور کھال کے موٹے کوٹ میں لپٹا ہوا تھا اس بڑی دکان کی طرف بڑھا اس نے اپنی بھاری بندوق کے کندے مار مار کر دکان کی الماریوں کے شیشے چکنا چور کر دیئے جن میں قیمتی سامان بھرا ہوا تھا اور پھر اپنے ساتھیوں کے ساتھ لوٹ مار میں مشغول ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ بوڑھا دکاندار پیٹ پکڑا پکڑا دکان میں ادھر سے ادھر بھاگا بھاگا پھر رہا ہے۔ اس کا چہرہ عجیب دہشت زدہ ہو رہا تھا۔ اور گھگی بندھی ہوئی تھی۔ وہ گڑگڑا کر لٹیروں سے درخواست کر رہا تھا کہ اس کا سامان چھوڑ دیا جائے۔ آخر وہ روتا ہوا موٹے آدمی کے پیروں میں گر پڑا جو لٹیروں کا سردار معلوم ہوتا تھا اور چیخیں مار کر اس کے پیروں سے چمٹ گیا۔ وہ موٹا آدمی بڑے زور سے ہنسا۔ اس نے بوڑھے دکاندار کو ایک زور کی لات ماری اور وہ لڑھک کر ایک صوفہ میں جا دھنسا جو دکان کے ایک کونہ میں رکھا تھا۔ اور وہیں پڑے پڑے چیخ چیخ کر انہیں گالیاں دینے لگا

اتنے ہی میں پولیس آپہنچی۔ لٹیرے سامان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے وہ بندوقیں سر کرتے ہوئے بازار کی پچھلی طرف ہٹنے لگے تاکہ پولیس کے آگے بڑھنے میں کچھ دیر لگے اور وہ پھر پہاڑوں کی طرف نکل جائیں۔ پولیس کی

جمعیت نے جواب میں اپنی بندوقیں داغیں اور بازار کی فضا بندوق کی آوازوں سے گونج اٹھی۔ آخر لٹیرے بھاگ پڑے۔

لی آن دوکان کی پچھلی دیوار کے سہارے چپکا کھڑا تھا۔ وہ یہ سب کچھ دم سادھے دیکھ رہا تھا۔ اور پھر یکایک اس کی نظر دوکان کی الماری پر پڑی۔ اس نے دیکھا کہ الماریوں کے شیشے چور چور تھے۔ سامان بے ترتیبی سے بکھرا پڑا تھا۔ بہت سی قیمتی چیزیں ادھر ادھر لڑھکی ہوئی تھیں۔ پھولدار پشمین تکیے اونی قالین۔ قیمتی برتن۔ کتابیں۔ اور وہ خوبصورت پنکھی۔ لی آن کی نگاہ پنکھی پر جم کر رہ گئی۔ الماری کے ٹوٹے ہوئے شیشوں کے باہر سڑک کی پٹری پر پڑی تھی۔ لی آن سے کچھ ہی دور۔ بس اتنا کہ اگر لی آن باہر آ کر اپنا ہاتھ آگے بڑھا سکے تو وہ اس کی انگلیوں کو چھو جاتے۔ وہی پرانی خواہش لی آن کے سینے میں جاگ اٹھی۔ نہ جانے آج اسے کیا ہو گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ ایک غیر اخلاقی فعل ہوگا۔ مگر وہ اسے چرا کر بھاگ جانے پر تیار ہو گیا۔ ماحول اور خطرات سے بے پرواہ ہو کر وہ اوٹ سے باہر نکل آیا۔ گھٹنوں کے بل رینگتا ہوا وہ پنکھی کی طرف بڑھا اور اس نے پیٹ کے بل جھک کر پنکھی کو مٹھی میں بھینچ لیا۔ مگر اسی لمحہ وہ ایک چیخ مار کر اوندھے منہ گر پڑا۔ پولیس مین کی بندوق کی گولی اس کی پسلیوں کے پار ہو گئی تھی۔ وہ سڑک پر اوندھا پڑا تھا اس کے گھٹنے مڑے ہوئے تھے اور مٹھیاں بھنچی ہوئی۔!

پہاڑی سلسلوں تک لٹیروں کا تعاقب کرتے ہوئے پولیس جب واپس لوٹی تو بازار سنسان پڑا تھا۔ لوگ گھروں کے دروازوں کی روزنوں سے جھانک رہے تھے اور دوکاندار ڈرتے ڈرتے اپنی دکانوں کے کواڑوں سے سر نکالے کھڑے تھے۔ پولیس کے آجانے پر لوگوں کی ہمتیں کچھ بڑھیں۔ وہ بازار میں نکل آئے۔ دکانیں الٹی پلٹی پڑی تھیں۔ کواڑ ٹوٹے ہوئے الماریاں چور چور۔ اور سامان بکھرا ہوا۔ اس بھاگ دوڑ میں کچھ لوگوں کے چوٹ بھی آ گئی تھی اور وہ اپنے گھٹنے سہلاتے [illegible] گھروں کو جا رہے تھے۔ اور مشہور دوکان "چی چی لائی چو" کے آگے پٹری پر [illegible] اوندھے منہ پڑا تھا۔ خاک و خون میں لتھڑا ہوا۔ وہ مر چکا تھا۔ بیچارہ لی آن! پولیس کے ایک سپاہی نے بازار کے آدمیوں اور "فرم چی چی لائی چو" کے بوڑھے مالک کے آگے شیخی مارتے ہوئے کہا "اس لفنگے کو میں نے اپنی بندوق کا نشانہ بنایا ہے۔ جب میں نے اسے دیکھا تو یہ لوٹ مار کر رہا تھا۔ بس وہیں رکھ کر بھون دیا۔" مگر جب اس کی لاش دیکھی گئی تو فرم "چی چی لائی چو" کا بوڑھا مالک چلا اٹھا "یہ لٹیرا نہیں ہو سکتا۔ کبھی نہیں ہو سکتا۔" اور جب اس پولیس مین کو اپنی غلطی کا علم ہوا تو اس نے گردن ہلا کر افسوس سے کہا "آہ۔ ایک بیگناہ مارا گیا۔" آخر اس بیگناہ نوجوان کی لاش کو دوکان "چی چی لائی چو" کے ایک کونے میں چوبی تخت پر سیاہ لبادے سے ڈھک کر لٹا دیا گیا۔ پولیس کانسٹبل نے جاتے ہوئے دوکان کے مالک سے کہا "جب تک ایمبولینس کار بھیجی جائے۔ اس لاش کو یہیں رہنے دیجئے۔" اور اس تمام رات وہ لاش دوکان کے چوبی تخت پر پڑی رہی۔ اکڑی ہوئی اور سخت!

دوسری صبح جب بازار کھلا اور دوکانداروں نے اپنی دوکانیں ترتیب دینی شروع کیں تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے رات کو کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ لوگ اسی طرح چل پھر رہے تھے، آجا رہے تھے۔ خرید و فروخت کر رہے تھے۔ فرم "چی چی لائی چو" میں ایک مرد اور ایک لڑکی ہاتھ میں ہاتھ دیئے داخل ہوئے۔ مرد ایک موٹا امریکن تھا جو اپنی نفیس وردی میں سج رہا تھا

اور اس کی بغل میں ایک چینی لڑکی۔ اس کی آنکھیں بڑی بڑی تھیں اور ہلکی بھوری، سمندر کی سی گہرائی لئے ہوئے۔ اس کے بال گہرے سیاہ تھے اور بہت چمکیلے، شانوں پر بکھرے بکھرے سے۔ اس کے ہونٹ پتلے پتلے تھے، سرخ اور نازک۔ وہ ایک ایسا تر و تازہ جنگلی پھول تھی جو کسی ٹھنڈے آبشار کے کنارے خود سے خود اُگ آیا ہو۔ نکھرا ہوا اور شوخ۔ یہ وہی لڑکی تھی۔ انہوں نے بوڑھے دوکان دار سے وہی پنکھی مانگی جو رنگین تنکوں اور ریشمی دھاگوں سے بنی ہوئی تھی۔ اس کا دستہ ہاتھی دانت کا تھا اور کلابتوں کی سنہری دھاریوں سے وہ اور بھی چمکدار اور شوخ ہو گئی تھی۔ مگر دوکاندار نے افسوس کیسا تھ گردن ہلاتے ہوئے کہا "وہ پنکھی اب نہیں مل سکتی۔ شاید لٹیرے مال غنیمت کے ساتھ اسے بھی لے گئے۔"

موٹے امریکن نے چینی لڑکی کو گدگداتے ہوئے کہا "ڈارلنگ۔ چھوڑو بھی۔ میں تمہیں اس سے بھی زیادہ خوبصورت زیادہ پائیدار اور زیادہ پیاری پنکھیاں لے دوں گا۔"

لڑکی نے جاتے جاتے دوکان کے اس کونہ میں بچھے ہوئے چوبی تخت پر سیاہ لبادے سے ڈھکی ہوئی چیز کے متعلق پوچھنا چاہا مگر اتنے میں ہی موٹے امریکن نے اسے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا۔ اور وہ دونوں ہنستے ہوئے دوکان سے نکل گئے۔ اگر وہ پوچھتی تو فرم "چی چی لائی چو" کا بوڑھا مالک اسے بتاتا کہ وہ ایک نوجوان کی لاش ہے۔ خاک و خون میں لتھڑی ہوئی۔ وہ سیاہ لبادے کے نیچے اوندھے منہ پڑا ہے۔ گھٹنے مڑے ہوئے اور مٹھیاں بھنچی ہوئی۔ اور بھنچی ہوئی مٹھیوں میں ایک خوبصورت چھوٹی سی پنکھی، جو رنگین تنکوں اور ریشمی دھاگوں سے بنی ہوئی ہے۔ اس کا دستہ ہاتھی دانت کا ہے اور کلابتوں کی دھاریاں اور خون کی چھینٹوں سے وہ اور بھی چمکدار، شوخ اور رنگین ہو گئی ہے۔

برقعہ بقیہ صفحہ ۲۸۸ کا

میں نے کہا اللہ رکھے تمہارے دولہا آج گھر میں ہوں گے۔ اب تو جاؤں تم کہو گی بڑھیا وقت بے وقت آ جاتی ہے۔ ابھی ذرا دیر ہوئی۔ کیواڑ کھلے دیکھے تو آ گئی کہ چلوں ہنڈیا روٹی کا وقت ہو گیا ہے۔ میاں کے جوتے دروازے میں رکھے دیکھے تو میں نے جانا تم ابھی اندر ہو۔۔۔۔۔۔

گلشن نے صحن میں چارپائی پر لیٹتے ہوئے تعجب سے بولی۔ بڑی بی میں تو دوپہر سے فرحت کے ہاں گئی ہوئی تھی ابھی ابھی وہیں سے چلی آ رہی ہوں۔ بھلا تم نے مجھے کب آتے دیکھا۔"

بڑھیا نے کہا اے ہے دلہن بھلا میں تمہارا برقعہ پہچانتی نہیں۔ میرے ہاتھوں تو تم نے سلوایا۔ میں ہی کر لا کر لائی۔"

گلشن کو یقین نہ آیا۔ بولی۔ تم نے مجھے اپنی آنکھوں اترتے دیکھا تھا۔ بڑھیا کو اپنی یادداشت پر پورا بھروسہ تھا۔ جھنجھلا کر بولی اے ہاں لاؤ یا میں جھوٹ بک رہی ہوں بھلا یا بیوی میرا دماغ خراب ہوا ہے یا اندھی ہوں۔" گلشن حیرت سے اس کا منہ تک رہی تھی۔ بڑھیا نے اس کے ہاتھ میں سیاہ برقعہ دیکھ کر کہا "اے اب یہ میں کیا جانوں کہ تم دوبارہ گئی تھیں اس وقت تو تم اپنا وہی کڑھا ہوا برقعہ پہنے اتری تھیں لو اب مجھے جانا ہے ہنڈیا بگھارنے کو دیر ہو رہی ہے۔" گلشن نے انار بنے سے چابیوں کا گچھا کھول کر صحن میں پھینک دیا اور ہاتھ میں برقعہ لئے دھڑکتے ہوئے دل سے کمرے میں داخل ہوئی۔ افتخار مسہری پر بے خبر سو رہا تھا۔ پیشانی پر بال بکھرے ہوئے تھے۔ تکیے بے ترتیب پڑے تھے اور سفید چادر کی شکنوں میں سرخ چوڑیوں کے ٹکڑے چمک رہے تھے۔ گلشن کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھانے لگا اور سیاہ ریشمی برقعہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

مونس شبیر

برقعہ

دوپہر کے کھانے سے فراغت پاکر گلشن کو ذرا کنگھی چوٹی کی فکر ہوئی کیونکہ آج خلاف معمول افتخار دوکان سے کھانا کھاکر گھر ہی آگئے تھے اور اب کمرے میں پنکھے کے نیچے مسہری پہ لیٹے کروٹیں بدل رہے تھے۔ گلشن غسلخانہ سے نکلی تھی کہ اس چلچلاتی دھوپ میں اس کی پیاری سہیلی بانو بنی سنوری چھم چھم کرتی آن پہنچی اور آتے ہی چلانے لگی، ارے بہن تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔ دیکھو تمہیں ہماری قسم جلدی کپڑے بدل لو۔ بیچاری فرحت اور اس کی سہیلیاں انتظار کر رہی ہوں گی۔

گلشن نے اسے تخت پر بٹھایا اور پاندان کھولتے ہوئے بولی" اوہو بڑے ٹھاٹھ ہیں آج تو بس پری معلوم ہو رہی ہو بن سنور کر تو تم غضب ڈھاتی ہو اور یہ سرخ چوڑیاں کہاں سے لیں" بانو نے بڑے زود اندازسے اس کی طرف دیکھا" بس مل ہی گئیں کہیں سے اچھا اب پاندان رہنے دو۔ بس تم تیار ہو جاؤ۔ جلدی سے تمہارے لئے ڈولی بھی لے آئی ہوں"۔

گلشن نے کہا" لیکن میں اس گرمی میں کیسے جاؤں گی (پھر آہستہ آواز میں) اور نجمے کے ابا بھی تو آج گھر میں ہیں آج تو نہیں جا سکتی"

بانو نے منہ بنا کر کہا اے ہے تمہارے دولہا کہیں بھاگے جاتے ہیں بہ ایسی بھی کیا چاہت کہ بی بنو اپنی سہیلیوں سے دو گھڑی بھی نہیں مل سکتیں۔ بس دیکھ لی تمہاری محبت۔ ہم کیا ہیں جو بھاگے چلے آتے ہیں تمہیں تو گھر سے نکلنے کی قسم ہے۔

گلشن۔ (ہنستے ہوئے) اے لو ناراض ہو گئیں ابھی پرسوں تو صفیہ کے ہاں گئی تھی اور کیوں بی تم کہاں گئی تھیں اس روز لے کر مجھ تو بھیج دیا۔ اور خود آئی نہیں اللہ جانتا ہے ذرا جو جی لگا ہو تمہارے بغیر"۔

بانو نے کہا اے ہے کیا بتاؤں اس روز کیسا جی ترسا ہے لیکن کیا کرتی برقعہ سر پر ڈالا ہی تھا کہ پھوپھی اماں آ پہنچیں بہتیرا کہا کہ ابھی بچے ضرور کا جانا ہے مگر وہ نہ مانیں کہ میں تو تمہارے مارے آئی تم چلدیں۔ (آہ بھر کر) آج بھی میری جان کو ایک مصیبت آن پڑی"

گلشن نے (گھبرا کر کہا) اے ہے ایسی کیا بات ہوئی کمبخت دیکھو اگر آج تم میرے ساتھ نہ گئیں تو میں نہیں جانے کی ہاں سچ کہتی ہوں۔ تمہاری خاطر ہی تو جاتی ہوں۔

بانو نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا" اللہ جانتا ہے اسی لئے تو دھوپ میں آئی ہوں کیا بتاؤں بس خالہ اماں سے تو خدا سمجھے ایسے موقعوں پر بلاتی ہیں کہ جان جل جاتی ہے۔ آج ان کی بیٹی کے سسرال والوں کی دعوت ہے۔ ہاتھ بٹانے کو مجھے بلایا ہے اب اگر نہیں جاتی تو جھٹ اماں جان سے شکایت کر دیں گی پھر اماں جان کا غصہ تو تم جانتی ہو لیکن خیر میں وہیں سے آنے کی کوشش کروں گی۔ لو اب اٹھو نا"۔

گلشن نے کہا" نہیں میں نہیں جاؤں گی"۔ بانو نے جھٹ اسے گلے لگا کر کہا" اے ہے میری اچھی ایسی اچھی بہن اچھا میں وعدہ کرتی ہوں تم چلو تو سہی میں بھی آجاؤں گی۔ کہو تو تمہارے دولہا سے اجازت لے دوں (بلند آواز سے) اجازت لے لو نا اپنے دولہا سے۔

افتخار نے وہیں سے جواب دیا" اجازت ہے صاحب میری جانب سے اجازت ہے جس میں یہ خوش اس میں ہم خوش۔ ضرور جائیے" قسمت ہی پھوٹ گئی بیاہ کا ہم تو کرکی سکھ نہ پایا۔ کبھی سیدھے منہ بات بھی نہ کرکے (ٹھنڈی سانس بھر کر) جس مرد کو بازار کا چسکہ

ہے۔ گلشن شوکر چپ ہوگئی۔ بانو نے کہا۔ بہن [illegible] (آہ بھر کر) [illegible]

لگ گیا ہو۔ وہ بہو کا کیا جانے گا۔"

گلشن نے تاسف کے ساتھ کہا" ہاں میں سچ کہتی ہوں لیکن نہ جانے باہر کا مزا کیسا پڑا۔ ایک چھوڑ تین تین شادیاں کریں پھر بھی نیت نہ بھرتا۔ نہ جانے ہماری قوم کے مردوں کو یہ کیا عادت ہے۔ اچھی اچھی چھوڑ دوسری کر لیتے ہیں۔ بس شادی اور طلاق بس کھیل بنا رکھا ہے اب بھلا تم میں کون سی کمی ہے۔ جوان خوبصورت بیوی کو چھوڑ کر اِدھر اُدھر بھٹکتے پھرنا۔ اللہ کا شکر ہے بہن! یہ بہت سیدھے ہیں۔ بس دوکان ہے یا گھر۔"

بانو۔"آنکھیں مشاکر، اللہ سگے گھر ہی میں سب کچھ مل جاتا ہے تو پھر باہر جانے کی کیا ضرورت ہے۔ اچھا تو بس اب جلدی کرو میں تو تمہیں تیار کرکے لے جاؤں گی۔ کہیں میرے جانے کے بعد تمہارا ارادہ نہ بدل جائے"۔ گلشن ہنستی ہوئی اندر کمرے میں چلی گئی۔ صندوق کھول کر سوچ رہی تھی کہ کون سا جوڑا پہنے کہ انتظار نے آکر کہا" ذرا جلدی کرو کب سے تمہاری سہیلی انتظار کر رہی ہے۔ بہت سست واقع ہوئی ہو کبھی وقت پر تیار نہیں ہوتیں ایک یہ تمہاری سہیلی ہیں کہ وقت سے پہلے ہی آن پہنچیں۔ اس کو کہتے ہیں وقت کی پابندی۔ بس اب یہی جوڑا پہن لو نا اچھا ہے۔ یہ چادر رکھا ہے اور منے کو بھی ساتھ لیجاؤ نا معلوم کب واپس ہو جاگ کر روئے گا۔ آج ذرا دیر میں بھی آرام کرنا چاہتا ہوں۔ بس اس کا کرتا بدلنے کی ضرورت ہے یہی ٹھیک ہے۔ ۔ادھر بانو دالان میں بیٹھے بیٹھے فقرے چست کر جاتی تھیں۔ گلشن نے الٹے سیدھے کپڑے بدلے اور منے کو گود میں لئے باہر نکلی۔

بانو نے اس کا سفید مگر لال بیلا کڑھا ہوا برقعہ دیکھ کر نفرت سے کہا۔ آئے ہے یہ پہن کر جاؤ گی لو میرا ریشمی برقعہ لے لو۔ میرا کیا ہے میں تو خالہ کے گھر جا رہی ہوں میں تمہارا سیدھا برقعہ پہن لیتی ہوں۔ لاؤ منے کو مجھے دو تم جلدی سے برقعہ پہن لو"۔ گلشن نے ناک منہ چڑھا کر کہا بس رہنے دو یہی ٹھیک ہے۔ ایسے موئے انگریزی برقعے سے میرا دم الٹنے لگتا ہے۔ اس روز بھی تم نے یہی پہنا دیا تھا۔ دو قدم چلنا دشوار ہو گیا۔ اپنا سیدھا برقعہ اچھا ہے۔ محبت سے اٹھایا سر پر اٹکا لیا جہاں چاہا الگ پھینکا۔ ایک یہ ہے۔ ...... " بانو نے جھنجلا کر کہا بس ایسی باتوں سے ہی میری جان جلتی ہے۔ اے ہے اب ایسی بھی کیا سستی۔ میاں مٹی اڑے گی۔ کئی بار کہا ہے تم بھی ایسا کالا برقعہ سلوا لو ایک جیسے ہو جائیں گے دونوں کے لیکن تم بھلا مانتی؛ اب میں تمہارے دولہا سے کہوں گی وہ بنوا دیں گے تمہیں اور دولہا نے اندر سے جواب دیا "ضرور ضرور بنوائیں میں تو ان سے یہی کہتا ہوں"۔ گلشن نے مسکرا کر اپنا برقعہ بانو کو دے دیا۔ اور اس کا پہن کر ڈولی میں جا بیٹھی۔ دونوں ڈولیاں مختلف سمتوں میں روانہ ہو گئیں۔

گلشن جب فرحت کے ہاں پہنچی تو سہیلیوں کا جمگٹ لگا ہوا تھا۔ گلشن نے برقعہ نوچ کر الگ پھینکا اور منے کو فرش پر لٹا کر دوپٹے سے چہرے کا پسینہ پونچھنے لگی۔ فرحت نے برقعہ دیکھ کر کہا۔ آئے بہن یہ کب بنوایا"۔ گلشن نے بیزار لہجے میں کہا" اے ہے یہ کمبختی مارا بانو کا ہے۔ بس مر ہو گئیں کر کہا پہنو"۔ فرحت نے معنی خیز نگاہوں سے جمن کی طرف دیکھا۔ جمن نے کہا وہ آئی کیوں نہیں۔ گلشن نے کہا بیچاری کی عجب مصیبت ہے۔ آج اس کو خالہ کے ہاں جانا پڑ گیا۔ بیچاری یہاں آنے کو کھڑکتی رہ گئی۔ جمیلہ نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ہاں ایسے موقعوں پر ہی تو اسے برقعہ بدلنے کی ضرورت پڑتی ہے"۔ گلشن نے معصومیت سے کہا" ہاں بہن خالہ کے ہاں انگریزی برقعہ پہن کر کیسے جاتی اسلئے چپ ہو رہی۔ اس پر ایک زبردست قہقہہ پڑا۔ گلشن بھی مسکرا دی۔

شام کو جب گلشن گھر پہنچی تو بڑی بی آچکی تھی اور باورچی خانے میں بیٹھی سبزی کاٹ رہی تھی۔ گلشن کو آتا دیکھ کر وہ چونک کر بولی" اے ہے دولہن تم کہاں تھیں۔ میں نے جانا تم اندر سو رہی ہو۔ دوپہر کو بھی آئی تھی میں تار گنج والوں کے ہاں سے کھانا لے کر میں نے کہا اپنا دولہن سے ذرا چینی مانگ لاؤں تم کو ڈولی سے اترتے دیکھا۔ میں نے کہا اے دلہن ذرا ٹھہرنا پر تم نے جھٹ باہر کے کواڑ بند کر لئے (منجھے ہوئے) (قلمی)

خاص نمبر ماہنامہ پنجابی گزٹ ۱۹۴۶

فن تاویل

نحمدہ ونعوذ باللہ۔ ملک باغ جس کے جنوبی کنارے پر ہمارا پیارا ٹاؤن ہال یعنی بزرگان شہر کا تکیہ واقع ہے۔ جس کے نرم نرم صوفوں کے گدّوں پر بہت سی روحیں بیٹھنے کو ترستی ہیں۔ جن کی حسرت دل کی دل میں خلق خدا کی آبا و اجداد کا وظیفہ تک ختم ہو جاتا ہے۔ اسی ہمارے ٹاؤن ہال کے عین سامنے ایک کنواں ہے جس کو "چاہ سرد" کہتے ہیں۔ یہ کنواں باغ کے آہنی دروازے کے سامنے ہے کہ جو جانب شمال ریلوے اسٹیشن کے بالمقابل کھلتا ہے۔ اس کنوئیں کے چاروں طرف درخت لگے ہوئے ہیں۔ جن کی وجہ سے یہاں گرمیوں میں بڑی ٹھنڈک رہتی ہے۔ کنوئیں کے متصل ایک مسجد بھی ہے اور چند قبریں بھی۔ ایک گنبد بھی بنا ہوا ہے جو غالباً شاہی وقتوں کا ہے یا غدر کے بعد کا، جب کہ ٹاؤن ہال بنا تھا۔ اس وقت ارکان بلدیہ نے اپنی تفریح کے لئے بنوایا تھا۔ بہرحال طرز قدیم ہے۔ تحقیقی علم نہیں۔ اور نہ معلوم کہ قبریں اولیاء اللہ کی ہیں۔ یا الحادث الزمان بلدیہ کی۔

ان درختوں اور کنوئیں کے پانی کے سرد ہونے کی وجہ سے اکثر یہاں لوگوں کا اژدحام رہتا ہے۔ مسجد میں امام صاحب بھی رہتے ہیں۔ نماز بھی پانچوں وقت اذان کے ساتھ ہوتی ہے۔ یوں تو کنوئیں کے قریب کوئی آبادی نہیں ہے۔ لیکن زائرین چاہ و مسجد کی وجہ سے جماعت کے وقت مسجد بھر جاتی ہے۔ ہاں البتہ یہاں ایک چیز عجیب نظر آتی ہے وہ یہ کہ نمازی جماعت سے فارغ ہوتے ہی ایک ایک سونٹا اور ایک ایک کونڈی لیکر برابر برابر بیٹھ جاتے ہیں اور کنوئیں کو چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں۔ بادام کالی مرچیں چاروں مغز اور کچھ دیگر سبز رنگ کی اور بادشاہ لکڑ گھوٹتے جاتے ہیں۔ اور گنگناتے جاتے ہیں ؎

کونڈی کے کنارے پہ گھٹے گا لگا ڈنکا ! نت بھنگ پی اور عاشق دن رات بجا ڈنکا

سبحان اللہ کیا مستی لوگ ہیں رندیاں۔ کس کر جب گھوٹتے ہیں تو پسینہ کی نہریں نکلتی ہیں۔ جوشیداری کا یہ عالم ہے کہ ادھر اذان ہوئی نہ بیٹھے گئے بس چھوڑ دی۔ کونڈی اٹھا کر ایک جگہ رکھی اور جماعت میں شریک ہو گئے۔ مستعدی کا یہ عالم ہے کہ مجال ہے کہ ان کی حرکت نماز کے وقت کوئی ذرا سی نکال کر اپنی کونڈی میں ڈال دے یا انگلی بھر کر کھالے۔

اس کنوئیں کے چاروں طرف سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ ان پر آدمی کثرت سے بیٹھے رہتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں کسی

[illegible] ادر

اس میں [illegible]

[illegible] سے [illegible] کر سکتا ہے جب تک کہ [illegible] کہ [illegible] تنگ [illegible] اس کا [illegible]

پھکنہ ہوتا ہے۔

کہاں تک کروں شکریہ کروں اس پر بھی نعمت نہ میرے تریں کیا کروں؟

میں نے ایک دن امام صاحب مسجد [illegible] سے کنویں [illegible] چاہ و چلم اور لکڑ ٹھنڈی کے متعلق دریافت کیا۔ ارشاد ہوا کہ یہ مسجد اللہ والوں کی ہے۔ کتا یا ایک [illegible] لوگوں کی خورش سے تنگ آ کر یہ پڑھنا جاتے خلوت تلاش کی ہے۔ امام صاحب کا چہرہ مسلمانی ماتھے پر گٹا۔ ہاتھ میں تسبیح۔ داڑھی لمبی مگر گھنی نہیں۔ لبیں کتری ہوئی مستعلیق بنا۔ کرتہ ٹخنوں سے نیچا سر گھٹا ہوا۔ تہ بند اور کرتہ گیروا رنگا ہوا۔ منہ میں پان۔ باچھوں سے پیک ٹپک کر داڑھی کو تر کرتی ہوئی۔ میں نے پوچھا کونڈی اور چلم یہاں کیا ہے۔ فرمایا کونڈی میں جنت کی سبزی ہے۔ یہ وہ نعمت ہے کہ حضرت آدم کے ساتھ دنیا میں آئی ہے چنانچہ جب آپ جنت سے نکالے گئے تھے دنیا میں آ کر اترے تھے۔ آتے وقت چند بیج سبزی کے ان کے پیروں میں لگے ہوئے ساتھ چلے آئے سنا ہے جب کچھ تو ہندوستان میں گر گئے۔ ایک آدھ لنکا پہنچ سکا۔ اس وجہ سے اس آسمانی نعمت کی پیداوار ہندوستان میں زیادہ ہے۔ بعض باشندگان ہند بھی اس کے فوائد خوب جانتے ہیں۔ اس کو سبزی کہتے ہیں بعض [illegible] اس کو بھنگ کے نام سے پکارتے ہیں۔ عرب حشیش کہتے ہیں۔ اس کا اثر چائے کا سا ہے۔ اصل میں چائے [illegible] کی سبزی ہے۔ [illegible] کی چائے۔ وہ کافر سبزی یہ اللہ والی۔ وہ حرام ہے یہ حلال۔ دیکھ لیجئے آدمیوں میں تم کو کوئی فرق بھی نظر آتا ہے؟ ماشاء اللہ جتنے ہیں فقیر ہیں والے اللہ والے۔ انتہا یہ ہے کہ انہیں کے کالج کے نوجوان کہ جو نام کے مسلمان اور داڑھی مونچھ صاف۔ وقت کے کنہیا ہیں۔ ان میں سے ایک بھی کبھی اگر یہاں پہنچ تک نہیں ملتا۔ یہ [illegible] چلتے کے جاتے ہیں گرم اور گرمیوں میں ٹھنڈک پہنچاتی ہے۔ انگریز وحشی تو اس مہذب چائے کو کیا جانیں۔ [illegible] ہیں آگ پیدا کر دیتے ہیں ہم تو جب جانیں کہ ہماری [illegible] گورنمنٹ کو بھی۔ ہائے افسوس [illegible] نہیں [illegible] اور [illegible] کے زمانے میں یہی بھنگ۔ حکیم بدر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی محنت اور جانفشانی سے اس کے فوائد معلوم کئے انہیں کی ذات گرامی تھی کہ آج ہم [illegible] اس جنت کی تصویر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں [illegible] کے ادراک کی [illegible] سالک اس کو پی کر [illegible] قرب الٰہی کے [illegible] کر لے۔ یا زمرد اس کو پی کر کسی بارگاہ کی سیر کر سکے [illegible] ہے۔ لہٰذا [illegible] جسم میں قوت [illegible] اس کے ہاتھ سے تین سو چالیس دن گھوٹ کر [illegible] عشق سے [illegible] واللہ [illegible] ایک طرف [illegible] کی ایک طرف۔

[illegible] کی کیسی بنتے ہیں۔

[illegible] تعجب کرنے کی باتیں ہی معلوم ہوتی تھیں اب [illegible] روشن ہو جانے کے بعد [illegible] سب سے بڑھ کر لٹانے کے لئے پاتے ہیں۔ تمباکو جو حقیقی اور سچی ہے وہ [illegible] قسم کے پودوں پر گرم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح یہ پیاری نعمت بھی پیالی سینی درجہ تک کے سینے تک پہنچتی ہے۔ چونکہ جناب باری کا اپنے بندوں پر انعام ہے۔ اس لئے آسمان سے پتے پر اور پتے سے اللہ کے پیاروں کے ہاتھوں میں اور پھر اس کا نور شعلہ کی صورت میں سینے کے اندر۔ اسحٰق نیوٹن کا اصول یہیں تو غلط ثابت ہوتا ہے اگر کشش ارضی یا جذب زمین یا زمین کی اپنی طرف کھینچنے کی طاقت کا وجود ہے تو اس نعمت کو وہ اپنی طرف کیوں نہیں کھینچ لیتی۔ پتے پر کیوں رہنے دیتی ہے۔ یہی شے ہے کہ جو سیدھی اللہ میاں کے یہاں سے اس کے بندوں کے لئے براہ راست آتی ہے۔ اور بغیر زمین دیکھے دھوئیں کی شکل میں اپنی ہیئت بدل کر پھر آسمان کو بکار واپس چلی جاتی ہے۔ دنیا کی ہر چیز زمین سے ہی نکلتی ہے۔ اور زمین میں ہی چلی جاتی ہے۔ مگر صرف یہی چرس ہے کہ جو کبھی زمین کو چھوتی تک بھی نہیں۔

میں نے کہا مئی اصلی بھی تو اسی طرح پائی جاتی ہے۔

فرمایا وہ کھائی جاتی ہے اور فضلہ بن کر زمین میں چلی جاتی ہے۔ وہ تبدیل ہیئت غلیظ کرتی ہے یہ لطیف۔ وہ جسم پالنے کے کام آتی ہے یہ روح کی غذا ہے۔ دیکھو ان عشاقان جناب باری کو کہ جب دم لگاتے ہیں تو بجائے دھوئیں کے سینے کے اندر سے شعلہ نکالتے ہیں۔ بیوقوف اور جاہل کٹ ملا اس کو چرس کہتے ہیں۔ ریل کا اتنا بڑا انجن ہے جس میں کتنی زبردست آگ جلتی ہے سانس کی نلکیوں سے ہمیشہ دھواں نکلتا ہے۔ کہاں انسان کہاں لوہے کا انجن۔ وہ باوجود اتنی زبردست آگ کے صرف دھواں نکالے یہ صرف ذرا سے چلکے یا سلائی سے شعلہ۔ وہ دھوئیں سے کالا ہے شعلے سے بے خبر تک نہیں۔ تمہارے سرکاری قسم اگر انجن اپنی چمنی میں سے ایک دفعہ بھی ایسا دھواں نکالدے تو کارخانہ پٹرولین۔ اور اسٹیشن سمیت بھک سے اڑ جائے۔ یہ ولائتی گولہ (ایٹم بم) جانتے ہو کیا چیز ہے! یہ فرنگی بچے بڑے ہوشیار ہیں۔ کوئی باغ ہیں ان اللہ والوں کو دیکھ گیا ہے۔ کسی ترکیب سے بارود میں چرس یا اس کا دھواں [illegible] بس جن گیا۔ ہماری آزاد ہند فوج کے آدمیوں نے ہر چند بدبخت جاپانیوں کو سمجھایا کہ ایک کش لگا لو۔ بس فتح تمہاری ہے۔ کمبختوں نے چلم پکڑ بھی لی اور کپڑا بھی لپیٹ لیا۔ سلگا بھی لیا۔ لیکن قے کر دی اور ایسے ایسی ہوگی کہ چلم بھی [illegible] اسی کے عذاب میں جھنجھنے بنانے کی بجائے خود جھنجھنے بنے ہوتے ہیں۔ اگر ایک دفعہ بھی کش پہنچ جاتے تو فنا ہو جاتے [illegible] ہو جاتا۔ آپ بھی غور کریں کہ جب سینے کی اندر اتنا بڑا شعلہ جائے گا تو دل میں روشنی نہیں ہوگی۔ سگریٹ بیڑی [illegible] پائپ وانگریزی لے پانی [illegible] سب دل کو اپنے دھوئیں سے سیاہ کرتے ہیں۔ مگر چرس کیسے ہی کیسے دل سیاہ کیوں نہ ہو۔ اس کو بھی روشن کر دیتی ہے۔ مائے زرد کشت کہاں تو نے جنم لیا۔ کاش اگر تو سرزمین ہند میں [illegible] کشت میں بھی آتشکدہ [illegible] بلکہ مغاں پر چاروں طرف بیٹھے جو بیس گھنٹے صرف چرس کے کش پر کش لگایا

[illegible]

[illegible]

[illegible] کہا کہ حضرت [illegible] پہلے [illegible] کے [illegible]

[illegible] سے [illegible]

[illegible] اور [illegible] اس سوال [illegible]

کر [illegible] اس [illegible] تعلیم [illegible] ہو گیا۔ [illegible] اس [illegible] کی کوشش کی گئی [illegible]۔ اتفاق کی

بات ہے کہ [illegible] ایک [illegible] رہا۔ اس نے میرا حال سنا۔ [illegible] تعلیم [illegible] حاصل ہوا

[illegible] اس سوال کے جواب دینے کی [illegible] حاصل کی۔ جب اس کو اجازت مل گئی تو اس نے اس مدرسہ کے طلباء [illegible]

جمع کیا [illegible] سے [illegible] نکال کر اس میں [illegible] کی [illegible]۔ اب اس نے حاضرین کو مخاطب کر کے

[illegible] ایک [illegible] کا کش لگایا۔ [illegible] اور [illegible] کا شعلہ ایک کر کے دکھایا

[illegible] اس لڑکے کو مخاطب کر کے کہا کہ بیٹا عشق الٰہی میں فنا ہونے والے اس طرح جیا کرتے ہیں [illegible] دونوں کی طرف

مخاطب ہو کر کہا کہ آپ میں سے کوئی صاحب ایسا کر سکتے ہیں۔ سب نے یک زبان ہو کر انکار کیا۔ تب کہا کہ شریعت اور

حقیقت میں یہ فرق ہے۔ دیکھا آپ نے یہ شعلہ اور یہ [illegible] اور [illegible] یہ کہہ کر مولوی صاحب خاموش ہو گئے۔

میں نے عرض کیا کہ حضرت شہر کے [illegible] مساجد ہیں اور وہاں بھی امام [illegible] ہیں۔ وہ تو سب [illegible]

[illegible] کو حرام [illegible] بتاتے ہیں۔

[illegible] کہتا تھا کہ [illegible] مولوی صاحب کے منہ سے [illegible] جا نکلے۔ [illegible] فرق کرے [illegible]

[illegible] اس کی [illegible] بدبختوں کی ساری عمر [illegible] میں کٹ جاتی ہے۔ اور جو [illegible] منطق و فلسفہ کی

[illegible] ہے۔ جب قبر میں پاؤں لٹک جاتے ہیں تو کمبخت [illegible] ہوتے ہیں۔ اب [illegible]

حرام [illegible]۔ [illegible] عربی زبان کے [illegible] نہیں سکتے [illegible]

[illegible] نصیب نہیں [illegible] مولوی بن بیٹھے۔ اگر ان کو [illegible] تو [illegible] کتابیں ان کے سامنے [illegible]

[illegible] ہیں [illegible] میرے خیال سے ان کو [illegible] کے لیے [illegible]

[illegible] یہ کتاب [illegible] جاتے ہیں [illegible]

[illegible] اس [illegible] ہوتا ہے [illegible] جاتے ہیں [illegible]

[illegible] ہندوستان

[illegible]

[illegible]

[illegible] ایک مدرسے کے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ... کام بھی نہیں ہے ... [illegible]

ہے آسکتا ہے۔ جن چیزوں کے ... [illegible] ... معلوم ہوتا ہوں۔ مگر ہم ان ... [illegible]

ان مولویوں سے پوچھو کہ ... [illegible] ... ہیں۔ حضرت ... [illegible] ... ذکر قرآن و حدیث میں کہیں آیا ہے ... [illegible]

ن پر سادہ ہو کر کہیں ... [illegible] ... کمبخت کہا کرتے ہیں کہ دونوں چیزیں نشہ کرتی ہیں۔ بھلا یہ چیزیں ... ان کو ... [illegible]

دیں وہ ان جہلا کی نظروں میں ... ہیں۔ کمبختوں نے ان میں سے کسی چیز کو کبھی استعمال تک نہیں کیا۔ ... دیکھئے ایک جاہل

ملا اسی مسئلے پر الجھ گیا۔ بہت کچھ سمجھایا مگر وہ اپنی جہالت پر قائم رہا۔ آخر میں نے ... [illegible]

کہ اچھا ایک ... تم کو معلوم ہو جائے گا کہ نشہ ہے یا نہیں۔ کمبخت نے اس طرح لاحول پڑھی گویا ... [illegible]

حضرت کے سامنے ... [illegible] ... اٹھا۔ ... [illegible] ... کہہ کر نکلوایا۔ میاں صرف شراب حرام ہے وہ نشہ کرتی ہے

۔ اس کا ذکر قرآن شریف میں موجود ہے۔ افسوس ہے اس فراست پر کہ جنت کی بہتری سے بھی محروم کیا ... [illegible]

گندم کے کھانے سے بھی محروم کر دیں گے کہ اس کے کھانے سے حضرت آدم نکالے گئے تھے۔ میاں سو سال کی عمر ... [illegible]

اس ... کی امامت کرتے کرتے مرگیا اور تیس برس مجھکو ہو گئے۔ ... والد صاحب مرحوم نے اور نہ یہاں کے ... [illegible]

سے کبھی کسی ... یہ کہا کہ یہ ہر دو چیزیں نشہ کرتی ہیں۔ ... [illegible] ... قسم جو شخص ان چیزوں کو ... [illegible]

اسلام ... [illegible] ... طریقت سے بہرہ مند نہیں۔ عشق الٰہی سے ... [illegible] ... جو چیز مجاہدین میں قوت پیدا کر دے ... کے

ن سے آزاد کر دے وہ حرام ہے۔ ابھی ذرا کہیں ہندو مسلم فساد ہو جائے پھر دیکھو جو ایک ... [illegible]

اگر ... صرف نماز کے لیے وہ بھی محلہ کی مسجد تک۔ مگر کیا مجال جو ان ... [illegible] ... میں سے ایک بھی ایک ... [illegible]

غیر حاضر ہو ... [illegible] ... ڈنڈ بیٹھک کرتی ہیں اور بھنگ پیتی ہیں انہیں کے ... [illegible]

خوف سے ہندوستان کے مسلمان مامون ہیں۔ جس شخص نے ان میں سے ایک یا دونوں کو کبھی استعمال نہیں کیا

س نے گویا اپنے دماغ کے پرزوں کو ... [illegible] ... نہیں۔ ان پر شاعروں نے گویا ... قربان کر دیا ... [illegible]

ہو گی۔ کیا مجال جو کبھی وقت سے بے وقت ہو جائیں۔ تیس سال امامت کرتے گذر گئے۔ ... [illegible]

وقت ہوتے نہیں دیکھا۔ ... [illegible] ... حکومت گئی۔ عزت گئی۔ مگر نہ گئی تو بھنگ اور چرس ... [illegible]

[illegible] ... مغرب کی ... [illegible]

[illegible] ... رمضان شریف ... [illegible] ... انکار کرتے ہیں۔ ... [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible] ہے ایسا

کیسے اٹھے ہوتے گلفشاں
آلیتوں کی سہی ضربے محل
ہچکیاں بات ان کی عنایات کی
انتہا ملک ہندوستان میں بے ضرر
کرتے ہیں اور ایسے کو کہتے ہیں کار
ڈالتے ہیں اگر مسلمانوں نے کہا
وہ عقل کن سال تھا رہنما
وزیر کون تھا اسیر مشین
مریضی غلامی کو سمجھا وہ دوا
وہ تکنیک بھی تھا اور لارنس بھی
کراچی میں پہنچا ہوائی جہاز
تو جیلوں سے لیڈر نکلنے لگے
پھاٹک جانے لیڈر نے بھیجا پیام
یہ آگے کو کہہ کر بڑھی کانگریس
کہا لیگ نے یہ طریقہ ہے ٹھیک
چلے اپنی اپنی سنبھال کر بسات
یہ تحت لیگ اور کانگریس کا سہی
مشن شملہ سندھ کے تھا درمیاں
ادھر سکھ نگیوں پر یہ آئی بلا
کہ بالکل نہ آؤ میں یہاں ہوں
یہ بولے چلی لیگ انداز سے
مسلماں سے الجھے ہیں سنسنی
سبق لے دیا النقش کہ بیاں
اچھلتا اور پلٹ رہا

کر آ لاد ہوتا ہے سندھ سے
کہ سیلن آیا یہ بگل [illegible]
مزید روئی ہے خیرات کی
کہ کہیں گے ہم بادشاہ اور چور
ہوئے رہوار ہوا پہ سوار
کہ ستم اسیر گنبد ہوا
کہ جس نے سکندر کو دھکا دیا
سیاست کے تھے یاد سے اس کی فن
کہ تھی ہومیوپیتھک اس کی ادا
وہ کو آپی تھا اور تھا منس بھی
اور اتر ے سیاست کے منظر نواز
بیانوں کے چشمے ابلنے لگے
پہاڑوں کے روزن زمین کے مسام
تمہارے فراز تو فریاد رسی ہے
اگر ہو سکا ہم بھی مانگیں گے بھیک
برہمن مسلماں اور [illegible] ذات
لڑیں جیسے روٹی پہ دو بلیاں
کہ رکھا روٹی یہاں اللہ وہاں
کہ شور کے گھر جاتے دیا
اگر میں ہوں تم میں جاپان ہوں
والد مرے کو شہباز سے
کہ مچھلی کے سر پر مچھلی کا [illegible]
بہیں جیسے برسات کی ندیاں
وہ سکون کو بالکل بھلا ہوا

ور وہ سکے کہتے ہیں شعلہ الاؤ سے
کہ دعوے کے سکے کا گھر بنے
قاضی محمد [illegible]

[illegible]

احسان علی جیاند

درندے

ڈائریکٹ ایکشن ڈے

مسلمانوں نے اپنی قومی جماعت کے فیصلے اور قائد اعظم کے حکم سے ۱۶ اگست کو منانے کا فیصلہ کیا۔ یہ دن سارے ملک میں زیادہ سے زیادہ پر امن طریقے سے منانے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ یہ بات طے تھی کہ اس دن قانون شکنی نہیں کی جائے گی۔ صرف ہر جگہ جلسہ کر کے لوگوں کے اس فیصلہ کا جو آل انڈیا مسلم لیگ کونسل نے مشن تجاویز کو رد کرنے اور برطانیہ کے خلاف ڈائریکٹ ایکشن کرنے کے متعلق کیا تھا۔ لب لباب سمجھایا جائے۔

بنگال کی بد قسمتی سے وہاں کی لیگ منسٹری نے ۱۶ تاریخ کو عام پبلک کے مفاد کے مد نظر عام چھٹی کا دن قرار دے دیا۔ یہ بات مخالف پارٹی کو سخت ناگوار گذری اور انہوں نے نہ صرف اس کے خلاف اسمبلی میں تحریک اٹھانے کی کوشش کی بلکہ ان کا سارا پریس بغیر یہ سوچے سمجھے کہ ان کا نتیجہ کتنے برے نتائج کا حامل بھی ہو سکتا ہے زہر اگلنے میں مصروف رہا۔ پبلک جلسے کئے گئے اور ان میں عام مسلمانوں کے خلاف عام طور سے اور وزارت کے خلاف خاص طور سے جی بھر کے نفرت کا زہر اگلا گیا۔

۱۶ اگست کی صاف اور چمکیلی صبح گو کہ آسمان صاف تھا لیکن سیاسی فضا خراب تھی اور ڈر تھا کہ کہیں سورج ڈوبتا ہوا دیکھ کر اور آسمان پر شفق کی سرخی پھیلانے سے پہلے زمین کو انسانی خون سے رنگین ہوتا نہ دیکھ جائے۔ عارف کو بھی یہی ڈر تھا کہ گھر سے نکلنے کی صورت میں کسی مصیبت کا سامنا کرنا نہ پڑ جائے۔ یہی وجہ تھی کہ دوپہر کو جلسہ میں شامل ہونے کا ارادہ اس نے ترک کر دیا تھا وہ ایک متوسط درجہ کا آدمی تھا اور ڈرتا تھا کہ اسے کچھ ہو گیا تو اس کے چھ چھوٹے چھوٹے بچے بوڑھی ماں اور غریب بیوی غرض سب کے سب بے آئی مر جائیں گے مگر جب اس کے ساتھیوں نے اسے آکر سمجھایا تو وہ بھی حوصلہ کر کے ساتھ چلا گیا۔ ابھی راستے ہی میں تھا کہ سنا کہیں جھگڑا ہو گیا لوٹ کر واپس گھر آگیا۔ ابھی گھر پہنچا ہی تھا کہ پڑوسی نے آواز دے کر کہا کہ میاں گھر سے باہر نہ نکلنا ابھی ابھی کچھ لوگ آئے ہیں ان سے معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں کا جلوس جب شہر کی ایک شاہراہ سے گذر رہا تھا تب ہندوؤں سے ٹکراؤ ہو گیا۔ ابھی یہ لوگ باتیں کر ہی رہے تھے کہ ایک اور پڑوسی آتے دکھائی دیئے، رنگ زرد، چہرے فق، ارے بھئی کیا ہوا؟ ایک ہندو علاقہ سے گذر رہے تھے وہاں سے ہم پر پتھر آنے لگے جان بچا کر بمشکل بھاگے چلے آرہے ہیں۔ شیخ حمید بھی پاس کھڑے ہوئے سب کچھ سن رہے تھے انہیں غصہ آگیا اور کہا "اچھا ان کافروں کی یہ مجال! آؤ میرے ساتھ کون کون ماں کا لال آتا ہے" چند پرجوش اور گرم مزاج کے لوگ ان کے ہمراہ ہوئے تھوڑے سے فاصلے پر گئے تھے کہ چند ہندو جاتے نظر پڑے اس کے بعد کیا ہوا۔ اس کا نقشہ کھینچنے کی قلم میں طاقت نہیں۔ مسلمان ہندوؤں اور ہندو مسلمانوں کو تہ تیغ کر رہے تھے۔ حقیقت اور پھر کسی نے یہ نہ دیکھا کہ جو سامنے آیا تھا۔ کسی نے یہ نہ دیکھا کہ یہ کانگریسی ہے یا لیگی .... بعد پھر سناٹا۔ صرف کبھی کبھی خاموشی چھا گئی۔ سڑک پر چند سر بریدہ لاشیں پڑی تھیں اور مجاہدان اسلام "اللہ اکبر" کے نعرے لگاتے آگے چل پڑے۔ ہندوؤں کے نعرے بھی مدھم نہ تھے۔

محلہ میں کہرام مچا ہوا تھا سب بے ہوش اور ماتم زدہ جوان قتل ہو جائے اور محلہ والے خاموش بیٹھے رہیں۔ یہ ان کی مردانگی غیرت تھی

[illegible]

[illegible] کربلائی۔ اسٹیشن کے قریب [illegible] وہاں رکنا پڑا۔ یہاں کے مکانات پر بیٹھے تھے۔ پوری کی پوری بستی [illegible] قتل کر دی گئی۔ ایک [illegible] عورت نے بلوائیوں کو [illegible] کر دیا گیا۔ [illegible] چاروں طرف آگ [illegible] ایک سمندر تھا [illegible] کی سی زبانیں نکالے اس کی طرف لپکے چلے آرہے تھے۔ یکایک وہ بھاگا۔ مکان کی پچھلی طرف اس کے ایک ہندو دوست کا مکان تھا وہ وہاں کود گیا اس ہندو دوست نے اسے دھوتی کرتہ دیا تب وہ وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور جب وہ میرے سامنے دہلی میں بیٹھا اپنی مصیبت کی داستان سنا رہا ہے میں اخباروں میں پڑھ رہا ہوں کہ ہندو علاقوں میں مسلمان اور مسلمان علاقوں میں ہندو ذبح کر دیئے گئے۔ ان کی دکانیں لوٹ لی گئیں یا انہیں آگ لگا دی گئی۔ چاروں طرف خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں۔ انسان نما درندے اپنے ہم جنس کو چیر پھاڑ رہے ہیں۔ آگ کی لپٹیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں۔ ہر طرف سے آہ و پکار اور ماتم کی آوازیں آرہی ہیں۔ شہر جہنم کا نمونہ بنا ہوا ہے اور لیڈر یہ سوچ رہے ہیں کہ "ڈائرکٹ ایکشن ڈے" منانے سے ہمارا یہ مطلب نہ تھا۔ کیا ڈائرکٹ ایکشن ڈے کی مخالفت سے یہ غرض تو نہیں کہ یوں درندے انسانیت کے ماتھے پر بدنما داغ اور ایک دوسرے کی لاشوں پر اپنی بہادری کا عمل کیا کریں۔

نظریۂ خطبۂ صدر

راشٹرپتی مولانا ابوالکلام صاحب آزاد

...ہی کفار جن کی راہ نمائی پر اعتماد کی تلقین کی جا رہی ہے کبھی ان کے متعلق ارشاد تھا۔

"کفار جو معاملات کو جھٹلاتے ہیں۔ حقیقتِ حال کو جھٹلاتے ہیں۔ اصلیت کو چھپاتے ہیں۔ ماجرائے وقوع کو غلط بتاتے ہیں۔ نقضِ امن کرتے ہیں اور پھر اس کو حفظِ امن کا لباس پہناتے ہیں۔ قتل کرتے ہیں۔ اور اسے جاں بخشی دکھاتے ہیں۔ بات کچھ ہوتی ہے مگر اپنی بات کی پچ میں جمہور (پبلک) کو کچھ اور جتلاتے ہیں۔ ایسے کی اطاعت منع ہے۔ ان کی فرمانبرداری جرم ہے۔ گناہ ہے۔ موجبِ عذاب ہے۔ اس قلادے کو توڑ دینا چاہیئے۔ اس اطاعت سے تبرّی فرض ہے۔ اس فرمانبرداری پر نافرمانی کو ترجیح ہے۔ ان کی تو خواہش ہے کہ مسلمان مداہنت کریں۔ خوشامد کریں۔ ریاکاری کریں۔ منافقت کریں تو انہیں بھی اظہارِ نفاق کا موقع ملے۔ مگر تم دیکھتے ہو کہ مسلمانوں کے لئے یہ صورت کس قدر خطرناک ہے؟ کفار کے عہد و پیمان کا تمہیں بارہا تجربہ ہو چکا ہے۔ جو آبرو باختہ ہیں۔ عزتِ نفس و شرف کا انہیں لحاظ تک نہیں۔ قسمیں کھاتے ہیں۔ حلف اٹھاتے ہیں کہ یہ وعدہ استوار ہے اس میں دوام و استمرار ہے۔ یہ عہد محکم ہے یہ قول و قرار قانونی حیثیت رکھتا ہے زبان سے سب کچھ کہتے ہیں مگر تم سے کام لینے کے وقت کچھ یاد نہیں رکھتے۔ ایسے لوگوں کے مطیع رہنا ذلت کی بات ہے۔ اسلام اپنے فرزندوں کو ان کی اطاعت سے باز رہنے کی ہدایت کر رہا ہے کہ خبردار یہ قسمیں کھانے والے ذلیل النفس ہیں۔ ان کے حلف پر نہ جانا۔ یہ ادھر کی بات ادھر لگاتے ہیں۔ قوم میں تفرقے پیدا کرتے ہیں۔ منعِ خیر کے لئے نہایت مبالغے کے ساتھ آمادہ رہتے ہیں۔ حد سے بڑھ جاتے ہیں۔ تعدّی ان کا شیوہ ہے۔ تطاول ان کی عادت ہے۔ سرکشی ان کی خو ہے .... پھر ایسے لوگوں کی اطاعت کیونکر پسندیدہ ہو سکتی ہے؟ ان کو تو اپنے مال و اولاد کی فراوانی و کثرت یعنی فرطِ دولت و تکثیرِ آبادی کی وجہ سے اتنا گھمنڈ ہو گیا ہے کہ آیاتِ قرآنی کو پرانے ڈھکوسلے کہنے لگے ہیں۔" (الہلال ۲۷ ... ۱۹۱۲ء)

...سری جگہ رقم طراز ہیں:-

"کفار سے مسلمانوں کو ساز باز نہ رکھنی چاہیئے۔ ان سے بے تعلق ہونا لازم ہے۔ جو ساز باز رکھتے ہیں جنہیں

ان سے بے تعلق رہنے میں اپنے اور اپنی قوم کے لئے مشکلات اور مصائب کا اندیشہ ہو وہ غلطی پر ہیں۔ ان کو پشیمان ہونا پڑے گا۔ اسلام کو فتح نصیب ہوگی اور مسلمانوں کی بہبود و بہتری کا قدرت کاملہ کوئی اور انتظام کردے گی۔ اسوقت معلوم ہوگا کہ الآن قد ندامت ولا ینفع الندم۔ اس وقت تم نادم ہو جاؤ گے

جب ندامت مفید نہیں ہوگی" (مضامین آزاد حصہ سوم)

کہاں تک لکھتے چلے جایئے۔

سفینہ چاہیئے اس بحرِ بیکراں کے لئے

آنکھوں والے کے لئے اتنا ہی کیا کم ہے۔ وہ یہ کچھ دیکھکر یقیناً متعجب ہوگا کہ بالآخر کیا بات ہے۔ کہ مولانا صاحب یہ سب جانتے ہوتے آج گمراہی و ضلالت کے اس قدر عمیق گڑھوں میں جاگرے ہیں۔ اور اپنے ہی گرنے پر اکتفا نہیں۔ قوم کو بھی اس جہنم کی طرف بلائے جارہے ہیں۔ یقیناً یہ سوال قدرتی طور پر آپ کے دل میں پیدا ہونا چاہیئے۔ اس کا جواب بھی ہم سے نہیں خود مولانا صاحب سے سنئے۔ جب کوئی قوم کسی دوسری قوم کو اپنا غلام بنانا چاہتی ہے تو اس کی مقدم کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس قوم کے سوچنے والے دماغوں اور دیکھنے والی آنکھوں کو اپنے قابو میں کرلے۔ تاریخ آپ کے سامنے ہے۔ زمانہ کی شہادات آپ کے روبرو ہیں انہیں دیکھیئے اور غور کیجئے کہ دنیا کس طرح اس اصول پر عمل پیرا ہوتی چلی آرہی ہے۔ یسلی تجوّن ابناءَ ھم و یستحیون نساءَ ھم (بنی اسرائیل کے بیٹوں کا قتل) کچھ فرعونِ مصر کے ساتھ ہی مخصوص نہ تھا۔ دنیا میں ہر مستبد قوت اس قسم کے قتل کرتی چلی آئی ہے اور کررہی ہے۔ فرق صرف آلاتِ قتل و ذرائع استھلاک میں ہے۔ یہی کچھ ہوتا چلا آیا ہے۔ اور یہی کچھ آج ہو رہا ہے۔ ہندو نے جب یہاں مسلمانوں کو غلام بنانے کی ٹھانی تو انہوں نے بھی سب سے پہلے اسی حربہ کو استعمال کیا۔ اور مسلمانوں میں یذبحون ابناءَ ھم شروع کردیا۔ ملتِ اسلامیہ کے ہونہار سپوتوں میں سے کچھ ایسے تھے جو ہندوؤں کے دام فریب سے بچ کر نکل بھاگے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو وہیں کے ہو کے رہ گئے۔ دنیا میں زنجیریں صرف لوہے کی ہی نہیں ہوتیں اور چیزوں کی بھی ہوتی ہیں۔ سنئے کہ مولانا صاحب کیا فرماتے ہیں۔

"سالک راہ حریت و صداقت کے پاؤں میں اس کے دشمن لوہے کی زنجیریں ڈال دیتے ہیں تاکہ وہ آئندہ کے منازل طے نہ کر سکے۔ لیکن اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ زنجیر لوہے کی جگہ سونے کی ہوتی ہے۔ وہ اس طلسمی زنجیر کو دیکھ کر راہ ورسم منزل صداقت پرستی سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ اس کی طرف دوڑ جاتا ہے اور مسکراتا ہوا خود دشمن کے ہاتھ سے لیکر اپنے پاؤں میں ڈال لیتا ہے۔ یہ طلسمی زنجیر کیا ہے؟ امید زر اور طمع جاہ!

لیکن آہ! کس قدر دنی الوجود و عظیم ترف ہے وہ انسان جو صرف حبِ مال اور الفتِ زر کے لئے خدا کی محبت کو ٹھکرا دیتا ہے اور ایک فانی شئی کے لئے حق و صداقت کی باقی لازوال دولت کو ہمیشہ کے لئے کھو دیتا ہے۔ وہ چاندی سونے کے سکوں کو اگر خدا کے لئے اور اس کی سچائی کے لئے کھو دے تو خدا اسے سچائی کے ساتھ واپس دلا سکتا ہے۔ پر جو خدا کی محبت کو دولت کے لئے کھوتا ہے وہ تو اسے دولت نہیں دلا سکتی پھر انسانیت کے لئے کیسی دردانگیز موت ہے کہ انسان آسمان کی سب سے بڑی امانت کو زمین کی ایک

بڑی ذلت کے لئے سکھو دے؟

کتنے بڑے بڑے تاجدار پرہیبت فاتح، عظیم الشان سپہ سالار۔ نامور محبِ وطن اور محبوب القلوب وملت پرست انسان ہیں جن کی حق پرستانہ عزائم کی استقامت کو اسی لعنتِ طمع نے ڈگمگا دیا۔ انہوں نے اپنے ملک، اپنی قوم، اپنی فوج اور در اصل اپنے خدا اور اس کی صداقت سے غداری کی، اور دشمنوں کے لئے دوستوں کو، غیروں کے لئے اپنوں کو، ظالموں کے لئے مظلوموں کو بے رحم فاتحوں کے لئے بیکس مفتوحوں کو، اور شیطان کے تخت کی زیب وزینت کے لئے خدائے رحمٰن کے دربار اجلال کی عزت و عظمت کو چھوڑ دیا! تاریخ کے صفحات ہمیشہ سے اسی درد کے ماتمی ہیں۔ قوموں اور ملکوں کی داستانیں ہمیشہ اسی ناپاک سرگذشت پر خون کے آنسو بہاتی ہیں۔ اور دولت پرستی کی ملعون نسل آغازِ عالم سے ناصیۂ انسانیت کے لئے سب سے بڑا بے عزتی کا داغ وہی ہے فی الحقیقت راہِ حق پرستی کی سب سے بڑی آزمائش چاندی کی چمک اور سونے کی سرخی ہی ہے اور اگر اس منزلِ پرخطر سے تم گذر گئے تو پھر تمہاری ہمت بے پرواہ اور تمہارا عزم ہمیشہ کے لئے بے خوف ہے۔ یہی طمع کا خبیث دیو ہے۔ جس کا پنجہ بڑا ہی زبردست اور جس کی پکڑ قلبِ انسانی کے لئے بڑی ہی مضبوط ہوتی ہے اسی نے فرزندانِ ملت سے غیروں کے آگے مجری کرائی ہے۔ یہی پکڑ پکڑ کے ابناءِ وطن کو لے گیا ہے اور غیروں کے قدموں پر اخلاق کی ناپاکی اور جذبات کی کثافت کے کیچڑ میں گرا دیا ہے۔ تاکہ اپنے وطن، اپنی سرزمین، اپنے مذہب، اپنی قوم، اور اپنے بھائیوں کے خلاف جاسوسی کریں! اسی نے بڑے بڑے مدعیانِ خدمت ملک وملت کی برسوں کی کمائی ایک دن کے اندر ضائع کر دی ہے اور انہیں چار پایوں کی طرح گرا دیا ہے تاکہ برسوں کی سچائی کو ایک لمحہ کی طمع پر قربان کر دیں۔ آہ! یہی انسانیت کے لئے وہ روحِ خبیث ہے جو بڑے بڑے پاک جسموں، بڑی بڑی مقدس صورتوں، بڑے بڑے پُر از علم وعمل والوں کے اندر حلول کر گئی ہے۔ اور فرشتہ سیرتوں نے شیطانوں کے، اور ملکوتی صفات ہستیوں نے خونخوار عفریتوں کے سے کام کئے ہیں۔

آہ! ہم یہ لکھ رہے ہیں اور ہمارا قلب خون ہو کر آنکھوں کے راستے بہ رہا ہے۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا آرہا ہے۔ ہاتھوں میں قلم کانپ رہا ہے! کہ اے اللہ! جو تیری درگاہ سے دھتکار دیا جاتا ہے۔ اس کا انجام کیا ہوتا ہے! اے مالک الملک صدقہ اپنی رؤف الرحیمی کا! غربت وافلاس، بھوک اور پیاس کی زندگی دیدینا۔ لیکن طمع جاہ ہوس زندگی نظر فریب افسونگرانہ کشش دنیا ذہبیت سے بچائے رکھنا۔ کہ جو اس سحر سے مسحور ہو گیا۔ ہمیشہ کے لئے تباہ ہو گیا۔ اور جو تیرے در سے ٹھکرا دیا گیا۔ اس کا کہیں ٹھکانا نہ رہا۔ لغزش تو ہر ایک کی خطرناک ہوتی ہے۔ لیکن ایک عالم کی لغزش تو وہ ہے جس کے متعلق خود نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ

"میں اپنی امت کے حق میں سب سے زیادہ جن باتوں سے ڈرتا ہوں وہ یہ ہیں۔

(۱) عالم کی لغزش

(۲) منافق کا قرآن سے استدلال

(۳) اور گمراہ کرنے والے سردار (لیڈر)

کہتے ہیں کہ حضرت امام اعظمؒ ایک دن بازار سے گذر رہے تھے۔ بارش ہو رہی تھی۔ اور راستہ میں کیچڑ تھی۔ ایک لڑکا ادھر سے گذرا۔ تو آپ نے فرمایا کہ بیٹا! احتیاط سے چلنا قدم نہ پھسل جائے۔ گر جاؤ گے۔ اس نے مڑ کر دیکھا اور آپ کو پہچان کر کہا کہ حضور! میرے گرنے کی فکر نہ کیجئے۔ اپنے آپ کو سنبھالئے۔ میں گرا تو خود ہی گروں گا۔ اور اگر (خدا نکردہ) آپ گر گئے تو ساری دنیا گر جائے گی۔

کس قدر صحیح تھا اس بچے کا تبصرہ۔ زید و بکر گمراہ ہوں تو ان کی گمراہی انہی کی ذات تک محدود رہے گی۔ لیکن مولانا ابوالکلام آزاد صاحب صحیح راستہ چھوڑ جائیں تو پوری کی پوری قوم کو لے ڈوبتے ہیں۔ ایک لیڈر کی یہی لغزش ہے جس کے متعلق قرآن کریم میں ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ جَهَنَّمَ

کیا تم نے ان لوگوں کی حالت پر غور نہیں کیا۔ جنہوں نے اللہ کی نعمت کو ناسپاسی سے بدل دیا۔

اور اپنی قوم کو تباہی و بربادی کے جہنم میں لے گرے۔

لیکن اللہ کا شکر ہے کہ قوم بروقت متنبہ ہو گئی اور جہنم میں گرنے سے بچ گئی۔ اے کاش آج بھی اللہ تعالیٰ ان جہنم میں گرنے والوں کی چھنی ہوئی بصارت انہیں واپس دیدے اور یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ فریب نفس نے انہیں کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔ کہ توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے۔ بشرطیکہ دلوں اور آنکھوں پر مُہر ہی نہ لگ چکی ہو۔ ومن یضلل اللہ فما لہ من ھاد۔

قتیل شفائی

دوسائے

دور ندی میں شام کی دیوی جھانک رہی ہے — اک چرواہی اپنی بھیڑیں ہانک رہی ہے

وہ نیلے آکاش پہ چمکا پہلا تارا — اک دہقاں نے اپنے سر سے بوجھ اتارا

جھنڈوں سے ہٹ کر چاند کا چہرہ ابھرا — دو ٹوٹی سی جھونپڑیوں پہ سونا بکھرا

اونگھ رہا تھا دیر سے اُن کھیتوں کا منظر — چونک اٹھا ہے دوسایوں کی آہٹ پا کر

انعام الرحمن چاندنہ

شیطان

"کیا میں آپ کا اسم شریف دریافت کر سکتا ہوں ؟" ــــ

کیا میں دریافت کر سکتی ہوں کہ اس کی ضرورت آپ کو کیوں محسوس ہو رہی ہے ؟ ــــ"

"واہ صاحب واہ! چاہنے والے کو اپنی محبوبہ کے نام کا بھی علم نہ ہو تو لعنت ہے ایسے چاہنے والے پر ــــ"

ارے وہ! خیر سے آپ میرے چاہنے والے ہیں ۔ خدا کے نالے میں جا کر پہلے منہ دھو آؤ ــــ یہ متھاو مسورکی دال ــــ "بہت تھے ــــ اے عشق چلے آتے ہیں ہم تیری نگریا" ــ اس لئے جو بھی اس نگر کے رہنے والے ہیں بھلا ہم کو کہیں دیکھنا ہی پڑے گا ۔ ورنہ یقین مانو ــــ اس نگر کی رہنے والیوں کی قسم اگر ہماری دنیا میں کوئی اس طرح کہتا تو میں اس ڈنڈے سے اس کا سر پھوڑ دیتا ــــ لیکن میری سمجھ میں نہ آیا بانو کہ مجھ سے اس قدر بیگانگی کا کیا مطلب ہے ۔ آخر تم مجھ سے کیوں اس طرح منہ موڑ رہی ہو ــــ"

بانو ۔ مولوی صاحب! یہاں دھرم شالہ نہیں کھلا ہوا گھر آئے اور آرام کر کے چلے گئے ۔ یہ طوائف کا کوٹھا ہے اور طوائف انسان کی نہیں سکوں کی بھوکی ہوتی ہے ۔ اسی کے کارن وہ اپنی عصمت ــ عصمت کے خریداروں کے ہاتھ فروخت کرتی ہے ۔ آج آپ یہاں پورے چھ ماہ بعد تشریف لائے ہیں ۔ اس مرتبہ آپ شراب کے دام نہیں دے کر گئے تھے جو کہ بازار سے منگائی گئی تھی بلکہ یوں ہی باتوں ہی باتوں میں مجھے بہلا گئے ــــ اس کے بعد بھی متعدد بار میں نے آپ کو اس کوچے سے گذرتے دیکھا لیکن آپ دام دینے یہاں واپس تک نہ آئے ۔

مولوی صاحب : ۔ دراصل ان دنوں میرا ہاتھ ذرا تنگ تھا مگر تم گھبراتی کیوں ہو ۔ اس مرتبہ سب حساب بیباق کر دوں گا ارے تم کیا سمجھتی ہو ۔ اب میں مالدار ہوں ۔ تم فکر مت کرو ۔ (نوٹوں کا گڈا دکھاتے ہوئے) چلو اٹھو چلو آج عید کے دن ہم تم کو نہال کر آئے ہیں ۔ سب کچھ تمہارا ہے جب ہم خود تمہارے ہیں ــــ" بانو مولوی صاحب کو عزت کے ساتھ پان بنا کر دیتی ہے ۔ مولوی صاحب نے پانچ کا نوٹ نکال کر تھالی میں ڈال دیا اور پان کی گلوری منہ میں رکھتے ہوئے "تو پھر ہو جائے کوئی پھڑکتی ہوئی" ــ طبلے پر تھاپ پڑتی ہے اور بانو گانا شروع کرتی ہے ــــ "اے عشق چلے آتے ہیں ہم تیری نگریا" ــــ مولوی صاحب کی واہ واہ سے کمرہ گونج اٹھا ــــ ارے بھئی بانو تم نے ہماری پسندیدہ چیز تو منگائی نہیں ــــ جلد منگوا کر دو ــــ مجھ پر تمہاری اس مرلی آواز کا ہلکا ہلکا سا نشہ چھاتا جا رہا ہے ــــ میں بے خود سا ہو رہا ہوں ــــ میں چاہتا ہوں کہ یہ نشہ دوگنا ہو جائے اور میں بالکل بے خود سا ہو جاؤں اور مجھ میں یہ محسوس کرنے کی قوت نہ رہے کہ میں تمہارے کمرے پر ہوں بلکہ یہ سمجھنے لگوں کہ میں جنت الفردوس میں ہوں اور تم وہاں کی حور ہو جو میرے آغوش میں ہے ۔ لاؤ جلد لاؤ ۔ لاؤ بانو بھر بھر کے جام پلاؤ ۔ آج مجھے مدہوش کرنے میں کسر نہ رہ جائے ــــ شراب آتی ہے اور جام پر جام چلنے لگتے ہیں ۔ گانا پھر شروع ہو جاتا ہے" ۔

اے عشق چلے آتے ہیں ہم تیری نگریا"۔ مولوی صاحب نشے میں پاگل ہو کر چیخنے لگتے ہیں۔ واہ بانو واہ —— تم بیشک جنت کی حور ہو۔ ہاں اب میں جنت میں ہوں —— آؤ —— بانو —— میرے نزدیک آ جاؤ —— دروازے سے دو نوجوان بنے ٹھنے گلے میں ہار پہنے، قہقہے لگاتے، سگریٹ کے دھوئیں کے چھلے اڑاتے اندر داخل ہوتے —— ارے بھئی سلام علیکم (اسلام علیکم)

بانو :- آئیے سرکار آج بہت دن بعد رخ کیا کیا بھول گئے تھے کنیز کو —— ایک :- ارے بھئی تم کوئی بھولنے کی چیز ہو۔

دوسرا :- دراصل بات یہ ہے کہ ہم تہوار ہی کے روز ادھر کا رخ کرتے ہیں —— یا کبھی یار دوست گھسیٹ لاتے ہیں۔ آج عید کا دن تھا ہم نے سوچا —— (مولوی صاحب کو غور سے دیکھنے لگتا ہے)۔

بانو :- ہاں ہاں آپ بات کرتے کرتے کیوں رک گئے (مولوی صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) —— ان کو بھئے دیکھئے —— یہ تو اس وقت جنت میں ہیں —— "نہیں نہیں یہ بات نہیں ——" بانو نے پان کی تھالی آگے بڑھائی —— دونوں نے پان کی گلوریاں منہ میں رکھ لیں اور پانچ روپے تھالی میں ڈال دیئے ——

ایک ساتھی دوسرے ساتھی سے :- اماں حمید! ذرا غور سے دیکھنا یہ تو وہی مولوی صاحب لگ رہے ہیں جو ہم کو عیدگاہ میں وعظ فرما رہے تھے اور انہوں نے ہی نماز پڑھائی تھی تم کو یاد ہے انہوں نے اپنے وعظ میں کیا فرمایا تھا کہ جو لوگ دنیا میں شرابیں پئیں گے اور رنڈی بازی کریں گے۔ اُن کو محروم کر دیا جائے گا۔ جنت کی اس شیریں انگور کی شراب سے جس کے ذائقہ کی مثال نہیں اور جنت کی وہ حوریں بھی نہیں ملیں گی جن کے لئے پروردگار عالم نے وعدہ کیا ہے —— لیکن اس وقت تو یہ خود شراب کے نشہ میں مدہوش ہے ——"

مولوی صاحب (نشہ کی حالت میں بڑبڑاتے ہوئے) لاؤ بانو گلاس اور لاؤ —— میرا نشہ کافور ہوتا جا رہا ہے۔

حمید :- (مولوی صاحب کو جھنجھوڑتے ہوئے) مولوی صاحب تم تو صبح وعظ میں فرما رہے تھے کہ جو دنیا میں شراب پئے گا اُسے جنت کی شیریں شراب نہیں ملے گی۔ اور جو رنڈی بازی کرے گا۔ اُسے جنت کی حوروں سے محروم کر دیا جائے گا۔ اور آپ یہ حرکتیں کرتے ہیں —— جانتے ہیں آپ کا حشر کے دن کیا انجام ہوگا۔

مولوی صاحب :- میں دنیا کے لئے کہتا ہوں اپنے لئے نہیں۔ مجھے اس کا عقیدہ نہیں اور میاں سُنو جب حشر کا دن آئے گا —— اس وقت دیکھا جائے گا۔ حفیظ بانو تم کیوں خاموش ہو گئیں —— ہاں ناچتی جا اور گاتی جا —— نظروں سے دل بھر مائے جا —— تڑپائے جا —— تڑپائے جا حفیظ

بانو :- تم جیسے تم ان بیوقوفوں کے وعظ پر غور بھی نہ کرو۔ جو میرے وعظ پر عمل نہیں کرتے اور میرے منع کرنے کے باوجود اس گندی نالی میں غوطے کھانے چلے آتے ہیں۔

حمید :- آپ کو شرم نہیں آتی جب آپ خود ہی عمل نہیں کرتے تو ہم لوگ جو دینی معاملات اور گناہ و ثواب کے کاموں سے اس قدر واقف نہیں کہاں سے عمل کر سکتے ہیں۔

مولوی صاحب :- تم بچے ہو ناتجربہ کار ہو تم میرا مطلب ہی نہیں سمجھے تم سمجھتے ہو یہ بال میں نے دھوپ میں سفید کئے ہیں میں نے پچپن سال کی طویل عمر میں یہ نہیں سیکھا کہ میں کون مروں اور باسی ٹکڑے کھاؤں —— میں نے ٹھوکریں کھا کر اب یہ اچھی طرح سمجھ لیا ہے کہ "دنیا جھکتی ہے جھکانے والا چاہیئے"۔ آج کل سچائی کی کوئی قدر نہیں۔ —— فریب اور دھوکہ دینے والے ہمیشہ سکھ سے رہتے ہیں۔ اب میں دنیا کو فریب دیتا ہوں —— میں محسوس کر رہا ہوں کہ دنیا میری طرف جھکتی چلی جا رہی ہے دنیا کو میرے چہرے پر نور نظر آتا ہے —— دنیا مجھے ایک بزرگ

سمجھتی ہے اور میں خوش ہوں ۔ جانتے ہو مجھے اس سال صرف
زکات ہی ذکات کے -/۱۵۰ روپے ملے ہیں اور آج صبح عیدگاہ
پر عیدگاہ میں -/۵۰ روپے کے قریب جمع ہو چکے ہیں اور ابھی
کل کا دن باقی ہے ۔۔ میں خوش ہوں تم کو چاہیئے کہ تم میری
طرف مت دیکھو بلکہ اپنا کام کرو تم یہ چاہتے ہو کہ میں اپنی زندگی کی
خوشیوں کو ۔ تم لوگوں کی خاطر پامال کر دوں ۔ اپنے اس دل کو
نکال کر پھینک دوں ۔ تم پاگل ہو ۔ بیوقوف ہو ۔۔ میں پاگل نہیں
میں تمہاری طرح بیوقوف نہیں ۔۔ میں جانتا ہوں تم یہاں سے
چلے جاؤ ۔۔ بانو کو تمہاری ضرورت نہیں میرے پاس اتنے دام
موجود ہیں کہ میں تمہارا حصہ بھی دیدوں گا ۔ تاکہ بانو کو کوئی
اعتراض نہ ہو ۔۔ میں تمہے زیادہ دیدوں گا میرے پاس بہت کچھ
دنیا میری طرف جھک رہی ہے ۔

مجھے روپے کی کمی نہیں ۔۔ بانو جام لاؤ ۔۔ میرا نشہ
کافور سا ہوتا جا رہا ہے ۔۔ لاؤ جلدی لاؤ ۔۔ اور ان سے
کہو یہ تشریف لے جائیں ۔۔ (جیب سے پانچ کا نوٹ نکال کر
سب کو دیتے ہوئے) سب نے بانو کی تھالی میں رکھا تھا اس
کی بانو کو ضرورت نہیں جاؤ پھر آنا ۔۔ اس وقت مجھے مدہوش
ہونے دو ۔۔ میں سب کچھ بھول جانا چاہتا ہوں ۔۔
سب کچھ ۔۔

حمید شراب کے نشے میں تو شیطان "خدا کو بھول گیا اب
اور کیا بھولنا چاہتا ہے ۔ دونوں چلے جاتے ہیں ۔۔
مولوی کے قہقہوں سے کمرہ گونج اٹھتا ہے (مولوی صاحب
بڑبڑاتے ہوئے) بیوقوف ہیں سالے ! ان کو کچھ خبر نہیں ۔
بانو کچھ سہمی سہمی سی معلوم ہو رہی ہے ۔

(مولوی صاحب بڑبڑاتے ہوئے) دنیا بیوقوف ہے ان کو نہیں
معلوم کہ میں ان کا دیا ہوا روپیہ کہاں خرچ کرتا ہوں ۔۔
اسی کو کہتے ہیں دنیا جھکتی ہے ۔۔ جھکانے والا چاہیئے ۔ ہاہاہا

یونس باغپتی

الٰہی حسن خطا کی یہ سزا ہے وہ خطا کیا ہے

"آج پھر شادی کا تذکرہ بیٹھے ...... حبیب دیکھو ... شری ہو نہ آخر بد مذاق - کیسی کیسی باتیں ہو رہی ہیں۔ کر لگے بیچ شادی ...... میں پوچھتا ہوں آخر یہ ہوا کیا ہے؟"

"تم کیا جانو۔ شادی کسے کہتے ہیں۔ شادی کرو تو معلوم ہو!

تم تو لفظ شادی کی ابجد سے نا واقف ہو!"

"محض پانی کا ایک ننھا بلبلہ اور بس!"

"پانی کا بلبلہ ہی سمجھ لو لیکن ہے دلچسپ!"

"کسی طرح بھی نہیں"

"سُن سنا سا ہی ہو" لیکن بغیر دیکھے چاند کی برائی آج ہی سنی ہے"

"تمہارے چاند کو خود نہیں دیکھا بزرگوں سے تو سنا ہے"

"بزرگوں کی خوب کہی - یہ تو صرف دل توڑنا جانتے ہیں۔

"دلیل بھی تو ہوتی ہے"

"دلیل ولیل کچھ نہیں ...... کچھ اپنا دکھڑا کچھ گئے گزروں کے قصے اور بس!" - یہ ہے ان کی دلیل - خیر چھوڑو ان باتوں کو ...... ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا ...... ہاں ذرا تصور کرو میاں بیوی ایک دوسرے سے بالکل نا آشنا ...... بالکل اجنبی کیونکہ ہماری تہذیب یہی ہے نہ صورت و شکل دیکھی نہ دکھلائی - رسی گلے میں باندھ دی لیکن اس نا آشنائی کی صورت میں کبھی دونوں کے دلوں میں ولولے، جوش ایک دوسرے کو دیکھنے کا اشتیاق ...... اشتیاق بھی کیا جو بعض اوقات دیوانگی کی حد تک جا پہنچتا ہے!!"

"مجھے تو ڈر لگتا ہے کہیں تمہاری یہ باتیں ......

میں ٹانگ اڑانے"

"مجھے تمہاری ان باتوں سے قطعی دلچسپی نہیں ہے"

"دلچسپی نہ سہی لیکن نفرت بھی تو نہ ہوگی۔ اور جب نفرت نہیں تو تمہیں یہ باتیں ضرور سننا پڑیں گی"۔

"آخر کب ہے آپ کی شادی؟"

"آٹھ روز بعد!"

"خدا انجام بہتر کرے اور آنے والی کے دماغ کو اپنی حفظ و امان میں رکھے!"

"چند گھنٹے باقی ہیں اور صبر کر لو۔ جہاں اتنا عرصہ گذرا ہے یہ چند گھنٹے اور سہی ......"

"تم خاموش کیوں ہو گئے؟"

"کچھ نہیں ایک بات سوچ رہا ہوں"۔

"آخر کیا میں بھی تو سنوں"

"یہ سوچ رہا ہوں ...... کہیں محترمہ کی ایک آنکھ ...... میرا مطلب ہے ...... خدانخواستہ ...."

"دونوں آنکھوں کو چوپٹ جو کر دو"

"خیر اتنی بڑی بات تو نہیں کہہ سکتا ...... لیکن اور ایک بات تو ضرور پوچھوں گا کہ تمہاری نجم الاولیا بیگم جو مبلغ ـ/۵۰۰ میں خریدی گئی ہیں اگر ایک آنکھ کی ہوتیں تو تمہارا کیا حشر ہوگا - یہ ارماں ... ولولے ... اور نہ معلوم کیا کیا ...... ان کا

با ہوگا۔ سب دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔"
"لیکن تم اطمینان رکھو وہ ایک آنکھ کی نہیں ہیں"
"کیا تم نے انہیں دیکھا ہے؟"
"دیکھا تو نہیں سنا ضرور ہے"
"سننے کی بات چھوڑو ..... بہرصورت تم کمرے میں داخل ہو کر
ان کی صورت کیسے دیکھو گے؟"
"تم پوچھتے کیوں ہو؟"
"مجھے تو کبھی کبھی اس آگ میں کودنا ہی ہے!"
"تجربہ مجھے بھی نہیں ہے۔ کل پوچھنا شاید تمہاری مدد کرسکوں۔"

اور وہ چند گھنٹے جو انور کے خیال میں صدیوں کی مسافت طے کر رہے تھے ایک ایک کرکے ختم ہوئے۔ باہر سے آواز آئی "پالکی تیار ہے۔ دولہا میاں کو لے چلئے"۔

دولہا میاں گھوڑے پر بیٹھے ...... چند ساعتیں ...... صرف چند ...... لیکن یہ بھی کتنی سست ہیں ختم ہی نہیں ہوتیں۔ جونک کی چال چل رہی ہیں — کسی نے آواز دی گھوڑے کو بڑھائیے ...... یہ گھوڑا بھی آج کتنا آہستہ آہستہ چل رہا ہے ..... یہ بھی بیچارہ کیا کرے۔ اس کے آگے چلنے والے بھی ذرا قدم نہیں بڑھاتے ..... غرضیکہ اب انور کا اشتیاق شاید پاگل پن کی حد سے بھی تجاوز کر چکا تھا .... لیکن یہ کیا ہوا ...... ہٹو ..... بچو ..... آخر کیا ہو رہا ہے .... گھوڑے کی پیٹھ پر کسی بچے نے پتھر کھینچ مارا اور وہ بدک گیا۔ اس پر لوگوں نے غل مچانا شروع کیا جس سے گھوڑا اور تیز بھاگنے لگا۔ ...... اب کیا ہوگا ...... کیا ہوگا ..... کوئی نہیں جانتا ..... گھوڑے نے دولہا کو ایک نالے میں جا گرایا۔ اف خدایا! کیا دلدوز حادثہ ہے ..... اٹھاؤ کوئی اٹھاؤ ..... کہاں چوٹ لگی ہے ...... سر پھٹ گیا ہے ...... خون بہت زیادہ نکل رہا ہے برف رکھو سر پر شاید خون تھم جائے ...... لیکن برف رکھنے سے بھی کچھ فائدہ نہیں ہوا ...... اب کیا ہوگا۔

..... کسی نے کہا ہسپتال لے چلو ..... بیچارے کو ہسپتال لیجایا گیا۔ ہسپتال پہنچ کر سر میں ٹانکے لگے تب کہیں جا کر خون بند ہوا ..... باراتیوں کے چہروں سے فکر کے آثار دور ہوگئے .....

"چلو خدا نے خیر کرلی ..... خون بند ہوگیا اب کوئی خطرہ نہیں ہے" ..... "دلہن کی خدا نے سن لی" "شاید اسی کی دعاؤں کا اثر ہو۔ ورنہ چوٹ تو بہت سخت آئی تھی"۔ یہ تھے وہ جملے جو باراتیوں نے آپس میں کہے۔ ہر ایک کو امید تھی کہ یہ صبح تک ٹھیک ہو جائیں گے ...... لیکن صبح ..... صبح ڈاکٹر نے خبر دی —

"دماغ پر سخت چوٹ آنے سے دولہا کی آنکھوں کی بینائی جاتی رہی ہے۔ اور ہو سکتا ہے یہ زندگی بھر ایسے ہی رہیں ...... بینائی جاتی رہی ...... بینائی ..... افسوس بیچارہ ...... دلہن کی صورت بھی نہ دیکھ سکے گا۔؟

"کون صاحب ہیں؟"
"میں ہوں!"۔
"کون محمود؟ آؤ بھائی آؤ۔ کہو تو اچھے تو ہو۔؟"
"کیسی طبیعت ہے اب آپ کی؟"
"ٹھیک ہے!"
"سنا ہے ڈاکٹر نے آپریشن کیا تھا؟"
"ہاں کیا تو تھا۔ لیکن بیکار"
"کیا مطلب؟"
"آپریشن آنکھوں کو واپس نہ لا سکا"۔
"ڈاکٹر اب کیا کہتا ہے؟"
"اپنی لاچارگی کا رونا روتا ہے۔ وہ بیچارہ بھی کیا کرے

اندھے کو بینائی کو دینا کسی کے بس میں نہیں "۔

"تمہاری بیوی آئی تھیں ؟

"ہاں کل آئی تھیں ...... پوچھو گے کیسی تھیں ؟ لیکن یہ میں تمہیں نہیں بتلاسکوں گا ...... اندھا ہوں نا "۔

"ایسی باتیں مت کرو تم جلد اچھے ہو جاؤ گے ۔ !

"میں نے تم کو اپنا تجربہ بتلانے کا وعدہ کیا تھا ...... یاد ہے ؟

"مریض کو ایسی باتیں نہیں کرنا چاہئیں اس سے مرض میں اور اضافہ ہوتا ہے "۔

"میں سوچتا ہوں کیا میں زندگی بھر اندھا رہوں گا ...... زندگی بھر ...... نہ معلوم زندگی میں مجھ سے ایسی کونسی خطا سرزد ہوئی ۔ جس کی پاداش میں مجھے اتنی سخت سزا مل رہی ہے "۔

"تو کل اُن سے کیا کیا باتیں ہوئیں ۔ ؟"

"باتیں ؟ وہ بیچاری تو خیر بیٹھا ہی بمشکل برداشت کر سکی ۔ ان کی موجودگی میں سوچتا رہا کہ ان کی شکل و صورت کیسی ہوگی ۔ لوگوں سے ان کی خوبصورتی کی تعریف ضرور سنی تھی لیکن یہ کسی نے نہیں بتلایا تھا کہ کیسی آنکھیں ہیں ۔ کیسی ناک ہے کیسا نقشہ ہے ۔ صرف خیالی نقوش تھے جو میری آنکھوں کے اِرگرد گھومتے رہے ۔ لیکن اس کی خوبصورتی نہ دیکھ سکا جس کی تعریف سنی تھی ...... تم خاموش کیوں ہو ...... میری باتوں کا جواب کیوں نہیں دیتے ...... کیا چلے گئے تھے "......

"نہیں بیٹھا ہوا ہوں !"

"کیا میری حالت پر آنسو بہا رہے ہو ؟" لیکن کیوں ...... اندھا ضرور ہو گیا ہوں ...... لیکن دل پر کوئی اثر نہیں آیا ہے ایک خوبصورت چیز کو آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا ۔ دل سے دیکھ لیتا ہوں اور پھر تصور میں تو بینائی کی ضرورت نہیں ہوتی ...... میں تمہیں بتلا سکتا ہوں کہ میری بیوی کی کیسی آنکھیں ہیں ۔ کیسی ناک ہے ۔ کیسے ہونٹ ہیں ۔ وہ جب چلتی ہیں تو کیا معلوم ہوتا ہے ...... لیکن یہ سب ایک خیالی تصویر ہوتی جسے میں ہمیشہ اپنے پاس رکھتا ہوں ...... اپنے پاس ...... اپنے دل میں ...... اسے خدا بھی مجھ سے نہیں چھین "

"میرے خیال میں تمہیں اپنی دلبستگی کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور کرنا ... کم از کم انکو ہی بلالو" !

"میں خود ہی اب گھر چلا جاؤں گا ۔ اب اس ہسپتال میں نہیں رہا جاتا ۔ یہ آنکھیں اب نہ آئی ہیں ۔ نہ آئیں گی جو کچھ ہو تھا ہو چکا ۔ !"

"کس سوچ میں بیٹھے ہوئے ہیں آپ ؟

"نہیں کچھ نہیں "

"آخر کچھ تو ہوگا ہی ؟"

"کوئی خاص بات نہیں ہے "

"خاص نہ سہی عام ہی سہی ۔ مجھے بتلانے میں کوئی عذر ہو نہ پوچھوں "۔

"سچ مچ ایک بات پوچھوں ؟"

"پوچھئے !"

"سچ سچ بتلاؤ گی ؟"

"آپ کی قسم "

"تمہیں مجھ سے نفرت نہیں ہے ؟"

"آج تک اپنے جسم سے کبھی کسی نے نفرت کی ہے "

"جسم میں جب ناسور پڑ جاتے ہیں تو اس سے بھی نفرت لگتی ہے "۔

تندرست ہونے کا ارمان ہوتا ہے نفرت نہیں ہوتی اگر نفرت ہوتی تو ہر شخص اپنے جسم کو کاٹ کر پھینک دیتا اور جسم کو کاٹنا موت کو دینا ہے "

"میری ایک بات مانو گی ؟"

"فرمائیے" !

الفت نے بہت کوشش کی کہ بجھا ہوا دیا پھر سے روشن ہو جائے لیکن میں ڈاکٹر کو بھی دکھاتا وہ اپنی لاچارگی کا اظہار کر دیتا۔ کسی نے کوشش بھی کی تو کارگر نہ ہو سکی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

یونہی دن گذرتے گئے۔ یہاں تک کہ میں نے تیسرا جنم لے لیا اور ایک روز ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

"میکہ سے جلدی کیوں لوٹ آئیں۔"؟

"ایک خبر سنانے"!

"کیا کوئی خاص بات ہے"۔

"ہاں"۔

"آخر کب"؟

"رات کے اندھیرے میں چاند کا ظہور"!

"کیا سچ"؟

"اب تک تو سچ ہی ہے"

"مبارک ہو!

"مجھے مبارکباد دینا کیا معنی رکھتا ہے؟ مبارکباد تو مجھے آپ کو دینی چاہئیے"۔

"نہ معلوم چاندنی ہے یا چاند"؟

"آپ کیا چاہتے ہیں"؟

"ایک ایسا انسان جس کے سینے میں دل نہ ہو۔

"یہ کیوں"؟

"خدا کیلئے بتائیے"۔

"کبھی اس کا بھی حشر مجھ جیسا ہی ہو"

"آخر آپ ان آنکھوں کے لئے اتنے پریشان کیوں ہیں"؟

"اپنی فطرت سے مجبور ہوں۔"

میں نے دکھ کو کوشش کی کہ یہ خیال آپ کے دماغ سے نکال دوں۔ لیکن تاحال مجھے اس میں کچھ کامیابی نہ ہو سکی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے کہ ایک نہ ایک روز آنکھیں ضرور ٹھیک ہو جائیں گی"۔

"اب اس کی کوئی امید نہیں"۔

"امید پر تو دنیا قائم ہے۔

"ممکن ہے ایسا ہی ہو"

"خیر چھوڑیئے ان باتوں کو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ بتلایئے۔ آپ نے ناشتہ کر لیا ہے؟

"کر لوں گا"!

"ابھی تک نہیں کیا۔ صبح کے دس بجے تو آنے"

"تم جو نہیں تھیں"!

"لیکن میں ملازم سے کہہ کر تو گئی تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور یہ کیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ میز پر کھانا کیسا بچا ہوا ہے"؟

"رات کا"

"کیا رات بھی کھانا نہیں کھایا۔

"نہیں"۔

"لیکن کیوں"؟

"آنکھیں ہی باہر چلی گئی تھیں۔ کھانا کیسے کھاتا"؟

"اف میرے خدا ۔ ۔ ۔ ۔ مجھے معاف کرو ۔ ۔ ۔ ۔ میں اب کبھی نہیں جاؤں گی"!

نجمہ کو امید تھی کہ بچہ ہونے کے بعد وہ انہیں اپنی آنکھوں کا خیال نہیں رہے گا وہ اسی امید میں گھڑیاں گن رہی تھی کہ بچہ پیدا ہو تو ان کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھ سکوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ساتویں مہینے کے شروع میں نجمہ ایک اونچی جگہ گر پڑی تھی۔ اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور حمل ساقط ہو گیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آخری امید بندھی تھی وہ ختم ہو گئی۔ پھر وہی غم کی گھٹائیں ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن نجمہ

پہلے سو بھی گھناؤنی ۔۔۔۔۔۔

اس حادثہ نے نجمہ کی زندگی پر اثر ڈالا ۔۔۔۔۔۔ ڈاکٹروں نے جواب دیدیا ۔۔۔۔۔ درخت میں ایک ہی شاخ بچی تھی جس پہ آسرا جایا ۔ اب وہ بھی ٹوٹ رہی ہے ۔۔۔۔۔۔ اب کیا ہوگا ۔۔۔۔۔ اف بیچارہ ۔۔۔۔۔۔ وہ سوچ رہا تھا ۔۔۔ دنیا میں کوئی چیز ایسی مل جائے جس کو بطور قیمت دے کر میں اس کی زندگی واپس لے سکوں ۔ ۔۔۔۔۔ لیکن ایسی کوئی چیز نہیں تھی ۔

"اب تمہاری کیسی طبیعت ہے ؟"

"اچھی ہوں !"

"رات کو نیند آگئی تھی ؟"

"ہاں کچھ دیر"

"میں بھی کتنا بدقسمت ۔۔۔۔۔۔"

"ایسا نہ کہئے ۔۔۔۔۔ بدقسمت تو میں ہوں جو آپ کے کسی کام نہ آسکی ۔ آپکا سہارا بننے کی کوشش کی لیکن خود لڑکھڑا کر گر پڑی ۔۔۔۔۔۔ میرے مرنے کے بعد ۔۔۔۔۔"

"ایسی بات زبان سے مت نکالو ۔۔۔۔ تم نہیں مر سکتیں ۔۔۔۔۔ میں تمہیں نہیں مرنے دوں گا ۔۔۔۔۔ تم نہیں مرو گی ۔۔ ۔۔۔۔ کیا خدا نے دنیا میں صرف مجھے ہی تختۂ مشق بنایا ہے ۔۔۔۔۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا ۔۔۔۔۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا ۔۔۔ ۔۔۔۔۔ ایسا نہ کہئے ۔

"آخر میں نے ایسا کون سا گناہ کیا تھا جس کی وجہ سے مجھے یہ سزا مل رہی ہے ۔"

"مجھے پیاس لگی ہے ۔ ذرا آدمی کو آواز دیدیجئے وہ دوائی کی شیشی دے جائے ۔"

"دوائی کہاں رکھی ہے ؟"

"سامنے میز پر ہے ۔"

میں لا کے دیتا ہوں ۔"

"آپ نہ جائیے ۔۔۔۔۔ آپ کو میری قسم کہیں دشمنوں کو چوٹ نہ لگ جائے ۔"

"کچھ نہیں ہوگا ۔۔۔۔۔ میں لے آتا ہوں ۔۔۔۔۔۔۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

"خیر تو ہے کیا ہوا آپ کو"

"کچھ نہیں پاؤں پھسل گیا تھا گر پڑا ہوں"

"اف میرے خدا ۔۔۔۔۔ دیکھوں ۔۔۔۔۔ کہیں چوٹ تو نہیں آئی ۔۔۔۔۔ یہ کہکر وہ اٹھی ۔۔۔۔ لیکن چند قدم چلنے نہ پائی تھی کہ گر پڑی ۔۔ اور ۔۔۔۔۔۔۔۔ مرض نے اور بھی شدت اختیار کر لی ۔

آخر تم سے اٹھنے کے لئے کس نے کہا تھا ۔۔۔۔ کہاں چوٹ آئی ہے ۔۔۔۔۔ لاؤ سر دبا دوں ۔۔۔۔۔۔

یہ کہکر اس نے نجمہ کے سر کو اپنی گود میں رکھ لیا ۔

تمہیں یاد ہے نجمی جب میں اور تم ۔۔۔۔۔ ایسے ہی گھنٹوں باتیں کیا کرتے تھے ۔ ۔۔۔۔۔ عجیب عجیب باتیں ۔ اور جب تم روٹھ جایا کرتی تھیں ۔ تو میں تم کو منانے کی لاکھ کوششیں کیا کرتا ۔ لیکن تم ایک نہ سنتیں ۔ ۔۔۔ اور آخر کار مجھے اپنی آنکھوں کی قسم دینا پڑتی ۔۔۔۔۔ اس پر تم ۔۔۔۔۔ تم جیسے روٹھی ہی نہ تھیں ۔۔۔۔۔۔

وہ دن جب ہم اپنے ہونے والے بچے کی خوشی میں راتیں جاگ کر گذارتے تھے ۔ ۔۔۔۔ شاید ہمیں یہ خیال ہوتا تھا کہ صبح ہی ہم بچے کی صورت دیکھ سکیں گے ۔۔۔۔۔ لیکن کسے معلوم تھا کہ وہ خوشی ایک روز رنج کی صورت میں تبدیل ہو جائے گی ۔ اور ہمیں بچہ کی صورت بھی دیکھنا نصیب نہ ہوگا ۔ ۔۔۔۔۔۔ لیکن تم اداس کیوں ہوتی ہو

بقیہ صفحہ ۱۱۰

مس خاں کے ٹوٹے ہوئے دل کو کس طرح سمجھائے۔ وہ صوفے پر بیٹھا ہوا چھت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اور مس خاں کبھی کبھی کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھ لیتی تھیں۔ کمرے میں صرف شرمیتی مس خاں۔ سلیم اور چنگاری تھے۔ اور فیصلہ سے چار دن بے خبر سکول کی موٹر آگئی اور مس خاں چلی گئیں۔ آج انہوں نے چھٹی نہ لی تھی۔ لیکن دوپہر سے قبل ہی لوٹ آئیں۔ شرمیتی نے پھر یہ سر پھیرا لیکن تسلی بخش جواب نہ پاکر خاموش ہوگئیں۔ شام کی گاڑی سے سلیم اور چنگاری واپس آرہے تھے۔ اور شرمیتی کو بریلی کسی کام سے جانا تھا۔ شام کی چائے مس خاں نے خود بنا کر بھیجی تھی۔ اس میں بہت سی لذیذ اور پر تکلف چیزوں کے علاوہ ایک پرچ میں دو مرجھائے ہوئے پھول دوسرے پرچ سے سرپوش رکھے تھے خالی برتن جانے لگے تو سلیم نے دونوں پھول اٹھا کر ان کی جگہ شرمیتی کا ایک خط رکھ دیا جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ "آپ کی ہونے والی دلہن حسین دراز قد کشادہ پیشانی روشن خیال مضمون نگار دوشیزہ ہیں" ملازم برتن لے گیا۔

مہمانوں کو الوداع کہنے کے لئے میزبان کی تمام سہیلی استانیاں سٹیشن پر موجود تھیں۔ مس خاں بھی سیاہ برقعہ میں ملبوس کھڑی تھیں۔ سب نے خدا حافظ کہا گاڑی روانہ ہونے لگی۔ تو مس خاں درخت کے پیچھے سے سلیم کے ڈبے کے سامنے آئیں ان کے ہاتھ میں دو مرجھائے ہوئے پھول اور سلیم کا بھیجا ہوا شرمیتی کا خط تھا۔

وہ مطلب سمجھ گئیں تھیں۔ ان کی آنکھیں کہہ رہی تھیں۔ کہ مجھے افسوس ہے۔ آپ نے ناحق تکلیف کی میں یہ بھی جانتی ہوں۔ کہ سکینہ نے کافی سے زیادہ حاشیہ آرائی سے کام لیا۔ اخلاقی مجرم سلیم کو اس واقعہ کا اب بھی جب خیال آجاتا ہے۔ مس خاں کی بھولی بھالی بے گناہ تصویر اور دو مرجھائے ہوئے پھول سامنے آجاتے ہیں۔

(صفحہ ۱۰۹ کا بقایا)

اللہ ہم کو اور دیدے گا ۔۔۔۔ میری طرف دیکھو ۔۔۔۔ بالکل غم نہیں ۔۔۔۔ لو اب سو جاؤ ۔۔۔۔۔۔۔ رات زیادہ ہے ۔۔۔ تمہارا سر تکیہ پر رکھ دوں ؟ ۔۔۔ نجمی ۔ نجمی ۔ نجمی ۔ لیکن نجمی اس دنیا سے کوسوں دور ہو چکی تھی اتنی دور ۔۔ جہاں وہ کوئی بات سن بھی نہیں سکتی تھی۔

حمید۔ اندر آجاؤ بارش ہو رہی ہے ۔۔۔۔۔ برآمدہ بھیگ جاؤ گے آج کل بھیگنا ٹھیک نہیں "

"سوچ رہا ہوں ۔۔۔۔۔۔ قدرت نے اندھے سے اس کی ماں بھی چھین لی اب اندھے کو ہی کس لئے زندہ رکھا ہوا ہے ۔ ۔۔۔۔۔۔ دن رات ٹھوکریں کھاتا ہے ۔۔۔۔۔۔۔ ایسی زندگی بھی کیا زندگی ہے"

میاں اندر چلو ۔۔۔۔۔۔ بجلی چمک رہی ہے "یہ اپنے مالک کی ستم ظریفی پر آنسو بہا رہی ہے اس کے سینے میں بھی دل ہے بیچاری دوسرے کے غم میں شریک ہو جاتی ہے۔ ۔۔۔۔۔ اور کر بھی کیا سکتی ہے سوائے آنسو بہانے کے ۔۔۔۔ بیچاری نجمی ۔۔۔۔۔۔ میرے ساتھ رہ کر کوئی سکھ نہ پا سکی ۔۔ ساتھی بھی ملا تو کیا ۔۔۔۔۔ اندھا جو کسی کے کام نہ آسکے ۔۔۔ وہ بھی تھی بے وفا ۔۔۔۔۔ خود سکون حاصل کر لیا ہے ۔۔۔ اور مجھے میری قسمت میں وہی ٹھوکریں نہ معلوم کب ختم ہوں گی ۔۔۔۔ اب تو قدرت سے بس یہی دعا ہے کہ مجھے بھی سکون مل جائے ۔۔۔ بالکل بالکل سکون جہاں میں اپنے اندھے پن پہ نہ رو سکوں ۔۔۔ جہاں مجھے کسی کی یاد نہ آسکے ۔۔۔۔ ایسا سکون جس سے میں خود کو بھی بھول جاؤں سکون ۔۔۔ بالکل سکون ۔۔۔ بجلی کا کڑک ۔۔۔ ہائیں یہ کیا ۔۔۔ یہ کیا یہ میرے ہاتھ ۔۔۔ یہ میرے پاؤں اور ۔۔۔ یہ ۔۔۔ محمود ۔۔۔ محمود ادھر آؤ منہ سامنے ادھر دیکھو ۔۔۔ میری طرف دیکھو ۔۔۔ یہ آنکھیں انہیں کیا ہو گیا ہے۔ دیکھو ان کو کیا ہو رہا ہے ۔۔۔ روشنی ۔۔۔ بجلی ۔۔۔ تم ۔۔۔ میں سب کچھ دیکھ

از نیر اے حسن انصاری

شادی کا اشتہار!

ہر شخص کی دلچسپیاں کے رجحان الگ الگ ہوتے ہیں کچھ لوگ سینما سے بہت زیادہ مانوس ہوتے ہیں۔ تو کچھ تھیٹر سے بھاری بھرکم قسم کے لوگ کبڈی کو اچھا سمجھتے ہیں۔ تو ہلکے پھلکے دل والے پتنگ لڑا کر خوش ہو لیتے ہیں۔ لیکن انسانی دلچسپی کے سامان ہمیشہ ایک ہی نہیں رہتے عمر کے ساتھ یہ بھی ڈھلتی چھاؤں کی طرح تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ بارہ برس کا عمر کا انسان اگر تاش کھیلنا پسند کرتا ہے تو یہ ضروری نہیں۔ کہ وہ عمر بھر تاش ہی کھیلتا رہے۔ وہ بہترین عالم بہترین فلسفی اور بہترین قمار باز بھی ہو سکتا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اپنے آئندہ سالوں میں بہترین گمراہ کن لیڈر بن جائے۔

لیکن ہر شخص کی زندگی میں اگر نہیں تو ننانوے فیصدی لوگوں کی زندگی میں ایک زمانہ ایسا ضروری آتا ہے جب کہ وہ "ضرورت شادی" کے اشتہاروں میں دلچسپی لیتے ہیں اخبار خریدتے ہیں۔ تو صرف اس اشتہار کے لئے۔ پڑھتے ہیں تو صرف اسی حصہ کو جس میں یہ اشتہار شائع ہوتے ہیں۔ اور یہ پڑھ لینے کے بعد بیچارے اخبار کو دوبارہ اس کے ہاتھوں میں ہونا نصیب نہیں ہوتا۔ ہمارے سلیم بھائی بھی ان ننانوے فیصدی والوں میں تھے۔ ہندوستان ٹائمز کو چندہ صرف اس لئے دیتے تھے کہ وہ شادی کے اشتہار چھاپتے ہیں۔ اور باقاعدہ طور سے اکثر اشتہار دینے والوں سے آپ کی خط و کتابت رہتی تھی۔ لیکن مکمل کبھی نہ ہوتی۔ صرف دلچسپی کا سامان ہی ہو کر ٹھہرا۔ خوش قسمتی یا بدقسمتی سے ایک صاحب سے آپ کی خط و کتابت کم و بیش چھ ماہ رہی۔ اور پھر خوش قسمتی سے یا بدقسمتی سے وہی وہ صاحب اتفاق سے "صاحب" نہیں تھیں۔ سلیم سے شریمتی سکینہ دیوی خط و کتابت کر رہی تھیں۔ چھ مہینے کی خط و کتابت میں شریمتی نے یہ لکھا "کہ لڑکی مسلمان پابند صوم و صلوٰۃ حسین و جمیل امور خانہ داری میں ماہر اور الیف اے پاس برسر روزگار ہے۔ آپ ہم کو قطعی پسند ہیں۔ صرف ایک بار برائے نام نمائش کے لئے آ جائیے۔ میں لڑکی کی بڑی بہن کی قریب ترین سہیلی ہوں۔ آپ کے خطوط ہم سب کے لئے سامان دلچسپی ہوتے ہیں۔ گھنٹوں ان خطوطوں پر بحث ہوتی ہے۔ بعض دفعہ خواب میں بھی آپ ہی نظر آتے ہیں۔ آپ ایک دفعہ اور بس ایک دفعہ ضرور تشریف لاویں۔ روہیلکھنڈ تاریخی علاقہ ہے۔ آپ کو خوب سیر کرائی جائیگی۔ حافظ رحمت خاں کے حمام میں آپ کو نہلانے کا انتظام کیا جائیگا۔ حافظ رحمت خاں کے بنائے ہوئے پل پر ہم سب لوگ کھڑے ہو کر ریت سے لبالب بھری نہر کا نظارہ کیا کریں گے۔ حافظ رحمت خاں کی بنائی ہوئی مسجد میں (اگرچہ ہندو دیوی ہوں) آپ اور آپ کی "ہونیوالی دلہن" اکٹھے نماز پڑھینگے۔ اور آپ کی "ہونیوالی دلہن" ایک روشن خیال مضمون نگار دوشیزہ .... ایک قابل معلمہ ہیں ہمارے سکول کو ان پر ناز ہے اور آپ کی "ہونیوالی دلہن" روہیلکھنڈ کے ایک اعلیٰ خان کی دختر نیک اختر ہیں۔ ان کے بھائیوں میں روہیلے سپاہیوں کی تلوار آبداری کی چمک نظر آتی ہیں۔ حافظ رحمت خاں کا خون ان میں موجیں مار رہا ہے۔ وہ بہت اچھی فوٹو گرافر ہیں۔ اور ہاں وہ انگریزی کہانیوں میں تو

بس ماہرین سکول کے ہیڈ نرسیں ۔۔۔۔ بادستور ہی ہوتی ہیں ۔ اور آپ کی "ہونیوالی دلہن" شرم و حیا کا مجسمہ ہیں ۔ گھر سے کبھی قدم باہر نہیں رکھا ۔ دا گریجو سکول میں معلمہ ہیں ۔ برقعہ پہن کر آتی جاتی ہیں ۔ لیکن پردہ سے کوئی خاص انسیت نہیں ۔ پردہ کے متعلق ان کی آئندہ رائے آپ کی رائے پر منحصر ہوگی ۔ اور آپ ایک دفعہ ضرور آیئے ۔ اک بار ضرور لکھئے گا ۔ کہ کب تشریف آ رہی ہوگی ۔

سلیم نے اس چھ ماہ کے عرصہ میں اپنی "ہونیوالی دلہن" کی بڑی بہن کی قریب ترین سہیلی کو یقین دلا دیا ۔ کہ وہ اپنی ہونیوالی دلہن" میں ہر خوبی دیکھ رہا ہے اور کیوں نہ ہو آخر مرحوم حافظ رحمت خاں کے خاندان کی یادگار ہے ۔ اسے یقین ہے اس کی ہونیوالی دلہن بہترین بہو ، بہترین بیوی ، بہترین ماں ، اور بہترین ساس ، بن سکے گی ۔ اور وہ اپنی "ہونیوالی دلہن" کو دیکھنے کے لئے ضرور آئیگا ۔

اپنی "ہونیوالی دلہن کو دیکھنے کے لئے" آنا ذرا عجیب کی بات تھی لیکن سلیم کے پر زور اصرار اور شرمیلی جی کے دبی زبان میں ان کا نتیجہ صرف "آپ آیئے تو سہی دیکھا جائیگا" نکلا ،

اب سوال یہ تھا کہ "ہونیوالا دولہا" "ہونیوالی دلہن" کو دیکھنے تنہا جائے یا کسی شری مان کے ساتھ ۔ وہاں بھی تو شریمتی سکینہ دیوی وکیل ہیں ۔ یہ آخر بلا وکیل کیوں جاتے ۔ اور پھر وہ سکول بیسیوں استانیاں سینکڑوں لڑکیاں پردیس میں نیا شہر اور پھر وہ شہر بھی ایسا جہاں حافظ رحمت خاں نے گوروں اور ان کے کالے علم برداروں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا ۔ اور سلیم ٹھہرے خالص انگریز بیچارہ صرف رنگ سے مجبور تھا ۔ اور اس پر کوئی بس نہ چلتا تھا ۔ بہت سوچ اور کئی ناکام اور کامیاب بحثوں کے بعد ۔۔۔۔۔ سوچ بچار کے بعد جیتے دوست "چنگاری" کو اکسایا شریمتی سکینہ دیوی اور گرلز سکول اور پھر سلیم کی "ہونیوالی دلہن" سے ملاقات بھلا کون بیوقوف ہے جو موقع ہاتھ سے دے ۔ ویسے تو خط و کتابت میں بھی چنگاری پچاس فیصدی کے حصہ دار تھے ۔ لیکن یہ "دولہن کے ہاں جانا" خاص طور سے پُر لطف تھا ۔ لیکن "ہونیوالی دلہن" دلیس میں "چنگاری" بھی کسی کو نہ جانتے تھے ۔ ضروری یہ سمجھا گیا کہ چلنے سے پہلے وہاں کے کسی ایماندار مولوی سے فتویٰ لے لیا جائے کہ سلیم کی "ہونیوالی دلہن" کیا اور کیسی ہیں ۔ چنانچہ یہ مشکل اس طرح حل ہوئی کہ سلیم کے رامپور کے ایک چہری مار دوست منظور نے اپنے ایک دوست کو جو "لنکے" شہر میں رہتے تھے ۔ خط لکھا کہ "جملہ حالات فلاں بنت فلاں سکنہ فلاں پیشہ معلمی سے کم و کاست فوراً مطلع کیا جائے" مولوی سر نید نے شریمتی سکینہ دیوی کے نہلے پر دہلا مارا اور ہفتہ عشرہ میں لکھ بھیجا کہ "حسب حکم حضور کی تعمیل کی گئی جواب میں عرض ہے ۔ کہ دوشیزہ موصوفہ حسن کی جیتی جاگتی مسجمہ ہی ہر زاویہ سے دیکھا ۔ ہر پہلو سے ناپا لیکن کسی کونے میں ایک دانہ کم نہیں ۔ ہر وہ خوبی جو مثالی حسن کا ایک مسئلہ ہو سکتی ہے ۔ آپ کی ہونیوالی بھابی میں موجود ہے ۔ شاید ۔۔۔ آپ بنفس نفیس ملاحظہ فرمانے پر کچھ زیادہ ہی پائیں گے ؟ ۔

حالات حسب منشا تھے ۔ سلیم کو مولوی سر نید کے فتوے پر ایمان لانا ہی چاہیے تھا ۔ آخر مولوی سر نید کو جھوٹ بول کر کے رکعت کا ثواب ملتا ۔ اور پھر سلیم کے چہری مار دوست منظور بھی چہرے اور جسامت سے تو اچھے خاصے شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں ۔ شک کی گنجائش ہی نہ ہو سکتی تھی ۔ "اسباب سارا راہ سفر کا سمبھال کر" غرض کہ سلیم "چنگاری" منظور کی دعا ! اور ہمدردیاں ساتھ لیکر جنوری کی ایک کڑکڑاتی رات کو تین بجے گھر سے نکلے اوور کوٹ مفلر اور سوئٹر کے باوجود دونوں گرمی سے دور تھے "ہونیوالی دلہن" ہی کا ایک ایسا خیال تھا ۔ جو بجلی بن کر سلیم کو چلا رہا تھا ۔ اور راس کے کندھے پر ہاتھ رکھے پیچھے چلے جا رہے تھے ۔ سٹیشن پر دیکھا تو گاڑی میں جگہ اسباب ڈالنے کے لئے بھی نہیں بڑی مشکل سے ایک آدمی کی جگہ ملی ۔ وہ بھی اتفاق سے نہ آ سکا تھا ۔ لیبل لگا ہوا تھا ۔ لیکن جگہ خالی دونوں ہمت کر کے بیٹھ ہی تو گئے ۔ پھر تو

[illegible]

[illegible] پڑھنے والوں

کا بے انتہائیوں لعنے سافروں کی زیادتی تعداد سے ہو کہ ان کی حیثیت

ذعل پڑ گیا ہوگا۔ اس کا مرف تصور ہی کر لیجئے آپ کو لزا دینے

کے لئے دہی کافی ہوگا۔

لیکن "سٹیشن پر پہنچے تو استقبال کے لئے سوائے

آنے جانیوالے مسافروں کے اور کوئی نہیں چنگاری ٹھہرے۔

امیر الامراء کے پوتے ان کی یہ سرد مہری دیکھ کر بوکھلا گئے اور

واپس چلنے کی ٹھانی۔ لیکن یہاں بھی سلیم کی ثابت قدمی کام آئی

اگرچہ چاہتے تو چنگاری بھی یہی سکتے۔ کہ "آنکھی" اس لغزش کو درگذر

کردیا جائے۔ شمری امتی سکینہ دیوی نے نہایت شاندار ریسٹ

ہاؤس میں اپنے مہمانوں کے ٹھہرانے کا انتظام پہلے ہی سے کر رکھا

تھا۔ ان دونوں کے پہونچنے پر باوردی بیروں نے سجے سجائے کرے

کھولدیئے میزبان کو اطلاع کرائی گئی۔ صبح کا وقت تھا۔ جواب آیا کہ

موصوفہ چائے پر انتظام کررہی ہیں۔ آگے آگے سلیم اور پیچھے چنگاری

شریمتی کے بنگلے میں داخل ہوئے ہر قسم کے فرنیچر سے آراستہ ہال

میں ایک طرف کھانے کی میز پر چائے کے برتن لگے ہوئے اور دوسری

طرف صوفے کرسیاں قالین دنیا بھر کا سامان نہایت قرینے سے

رکھا ہوا تھا۔ ایک طرف ایک صوفے پر ایک اعظیم الشان تھیلا

(جو انگریز فوج کے گورے سپاہیوں کے پاس سامان بھرنے کیلئے ہوتا ہے)

پڑا رکھا نظر آیا سمجھ میں نہ آیا کہ اتنے باقاعدہ مکان میں صوفے پر

یہ تھیلا کس لئے رکھا گیا تھا۔ گیلری میں کھڑے ہوئے شریمتی کے

استقبال کے لئے آنے کے انتظار میں گلوں کے رنگ بہتے پھول

دیکھنے کھڑے ہوگئے۔ چند لمحوں کے بعد دیکھا۔ کہ تھیلا متحرک ہے

اور آہستہ سے باہر کی طرف آرہا ہے۔ دروازہ پر پہونچ کر حقیقت

نظر آنے لگا۔ اور یہ تو ایک خاتون تھی۔ جو منہ کے بالوں سے لے کر

سینڈل تک چمکیلے سیاہ رنگ کی بنی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

[illegible] اور تعریف ہوئے اب معلوم ہوا کہ [illegible]

دیوی ہیں۔ ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات شریمتی کے آتے ہی

ان کے موکل کا چہرہ کچھ دھندلا دھندلا نظر آنے لگا۔ ان کی تمام

خط و کتابت منظور۔ اور مولوی مریند رسب کچھ بعد دیگرے

آنکھوں کے سامنے اس طرح چلتے پھرتے معلوم ہونے لگے جس طرح

ریل میں بیٹھا ہوا مسافر دوڑتے ہوئے درختوں اور کھیتوں کو حسرت

بھری نگاہوں سے دیکھتا ہے اور پھر ریل کھڑی ہوگئی ہر چیز ساکت

معلوم ہونے لگی

بادل ناخواستہ چائے پی میزبان تاڑ گیا کہ مہمان کچھ دل

شکستہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن رات کی تکان آڑے آگئی۔ اور کچھ ظاہر

نہ ہونے دیا پھر یہ خیال کہ یہ کیا ضروری ہے کہ وکیل کا موکل بھی ایسا

ہی ہو۔ جیسا کہ وکیل ممکن ہے کہ یہ سب "خیال" ہو۔ یہ امید صرف

دس فیصدی رہ گئی تھی۔ شریمتی نے چائے کے دوران میں راستہ

کی تکالیف پر ہمدردی ظاہر کی اور اپنی تمام خط و کتابت کو مختصر الفاظ

میں دہرا کر لوٹتے ہوئے دل پر مرہم رکھنے کی کوشش کی اور سلیم نے

بھی کچھ دیر کیلئے اپنے کو دھوکہ ہی دے لینا مناسب سمجھا۔ آزمائش

بڑی کڑی تھی۔ دن رات زیارت سے کسی طرح کم نہ تھا۔ پرتکلف

کھانوں اور شریمتی کی باتوں میں دو دن گذر گئے۔ دوسری رات ان

کی سہیلیوں سے ملاقات کی رات تھی۔ سلیم کو خیال ہوا کہ شاید اس

جمگھٹ میں ان کی ہونیوالی دلہن بھی ہوں گی۔ آخر تعلیم یافتہ ہیں۔

حسن مجسم ہیں اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ معلم ہیں۔ بغیر دیکھے کس

طرح اپنے "ہونیوالے والے دولہا" کو قبول کرلیں گی۔ وہ وقت

بھی آیا۔ ایک دو تین چار چھ سات دس بارہ خواتین ایک ایک

دو دو کر کے اس طرح آئیں۔ جیسے تھیٹر کے سٹیج پر ڈرامے کے

وقت ایکٹرلیسیں آتی ہیں۔ اور میلہ لگ گیا۔ شریمتی نے تعارف کرایا

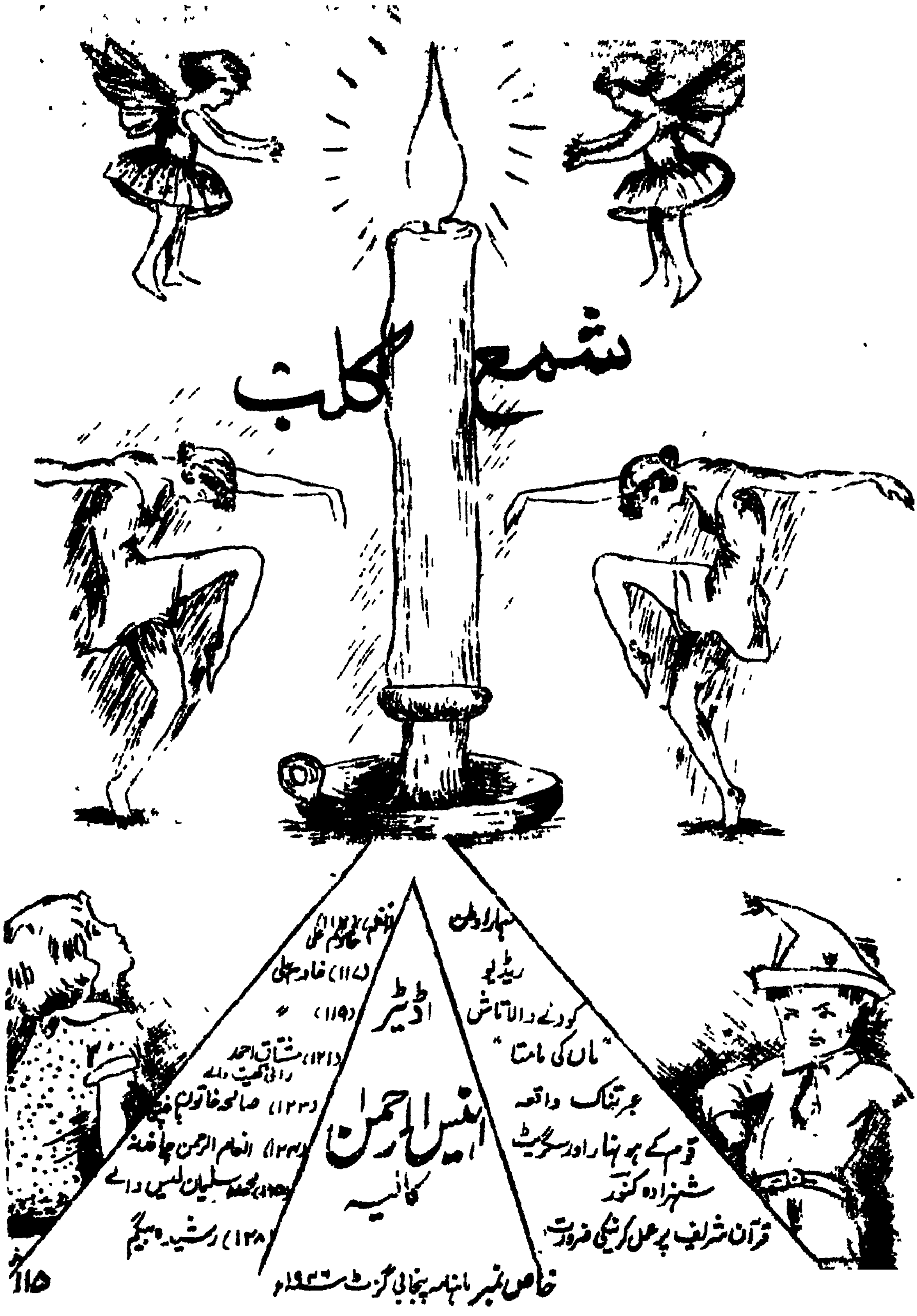
مس لائل۔ مس میوارلڈ۔ مس ہربرٹ۔ مسز شرما اور مسز

اگروال وغیرہ وغیرہ سلیم اور چنگاری نے سب جیسے [illegible]

ا۔ یہ ممکن تھا کہ "ہونیوالی دولہن" شکل اور نام سے متعارف کرا دی
جاتی۔ لیکن یہ دونوں بھی زبردست دال تھے۔ لیکن انکار مس شرمیتی
خلوط اور مولوی سرینیدر کے بیان کے مطابق چل رہا تھا۔ ہر چہرہ
لیتا اور بنگلے کی طرف روانہ ہوجاتا آخر یہ خیال آیا کہ انھیں بلا یا
نہیں گیا۔ اور اس خیال نے یقین کی شکل اختیار کرلی۔ ان شکلو
ں دو تین قابل قبول ضرور تھیں۔ لیکن صاف ظاہر تھا کہ وہ "ہونیوالی
دلہن" نہیں ادھر ادھر کی باتوں اور ایک دوسرے پر فقرے کسنے
ن رات کے تین بج گئے خواتین نے شادی سے پہلے ہی سلیم اور چنگاری
دونوں کو دل کھول کر پریشان کیا ہر فقرہ اپنی جگہ پر تیز لیکن اچھا ہوتا
تھا۔ ریسٹ ہاؤس اور شرمیتی کا بنگلہ شہرت بالکل باہر ہونے
کی وجہ سے گیدڑوں اور کتوں سے بالکل قریب تھا۔ جنگلی
جانوروں کے وہ لوگ عادی ہوچکے تھے لیکن مہمانوں نے خوب
لطف اٹھایا۔ گیدڑ کی آواز کا چنگاری نے "نان کر خوردی کمو"
ترجمہ کیا تو ان خواتین میں سے ایک نے دوسرے کے کان میں کہا
معلوم ہوتا ہے یہ لوگ جانا چاہتے ہیں" یہ سب اپنی گفتگو میں
ہندی کے "مسیر" زیادہ استعمال کر رہی تھیں۔ ان ایک خاتون
کی ترجمانی پر دونوں مہمانوں کا ماتھا ٹھنکا لیکن بات آئی گئی ہوئی محفل
برخاست ہوگئی۔ اور صبح کو پھر چائے پر ملنے کے وعدہ سے جب
گئے سلیم اور چنگاری بھی "دھڑکتا ہے دل زلزلہ خدا خیر کرے"
کہتے ہوئے ڈاک بنگلے میں چلے گئے۔

آج ان کا دہلی کھنڈ میں آخری دن تھا۔ شام کی گاڑی
سے واپس ہونے والے تھے۔ لیکن "ہونیوالی دلہن" سے ابھی تک
تعارف نہ ہوا تھا۔ چائے پر آتے ہوئے سلیم نے طے کرلیا کہ آج
بالکل صاف الفاظ میں تعارف کا مطالبہ کیا جائے گا۔ چنانچہ یہ بھی
ہوا۔ شرمیتی نے جواب دیا "اگر آپ لوگ مل چکے ہیں" ان اس
جواب سے سلیم کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ نڈھال

پھر یاد کی۔ بدشکل ہے مس خان کو بلا لیا "ہونیوالی دلہن"
آئیں لیکن اس طرح جیسے رخصت کے وقت شرماتے ہوئے
دلہنیں چلا کرتی ہیں۔ یہ تو وہی تھیں۔ جنہوں نے گذشتہ شب
سلطان کے "نان کر خوردی خانہ برد" کا ترجمہ کرکے اپنی سہیلیوں
سے کہا تھا کہ "معلوم ہوتا ہے یہ لوگ جانا چاہتے ہیں" مس خان
نام خدا کوئی بتیس برس کی خاتون تھیں۔ رنگ سیاہی مائل سر
میں آدھے بال سفید پیشانی اور پستہ قد سلیم نے اپنی "ہونیوالی
دلہن" کو دیکھا۔ اور سر جھکا لیا چہرے سے محسوس ہورہا تھا
کہ تمام امیدیں خاک میں مل گئیں۔ اپنی تکلیف اور محنت رائگاں
گئی کہ تعلق خیال نہ تھا۔ ایک سوال اس کے دماغ میں بار بار آرہا
تھا۔ کہ انکار میں وہ جلا تا گیا ہوگا۔ اور اقرار میں اپنے ماں باپ
بھائی بہنوں اور دوستوں میں اس کا درجہ کیا ہوگا۔ اگر انکار
کرے تو مس خان کو کتنا صدمہ ہوگا۔ اور ان کی سہیلیاں ان کا
کس طرح مذاق اڑائینگی۔ اور صدمہ کس ممکن حد تک جاسکتا ہے
بدشکل سے بدشکل عورت بھی یہ سننا کبھی گوارہ نہیں کرے گی کہ
اس کے "ہونیوالے دولہا" نے اس سے شادی کرنے سے انکار
کردیا۔ صرف اس لئے کہ وہ بدشکل ہے اور سلیم کے متعلق
اس کو خود یقین تھا۔ کہ وہ رستہ کے لئے جا رہا ہے اور کر کے
آئے گا۔ لیکن اب وہ پیچھے ہٹ رہا ہے۔ اس اخلاقی جرم کے
ذمہ دار شرمیتی سکینہ دیوی منظور اور مولوی سرینیدر تھے
لیکن اب وہ خود آخری فیصلہ کے لئے موجود تھا۔ اور شرمیتی
کا سوال "جو کہئے کیا خیال ہے" اس کے دماغ میں گونج رہا تھا۔
مس خان ایک صوفے پر شرمیلی دلہن کی طرح بیٹھی تھیں۔ کسی
کسی بات کے جواب میں "جی" اور "جی نہیں" کہہ دیتیں اور بس سلیم
اگر مس خان کا دل رکھے تو خود زبردست قربانی دے۔ لیکن
کس جرم میں وہ خود گرفتہ کیا گیا تھا۔ اگر ٹالے تو کس طرح اور



شمع کلب
(۱۱۷) خادم علی
(۱۱۹)
(۱۲۱) مشتاق احمد
(۱۲۳) صالحہ خاتون
(۱۲۴) انعام الرحمن
(۱۲۵) محمد سلیمان
(۱۲۸) رشیدہ بیگم
اڈیٹر
انیس الرحمن
ہمارا وطن
ریڈیو
کودنے والا تماش
"ماں کی ممتا"
عبرتناک واقعہ
قوم کے ہونہار اور سگریٹ
شہزادہ
قرآن شریف پر عمل کرنے کی ضرورت
خاص نمبر ماہنامہ پنجابی گزٹ

ہمارا وطن

یہ پاکستان ہے ہمارا وطن
ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

وہ اس کے درختوں کی سبزیاں
وہ پھل پھول پودے وہ پھلواریاں

یہ پاکستان ہے ہمارا وطن
ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

وہ ساون میں کالی گھٹا کی بہار
وہ برسات کی ہلکی ہلکی پھوار

یہ پاکستان ہے ہمارا وطن
ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

وہ اٹھیں درختوں کا وہ جھومنا
وہ پیڑوں کا پھولوں کا منہ چومنا

یہ پاکستان ہے ہمارا وطن
ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

اسی سے ہے جینے کی ساری بہار
وطن کی محبت یا مالک کا پیار

یہ پاکستان ہے ہمارا وطن
ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

خطابات ہوئے ختم نوابیاں
ہیں زوروں پہ اب جنگ کی تیاریاں

یہ پاکستان ہے ہمارا وطن
ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

وہ اسلامی ریاست وہ پاکستان
لرزتا ہے جس سے یہ ہندوستان

وہ پاکستان ہے ہمارا وطن
ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

لہ ضرورت شعری کی بنا پر

جاری شدہ سنہ ۱۹۳۰ء
بانی علامہ سیماب اکبرآبادی (مرحوم)
اردو کا اڑتالیس ۴۸ سالہ علمی ادبی اور تہذیبی ماہنامہ

شاعر بمبئی

مدیر اعلیٰ :- اعجاز صدیقی

مدیر معاون :- یونس اگاسکر

ادارۂ تحریر و مشاورت
ڈاکٹر محمد حسن
ڈاکٹر ظ۔ انصاری
آغا رشید مرزا

مہتمم :
ناظر نعمان صدیقی

جلد - ۴۸
فون نمبر ۳۵۹۹۰۴
شمارہ - ۲ - ۱۹۷۷ء

بدلِ اشتراک

سالانہ ——— ۱۶ ——— روپیے
لائف ممبر ——— ۵۰۰ ——— روپیے
عمر خریداری ——— ۲۵۰ ——— روپیے
ممالکِ غیر سے ——— ۲½ ——— پونڈ

ترسیلِ زر کا پتہ
ماہنامہ "شاعر" قصر الادب بمبئی ۴۰۰۰۰۸

خط و کتابت کا پتہ
ماہنامہ "شاعر" مکتبہ قصر الادب
پوسٹ بکس نمبر ۴۵۲۶ بمبئی ۴۰۰۰۰۸

جہاں ایک سفر میں ایک دوسرے سے ٹکرا کر ٹوٹ پھوٹ جاتا
جیسے تالاب میں کئی پتھر پھینکے سو ٹکڑے ٹوٹ جاتے ہیں۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب ہم کسی چیز کو بجاتے ہیں تو اس کے اندر کی ہوا میں بھی وہی تھرتھراہٹ پیدا ہوتی ہے جو اس کی جھلی پر ہوتی ہے۔ ریڈیو کا بھی وہی حساب ہے یعنی اس ہوا کی تھرتھراہٹ کو ہم بجلی کی تھرتھراہٹ میں تبدیل کر لیتے ہیں اور اس طرح ہوا کی لہروں کی بجائے بجلی کی لہریں پیدا کر لیتے ہیں جو اتنی طاقتور ہوتی ہیں کہ کرۂ زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک لاکھ اسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے سفر کر سکتی ہیں۔ اور سفر کے دوران میں ایک دوسرے سے ٹکرا کر ٹوٹتی پھوٹتی بھی نہیں۔

آپ کہیں گے کہ لہریں تو بغیر تار کے سفر ہی نہیں کر سکتیں نہیں بغیر تار کے بھی سفر کر سکتی ہیں۔ ان کی مثال بھی روشنی کی سی

[illegible] ہیں
طرح بھی سفر کرتی ہیں۔

اچھا اب دو اسٹیشن بنائیے۔ ایک تو اصل ریڈیو اور دوسرا گھر کا ریڈیو۔ جس وقت ریڈیو اسٹیشن پر کوئی بولتا ہے تو ہوا میں لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ لہریں ایک ایسے باریک پردہ پر جا کر پڑتی ہیں جو ہمارے کان کے پردے سے مشابہ ہے۔

یہ پردہ بولنے سے بہت زور سے تھرتھرانے لگتا ہے۔ ایک مقام پر بجلی کا خزانہ بھی ہوتا ہے جس میں سے بجلی کی لہریں اسی باریک پردہ کے تھرتھرانے سے بجلی کی لہروں میں بھی تھرتھراہٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ تھرتھراتی ہوئی لہریں ایک تار کے ذریعے ایک جگہ جاتی ہیں جہاں ان کو بہت طاقتور بنایا جاتا ہے اور یہاں یہ اس قدر ہوتی ہیں کہ آزاد کر دی جائیں ان کی مثال بالکل ان کی سی ہے جو اپنے پیروں میں خطوط باندھے ہوئے ایک ملک سے دوسرے

[illegible]

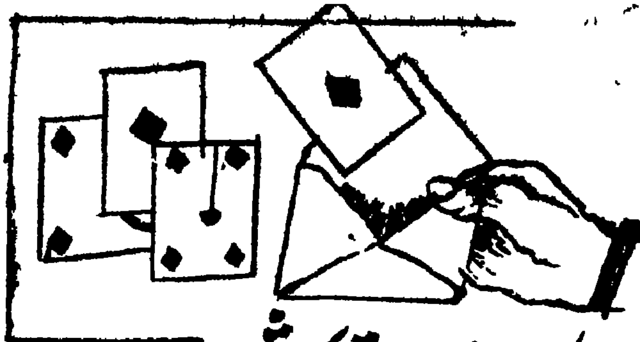
تے ہیں اور ان کے سر پر لوہے کے تار لگے ہوتے ہیں۔ ان کبوتروں
کا بکس کھلے جن سے برقی کبوتر اڑنے کے لئے کھول دیے جاتے ہیں
یہ تمام دنیا میں ایسی تیز رفتاری سے اڑنے لگتے ہیں کہ ہم قیاس
نہیں کر سکتے ان کے سامنے اگر مکان، دیواریں اور قلعے بھی آجائیں
تو بھی ان کے لئے روک نہیں۔ روشنی رک سکتی ہے مگر یہ نہیں

آپ نے کبوتروں کی چھتری تو دیکھی ہوگی۔ بس اسی میں کبوتر پکڑے
ہیں۔ بس دو چھوٹے چھوٹے بانس اور ایک تار۔ ایسی ہی
جو آپ کے مکان پر بھی لگی ہوتی ہے۔ یہ برقی کبوتر جیسے ہی
سے چھٹتے ہیں ان چھتریوں میں گھس جاتے ہیں اور
ہو جاتے ہیں۔ یہاں ایک باریک سے پردے پر آہستہ آہستہ
ٹھونگیں لگاتے ہیں بالکل اسی طرح جیسے انڈے میں سے نکلتے وقت
بچے کا ٹھونگا۔ یہ تھرتھراہٹ پھر ہوا کی تھرتھراہٹ میں
بدل ہو جاتی ہے وہیں ایک آلہ بلند آواز لگا ہوتا ہے۔ جو اس ہلکی
تھرتھراہٹ کو بلند کر دیتا ہے اب آپ سوچیں گے کہ یہ تو بہت
کا کام ہے۔ مگر ہمیں اس کو بھی ایسا ہی سمجھنا جیسے آپ آپس
میں باتیں کرتے ہیں۔ جتنی دیر ان کے سننے میں لگتی ہے اتنی ہی دیر
ان برقی کبوتروں کو ریڈیو اسٹیشن سے ریڈیو سیٹ تک آنے میں لگتی ہے

پنجابی گزٹ

ہر ماہ کی پندرہ تاریخ کو شائع ہوا کرے گا

(منیجر)



کودنے والا تاش

از (خادم علی)

یہ دلچسپ کھیل تم اپنے دوستوں کو دکھا سکتے ہو۔ وہ بہت حیران ہوں گے۔ حالانکہ اس میں حیرانگی کی کوئی بات ہی نہیں۔

اس عجیب و غریب تاش کے بنانے کے لئے تم کو تاش کے دو پتوں، ایک لفافہ اور ایک لچک دار ربڑ کی ضرورت ہوگی۔ سب سے پہلے دو کارڈ تیار کرو۔ ان کو اس طرح کاٹو کہ ہر کارڈ کے بیچ سے سوراخ کر کے اسے نیچے تک پہنچا دو۔ اب تم ربڑ کا ٹکڑا لو اور اس کے دونوں سروں پر گرہیں لگا دو۔ پھر اس ربڑ کو دونوں پتوں کے شگاف میں اس طرح ڈالو کہ گرہیں دونوں پتوں کے پیچھے اٹک جائیں پھر ان پتوں کو لفافے میں رکھ کر لفافے کو تھوڑا سا دبا کر پکڑو تاکہ ربڑ دونوں پتوں کے درمیان ڈھیلا رہے اب تم اپنے دوستوں سے کہو کہ یہ جادو کا لفافہ ہے۔ میں اس میں بار بار کارڈ رکھتا ہوں

لیکن یہ باہر نکل آتا ہے پھر تم ایک اور کارڈ لو اور اس کو دونوں کے درمیان رکھ کر ذرا نیچے کی طرف دباؤ اس طرح کرنے سے ربڑ کھنچ جائے گا پھر اپنے ہاتھ کو ڈھیلا چھوڑ دو تو کارڈ باہر نکل پڑے گا۔ اس طرح بار بار دہراؤ

نوٹ:۔ لچک دار ربڑ سائیکل کا ٹیوب کاٹ کر حاصل کیا جا سکتا ہے اس کی لمبائی تقریباً ۲½ انچ اور چوڑائی ½ انچ ہونا چاہئیے۔

رجسٹر نکاح

نمبر شمار	تاریخ	تاریخ نکاح	نام نوشہ	عمر	ولدیت نوشہ	سکونت	ولدیت عروس	سکونت	حق مہر
[illegible]	[illegible]	[illegible]	محمد عاشقین	٣٠ سال	شیخ علاؤ الدین میرٹھ والے	صدر میرٹھ	فیض الدین [illegible] والے	جلیانوالہ	٢١٠٠
[illegible]	[illegible]		محمد اقلیم	٢٣ سال	شیخ محمد صدیق مرحوم [illegible]	[illegible] گنج	محمد جان لاہور والے	[illegible]	٣١٠٠
[illegible]	[illegible]	[illegible]	احسان الٰہی	٢٥ سال	منشی رحیم الٰہی لاہور والے	نواب گنج	محمد الدین [illegible]	[illegible]	٣١٠٠
[illegible]	[illegible]	[illegible]	عمر الٰہی	٢٢ سال	محمد عاشقین	باغیچی [illegible]	محمد امین [illegible] والے	[illegible]	٣١٨٠
[illegible]	[illegible]	[illegible]	محمد بشیر	٢١ سال	محمد ابراہیم [illegible] مرحوم	شیش محل	محمد اشفاق [illegible] والے	[illegible] گنج	٣١١٠
[illegible]	[illegible]	[illegible]	محمد صالحین	٢٣ سال	محمد دین مرحوم [illegible] والے	شیش محل	محمد ادریس [illegible] والے	[illegible] گنج	٣١٠٠
[illegible]	[illegible]	[illegible]	محمد صدیق	٢٥ سال	محمد اسمٰعیل جالندھر والے		کرم الٰہی مرحوم	[illegible] گلی	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	محمد دین	٢٣ سال	محمد اسحاق دوائی والے	گلی [illegible]	محمد اسمٰعیل دوائی والے	[illegible]	٣١٠٠
[illegible]	[illegible]	[illegible]	عطاء الرحمن صاحب	٢١ سال	شیخ عبدالرحمن [illegible] والے	[illegible]	شیخ احسان الرحمن	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	عبدالخالق [illegible]	٢١ سال	شمس العارفین [illegible] والے	بلیماران	محمد امین	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	محمد [illegible]	٢٣ سال	محمد عبداللہ [illegible] والے	باغیچی [illegible]	محمد عمر صاحب [illegible]	باغیچی [illegible]	٣١٠٠
[illegible]	[illegible]	[illegible]	محمد یونس	٢٢ سال	محمد شفیق مرحوم	کالے صاحب	شیخ محمد صدیق	گلی [illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	حاجی [illegible] صاحب	٤٥ سال	شیخ انعام اللہ صاحب مرحوم	نواب گنج	محمد اسمٰعیل مرحوم	بلیماران	١٠٠٠
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible] سال	[illegible] مرحوم [illegible]		محمد [illegible] والے	گلی [illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	محمد آصف	٢١ سال	محمد حنیف صاحب		محمد اشفاق [illegible]	[illegible]	٣١٠٠
[illegible]	[illegible]	[illegible]	آفتاب الدین	٢٣ سال	سراج الدین [illegible] والے مرحوم	[illegible]	عبدالعزیز [illegible] والے	[illegible]	١١٠٠
[illegible]	[illegible]	[illegible]	محمد عثمان [illegible]	٢٢ سال	علاؤ الدین [illegible]	گلی [illegible]	محمد یعقوب [illegible] والے	گلی [illegible]	٥١٠٠
[illegible]	[illegible]	[illegible]	محمد زکی	٢١ سال	محمد تقی صاحب	بلیماران	حافظ [illegible] احمد	گلی [illegible]	٥١٠٠
[illegible]	[illegible]	[illegible]	محمد یونس	٢٨ سال	محمد عارف صاحب [illegible]	[illegible]	عبدالوہاب [illegible] والے	کشن گنج	٣١٠٠
[illegible]	[illegible]	[illegible]	عبدالخالق	٢٢ سال	عبدالستار [illegible] والے	[illegible]	فضل الٰہی [illegible] والے	[illegible]	١٩٠٠
[illegible]	[illegible]	[illegible]	سلطان احمد	٢٢ سال	عبدالغنی [illegible] والے	[illegible] خانہ	حافظ محمد [illegible] میرٹھ	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	مشتاق احمد	٢٠ سال	حاجی [illegible]	[illegible]	شیخ محمد ابراہیم	[illegible]	٣١٠٠
[illegible]	[illegible]	[illegible]	محمد احمد	٢١ سال	حاجی محمد امین [illegible] والے	نیا محلہ	[illegible]	کشن گنج	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	سلطان احمد [illegible]	٢١ سال	حاجی [illegible] الدین [illegible] والے	[illegible]	[illegible]	[illegible]	٥١٠٠
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible] والے	[illegible]	[illegible] والے	نیا [illegible]	٣١٠٠

[illegible]

[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۲۸	۹ [illegible]	۸ [illegible]	محمد یوسف	۱۸ سال	محمد یعقوب	[illegible]	محمد یاسین [illegible]	[illegible]	۲۱۰۰
۲۹	۹ [illegible]	۹ [illegible]	محمد یوسف	۱۸ سال	محمد یونس مرحوم گٹ والے	پکی گلی	حافظ یاسین [illegible]	[illegible]	۱۱۰۰
۳۰	۱۶ [illegible]	۱۶ [illegible]	محمد شفیع	۲۱ سال	حاجی محمد عمر بمبئی والے	فیاض گنج	شیخ ریاض الدین	پکی گلی	۵۱۰۰
۳۱	۱۷ [illegible]	۱۷ [illegible]	حافظ مشتاق احمد	۲۲ سال	شیخ محمد عمر بیت والے	مولی جیا [illegible]	شیخ محمد صدیق تارا [illegible]	[illegible]	۵۱۰۰
۳۲	۱۶ [illegible]	۱۶ [illegible]	عبدالرشید	۲۰ سال	عبدالعزیز جوتی والے	کشن گنج	شیخ محمد یحیی صاحب سورت والے	بیری والا باغ	۵۱۰۰
۳۳	۲۶ [illegible]	۲۶ [illegible]	ضمیر الدین	۱۹ سال	شیخ وحیدالدین کلکتہ والے	بہمن خانہ	شیخ نور احمد کلکتہ والے	نواب گنج	۲۱۰۰
۳۴	۲۸ [illegible]	۲۸ [illegible]	نور احمد	۲۲ سال	محمد فاروق صاحب	کشن گنج	شیخ مقبول الہی صاحب	بہمن خانہ	۳۱۰۰
۳۵	۲ [illegible]	۲ [illegible]	عبدالستار	۲۰ سال	عبدالحمید بامبی والے	فیض گنج	عبدالجبار بیڑی والے	گلی بیگ	۵۰۰۰
۳۶	۲ [illegible]	۲ [illegible]	محمد زاہد	۲۲ سال	شیخ محمد رفیع سورت والے	بارہ دری	شیخ محمد حسین مرحوم [illegible]	نیا محلہ	۲۱۰۰
۳۷	۱۰ [illegible]	۱۹ [illegible]	عنایت اللہ	۱۹ سال	حافظ حبیب اللہ سورت والے	نواب گنج	محمد صدیق [illegible] والے	گلی چابک سازان	۳۱۰۰
۳۸	۱۹ [illegible]	۱۲ [illegible]	عبدالستار	۱۹ سال	منشی عبداللہ مرحوم	[illegible]	محمد یوسف خضاب والے	نواب گنج	۲۱۰۰
۳۹	۲۳ [illegible]	۲۳ [illegible]	حافظ محمد الیاس	۲۲ سال	محمد یسین انبالہ والے	کشن گنج	شیخ حبیب اللہ سورت والے	نواب گنج	۲۱۰۰
۴۰	۲۶ [illegible]	۲۶ [illegible]	سلطان احمد	۱۸ سال	محمد یعقوب	کٹرہ محمد شفیع	محمد شفیع [illegible] والے	کشن گنج	۲۱۰۰
۴۱	۲۸ [illegible]	۲۸ [illegible]	محمد یوسف	۲۴ سال	ریاض الدین	کٹرہ محمد شفیع	محمد یاسین	بیری والا باغ	۱۱۰۰
۴۲	۷ [illegible]	۷ [illegible]	محمد یوسف	۲۲ سال	حافظ محمد امین صاحب مرحوم	محلہ فیض گنج	حبیب الرحمن [illegible]	نیا محلہ	۳۱۰۰
۴۳	۷ [illegible]	۷ [illegible]	محمد تقی	۲۱ سال	شیخ محمد یسین [illegible] والے	[illegible]	[illegible]	نواب [illegible]	۳۱۰۰
۴۴	۸ [illegible]	۸ [illegible]	محمد شفیع	۱۹ سال	شیخ محمد یسین [illegible] والے	[illegible]	حاجی عبدالحمید [illegible]	نیا محلہ	۳۱۰۰
۴۵	۸ [illegible]	۸ [illegible]	محمد یونس	۲۴ سال	محمد جان کلکتہ والے	بیری والا باغ	حبیب الرحمن [illegible] والے	بیری والا باغ	۱۶۰۰
۴۶	۱۱ [illegible]	۱۱ [illegible]	فضل رحمن	۲۰ سال	ذکر الرحمن رنگون والے	گلی ذکر [illegible]	فضل اسحق صاحب	کالے صاحب	۱۱۰۰
۴۷	۱۲ [illegible]	۱۲ [illegible]	محمد تقی	۲۰ سال	شیخ عبدالوہاب صاحب	بیری والا باغ	محمد مشتاق [illegible]	بیری والا باغ	۳۴۰۰

(بقیہ فہرست نکاح)

فہرست پیدائش

شمار	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	نام [illegible]	[illegible]
۱	۳۱ [illegible]	۳۱ [illegible]	[illegible]	محمد صالحین [illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۲	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۳	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	محمد الیاس [illegible]	محمد احمد [illegible]	بارہ [illegible]	۳
[illegible]	[illegible]	۸	مبارک [illegible]	محمد احمد صاحب [illegible]	محمد لطیف صاحب [illegible]	احاطہ کمہار	۳
[illegible]	[illegible]	۱۲	خورشید احمد	محمد حسن صاحب مسلم	شیخ احمد جان [illegible] والے	باغیچی اچھے جی	۱۴
[illegible]	۱۸	۱۰	محمد نقی صاحب	محمد الیاس صاحب بجلی والے	شیخ محمد ایوب ٹیلہ	بارہ دری	۳
۸	۲۰	۲۰	شکیلا بیگم	محمد ایوب صاحب فیروزپور والے	حاجی محمد صدیق دلال	احاطہ کیپ دارہ	۱۲
۹	۹	۹	محمد سلیم	عبدالغنی صاحب سوت والے	محمد یوسف چمڑے والے	نواب گنج	۱۴
۱۰	۲۵	۲۲	روشن آرا بیگم	شیخ ولی الدین صاحب چاندنی [illegible]	حاجی محمد تقی صاحب اللہ والے	کشن گنج	۱۳
۱۱	۲۰	۲۸	نجمہ خاتون	محمد صالحین صاحب تیل [illegible]	حاجی شمس العارفین کھال والے	کشن گنج	۱۳
۱۲	۲۹	۲۹	نواب میاں	محمد میاں چانولہ	محمد اسمٰعیل چانولہ	نواب گنج	۱۴
۱۳	۳۰	۳۰	لڑکی	حاجی نصیر الدین اللہ والے	عبدالرشید بابن والے	بارہ دری	۱۴
[illegible]	۱	۳۱	نور النساء بیگم عرف نجمہ	خلیل الرحمن بالری	حافظ مشتاق احمد	احاطہ کالے صاحب	۶
[illegible]	۳	۲	عتیق الرحمن	حبیب الرحمن باڑی	حافظ مشتاق احمد	-	۶
[illegible]	۵	۵	نفیسہ خاتون	محمد یوسف ولد سراج الدین	محمد امین	شیش محل	۱۴
[illegible]	۱۰	۱۰	ممتاز بیگم	محمد عمر ولد احسان الٰہی [illegible]	محمد یعقوب صاحب	[illegible]	۷
[illegible]	۱۵	۱۵	نسیم اختر	سعید احمد دودھ والے	حاجی عبدالکریم صاحب	گلی حکیم بیگ	۳
۱۹	۲۰	۲۰	لڑکا	عبدالستار انبالہ والے	حاجی عبدالمتین انبالہ والے	-	۳
۲۰	۳۰	۳۰	محمد اقبال	شیخ عبدالغنی [illegible] والے	حاجی احمد مرحوم	شیش محل	۱۳
[illegible]	۱	۱	[illegible] الدین احمد	انیس الدین	حاجی محمد یسین لکڑی والے	نواب گنج	۱۱
۲۱	۲	۲	رفعت بیگم	حافظ محمد ارشاد احمد [illegible]	خان بہادر حاجی رشید احمد	کشمیری گیٹ	۱

فہرست اموات

نمبر شمار	تاریخ	نام میت	ولدیت	نام محلہ	عمر متوفی	کیا مرض ہوا
۱		مردہ پیدائش	[illegible] والے	احاطہ کالے صاحب	-	-
۲		مسماۃ [illegible] جہاں	فضل الٰہی دہلوی	[illegible] باغیچی اچھی جی	۵۲ سال	پیچش
۳		مردہ پیدائش	محمد [illegible] والے	[illegible] کلاں	-	-
[illegible]		روشن جہاں	محمد سعید [illegible]	حویلی حسام الدین حیدر	۹ ماہ	کھانسی
[illegible]		مردہ پیدا ہوئی	[illegible]	-	-	-
[illegible]		سعیدہ خاتون	حاجی احمد حسن [illegible]	[illegible]	[illegible] سال	[illegible]

[illegible] ۱۹۴۹

[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible] صاحب	۳ سال	بخار
۱۱	۲۴ دسمبر	محمد عثمان	ولد محمد اشفاق	سیالکوٹ [illegible] خان	۹ دن	بخار
۱۲	۲۵ دسمبر	شفیق النساء	شیخ الٰہی بخش	شیش محل	۷۵ سال	[illegible] بخار
۱۳	۲۶ دسمبر	انیس الرحمٰن	سید محمد ادریس	حویلی حسام الدین حیدر	۱۰ سال	بخار
۱۴	۲۶ دسمبر	فاطمہ بی	سراج السلام صاحب	[illegible] حویلی حسام الدین	۲ گھنٹے	بخار
۱۵	۲۸ دسمبر	فضل الٰہی	احمد بخش [illegible]	[illegible] محل	۷۵ سال	بخار
۱۶	۲۸ دسمبر	راشدہ خاتون	محمد الیاس [illegible] والے	[illegible] باغ	۱ ماہ	بخار
۱۷	۲۹ دسمبر	مردہ پیدائش	محمد [illegible] شاہد [illegible]	گلشن گنج	-	-
۱۸	۲۹ دسمبر	نعمت بی	حافظ عبدالسلام مرحوم	باغ بیری والا	۴۵ سال	بخار
۱۹	۳۱ دسمبر	سلطانہ بیگم	محمد یونس صاحب	نیا محلہ	۴ ماہ	بخار
۲۰	۳۱ دسمبر	حاجرہ بیگم	محمد امین	کرلہ [illegible]	۴ ماہ	بخار
۲۱	۳۱ دسمبر	[illegible] بیگم	نور احمد	[illegible] صاحب	[illegible] سال	[illegible]
۲۲	۳۱ دسمبر	عبدالمتین صاحب	عبدالغفار صاحب	حویلی حسام الدین حیدر	۹ سال	بخار
۲۳	۱ جنوری	نعیمہ بانو	محمد یعقوب	گلشن گنج	۱½ سال	نمونیہ
۲۴	۲ جنوری	شکیلہ خاتون [illegible]	محمد صدیق	[illegible] فیاض گنج	۱۸ سال	بخار
[illegible]	۳ جنوری	محمد سلیمان	حاجی نثار احمد	گلشن گنج	۵۲ سال	بخار
[illegible]	۵ جنوری	نسیمہ خاتون	محمد یونس خیر فروش	[illegible]	[illegible] سال	بخار
[illegible]	۵ جنوری	مردہ پیدائش	عبدالمنان	کرلہ [illegible]	-	-
[illegible]	۱۰ جنوری	انیس احمد	محمد احمد	[illegible]	½ سال	بخار
[illegible]	۱۲ جنوری	خورشید انور	محمد سعید	[illegible]	[illegible]	بخار
[illegible]	[illegible]	مردہ پیدائش	[illegible]	[illegible]	-	-
۳۱	[illegible] جنوری	[illegible] بیگم	محمد [illegible] والے	[illegible]	[illegible]	[illegible] بخار
[illegible]	[illegible]	مردہ پیدائش	محمد [illegible]	[illegible]	-	-
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible] سال	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	بخار

[illegible]

نمبر	تاریخ	نام متوفی	ولدیت	پتہ محلہ	عمر سال	[illegible]
[illegible]	[illegible]	عطیہ بیگم	فضل الرحمن [illegible] والے	نواب گنج	۴ سال	[illegible]
۳۸	۱۸ [illegible]	سلیم اللہ	محمد الہی	طبیاران	چھ ماہ	بخار
۳۹	[illegible]	محمد احمد	محمد احمد	شیش محل	دو گھنٹہ	—
۴۰	۱۹ [illegible]	عبدالرشید [illegible]	حاجی عبدالعزیز [illegible]	کشن گنج	۷۰ سال	[illegible]
۴۱	۲۱ ۱۱/۴۷	زبیر احمد	محمد احمد	بھاٹک حبش خاں	۵ یوم	—
۴۲	۲۱ ۱۱/۴۷	اسلام النساء	محمد عثمان	احاطہ کالے صاحب	۴۰ سال	بخار
۴۳	۲۳ ۱۱/۴۷	حافظ عبدالغنی	عظیم بخش	اسلام گنج	۹۵ برس	فالج
۴۴	۲۰ ۱۱/۴۷	مردہ پیدائش	محمد الیاس	طبیاران	—	—
۴۵	۲۵ ۱۱/۴۷	محمد یعقوب	محمد یعقوب [illegible]	بارہ دری نواب وزیر	۴۰ سال	بخار
۴۶	۲۶ ۱۱/۴۷	شجاع الدین	اسلام الدین	برف خانہ	ایک سال	بخار
۴۷	۲۷ ۱۱/۴۷	حمیدہ بیگم	محمد کاملین	میم کوٹھی	۱۲ سال	دق
۴۸	۲۸ ۱۱/۴۷	لیق النساء	شیخ محمد [illegible] والے	بالا بہند دراز	۶۵ سال	ہیضہ
۴۹	۲۹ ۱۱/۴۷	نوبانو	ڈاکٹر محمد ادریس	گلی چابک سواران	۱/۲ ۲ مہینہ	[illegible]
۵۰	۲۹ ۱۱/۴۷	عمر النساء	محمد نسیم	طبیاران حویلی حسام الدین حیدر	۱۴ سال	بخار
۵۱	۲ ۱۲/۴۷	محمد سعید	ریاض الدین [illegible]	بیری والا باغ	دو ہفتہ	بخار
۵۲	۵ ۱۲/۴۷	قدسیہ بیگم	محمد یوسف	چھڑ دالان خورد	۱۳ مہینہ	نمونیہ
۵۳	۲ ۱۲/۴۷	طاہرہ بیگم	محمد سعید [illegible] والے	طبیاران حویلی حسام الدین حیدر	۲ ماہ	بخار
۵۴	۷ ۱۲/۴۷	سراج الحق	محمد [illegible]	طبیاران	۱۵ روز	بخار
۵۵	۸ ۱۲/۴۷	نسیم احمد	محمد یسین	بیری والا باغ	۴ ماہ	بخار
۵۶	[illegible]	فیروز خاتون	محمد اسحاق	رشدی والا باغ	۷ سال	بخار
۵۷	۱۰ ۱۲/۴۷	شیخ ابوالفضل	امین الدین	بیری والا باغ	۶۰ سال	ہارٹ فیل
۵۸	۱۰ ۱۲/۴۷	انعام الہی	مقبول الہی مرحوم	نواب والا باغ	۱/۲ ۱ سال	بخار
۵۹	۱۱ ۱۲/۴۷	محمد [illegible]	دلدار حسین	شیش محل	۵۰ سال	ہارٹ فیل
۶۰	۱۲ ۱۲/۴۷	محمد صالحین	عبدالغنی	کشن گنج	۲۵ سال	نمونیہ
۶۱	۱۴ ۱۲/۴۷	[illegible]	جمیل الرحمن	احاطہ کالے صاحب	۱۴ ماہ	بخار
۶۲	[illegible]	[illegible]	محمد [illegible]	نیا محلہ	۳۹ سال	بخار

[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	
۶۳	۲۰	آسیہ بی	[illegible] صاحب	[illegible]	ایک مہینہ	بخار	
۶۶	۲۳	[illegible] انس	محمد مرتضیٰ	کا باغ	۱۱ سال	بخار	
۶۷	۲۷	عبدالاحد	عبدالجبار	کا باغ	ایک [illegible]	[illegible]	
۶۸	۲۸	فرزانہ بیگم	عبدالمتین	فیاض گنج	۲۳ یوم	[illegible]	
۶۹	۱	مردہ پیدائش	[illegible]	محلہ [illegible]	-	-	
۷۰	۱۱	حاجی محمد بلال	ولد بخش اللہ	باڑہ [illegible]	[illegible]	بخار	
۷۱	۱۲	محمد صدیق	ولد عبدالغنی	محلہ [illegible]	۶۵ سال	بخار	۱۰
۷۲	۱۴	مسماۃ العارفین	محمد یوسف [illegible]	[illegible]	۸ یوم	[illegible]	۱۰۰
۷۳	۱۵	عبدالجبار [illegible]	عبدالوہاب	[illegible] کا میل	۳۲ سال	[illegible]	۱۰
۷۴	۱۵	محمد ایوب	پیر جی [illegible]	رنگ محل	۵۵ سال	[illegible]	۱۰۰
۷۵	۱۵	عبدالالٰہی	حاجی انعام الٰہی	[illegible] کلاں	[illegible] سال	[illegible]	۵۰۰
۷۶	۱۷	لڑکا	محمد شفیع	رنگ محل [illegible]	[illegible]	-	۱۰۰
۷۷	۱۸	مردہ پیدائش	عبدالخالق	بیری والا باغ	-	-	۱۰۰
۷۸	۱۹	شیخ [illegible]	[illegible]	احاطہ [illegible] صاحب	[illegible] سال	[illegible]	۱۰۰
۷۹	۲۰	محمد سلیمان	محمد فاروق	[illegible] گنج	۳ ماہ	بخار	
۸۰	۲۰	مردہ پیدائش	محمد یوسف	[illegible]	-	-	
۸۱	۲۰	حمیدہ بی	حاجی [illegible] مرحوم	احاطہ [illegible] صاحب	۴۰ سال	-	
۸۲	۲۳	بچہ مرا ہوا	شیخ محمد اسحاق	[illegible]	-	-	
۸۳	۲۲	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible] سال	[illegible]	
۸۴	۲۴	محمد اسماعیل	محمد ابراہیم	[illegible] محلہ	۴۰ سال	[illegible]	
۸۵	۲۶		شیخ عبدالرشید [illegible]	[illegible]	[illegible] سال	[illegible]	
۸۶	۲۸	[illegible]	کریم الدین [illegible]	[illegible] صاحب	[illegible]	[illegible]	
۸۷	۳۱	محمد یونس	[illegible]	[illegible]	[illegible] سال	[illegible]	
۸۸	۴	مسماۃ آمنہ [illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	
۸۹	۵	[illegible]	غلام حسین	[illegible]	[illegible]	[illegible]	
۹۰	۷	[illegible]	شیخ [illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	

[illegible]

[illegible]	[illegible]	[illegible]	پھاٹک ... خاں	۲۰ [illegible]	بخار
[illegible]	[illegible]	—	بیری والا باغ	۵۰ سال	بخار
[illegible]	[illegible]	شیخ ... الدین	پھاٹک حبش خاں	۳ ماہ	بخار
۱۴	محمد رفیع	ولد محمد اشفاق	بیری والا باغ	۲ ماہ	بخار
۱۱	محمد ...	ولد انعام اللہ	تنگ محل	۵۴ سال	بخار
۱۷	محمد اسحق	ولد حافظ اللہ دیا	بالہ مہندواڑہ	۶۵ سال	بخار
۱۹	[illegible]	... الدین	بالہ مہندواڑہ ...	۸۰ سال	[illegible]
۲۱	مردہ پیدا ...	عبدالستار	تنگ محل پھاٹک حبش خاں	—	—
		محمد یونس ... والے	گلی والی ...	۳ یوم	—
	[illegible]	حنیف اللہ	نواب گنج	۲ یوم	بخار
	[illegible]	عنایت اللہ	بارہ دری نواب وزیر	۲۵ سال	کھانسی
	عائشہ	زوجہ عبدالحق ... والے	احاطہ کدارہ	۶۰ سال	بخار
	محمد شفیق	حافظ محمد یونس	بالہ مہندواڑہ ...	۵ ماہ	بخار
۷	لڑکا	غیاث الدین	احاطہ کدارہ	ایک یوم	—
۹	... بیگم	... الدین	محلہ نواب گنج	۱ ۱/۲ سال	بخار
۱۵	محمد یونس	حاجی محمد اسحق ... والے	گلی ...	۱۴ ۱/۲ سال	بخار
۱۹	... احمد	محمد عمر ... والے	...	ایک ماہ	

بقیہ فہرست شادی

[illegible]	[illegible]	نام نوشہ	عمر	ولدیت نوشہ	سکونت	ولدیت عروس	سکونت	تعداد مہر
[illegible]	[illegible]	نور محمد	۱۹ سال	شیخ فیاض الدین ... مرحوم	گلی ... بیگ	شیخ عبداللہ ... والے	بلیماران	۵۱۰۰
[illegible]	[illegible]	ممتاز الدین	۲۱	شیخ نور الدین صاحب ... والے	پھاٹک حبش خاں	شیخ محمد صدیق ... والے	[illegible]	۲۱۰۰
[illegible]	[illegible]	محمد ...	۱۹	حاجی ...	بیری والا باغ	حاجی محمد ... صاحب	... گنج	۲۱۰۰
[illegible]	[illegible]	[illegible]	۲۴	محمد صدیق صاحب ...	[illegible]	حاجی محمد ...	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	۱۹	حافظ ...	...	حاجی محمد سعید صاحب	[illegible]	۵۱۰۰
[illegible]	[illegible]	[illegible]	۲۱	حافظ محمد ... مرحوم ... والے	...	شیخ محبوب ... صاحب	پھاٹک ...	۲۱۰۰
[illegible]	[illegible]	[illegible]	۲۰	[illegible]	...	... والے	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	محمد ...	۱۸	... صاحب مرحوم	...	شیخ ... الدین ...	... گنج	۲۱۰۰

نہیں ہو سکتا۔ آپ کی تقریر بہت سلجھی ہوئی اور مختصر تھی جس کا حاضرین پر بہت اچھا اثر ہوا۔

شیخ سعید احمد صاحب کے بعد جناب حافظ محمد اسمٰعیل صاحب مسلم نے ہماری ضروریات پر ایک مختصر اور جامع تقریر کی آپ نے بچوں اور نوجوانوں کی صحیح تعلیم کی ضرورت پر خاص طور سے توجہ دلائی۔ اور دہلی پنجابی اسکول کو تقویت پہنچانے کی اپیل کی۔

حافظ محمد اسمٰعیل مسلم کے بعد شیخ محمد ابراہیم صاحب نے تقریباً ۱۵ منٹ تک ایک بہت پرجوش تقریر کی۔ آپ نے دوران تقریر میں حاضرین کی کمی تعداد پر اظہار تاسف کیا۔ اور فرمایا کہ جس قوم کے احساسات اسقدر مردہ ہو گئے ہوں۔ اس کے سالانہ اجلاس میں شامل ہونے کی طرف سے کیا امید ہو سکتی ہے۔ دنیا میں وہی قوم ترقی کر سکتی ہے جس کو اپنی حالت میں انقلاب پیدا کرنے کی خواہش ہو۔ اس اصول کے پیش نظر ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار رہے۔ ایسے وقت میں جبکہ دنیا ترقی کے مدارج سرعت کیساتھ طے کر رہی ہو۔ اگر دوسری اقوام کی پیش قدمیاں ہماری آنکھیں نہ کھول سکیں تو ہماری نہایت بدبختی ہے۔ اگر ہمارا مقصد اپنے آپ کو بلند کرنا ہے تو ہمیں بغیر کسی ذاتی منفعت کی خواہش کے قوم کی بہتری کی بنا پر غور کرنا اور ان کو عملی جامہ پہنانا ضروری ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ اپنی محنت کا صلہ ہم خود اٹھائیں۔ بلکہ ہماری محنت یا قربانی سے اگر کسی اور فرد قوم کی بہبودی کا راستہ کھل گیا تو یہ ہماری کامیابی ہے۔ ہمیں اپنے اندر عزم راسخ اور خدمت قوم کا جذبہ پیدا کرنا ضروری ہے۔ جیسے بغیر قوم کی ناؤ کو کنارہ دیکھنا کبھی نصیب ہو گا۔ آپکا موضوع صنعت و حرفت تھا اور اس ضمن میں آپ نے بہتیری صنعتی تجاویز کا ذکر کیا جو تھوڑے سرمایہ سے شروع کی جا سکتی ہیں اور اپنے اندر ترقی کی بہت کافی گنجائش رکھتی ہیں۔ آپ نے قوم کے افراد کو نئی نئی صنعتیں اختیار کرنے کی جانب توجہ دلائی۔ اور فرمایا موجودہ وقت سے جبکہ صنعتوں کی ضرورت اسقدر بڑھ چکی ہو اگر ہم اب بھی استفادہ نہ حاصل کر سکیں تو ہمیں عمر بھر کولہو کے بیل کیطرح سے ایک ہی مرکز پر چکر لگانے کے سوا چارہ نہیں۔ آپکی تقریر کا حاضرین پر بہت اچھا اثر ہوا۔ اور آپ کے انداز تکلم نے حاضرین میں بہت گرمی پیدا کر دی۔

شیخ محمد ابراہیم صاحب کے بعد حاجی محمد صدیق صاحب باڑی نے ایک مختصر اور جامع تقریر کی۔ آپ نے دوران تقریر میں فرمایا کہ ہم ترقی اس وقت تک نہیں کر سکتے جب تک ہمیں قربانی سے دریغ ہو۔ اپنے کردار کی حمایت کا احساس نہ ہو۔ اور ہمارے دل عداوت کے جذبہ سے خالی ہوں۔ بلکہ اخوت و بیداری کے حامل ہوں۔ آپ نے افراد قوم کو جمعیۃ کے ساتھ دلچسپی لینے اور اس کو مفید تر بنانے کی جانب متوجہ کیا اور فرمایا جب خدا کے فضل سے ہم ایک مرکز کے تحت میں آ چکے اور ہم نے جمعیۃ کو قوم کی ایک نمایندہ جماعت تسلیم کر لیا تو ہمیں جمعیۃ کو اپنی نمایندگی کے قابل بنانا اور دیگر اقوام کے آگے ایک اجتماعی زندگی کی نظیر پیش کرنا از حد ضروری ہے۔ حاجی محمد صدیق صاحب باڑی کے بعد پروگرام کے مطابق آخری تقریر شیخ عبدالحق صاحب عرشی کی تھی۔ آپ نے اپنی تقریر کے دوران میں جمعیۃ کے لئے یہ لائحہ عمل تجویز کیا کہ وہ پروپیگنڈہ کی جانب اپنی توجہ پوری طرح سے منعطف کرے۔ تقاریر اور لٹریچر کے ذریعہ قوم کے احساسات خوابیدہ کو بیدار کرنے کی کوشش کیجائے۔ اگرچہ تجویز کا پروگرام ختم ہو گیا تھا اور علاوہ انتخاب اراکین مجلس شوریٰ برائے آئندہ سال باقی رہ گیا تھا مگر صاحب صدر نے قوم کے دو ہونہاروں شیخ مشتاق احمد چاندنہ ولد محمد اسحٰق صاحب چاندنہ مرحوم اور شیخ محمد رفیع صاحب نبلہ ولد شیخ اکرام اللہ صاحب کو تقریر کرنے کی اجازت دی۔ دونوں بچوں نے جنکی عمریں سولہ سترہ سال سے زائد نہیں تھیں نہایت سلجھے ہوئے پیرایہ میں تقریریں کیں۔ میاں مشتاق احمد نے "ہمارے تنزل کے اسباب کیا ہیں" اور میاں محمد رفیع نبلہ نے "ہم ترقی کیوں نہیں کرتے" کے عنوان پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اور حاضرین کو اپنی روانی اور طرز تقریر سے بہت متاثر کیا۔ ان بچوں

میں سے ایک ہوں اور وہ میری مدد و ہمدردی کے لئے تیار ہو جائینگے لیکن جب رفتہ رفتہ کلام مجید کے اصل الفاظ کی اہمیت کم ہوتے ہوتے وہ ہماری زبانوں سے ادا نہ ہوسکے گا یا ہمارے حافظے سے معدوم ہو جائے گا تو ظاہر ہے کہ ہم اسلام کی "عالمگیر" خصوصیت کھو بیٹھینگے اور وہ تمام بنی نوع انسان کو ایک رشتہ سے منسلک کرنیکی اہلیت کو کھو بیٹھیگا۔

فرض کیجئے کہ اسوقت کسی جگہ مختلف مقامات کے مسلمانوں کا اجتماع ہے یعنی کچھ لوگ ہندوستان کے ہیں کچھ چین کے، کچھ ایران کے ہیں اور کچھ ترکستان کے۔ نماز کا وقت آتا ہے اور سب ملکر ایک امام کے پیچھے نماز ادا کرتے ہیں۔ جو اصل الفاظ قرآنی میں قرات کرتا ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ امام و مقتدی میں سے کوئی کسی لفظ کا مفہوم نہیں سمجھتا لیکن کیا باوجود اس عدم علم و فہم کے آپ کہہ سکتے ہیں کہ "اجتماعیت" کا مقصود پورا نہیں ہوا؟ یقیناً ہوا کیونکہ کوئی مفہوم سمجھے یا نہ سمجھے لیکن یہ ہر شخص جانتا ہے کہ امام جو کچھ پڑھ رہا ہے وہ اصل الفاظ الہام ہیں اور انکا احترام ہر مسلمان پر واجب ہے۔ برخلاف اسکے دوسری صورت فرض کیجئے کہ امام چینی زبان میں قرات کرتا ہے۔ جس کو مقتدیوں میں سے کوئی نہیں سمجھتا۔ پھر ظاہر ہے کہ نہ زبان کے لحاظ سے انھیں کوئی دلچسپی ہو سکتی ہے اور نہ اسکے الہامی ہونیکی حیثیت سے کوئی کیفیت یکسوئی یا خشوع و خضوع کی اپنے اوپر طاری کر سکتے ہیں۔

الفاظ قرآنی سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں لیکن چونکہ انکے منجانب اللہ ہونے پر سب کا اجتماع ہے اسلئے اس اعتقاد و خیال کے ماتحت الفاظ قرآنی میں ایک طلسمی اثر پیدا ہو جاتا ہے کہ کوئی سمجھے یا نہ سمجھے لیکن اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور یہ اثر وہی کیفیت رکھتا ہے جو ایک فوجی افسر کے کمانڈ میں ہوتی ہے کہ سپاہی اسکے الفاظ کا مفہوم جانیں یا نہ جانیں لیکن انکو سنکر وہ فوراً تعمیل و امتثال کیلئے تیار ہو جاتے ہیں۔

اس بیان سے میرا مقصود یہ ہرگز نہیں کہ کلام مجید کو بلا سوچے سمجھے ہی پڑھنا چاہیئے بلکہ مدعا یہ ہے کہ جس حد تک نماز و عبادت کا تعلق ہے ترجمے کے بجائے اسکے بے سوچے سمجھے پڑھنے ہی کو ترجیح دونگا اگر عام قسم کے مسلمان کو اسکے سمجھنے کا موقع نہیں ملا ورنہ یہ تو ظاہر ہے کہ سمجھ کر کسی کلام کو پڑھنا بہت زیادہ مفید ہوگا اور ہم کو ایک مسلمان سے اتنی توقع رکھنی چاہیئے کہ جہاں وہ اپنی دنیاوی ضروریات کے لئے اور بہت سے علوم یا پیشے حاصل کرتا ہے وہیں تھوڑا سا وقت اس حد تک عربی تعلیم پر بھی صرف کرے کہ کلام مجید کی چند مشہور سورتوں کا سمجھنا اس کیلئے آسان ہو جائے۔

مصطفٰے کمال پاشا کا بجائے اصل الفاظ قرآنی کے ترکی کا ترجمہ نماز میں رائج کرنا خود ان کے ملکی مصالح کے لحاظ سے ممکن ہے مفید ہو۔ لیکن تمام عالم اسلامی کے مسئلہ اجتماعیت کو سامنے رکھکر کبھی مفید نہیں کہا جاسکتا چونکہ اسوقت ترکی بحیثیت مسلمان یا اسلامی سلطنت ہونے کے ترقی نہیں کر رہا بلکہ صرف ترکی قومیت کو پیش نظر رکھکر ابھرنا چاہتا ہے اسلئے ہم اس کو اس نوع کی اصلاحوں پر مجبور سمجھتے ہیں علی الخصوص اسوقت جبکہ وہ مذہبی ملاؤں کی گرفت سے بھی ملک کو آزاد کرانا چاہتے ہیں۔ لیکن اگر ہندوستان کے مسلمان بھی اسکی تقلید کریں تو ان کے لئے کوئی وجہ اسکے جواز کی نہیں ہو سکتی۔ جبکہ ملک میں مختلف زبانیں رائج ہیں اور ہم سب کو کسی ایک زبان کا ترجمہ کرنے پر مجبور نہیں کرسکتے۔

ترکی میں چونکہ تمام ملک میں ایک ہی زبان ہے اسلئے نماز میں کلام مجید کا ترجمہ رائج ہونے سے وہاں وہ اجتماعیت درہم برہم نہیں ہو سکتی۔ جو نماز و عبادت کا مقصود حقیقی ہے علاوہ اسکے اگر کوئی تفریق پیدا ہو بھی تو چونکہ حکومت انھیں کی ہے اسلئے وہ اسکا علاج کر سکتے ہیں۔ لیکن ہندوستان میں جبکہ زبان و نسل کے اختلاف کیساتھ حکومت بھی اپنی نہیں ہے۔ نماز میں کلام مجید کے ترجمہ کو رائج کرنا کبھی مفید نہیں ہوسکتا بلکہ موجودہ انتشار میں اس سے اور اضافہ ہونے کا اندیشہ ہے۔

ہتھیار چھین لئے جائیں۔ پرکاش سنگھ کی رہنمائی میں علم بغاوت بلند ہوا۔ میجر سپنسر کو قتل کر دیا گیا۔ باغی سپاہی بھاگ نکلے۔ باغی سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد راوی پار ایک ٹاپو میں اتر پڑی۔ انگریز تعاقب کر رہے تھے۔ ۲۸۲ گرفتار کر لئے گئے اور اجنالہ جیل میں مقید کر دیئے گئے۔ اگلے دن عید تھی مسلمان پلٹن کو عید منانے کے لئے امرتسر بھیج دیا گیا۔ دوسرے دن صبح کو سنتریوں نے لوگوں کا ہجوم اس طرف آنے سے روکا۔ باغی دس دس کی تعداد میں نکالے جاتے اور گولیوں کا نشانہ بنائے جاتے۔ جب ۱۵۰ قتل کئے جا چکے تو ایک "جلاد" بے ہوش ہو گیا۔ چنانچہ جلادوں کو آرام کرنے کے لئے وقفہ دیا گیا۔ آرام کے بعد پھر قتل شروع ہوا۔ جب ۲۳۷ مارے جا چکے تو اطلاع ملی کہ باقی ماندہ سپاہی برج سے باہر نکلنے سے انکار کر رہے ہیں۔ دروازے کھولے گئے۔ وہ سب تقریباً مر چکے تھے ۴۵ نعشوں کو باہر نکالا گیا۔ اور دوسرے باغیوں کی نعشوں کے ساتھ ایک گڑھے میں دفن کر دیا گیا۔

میاں میر کے علاوہ پنجاب اور صوبہ سرحد کے کئی مقامات پر بغاوت کے شعلے بلند ہوئے۔ دلی اور فیروز پور کا درمیانی علاقہ سب سے زیادہ متاثر ہوا۔

میرٹھ کے باغی سپاہی چودہ گھنٹہ کے اندر اندر دلی پہنچ گئے تھے۔ ۱۱ مئی کی صبح کو راج گھاٹ کا دروازہ ان پر کھل گیا۔ دلی میں مقیم انگریزی فوج کے ہندوستانی سپاہیوں نے جب باغیوں کے آنے کی خبر سنی تو انھوں نے انگریزی افسروں کو قتل کر کے بہادر شاہ کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ بہادر شاہ بساط سیاست کا مفلوج مہرہ جو نہ بادشاہت کی صلاحیت رکھتا تھا نہ انگریزوں کی مخالفت کی۔ بہادر شاہ نے اس نئی بادشاہت کے قبول کرنے میں پس و پیش کیا۔ باغیوں نے بے پرواہ ہو کر کہا "اگر یہ بڈھا نہیں مانتا تو نہ مانے ہم جس کے سر پر جوتا رکھ دیں گے وہی بادشاہ ہو جائیگا"

دلی اور میرٹھ کے باغی سپاہی شہر میں داخل ہوئے اور کشمیری دروازہ کے انگریزی میگزین کی طرف بڑھے۔ انگریز افسر نے آگ لگا دی۔ خوفناک دھماکہ ہوا۔ کشمیری دروازے کی دیسی فوج جو ابھی تک انگریزوں کا ساتھ دے رہی تھی وہ بھی باغی سپاہیوں سے جا ملی شام تک پوری دلی پر قبضہ تھا۔

۱۱ مئی سے ۱۴ ستمبر تک باغیوں کا دلی پر قبضہ رہا۔ اس زمانہ میں انھوں نے عوام اور مسلح قوتوں کے درمیان تال میل قائم نہیں کیا۔ انھوں نے حریت و مساوات کے نعروں سے لوگوں کے دلوں کو نہیں گرمایا۔ انھوں نے اکثر اپنے بڑے مقصد کو پس پشت ڈال دیا۔

دلی پر انگریزوں کی یلغار شروع ہو چکی تھی۔ اور پنجاب سے سر لارنس انگریزی فوج کی مدد کے لئے اسلحہ اور سپاہی بھیج رہا تھا۔ ادھر مرشد آباد۔ بریلی۔ اور شاہجہاں پور سے دیسی سپاہیوں کے باغی دستے دہلی میں داخل ہو رہے تھے۔ انگریزی فوج کی کمان جنرل ولسن کے ہاتھ میں تھی۔ اور ہندوستانی باغی سپاہیوں کی رہنمائی بخت خان جیسا قابل جنرل کر رہا تھا۔ دن رات لڑائی جاری تھی۔ اور انگریز فوج کو کئی بار شکست ہوئی تھی ۱۱ ستمبر کو انگریزی توپیں اہم مقامات پر نصب کر دی گئیں ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ستمبر کو دہلی پر گولے برستے رہے۔ باغیوں نے اس موقعہ پر بڑی بہادری کا ثبوت دیا۔ انھوں نے

مجھ پہ اپنے آپ پر قابو نہیں رہا — میں ؟ — میں !! (وقفہ —
میں میں ساقی گہرے گہرے سانس لیتی ہے اور پھر جھک کر سلیمہ بیگم
کا منہ چوم لیتی ہے — (جیسے ایک دم بہت سے ستارے جھنجنا اٹھے ہوں ۔
شہنشاہ (شاہی پردوں کی اوٹ سے نکل کر سامنے آ کھڑے ہوتے ہیں)
شہنشاہ :- (گرج کر) کون ہو؟ ملکہ بیگم کی مسہری پر کون جھکا ہوا ہے؟
- خبردار — بھاگنے کی کوشش مت کرو — کمر کے پیچھے ہاتھ باندھ
کر وہیں کھڑے ہو جاؤ ۔
ساقی (کانپ کر) جہاں پناہ ؟ (اپنے قدموں پر جھک جاتی ہے)
شہنشاہ :- گستاخ چھوکری ؟ — کون ہے تو؟ -(گرج کر) معدوم!
(محلسرائے کی ڈیوڑھی کا محافظ معدوم دوڑتا ہوا آتا ہے)
معدوم :- (آداب بجا لا کر) حاضر باش جہاں پناہ !
شہنشاہ :- فانوس روشن کر دو — دریچے کھول دو اور باندی
کو کھینچ کر ہمارے قریب لاؤ ۔
ساقی :- (گڑگڑا کر) جہاں پناہ — جان کی امان دیجئے —!
شہنشاہ :- تم انکار کر سکتی ہو؟ ہم نے تمہیں ملکہ بیگم کی مسہری
پر جھکا ہوا دیکھا ہے — سلیمہ کا منہ چومتے ہوئے — اس گستاخی
کا مطلب ؟
ساقی (لرز کر) جہاں پناہ — بخش دیجئے — خدارا بخش دیجئے
شہنشاہ :- (گرج کر) ہم کچھ نہیں سننا چاہتے ۔ لیجاؤ اسے —
ساقی :- (یکایک سنبھل کر) جہاں پناہ کچھ بھی سزا دے لیجئے۔ مگر مجھے
ننگا نہ کیجئے — میں مرد ہوں —!!!!
شہنشاہ :- مرد؟ — (چلا کر) بدبخت! کون ہے تو؟ — سلیمہ
کہاں ہے ؟ اسے جگاؤ — ہم کہتے ہیں اسے کھینچ کر کھڑا کر دو ۔
معدوم :- وہ بے سدھ پڑی ہیں ۔
شہنشاہ (کانپ کر) اف فاحشہ عورت — یہ ہماری سمجھ میں
کچھ نہیں آ رہا — ہم؟ — ہم کیا کریں ؟ — معدوم! اس
بدبخت کو سنبھالتے ہوئے لیجاؤ اور سڑنے کے لئے زنداں میں ڈال دو

— سلیمہ جاگے تو اس سے کہہ دو کہ اب ہم اس کی صورت نہیں
دیکھنا چاہتے — بہتر ہو کہ وہ کچھ کھا کے سو رہے — اس محل
کے دروازے پر پہرے بٹھا دو — سلیمہ ہماری حراست میں ہے —!

---

(۲) دوسرا سین

(زینت بیگم کے محل کی خواب گاہ)

شہنشاہ :- (روندھے ہوئے گلے سے) خدایا —! تو بڑا غفور الرحیم ہے
سب ظاہر و باطن کو جانتا ہے ۔ تجھ سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں ۔
آج ہم ایک بڑی آزمائش میں مبتلا ہیں ۔ ہماری رہنمائی کر —
ہمیں سیدھی سمجھ دے کہ غصے میں ہم کوئی غلط قدم نہ اٹھا بیٹھیں ہمیں
ہمت دے تاکہ ہم اپنی کمزوریوں پر غالب آ سکیں — آمین —!
زینت :- جہاں پناہ ؟ —
شہنشاہ :- تم زینت بیگم ؟ سوئی نہیں ابھی ؟
زینت :- دل کو ڈھارس دیجئے جہاں پناہ — ڈرتی ہوں کہ خدانخواستہ
کہیں آپ کی تندرستی پر کوئی برا اثر نہ پڑے ۔ جب بھی آنکھ کھلی آپ کو
سجدے میں گڑگڑا گڑگڑا کر اللہ سے کچھ مانگتے پایا۔ بچپن سے ادھر ادھر ٹہلتے
ہوئے ۔ بستر کی شکنیں بتلا رہی ہیں کہ حضور رات میں ایک لمحہ کو بھی نہیں
سو سکے ہیں ۔
شہنشاہ (آہ سرد) ہاں زینت بیگم — ہم بہت تھک گئے ہیں — آنکھوں
کے پپوٹے بوجھل ہیں اور دل ویران — مگر نیند کوسوں دور ہے — ہم کوشش
کے باوجود سو نہیں سکے ۔ ہمیں بتاؤ بیگم، کہ اس دنیا میں اپنے پرائے کی پہچان کیا
ہے — کس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے — اور کس پر نہیں۔ کس کی
باتوں پر یقین کریں اور کسے فریبی گردانیں؟ کیا آستینوں کے پالے ہوئے
سانپ موقع پا کر ڈس بھی لیا کرتے ہیں ؟ اور اس طرح ؟ —
زینت :- میں سمجھی نہیں جہاں پناہ —
جہاں پناہ :- ہم خود بھی نہیں جانتے یہ سب کچھ کیسا ہوا ؟ —
ہمیں سمجھنے دو — اپنے تصورات سے لڑائی کرنے دو — ہم کانپ

ریڈیو!

۔ موجودہ زمانہ کی ایجادات میں ریڈیو کا نام سب سے اونچا ہے۔ یعنی اس کو سب پر فوقیت حاصل ہے ۔ کیوں نہ ہو؟ جبکہ یہ تجارت کی ترقی، تعلیم اور معلومات کا ذریعہ بن گیا ہے۔ ہم اس ہی کے ذریعے دنیا کے ہر گوشے کی خبر آن کی آن میں سن لیتے ہیں ۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ ہے کیا بلا؟ بغیر تار یا رشتے کے کام کرتی ہے ۔ آپ نے ہزاروں دفعہ دریا، تالاب وغیرہ میں پتھر پھینکے ہوں گے اور شاید غور بھی کیا ہو گا کہ پتھر کے پھینکنے سے پانی میں لہریں پیدا ہوتی ہیں اور رفتہ رفتہ بڑھتی جاتی ہیں اور بڑی ہو جاتی ہیں لیکن جوں جوں یہ لہروں کے حلقے بڑے ہوتے جاتے ہیں توں توں مدھم پڑتے جاتے ہیں ۔

یہی حال ہوا کے سمندر کا بھی ہے جس وقت ہم باتیں کرتے ہیں تو گویا ہوا کے سمندر میں پتھر پھینک رہے ہیں جن کی وجہ سے اس میں گول گول لہریں پیدا ہو جاتی ہیں۔

ہم جو آپس میں بات چیت کرتے ہیں ان سے جو لہریں پیدا ہوتی ہیں وہ زیادہ دور نہیں جا سکتیں اور اگر جا بھی سکتی ہوں، تو یہ اتنی طاقت ور نہیں ہوتیں کہ ہوا کے تھپیڑوں کو برداشت کر سکیں یہ فوراً منتشر ہو جاتی ہیں اس لئے ہم کو اپنی آواز دور دراز فاصلے پر پہنچانے کے لئے بہت طاقتور لہریں پیدا کرنی ہونگی